اورے پیا



نایاب جیلانی

پیش لفظ

''اور ے پیا'' میرا دوسرا طویل ناول ہے۔ جس کی بنیاد ایک روایتی ماحول کی سختیاں ہیں۔ جسے ''شب یلدا'' میں ایک وفا پرست عورت کے آنسوؤں سے متاثر ہو کر لکھا گیا۔ جس کی محبت اس کی ثابت قدمی کی ''ضامنہ'' تھی۔ اس ناول کا ہر کردار میرے لئے ''ضطم'' کی مانند ہے۔

یہ ناول محبت، نفرت اور جنوت کے جذبات سے تعمیر کیا گیا ہے۔ محبت جو مٹھاس ہے۔ نفرت جو ''ضیب'' (تلوار کی دھار) کی مانند ہے اور جنون جسے ضُرمہ کہا جاتا ہے، جو آگ اور آتش کے علاوہ کچھ نہیں۔

یہ کہانی دو عورتوں کی کہانی ہے۔ یہ کہانی حریم اور زوباریہ کی کہانی ہے۔ یہ کہانی محبت اور جنون کی کہانی ہے۔ محبت، جو حریم کی صورت میں وفا، نیکی، ایثار اور پیار چھلکاتی رہی۔

جنون جو زوباریہ کی شکل میں گھر، خاندان اور نسل تک کی بنیادوں کو ہلا گیا۔

اس ناول کا سب سے صرح، کھرا، خالص کردار منیب عالم تھا جسے لکھتے ہوئے بار بار میری آنکھوں کے سامنے اس عظیم ماں کا چہرہ آتا رہا جس نے منیب عالم جیسے تین بچے جنم دیئے اور جس کے لبوں سے سوائے صبر اور شکر کے میں نے کچھ نہیں سنا۔ جب کسی صرحہ (ٹھوس) زمین پر کوئی قصہ، کہانی یا داستان رقم کی جاتی ہے تو اس کا ہر لفظ صدفی یعنی سیپ میں بند موتی کی مانند ہوتا ہے جسے لکھنے والے ہاتھ، پڑھنے والوں کے لئے اُبھار کر سامنے لاتے ہیں۔

میں نے اس تحریر کو عجیب، انوکھا، نادر یا غیر معمولی نہیں بنایا بلکہ اسے پڑھنے والی، دیکھنے والی اور پسند کرنے والی نظروں نے آراستگی، آرائش اور زیبائش بخشی ہے۔

کہانی کی شاخ، ٹہنی کا ہر پتہ اس کا کردار ہوتا ہے۔ کچھ کردار اپنے اسلوب اور خوش کلامی، خوش بیانی کا فسوں دُور دُور تک پھیلا دیتے ہیں۔ شاید زرجان عباس کی ''خاموش محبت کا

فسوں ''فکرت'' کی ایک گرہ کھول ہی دے کہ محبت صرف پالینے کا نہیں کھو دینے کا نام بھی ہے۔ اگر مل جائے تو زندگی رنگین، رنگارنگ، رنگوں سے بھرپور قزل یا قزح کی مانند۔ اگر نہ ملے تو بیت جانے والی عمر کے لئے عظیم الشان تصفیہ۔

''اورے پیا'' حریم جمال کے ''پیا'' کی کہانی ہے، جس کے لئے اس کے سب اپنے، سب رشتے ''قیطون'' کی مانند تھے جنہیں نرماہٹ، محبت اور ذہانت کے ساتھ وہ سلجھاتا رہا تھا مگر ریشم کی یہ ڈور تقدیر کے ہاتھوں اس طریقے اور اسلوب سے اُلجھی کہ عقل حیران اور فہم بدگمان ہو گیا۔

اس ناول میں عورت کے ایثار، پیار اور قربانی کے جذبے کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ایثار جو حریم نے اپنے بابل کی ''دستار'' بچانے کی خاطر اپنے جمے ہوئے قدموں کو اکھاڑ کر کیا۔

رویوں اور رشتوں کی نوک سے ٹکراتی محبت اور جنون کے ترازو پر ریت سے ڈھکی زمین پر خار خار انگلیوں سے نقش و نگار بناتی، کبھی شعلے اُگلتی تو کبھی گل ابر کی طرح برستی، کبھی فاتح کہلاتی تو کبھی شکست خوردہ نظر آتی۔ کبھی عروج کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی زوال پذیر کر دیتی ہے۔ ارفع جذبوں سے گندھی، جنوں کی معراج کو چھوتی، مقررہ حدود کو توڑتی ایک مکسورہ (ٹوٹی ہوئی) عورت کی کہانی یعنی زوباریہ درانی کی کہانی۔ جس نے منوہ (مانگی ہوئی) محبت کے حصول کی خاطر کسی کی آنکھ کے خواب نوچتے نوچتے، عذاب خرید لئے تھے۔

میں بھائی محمد علی قریشی اور ادارہ القریش پبلی کیشنز کی از حد مشکور ہوں جن کے تعاون کی بدولت میری تیسری کتاب ایک خوب صورت ''یاد'' کا حصہ بن گئی۔

آپ کے خلوص اور دعاؤں کی طالب۔

دعاگو

نایاب جیلانی

گلابی رات صبح نوخیز کی چادر میں جا چھپی تھی۔ اس نے دھیرے سے کھڑکی کے پٹ کھولے اور پھر بند کیے۔ اس کی آنکھ صبح صادق کے وقت ہی کھل چکی تھی۔

اس وقت ہر سو اندھیرا تھا اور مدھم اندھیرے کا اپنا ہی ایک حسن تھا۔ دلکشی تھی اور اس بنفشی مدھم مدھم رات اور دن کے ملاپ کا حسن صرف وہ ہی محسوس کر سکتا تھا' جسے صبح خیزی کی عادت تھی۔ جوان مقدس ساعتوں اور پاکیزہ گھڑیوں میں رب کائنات کی حمد و ثناء کا لطف اٹھاتے تھے۔ حریم جمال انہی لوگوں میں سے تھی' جو گلابی راتوں کے اختتام پر رب رحیم کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اٹھتے تھے۔ وہ غسل کے بعد نماز ادا کر چکی تھی۔ اس کے کمرے میں قرآن پاک بھی موجود تھا۔ سو اس نے تلاوت کلام پاک بھی کر لی تھی۔

اب وہ انتظار کر رہی تھی ماہیر عالم کے اٹھنے کا' اس کی بند آنکھوں کے کھلنے کا' وہ اس کے برابر میں ہی تو بے خبر سویا ہوا تھا۔ کیسی بے فکری کی میٹھی اور بے تحاشا میٹھی نیند تھی۔ رات کو ہی تو وہ حریم کو اپنی مست نیند کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ بہت گہری نیند سوتا تھا۔ اسے بستر پر لیٹتے ہی نیند آ جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہیر نے اسے بتایا تھا کہ وہ ہلکے سے کھٹکے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جتنی بھی گہری نیند وہ سویا ہوتا تھا' ذرا سے ہلانے یا پکارنے پر فٹ سے اس کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔

حریم نے ابھی تک اسے جگانے کا تجربہ کر کے نہیں دیکھا تھا' بلکہ اس نے تو ابھی تک ماہیر کو غور سے تو کیا سرسری سا بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی طرف نگاہ اٹھنے سے پہلے ہی دھڑکنیں سینے میں ادھم مچا دیتی تھیں۔ من مندر میں سریلی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس کا اور ماہیر کا سالوں پر نہیں صدیوں پر محیط رشتہ تھا۔ وہ اس کی کچی عمر کا خواب تھا' اوائل عمری کا عشق تھا۔ وہ تو پہلی مرتبہ ماہیر کا نام سن کر ہی چپکے چپکے اس کے عشق میں فنا ہونے لگی تھی۔

منگنی کے بعد ان چھ سات سالوں میں کئی مرتبہ ماہیر سے سامنا ہوتا رہا تھا' مگر وہ بن دیکھے آج تک سر جھکائے اور نظروں پر پہرے بٹھائے ہوئے تھی۔ حالانکہ ماہیر نے کوئی بیس مرتبہ رات کو اس کے بازو میں چٹکیاں بھر کر کہا تھا۔

''اے حریم! ادھر دیکھو نا...... میں تمہارے جتنا حسین نہ سہی' اتنا بھی برا نہیں ہوں' ذرا دیکھو تو سہی۔''

وہ اسے گدگدانے لگا تھا اور وہ نظریں جھکائے ہنستی رہی۔ اس کی ہنسی میں کتنی کھنک تھی اور چہرے پر کسی قدر

تازگی اور شگفتگی تھی۔ ماہیر کتنے ہی پل بے خود سا اسے دیکھتا رہا اور اب اس وقت حریم بے خودی ماہیر کو دیکھے جا رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ گھڑیاں، یہ پل، یہ لمحے رک جائیں، ٹھہر جائیں۔ حالانکہ ایسا ہو تو نہیں سکتا تھا، مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو ایسی انہونیوں کے لئے ہمہ وقت خوش گمان رہتا تھا۔

ماہیر کی آنکھیں بہت خوب صورت اور خواب ناک سی تھیں یا پھر حریم کو ہی وہ اتنا اچھا، اس قدر دل کے قریب لگتا تھا۔ اس کی رنگت صاف اور چمکتی ہوئی تھی۔ بال گھنے اور لچھے دار تھے۔ وہ مضبوط کاٹھی کا بلند قامت خوش شکل نوجوان تھا۔

وہ ماہیر عالم تھا۔ جس کی ذکاوت، ذہانت اور نجابت کے قصے اس کے بابا کی زبان پر ہمہ وقت موجود ہوتے تھے۔ وہ کیسے بولتا، کیسے اٹھتا اور کیسے چلتا ہے۔ شاید وہ اپنے باپ کا پرتو تھا اور بابا اس میں اپنے مرحوم دوست کی جھلک دیکھتے تھے۔

"ایسے بیٹے ماں باپ کا فخر ہوتے ہیں۔ باپ کے برابر چلیں تو سینے میں موجود دل جذبوں کی گرمی سے بھر جائے۔ تحفظ کا احساس دلاتے ایک ان دیکھے مان اور سائبان جیسے بیٹے۔" بابا کی آنکھوں میں ماہیر کے لئے محبت نمی بن کر چھلکنے لگتی تھی۔ کچھ ایسی عجیب سی محبت ان باپ بیٹی کو ماہیر عالم سے تھی۔

یہ اس کی نظروں کی محویت تھی یا نرم گرم جذبوں کی تپش...... ماہیر نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ کہنی کے بل ذرا سا اونچا ہو کر پہلے اسے اور پھر کلاک کی طرف دیکھ کر اچھل پڑا۔

"صبح بخیر۔" مسکراہٹ اجالا بن کر حریم کے لبوں پر سج گئی۔

"بخیر...... بخیر۔" وہ چادر ہٹائے ادھر ادھر دیکھتا کھڑا ہوا تھا، پھر دوبارہ سے بیڈ پر اس کے قریب ڈھے گیا۔

"نکل گیا...... نکل گیا۔" اس کی نظریں کھڑکی کی درز میں سے چھن چھن کر آتی سنہری دھوپ پر تھیں۔

"ماہیر! کیا ہوا ہے؟" وہ قدرے گھبرا کر دھیمے سے بولی۔

"نماز کا وقت نکل گیا۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔ سارا ثواب خود سمیٹتی رہیں۔ آج تمہارے ساتھ چوتھی صبح ہے اور یہ تیسری نماز قضا ہوئی ہے۔" وہ انگلیوں پر گنتے ہوئے سارا قصور اس کے نامے میں لکھ چکا تھا۔

"مجھے کیا پتا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں۔" وہ کچھ جھینپ مٹانے کے لئے بولی۔

"کیوں بھئی، کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔" اب وہ زبردستی اس کے بازو کو کھینچ کر اس پر سر رکھے لیٹ چکا تھا۔

"مجھے کیا خبر، آپ نام کے مسلمان ہیں یا پکے والے۔"

"ہیں...... یہ کیا بات ہوئی۔" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"یہ پکے مسلمان کون سے ہوتے ہیں؟" اب وہ شرارت سے حریم کی سیاہ چمکیلی بوجھل بوجھل پلکوں والی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کا ہاتھ حریم کے بالوں میں گردش کر رہا تھا۔ وہ اک سرور بخش احساس

کے تحت چند پل خاموش رہی۔

"پکے مسلمان وہ ہوتے ہیں جو اللہ کے احکام پورے دل اور روحانی خوشی کی چاہ میں ادا کرتے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے، میں پکے والے مسلمانوں میں سے ہوں۔" اس نے شرارت سے حریم کی صبیح پیشانی پر انگلی سے ماہیر لکھا اور وہ اس عمل کو لاشعوری طور پر بار بار دوہرا رہا تھا۔

"ماہیر! یہ کیا کر رہے ہیں۔" کچھ دیر بعد وہ ماہیر کی اس حرکت کو نوٹ کر چکی تھی۔

"اپنا نام تمہارے ماتھے پر لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ حریم کے کان میں سرگوشیانہ بولا۔

"تا کہ پوری دنیا کو خبر ہو جائے، تم ماہیر کی ہو چکی ہو۔"

"یہ بھلا کیا بات ہوئی۔" وہ اس بچگانہ منطق کو سن کر ہنس پڑی۔

"دنیا اندھی تھوڑی ہے۔ احباب نے ولیمہ کھایا ہے اور کسے "باخبر" کرنا چاہتے ہیں؟"

"اپنے دل کو۔" وہ اس کا نرم گداز سفید مومی ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھ کر گمبھیر آواز میں بولا۔

"اس کمبخت کو یقین نہیں آتا کہ ماہیر عالم سب سے خوب صورت اور حسین تر جزیرے کو اپنے نام لکھوا چکا ہے۔"

"اوں...... ہوں۔" وہ اس کی جذباتی پیش قدمی پر مزاحمت کرتے ہوئے قدرے دور ہٹی۔

"اٹھ کر شاور لیجیے اور قضا نماز ادا کریں۔ نیچے بھی سب اٹھ چکے ہوں گے۔"

"ہمیں نیچے والوں سے کیا لینا دینا۔" وہ حریم کو ایک مرتبہ پھر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا ہے، پھر سے بولئے۔" حریم حیران ہی تو رہ گئی۔

"کچھ نہیں یار! مذاق کر رہا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"امی نے سنا تو پوری تقریر جھاڑ دیں گی۔ دو دن میں جادوگرنی نے جادو کر دیا ہے۔"

"جادوگرنی کسے کہا ہے؟" حریم نے خفگی سے پوچھا۔

"تمہیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر اسے بازوؤں کے حصار میں لے چکا تھا۔

"جادو کرنے والی کو کچھ اسی نام سے پکارتے ہیں نا۔ کیسا سحر پھونکا ہے، میرے ناتواں دل پر۔ کسی کام کا نہیں رہا۔ تمہارے بغیر بلکتا رہے گا بے چارا، آخر تلاش معاش کے لئے باہر بھی تو نکلنا ہے۔"

"تو اپنے بے چارے سے دل کو میرے پاس چھوڑ جایا کیجئے گا۔ مجھے بھی اطمینان رہے گا۔" حریم ایک تحفظ، ایک سرشاری کے عالم میں بولی۔

"کیسا اطمینان؟" اس کے گلے میں جھولتی چین ماہیر کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ یہ چین زمیلہ (نند) نے پہنائی تھی۔ اب وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ آپ کا بے چارا دل کسی اور کا اسیر نہ ہو جائے۔"

"یہ دل جو ماہیر کے سینے میں دھڑک رہا ہے، یہ کسی اور کا کبھی بھی اسیر نہیں ہو سکتا۔ وعدہ رہا، یہ تمہارا ہے، تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا۔" چین میں جھولتے لاکٹ میں نہ ایچ تھا، نہ ایم تھا۔ اس میں سفید نگینوں

سے زیڈ لکھا تھا۔ ماہیر نے ہاتھ سے ٹٹول کر چین کا لاک کھول دیا تھا۔ حریم حیران تھی کہ ماہیر کیا کر رہا ہے' کیا کرنے والا ہے۔ اب وہ چین ماہیر کے ہاتھ میں تھی اور کچھ ہی پل میں اس کے تین چار حصے ہو چکے تھے۔ وہ حق دق ہی تو رہ گئی تھی۔ ماہیر اب کروٹ بدل کر دراز میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ وہ سرخ رنگ کا مخملی نیا نکور کیس تھا' جس میں سے سفید موتیوں سے سجی نفیس سی ایک لڑی کی چھوٹی سی مالا برآمد ہوئی تھی۔ ماہیر نے وہ مالا اس کی نازک سی دودھیا گردن میں یونہی لیٹے لیٹے پہنا دی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیران سی پوچھ رہی تھی۔

"تمہاری رونمائی کا تحفہ!" وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

"یہ جیولر کی بے ایمانی کی وجہ سے لیٹ ہوا ہے۔ اس نے میری پسند کا ڈیزائن کسی اور کسٹمر کو سیل کر دیا تھا۔"

"مگر یہ تو بہت مہنگی ہوگی۔" حریم نے کچھ پریشانی کے عالم میں اپنی گردن میں موجود اس مالا کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تحفے کی قیمت کو نہیں دیکھتے' دینے والے کی لگن' شوق' چاہ اور محبت کو دیکھتے ہیں۔" وہ اس کے گال سے اپنا گال رگڑ کر بولا تو ایک دم ہی حریم کو گزرتے وقت کا احساس ہوا۔

"آپ کے لاڈ تو طویل ہوتے جا رہے ہیں' نیچے سے گولا باری نہ شروع ہو جائے۔" وہ پہلی صبح اپنی ساس کے موڈ سے بہت سے اندازے لگا چکی تھی' جو کہ بدقسمتی سے سارے سچ ثابت ہو رہے تھے' تاہم اس خوب صورت تحفے اور چوتھی صبح کے اس دلنشیں آغاز نے حریم کے اردگرد چراغاں کر دیا۔

"تحفہ دینے والا ذرا جیب کی طرف دھیان دے کر تحفہ خریدے۔ میرے لئے اس دیالو شخص کی ایک مسکراہٹ سے بڑھ کر دنیا کا کوئی حسین گفٹ نہیں۔"

"تم تو بہت سستی سی چیز کی تمنا کر رہی ہو' مگر ڈیئر بیگم! میں ذرا مسکرانے کے معاملے میں کنجوس ہوں۔ باقی ہر معاملے میں تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ ہماری محبت کے عملی اور پرجوش مظاہرے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر شرارتاً کہہ رہا تھا۔ حریم حیا اور شرم سے کٹ کر رہ گئی۔

"تم مجھے بڑی محویت سے دیکھ رہی تھیں نا؟" ماہیر بڑے وثوق سے پوچھ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی مکر گئی۔

"کب؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"تو آپ جاگ رہے تھے۔" حریم نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔

"میں گہری نیند میں سوتا ضرور ہوں' مگر اردگرد سے بے خبر نہیں ہوتا۔ چوری چوری دیکھنے سے کیا فائدہ؟ ہماری طرح بے باکی سے دیکھا کرو نا۔" اس نے حریم کو بری طرح گدگدایا وہ ہنس ہنس کر بے انتہا سرخ ہو گئی تھی۔ اسی پل دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ دروازہ ناک کرنے والا بڑے محتاط انداز میں دستک دے رہا تھا۔ شاید ماہیر کی نیند کے خیال سے یا پھر......

"دروازہ کھولو......" ماہیر نے اسے اشارہ کیا۔

"نہیں' میں نہیں کھولوں گی۔" وہ لمبے گھنے اور بے تحاشا سلکی بالوں سے الجھنے لگی تھی۔ الٹے سیدھے انداز میں انہیں سمیٹ کر کیچر لگایا اور دوپٹہ اٹھا کر سیدھی ہو گئی۔ اسی اثناء میں ماہیر ٹاول اٹھائے بالکونی میں کھلنے والے دروازے سے باہر واش روم کی طرف نکل گیا تھا۔ وہ ماہیر کو پکارتی ہی رہ گئی تھی اور پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے فیفا کھڑی تھی۔ ماہیر کی پھوپھی زاد بہن' نام تو شاید اس کا عفیفا تھا' مگر یہاں پر ہر طرف فیفا کی پکار ہی سنائی دی تھی۔ تیکھے نقوش اور گوری رنگت والی ہنستی مسکراتی شوخ سی فیفا اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"گڈ مارننگ حریم۔"

"مارننگ۔" اسے کچھ کہنا ہی تھا۔

"آ جاؤ......" حریم نے ایک طرف ہو کر اسے گزرنے کے لئے راستہ دیا۔

"نہیں' تمہیں اور ماہیر کو بلانے آئی ہوں۔ مامی ناشتے کے لئے تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ فٹافٹ آ جاؤ' تم تو فریش لگتی ہو۔ چینج کرنا ہے تو کر لو۔ اتنے میں ماہیر بھی اٹھ جائے گا۔" فیفا بہت تیز بولتی تھی۔ ایک ہی سانس میں روانی سے کہتی چلی گئی۔

"ماہیر شاور لے رہے ہیں۔ ہم بس نیچے آ رہے ہیں' تقریباً دس منٹ تک۔"

"دس منٹ کا مطلب دس منٹ ہی ہوتا ہے' اوکے۔" وہ شائستگی سے کہتے ہوئے پلٹ گئی۔

"دروازے پر کون تھا؟" وہ تولیے سے بال رگڑتا کمرے میں داخل ہوا۔

"فیفا تھی...... ناشتے کے لئے بلانے آئی تھی۔"

"ایک تو یہ فیفا سویرے سویرے نازل ہو جاتی ہے۔" نہ جانے کیوں ماہیر کے لہجے میں ناگواری در آئی تھی۔ اب وہ اس بات پر کیا تبصرہ کرتی' سو خاموشی سے ماہیر کو بال بناتے اور پرفیوم اسپرے کرتے دیکھتی رہی۔ وہ بہت خوش لباس تھا۔ بہت اچھی خوشبوئیں استعمال کرتا تھا۔ بہت عمدہ گفتگو کرتا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"تم جاؤ' میں ابھی آتا ہوں۔" وہ جائے نماز اٹھا کر ایک دفعہ پھر بالکونی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تنہا ہی نیچے آئی تھی۔ فیروزی رنگ کے سوٹ میں بغیر میک اپ کے ہلکے پھلکے زیور کے ساتھ اس کا کندنی روپ جگمگا رہا تھا۔ آنکھوں میں محبت کا اعتبار اور بہت کچھ پا لینے کا خمار گلابیاں بن کر چھلک رہا تھا۔

راحت بیگم چھوٹے سے لاؤنج کے ایک کونے میں رکھی میز کے قریب کھڑی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ حریم نے آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔ انہوں نے سرسری انداز میں سلام کا جواب دے کر پوچھا۔

"ماہیر کہاں ہے؟ ابھی اٹھا نہیں' ٹھنڈی بے مزا چائے اور باسی ناشتے کا بھلا کیا لطف......"

وہ شاہانہ تمکنت سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اونچی لمبی' گوری چٹی' صحت مند' ہشاش بشاش یہ عورت اس کی ساس تھی۔ وہ ان کے روکھے پھیکے سے انداز کو دیکھ کر قدرے بے دل سی ہو کر گھڑی کی سمت دیکھنے لگی۔ کلاک نے ابھی صرف سات بجائے تھے۔ اس گھر کے مختصر سے لوگ بھی صبح خیز تھے۔ ہر کام وقت پر اور

ترتیب سے کرنے کے عادی۔ صرف چار دن میں حریم ان سب کے رویوں کو اور مزاج کو اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی اور اسے اپنے مقام اور حیثیت کو سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی تھی۔

"آج کوئی بری کا سوٹ پہن لینا تھا۔ کیا ادھر کے کپڑے تمہاری پسند سے میچ نہیں کرتے۔" وہ بڑے سرسری انداز میں براہ راست تنقید کر رہی تھیں، یعنی انہیں حریم کی ڈریسنگ پسند نہیں آئی تھی۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"یہ ذرا ہلکا پھلکا سا تھا، اسی لئے پہن لیا۔"

"ہوں۔" وہ ہنکارا بھرتے ہوئے چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں، مگر ان کا دھیان کنفیوزسی حریم کی طرف تھا۔ اس کے گلے میں لاکٹ کی بجائے چھوٹی سی مالا پوری آب و تاب سے جگمگا رہی تھی، مگر شاید انہوں نے اس کے بارے میں استفسار اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ اسے بھی میکے کی طرف کا زیور سمجھ رہی تھیں۔

"فیفا! موبی کو ناشتا دے دیا۔"

"جی مامی!" وہ گرم گرم حلوے کا باؤل اٹھائے کچن سے برآمد ہوئی۔

"زمیلہ کہاں ہے؟ اس نے ناشتا نہیں کرنا۔"

بالآخر اسے خود ہی نند کے متعلق پوچھنا پڑا تھا۔ مبادا ساس صاحبہ کو برا نہ لگے کہ زمیلہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ وہ اسی طرح چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں پر خفا ہو جاتی تھیں۔

"وہ ناشتا کر چکی ہے۔" راحت بیگم فرائی چکن کی طرف متوجہ تھیں۔ حالانکہ انہیں بلڈ پریشر کا مرض لاحق تھا اور اسی مرض کا بہانہ بنا کر انہوں نے شادی والی رات تمام رسومات سے جان چھڑا لی تھی۔ آج چوتھی کی رسم ہونا تھی۔ میکے والے لڑکی کو لینے کے لئے آتے تھے۔ اچھا خاصا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس کے خاندان میں تو اسی طرح ہوتا تھا۔ البتہ امی نے رخصتی سے پہلے ان فضول رسومات پر ناک بھوں چڑھا کر سب ہی کو ڈھکے چھپے لفظوں میں جتلا دیا تھا کہ حریم کے بابا تو خود ان رسومات کو محض فضولیات میں شمار کرتے تھے، تاہم اس کی اکلوتی خالہ کو بہت غصہ آیا تھا، مگر وہ بابا کی وجہ سے خاموش تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ماہیر بھی سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تھا۔ پھر وہ اس کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ حریم نے نوٹ کیا کہ بیٹے کے سلام کے جواب میں انہوں نے بڑی شفقت اور والہانہ محبت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے دل میں ہلکی سی چبھن ہوئی تھی۔

"موبی نے ناشتا کر لیا ہے۔ اس کی دوا کا وقت ہو رہا ہے۔" ماہیر اخبار اور چائے میں گم ہو چکا تھا۔ اچانک کچھ یاد آنے پر پوچھنے لگا۔

"فیفا نے دلیہ بنا دیا تھا۔ دوا بھی کھلا چکی ہے۔" وہ قیمہ بھرے پراٹھے ماہیر کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

"فیفا! آ بھی جاؤ...... چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" پھر وہ کچن میں موجود فیفا کو آوازیں دینے لگی تھیں۔

"تم ابھی ادھر ہی ہو؟" ماہیر نے چونک کر اخبار سامنے سے ہٹایا۔

"تو مجھے اور کہاں جانا ہے؟" انداز میں عجیب سی چبھن تھی۔ کم از کم حریم کو اس کا لہجہ چبھتا ہوا محسوس ہوا۔

"اپنے گھر میں تمہارا دل نہیں لگتا؟"

"نہیں۔" ٹکا سا جواب آیا۔

"ماہیر۔" امی جان نے فوراً ٹوکا۔

"ایک تو بے چاری صبح سے تم لوگوں کے لئے ناشتا بنانے کچن میں گھسی ہے، اوپر سے اسے باتیں سنائے جا رہے ہو۔" وہ شدید برا مان گئی تھیں۔ یقیناً فیفا ان کی کافی چہیتی تھی۔

"اونہہ، بنایا کیا ہے، یہ فضول سا حلوہ۔" ماہیر نے ناگواری سے کہا تھا۔ شاید فیفا کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

"جا رہی ہوں مامی! دوپہر کو چکر لگاؤں گی۔ اپنے لاڈلے سے مینیو پوچھ لیجئے گا۔ کھانا اس کی پسند کا بنے گا۔" فیفا جلتی بھنتی تڑ تڑ جواب دیتی کرسی گھسیٹ کر اٹھ گئی۔

"آپ کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں، لنچ ہم باہر کریں گے اور حریم آج اپنے بابا کے گھر جائے گی۔" وہ اخبار سمیٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ فیفا کے بڑھتے قدم بھی رک گئے تھے اور ادھر حریم کے دل میں شہنائیاں گونج اٹھیں۔ وہ اس طرح بن کہے اس کی شدید ترین خواہش کو جان جائے گا۔ یہ تو حریم کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ بابا سے جانی سے ملنے کے لئے کس قدر بے تاب تھی، مگر نوک زبان سے اپنی خواہش کا اظہار کرنے سے قاصر تھی۔

"مجھ سے پوچھے بغیر ہی پروگرام ترتیب دے ڈالا ہے۔" راحت بیگم نے چمچہ زور سے پلیٹ میں پٹخ کر گویا اپنی ناراضی کا بھرپور اظہار کیا۔

"ابھی آپ سے بات کرنے ہی والا تھا۔" وہ قطعاً ماں کے موڈ بگڑنے پر چونکا نہیں تھا۔ البتہ حریم کا سدا کا نرم اور بپا گرنے کی آواز سن کر کانپ کانپ جانے والا دل ساس کی پرجلال آواز سن کر لرز اٹھا۔

"آج دوپہر میں تمہاری پھوپھی نفیسہ کی طرف دعوت ہے۔" انہوں نے جلبلا کر فیفا کی امی کا نام لیا۔

"کم از کم آپ نے پوچھ تو لیا ہوتا۔" ماہیر کچھ جھنجلا گیا۔

"تم شام کو سسرال کا چکر لگا لینا۔" وہ خوب چبا چبا کر بولی تھیں۔ حریم کے دل پر اس گہرے طنزیہ لہجے نے عجیب سی پژمردگی طاری کر دی تھی۔ میکے جانے کی خوشی ماندسی پڑنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بغیر کچھ کہے نچلی منزل کے کسی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

............*

سردیوں کے دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ گزرتے پتا ہی نہیں چلتا۔ ابھی دھوپ آتی تھی اور کچھ ہی دیر بعد دیواروں پر سمٹنے لگتی۔

صبح اس نے برائے نام ناشتا کیا تھا' تبھی تو اس وقت بھوک لگنے لگی تھی۔ وہ تیار ہو چکی تھی۔ زمیلہ اور امی بھی تیار تھیں۔ البتہ موبی شاید دعوت میں نہیں جا رہا تھا۔ گھر میں یہی کل مختصر سے افراد تھے۔ امی' ماہیر' زمیلہ اور موبی۔

ماہیر سب سے بڑا تھا پھر زمیلہ اور موبی تھے۔ حریم نے ابھی تک موبی کو نہیں دیکھا تھا۔ البتہ اسے اتنی خبر ضرور تھی کہ موبی بیمار ہے۔ اس کی بیماری کی نوعیت کا اسے علم نہ تھا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد ماہیر کی بائیک کی آواز سنائی دی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ خود بھی اندر چلا آیا۔

"کہاں گئے تھے؟" راحت بیگم نے تنک کر پوچھا۔

"کام تھا۔" وہ مختصر بول کر چابی میز پر پھینکے ان سب پر طائرانہ نگاہ ڈال کر بولا۔

"برابر میں ہی تو جانا تھا۔ آپ لوگ تو وقت پر پہنچتے نا۔" پھر حریم کے جگمگاتے روپ کو دیکھ کر زور سے پکارا۔

"حریم! پانی تو پلاؤ...... پھر چلتے ہیں۔"

"آپ کے بغیر کیسے جاتے۔" وہ پانی کا گلاس اسے تھما کر آہستگی سے بولی۔

"بھائی! اب اٹھ بھی چکیں۔" زمیلہ بے صبری سے بولی تھی۔ شاید اسے بھی بہت بھوک لگ رہی تھی۔

پھوپھو اور فیفا نے کھانے پر بہت اہتمام کیا تھا۔ بریانی' قورمہ' فرائی فش' ایرانی کوفتے' میٹھے میں فروٹ' ٹرائفل اور کھیر۔

"عالی جاہ! کچھ پسند آیا ہے کہ نہیں۔" فیفا ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ماہیر نے اک نظر میز پر ڈالی۔

"آپ نے اتنا تردد کیوں کیا ہے پھوپھو!" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

"ہم لوگ مہمان تھوڑی ہیں۔"

"اول تو یہ تردد پھوپھو نے نہیں' ان کی دختر یعنی عفیفا مختار نے کیا ہے۔ دوئم یہ دعوت اپنائیت اور محبت ظاہر کرنے کے لئے نہیں' بلکہ حریم کو اپنے مختصر سے خاندان سے متعارف کروانے کے لئے کی گئی ہے۔ ویسے بھی نئی دلہن کے اعزاز میں اس دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تم منہ دھو رکھو۔" فیفا نے اسے چڑانے کی غرض سے تند لہجے میں کہا۔

"منہ تو میں کئی مرتبہ دھوتا ہوں' البتہ تم مجھ پر اس دعوت کا احسان عظیم نہ ہی رکھو۔" ماہیر کا لہجہ بھی خوشگوار ہوتا چلا گیا تھا۔ حالانکہ وہ فیفا سے اچھا خاصا چڑتا تھا۔

"احسان کیسا؟ تم بھی بدلہ چکا دینا۔ جب میری شادی ہوئی تو ہمیں پی سی میں ڈنر کروا دینا۔" فیفا کی بے باکی پر راحت بیگم اور نفیسہ پھوپھو دونوں کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔ البتہ فیفا خود ہی اپنے مذاق کو انجوائے کر رہی تھی اور زمیلہ اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"یہ ہم کے صیغے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" ماہیر جان بوجھ کر اسے ستانے کی غرض سے بولا۔

"میری مراد کے بارے میں تو پوچھو ہی مت۔" وہ بات کو کسی اور رنگ میں لے گئی تھی۔ تاہم ماہیر کے خوشگوار تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

کھانا کھانے کے فوراً بعد زمیلہ اور راحت بیگم چلی گئی تھیں۔ البتہ حریم کو پھوپھو نے بصد اصرار روک لیا۔ فیفا گنگناتے ہوئے برتن سمیٹ رہی تھی' بچا ہوا کھانا فریج میں محفوظ کر رہی تھی۔ وہ ماں بیٹی دونوں تنہا رہتی تھیں۔ فیفا کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ فیفا کسی بینک میں جاب کرتی تھی۔ پھوپھو بہت ہی شفیق اور ہمدرد فطرت کی خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت باتونی بھی تھیں۔

"بیٹی! تم بہت موہنی صورت کی اچھی لڑکی ہو۔ دل کے شفاف لوگوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہر بناوٹ سے پاک۔ اللہ تمہیں اور تمہاری خوشیوں کو سلامت رکھے۔ سدا سہاگن رہو۔ بھابی کا مزاج ذرا گرم ہے۔ طبیعت میں روکھا پن ہے۔ تم دل پر مت لینا۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہیر پر ابھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ ہر قدم سوچ کر اٹھانا پڑے گا۔ پھر وقت تمہارا ہوگا۔ جو پیا کے من کو بھا جاتی ہے' وہ ہی زمانے کی نظر میں بھی معتبر ٹھہرتی ہے۔ پھر جب دل سے سنگم باندھ لیا تو چھوٹی موٹی رنجشوں پر کیا کڑھنا۔ جس سے ناتا جڑا ہے' جب وہ ہی اپنا ہو تو پھر ارد گرد کے گرم ماحول میں ذہن اور دل پر کائی نہ جمنے دینا۔ میرا بھتیجا' میرا ماہیر! ہیرا ہے ہیرا اور یہ ہیرا حریم کے بخت کا تاج بن کر جگمگا رہا ہے۔ تم دونوں کی خوشیوں کو اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول کر لو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے۔ نیک ماں باپ کی اولاد اپنے سے وابستہ ہر رشتے کے لئے ٹھنڈک ہوتی ہے۔" پھوپھو نے بے ساختہ اس کی پیشانی کو چوم کر بوسہ دیا تو حریم کی آنکھیں اس محبت پر نم ہو گئیں۔

"پلیز پھوپھو! یہ رہنے دیں۔" وہ نفیس سے بے حد قیمتی سوٹ کو دیکھ کر آہستگی سے منمنائی۔

"تمہیں کیا خالی ہاتھ بھیجوں' ہماری بہو ہو' بیٹی ہو' ماہیر کی دلہن ہو۔ تمہارا تو ہمارے دل میں بہت اونچا مقام ہے۔" انہوں نے بصد اصرار اسے سوٹ پکڑا دیا۔ پھر اسے ماہیر کے متعلق بتانے لگیں۔ کچھ گزری باتیں' جو ان کے لئے بہت قیمتی تھیں۔

"میرے بھائی کی ساری عادتیں ماہیر نے چرائی ہیں۔ بیوگی کے بعد عرصہ دراز سے میں اسی گھر میں مقیم ہوں۔ یہ مکان میرے شوہر نے مجھے لے کر دیا تھا۔ اس وقت عالم بھائی کے حالات بھی بہت اچھے تھے۔ گھر میں ہر طرح کی خوشحالی تھی' نوکر چاکر تھے۔ بچے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے۔ پھر نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ کوٹھی بک گئی' کاروبار ڈوب گیا' بینک کی رقم ختم ہونے لگی۔ بھائی صاحب نے سمجھداری سے کام لے کر بچی کھچی رقم سے گھر تعمیر کروایا' باقی کی رقم سے دکان خرید لی...... ان کے جانے کے بعد زندگی کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ بچے نے بڑا کڑا وقت دیکھا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں ذمہ داریوں کا بوجھ کندھوں پر آن پڑا۔ ماں اور بہن' بھائی کی کفالت کے ساتھ اس نے آج تک مجھے اپنے سے الگ نہیں سمجھا۔ جتنا راشن اپنے گھر میں لاتا تھا' اتنا ادھر مجھے بھی دے کر جاتا۔

گرمیوں سردیوں کے کپڑے لا کر دیتا تھا۔ بجلی کے بل' گیس' فون کے بل کی کبھی مجھے فکر نہیں ہوئی تھی۔ فیفا کے ابو کی پنشن سے کام چل جاتا تھا' مگر میرے ماہیر نے ہمیں کبھی کسی بھی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ یہ تو میری بیٹی کا دماغ چل گیا ہے۔ اچھی نوکری کیا ملی ہے' دماغ آسمان پر جا پہنچا ہے۔ بس ماہیر سے جھگڑ پڑی تھی کہ وہ ماہیر کی خیرات مزید نہیں لے گی۔ احمق جو ہوئی' بھلا اپنوں میں میرا تیرا ہوتا ہے'

"مگر اب تو' خیر چھوڑو...... میں بھی کن باتوں میں لگ گئی ہوں۔" فیفا کمرے میں آ گئی تھی۔ تبھی پھوپھو نے خاموشی اختیار کر لی۔ حریم بھی ان سے اجازت لے کر اٹھ گئی تھی۔ فیفا اسے گیٹ تک چھوڑنے کے لئے آئی۔

"شکریہ حریم!" وہ اس سے الوداعی ہاتھ ملا کر بولی۔

"کیسا شکریہ۔" حریم تو خود ان کی محبتوں کی حد درجہ مشکور ہو رہی تھی۔

"ہماری دعوت کو قبول کرنے کا' ہمارے گھر میں آنے کا' ہمیں اتنا قیمتی وقت دینے کا۔ وہ ماہیر کا بچہ تو مجھے دل ہی دل میں گالیوں سے نواز رہا ہوگا۔ اب جلدی سے چلی جاؤ' ورنہ وہ دندناتا ہوا ادھر ہی نہ آ جائے۔" فیفا نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ ڈوبتے سورج کی الوداعی شعاعوں کو دیکھتی تیزی سے گھر آ گئی۔

یہ چھوٹا سا دو منزلہ مکان تھا۔ دائیں بائیں' آگے پیچھے صحن بالکل تھا ہی نہیں۔ گیٹ سے آگے گیراج نما راہداری تھی۔ اس کے اوپر بھی چھت اور آخری سرے پر لاؤنج کا داخلی دروازہ تھا۔ مختصر لاؤنج جو بیک وقت سٹنگ روم بھی تھا۔ دائیں طرف کچن اور اس کے ساتھ اوپری منزل کو جاتی سیڑھیاں' نیچے تین بیڈ روم تھے۔ حریم کا کمرہ اوپر تھا۔ کمرہ تنگ ہونے کی وجہ سے صرف صوفہ' بیڈ سیٹ اور ٹی وی ٹرالی ہی اوپر آ سکی تھی۔ باقی کا سارا سامان کچھ اوپر ساتھ والے کمرے میں اور کچھ نیچے سٹور میں موجود تھا۔ اس کا فرنیچر اور پورا جہیز بہت اعلیٰ قسم کا تھا۔ یوں کہ یہ چھوٹا سا مکان اس نئے نکور چمکتے سامان سے سج سا گیا تھا۔ حالانکہ حریم تو جہیز کے سرے سے خلاف تھی' مگر بابا نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔ بابا اور خالہ نے اس کے لئے ہر چیز بڑے شوق اور چاہ سے خریدی تھی اور کچھ امی اتنا ڈھیر سارا سامان پیٹی میں اس کے لئے محفوظ کر کے گئی تھیں۔ جب خالہ نے ڈبے نکالے تو ان کی آنکھیں آنسو برساتی جا رہی تھیں۔

زیور میں بھی دو کڑے' چھوٹا سا سیٹ' کانوں کے جھمکے اور بڑی خوب صورت ڈیزائن کی نوز پن تھی۔ وہ آدھا زیور حانی کے لئے رکھنا چاہتی تھی' مگر خالہ نے اس کی ایک نہ سنی۔

"حانی کو بھلا ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔" بابا کی کسی کزن نے منہ پھاڑ کر کہا تھا...... حریم کے دل پر گھونسا سا پڑا۔

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو ماہیر ماں کے قریب بیٹھا نہ جانے کون سے مسائل میں الجھا ان کی باتیں بہت توجہ اور دھیان سے سن رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر بھی نہ چونکا۔ وہ چھوٹے قدم اٹھاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ ابھی دوسرے اسٹیپ پر قدم تھا' جب ساس کی آواز سنائی دی۔

"کل سے ماہیر دفتر جائے گا۔ ابھی میکے ہو آؤ تو بہتر ہے۔ پھر روز روز ماہیر کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوگا۔ تمہیں بھی گھر کی ذمہ داریاں سمجھنی چاہئیں۔ آخر اکلوتی اور بڑی بہو ہو۔ زمیلہ تو آج ہے' کل اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ تمہیں ہی سب کچھ دیکھنا ہوگا۔ میری بوڑھی ہڈیوں میں تو دم نہیں ہے۔" انہوں نے خوامخواہ نقاہت خود پر طاری کر لی تھی اور یہ اکلوتی بہو کی منطق بھی حریم کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ماہیر کا ایک اور بھائی بھی موجود ہے۔

"میں چادر لے آؤں۔" بے پایاں خوشی کو سمیٹتے وہ ان کی مزید لن ترانیاں سننے سے پہلے سیڑھیاں

چڑھ گئی تھی۔ وہ جو مایوس ہو چکی تھی کہ اس وقت امی نہ جانے' جانے دیں گی بھی یا نہیں۔ اس اجازت نامے کو سن کر خوشی سے بے حال ہو گئی۔

چادر لیتے ہوئے' آرام دہ چپل پہنتے ہوئے وہ مسلسل اپنے بابا کے پیارے گھر کے متعلق سوچتی چلی گئی۔ اپنے ریٹائرڈ باپ کے متعلق' جو اعلیٰ سرکاری آفیسر تھے۔ انہوں نے امی کے بعد بہت مصروف زندگی گزاری تھی۔ یوں کہ کبھی دوسری شادی کا خیال تک نہیں آیا۔ چھوٹی بہن حانی...... چھت سے گری تھی۔ اس کا ایک پاؤں کا ٹخنہ فریکچر ہو گیا تھا۔ بے شمار علاج کے باوجود ابھی وہ اسٹک کے سہارے چلتی تھی۔ البتہ وہیل چیئر بھی سہولت کے لئے استعمال کر لیتی تھی۔

اس کے سسرالی گھر سے زیادہ وسیع' جدید اور شاندار گھر بابا کا تھا۔ ڈبل سٹوری وسیع و عریض کوٹھی' سرسبز و شاداب لان' جو حریم اور بابا دونوں کی محنت سے دیکھنے والی نگاہ کو مبہوت کر دیتا تھا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد بابا کا زیادہ وقت پودوں کے اور حانی کے لاڈ پیار میں گزرتا تھا۔

وہ اپنے بوڑھے بابا کے متعلق سوچتی رہی اور اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بھیگتی رہیں۔ حانی بے چاری کیسے بابا کا خیال رکھ سکتی ہوگی' جبکہ وہ خود محتاج ہے۔ حالانکہ حانی ہر فن میں طاق تھی۔ کوکنگ سے لے کر سلائی کڑھائی تک۔ شارٹ کورس بھی کر رکھے تھے۔ سارا گھر گھوم پھر کر کام والی سے صفائی کروا لیتی تھی۔ کھانا بھی خود ہی بنا لیتی۔ اسے کوکنگ سے بہت لگاؤ تھا۔

"تم چادر لینے آئی تھیں' کیا ارادہ بدل گیا ہے؟" کھٹکے کی آواز سن کر وہ چونکی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرا دی۔ ماہیر بالوں میں انگلیاں چلاتا اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ایسے بھلا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں...... تم خوش دکھائی دے رہی ہو۔ شاید سب لڑکیاں میکے جاتے ہوئے اتنا ہی مسرور ہوتی ہیں۔" وہ شاید اپنی کسی الجھن کو چھپانے کی غرض سے بول رہا تھا۔ وہ پوچھنے اور نہ پوچھنے کی کشمکش میں مبتلا بابا کی طرف گئی تھی اور یہاں آ کر کچھ لمحوں کے لئے وہ ماہیر کے گھر کی تمام تر پریشانیوں کو یکسر بھول گئی۔

شام گہری ہوتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بائیک پر تو ویسے بھی شدید کٹیلی ہواؤں کا سامنا تھا' جس سے نوکیلی' کٹیلی ٹکراتی ہوائیں کپکپا کر رکھ دیتی تھیں۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے زور زور سے حانی اور بابا کو آوازیں دی تھیں۔ وہ دونوں حسب معمول شطرنج کی بساط بچھائے ایک دوسرے کو ہرانے کے چکر میں تھے۔ حانی کی زندگی سے بھرپور آواز پورے لاؤنج کے سناٹے چیر رہی تھی۔

بابا نے نظر اٹھا کر دیکھا اور گویا لمحہ بھر کو ساکت رہ گئے۔ حریم بے ساختہ ان کے کشادہ سینے میں سما گئی تھی۔ بابا نے فرط مسرت سے اس کی پیشانی اور سر کے کئی بوسے لئے۔ حریم کی آنکھوں سے کتنے ہی سفید موتی بے آواز گرتے رہے تھے۔

"بس بھی کرو' میں بھی کھڑی ہوں راہوں میں۔" حانی بے صبرے پن سے چیخی۔ وہ بھاگتی ہوئی حانی سے لپٹ گئی تھی اور بالکل بابا کے انداز میں اس کی پیشانی کے ڈھیروں بوسے لے ڈالے تھے۔

جمال احمد صاحب اب ماہیر سے مل رہے تھے۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ماہیر کو بھینچا اور چوما تھا۔ وہ انہیں شروع سے ہی بہت عزیز رہا تھا اور اب تو وہ داماد تھا۔ جان سے پیاری بیٹی کا سہاگ تھا۔ اب تو اور بھی اس سے محبت محسوس ہوتی تھی انہیں۔ حریم سویٹر اور گرم شال کے باوجود ٹھٹھر رہی تھی۔ حانی نے اٹھ کر ہیٹر آن کیا۔ پھر فکرمندی سے اس کے نیلے ہونٹوں کو دیکھ کر بولی۔

"کمبل لا دوں؟"

"ارے نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔" وہ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے مسکرائی۔

"بس مروت میں مرتی رہنا۔" حانی بھنا اٹھی تھی۔ پھر صوفے پر پڑی بابا کی گرم شال اس کی طرف بڑھا کر بابا کی طرف متوجہ ہوئی جو کہ ہمیشہ کی طرح ماہیر کو دیکھتے ساتھ ہی سب کچھ بھول کر باتوں میں مگن ہو چکے تھے۔

"اب تو کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ کھانا لگاتی ہوں۔ پھر چائے بناؤں گی۔"

"نہیں حانی! کھانا ہم نے بہت لیٹ کھایا ہے۔ ماہیر کی پھوپھو کی طرف دعوت تھی۔ سو کھانے کی نہیں' البتہ چائے کی طلب ہے۔ آؤ مل کر بناتے ہیں۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔" حریم اس کے پیچھے ہی کچن میں آ گئی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔ ماہیر بھائی شادی کے بعد پہلی مرتبہ آئے ہیں' بغیر کھانا کھائے تو نہیں جانے دوں گی۔" حانی ہمیشہ کی طرح اچھے میزبان کے فرائض ادا کر رہی تھی۔ حریم نے گلا کھنکارا۔

"حانی! بڑی سیانی ہو گئی ہو۔ ہمیں بھی مہمان سمجھ لیا۔"

"تم خود مہمانوں کی طرح آئی ہو۔ اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک ٹیلیفون کال ہی کر دیتیں۔" حانی کی ناراضی سے اسے جی بھر کر پشیمانی ہوئی۔

اسے واقعی کال کرنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ حانی نے فٹافٹ چائے بنالی تھی' ساتھ میں کباب' رول' نگٹس' مٹھائی اور کیک ٹرالی میں سج چکے تھے۔ حریم ٹرالی دھکیل کر لاؤنج میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی تو حانی نے اس کا اور اپنا مگ ٹرے میں سیٹ کر کے رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں بہنیں اپنے مشترکہ بیڈروم کی طرف آ گئیں۔ حریم ہر شے کو ترسی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کمرے کی دیواروں پر جابجا اس کی اور حانی کی تصویریں آویزاں تھیں۔ بچپن' لڑکپن' جوانی کی بے شمار تصویریں۔

لکڑی کے فریم میں امی اور ابا کی تصویر سجی تھی۔ حریم نے ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ ہلکی سی یاد بھی ذہن کے دریچوں میں زندہ نہیں تھی' البتہ ان کی بے شمار تصویریں ان دونوں بہنوں کے پاس موجود تھیں۔

"تمہاری ساس' نند کا رویہ کیسا ہے؟" حانی بڑی بوڑھیوں کی طرح بہت سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"بہت اچھا۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"سیاستدانوں والا جواب نہیں چاہیے۔" حانی بھی کتنی بڑی بڑی اور سمجھداری کی باتیں کرنے لگی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔" حریم کو جھوٹ بولنا ہمیشہ مشکل لگتا تھا۔

"اور ماہیر بھائی۔"

"وہ اتنے اچھے ہیں کہ لفظوں میں بتانا مشکل ہے۔ کاش کوئی پیمانہ ہوتا اور میں ماہیر کی محبت کو ناپ سکتی۔ وہ محبت میں بہت شدت پسند ہے۔" حریم کی آنکھیں جگمگانے لگی تھیں۔ ستاروں کی کوٹ نے ان سیاہ کٹوروں کو انوکھا روپ بخش دیا تھا۔

"گڈ......" حانی مطمئن سی مسکرا اٹھی تھی پھر دفعتاً کچھ یاد آنے پر بولی۔

"زرجان بھیا آئے تھے۔"

"وہ کب نہیں آتا۔" حریم کے لہجے میں قدرے روکھا پن سا آ گیا۔

"اب ایسے تو مت کہو' ہماری محبت میں چلے آتے ہیں۔ بابا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تھے۔" حانی' زرجان کی محبت میں اسی طرح حساس تھی۔

"تمہارا تو پوچھا بھی نہیں' بس بابا سے کہنے لگے' دعا کیا کریں۔ وہ اپنے گھر میں خوش رہے' آباد رہے۔" حانی کی آنکھیں جھلملا سی گئیں۔

"کہنے لگے ہمارے دل تو اس کی خوشی سے زندہ ہیں۔"

معاً دروازے پر ہولے سے دستک دی گئی تھی۔ پھر ماہیر کی آواز آئی۔

"حریم! ڈیڑھ بجنے والا ہے۔" اب وہ دروازہ کھولے کہہ رہا تھا۔

"آئے کب تھے۔" حانی لڑنے مرنے پر تیار ہو گئی۔

"سوری بہنا! پھر آئیں گے۔" ماہیر نے حانی کو پچکارا۔

"کب؟" وہ مچل کر بولی۔

"جلد' بہت جلد" ماہیر دھیرے سے گنگنایا۔

"میری بہن پر قبضہ جما لیا ہے۔" حانی خفا ہوئی۔

"تمہاری بہن کا خود یہاں آنے کو دل نہیں کرتا۔" ماہیر نے آرام سے ساری گٹھڑی اس کے کندھوں پر رکھ دی تھی۔

"یوں کہیں' آپ کا بھیجنے کو دل نہیں کرتا۔" وہ بھی حانی تھی۔ دوبدو جواب دیتی رہی۔ ماہیر نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کی خفا خفا آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"اتنے ڈھیر سارے سال تمہارے پاس رہی ہے نا۔ میں نے کیا بیچ کے سالوں میں تمہارے ساتھ جھگڑا کیا تھا کہ حریم کو کچھ دنوں کے لئے ادھر بھیج دو۔ اب اتنے سال یہ میرے پاس رہے گی۔ انگلیوں پر گن لو۔ پورے اکیس سال۔"

"آپ بہت چالاک ہیں' ماہیر بھائی!" حانی قل قل ہنس پڑی تھی۔ اس کی ناراضی بس اتنی دیر تک ہوتی تھی۔

............*

رات کے ڈیڑھ بجے سڑکوں پر ہو کا عالم تھا اور سردی بھی قیامت کی تھی۔ وہ ٹھٹھرتی ہوئی بائیک پر بیٹھ

گئی۔ جوں ہی بائیک اسٹارٹ ہو کر سبک خرامی سے چلنے لگی تھی' حریم کی ٹھنڈ میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ سردی کی شدت سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ ماہیر نے ایک دم بائیک روک دی۔

"یہ میری جیکٹ پہن لو۔" وہ اپنی جیکٹ اتارنے لگا تھا۔ حریم بھینچی آواز میں چیخی۔

"آپ نے کیا نمونیہ کرنا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوتا' ابھی دس منٹ تک گھر پہنچ جائیں گے' تم یہ پہن لو۔"

"دس منٹ میں بھی سردی برداشت کر سکتی ہوں۔" وہ ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔ حالانکہ ضد اس کی سرشت میں نہیں تھی' مگر وہ اپنی وجہ سے ماہیر کو تکلیف نہیں دے سکتی تھی۔

گھر پہنچے تو گیٹ راحت بیگم نے کھولا تھا۔ ان کا موڈ سخت بگڑا ہوا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا' میں دوا کھا کر جلدی سو جاتی ہوں۔" وہ گویا غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔ ادھر حریم کا دل پتے کی مانند لرزنے لگا۔ اُسے سخت آواز اور سخت لہجوں کی عادت نہیں تھی۔ وہ خود بہت نرم خو تھی۔ بابا بھی حلیم طبع تھے۔ ان کے گھر میں کبھی کوئی اونچی آواز میں نہیں بولا تھا' مگر راحت بیگم کی آواز ہی بڑی گرجدار تھی۔ وہ سہم سہم جاتی۔ ماہیر ماں کے گرد بازو لپیٹتا ان کی پیشانی چومتا آناً فاناً مزید کچھ سنے بغیر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا' جبکہ حریم کی آج صحیح معنوں میں شامت آ گئی۔

"حریم! ادھر آؤ۔" انہوں نے تحکم سے پکارا۔ وہ مرے مرے قدم اٹھاتی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ خود وہ تخت پر بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے کچھ سمجھنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"تم صبح خیز ہو' مجھے تمہاری یہ عادت پسند آئی ہے۔"

"جی......" وہ محض منمنا کر رہ گئی تھی۔ اب اس تعریفی جملے کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ تو اسی بات پر خوش ہو گئی تھی کہ چلو امی صاحبہ کو کچھ تو پسند آیا ہے' ورنہ ابھی تک تو تنقید برائے تنقید کا سامنا تھا۔

"ناشتا سات بجے تیار ہو جانا چاہیے۔ موبی کو دوا دینی ہوتی ہے' آٹھ بجے تک وہ دوبارہ سو جاتا ہے۔ پھر گیارہ بجے اٹھتا ہے۔ پھلوں کا تازہ جوس اور ہلکے پھلکے اسنیکس اسے پسند ہیں۔ بارہ بجے اسے فروٹ چاہیے۔ فروٹ میں کچھ بھی ہو' دو بجے تک دوپہر کا کھانا بھی ریڈی ہونا ضروری ہے۔ موبی کی دوا کا وقت ہو جاتا ہے۔ رات کو تازہ سالن پکتا ہے۔ ماہیر کو باسی سالن اور روٹی کھانے کی عادت نہیں۔ ماسی پہلے ٹائم آتی ہے۔ صفائی وغیرہ اپنی مرضی سے کروا لینا۔ کپڑے تم ہی کو دھونے اور استری کرنا پڑیں گے۔ پہلے لانڈری بھجوا دیتے تھے۔ ماہیر کے سارے کپڑے دھوبی نے ستیاناس مار دیئے تھے۔ ماہیر کو ویسے بھی دھوبیوں سے کپڑے دھلوانا پسند نہیں۔ خیر ابھی تم جاؤ' تھکی ہوئی آئی ہو' آرام کرو۔" انہوں نے ہدایت نامہ بند کر کے کمال مہربانی کا ثبوت دیا تھا۔ حریم گویا اجازت ملتے ہی یوں اٹھ کر بھاگی کہ راحت بیگم کہیں ابھی سے ہی روک کر کولہوں کے بیل کی طرح اسے جوت نہ لیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی ماہیر گہری نیند سو رہا تھا۔ صبح اسے دفتر جانا تھا۔ سو اسی حساب سے وہ پہلے ہی لیٹ سویا تھا آج' ورنہ اسے تو گیارہ بجے نیند آنا شروع ہو جاتی تھی۔

وہ بغیر کپڑے تبدیل کیئے دوسری طرف آ کر لیٹ گئی تھی۔ ماہیر کی چھٹی صرف چند دنوں پر محیط تھی۔

شادی کی تیاری کے سلسلے میں پہلے دن یوں ہی بے سبب نکل گئے تھے۔ حریم کا دل ابھی سے برا ہو رہا تھا۔ وہ صبح دفتر چلا جائے گا تو وہ دن بھر کیسے گزارے گی۔ سرد رویئے اور روکھے مزاج والی ساس کے ساتھ۔

منگنی کے درمیانی عرصے میں بھی امی کم کم ہی ان کے گھر آتی تھیں۔ البتہ عالم انکل کی کوئی شام بابا کے بغیر نہیں گزرتی تھی۔ بابا اور عالم انکل کی آپس میں بہت محبت تھی' ذہنی ہم آہنگی تھی۔ وہ دونوں شطرنج کے دیوانے تھے۔ شطرنج کی بساط بچھی ہوتی تو رات سے دن اور دن سے رات کر دیتے۔

حریم ان کے لئے چائے بنا بنا کر لاؤنج میں بھجواتی رہتی۔ وہ دن بھی کتنے یادگار اور سنہرے سنہرے تھے۔ کبھی کبھار ماہیر بھی انکل کے ساتھ آ جاتا تھا۔ باپ بیٹے میں خوب مقابلہ بازی ہوتی۔ بابا ان دونوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھ کر مسکراتے رہتے تھے' جبکہ حریم سے اپنی منتشر دھڑکنوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ کچھ ایسی دیوانگی تھی' نہ جانے یہ کس قسم کی محبت تھی۔ یہ کون سی منزل تھی عشق کی۔ یہ کیسا سوز بھرا تھا' دل میں پاگل دھڑکنوں کی ہر تال پر صرف ماہیر کا نام گھنگھرو بن کر چھنکتا تھا۔

پہروں اسے چپکے چپکے سوچنا اور پھر سوچتے ہی چلے جانا۔ گلابی شاموں' سنہرے دن ارغوانی صبح اور کالی گھور سیاہ رات میں صرف ایک شخص کا تصور جگنو بن کر آنکھوں میں گہرے عکس بناتا گیا تھا۔ کسی نے نہ کی ہو گی ایسی مجنونانہ سی محبت' ماہیر عالم کا ساتھ اس کی زندگی تھا اور وہ خود کو بادلوں کے نرم بگولوں کے ہمراہ سفر کرتا محسوس کرتی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ قوس قزح کو چھونے ہواؤں کے رتھ پر سوار ہے۔ معطر ہوا کا ساتھ تھا اور کسی کی بے پایاں محبت امید بن کر آنکھوں میں جگمگاتی تھی۔ خواب بن کر پلکوں پر دستک دیتی تھی۔ نیند بن کر مہربان تھی۔ سکون بن کر روح جان کو مسرور کرتی تھی۔ نس نس سے اس کی محبت کی خوشبو آتی تھی اور روم روم رب رحیم کا شکر گزار تھا' جس نے اسے نامراد نہیں رکھا تھا' جس کی محبت دل میں ڈالی تھی' اس کا ساتھ نصیب میں لکھ دیا' جسے اس نے چاہا تھا' اسے بن مانگے عطا کر دیا تھا۔ وہ جو قلب و جان سے قریب تر تھا' اسے زندگی کا حاصل بنا دیا۔ وہ خالی دل تھی نہ خالی ہاتھ۔ چاند نگر کا مسافر اس کے دل کے جزیرے پر اپنے قدم جما چکا تھا۔ پھر بلا کیسے کوئی دل کی زمین پر اپنا نام لکھ پاتا۔ وہاں تو صرف ماہیر عالم لکھا تھا' کھدا تھا اور پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ چودھویں کے چاند کی مانند۔

............*

روٹین لائف کا اگر یہی مطلب تھا کہ صرف کام' کام' کام اور بس کام تو یہ بڑی ٹف روٹین تھی۔ جہاں آرام کے لئے لحہ بھی میسر نہیں تھا۔ گھر میں اتنے کم نفوس تھے' مگر اس کے باوجود کاموں کے انبار تلے وہ دب کر رہ گئی تھی۔

سب سے مشکل ترین اور تکلیف دہ مرحلہ موبی یعنی منیب کو ناشتا کروانا تھا' نہ جانے پہلے کون یہ فریضہ سرانجام دیتا تھا' مگر اب موبی بھی حریم کی ذمہ داریوں میں شامل ہو چکا تھا۔ سات بجے سے پہلے وہ نیچے آ جایا کرتی تھی۔ سب سے پہلے موبی کو اور امی کو ناشتا بنا کر دینا ہوتا تھا۔ پھر تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ماہیر آفس کے لئے روانہ ہوتا تھا۔ صرف پندرہ منٹ پہلے اسے گرما گرم تازہ ناشتا چاہیے ہوتا۔ اس کے دفتر جانے کے بعد نو بجے تک زمیلہ اٹھ جاتی تھی۔ گریجوایشن کے بعد وہ فارغ تھی اور تمام دن سو کر ٹی وی دیکھ

کریا رسائل پڑھ کر گزارا کرتی۔ زمیلہ کے لئے الگ سے ناشتا بنتا۔

جیسے تیسے وہ کچن سمیٹتی اسی اثناء میں ماسی آ جاتی تھی۔ پھر ماسی کے ساتھ تین گھنٹے مغزماری کے بعد وہ بچا کھچا ناشتہ مائیکروویو میں گرم کر کے زہر مار کرتی۔ ماسی کے جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر کچن میں موبی کے لئے جوس نکالنا پڑتا۔ اب تو اس روٹین میں زمیلہ بھی شامل ہو گئی تھی۔ فروٹ صرف دو دن میں ختم ہو جاتا۔ امی جان کی ٹینشن میں ایک دم اضافہ ہونے لگا تھا۔ وہ مشکوک نظروں سے حریم کو گھورتیں تو وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

"بیمار بچے کے لئے نہ جانے کیسے پیٹ کاٹ کاٹ کر فروٹ منگواتی ہوں۔ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے' نہ جانے جن بھوت گھس آئے ہیں اس گھر میں۔" وہ ہر لمحہ بڑبڑاتی رہتی تھیں۔

یہی حال دودھ اور دیگر اشیاء کا تھا۔ زمیلہ کو اچانک حسن نکھارنے کا جنون چڑھ گیا تھا اور وہ فروٹس' سبزیوں اور دودھ کا بھی فضول خرچی کی حد تک نقصان کرتی تھی۔ کچھ اس کے پیٹ میں اتر جاتا تھا اور کچھ کو وہ مختلف ماسک بنانے میں ضائع کر دیتی۔ اب اس صورت حال میں امی کی کاٹ دار نظروں کی بھلا وہ تاب لاتی ہی کیسے۔

اس صبح بھی وہ موبی کو ناشتا دینے اس کے کمرے میں گئی تو وہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ وہ سولہ سال کا خوش شکل' بے حد صحت مند بچہ تھا۔ ذہنی طور پر وہ ایب نارمل نہیں تھا۔ ہاں دورے کی حالت میں اس کی کیفیت پاگلوں جیسی ہو جاتی تھی۔ عام حالات میں وہ ٹھیک ٹھاک گفتگو کرتا تھا' بلکہ بہت ہی اچھی سمجھداری کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اپنے ہم عمر بچوں سے اس لئے بہت پیچھے تھا کہ اس میں جستجو نہیں تھی۔ اگر کوئی خود پاس بیٹھ کر ناشتا کروا دیتا تو ٹھیک تھا' ورنہ تمام دن ناشتے' کھانے کی ٹرے یوں پڑی رہتی اور وہ بھوک سے جنگ کرتا سو جاتا۔

وہ حقیقت میں بہت فرمانبردار تھا۔ ماہیر نے اسے بتایا تھا کہ موبی کے دل میں سوراخ ہے۔ اس کی دوائیں بہت مہنگی تھیں اور ماہیر کی تنخواہ کا بڑا حصہ موبی کی دواؤں اور خوراک پر اٹھ جاتا تھا۔ ماہیر کی سیلری بہت اچھی تھی' مگر اس کے ساتھ ساتھ مسائل بھی بے شمار تھے۔ اتنے لمبے چوڑے بل' کچن کا راشن' موبی کی دوائیں اور ماہیر کی بائیک کے پٹرول کا الگ سے خرچہ مہینے کے شروع میں ہی اس کی جیب خالی ہونے لگتی تھی۔ ان کے والد تنخواہ دار ملازم نہیں تھے کہ پنشن وغیرہ کا کوئی سہارا ہوتا۔ وہ کاروباری آدمی تھے۔ بزنس میں پے در پے نقصان کی وجہ سے انہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

"ناشتا لائی ہو؟" آج وہ بڑے دن بعد بولنے لگا تھا۔ موبی پر طویل ترین خاموشی کے دورے بھی پڑتے تھے۔ موڈ ہوتا تو بول لیتا' ورنہ ٹکر ٹکر دیکھتا رہتا۔ اتنے دنوں میں حریم کی صورت سے وہ اچھا خاصا مانوس ہو گیا تھا' ورنہ شروع شروع میں اسے دیکھ کر چیخ پڑتا۔

اس کے آنے سے پہلے امی خود موبی کے سارے کام کرتی تھیں۔ موبی کے معاملے میں وہ بہت حساس تھیں۔ کئی کئی مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھتی تھیں۔ اس کی خوراک اور ضروریات کا خود خیال رکھتی تھیں' تاہم حریم کے آنے کے بعد وہ کچھ زیادہ ہی موبی کی ذمہ داری سے آزاد ہو گئی تھیں' مگر یہ

صرف کاموں کی حد تک تھا۔ یخنیاں' سوپ' جوس' دلیے' کھیر اور حلوے وغیرہ پہلے خود انہیں پکانا پڑتے تھے' اب اس سے شور ہنگامہ کر کے پکوانے کی ذمہ داری ان کے سر آ چکی تھی۔ وہ اسے اتنا بوکھلاتی تھیں کہ حریم کے سیدھے کام بھی الٹے ہونے لگتے اور پھر ہر آئے گئے کے سامنے بڑی دردمندی سے فرمایا جاتا۔

"بے چاری کی ماں نہیں تھی' اسی لئے سلیقے کی کمی ہے۔ ٹھیک سے کچھ پکانا نہیں آتا یا پھر اسے کیا پتا گھر کیسے سنبھالے جاتے ہیں' سیکھ جائے گی آہستہ آہستہ...... میری تو زمیلہ جیسی ہے۔" اکثر لوگوں کو حریم کو اتنی اچھی ساس اور ان کی بے تحاشا محبت اور فکر پر رشک آنے لگتا تھا۔ اس کے جاننے والے اسی غلط فہمی کا شکار تھے اور وہ بھی دل ہی دل میں بھرم رہ جانے پر اللہ کی شکر گزار تھی۔ اس کا باپ مطمئن تھا۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں اپنے درست فیصلے پر جو اطمینان ہلکورے لیتا تھا' جو رنگ چمکتے تھے۔ حریم کو ان رنگوں سے عقیدت کی حد تک محبت تھی اور وہ ان رنگوں کے سدا قائم رہنے کی آرزومند تھی۔

"بھابی! ناشتا لائی ہو......" وہ کچھ سہم کر دھیرے سے بولا تھا۔

"ہوں...... یہ ہوئی نا بات۔" حریم نے مسکرا کر اس کا حوصلہ بندھایا۔

"اب ذرا نیپکن اٹھا کر شرٹ پر پھیلاؤ۔" وہ اسے ناشتے سے پہلے کی ہدایت دے رہی تھی۔ موبی نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی تھی۔

"اب کیا کروں بھابی!" اب وہ اگلے حکم کا منتظر تھا۔

"روزانہ کیا کرتے ہو۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"یاد نہیں۔" موبی نے سر جھکا لیا تھا۔

"کیوں یاد نہیں...... جلدی سے ذہن پر زور ڈالو۔ ساتھ ساتھ ناشتے کی ٹرے پر نظر رکھو۔" وہ اسے مختلف ہدایات دے کر ناشتے کے متعلق یاددہانی کروا رہی تھی کہ اسے اب ناشتا کرنا ہے' مگر موبی کا ذہن محض ایک نقطے پر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ کیسی بے بسی تھی جو اس کی آنکھوں سے خوف بن کر ہویدا تھی کہ بھابی اب جھڑکے گی' خفا ہو گی' ناراضگی کا اظہار کرے گی' کیا پتا مارے بھی' ویسے کتنی اچھی تھی۔ اس کی مسکراہٹ کتنی نرم تھی' جیسی امی کی مسکراہٹ ہوتی ہے۔ نرم نرم اور بھلی لگنے والی۔ کاش یہ نہ غصہ کرے' نہ جھڑکے' نہ خفا ہو اور نہ ہی بار بار سوال کرے' بس مسکراتی رہے۔ امی کو بھی کبھی کبھی غصہ آ جاتا ہے' مارنے لگتی ہیں' ڈانٹتی ہیں' پھر کیا ہوتا ہے' بس روتے روتے نیند آ جاتی ہے اور بس۔

"موبی! میں کیا کہہ رہی ہوں۔" یہ لڑکی جو کہتی تھی...... میں تمہاری بھابی ہوں' کتنی اچھی تھی یہ بھابی۔ کاش ہمیشہ ادھر ہی رہتی۔ فیفا کی طرح گھر نہ چلی جاتی' مگر نہ جانے کیوں یہ بھی گھر چلی جاتی ہے۔ اس لڑکی کا نام شاید بھابی ہے۔ کتنا اچھا نام ہے۔

"بولو' کیا کہتی ہو بھابی!" وہ لاچاری کے عالم میں اسے دیکھنے لگا۔

"یہ سامنے کیا رکھا ہے؟"

"ٹرے۔" وہ کچھ پل سوچنے کے بعد ڈرے ڈرے انداز میں بولا تھا۔ مبادا بھابی کو برا ہی نہ لگے۔ وہ خفا ہو کر چلی نہ جائے۔

"ٹرے میں کیا ہے موبی!"
"ناشتا۔" اب کے بغیر سوچے موبی نے فٹ سے جواب دیا تھا۔
"اسے کیا کرتے ہیں۔" ایک اور مشکل سا سوال تھا۔ موبی نے بے بسی سے ہونٹوں کو کچلا اور ٹی وی پر نظریں جما دیں۔ ٹی وی پر کارٹون لگے تھے۔ ٹام بھی کچھ کھا رہا تھا۔ شاید انڈا یا گوشت کا ٹکڑا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی' تاہم وہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔
"موبی!" بھابی کا ضبط شاید جواب دے گیا تھا۔ وہ سہمی نظروں سے بھابی کو دیکھنے لگا۔
"ناشتے کو کیا کرتے ہیں۔" اس کے ذہن کی سوئی بس اسی جگہ منجمد ہو کر رہ گئی تھی' حالانکہ کبھی کبھی وہ آرام سے ہر بات کا تفصیلاً جواب دے دیتا تھا۔ بس کبھی کبھی اس کی ذہنی رو بری طرح بہک جاتی تھی۔ بے شمار کام حریم کے منتظر تھے۔ ابھی اس نے دوپہر کے کھانے کی تیاری بھی کرنا تھی' مگر یہ موبی۔
"ناشتے کو کیا کرتے ہیں...... ناشتے کو کیا کرتے ہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا پھر اچانک چونک کر حیرت سے' بے انتہا حیرت سے بولا۔
"بھابی! تمہیں نہیں پتا۔ ناشتے کو کھاتے ہیں۔ جیسے کھانا کھاتے ہیں۔ جیسے ایپل کھاتے ہیں۔ جیسے انڈا کھاتے ہیں۔ جیسے ٹام کھاتا ہے۔" وہ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ عجیب سی بے بسی تھی۔
"مجھے نہیں پتا تھا۔ شکر ہے تم نے بتا دیا ہے۔"
اس کا سر دکھنے لگا تھا اور وہ اٹھ کر باہر جانے لگی تھی۔
"بھابی! جا رہی ہو۔" وہ اداس ہو گیا تھا' تاہم ناشتے کی طرف بھی متوجہ تھا۔
"ہوں۔" حریم سے مزید رکنا محال تھا۔ حالانکہ اسے کبھی بھی موبی سے کراہیت محسوس نہیں ہوئی تھی مگر کبھی کبھی موبی کی زچ کر دینے والی حرکتیں اسے سخت مشتعل کر دیتی تھیں' جیسے اس وقت اس کا دماغ سنسنا رہا تھا۔
"اچھا......" اداسی پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے۔ حریم نے بغیر غور کئے سر جھٹک کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ یہ دروازہ ہمیشہ سے بند ہی رہتا تھا۔

............*

ننانوے فیصد ساسوں کی طرح اس کی ساس بھی روایتی سی تھیں۔ تیکھی' کڑوی' تنگ مزاج' موڈی' کسیلی' غصیلی اور کبھی کبھی مہربان ہونے والی۔
اگر ان کی پسند کے مطابق کام ہوتے رہتے تو مزاج بہتر رہتا۔ دوسری صورت میں چہرہ سپاٹ' آنکھیں غضبناک اور مزاج برہم ہوتے دیر نہیں لگتی تھی' مگر حریم نے کبھی پلٹ کر انہیں جواب نہیں دیا تھا' ان کی کڑوی کسیلی خاموشی سے سنتی رہتی۔
زمیلہ کو بہت دن بعد اس لاکٹ کا خیال آیا تھا' جو اس نے بھابی کو بطور تحفہ پہنایا تھا۔ اب اس کی گردن میں نئی نکور مالا جھولتی تھی' ایک دم ہی زمیلہ کے تاثرات بدل گئے۔
"بھابی! جو میں نے آپ کو چین گفٹ کی تھی۔ وہ کہاں ہے؟" اس کا انداز حد درجہ تیکھا تھا۔

"وہ چین......" حریم کچھ گھبرا سی گئی تھی کہ زمیلہ کو اب کیا بتائے۔ وہ چین نجانے توڑ پھوڑ کر ماہیر نے کہاں کی تھی۔
"وہ چین مجھے تحفے میں ملی تھی۔" زمیلہ کہیں کھو سی گئی تھی۔
"میری بہت اچھی سی سہیلی تھی' جس نے مجھے گفٹ دیا تھا سالگرہ پر۔ آپ جانتی نہیں' وہ تو......" کچھ کہتے کہتے وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔
"دراصل ماہیر نے......" حریم ہکلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔
"بھائی نے مجھے واپس کر دی تھی۔" زمیلہ خفگی سے کہنے لگی۔
"شاید اس لئے کہ یہ تحفہ مجھے زوباریہ نے دیا تھا یا پھر اس لئے......" فون کی بجتی گھنٹی نے بات مکمل کرنے نہیں دی تھی۔ زمیلہ فون کی طرف متوجہ ہو گئی تھی' جبکہ حریم کی گویا جان میں جان آئی۔ وہ بھلا ماہیر کے چین توڑ کر واپس کرنے کی کیا وجہ بتا سکتی تھی۔ حالانکہ وہ خود ماہیر کے اس انتہائی رویے کی وجہ جاننے کے لئے متجسس تھی۔
ماہیر آج آفس سے کچھ جلدی آ گیا تھا۔ وہ کچھ پژمردہ سا بے زار' بے زار دکھائی دے رہا تھا۔ آتے ساتھ ہی وہ ماں کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حریم جب چائے لے کر اندر گئی تو ماں' بیٹا نہ جانے کس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ حریم نے نوٹ کیا۔ ماہیر کچھ پریشان تھا۔ پریشانی کی وجہ شاید بڑی تھی' تبھی تو وہ حریم کی طرف دیکھ کر بھی نہیں چونکا تھا۔ حالانکہ آج وہ خاص الخاص ماہیر کے پسندیدہ لباس کو پہنے ہوئے تھی اور میک اپ سے مبرا چہرے کے باوجود بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ آئینے نے تو یہی کچھ بتایا تھا' مگر ماہیر کے رویئے نے اس کے نازک سے دل پر ہلکی سی ضرب لگائی تھی۔ وہ بددل سی کچھ دور رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔
ماہیر چائے پی کر اٹھ گیا تھا۔ اس کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا اور ابھی صرف نو بجے تھے۔ حریم کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ماہیر کا کھانا ٹرے میں سجائے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔
رات کو امی خود موبی کو کھانا کھلا کر دودھ وغیرہ پلا دیتی تھیں۔ سو وہ مطمئن سی اپنے کمرے میں چلی آئی۔
"ماہی! کھانا کھا لیجئے۔" وہ اس کی آمد پر بھی نہیں چونکا تھا۔ تبھی تو حریم نے گلاس کے وسط میں چمچے کو زور سے بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور ماہیر کو گویا جھٹکا لگا تھا۔ وہ ٹھٹک کر حریم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ گویا یہ یقین چاہ رہا تھا کہ آیا "ماہی" حریم نے کہا ہے یا کوئی وہم حقیقت کی شکل میں مجسم ہو کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔
"ماہی! تم میرے ماہی ہو...... صرف میرے ماہی ہو' میرے ماہیر ہو...... ایک دن مان جاؤ گے کہ تم صرف میرے ہو۔" کھنکتی آواز میں کیسا یقین بول رہا تھا۔ ماہیر کو گویا جھٹکا لگا' نہ جانے کس لمحے کی قید سے وہ آزاد ہوا تھا اور بے خیالی میں حریم کو دیکھے جا رہا تھا۔
"ماہیر صاحب! لوٹ آیئے' کہاں کھو گئے ہیں۔" اس نے نرمی سے ماہیر کے شانے کو ہلایا۔
"تم حریم! کہاں تھیں تم۔" وہ چونک کر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"میں تو یہیں ہوں۔ آپ کے آس پاس۔" وہ کھلکھلائی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد جلدی اپنے کمرے میں آنے کا موقع مل سکا تھا۔ اس کا مزاج خود بخود شگفتہ' بے حد شگفتہ ہو گیا۔

"آس پاس ہی رہنا...... زیادہ پاس مت آنا۔ جن' بھوت ہوں نا...... تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"ہیں...... یہ کیا بات ہوئی۔" وہ ہنس پڑی تھی پھر ہنستی چلی گئی۔

"جتنا میں آپ کے قریب ہوں' اتنا کوئی ہو سکتا ہے؟"

"اگر کوئی ہو گیا تو......" وہ بھی جان بوجھ کر اسے چھیڑنے لگا تھا۔

"اپنی اور آپ کی جان ایک کر دوں گی۔"

"وہ تو پہلے سے ہی ہے۔" وہ آسودگی سے مسکرایا تھا۔

"تم پتا ہے میرے لئے کیا ہو؟"

"کیا ہو؟ ڈیکوریشن پیس' جو آپ کو بہت پسند ہے۔" حریم نے ماہیر کو چڑانے کی کوشش کی۔

"تم میری زندگی ہو حریم! میرے دل کا اطمینان' میری روح کی آسودگی۔ تم میرے لئے کیا ہو' یہ میں تمہیں لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔ تم مجھ سے کچھ نہ بھی کہو' تب بھی میں سب سمجھتا ہوں۔ امی کا رویہ تمہارے ساتھ بہتر نہیں۔ شادی سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ انہوں نے تمہارے لئے ایک ایک چیز بڑے شوق سے' بڑی چاہ سے بنوائی تھی' مگر نہ جانے کیوں' ایک خوب صورت بہو لا کر مائیں خوف میں مبتلا کیوں ہو جاتی ہیں۔ شاید بیٹے کی متوقع جدائی کا خوف ان پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اکثر کیسز میں ایسا ہی تو ہوتا ہے۔ ہمارے محلے میں ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں۔ بہرحال تم نے اس گھر کی' میری ماں کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نباہنا شروع کی ہیں۔ میں تمہارا مشکور رہوں گا ہمیشہ' بس گھر کی فضا کو پر امن ہی رہنے دینا۔

میں اس بات کا قائل ہو چکا ہوں کہ میرے ابو بہت دور اندیش تھے۔ انہوں نے اس گھر کے لئے ایسی بہو کا انتخاب کیا ہے جو اس گھر کے مسائل کو' پریشانیوں کو اچھی طرح سے سمجھ سکے۔ اگر کبھی امی کی طرف سے بڑی پرابلم کا شکار ہو جاؤ تو میری پیاری حریم! تم اس مسئلے کو عقلمندی' دانشمندی سے حل کر لینا' تمہیں پہلی نظر میں دیکھ لینے کے بعد میں نے ابو سے کہہ دیا تھا کہ یہی وہ لڑکی ہے جو ماہیر عالم کے ساتھ دور تک' بہت دور تک چلنے کا سلیقہ رکھتی ہے۔ ابھی حالات کچھ ٹائیٹ ہیں' مگر میں تمہیں اپنی طرف سے ہر سکھ دینے کی کوشش کروں گا۔ دراصل یہ اوپر کمرے اور باتھ وغیرہ بنوانے میں اور شادی کے سلسلے میں کافی رقم اٹھ گئی تھی۔ تاہم آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم جس طرح موبی کا خیال رکھتی ہو۔ اس کے لئے میں تمہارا مشکور ہوں اور جس طرح تم نے میرا خیال رکھا۔ یہ دل' ماہیر عالم کا دل اور اس کی ہر آواز کو سن لو جو صرف تمہارا نام پکارتے ہیں۔" ماہیر کی بے ساختہ محبت کا اظہار حریم کو مبہوت کر دیتا تھا۔ وہ بہت اچھا بولتا تھا' بہت عمدہ بولتا تھا۔ حانی سچ کہتی تھی کہ حریم! تمہارے ماہی کو بولتا دیکھ کر تو نجانے کتنی لڑکیوں کو دل کا دورہ پڑا ہو گا اور جب یہ ہنستا ہو گا' مسکراتا ہو گا تو پھر نجانے صنف نازک پر کیسی قیامت بیتتی ہو گی۔ شاید اسی لئے وہ بہت کم ہنستا تھا۔ بہت تھوڑا سا مسکراتا تھا۔ ہاں جب حریم اس کے سامنے ہوتی' تب ماہیر کے چہرے کا ہر ہر نقش بول بول کر اسے سراہتا تھا' معتبر کرتا تھا' سرفراز کرتا تھا۔ محبت کے اس سفر میں حریم جمال تنہا کہاں تھی۔

اس کا ہم سفر' ہم قدم تھا۔ وہ اس کا ہمراز تھا۔ مصاحب تھا مقرب تھا۔

"یہ دل اور اس کا ہر کونا میں نے تمہارے لئے سجایا ہے' آراستہ کیا ہے۔ یہ دل تمہارے دم سے ہی روشنی' نور کا مرکز اور چراغ داں بنا ہوا ہے۔" حریم کے پیروں میں گویا مسرتوں کی گھنگھرو بندھ گئے تھے۔ وقت سے اسے اور کیا چاہیے تھا؟ محبت سے اسے اور کیا لینا تھا؟ کیا اس اظہار کے بعد کچھ اور کی چاہ باقی تھی؟ اس کا دل خوشبوؤں کے ہار میں ایک ایک کلی کو پرو رہا تھا۔

"حریم! صرف تم' میرے دل میں اتر گئی ہو' ٹھہر گئی ہو۔ اس چھوٹے سے گھر میں قیام کر لیا ہے۔ یہاں بس گئی ہو۔ دیکھو' ادھر ہمیشہ کے لئے پڑاؤ ڈال لو۔ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔" اس کا موی ہاتھ' ماہیر کے ہاتھ کے نیچے دبا اس کے دل کی ہر دھڑکن کو سن رہا تھا۔ اس کی محبت ایسی ہوتی تھی' بے حد وارفتہ' جارحانہ اور جنوں خیز قسم کی۔

"اس دل جتنی جگہ تو حریم جمال کو کہیں بھی مل نہیں پائے گی۔ ہم نے بھی اس علاقے کو فتح کیا ہے' جیت لیا ہے۔ یہاں میرے نام کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ یہ اسٹیٹ اب ہماری ہوئی۔ پھر کہیں اور جانے کا کیا سوال؟" اس کی بولتی آنکھیں حریم کے چہرے کے ایک ایک نقش کا طواف کر رہی تھیں اور وہ بادلوں کے سنگ محو پرواز تھی اور اس کے قدم سفید بگولوں کو چوم رہے تھے۔

"میں نے اپنا ہر روپ صرف آپ کے لئے زینت دیا ہے' سجایا ہے۔"...... وہ آسودگی سے کہہ رہی تھی۔

"تو آپ کے اس روپ کی رونق سے کچھ دیر دل کو بہلا نہ لیا جائے۔" حریم اس کی بانہوں کے حصار میں تھی۔ ایک تحفظ کا مضبوط ترین حصار۔ وہ اس کا سائبان تھا۔ بے آب کا بادل تھا' جس نے من کو اپنی محبت کی بارش سے سیراب کیا تھا۔

"اوں...... ہوں۔" وہ اس کی جذباتی پیش قدمی پر قدرے بسوری۔

"اور یہ کھانا کون کھائے گا۔"

"جب تم پاس ہو تو پھر کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی۔" وہ مسکرایا تھا اور اس کے چہرے کا ایک ایک نقش روشن ہو گیا۔

"یہ طلب ہر طلب پر حاوی ہے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا' گدگدا رہا تھا' مسکرا رہا تھا۔ رات کے پہلے پہر نے چپکے سے ایک دعا کی تھی۔

............*

ماہیر کچھ دنوں سے پریشان تھا۔ اس نے اپنی پریشانی شیئر نہیں کی تھی۔ شاید اس کے پریشان ہونے کے خیال سے' آج دھند کی شدت میں بھی کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود ماہیر فجر کی نماز ادا کرنے مسجد چلا گیا تھا۔ واپس آ کر وہ آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ آج چونکہ سردی زیادہ تھی' اسی لئے راحت بیگم بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھیں۔

کچھ سوچ کر حریم ناشتا ٹرے میں سجا کر اوپر چلی آئی تھی۔ ماہیر بلیک پینٹ اور کافی کلر کی شرٹ پہنے

تیار کھڑا تھا۔ بال بنا کر اس نے پرفیوم اسپرے کیا تھا پھر صوفے پر بیٹھ کر ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

حریم بیڈ شیٹ بدل کر کمبل سمیٹنے لگی تھی، ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے ماہیر کو بھی دیکھ رہی تھی جو بے دھیانی میں چائے پی رہا تھا۔ اس نے برائے نام ناشتا کیا تھا۔ حریم کچھ سوچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ آفٹر شیو لوشن کی خوشبو اس کے اردگرد چکرانے لگی تھی۔ تازہ شیو کی نیلاہٹیں بہت واضح تھیں۔ وہ یک ٹک ماہیر کو دیکھتی رہی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ بن دیکھے ہی اس کی نظروں کی گرماہٹ کو محسوس کر چکا تھا۔

"آپ کچھ پریشان ہیں۔" حریم نے جھجکتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ کیا پتا پریشانی کی نوعیت اس سے چھپانے والی ہو، بتانے والی نہ ہو۔ کیونکہ اب تک کے دنوں میں راحت بیگم حتی المقدور اس سے کچھ نہ کچھ چھپانے کی سعی میں مصروف ہوتی تھیں۔ اگر مجبوری نہ ہوتی، تو موبی کو بھی انہوں نے اس سے چھپائے ہی رکھنا تھا۔

"تم نے کیسے جانا کہ میں پریشان ہوں۔" اس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھ دیا۔

"آپ مجھے وجہ نہیں بتائیں گے۔" وہ اس کے سوال کو یکسر نظر انداز کر کے آس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"انسان اپنی الجھنوں کو اپنوں سے ہی شیئر کرتا ہے۔ اس امید پر کہ اس کی پریشانی کو بانٹ لیا جائے گا۔"

"کیا بتاؤں؟" وہ سوچ میں پڑ گیا تھا، پھر ایک دم ہی بتانے لگا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ تاہم صرف تمہاری خواہش پر بتا دیتا ہوں۔ ایکچوئلی! میں تو شادی اس قدر دھوم دھام سے کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ خوامخواہ کی نمود و نمائش اور بے جا اسراف، مگر میری امی کو خاندان والوں کے سامنے سبکی کا خدشہ تھا۔ خواہ اس ضمن میں کوئی قرض دار ہی کیوں نہ ہو جائے۔ انہوں نے ہمیشہ ہی لوگوں کی باتوں کو مد نظر رکھا ہے۔ اس معاملے میں بھی ان کی منطق نرالی تھی۔ اونچی ناک کو سنبھالنا اور بچانا مشکل تھا۔ اب بتا رہی ہیں کہ جیولر کے سوا لاکھ روپے ابھی دینے ہیں۔"

"تو اس میں پرابلم کیا ہے۔ آپ چوڑیاں یا گولڈ کا سیٹ جیولر کو واپس کر دیں۔ میں ابھی نکال دیتی ہوں۔" بری کے زیور میں اس کے لئے چھ چوڑیاں اور ایک تین تولے کا سیٹ تھا اور وہ ماہیر کی پریشانی کو ہر صورت کم کرنا چاہتی تھی، اسی لئے فوراً اٹھنے لگی۔ حالانکہ لڑکیوں کو اپنے جہیز اور بری کے زیورات سے خاص انسیت ہوتی ہے، مگر حریم کے لئے ماہیر کی ذات سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں تھی۔

"اوں...... ہوں، یہ آپشن میں امی کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ امی کا خیال ہے کہ ایک دفعہ جو چیز دے دی جائے، وہ ہی بہتر ہوتی ہے۔ زیور آڑے وقتوں میں کام آ جاتا ہے، میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس کے ہاتھ کو تھپتھپا کر نرمی سے بولا۔ اس کا انداز تسلی آمیز تھا۔

"مگر اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے گی۔" حریم کی پریشانی کسی بھی طور کم نہیں ہوئی۔

"کچھ دنوں تک امی کی کمیٹی نکل آئے گی۔ وہ کچھ روپے تو ضرور ادھار دے دیں گی۔"

"ادھار......" حریم حیران ہی رہ گئی تھی۔

"بھلا ماں بیٹے میں کیسا ادھار...... کمیٹی بھی تو ماہیر سے پیسے لے کر دیتی ہوں گی۔" اس کی حیرانی فطری تھی۔

"یار! بتایا تو ہے، سیلری جتنی اسٹرونگ ہے، سیونگ ذرہ برابر نہیں ہوتی۔ گھر کے اخراجات ہی بے شمار ہیں، اوپر سے موبی کے دو دو ڈاکٹرز سے علیحدہ علیحدہ چیک اپ، دوائیاں، ٹیسٹ...... مہینے کے آخر میں بالکل کنگلا ہو جاتا ہوں۔ پٹرول کے لئے امی سے ادھار لینا پڑتا ہے۔ پہلے گاڑی بھی تھی، پھر اسے بیچ کر بائیک لینا پڑی۔" وہ گویا اس کی کیفیت سمجھ کر تفصیل بتانے لگا۔ نفیسہ پھوپھو نے ٹھیک کہا تھا۔ ماہیر پر بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا اور وہ اس کی مشکلات کو سمجھتی تھی اور اپنی طرف سے اسے پریشان نہ کرنے کا خود سے عہد کر رہی تھی۔

"تو اب یہ قرضہ کیسے ادا ہو گا؟"

"یہ تمہارا ہیڈک نہیں...... بس تم خوش رہا کرو، مسکراتی رہا کرو۔ میری آدھی ٹینشن تمہیں فریش دیکھ کر ختم ہو جاتی ہے۔" اس نے بہت پیار سے حریم کے گال تھپتھپائے اور حریم نے اسی پل خود سے دوسرا عہد کیا تھا۔ گھریلو سیاست اور امی کی رنجشوں کو ماہیر سے دور رکھنے کا عہد، تلاش معاش اور زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کرنے والے مرد کو اگر گھریلو سکون مہیا نہ کیا جائے تو وہ باہر "سکون" کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور حریم تو ایسا قیامت تک نہیں چاہتی تھی۔

وہ ماہیر عالم کے گرد ایک دائرہ کھینچنا چاہتی تھی۔ محبت، اطاعت، خلوص، سکون اور ایثار کے اس دائرے میں اسے ہمیشہ کے لئے مقید کر لینا چاہتی تھی۔ تاکہ گھر آتے ہوئے کبھی اس کی راہ کھوٹی نہ ہو۔ وہ چند پل کے لئے بھی کسی اجنبی سایہ دار شجر کے نیچے نہ ستائے۔ اسے اپنے مدار کی طرف لوٹنے کی جلدی ہو اور یہ مقناطیسیت محبت سے بڑھ کر کسی اور شئے میں نہیں تھی۔ حریم نے کچھ دیر کے لئے نہ جانے کیا سوچا اور پھر اٹھ کر دیوار گیر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"فی الوقت ان سے کام چل جائے گا۔" وہ بہت سے ہزار ہزار کے نوٹ ماہیر کی طرف بڑھائے کھڑی تھی۔

"یہ کہاں سے آئے ہیں؟" وہ حیران سا اسے دیکھنے لگا، حق مہر بھی شرعی لکھوایا گیا تھا، نہ یہ رقم ماہیر نے اسے دی تھی اور نہ ہی امی سے اسے توقع تھی کہ شاید منہ دکھائی میں کچھ روپے انہوں نے دے دیئے ہوں گے۔ ادھر کی ساری سلامیوں کی رقم وہ پہلے ہی لے چکی تھیں۔

"یہ بابا کی طرف سے مہمانوں نے کیش رقم دی تھی۔"

"یہ تم انکل کو لوٹا دیتیں، یہ رقم انہی کا حق تھی۔" ماہیر نے روپے نہیں پکڑے تھے۔ اس کی ماں نے حریم سے بھی کچھ کہہ کر سلامی کے پیسے لئے تھے۔ ان کا خیال تھا انہوں نے جو کچھ لوگوں کو دیا، دلایا تھا، وہ ہی کچھ واپس آیا ہے۔

"بابا نے بصد اصرار مجھے دے دیئے تھے۔" وہ زبردستی رقم اسے تھما کر ٹرے میں برتن رکھنے لگی۔

''مگر حریم......''

''کوئی اگر مگر نہیں......اب اٹھ بھی جایئے۔ آفس سے دیر ہو جائے گی۔ دھند کی بھی اتنی دبیز چادر تنی ہے۔ احتیاط سے جایئے گا۔''

''ٹھیک ہے...... یہ ادھار رہا۔'' کچھ سوچ کر وہ مان گیا۔

''اس ادھار سے ہم اسلام آباد خالہ کے گھر جائیں گے۔ خالہ نے بھی شادی کی دعوت دی تھی۔ ہم مری کا چکر بھی لگا کر آئیں گے۔'' وہ خوشی خوشی پروگرام ترتیب دینے لگی تھی۔

اس نے یہ رقم کچھ اسی ضمن میں محفوظ کی تھی۔ وہ اول روز سے ہی جان گئی تھی کہ زندگی میں سب من پسند نہیں ہوگا۔ اسے روایتی سا ماحول ملا ہے اور پھر زندگی کے جھمیلوں میں الجھے چند یہ دن اچھی یاد کی صورت میں ہمیشہ تازگی اور تابندگی قائم رکھیں گے۔

ماہیر کی مکمل ہمراہی اور مری کی برف پوش پہاڑیوں کو دیکھنا کتنا اچھوتا' انوکھا اور دلفریب ہوگا۔ اپنی یہ خواہش وہ بہت چاہنے کے باوجود ماہیر سے شیئر نہیں کر سکی تھی' مگر اس وقت اچانک اس کے منہ سے یہ چند الفاظ اک خوب صورت سی فرمائش بن کر ادا ہوئے تھے۔ ماہیر لحظے بھر کو رک کر اس کے چمکتے سفید چہرے میں خوشی' مسرت کی جگمگاہٹ دیکھنے لگا تھا۔ کس قدر تابناکی' روشنی اور شگفتگی سی پھوٹ رہی تھی۔ حریم کے ہر نقش سے' اس کی آنکھوں سے' ہونٹوں سے' نہ جانے کیوں ماہیر کو طاق میں رکھے چراغ کی تیز ہوتی لو کو پھونک مار کر بجھانا' اس مسکراہٹ کی شگفتگی کو سمٹتا دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح حریم اسے گیٹ تک چھوڑنے کے لئے پیچھے بھاگی تھی۔ پھر گیٹ بند کر کے اندر آئی تو راحت بیگم بھی اٹھ چکی تھیں اور ان کا موڈ ہمیشہ کی طرح بگڑا ہوا تھا۔ وہ کچن میں کھڑی تھیں اور برتنوں کی شامت آئی ہوئی تھی۔

''میرا بچہ بھوک سے بلک رہا ہوگا۔ ایک کھانے پکانے کی ذمہ داری ہے۔ وہ بھی احسن طریقے سے نبھائی نہیں جا سکتی۔ چونچلوں سے فرصت ملے تب نا۔ گھر میں جوان نند ہے' ساس ہے' مگر آج کل کی لڑکیوں میں حیا تو سرے سے رہی نہیں۔'' وہ سنک میں چائے کے برتن پٹخ رہی تھیں۔ حریم بے چاری پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ شرمندگی سے سر اٹھ ہی نہیں سکا۔

''امی! آپ بیٹھیے میں ناشتا بناتی ہوں۔'' وہ بمشکل لب کچلتے ہوئے بولی۔

''رہنے دو بی بی! ہاتھ سلامت ہیں۔ کون سا پہاڑ توڑنے ہیں۔ ابھی بنا لیتی ہوں۔ تہجد کے وقت کا بندہ اٹھا ہو تو سات بجے تک بھوک سے حشر ہو جاتا ہے اور اب تو ساڑھے آٹھ ہونے والے ہیں۔ روزانہ یہی ڈرامہ تو ہوتا ہے۔'' انہوں نے دو پل میں اس کی گزشتہ خدمتوں کو بھی مٹی میں رول دیا۔

''آپ کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے سمجھا' نماز کے بعد دوبارہ سو گئی ہیں' اسی لئے......'' صفائی پیش کرتے ہوئے نہ جانے آنکھوں کے سامنے چادر کیوں تن سی گئی تھی۔ اس نے بمشکل آنکھوں میں امڈتی نمی کو اندر اتارا۔

''جواز تو سارے پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔'' ان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہوا تھا۔ وہ بھوک کی بہت

کچی تھیں۔ حریم سے ایک عظیم غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس کا ازالہ یوں ممکن تھا کہ رات کے کھانے میں اہتمام کیا جائے۔ چاہے وہ کس قدر مقروض ہی کیوں نہ ہوتیں۔ مہینے کا آخر ہی کیوں نہ ہوتا۔ وہ خوراک کے معاملے میں قطعاً احتیاط نہیں کرتی تھیں' نہ ہی کفایت شعاری سے کام لیتی تھیں۔ راشن بے دریغ اور کھلا آتا تھا۔ اسی طرح استعمال بھی فضول خرچی سے کیا جاتا۔ تبھی تو مہینے میں کئی مرتبہ سودا سلف لانا پڑتا تھا۔

زمیلہ اور راحت بیگم بہت خوش خوراک تھیں' مگر اس کی آمد سے پہلے گھر میں پکانا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اکثر فیفا پکا دیتی یا پھر بازار سے منگوا لیا جاتا۔ ماسی بتاتی تھی۔ زیادہ تر فیفا ہی کھانا پکا دیا کرتی تھی۔ بقول ماسی کے شادی سے پہلے فیفا کا زیادہ وقت یہیں پر گزرتا تھا۔ ماسی کے خیال میں ماہیر کی شادی ہو جانے کے بعد فیفا کی آمد و رفت کم ہوئی تھی' مگر حریم کا ذاتی خیال یہ تھا کہ بینک کی جاب اور مصروفیات بڑھنے کی وجہ سے وہ کم کم آتی تھی۔ یہ خیال زیادہ قوی تھا اور وہ فضول واہموں میں پڑنے والی نہیں تھی' تاہم ماسی کا ارادہ تو مزید گل افشانیاں کرنے کا تھا' مگر حریم کا رویہ دیکھ کر دل مسوس کر رہ گئی۔ شاید ماسی چٹخارے لینا چاہتی تھی اور حریم نے اس کی یہ خواہش پوری نہیں کی تھی۔

''موبی کو دوائی دینی ہے' دماغی امراض کے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا ہے۔ کمبخت کھانے کے لئے بھی کچھ مانگ نہیں سکتا' نہ لولا ہے' نہ لنگڑا۔ زبان بھی ساتھ ہے' مگر کھانے کے لئے کچھ نہیں مانگے گا۔ ہائے یہ آزمائش کیسی ہے۔'' بیک وقت وہ ظالم اور مظلوم بھی بن جاتی تھیں۔ ان کے دوہرے رویئے کو سمجھنا حریم کے بس میں نہیں تھا۔ اس وقت وہ گولا باری کرنے کے بعد رقت آمیز لہجے میں بول رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

حریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان کی دلجوئی کس طرح کرے۔ وہ اسی کشمکش میں کھڑی رہ گئی تھی اور وہ آنکھیں دوپٹے کے پلو سے پونچھتی باہر نکل گئیں۔ حریم نے فٹافٹ ناشتا بنایا' پہلے موبی کو دے کر آئی پھر امی کے کمرے کی طرف چل دی۔ امی اور زمیلہ دونوں بیڈ پر رضائی میں گھسی بیٹھی تھیں۔ باہر کے سرد' خشک اور ٹھٹھراتے ماحول سے زیادہ اندر کے نرم' گرم اور پرسکون ماحول نے جسم کو تقویت پہنچائی تھی۔

''آلو کے پراٹھے' اب تو لیٹ ناشتا ملنے کا قلق بھی نہیں رہا۔ واہ' مزا آ گیا ہے۔ گرما گرم چائے دد پراٹھا۔'' زمیلہ خوشی سے چہکی۔ بیٹی کو چہکتے دیکھ کر راحت بیگم کا موڈ بھی خود بخود خوشگوار ہو گیا۔

''کمرے میں ہیٹر ہو' نرم گرم بستر ہو۔ سامنے ٹی وی پر پسندیدہ پروگرام بھی آ رہا ہو اور من پسند ناشتا بھی مل جائے تو مزاج بھی بہتر ہو جاتے ہیں اور ناشتے کا لطف بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔'' حریم سوچتے ہوئے پلٹ آئی تھی۔ دونوں میں سے کسی نے اسے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرنے کی آفر نہیں کی تھی۔

اس نے تنہا ہی ناشتا زہر مار کیا تھا۔ کچن صاف کرتے اور برتن دھوتے دس بج گئے تھے۔ ماسی ابھی تک نہیں آئی تھی اور شاید اس کا بھی آج ڈنڈی مارنے کا ارادہ تھا۔ عام حالات میں پورے دن کے کام نبٹاتے وہ تھکن سے چور ہو جاتی تھی۔ آج تو صفائی وغیرہ بھی خود ہی کرنا پڑی۔

اس کا ذہن اور جسم بری طرح تھک چکا تھا۔ اس تھکن میں بھی اس طرح سے تازگی اور سکون تھا۔ یہ گھر اس کا اپنا تھا۔ ایسا سائبان جس میں ماہیر کی محبت تھی اور اس محبت کے سہارے وہ تمام عمر رات اور دن

کو بھلائے ایک مدار میں گردش کرسکتی تھی۔ یہ تو معمولی سے گھر کے کام تھے اور کاموں سے کبھی بھی اس نے جی نہیں چرایا تھا۔

اپنے گھر میں دادی کے وقتوں سے بوا جنت آیا کرتی تھیں۔ پھر مستقل ہی ان کے گھر شفٹ ہو گئیں۔ وہ دونوں بہنیں بوا کا بہت احترام کرتی تھیں۔ امی کے بعد انہوں نے ان دونوں کی پرورش جی جان سے کی تھی۔ گھر کے دیگر کام وہ باآسانی کر لیتی تھیں' مگر حریم نے بہت جلد گھریلو ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔ بوا کا بیشتر دن اب آرام کرنے یا پھر اردگرد کے گھروں میں گزرنے لگا تھا۔ پورا دن مختلف کاموں سے الجھتے گزر گیا تھا۔ رات جلد ہی آنگن میں اتر آئی تھی۔ سردیوں کی شامیں بھی کتنی اداس ہوتی ہیں۔ ڈوبتی شام کا منظر اس کے کمرے کی کھڑکی سے باآسانی نظر آتا تھا' مگر اس کے پاس فرصت کا ایک لمحہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ جاتی شام کی نارنجی شعاعوں کو دیکھتے ہوئے کچھ دیر کے لئے اپنے بابل کے گھر کو ہی یاد کر لیتی۔ حانی سے فون پر بات ہو جاتی تھی۔ زیادہ تر حانی خود ہی فون کرتی تھی' مگر راحت بیگم کو ٹیلی فونک رابطہ بھی پسند نہیں تھا۔

"جب دیکھو فون سے چپکی کھڑی ہوتی ہے۔ ساری لڑکیاں ہی اس منزل سے گزرتی ہیں۔ ماں' باپ' بہن' بھائیوں کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔" ان کی روز روز کی بڑبڑاہٹوں سے تنگ آ کر حریم نے فون سننا ہی ترک کر دیا تھا۔ زیادہ جی گھبراتا تو ماہیر کے سیل فون سے حانی اور بابا سے بات کر لیتی۔

آج سرِشام ہی ماہیر گھر آ گیا تھا۔ اس وقت وہ ماں کے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ چائے شاید اس نے خود ہی بنالی تھی۔ وہ اپنا سب سے خوب صورت سوٹ پہن کر اور لمبے بالوں کو محض کلپ میں قید کئے ہلکا پھلکا میک اپ کر کے نیچے آئی تو راحت بیگم کے کمرے سے آتی ماہیر کی آواز سن کر اس کا دل یک بارگی دھڑک اٹھا تھا۔ زمیلہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے کھلے کھلے روپ کی وجہ سے زمیلہ کی آنکھوں میں ہلکی سی ناگواری در آئی۔

"کون سے اسکن ٹانک اور کلینزنگ لوشنز یوز کرتی ہیں بھابی۔" اس نے سرسری سا لہجہ بنا کر پوچھا۔ پھر اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی بول اٹھی۔

"اب مکرمت جایئے گا۔"

"نہیں محتاج کاسمیٹکس کے' جنہیں حسن خدا نے دیا۔" اپنی پشت پر اسے ماہیر کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اس کی ڈھال بنا کھڑا تھا۔ ہمیشہ ایک تحفظ کا احساس لئے۔ اس کا رفیق' ہمزاد اور ہم سفر جس کے ساتھ دور بہت دور تک سفر طے کرنے کا شوق اور چاہ میں وہ بابل کی دہلیز چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کا رکھوالا' پاسبان' نگہبان...... حریم کی آنکھیں جگر جگر کرنے لگی تھیں۔

"چلو کالونی کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔" ماہیر نے اس کے شانے پر ہلکا سا ٹہوکا دے کر کہا تھا' حریم ایک دم اور بھی تازہ اور شگفتہ خود کو محسوس کرنے لگی۔

"اس وقت' اس بلا کی سردی میں...... سڑکوں پر تو دھند پھیل گئی ہے۔" زمیلہ نے ناگواری کا واضح اظہار کر دیا۔

"تو کیا ہوا...... دھند کا تو یہی حال ہے۔ ابھی کچھ دنوں تک موسم ابر آلود اور دھند اسی شدت سے پڑے گی۔" ماہیر نے لاپروائی سے کہا تھا۔ پھر ماں کو بتا کر اسے باہر آنے کا اشارہ کر کے خود کمرے سے نکل گیا۔ زمیلہ موسم کا حال سننے کے لئے نہیں کھڑی ہوئی تھی۔ پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حریم سر جھٹک کر شال اچھی طرح اوڑھے باہر آئی تو ماہیر کافی دور کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی ماہیر تک آئی۔

"اچھی لگ رہی ہو' مگر بالوں کو کیوں چھپالیا ہے۔" ماہیر کا ٹھنڈا ہاتھ اس کے گرم پرحرارت ہاتھ میں دبا تھا۔ وہ ماہیر کے برابر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

"بال کھلے تھے اس لئے چھپالئے ہیں۔ تاکہ آپ کے علاوہ کوئی اور نہ دیکھ سکے۔"

"دیٹس گڈ!" وہ دلفریبی سے مسکرایا۔

"اس دھند میں سڑکیں عموماً سنسان ملتی ہیں۔"

"ہمارے جیسے سرپھروں کی کوئی کمی نہیں۔" حریم سوں سوں کرتے ہوئے مزے سے بولی۔

"پارک کی طرف چلیں......"

"وہ تو کافی دور ہے' خیر چلتے ہیں...... البتہ پارک کا حال بھی سڑکوں جیسا ہو گا۔ خاموشی اور نری خاموشی۔"

"آپ کو نہیں پتا' خاموشی بھی بولتی ہے۔" حریم کا موڈ بہت خوشگوار ہو چکا تھا۔ بہت دنوں بعد وہ یوں اکٹھے باہر نکلے تھے۔

"صرف بولتی ہی نہیں' ہنستی مسکراتی بھی ہے' قہقہے بھی لگاتی ہے اور......" وہ پہلا راؤنڈ لے کر دائیں طرف مڑ گئے تھے۔ ماہیر نے اسے اشارے سے بتایا تھا کہ سامنے جامع مسجد ہے۔ اس کے برابر میں سپر سٹور بھی تھا' جس سے ضرورت کی ہر شئے ارجنٹ مل سکتی تھی۔

"اور کیا......؟"

"اور خاموشی روتی بھی ہے۔" ماہیر کچھ سوچ کر بولا۔

"اچھا......" وہ حیران ہوئی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا ہے؟ کیا کسی تجربے سے اندازہ لگایا ہے۔"

"نہیں یار! میں ایسے تلخ تجربات سے دور رہتا ہوں۔" ماہیر بھی غیر سنجیدہ تھا۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان وہ کافی آگے نکل آئے تھے۔ پارک ابھی کچھ فرلانگ دور تھا۔ البتہ خاموشی اور سناٹے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پارک میں کوئی ذی نفس موجود نہیں۔

"اگر کسی بلا سے ملاقات ہو گئی تو پھر؟" وہ اسے ڈرانا چاہ رہا تھا۔

"جو بلا آپ کے ساتھ ہے۔ اس سے بڑی نہیں ہو گی۔" حریم ہنسی۔

"ہزار بلاؤں سے مقابلہ کر سکتی ہوں۔"

"بلے بھئی بلے...... مجھے تو ان خوبیوں کی خبر نہیں ہو سکی' ویری فنی!" ماہیر نے گویا خوب ہی لطف

محسوس کیا تھا۔

"ویسے تم جیسی خوب صورت بلا تو خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔"

"کبھی فرصت سے جاننے کی کوشش کریں اور بھی خوبیوں کا ادراک ہوگا۔" حریم نے چلتے چلتے رک کر ایک بیل سے گلابی پھول توڑ لیا تھا۔

"ایسی ہی کوئی شام کچھ دنوں بعد ہمارے نام کر دیا کریں۔"

"اے میری پریتی! پری رو میری زندگی کی ہر شام تمہاری' ہر سحر تمہاری' ہر دوپہر تمہاری' ہر سہ پہر تمہاری بس رات میری۔" وہ اس کے نرم گرم بازو پر چٹکی بھرتے ہوئے تپتی' لو دیتی نظروں سے دیکھ کر بولا تھا۔ حریم شرم سے اور بھی سرخ پڑ گئی۔

"رات سے یاد آیا۔ ذرا جلدی اوپر آ جایا کرو۔"

"کیوں آپ نے سیاسی مسائل پر میرے ساتھ بحث کرنی ہے یا کوکنگ کے طریقے پوچھنے ہیں۔ سویٹرز کا کوئی نمونہ سیکھنا ہے؟" حریم اسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ پارک کے گرد ایک راؤنڈ لگا کر اب واپس جا رہے تھے۔

"آنے والے بچوں کے متعلق کچھ ڈسکشن کرنی ہے۔" وہ بھی ماہیر تھا۔ بات کو خالی جانے نہیں دیتا تھا۔ برجستہ بول کر اس کی شرمیلی ہنسی کو سننے لگا۔

"کیسی ڈسکشن؟"

"یہی کہ کوئی پروگرام نہیں' چنا منا لانے کا۔"

"فضول مت بولیے۔" وہ مصنوعی خفگی سے کہنے لگی۔ قدموں کی رفتار بھی تیز کر دی تھی۔ باتوں کے دوران وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ انہیں گھر سے نکلے گھنٹہ بھر ہونے والا تھا۔

"آپ سے کسی نے کچھ کہا تو نہیں اس بارے میں۔" معاً وہ خوفزدہ سی ایک دم مڑ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں' یہ تو میری خواہش ہے اور شاید امی کی بھی ہو۔ زمیلہ کی بھی ہو اور کیا تمہیں نہیں چاہیے؟" وہ آہستگی سے نرمی سے پوچھنے لگا۔

"کیوں نہیں۔" حریم اور بھی آہستگی سے بولی۔

"ویسے بائی داوے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں' شادی کو۔"

"یہی کوئی اڑھائی تین سال۔" ماہیر نے شرارت سے اس کی بے حد سرخ ناک دباتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو اڑھائی مہینے آپ کو اڑھائی سال بھی لگنے لگے ہیں۔ دو تین سال بعد تو آپ کہیں گے حریم! کہیں تیس' چالیس سال تو نہیں ہو گئے شادی کو۔ تم بوڑھی لگنے لگی ہو۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"تم تو بوڑھی ہو کر بھی پری دزخت لگو گی۔ وہ چین کی شہزادی تھی۔ مام بن زیمان کی بیوی تھی۔ زال کی ماں تھی اور رستم کی دادی تھی۔" وہ اس کی بات سے لطف لیتا نہ جانے کس مرحوم شہزادی کا شجرہ نسب سنانے لگا۔

"بڑھاپے میں میری ناک کسی چینی شہزادی کی طرح چپک کر بالکل سپاٹ ہو جائے گی' یا پھیل کر چہرے کے ساتھ لگ جائے گی۔" حریم بری طرح چڑ کر بولی تو ماہیر بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کے لبوں پر مدھم سی پھیلی مسکان اب ہنسی کی شکل میں حریم کے اردگرد بکھر گئی تھی۔

"تم تو بہت پر لطف گفتگو کرتی ہو۔"

"افسوس آپ کے پاس ایسی پر لطف باتوں کے لئے وقت کی کمی ہے۔" وہ شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی' مگر نہ جانے کیسے لبوں سے لفظ پھسل پڑے۔

"اس صورت پر' اس پیاری سی مورت پر شکوے کے بادل کتنے بھلے لگ رہے ہیں' مگر جان جہان! ذرا اس ٹائمیٹ شیڈول پر غور تو کرو۔ مزدوری کر کے آتا ہوں' کسی حسینہ کے ساتھ آوارہ گردی نہیں کرتا' نہ ہی دعوتیں اڑاتا ہوں۔"

"سوری ماہیر!" وہ فوراً ہی پگھل گئی تھی۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ آج بھی وہ صبح پانچ بجے کا جاگا ہوا ہے اور لمحہ بھر کو بھی اس نے آرام نہیں کیا۔ اسی لئے نرمی اور ہمدردی سے بولی۔

"آپ ریسٹ کر لیتے' باہر آنا کوئی ضروری تھا۔"

"میری ہمراہی میں جو یہ ستارہ آنکھوں میں جگمگاہٹ اتر آئی ہے' یہ گھر میں کہاں اترنی تھی۔ تمہارا موڈ خوشگوار ہو گیا ہے۔ اس سے زیادہ...... اطمینان اور سکون میرے لئے محض دو گھڑی کے آرام میں نہیں تھا۔"

"اور میرے لئے بھی آپ کے سکھ' چین اور آرام سے بڑھ کر سڑکوں پر لور لور پھرنا بھی اہم نہیں۔" اسے شدت سے ماہیر کی تھکاوٹ کا احساس بے قرار کرنے لگا تھا۔ واپسی پر ماہیر اسے کسی دوسرے راستے سے لایا تھا۔ سپر سٹور کے سامنے سے گزرتے ہوئے ماہیر نے اس سے پوچھا۔

"حریم! آئس کریم کھاؤ گی؟"

"اس ٹھنڈ میں قلفی جم جائے گی میری۔" اسے آئسکریم کے نام سے ہی کپکپی سی آنے لگی۔

"آئس کریم کا مزا تو دسمبر کی ٹھنڈ میں ہی آتا ہے۔ گرمیوں میں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے آئسکریم کے شوربے کا بھلا کیا لطف۔" وہ اسے مسلسل لالچ دے رہا تھا۔

"نہ بابا' نہ میں خود کھاؤں گی' نہ آپ کو کھانے دوں گی' ورنہ امی کے الزام کون سن پائے گا۔" اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کیسے الزام؟" ماہیر حیران ہوا۔

"یہی کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈ میں لے کر چلی گئی تھی اور اسے نمونیہ کرا لائی ہے۔"

"یہ بات تو ہے۔" ماہیر نے فوراً اتفاق کر لیا تھا۔ حریم نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"چاکلیٹ تو کھاؤ گی نا۔"

"ہوں...... چاکلیٹ چلے گی۔" حریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے' تم ناک کی سیدھ میں چلو' میں ابھی آتا ہوں۔" وہ سٹور کی طرف تیز قدموں سے بڑھ گیا تھا۔ حریم اس کے حکم کے مطابق آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

سٹور جب کافی دور رہ گیا تو حریم نے مڑ کر دیکھا۔ ماہیر ابھی نہیں آیا تھا۔ وہ کچھ اور قدم چل کر اس کا انتظار کرنے لگی تھی۔ یہ سٹریٹ بھی سنسان تھی۔ اکا دکا لوگ سٹور میں سے نکل رہے تھے۔ کچھ اور آگے چھوٹا سا خالی پلاٹ تھا۔ حالانکہ سڑک کے دائیں بائیں جدید مکانات تھے۔ صرف ایک خالی پلاٹ تھا۔ جسے ڈھیروں پھولوں کی خوشنما باڑ سے سیف کیا گیا تھا۔ محلے کے بچے شاید کرکٹ کھیلتے تھے یہاں۔ حریم نے کچھ آگے ہو کر دیکھا۔ دو لکڑی کے بنچ بھی تھے۔ داخلی دروازہ کے قریب بھی ایک بنچ تھا' جس پر ایک وجود بیٹھا تھا۔ حریم کا دل یک بارگی خوف سے لرز اٹھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر سنسان سڑک کو مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ زیر لب آیت الکرسی پڑھتے ہوئے ماہیر کے جلد آنے کی دعائیں کرنے لگی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ سپر سٹور کی طرف رخ کرنے لگی۔ جب وہ بنچ پر بیٹھا وجود کھڑا ہو گیا تھا۔ حریم کے لبوں سے نکلنے والی چیخ بے ساختہ تھی۔ تبھی اندھیرے کو چیرتا وہ وجود تیزی سے حریم کی طرف بڑھا۔ حریم نے بے تحاشا چیخنا چاہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے تھے اور وہ زار زار رونے لگی تھی۔ جب ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"حریم! حریم......!" یہ آواز فیفا کی تھی۔ حریم نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا اور فیفا کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

"فیفا! تم' یہاں۔"

"ہاں' میں ہوں' امی کی دوائیں لینے میڈیکل سٹور تک گئی تھی۔ پیر میں کانٹا چبھ گیا تھا۔ اسی لئے ذرا دیر کو بنچ پر بیٹھ گئی۔ تم بتاؤ' اس وقت اکیلی کہاں سے آ رہی ہو۔" فیفا نے بغیر گڑبڑائے آرام سے پوچھا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی' جبکہ حریم حیران سی فیفا کے خالی ہاتھ دیکھنے لگی۔ دوائیں تو اس کے پاس نہیں تھیں۔ وہ شاید سمجھ گئی تھی' اس لئے بے نیازی سے بولی۔

"دوائیں نہیں ملیں' کل دوسرے میڈیکل سٹور سے لاؤں گی۔" حریم نے اس کی بات سن کر سر ہلا دیا تھا۔ گویا اسے فیفا کے جواز پر یقین آ گیا تھا' مگر وہ اس کی بے حد سرخ آنکھوں کو دیکھ کر حیران تھی۔ یوں لگتا تھا۔ فیفا کافی دیر سے رو رہی ہے' مگر اس خیال کو بھی حریم نے جھٹک دیا۔

"شاید سردی کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔" وہ کوئی غلط اندازہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں' کہاں سے آ رہی ہو؟" فیفا نے اپنا سوال پھر سے دہرایا تھا۔ اسی اثناء میں ماہیر تیز تیز چلتا ان کے قریب آ گیا۔

"میں بخاری انکل سے ان کے بیٹے کا پوچھنے لگا تھا۔ وہ چھت سے گر گیا تھا۔" فیفا کو دیکھ کر ماہیر کے تاثرات بھی کم و بیش حریم جیسے تھے۔

"امی کی دوائیں لینے آئی تھیں۔" ماہیر کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

"مل گئی دوائیں۔" حریم کو یوں محسوس ہوا تھا کہ ماہیر کا لہجہ گہرا کاٹ دار طنزیہ ہے۔

"نہیں ملیں۔" وہ لاپروائی سے بولی اور پھر فٹ پاتھ پر چلنے لگی تھی۔ وہ دونوں بھی اس کے برابر چلنے لگے تھے۔

"یہ لو چاکلیٹ۔" ماہیر نے ایک چاکلیٹ فیفا کی طرف بڑھا دی۔

"اور تم کیا لو گے۔" فیفا ایک پل کو رکی۔ ماہیر کے ہاتھ میں وہ صرف دو چاکلیٹس دیکھ چکی تھی۔

"کنجوس! ایک دو فالتو لے آتے۔"

"میں اور حریم اس ایک چاکلیٹ کو شیئر کر لیں گے۔" ماہیر ریپر پھاڑ کر چاکلیٹ حریم کو تھما چکا تھا۔ اس نے تھوڑی سی کھائی تھی' جب ماہیر نے اس سے چاکلیٹ مانگ لی اور پھر خود تھوڑی سی نفاست سے چکھ کر حریم کی طرف بڑھا دی۔ اس نے جھجکتے ہوئے چاکلیٹ کو پکڑ لیا۔ فیفا کی موجودگی میں اسے اس گیم سے خاصی الجھن ہوئی تھی' حالانکہ فیفا ناک کی سیدھ میں چل رہی تھی۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود حریم کو بہت خفت سی محسوس ہوئی۔

"دوائیوں کا نسخہ دینا...... صبح میں لا دوں گا۔ آفس سے میرا آف ہے۔" پہلے فیفا کے گھر کا گیٹ آیا تھا۔ وہ اندر گھسنے لگی تھی' جب ماہیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"شکریہ جناب کا۔" فیفا نے گیٹ بند کر لیا تھا' جبکہ حریم کو اس شکریہ کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" وہ حیران سی رہ گئی۔

"اس کی باتوں پر نہ جانا۔ یہ بھی سر پھروں میں سے ہے۔" ماہیر نے لاپروائی سے کہتے ہوئے بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یعنی ہماری طرح۔" حریم نے الجھ کر کہا تھا پھر کندھے اچکا کر اندرونی صورت حال کے متعلق سوچنے لگی' جو کہ یکسر ذہن سے فراموش کر چکی تھی۔ آنکھوں کے سامنے زمیلہ کا ناگوار چہرہ عجیب عجیب سے عکس بنانے لگا تھا۔ تبھی دروازہ کھل گیا۔

............*

دروازہ زمیلہ نے کھولا تھا۔ ماہیر تو راہداری میں کھڑی اپنی بائیک کے دونوں ٹائر چیک کرنے کے بعد سیدھا اوپر چلا گیا تھا' البتہ حریم کو پیشی بھگتنا پڑی۔

"امی آپ کو بلا رہی ہیں۔" زمیلہ نے پھولے منہ سے بغیر دیکھے کہا تھا اور پھر اپنے اور راحت بیگم کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ حریم بھی اپنی بکھر بکھر جاتی ہمتوں کو اکٹھا کرتی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"شریفوں کی بیٹیوں کے یہ چلن اچھے نہیں ہوتے۔" انہوں نے گویا کچھ ہی دیر میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بظاہر خود کلامی کی گئی تھی' مگر حریم جانتی تھی کہ اسے ہی سنایا جا رہا ہے۔ پل دو پل میں اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں۔

"آج' کل لڑکیاں بہت بے دید ہو چکی ہیں' نہ کسی بڑے کا لحاظ رہا' نہ کسی چھوٹے سے حیا آتی ہے۔" انہیں ان دنوں میں آج کل کی لڑکیوں سے ہزاروں شکوے ہو چلے تھے۔ ہر بات کی تان یہیں آ کر ٹوٹتی تھی۔

"کسی بڑے سے پوچھنا تو دور کی بات' بتانے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔" وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہی

تھیں۔حریم پشیمانیوں کے عمیق گڑھے میں لمحہ بہ لمحہ گرتی جا رہی تھی۔اس کے خیال میں ماہیر نے ماں سے اجازت لے لی تھی۔تبھی تو وہ کچھ ریلیکس تھی' مگر اس وقت تنہا کٹہرے میں کھڑا ہونا کس قدر اذیت ناک تھا۔اس کا شرمندگی کے مارے سر نہیں اٹھ رہا تھا۔

"باہر نکلنا ہی تھا تو پہلے کچن تو صاف کر جاتیں۔برتنوں کے ڈھیر لگے ہیں۔"

"میں نے تو کچن کا کام ختم کر لیا تھا۔" وہ محض منمنا کر رہ گئی۔

"بی بی! اب میاں کے پاس بھاگتی نہ چلی جانا۔پہلے برتن دھولو تمہارے لئے صبح کے وقت آسانی ہوگی۔"

انہوں نے کروٹ بدل لی تھی۔گویا اسے اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اب دفعان ہو سکتی ہے۔

"ماہیر کے کان بھرنے کی ضرورت نہیں۔نیچے کی بات نیچے ہی چھوڑ کر جایا کرو۔" حریم کو اپنے پیچھے امی کی کرخت آواز سنائی دی تھی۔وہ لرزتے قدموں سے باہر نکلی۔

ایک بات تو بہت واضح تھی۔انہوں نے آج تک ماہیر کے سامنے اسے سخت سست کبھی نہیں سنائی تھیں۔ماہیر کے سامنے وہ بالکل خاموش ہو جاتی تھیں۔یوں ظاہر کرتی تھیں' گویا گھریلو ہر معاملے سے الگ ہو چکی ہیں۔بظاہر وہ یہی کچھ دکھانا چاہتی تھیں۔بیٹے کی موجودگی میں ان کا رویہ اگر بہت محبت بھرا شہد بھانا نہ سہی' اتنا کٹیلا' روکھا پھیکا اور اجنبی بھی نہیں ہوتا تھا۔یہ لحاظ شاید کماؤ بیٹے کی وجہ سے نہ جانے کس دل سے کیا جاتا تھا۔ان کی دوہری شخصیت پیاز کی پرتوں کی مانند تھی۔پل پل بدلتا مزاج' وہ ان کے کسی بھی رویے سے کوئی حتمی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر تھی۔

کچن میں آکر اسے گویا جھٹکا لگا۔یہاں سے لے کر وہاں تک پھیلاوا ہی پھیلاوا' برتنوں کے ڈھیر' چائے کی پیالیاں' انڈوں اور سبزیوں کے چھلکے' فروٹس کے بچے کھچے حصوں اور چھلکوں کی بھی جگہ جگہ ڈھیریاں لگی تھیں۔شاید فروٹ سلاد بنایا گیا تھا۔صرف ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر کچن تلپٹ ہو چکا تھا۔زملہ نے بڑے ہی پھوہڑپن سے کھانا گرم کیا تھا۔اگر اسے کھانا پکانا ہوتا تو نجانے کچن کی کیا حالت ہوتی۔اس نے گہری سانس کھینچی اور برتن اکٹھے کرتے ہوئے بے اختیار سوچنے لگی۔وہ کبھی کاموں سے گھبراتی تو نہیں تھی' نہ کام کاج سے جی چراتی تھی' مگر کبھی کبھی......دل میں دبی دبی سی خواہشات انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتیں۔اپنی مرضی' خوشی' چاہ اور خواہش کے ساتھ کام کرنا' کچھ دیر آرام کرنا' تھکن اتارنا اور پھر خوشی خوشی کاموں میں جت جانا۔

کام ختم ہو چکا تھا۔وہ لائٹس آف کر کے' دوپٹے سے ٹھٹھرتے ہاتھ پونچھتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ساڑھے بارہ کا وقت ہو چکا تھا' مگر ابھی تک ماہیر جاگ رہا تھا۔حریم کو بے حد حیرت ہوئی۔

"آپ ابھی تک سوئے نہیں؟"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ویسے بھی صبح آفس سے آف ہے۔ڈٹ کر سوئیں گے۔" وہ اس کا ٹھنڈا ہاتھ تھامتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"برتن دھو کر آ رہی ہو؟" اس نے ٹی وی سے نظریں ہٹا لیں۔

"ہوں۔" ماہیر کے گرم پُر حرارت ہاتھ کی گرمائش نے اسے بہت تقویت دی تھی۔وہ کلپ اتار کر برش اٹھانے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔بالوں کی آبشار نے گویا پوری پشت کو ڈھانپ لیا۔

"اے......رات کو بال کیوں کھولے ہیں۔کوئی جن عاشق ہو گیا تو پھر؟" ڈریسنگ کی طرف بڑھتے اس کے قدم ایک دم لڑکھڑا سے گئے تھے۔یہ لہجہ' یہ آواز نہ جانے کیوں اسی پل' اسی لمحے ہوا کے زور پر اس کے کمرے کی کھڑکی کھول کر زبردستی اندر گھس آئی تھی۔وہ کچھ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"حریم! دھیان سے' لائٹ آن کر لو۔" ماہیر کی نرم' فکرمندی سی آواز آئی تھی۔پھر کھٹا کھٹ کئی طرح کی روشنیاں پورے کمرے میں پھیل گئیں۔ٹی وی کی نیلگوں روشنی دم دبا کر بھاگ گئی تھی۔اس نے برش اٹھایا اور لرزتے قدموں سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"اس وقت آپ سے بڑا کوئی جن نہیں زرجان بھیا دھیان سے' میری اپیا پہلے سے ہی بکنگ شدہ ہے۔" حانی کو اسی طرح بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی' نہ جانے کیوں زرجان کے لبوں پر اک پھیکا اور اداس سا تبسم نمودار ہوا تھا۔

اس نے بالوں کی چٹیا بنالی تھی۔برش بھی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ آئی تھی۔ماہیر کے آفس سے آف کا سن کر اور اسے جاگتا دیکھ کر اس کے دل میں مسرت کی ایک لہر اٹھی۔

"آفس سے واقعی آف ہے یا آپ جان بوجھ کر ڈنڈی مار رہے ہیں۔"

"ڈیئر بیوی! ایسی عیاشی میں افورڈ نہیں کر سکتا۔آفس سے واقعی ایک روزہ چھٹی ملی ہے۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"تو پھر آج دیر تک جاگیں گے اور ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔" حریم کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگیں۔

"میں دیر تک جاگنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے معنی خیز سے تبسم کو لبوں میں سمیٹا تھا۔حریم بھی سٹ سی گئی۔اس کے لطیف سے اشارے نے حریم کے چہرے پر لالی بکھیر دی تھی۔

"شرط صرف اتنی سی ہے' میں سنوں گا اور تم بولو گی۔" وہ لو دیتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس برفیلی سردی میں حریم کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔

"میں بولوں گی اور آپ کیا کریں گے؟"

"میں تمہیں دیکھوں گا۔" وہ تکیے کو بازوؤں میں دبوچ سینے کے بل لیٹا ہوا تھا۔حریم نے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر آف کا بٹن دبا دیا۔

"اب بولو بھی' خاموش کیوں ہو گئی ہو۔" ماہیر نے اس کی دبی دبی گدگدائی ہنسی کو دل سے محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں کریں۔"

"یہ تو یوں ہی چلتے رہیں گے۔" وہ مخمور اور بوجھل آواز میں بولا۔

"تو پھر میں جا رہی ہوں۔"

"کیا باتیں نہیں کرنا۔" ماہیر نے اس کی گرم ہوتی پیشانی کو ہونٹوں سے چھوا۔

"جا کہاں رہی ہو۔ ڈھیر ساری باتیں کون کرے گا۔" وہ اس کے ہاتھوں کی مزاحمت کو روک چکا تھا۔

"آپ بہت خراب ہو چکے ہیں۔" وہ خفا خفا سی ماہیر کے دل میں اتر گئی تھی اور باہر دھند میں لپٹی رات لمحہ لمحہ بیتتی رہی۔

............*

اگلی صبح نہ چاہنے کے باوجود بھی ذرا دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ ایسی ٹوٹ کر مستی بھری نیند آئی تھی کہ فجر کی نماز تک قضا ہو گئی۔ وہ جلدی جلدی واش روم کی طرف بھاگی تھی۔ ٹھنڈے پانی سے شاور لے کر کمرے تک آنا کے ٹو سر کرنے کے برابر تھا' مگر اس وقت اسے سخت ترین ٹھنڈ کا بھی کوئی احساس نہیں تھا۔ ذہن پر راحت بیگم کی ناراضی اور غصے کا ہوا سوار تھا۔ وہ اک نظر بے سدھ سوئے ماہیر پر ڈال کر اور اس کے پیر کا انگوٹھا ہلا کر نیچے کی طرف بھاگی۔

آج تو اس کا یہ قصور قطعاً معاف نہیں ہونا تھا۔ وہ کچن میں داخل ہوئی تو راحت بیگم آٹا گوندھ چکی تھیں۔ انہوں نے ایک تپتی' چبھتی نگاہ اس کے نم نم بالوں پر ڈالی تھی' تاہم کہا کچھ بھی نہیں۔ ان کی خاموشی سے حریم کے اندر کچھ سکون کی لہریں اٹھنے لگیں۔

سب سے پہلے اس نے موبی کو ناشتا بنا کر اندر پہنچایا تھا۔ پھر ماہیر کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے تہہ کے بل دار سنہری سنہری پراٹھے تلنے لگی۔ اسی اثناء میں اوپر سے ماہیر کی آواز سنائی دی۔

"حریم! میرا ناشتا اوپر لے آؤ۔ کیا غضب کی سنہری دھوپ نکلی ہے' بڑے ہی ناز نخروں کے بعد۔"

"میں بھی اوپر ہی ناشتا کروں گی۔" زملیہ ایک ہی جست میں تخت سے اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ امی بھی سنہری دھوپ کا مزا لینے سیڑھیاں چڑھ گئی تھیں' نیچے تو کوئی روزن' کوئی دریچہ نہیں تھا کہ پتا چل سکتا' باہر کا موسم کیسا ہے' اوپر والے کمرے بہت کھلے نہیں تھے' البتہ ہوادار ضرور تھے۔

وہ پراٹھے' دہی' اچار اور مکھن اوپر رکھ آئی تھی۔ چائے کا تھرموس اور پیالیاں لے کر جب وہ اوپر جانے لگی تو اسے یوں محسوس ہوا تھا' شاید موبی نے اسے آواز دی ہے' مگر وہ اپنا خیال جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی' جب پھر سے موبی کی آواز سنائی دی۔

"بھابی! بھابی۔"

"کیا بات ہے موبی! کچھ چاہیے؟" وہ پلٹ آئی تھی۔

"بھابی! تم کدھر جا رہی ہو؟" وہ دروازے میں کھڑا تھا اور اس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔

"اوپر جا رہی ہوں۔"

"کیوں؟ اوپر تو ماہیر بھائی ہوتے ہیں۔ تم اوپر کیوں جا رہی ہو؟"

"میں ان کے لئے ناشتا لے کر جا رہی ہوں۔ کیا تم نے بھی اوپر جانا ہے؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگی۔

"نن...... نہیں۔" موبی واپس پلٹ گیا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ جو سوچ رہی تھی کہ آج کئی دنوں بعد وہ اکٹھے ناشتا کریں گے۔ راحت بیگم اور زملیہ کی موجودگی میں دل مسوس کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد فیفا اور نفیسہ پھوپھو بھی آ گئی تھیں۔ وہ سب بالکونی میں بیٹھے نرم گرم دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ حریم معمول کے کاموں میں جت گئی تھی۔ ماہیر آ کر موبی کو بھی اوپر لے گیا تھا' ورنہ وہ تو کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔

صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر وہ تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔ جب پھوپھو سیڑھیاں اترتی دکھائی دیں۔

"میری بیٹی تو بہت مصروف ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے بولیں۔

"موبی کے لئے سوپ بنانا تھا۔ سوچا ابھی سے سبزیاں کاٹ لوں۔" حریم نے شائستگی سے بتایا۔

"بھابی بیگم کو بہو تو بہت ذمہ دار ملی ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹی! موبی کا' خصوصاً دھیان رکھا کرو۔ ایسے اللہ لوگ خدا کے بندے بڑے اور طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت عین ثواب ہے۔ محتاج اور بے بس لوگ۔" ان کے لہجے میں رقت تھی۔

"آپ نے بڑے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔" مٹر چھیلتے ہوئے اس نے بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا تھا۔ پھوپھو بھی چھری پکڑ کر اس کے منع کرنے کے باوجود گاجریں کاٹنے لگی تھیں۔ فیفا بھی اوپر تھی اور حریم کا سارا دھیان بھی چھت سے آتی آوازوں کی طرف تھا۔ زندگی سے بھرپور ہنستے مسکراتے لہجے اور آوازیں۔ فیفا کی کھنکھناتی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ ماہیر کی آواز بھی نمایاں تھی۔

"ہاں بیٹی! بس پچھلے دنوں کچھ مصروفیت رہی ہے۔"

"کیسی مصروفیت؟" وہ عام سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تمہیں بھابی بیگم نے نہیں بتایا۔" انہوں نے قدرے حیرانی سے کہا۔

"کیا؟" اسے واقعی کچھ خبر نہیں تھی۔ راحت بیگم اسے کچھ بتانا کہاں گوارا کرتی تھیں۔

"فیفا کی بات ٹھہر گئی ہے۔" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سرخوشی تھی۔

"اچھا۔" وہ حیران ہوئی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ آپ کو بہت مبارک ہو پھوپھو۔" اس نے بڑی اپنائیت اور خلوص دل سے مبارکباد دی۔

"کچھ دنوں تک رسم کا ارادہ ہے' مگر اس سے بھی پہلے ماہیر سے میں نے لڑکے کے متعلق چھان بین کرنے کے لئے کہا ہے۔ بس بات پکی ہوتے ہی شادی کر دوں گی۔ وہ لوگ تو اپنی طرف سے ہاں کہہ گئے ہیں۔" کتنی محبت اور اپنائیت تھی ان کے لہجے میں۔ وہ اس سے اپنی خوشی شیئر کر رہی تھیں' اسے اپنا سمجھ کر' یہی چھوٹی چھوٹی باتیں رویوں کو' ان کی خوش نمائی یا بدنمائی کو ظاہر کرتی ہیں۔

"رسم کے وقت تم ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی۔" انہوں نے گاجریں کاٹ دی تھیں۔ اب شلجم چھیلنے لگیں۔

"مہمانوں کے سلسلے میں اگر کوئی کام ہوا تو مجھے بتایئے گا۔" حریم نے خلوص سے آفر کی تھی۔

"جیتی رہو بیٹی!" پھوپھو کا دل خوش ہو گیا۔

"سدا سہاگن رہو۔" انہوں نے دل سے دعا دی تھی۔ پھر کچھ یاد آنے پر پوچھنے لگیں۔

"تمہاری بہن ٹھیک ہے؟"

"جی......" وہ مدھم سی آواز میں افسردگی سے بولی۔

"بیٹی! بچی کا علاج کیا ممکن نہیں' کتنی پیاری اور سلیقہ مند ہے۔" ان کے لہجے میں رنجیدگی تھی۔

"علاج تو بہت کروایا ہے' مگر ابھی تک افاقہ نہیں ہوا۔ وہ سہارے کے بغیر چل سکتی ہے' مگر چال میں لنگڑاہٹ کی وجہ سے وہیل چیئر استعمال کرتی ہے۔" حریم کی آواز میں نمی گھلنے لگی۔

"اللہ شفا دینے والا ہے۔" وہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے کھڑی ہوگئی تھیں۔

"چلتی ہوں بیٹا! یہ فیفا تو اب شام ڈھلے گھر آئے گی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں' جبکہ حریم اوپر سے آتی قہقہوں کی آواز سننے لگی۔ پھر سر جھٹک کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

............*

فیفا کی بات کیا پکی ہوئی' راحت بیگم کی زمیلہ کے رشتے کے سلسلے میں کوششیں تیز تر ہوتی چلی گئیں' مگر فی الحال انہیں زمیلہ کے معیار کے مطابق کوئی رشتہ نہیں مل رہا تھا۔

حریم کے شب و روز وہی تھے' بس ماہیر کی سنگت کا احساس ان میں رعنائیاں بھر دیتا تھا۔ زمیلہ کے رنگ ڈھنگ بھی پہلے والے تھے۔ دن کا ابتدائی حصہ ٹی وی' ایف ایم اور رسائل میگزین کی نذر ہو جاتا تھا اور دوسرے پہر وہ فیفا کے گھر پہنچ جاتی تھی۔ فیفا کی اور زمیلہ کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ ان دنوں تو زمیلہ کے پاس آل ریڈی بہانہ موجود تھا کہ وہ فیفا کے ساتھ شاپنگ میں معروف ہے۔ جہیز کی تیاری کرا رہی ہے۔

پھوپھو نے بتایا تھا۔ وہ سادگی سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے اتنے وسائل نہیں تھے اور بھاگ دوڑ کرنے والا مرد بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ جہیز بھی وہ حسب توفیق بنوا رہی تھیں۔ اکثر راحت بیگم بھی برابر والے گھر میں چلی جاتیں۔ بس کھانے کے وقت واپس ہوتیں یا پھر موبی کو اک نظر دیکھنے کے لئے آ جاتیں۔

اس دن بھی راحت بیگم اور زمیلہ برابر والے گھر میں صبح سے چلی گئی تھیں۔ حریم نے دھونے والے کپڑے اکٹھے کر کے رکھے تھے' سو اس نے مشین لگانے کا سوچ لیا۔

ابھی وہ مشین میں سرف ڈال رہی تھی۔ جب ماہیر کی بائیک کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔ حریم کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے بے ساختہ کلاک پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت ماہیر کبھی گھر نہیں آیا تھا۔ ہزار خدشے دل میں سموئے اس نے دروازہ کھولا ہی تھا جب ماہیر اندر آتے ہوئے سرعت سے بولا۔

"چادر لے کر آؤ۔ فٹافٹ۔"

"خیریت' کیا ہوا ہے؟" وہ خوفزدہ سی بولی۔

"بالکل خیریت ہے۔ تم جلدی کرو' میرے پاس وقت کم ہے۔ تمہیں واپس گھر چھوڑ کر مجھے آفس پہنچنا ہے۔" وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پینے لگا تھا۔ حریم' چادر بھی لے آئی تھی اور ماسی کو

موبی کا خیال رکھنے کی تاکید بھی کر دی تھی' مگر وہ ابھی تک شدید کشمکش میں تھی کہ وہ جا کہاں رہے ہیں۔

"کہاں جانا ہے؟" بائیک پر بیٹھتے ہوئے بالآخر اس نے پوچھ لیا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔" ماہیر نے بائیک اسٹارٹ کی تو وہ بے ساختہ چیخی۔

"امی کو تو بتا دیں' وہ خفا ہوں گی۔"

"صرف آدھے گھنٹے کا کام ہے۔ بس ابھی واپس آئے۔" ماہیر اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جی چاہتا تو ذرا ذرا سی بات پر مشورہ لینے ماں کے پاس دوڑتا تھا۔ موڈ ہوتا تو صرف اپنی ہی منوائے جاتا' مگر یہ سوچ اسے بہت بعد میں آئی تھی کہ شاید رات کو ہی وہ ماں سے اجازت لے چکا تھا۔ ورنہ ماں سے پوچھے بغیر تو وہ شاید سانس بھی نہیں لیتا۔ یہ تو پھر فیفا کو گفٹ دینے کا معاملہ تھا۔ جیولر کی دکان کے سامنے بائیک رک چکی تھی اور وہ اسے بتا رہا تھا کہ فیفا کے لئے کچھ یونیک سا خریدنا ہے۔ یقیناً والدہ محترمہ بھی مشورے میں شریک تھیں۔ حریم شوکیس میں سجے چمکتے دمکتے زیورات کو دیکھنے لگی۔

"آپ کے پاس پیسے کہاں سے آئے ہیں' جبکہ مہینے کا بھی آخری عشرہ چل رہا ہے۔" مختلف بریسلیٹ دیکھنے اور ریجیکٹ کرنے کے بعد حریم نے دبی آواز میں اس سے پوچھا۔

"بتایا تھا نا کہ امی کی کمیٹی نکلنے والی ہے۔ سو امی چاہ رہی تھیں' فیفا کو کوئی گولڈ کا تحفہ دیا جائے۔ دراصل اس نے ابو کے بعد ہمارے گھر کو سنبھالنے میں امی کا بہت ساتھ دیا تھا۔ سو شاید اس لئے۔" حریم بھلا اس سے کس طرح بحث کرتی یا جتاتی کہ یہ خلوص اور محبت میں دیئے جانے والا تحفہ ہرگز نہیں ہے۔ راحت بیگم کو شوبازی کی عادت تھی اور وہ ان کی فطرت کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی بھی تھیں' حالات کس قدر ٹائٹ ہیں۔ اگر سمجھدار ہوتیں تو کمیٹی کی رقم آڑے وقت کے لئے بچا کر رکھتیں' مگر انہیں یوں ہی شوبازی میں پیسہ خرچ کرنے کی عادت تھی۔ اسی طرح بازاروں میں وہ مہنگے مہنگے سوٹ خرید کر پیسہ ضائع کرتی تھیں اور یہی شوق زمیلہ میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

اس نے ایک بریسلیٹ پسند کر لیا تھا' مگر ماہیر نے یہ کہہ کر ریجیکٹ کر دیا کہ اس کی قیمت ان کی رینج سے بہت زیادہ تھی۔

بالآخر ایک نفیس سی خوب صورت انگوٹھی خرید کر وہ گھر چلے آئے تھے۔ ماہیر نے گیٹ سے باہر اسے اتار دیا تھا۔ جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو امی اور زمیلہ پر نظر پڑی۔ وہ سیدھا انہی کی طرف آ گئی تھی۔

"کیا خرید کر لائی ہیں بھابی!" زمیلہ اچھل کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر بے قراری سے اس کے پرس کو دیکھنے لگی۔

"یہ اتنی ہلکی سی انگوٹھی۔" جوں ہی حریم نے مخملی ڈبیا زمیلہ کی طرف بڑھائی اس نے بے ساختہ سریلی سی چیخ ماری۔

"ڈیزائن بھی ایویں سا ہے۔ آپ کی چوائس اتنی اچھی تو نہیں۔" زمیلہ سفاکی کی حد تک دل توڑنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اسے شاید دل رکھنا آتا ہی نہیں تھا۔ حریم بے حد شرمندہ سی ہوگئی اور وہ اسے شرمندہ ہی تو شاید کرنا چاہتی تھی۔

"اگر پسند نہیں آئی تو واپس کر دیں گے۔ ویسے ماہیر نے یہ رنگ سلیکٹ کی تھی۔"

"اونہہ کر ہی دیں تو بہتر ہے۔ اتنا اولڈ ڈیزائن۔" زمیلہ نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"کوئی ضرورت نہیں واپس کرنے کی۔ اتنی بھلی تو ہے۔ تم تو سدا احمق ہی رہنا۔ سونے کا بھاؤ آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ تو میں نے اپنی بہو کو اتنا زیور چڑھا دیا تھا۔ یہ برابر والے ہاشمی صاحب بہو کو نقلی زیور پہنا کر بیاہ لائے ہیں۔" امی نے بری طرح زمیلہ کو جھڑکتے ہوئے اپنی اچھائیوں کی تعریف کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"کاش اصلی سونے کے بجائے آپ میرے لئے چند محبت کے بول بچا کر رکھ لیتیں۔" حریم نے افسردگی سے سوچا۔

"سارے لوگ ہی آرٹیفیشل زیور چڑھا کر دلہن کو گھر لے آتے ہیں۔ یہ آپ کو ہی شوق چڑھا تھا میرے بھائی کو مقروض کرنے کا' دو دو جگہ بچارے نوکریاں کرتے رہے ہیں۔" زمیلہ نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

"پھر بھی ہماری قدر کہاں ہے۔ بہو بیگم کے چہرے پر کبھی تبسم نہیں دیکھا۔" امی خوامخواہ خود پر رقت طاری کر چکی تھیں۔ حریم کے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ کپڑوں کی گٹھڑی اٹھا کر چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

............*

حانی کا فون آیا تھا اور وہ بہت خفا ہو رہی تھی۔ غصہ کر رہی تھی۔

"ایک ہی تو ہماری رشتے کی خالہ ہیں۔ امی کی اکلوتی کزن۔ اتنی محبت سے انہوں نے تمہیں شادی کی دعوت دی تھی' مگر تم۔" حانی سخت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔ اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔

"ماہیر بھائی سے کہا ہوتا۔ تمہیں چند دن کے لئے اسلام آباد لے جاتے۔ اسی بہانے تفریح بھی ہو جاتی۔ تم اتنی بونگی ہو' ہنی مون کے لئے بھی ماہیر بھائی سے کچھ نہیں کہہ سکی ہو گی۔ یہی تو دن ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے۔ پھر زندگی کے "سیاپوں" میں ان دنوں کو ڈھونڈتی رہ جاؤ گی۔" وہ اس سے بڑی نہیں تھی' مگر باتیں بڑی بڑی کرتی تھی۔ حریم نے بے بسی سے لب کچل دیئے۔ سامنے ہی امی تخت پر بیٹھی تھیں۔ ان کی نظریں حریم پر نہیں تھیں' تاہم اسے یقین تھا کہ سماعتیں ضرور ادھر ہی مصروف عمل ہوں گی' تا کہ کوئی کام کی بات ان تک بھی پہنچ سکے۔

"حانی! میں چند دن تک چکر لگاؤں گی۔" اپنی طویل تقریر کے جواب میں حریم کا منمناتا لہجہ سن کر وہ گویا سمجھ چکی تھی کہ حریم تنہا نہیں ہے۔

"کون ہے پاس' کیا ماہیر بھائی ہیں؟ میری ان سے بات تو کروا دو۔" وہ سخت مشتعل تھی۔

"نہیں۔" حریم آہستگی سے بولی۔

"زمیلہ ہے؟" حانی نے پوچھا۔

"نہیں۔" حریم نے دبی آواز میں کہا۔

"تمہاری ساس ہیں؟"

"ہوں۔"

"او...... تو گویا تم ساس کے معاملے میں خوش قسمت ہرگز نہیں ہو۔" حانی کا انداز ناقابل فہم تھا۔

"اس معاملے میں سب ہی "ان لکی" ہوتے ہیں۔" وہ گول مول سے انداز میں بولی۔

"تمہیں میکے آنے سے روکتی ہیں؟"

"ایسی بات نہیں۔" حریم جز بز سی ہو گئی۔

"تو پھر' کیوں نہیں آتیں۔ تمہاری اکلوتی بہن اور بوڑھا باپ مہینے بھر سے راہ دیکھ رہا ہے۔ ایسی بھی کیا مصروفیت۔" حانی کی آواز بھرا گئی اور اس کے آنسو دل پر گرنے لگے۔

"آؤں گی۔" وہ محض اتنا ہی کہہ سکی۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں پھنس گیا تھا۔

"اللہ حافظ' اپنا خیال رکھنا۔" حانی نے آزردگی سے کہتے ہوئے فون رکھ دیا تھا جبکہ حریم بھی ریسیور کریڈل پر ڈال کر مڑنے لگی۔ اسی پل فون کی گھنٹی پھر سے بج اٹھی۔

"کس سے بات کر رہی تھیں۔" ماہیر کا فون تھا اور اس نے چھوٹتے ساتھ ہی پوچھا۔

"حانی سے۔" وہ مختصر بولی تھی۔

"خیریت۔"

"ہوں۔"

"تم کیوں چپ چپ ہو۔ کیا روتی رہی ہو؟ آواز سے تو یہی محسوس ہو رہا ہے۔" وہ اسی طرح بن کہے جان لیتا تھا یا پھر اس کے لہجے میں دکھ اور تھکن ہی انتہا کی تھی۔ ماہیر چونکے بغیر رہ نہیں سکا۔

"نہیں۔" وہ صاف مکر گئی۔

"جھوٹ مت بولو' اداس ہو؟ حانی سے ملنا چاہتی ہو؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟"

"ہوں...... شام کو تیار رہنا میں تمہیں لے جاؤں گا۔"

"آپ نے فون کیا تھا؟" حریم کو اچانک خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"تم نے ایسی پژمردہ آواز سنائی ہے۔ کم بخت' کام ہی بھول چکا ہوں کہ کیا کہنا تھا تمہیں۔" وہ شاید سچ مچ سوچنے لگا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"الماری میں سے ایک بیگ نکال کر باہر رکھو۔ نیلے رنگ کا بیگ ہے۔ میرا ایک کولیگ آدھے گھنٹے تک آ کر لے جائے گا اور ہاں رونا مت' نہ اداس ہونا۔ تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں اور دیکھو' مجھے بھی خیال نہیں آیا۔" وہ خود کو ملامت کرنے لگا تھا۔ فون بند کر کے حریم مطلوبہ بیگ نکال لائی تھی۔ راحت بیگم سے صبر نہ ہو سکا تو پوچھنے لگیں۔

"حانی کیا کہہ رہی تھی؟"

"گھر آنے کا کہہ رہی تھی۔ بابا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔" حریم نے تھکے تھکے لہجے میں بتایا۔

"بڑھاپے میں بیماریاں تو جان کو لگ ہی جاتی ہیں۔" ان کے لئے یہ معمول کی بات تھی۔

"امی! میں شام کو ماہیر کے ساتھ کچھ دیر کے لئے گھر چلی جاؤں؟" حریم نے سوچا لگے ہاتھوں امی سے اجازت لے لی جائے' ورنہ رات کو شاید وہ جانے ہی نہ دیتیں۔

"دیکھو حریم! آئے دن شوہر کو تنگ کرنا' میکے جانے کے لئے تکرار کرنا' فضول کی ضدیں' مجھے پسند نہیں۔ تھکے ہارے شوہر کے آرام' سکون کا خیال نہیں۔ بس گھر سے فرار کا بہانہ چاہیے۔" انہوں نے دو پل میں اسے بری طرح لتاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ ساری خواہشات دل میں دبا لی تھیں اور ماہیر کی ماں کی خوشی میں سکون ڈھونڈنے لگی تھی۔

رات کو ماہیر گھر آیا تو اس کے الجھے بکھرے وجود کو دیکھ کر حیرانی سے بولا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"پھر کبھی چلیں گے ماہیر! ابھی آپ تھکے ہوئے آئے ہیں۔"

"تو کوئی بات نہیں' تھکاوٹ تو زندگی کا حصہ ہے۔ چلو تم کپڑے بدل لو۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

حریم برتن خشک کر رہی تھی اور وہ کچن کے چوکھٹے میں کھڑا تھا۔ راحت بیگم خاموشی سے اس بحث کو سن رہی تھیں۔ تخت پر بیٹھے ہوئے انہیں حریم اور ماہیر دونوں ہی نظر آ رہے تھے اور ان کی گفتگو بھی راحت بیگم کے کانوں تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

"اتنی رات ہو چکی ہے' باہر سردی بھی غضب کی ہے۔ میں اس سردی میں بائیک پر نہیں بیٹھ سکتی۔" وہ دل کی شور مچاتی آوازوں کو سنے بغیر دبی آواز میں بولی۔

"بخاری انکل کی گاڑی مانگ لاؤں۔ کچھ دیر کے لئے با آسانی دے دیں گے۔ ابو کے اچھے تعلقات تھے ان سے۔"

"کہہ تو رہی ہوں نہیں جانا۔" وہ چولہے پر رکھے دودھ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے' تمہاری مرضی۔" ماہیر پلٹ کر ٹائی کی ناٹ کھینچتا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ وہ لب کچلتے ہوئے اذیت سے مسکرا دی۔

"میری مرضی۔" اس کے لبوں پر تلخ ترین تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر وہ دروازے کی جھری میں سے تخت پر بیٹھی مطمئن سی راحت بیگم کو دیکھ کر تازہ چھلکے اتارنے لگی۔ اس کی خوشی کو ملیامیٹ کر کے کیسی پرسکون تھیں۔

"نجانے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں سے دل دکھا کر کون سی راحت حاصل کرتے ہیں۔" وہ بے اختیار سوچنے لگی۔

"کھانا لے آؤ حریم!" راحت بیگم کی لاؤنج سے آواز آئی تھی۔ وہ جلدی سے ماہیر کا کھانا لے کر باہر چلی آئی۔

"تم نے کھانا کھا لیا ہے؟" حریم اس کے لئے پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی' جب پانی پیتے ہوئے وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا تھا' کیونکہ کھانے پینے کے معاملے میں وہ بہت لاپروا تھی۔ راحت بیگم کو محبت کے یہ مظاہرے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔

"بھوک نہیں۔" وہ سر جھکائے آہستگی سے بولی۔

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا۔"

"چلو میرا ساتھ دینے کے لئے بیٹھ جاؤ۔" حریم کو اٹھتا دیکھ کر وہ بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"یہ چونچلے اپنے کمرے میں جا کر کیا کرو۔" راحت بیگم سے برداشت نہ ہو سکا تو بظاہر مسکرا کر بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"کیا ہے اماں جان! دن بھر عورت سے مشقت لینے کے بعد احساس کے اور توجہ کے دو بول تو عورت کا بلکہ شریک حیات کا حق ہوتے ہیں۔" اس نے سیم اپنے باپ کا جملہ دہرا کر راحت بیگم کو لاجواب کر دیا تھا۔ جب بھی وہ موڈ میں ہوتا تھا' ماں کو اماں جان کہہ کر مخاطب کرتا۔

"لگتا ہے' میرا بیٹا کسی حقوق نسواں کی تنظیم سے منسلک ہو گیا ہے۔" بظاہر اب بھی وہ مسکرا رہی تھیں' مگر حریم جانتی تھی کہ شیرینی میں ڈوبا یہ لہجہ در پردہ کیسا تلخ ترین ہے۔ یہ تلخی وہ کسی نہ کسی بہانے آئندہ دنوں میں نکال دیں گی۔ حریم کو قوی یقین تھا۔

"اور مشقت کی بھی خوب کہی ہے۔ کیا پہاڑ توڑنے پڑتے ہیں' تمہاری بیوی کو۔" وہ جلتے بھنتے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔

"دن والی مشقت نہ سہی' رات والی مشقت تو قابل قدر ہے نا۔" ماہیر اس کے کان کے قریب جھکا تھا۔ اتنی شدید بے زاریت کے باوجود وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی' پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی گور سیاہ آنکھوں میں نمکین پانی چمکنے لگا۔

............*

راحت بیگم کا مزاج خاصا برہم تھا۔ تبھی حریم کے پوچھنے پر انہوں نے چائے پینے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی اور ماہیر کی چائے بنا کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ ماہیر ماں کے پاس بیٹھا تھا۔ تقریباً تین گھنٹے بعد اوپر آیا تو وہ خفگی سے بولی۔

"اب یہ شربت پینا پڑے گا۔"

"جو بھی پلاؤ گی' شوق سے پی لیں گے۔ جام محبت یا جام فرقت۔" وہ خوش دلی سے بولتا ہوا بستر پر ڈھے گیا۔

"خدانخواستہ جام فرقت کیوں؟" حریم دہل کر بولی۔

"اتنی دور سے دہلتی رہتی ہو۔ قریب آ کر کہو۔ کچھ فائدہ بھی ہو ان اداؤں کا۔" وہ تبسم دبا کر کہہ رہا تھا۔

"اور چائے بنا لاؤں؟" اسے پٹڑی سے اترتا دیکھ کر حریم سرعت سے اٹھی۔

"نہیں یار! چائے وائے رہنے دو' بس تم سامنے بیٹھی رہو۔ چائے پی کر کلیجہ ساڑنا ہے' جبکہ دیدار یار سے تو من میں ٹھنڈک اترنے لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے' دل کے ہر خانے میں اے سی فٹ ہے' یا برف کے

بڑے بڑے بلاک۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ سے پاس بیٹھ چکا تھا۔

"ایک بات بولوں۔" بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے آہستگی سے کہا۔

"صرف ایک بات' تم پوری رات بولتی رہو۔ میں شرطیہ سنوں گا' مگر کچھ بولو تو سہی۔ اتنا چپ چپ کیوں رہتی ہو۔"

"اور جب بولوں گی تو جلد ہی بے زار ہو جائیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے کمبل کو پائنتی پر رکھنے لگی۔

"ویسا مت بولنا جو مجھے بے زار کر دے۔" ماہیر نے فوراً وارننگ دی تھی۔

"تو پھر کیا بولوں؟" اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"صحراؤں کی سرزمین پر گرجنے والے بادلوں اور برسنے والی بارشوں کی طرح بولو۔ تم خاموش گزرگاہوں کے شہر وینس کی طرح کیوں ہو؟ اداس' پریشان اور غمگین۔" وہ اتنا لاپروا تو نہیں تھا' جس قدر حریم اسے سمجھتی تھی۔ اس محبت' اس توجہ پر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ نم نم سا مسکرائی۔

"تم پتا ہے کیا ہو؟" ماہیر کی آنکھوں سے نرم گرم جذبوں کے دیئے لو دینے لگے۔

"تم درختوں کے جھنڈ کے نیچے بہنے والا پانی ہو' جس پر کبھی دھوپ نہیں پڑتی اور وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ میٹھا' ٹھنڈا اور گھنٹیاں بجاتا۔"

"آپ بھی نا ماہیر!" وہ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

"میری بات تو بیچ میں رہ گئی۔" حریم خفا ہوئی۔

"بتاؤ...... میں سن رہا ہوں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لئے۔

"سننا نہیں' عمل بھی کرنا ہے۔" حریم نے ناز بھرے اصرار سے کہا۔

"خالہ کے پاس اسلام آباد چلیں۔ انہوں نے کئی مرتبہ فون کیا ہے۔ میں ہر دفعہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی ہوں۔"

"مگر اب تو ممکن نہیں' فیفا کی شادی میں اچھا خاصا خرچہ ہو جائے گا۔ خالی والٹ کے ساتھ مری گھومنا ہے کیا؟"

"مجھے سیر و سیاحت کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تو بس یہ چاہتی تھی کہ ہر قسم کی ٹینشن سے آزاد کچھ دن وقت کی قید سے آزاد کر لئے جائیں۔" وہ سنجیدہ سی ہو گئی۔

"ٹینشن۔" ماہیر کچھ حیران ہوا۔

"تم ٹینشن لیتی ہو؟" پریشان رہتی ہو؟ مگر کیوں؟ کیا تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟ کسی سے شکوہ ہے؟ یا پھر کاموں کا اضافی برڈن ہے؟" ماہیر بھی لمحہ بھر میں بے حد سنجیدہ ہو چلا تھا۔

"نہیں ماہیر! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ گھبرانے لگی۔

"تم نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔" ماہیر نے خفگی سے کہا۔

"میں نے تو بس اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"اسلام آباد جانا اتنا بھی ضروری نہیں۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ بس تھوڑا سا انتظار کر لو۔" ماہیر نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔

"بہت رات ہو گئی ہے۔ اب سو جانا چاہیے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔" وہ اس کے چہرے پر جھک گیا تھا۔ یوں کہ حریم سے مارے شرم کے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

............*

وہی ہوا تھا جس کا حریم کو خدشہ تھا۔ فیفا اور اس کے دلہا کو سلامی میں دینے والی رقم کم پڑ گئی تھی۔ اوپر سے مہمانوں کی آمد کے ساتھ جوں ہی ان کے بیگ کھلے تو راحت بیگم کو ننھیال والوں کی طرف سے دینے والی سونے کی انگوٹھی واقعی ہلکی محسوس ہونے لگی۔ اس کی شو بازی والی عادت نے اپنی سبکی کو گوارا نہیں کیا تھا اور دوسرے ننھیال میں صرف راحت بیگم ہی کا واحد رشتہ بچا تھا اور جب پھوپھیاں فیفا کے لئے اتنا کچھ لے آئی تھیں' پھر اکلوتی ممانی ہونے کے ناتے انہیں دیگر اشیاء کا خیال آیا' کیونکہ فیفا کے اکلوتے ماموں عالم اکل تھے اور ان کے بعد راحت بیگم کا فرض تھا کہ ننھیالی تحفے کے لئے کچھ نہ کچھ بچا کر رکھتیں' مگر انہیں "بچت سکیم" سے خاص شغف نہیں تھا۔ وہ اپنے آج میں جینے والے لوگوں میں سے تھیں۔ "کل جو ہو گا' دیکھا جائے گا" والے مقولے پر عمل پیرا تھیں اور اب انہوں نے اچانک ماہیر سے کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ کپڑے اور مشینری وغیرہ بھی فیفا کو اپنی طرف سے بطور تحفہ دینا چاہتی ہیں۔

ماہیر نے یہ فرمائشی لسٹ خاموشی سے سن لی تھی۔ حالانکہ موبی کے چیک اپ کے بعد اس کی جیب اس اضافی خرچے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ ماہیر پریشان تھا' فکر مند تھا۔ اس کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں تھیں۔ آنکھوں کی شفاف سطح پر تفکر کا پردہ تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حریم اسے اس قدر الجھا الجھا اور پریشان دیکھ پاتی۔ وہ خود بھی شدید ٹینشن کا شکار ہو چکی تھی کہ اب یہ معاملہ کیسے حل کیا جائے گا۔ ماہیر تو چپ چاپ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا' جبکہ وہ اسی بے قراری سے مختلف کاموں میں الجھی رہی' کپڑوں کا ڈھیر پھیلائے استری میں مصروف اچانک اسے زمیلہ کی دبی دبی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ بھابی سے کہیں نا' وہ بھائی کی پریشانی کیوں نہیں سمجھتیں۔ آخر یہ مسئلہ ان دونوں کو ہی حل کرنا ہے۔ ظاہر ہے گھر کے سربراہ تو وہ ہی ہیں۔" نہ جانے کیسے سربراہ تھے' محکوم قسم کے۔

"ماہیر سے بات تو کی ہے' کچھ نہ کچھ کرے گا۔ اب تمہاری پھوپھو کے سامنے ناک تو نہیں کٹوانی۔ منہ پھٹ تو بلا کی ہیں۔ فوراً کہہ دیں گی' نفیسہ سے خدمتیں کروانے کا یہ صلہ دیا ہے' چھلا نما انگوٹھی کی صورت میں۔" حالانکہ یہی انگوٹھی نفیسہ پھوپھو اور فیفا کو بہت پسند آئی تھی اور انہوں نے لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ وہ ماہیر کی مشکلات کو سمجھتی تھیں اور اس پر کوئی بوجھ بھی ڈالنا نہیں چاہتی تھیں۔

"جتنا ماہیر نے ہمارے لئے کر دیا ہے' اتنا ہی کافی ہے۔ اب بچے کا خون تو نہیں چوسنا۔" راحت بیگم نے نفیسہ پھوپھو کے لاکھ منع کرنے کے باوجود انگوٹھی فیفا کو تھما دی تھی اور جسے ہاتھ میں پکڑ کر نہ جانے کیوں اس کی پلکیں لرز رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ابھی پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ اس کے چہرے پر نہ

جانے دکھ کے' ملال کے' یا پھر کچھ کھو دینے کے سائے عجیب عجیب سے عکس بنا رہے تھے۔

"نہ تو آپ نوکری کرتی ہیں' نہ میں کماتی ہوں۔ فیفا کے لئے بھائی کو ہی کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا ہے تو بھابی کو چاہیے' ذرا وسیع دلی کا ثبوت دیں۔" زمیلہ کی کٹیلی سی آواز آئی۔

"کیا مطلب؟" راحت بیگم واقعی کچھ نہیں سمجھی تھیں۔

"نیچے والا اسٹور بھرا پڑا ہے' بھابی کے سامان سے۔ ان کے افسر باپ نے جہیز تو بہت دیا ہے۔ بس دل کو وسیع کرنے کا سبق نہیں دیا۔ اگر ان بند ڈبوں کو کھول کر کچھ اشیاء فیفا کو دے دیں گی تو نا صرف ہماری واہ واہ ہو جائے گی' بلکہ بھائی کی پریشانی بھی یقینی طور پر ختم ہو جائے گی۔"

"ارے' یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" راحت بیگم کی حیران حیران سی آواز ابھری' زمیلہ اسے اچھی طرح سے سنا چکی تھی۔ اسی لئے قدرے رقت بھرے لہجے میں بولی۔

"مگر ایسی دریا دلی کا ثبوت ہر کوئی کہاں دیتا ہے۔ آپ کو یاد ہے زوباریہ میری سہیلی' اس کا دل نہیں سمندر تھا سمندر۔" زمیلہ کو نہ جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا۔ البتہ راحت بیگم کو یہ ذکر قطعاً پسند نہیں آیا۔ وہ اٹھ کر شاید موبی کے کمرے میں چلی گئی تھیں' کیونکہ وہ انہیں آوازیں دے رہا تھا۔

ادھر حریم کے سامنے سوچ کے کئی در وا ہو گئے تھے۔ وہ فیفا کے لئے خصوصاً اپنی طرف سے تحفہ دینے کے متعلق پہلے سے ہی سوچ رہی تھی۔ اگر زمیلہ اسے نہ بھی سناتی تو حریم نے پھر بھی اٹالین ڈنر سیٹ' ویڈیو ٹیپ سسٹم' آئرن' سینڈوچ میکر' ٹوسٹر اور چار کام والے نفیس جوڑے الگ سے رکھ لئے تھے۔ وہ نفیسہ پھوپھو کے حالات کو سمجھتی تھی۔ وہ سفید پوشی کا بھرم رکھے اپنے حال سے مطمئن تھیں اور انہیں بہت زیادہ کی چاہ بھی نہیں تھی۔ یہی حال فیفا کا تھا' اس نے جہیز کے نام پر صرف چند ایک ضرورت کی چیزیں خرید لی تھیں۔ حالانکہ زمیلہ کافی ناک بھوں چڑھاتی رہی تھی۔ اسے فیفا کی سادگی نما یہ شاپنگ قطعاً پسند نہیں آئی تھی۔

اس نے ماہیر کا بوجھ غیر محسوس طریقے سے بٹا لیا تھا۔ راحت بیگم کی نمود و نمائش والی فطرت کی بھی اچھی خاصی تسکین ہو چکی تھی اور وہ کچھ دنوں تک حریم سے کافی خوش رہی تھیں۔ فیفا کا سادگی سے نکاح ہو گیا تھا...... اور زمیلہ کو اس روکھی پھیکی شادی میں بھی کوئی مزا نہیں آیا تھا۔ وہ ملے گلے کی شوقین تھی۔

فیفا کے میاں کی جاب عمان (مسقط) میں تھی' نہ جانے وہ خوش تھی یا نہیں' البتہ مطمئن ضرور تھی۔ اس کے چہرے پر سکون تھا اور یہ سکون اس کی آئندہ زندگی کی خوشیوں کا پیامبر تھا۔

شادی کے بعد وہ ایک مرتبہ ان کے گھر آئی تھی۔ وہ اور ماہیر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ حریم کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ کچن کی ایک کھڑکی لاؤنج میں کھلتی تھی۔ دوسری پچھلی طرف تین فٹ چوڑی گلی میں روشنی اور تازہ ہوا کے لئے لگائی گئی تھی۔

جالی کے دروازے سے لاؤنج کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی آوازیں بھی باآسانی کچن تک پہنچ رہی تھیں۔

"زندگی میں بہت کم لوگ بامراد ہوتے ہیں۔" فیفا لاپروائی سے کہہ رہی تھی۔

"جنہیں سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ خوش قسمت ترین افراد ہوتے ہیں' مگر ان کی تعداد خاصی

کم ہے' یعنی خوش نصیب لوگوں کی اور تم انہی میں سے ایک ہو۔"

"تو تم میری خوش نصیبی کو تسلیم کرتی ہو؟" ماہیر کا انداز قابل فہم تھا۔

"ہاں۔" وہ بلا جھجک بولی۔

"حریم بہت بخت آور ہے اور......" مزید کچھ بولنے سے پہلے فیفا لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی' پھر جب بولی تو آواز میں بلا کا سوز تھا۔

"عالم افروز تو بہت سے ہوتے ہیں' یعنی دنیا کو روشن کرنے والے' دنیا کو چمکانے والے' مگر دل افروز صرف ایک ہوتا ہے جس سے دل کی دنیا تابناک ہوتی ہے' چمکتی دمکتی ہے۔ سدا روشن رہتی ہے۔ بغیر دھوئیں کے ہمیشہ چراغ جلتے رہتے ہیں۔ کبھی نہ مدھم ہونے کے لئے کبھی نہ بجھنے کے لئے دل افروز کسی کسی کو ملتے ہیں۔ بامراد لوگوں کو' بعض لوگ تو معمولی سے قطرے' ذرا سے رس اور محبت کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔"

"اور محبت کی لذت...... اور لطف کو بھی کسی کسی کا مقدر بنایا جاتا ہے۔ اس ذائقے سے بھی بانصیب لوگ آشنا ہوتے ہیں۔" ماہیر کی نظریں فیفا کے چہرے پر نہیں تھیں۔ اس کا ذہن بھی کہیں اور محو پرواز تھا۔

"ہم نے محبت کی دہلیز پر سجدہ کیا ہے' ماتھا ٹیک دیا ہے۔ محبت کو بندگی بنایا اور بغیر نتائج کی پروا کئے عشق لاحاصل کو حاصل بنانے میں زندگی کا لمحہ لمحہ تیاگنے لگے۔" یہ آواز کسی اور کی تھی۔ لہجہ بھی مانوس تھا' مگر ماہیر عالم نے کب کبھی اس آواز میں چھپے درد اور محبت کی خوشبو کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا تکبرانہ انداز ماہیر عالم کو اور بھی متنفر اور بے زار کر دیا کرتا تھا۔

"میں نے تم سے سفید ریشم جیسی الجھی' سلجھی محبت کی ہے۔ عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر دیسی گھی کے چراغ جلاؤں گی' جب تم میری طرف دیکھ کر مسکراؤ گے۔" وہ ہی متکبر سی کھنکھناتی آواز آئی تھی۔ زوباریہ کی گنگناتی آواز' کھلکھلاتی آواز۔

"میری شادمانی اور فرحت کے لئے تمہارا دیدار ہی کافی ہے' نہ بولو' نہ کلام کرو۔ کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔ ہم دیدار سے ہی روح تک سیراب ہونے والوں میں سے ہیں۔" غرور اور بے تحاشا غرور اس دولت کا عطا کردہ تھا جو اس کے گھر کی باندی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک تمکنت تھی۔ بہت بے نیازی تھی' جس سے ماہیر عالم چڑتا تھا اور بے تحاشا چڑتا تھا۔

"کتنی ٹھوس اور سخت زمین ہے' تمہاری دل کی ماہیر عالم! اس میں لالہ کے پھولوں کا گلستان کیسے آباد ہوگا۔" آواز میں مصنوعی تاسف بھر جاتا تھا۔

"دل کے دروازے پر کسی جلاد صفت دربان کو کھڑا کر رکھا ہے' ماہیر عالم! تمہارے دل کے نگہبان' دربان بڑے ہی بے مروت ہیں۔ بالکل تمہاری طرح۔" وہ ہنستی چلی جاتی۔

"تم ہو تو دنیا اس قدر سجی سجی دکھائی دیتی ہے۔ مان جاؤ' ماہیر عالم! تمہارے وجود سے میرے دل کی دنیا کو زیبائش ملی ہے۔" ہنسی کی آواز تھم جاتی تھی۔

"میں نے سفید' نیلے' پیلے اور سنہرے پھولوں کے کنج میں تمہاری محبت کو محفوظ کر رکھا ہے' یاد رہے پھولوں کا یہ کنج میرے بائیں پہلو میں دھڑک رہا ہے۔" آوازوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا' بڑھتا جا رہا تھا۔

شوریدہ لہروں کے طوفان میں بہتے بہتے اک ہموار دھیمی معصوم بے ریا شفاف آواز سنائی دی۔

"ماہیر! چائے......" حریم کپ ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔ وہ گویا نیند سے جاگا تھا۔ پھر حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ فیفا اٹھ کر نہ جانے کب چلی گئی تھی۔ اس کی چائے جوں کی توں پڑی تھی۔

"نفیسہ پھوپھو نے بلوا لیا تھا۔ اس کے میاں کا فون آیا ہے۔" حریم بتا کر کچن میں پلٹنے لگی تھی جب ماہیر کی بھاری بھاری سی آواز اس کی پشت پر ابھری۔

"حریم! میں سونے جا رہا ہوں۔ جگانا مت خود ہی اٹھ جاؤں گا۔" حریم نے پلٹ کر دیکھا، وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ گہری سانس کھینچتی وہ برتن دھونے لگی تھی جب زمیلہ کچن میں داخل ہوئی۔ وہ فریج میں سے سیب نکال کر بلینڈر کے جگ میں دودھ ڈالنے لگی تھی۔ پھر سیب کاٹنے کے بعد اس کے بٹن پر اس نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اک ناگوار سی گرر گرر کے بعد ماحول پر سکوت طاری ہو گیا۔ زمیلہ نے ملک شیک ایک بڑے سائز کے مگ میں انڈیلا اور وہیں کچن میں موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں حریم کی پشت پر پھیلے بالوں کے آبشار سے الجھ رہی تھیں۔ کافی دیر بعد زمیلہ کی آواز سنائی دی۔

"میرا بھائی آسمان کا سب سے منور چمکدار زیادہ جمال والا ابھرا ہوا روشن ستارہ توڑ لایا ہے۔ چاند اس لئے نہیں کہا کہ چاند میں داغ ہوتا ہے اور آپ کا حسن تو بے داغ ہے بھابی!"

"یا حیرت!" زمیلہ اس کی تعریف کر رہی تھی مقام تعجب تھا۔ حریم چند پل کے لئے ششدر ہی تو رہ گئی۔

"آپ کو نہیں پتا بھابی! ایک عالم کی لڑکیاں میرے بھائی کے عشق میں گرفتار تھیں اور قرعہ فال نکلا آپ کے نام......" وہ ہنسی تھی شاید۔ حریم برتن دھوتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔ اس بات کا وہ بھلا کیا جواب دیتی۔

"سچ تو یہ ہے صرف آپ ہی میرے بھائی کے ساتھ جچتی ہیں۔ فیفا اور زوباریہ تو بس ایویں کی تھیں۔ عام سی دبی دبی۔"

"فیفا......زوباریہ۔"

حریم کے ہاتھ لحظہ بھر کو لرزے تھے۔

"یہ زوباریہ کون ہے؟"

وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی جبکہ زمیلہ اپنی ہی دھن میں کہہ رہی تھی۔

"آپ کو بھائی نے نہیں بتایا......فیفا کے متعلق زوباریہ کے متعلق۔"

"نہیں۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"فیفا زوباریہ اور بھائی ایک سکول ایک ہی کالج اور ایک ہی یونیورسٹی سے پڑھے ہیں۔ پندرہ سال یا اس سے کچھ کم سال انہوں نے ایک ساتھ گزارے تھے۔ فیفا بھائی سے محبت کرتی تھی اور زوباریہ بے تحاشا محبت۔ زوباریہ کی محبت کا پلڑا یوں بھاری رہا کہ بھائی کی محبت میں اس نے دو مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بہت جنونی اور جذباتی لڑکی تھی۔ بھائی سے پاگل پن کی حد تک عشق کرتی تھی۔ ورنہ کوئی

یوں اپنی زندگی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔" زمیلہ نے خالی گلاس سلیب پر رکھا اور حریم کے زرد چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے لطف اٹھا رہی تھی۔

"پھر......" حریم کی آواز کسی کنویں سے گویا برآمد ہوئی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ زوباریہ اور فیفا تو تمہارے بھائی سے محبت کرتی تھیں کیا ماہیر بھی اس آنچ سے بچ رہا ہے۔ وہ زمیلہ سے یہ بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ ماہیر کے دل میں کیا تھا؟ کیا ہے؟ کسی سلگتی تپتی یاد کا کوئی حصہ۔

وہ سامنے کھڑی زمیلہ سے ایک آخری سوال پوچھنا چاہتی تھی کہ ماہیر عالم کے دل میں کون تھی؟ فیفا یا زوباریہ؟"

............*

”نہ فیفا‘ نہ زوباریہ......“ وہ حریم کا دل بہلانے کے خیال سے نہیں کہہ رہی تھی۔ زمیلہ کو دل رکھنا یا دل بہلانا کہاں آتا تھا۔ وہ اسے ”سچ“ بتا رہی تھی۔

”بھائی تو آپ سے منسوب تھے۔ چھ سات سال پہلے باقاعدہ منگنی ہوئی تھی‘ مگر ہم تو اس سے پہلے بھی جانتے تھے کہ بھائی اور آپ ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ابو نے بہت پہلے امی سمیت سب کو باور کروا دیا تھا کہ وہ بھائی کا رشتہ اپنے دوست کی بیٹی سے طے کر چکے ہیں۔ ورنہ امی فیفا کو ضرور بہو بنا لیتیں۔ وہ اتنی خوبصورت نہیں تھی نا‘ جبکہ آپ تو چندے مہتاب ہیں۔ امی آپ کی خوبصورتی سے خار کھاتی تھیں۔ ان کے خیال میں خوش شکل لڑکیاں ذرا جلدی شوہروں کو دام میں پھنسا لیتی ہیں۔ اسی لئے وہ آپ کو کچھ ناپسند کرتی تھیں‘ تاہم ابو اور خود بھائی کا ووٹ ہمیشہ آپ کے حق میں رہا تھا۔ اسی لئے آپ یہاں نظر آ رہی ہیں۔

بھائی نے ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا کہ ”وہ آپ سے ہی شادی کریں گے۔“ زمیلہ اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں تھی۔ اٹھلاتی‘ کھلکھلاتی باہر نکل گئی تھی۔ گویا وہ اسے یہ رام کہانی سنانے کے لئے ہی رکی تھی۔

حریم کے زرد چہرے پر پھر سے رونق بکھر گئی تھی۔ جو کانٹا کچھ دیر پہلے چبھن دینے لگا تھا‘ خود بخود نکل گیا۔ اسے کبھی بھی ماہیر کے رویئے سے کسی ”کھوٹ“ کی بو نہیں آئی تھی۔ فیفا سے اسے اول روز سے ہی رقابت اور جلن محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ حریم کے لئے قطعاً بے ضرر تھی اور زوباریہ اس کے لئے اجنبی تھی‘ نہ جانے وہ تھی کون؟ اس وقت کہاں تھی؟ اور اب اس کے دل میں کیا تھا؟ حریم کو بھلا ان واہموں میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی‘ نہ شوق تھا اور نہ ہی کسی بھی قسم کی دلچسپی تھی۔ ماضی میں اگر ماہیر عالم کو کوئی لڑکی پسند کرتی تھی تو اس کا حریم جمال سے بھلا کیا تعلق۔ سو وہ پہلے کی طرح مطمئن ہو چکی تھی۔ اس کے دل میں بال برابر شک نہیں تھا۔ رقابت نہیں تھی۔ حسد نہیں تھا۔ سچے موتیوں جیسے دل رکھنے والے اپنے حال میں مست اور مگن رہتے ہیں۔ وہ پہلے کی طرح کچن کا کام سمیٹ کر استری کرنے والے کپڑے اٹھا کر اوپر چلی آئی تھی۔

............*

”آپ ابھی تک سو رہے ہیں؟“ اس نے کپڑوں کی گٹھڑی قالین پر رکھی اور لائٹس کو کھٹاکھٹ آن کیا۔ کمرے میں آ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ ماہیر ابھی تک سو رہا تھا اور رات کے تقریباً گیارہ بجنے والے تھے۔

”سونے دو نا یار۔“ ماہیر نے کروٹ بدل لی۔

”رات کو کیا پہرہ دینا ہے۔“ اس نے ماہیر کا کندھا ہلا کر جگانے کی کوشش کی۔

”اٹھ بھی جایئے۔“

”حریم! حلیم۔ سونے دو‘ سونے دو یار۔“ وہ تکیے میں منہ گھسیڑنے لگا۔

”تمہارا کیا جاتا ہے۔ میں دو چار منٹ اور سو لوں۔“

”میرا نقصان بس اتنا ہوگا کہ اپنی نیند پوری کر لینے کے بعد باقی ماندہ رات آپ نہ خود سوئیں گے‘ نہ مجھے سونے دیں گے اور میں صبح پھر سے لیٹ اٹھ کر امی سے ڈانٹ سننا نہیں چاہتی۔“

”میری خاطر سن لینا۔“ اس کی بھاری سی آواز سنائی دی۔

”آپ کی خاطر نہ جانے کیا کچھ سنتی ہوں ماہیر! صرف آپ کی خاطر“ وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

”میں آپ پر پانی گرانے لگی ہوں۔“ اس کا انداز دھمکانے والا تھا اور وہ جگ اٹھانے کا ارادہ بھی رکھتی تھی۔

”اٹھ رہا ہوں یار!“ وہ کمبل ہٹا کر بیٹھ گیا۔

”تم نے مجھے جگا کر ”ہیر“ سنانی تھی۔“

”سنانا تو بہت کچھ ہے۔ اگر آپ سننے کے لئے تیار ہوں تو؟“ حریم نے مسکراہٹ لبوں کی تراش میں چھپا لی۔

”کیا؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ نیند کے خمار سے بوجھل گلابی ڈوروں سے سجی آنکھیں‘ سچ ہی تھا۔ زوباریہ اور فیفا گرفتار محبت تھیں اور خود اس کا اپنا حال کسی سے کم تھا کیا؟

”فی الحال تو بابا کی طرف لے جائیں۔ عین نوازش ہوگی۔“ وہ ملتجیانہ بولی۔

”بابا کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ حانی کا فون آیا تھا۔“

”ابھی۔“ ماہیر نے کلاک کی طرف دیکھا۔ کچھ سوچا اور پھر بولا۔

”چلو پھر ابھی چلتے ہیں‘ میں ذرا منہ پر پانی کے دو چھپاکے مار لوں۔“ وہ اٹھ کر بالکونی کی طرف بڑھ گیا۔ حریم نے گٹھڑی بیڈ کے نیچے کھسکا دی تھی۔ وہ آگے پیچھے‘ نیچے اترے تھے۔ خلاف توقع راحت بیگم کمرے کی بجائے تخت پر بیٹھی تھیں۔

”امی! میں ذرا حریم کو لے کر جا رہا ہوں۔ انکل کی طبیعت خراب ہے۔“

”کیا ابھی فون آیا ہے؟“ خلاف توقع انہوں نے کچھ نرمی سے پوچھا۔

”ہوں۔“ ماہیر نے محض ہنکارا بھرا۔ امی نے سر ہلا کر گویا اجازت دے دی تھی۔ بغیر جرح کئے‘ بحث کئے۔ حریم مشکور سی ماہیر کے پیچھے چل پڑی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی حانی سے ٹاکرا ہوا تھا اور حانی اسے دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑی۔

”ہمیشہ اسی وقت آتی ہو۔“ اس نے بے ساختہ شکوہ کیا۔

”دن کو آنے کی اجازت نہیں ملتی۔“

”اسی کو غنیمت جانو بہنا۔“ وہ ہنس دی۔

”بابا کہاں ہیں؟“ خلاف توقع لاؤنج خاموش تھا۔ شطرنج کی بساط پر مہرے جوں کے توں پڑے

تھے۔ جنت بوا بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔" حانی افسردگی سے بتانے لگی۔

"رات کو پھر سے تکلیف ہوگئی تھی بابا کو۔ میں تو ایک دم گھبرا اٹھی۔ جنت بوا کو بھی بخار تھا۔ اللہ کا شکر ہے ذرجان بھیا آ گئے تھے' ورنہ میں تو بس روتی جا رہی تھی۔" حریم بھاگ کر بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ان کی بوڑھی آنکھیں حریم کو دیکھ کر چمکنے لگیں۔ اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھے تھے۔ بیماری' تکلیف سب بھول بھال گئی۔

"ماہیر کہاں ہے؟" وہ اسے تنہا دیکھ کر بے ساختہ پوچھنے لگے۔

"اس وقت اکیلی آئی ہو؟" ان کے لہجے میں واضح فکرمندی تھی۔

"ایسا تو اسی وقت ممکن ہوگا' جب میں اس دنیا سے گزر جاؤں گا' میں نہ رہا' تبھی یہ اکیلی آ سکتی ہے' میرے ہوتے ہوئے تو کبھی نہیں' ہرگز نہیں۔" ماہیر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے بابا کی چند ایک باتیں سن لی تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل کر سینے پر ہاتھ رکھے رکھے بولی۔

"فضول مت بولا کریں۔" کچھ ایسی کیفیت بابا کی بھی تھی۔ ان کے چہرے کی رنگت بھی متغیر ہوا تھی۔

"ایسا کیوں کہا بیٹے! اللہ ہماری بھی عمر تمہیں لگے۔"

"جانا تو سبھی نے ہے' جلد یا بدیر۔" ماہیر کا انداز لاپروا قسم کا تھا۔

"نہ بچے! ہم کس لئے بیٹھے ہیں۔ آئندہ ایسی بات منہ سے مت نکالنا۔" جنت بوا ٹرالی گھسیٹتی آ[ئی] تھیں۔ ان کے پیچھے حانی کی اسٹک بھی نظر آ رہی تھی۔

"آپ نے کیوں تکلف کیا ہے؟" ماہیر لدی پھندی ٹرالی کو دیکھ کر خفگی سے بولا۔

"پچھلی دفعہ بھی کھانا نہیں کھایا تھا' سوکھی چائے پی کر چلے گئے تھے۔" جنت بوا کو گویا سوکھی چا[ئے] پلانے کا ابھی تک ملال تھا۔

"میں تو بڑو سے بہت لڑی تھی۔ اس نے مجھے جگایا نہیں تھا اور حریم مجھ سے ملے بغیر چلی گئی۔" ناراضی سے گویا ہوئیں۔

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔ بڑو! مجھے جگانا مت' سونے جا رہی ہوں۔ اگر وزیراعظم آئے' تب [بھی] نہیں۔" بڑو اس الزام پر تڑپ اٹھی تھی۔ حریم نے بابا کو پورج کا باؤل پکڑانے کے بعد ماہیر کے لئے پلیٹ میں نکالا۔ وہ سادہ روٹی شوق سے کھاتا تھا۔ حانی تازہ پھلکے بنا کر لائی تھی۔

"ہم نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" جنت بوا نرگسی کباب اور قیمہ بھرے ٹماٹر پلیٹ میں نکا[ل] بیٹھی تھیں۔

"تیسری مرتبہ کھا رہی ہیں' بوا آپ!" حانی سے خاموش رہنا محال تھا۔

"وہ تو شام کو کھایا تھا۔ اب تو رات ہو چکی ہے۔" جنت بوا مگن سی بولیں۔

"ماہیر بھائی! بوا سب سے پہلے ہمارے ساتھ بریک فاسٹ کرتی ہیں۔ گیارہ بجے اچار پراٹھے کا "ناشتا" کرتی ہیں۔ ایک بجے دوپہر کا کھانا کھا لیتی ہیں۔ دو بجے ہمارے ساتھ لنچ میں شریک ہوتی ہیں۔ پھر سہ پہر کی چائے سوکھی پیتی ہیں۔ سوکھی سے مراد ساتھ روٹی نہیں ہوتی۔ باقی سارے لوازمات ہوتے ہیں۔ شام کا کھانا مغرب سے پہلے اور رات کا کھانا عشاء کی نماز کے بعد۔"

"بری بات حانی بیٹے! یوں کھایا پیا نہیں گنتے۔" بابا کی آواز میں تنبیہ تھی۔ حانی کی چلتی زبان رک گئی۔

"دیکھ رہے ہو احمد! اسی لئے میں کمزور ہوتی جا رہی ہوں۔" جنت بوا نے شکایتاً کہا اور ان کے خود کو "کمزور" کہنے پر ماہیر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

"ماہیر بھائی! یہ ٹرائی کیجئے۔" وہ کھانا کھا چکا تو حانی نے نفیس سا شیشے کا ڈونگہ' کشمش' ناریل' بادام اور پستے سے سجا ماہیر کے سامنے کیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"نجانے نام کیا ہے اس میٹھے کا' مگر ہے بہت لذیذ۔" جنت بوا کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

"کوکونٹ کی کھیر ہے۔" حانی نے مزے سے بتایا۔

"بابا! آپ کو بھی دوں۔" حریم نے پیالی میں کھیر نکالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹے! میں صرف چائے پیوں گا۔" وہ کچھ تھکے تھکے لگ رہے تھے۔

"کیسی ہے ماہیر بھائی۔" حانی اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"بہت مزے کی ہے۔" جنت بوا کو بغیر کھائے کھیر کی لذت کا پتا تھا۔ وہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"کاش زندگی کی ہر رات ایسی ہو' بے فکری' ہر ٹینشن سے آزاد۔" وہ بے اختیار سوچ چلی گئی۔

"ٹیسٹ بہت اچھا ہے۔" ماہیر کی تعریف حانی کو مسرت سے ہمکنار کر گئی۔

"شکریہ!" وہ خوشی سے چہکی۔

"ذرجان بھیا کو بھی میرے ہاتھ سے بنی کوکونٹ کھیر بہت پسند ہے۔"

حریم کے ہاتھ میں موجود چمچہ گرنے لگا تھا۔ حانی کی ہر بات کی تان ذرجان بھیا پر آ کر ٹوٹتی تھی۔ وہ ٹرالی میں خالی برتن رکھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی' جب سج سج چلتی حانی بھی چلی آئی۔

"آج رات یہیں رک جاؤ نا حریم۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"مہمانوں کی طرح ہاتھ لگانے آتی ہو۔"

"ماہیر کو صبح دفتر جانا ہے۔ انہیں ناشتا کون دے گا؟" وہ فکرمندی سے کہنے لگی۔

"کیوں ماں اور بہن ہجرت کر کے دیار غیر چلی گئی ہیں۔ ایک صبح کا ناشتا نہیں بنا سکتیں وہ۔" حانی ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔

"امی سے کچن کا کام نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی وہ سورج نکلتے تک عبادت میں مصروف رہتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"زمیلہ کی کیا "معروفیت" ہے۔ سوائے فیشن کرنے اور ٹی وی دیکھنے کے۔" حانی کا انداز جلا کٹا سا تھا۔

"وہ نو بجے تک اٹھتی ہے۔" اس کی آواز دبی سی تھی۔

"اللہ کرے اسے اپنی ماں جیسی ساس ملے۔" حانی اس کی محبت میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی دعا ہے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ زمیلہ کو اپنی ماں جیسی محبت کرنے والی' خیال رکھنے والی ساس ملے۔" حریم نے خلوص دل سے کہا تھا جبکہ حانی چڑ سی گئی۔

"میرا مطلب ہے۔ تمہاری ساس جیسی ساس ملے۔ سخت' خشک اور بدمزاج۔"

"مائی گاڈ!" حریم نے دہل کر کہا۔

"یوں تو نہ کہو حانی! میری ایک ہی تو بے چاری سی نند ہے۔"

"تمہاری بے چاری سی نند کی میں چٹنی نہ بنا دوں۔ بھائی کا ناشتا بھی نہیں بنا سکتی۔" حانی روہانسی ہو کر چلا اٹھی۔

"ٹھیک ہے حانی! میں ماہیر سے بات کرتی ہوں۔" اس کا دل حانی کی محبت اور اصرار سے بے ساختہ پسیج گیا۔ حالانکہ وہ خود رہنا چاہتی تھی' مگر راحت بیگم کا ہوا سر پر سوار تھا۔

"اوہ میری پیاری حریم!" وہ حریم سے لپٹ گئی۔

"رات کو اتنے دنوں کی جمع شدہ ڈھیروں باتیں کریں گے۔"

حریم نے جانے کتنی دقتوں کے بعد ماہیر سے ایک رات رہنے کی اجازت طلب کی تھی۔ ماہیر نے شادی کے فوراً بعد ہی اس سے وعدہ لینے کی کوشش کی تھی۔ بار بار جتایا تھا کہ وہ اسے بلانے ملوانے کے لئے لے کر جایا کرے گا' مگر رات رہنے کی وہ ہرگز کوشش نہ کرے۔ وہ اسے رات تو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔ بقول ماہیر کے اسے حریم کے بغیر سونے کی عادت نہیں رہی تھی۔ اس وقت بھی کچھ پہلے کے لئے وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔

"حانی اصرار کر رہی ہے ماہیر!" وہ آس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"حانی تو بچی ہے۔ اسے شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریوں کی کیا خبر' تم خود سمجھدار ہو۔ صبح مجھے دفتر جانا ہے' شاید کپڑے بھی پریس کرنے والے ہیں۔" ماہیر کا لہجہ آن کی آن میں کیسا اجنبی اور کٹھور ہوتا گیا۔

"انکل کی طبیعت اب بہتر ہے۔ حانی سے بھی ملاقات ہو چکی۔ اب خود فیصلہ کر لو۔"

"کیسا فیصلہ!" وہ غائب دماغی سے پوچھنے لگی۔ ایک رات باپ کے گھر رکنے کے لئے شادی کے بعد ایسے کئی طرح کے پل صراط سے گزرنا پڑے گا۔ یہ تو حریم نے سوچا نہیں تھا۔

"امی بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں۔ موبی کی الگ سے ذمہ داری ہے۔ زمیلہ بے چاری کیسے سنبھالے گی؟"

"صبح ہوتے ہی آ جاؤں گی۔" وہ کہنا چاہتی تھی کہ پہلے بھی تو بے چاری زمیلہ سب کچھ سنبھالتی تھی' مگر منہ سے کچھ اور برآمد ہوا۔

"بابا کی صحت اتنی بھی بہتر نہیں۔ مجھے دیکھ کر اتنی بشاشت کا اظہار کر رہے تھے' ورنہ پہلے سے بھی زیادہ نحیف ہو گئے ہیں۔"

"یہ کہو تمہارا اپنا دل چاہ رہا ہے۔" ماہیر کا موڈ بگڑ گیا۔

"چلتا ہوں۔ دروازہ بند کر لو۔" وہ تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ شادی کے بعد پہلی مرتبہ اس کا مزاج اتنا برہم ہوا تھا' ورنہ حریم نے تو اس کا ہمیشہ ایک ہی روپ دیکھا تھا۔ محبت لٹاتا روپ' چاہتیں بکھیرتا۔

حریم اس کے پیچھے گیٹ تک آئی تھی' مگر وہ بغیر دیکھے بائیک اسٹارٹ کر کے چلا گیا تھا۔ حریم کے قدم گویا بہت بوجھل ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی تھی۔ البتہ وہ حانی کی خوشی ملیامیٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو اسی لئے اس نے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کئے رکھا۔

"شادی کے بعد پہلی مرتبہ ماہیر بھائی کے بغیر رات رہو گی۔ کیا فیلنگز ہیں تمہاری؟" حانی کی شوخیاں اور کھلکھلاہٹیں عروج پر تھیں۔ اس نے کبھی اپنی معذوری کی وجہ سے خود پر یاسیت طاری نہیں کی تھی۔

"بکو نہیں حانی۔" اس کے دل میں ایک احساس نے چٹکی سی بھری۔

"زرجان بھیا سویڈن سے آ گئے ہیں۔ میرے لئے ڈھیر ساری سویٹس اور چاکلیٹس لائے تھے اور تمہارے لئے کچھ بھی نہیں۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگے' وہ کون سا میرے دیئے تحائف کو استعمال کرنا پسند کرتی ہے۔ اٹھا کر کسی نہ کسی کے ہاتھ تھما دیتی ہے یا پھر یوں ہی میرے گفٹس کسی نہ کسی کونے میں پڑے اپنی ناقدری پر نوحہ کناں ہوتے ہیں۔ بھیا کہہ رہے تھے حانی! تمہاری بہن میرے ساتھ کوئی ایک بھی رشتہ استوار رکھنا نہیں چاہتی۔" حانی کو اچانک کچھ یاد آیا تو نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔ حریم کے چہرے کے تاثرات سپاٹ ہو گئے تھے۔ اس نے جان بوجھ کر موضوع ہی بدل دیا۔

"حانی! کچن کے راشن کو سوچ سمجھ کر استعمال کیا کرو۔ بابا کی پینشن میں نا صرف گھر چلانا بلکہ ان کی دوائیں وغیرہ بھی ہر ہفتے منگوانا ہوتی ہیں۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا۔

"اللہ نے اگر بھرم رکھا ہے تو سدا اس بھرم کے قائم رہنے کی دعا کیا کرو۔" حریم کی آواز بھرا سی گئی۔ اکثر لوگ ان کی دو منزلہ شاندار' وسیع و عریض کوٹھی کو دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو جاتے تھے۔

"کوکنگ کا شوق مجھے اور تمہیں امی سے وراثت میں ملا ہے۔ بابا بھی یہی بات اکثر مجھے بتاتے ہیں اور رہی اس شوق کی تکمیل کے لئے پیسوں کی بات تو آپ کی لاڈلی حانی اب اچھا خاصا کمانے لگی ہے۔" حانی کے انکشاف نے حریم کو حیران ہی تو کر دیا تھا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"کالونی کے بچے میرے پاس ٹیوشن پڑھنے آنے لگے ہیں۔ اس معروفیت سے بابا اور میں دونوں ہی خوش ہیں۔ عصر کے وقت تو یہاں میلہ لگا ہوتا ہے۔ زرجان بھیا بھی کہہ رہے تھے' حانی! تم نے اچھی معروفیت ڈھونڈ لی ہے۔" حانی نے مزے سے بتایا تو حریم بھی مطمئن سی ہو گئی۔ پھر اٹھ کر بابا کے کمرے

میں جھانکنے لگی۔ وہ ابھی تک جاگ رہے تھے اور کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔

"حریم! اندر آ جاؤ بیٹے" انہوں نے عینک اور کتاب دونوں چیزیں اسے دیکھ کر ایک طرف ر دیں۔

"ابھی تک سوئی نہیں؟"

"حانی بھلا سونے دے گی۔" وہ خوشدلی سے بولی۔

"تمہارے بغیر ہم دونوں ہی اداس ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی، کسی دن، مہینے میں دو، تین مرتبہ چکرا کرو بیٹی! حانی تمہیں بہت مس کرتی ہے۔ ابھی بچی ہے، تمہاری ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتی۔" وہ محبت سے ا کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگے۔

"کوشش کروں گی۔" حریم نے بمشکل بشاشت سے کہا۔

"تم خوش تو ہو نا؟" انہوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا، پھر خود ہی کہنے لگے۔

"ماہیر کتنا اچھا ہے نا۔ مجھے تو اس وقت سے اچھا لگتا ہے، جب اپنے باپ کی انگلی تھامے آیا کرتا کبھی ماہیر کو دیکھ کر اولادِ نرینہ کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ عالم نے تو بہت چھوٹی عمر میں ماہیر کو میرا بیٹا تھا۔ سلجھا ہوا، شریف، نیک اور محبت کرنے والا فرمانبردار بچہ ہمیشہ والدین سے اچھی دعا لیتا ہے۔ یہ والد کی خوش بختی ہوتی ہے کہ اولاد نیک اور فرمانبردار ہو۔ چاہے بیٹیاں ہوں، چاہے بیٹے۔" ان کی آنکھوں ماہیر کے لئے محبت ہی محبت تھی۔

"میں نے تمہارے لئے بہترین فیصلہ کیا ہے حریم! اور سب سے اچھے لڑکے کو منتخب کیا ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" وہ نہ جانے کیسی یقین دہانی چاہتے تھے۔

"جی بابا۔" اس نے بابا کے یقین پر مہر لگائی تھی۔

"روپیہ پیسہ آنے جانے والی چیز ہے۔ آج میرے پاس تو کل کسی اور کے پاس۔ ایسی چیز کے رشتوں، مان اور محبت کو توڑنا عقلمندی نہیں۔ عالم نے جب ماہیر کے لئے تمہیں مانگا تو میں نے کسی طرف توجہ نہیں کی تھی، سوائے محبت کے۔ مجھے یوں لگا تھا کہ میری اجلی سوچوں کی حامل بیٹی ہر دنیاوی کے بغیر رہ سکتی ہے، مگر محبت اور عزت کے بغیر نہیں۔ سو میں نے عالم کو ہاں کر دی تھی۔ ہر خدشے سے ہو کر، کیونکہ مجھے تمہارے لئے محبت اور عزت، قدر کرنے والے لوگوں کی چاہ تھی۔ دولت، جائیداد کچھ بھی سوائے دھوکے اور فریب کے۔"

"جی بابا! آپ نے سچ کہا۔" حریم کے لہجے میں سچائی کی مضبوطی تھی۔

"عالم کو اللہ نے مہلت نہیں دی تھی، ماہیر کی خوشیاں دیکھنے کی۔ اگر وہ ہوتا تو شاید۔" دوست کی جدائی کا تصور اکثر انہیں رنجیدہ کر دیتا تھا۔

"ماہیر اچھا ہے نا؟" وہ نہ جانے کیسی یقین دہانی چاہتے تھے۔

"جی بابا! ماہیر اتنے اچھے ہیں کہ لفظوں میں بتانا ممکن نہیں۔" اس کی آنکھوں میں دیے ٹمٹما

"ہوں۔" وہ ایک دم ترو تازہ نظر آنے لگے۔

"راحت بھابی، زمیلہ وغیرہ۔"

"امی اور زمیلہ بہت خیال رکھتی ہیں۔" اس نے نظر جھکالی تھی۔

"مجھے صرف تمہارے لئے قدر دان لوگ ہی چاہیے تھے، جو تمہیں عزت دیں، محبت دیں۔" بابا دھیمے سے مسکرائے، کیسی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ بیٹی کو خوشحال دیکھ کر۔

"فائدہ مند عورت وہ ہی ہوتی ہے، جو اپنا چین، راحت، سکون اور آرام تج کر اپنے سے وابستہ لوگوں کو خوش رکھے۔ اس گھر میں تمہاری قدر ہے۔ یہ خبر ہی میرے سکھ اور سکون کے لئے کافی ہے۔" ان کی آنکھوں میں خوشی اترنے لگی۔

"جی بابا۔" وہ بھیگے انداز میں بولی۔

"زرجان آتا رہتا ہے۔ حانی کے لئے نہ جانے کیا کچھ اٹھا لاتا ہے۔ وہ بھی فرمائشیں کرنے سے باز نہیں آتی۔ بہت خیال رکھتا ہے ہمارا۔ زرجان بہت اچھا ہے، اللہ اسے ہر سکھ سے نوازے۔ جمشید کی اولاد میں سب سے مختلف، منفرد۔" انہوں نے دوا کھا رکھی تھی، تبھی آواز میں نیند غلبہ پانے لگی۔ جب وہ سو چکے تو حریم منتظر بیٹھی حانی کے پاس آ گئی جو کہ اس کے انتظار میں ابھی تک جاگ رہی تھی۔

............*

صبح ہوتے ہی اس پر واپس جانے کی دھن سوار ہو چکی تھی۔ جنت بوا کے ہزار اصرار کے باوجود اس نے ڈھنگ سے ناشتا بھی نہیں کیا تھا، حالانکہ آج اتنے بے حساب دنوں بعد وہ نرم گرم بستر میں تھی، جب صبح کی چائے اور گرما گرم ناشتے کی ٹرے بجی آ گئی تھی، مگر اس سے کچھ کھایا ہی نہیں گیا۔ پوری کچوری، بھنے ہوئے چنے، سوجی کا سنہرا سنہرا پھولا پھولا حلوہ۔ گرما گرم بھاپ اڑاتا چائے کا مگ۔ بجی سجائی ٹرے جوں کی توں پڑی رہ گئی تھی اور وہ چائے پی کر شال اوڑھے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

"ماہیر بھائی کو فون کر دو۔ شام کو واپسی پر تمہیں لیتے جائیں گے۔" حانی کو مزید پھیلتا دیکھ کر وہ بابا سے ملنے کے بعد جنت بوا سے دعائیں لیتی گیٹ کی طرف بھاگی تھی۔ جنت بوا اس کے پیچھے آ رہی تھیں۔ انہیں سبزی لینے بازار جانا تھا اور وہ حریم کو گھر تک چھوڑنے کے بعد بازار جانا چاہتی تھیں۔ روڈ سے رکشا با آسانی مل گیا تھا۔ رکشا گیٹ کے قریب رکا تو حریم نے اترتے ہوئے رکشے میں بیٹھی بوا سے کہا۔

"بوا! اندر آیئے نا۔"

"نہ بٹو! مجھے بازار سے دیر ہو جاوے گی۔ حانی نے شملہ مرچ، گاجر، مٹر اور آلو کے پکوان بنانا ہیں۔ جان کھا رہے گی میری۔" رکشا پھٹ پھٹ کرتا آگے بڑھ گیا تھا اور حریم مختلف سوچوں میں گم گیٹ کھولے اندر آ گئی تھی۔ اپنے دھیان میں گم اس نے غور نہیں کیا تھا کہ خلاف معمول گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو امی تخت پر لیٹی تھیں۔ زمیلہ ان کا سر دبا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بے حد سرخ اور سوجی سوجی تھیں۔ حریم کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"السلام علیکم امی!" اس نے سہما سہما سلام پیش کیا تھا۔ جواب دونوں طرف سے نہیں ملا تھا۔ حریم سمجھ

گئی تھی' مطلع ابر آلود ہے۔ گرج چمک کے امکان بھی نظر آ رہے تھے۔

"امی! چائے لا دوں؟ ایک رس تو کھا لیں۔ رات سے کچھ بھی نہیں کھایا۔" زمیلہ نے سوال کرتے ہوئے ماں سے کہا۔

"ہاں لا دو۔" امی کی نقاہت زدہ آواز ابھری۔

"میں بنا لاتی ہوں۔" زمیلہ کو اٹھتے دیکھ کر حریم جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کچن میں داخل ہو کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ ایک رات میں پورا کچن تلپٹ ہو چکا تھا۔ اس نے چائے بنا کر امی کو دی پھر موبی کے کمرے میں جھانکا۔ وہ صرف دودھ کا گلاس سامنے رکھے بیٹھا تھا۔

"موبی! تم نے ناشتا کیا ہے؟" حریم اندر آ گئی تھی۔

"تم کہاں تھیں بھابی؟" وہ اس کا سوال یکسر نظر انداز کر کے بے قراری سے بولا۔ نظریں حریم پر جم گئی تھیں۔

"میں اپنے بابا سے ملنے گئی تھی۔" حریم نے مختصر بتایا۔

"اچھا۔" موبی نے گویا سمجھ کر سر ہلایا۔

"کچھ کھاؤ گے؟" وہ مصروف سے انداز میں کھڑے کھڑے پوچھنے لگی۔

"پتا نہیں۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"امی اور زمیلہ نے بھی کچھ نہیں کھایا۔" وہ اداسی سے کہنے لگا۔

"کیوں؟"

"امی رات بیمار ہو گئی تھیں نا۔ ماہیر بھائی ہسپتال لے گئے تھے' امی کو گاڑی میں ڈال کر۔ صبح واپس آئے ہیں' اذان کے وقت۔" اس وقت موبی بہت فکر مند اور ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا۔ لہجے میں لکنت کی روانی تھی' ورنہ پورا جملہ بولتے ہوئے وہ کئی مرتبہ اٹکتا تھا۔

"امی کو کیا ہوا تھا؟" حریم بے حد فکر مندی ہو گئی۔

"سر میں درد تھا نا۔ پھر سو گئی تھیں' منہ پر پانی ڈالا پھر بھی نہیں اٹھیں' ناک دبائی پھر بھی نہیں اٹھیں۔" امی شاید بلڈ پریشر ہائی ہو جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ موبی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دے رہا تھا۔

"میں ڈر گیا تھا بھابی! ابو کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا تھا' انہیں درد ہوا' پھر وہ سو گئے' دوبارہ اٹھے نہیں۔ ماہیر بھائی انہیں مٹی میں دبا آئے۔ ڈھیر سارے لوگ بھی تھے۔ میں بھی ساتھ گیا تھا۔" موبی کی آنکھوں کے سامنے گویا باپ کی وفات کی فلم چل رہی تھی۔

"میں نے دعا کی اللہ سے امی اٹھ جائیں' سوتی نہ رہیں۔ دیکھو نا' امی اٹھ بھی گئیں' گھر بھی آ گئیں۔ میں نے سمجھا' ماہیر بھائی امی کو بھی مٹی میں دبانے چلے گئے ہیں۔ میں اکیلا روتا رہا' روتا رہا۔ تمہیں آواز دیتا رہا۔" موبی نے خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اب تو نہیں جاؤ گی نا۔" موبی یقین دہانی چاہ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ نرمی سے بولی۔

"ماہیر بھائی بھی یہی کہہ رہے تھے۔" موبی بے ساختہ خوش ہو کر بولا۔

"کیا؟" اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

"کہ بھابی کو اب نہیں جانے دیں گے۔ بس دن کو جایا کرے گی۔ رات کو نہیں۔"

"ہوں۔" وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"تم اب کارٹون دیکھو یا گیم کھیل لو۔ میں تمہارے لئے ناشتا لاتی ہوں۔" حریم کمرے سے باہر نکلی اور سیدھی امی کے قریب چلی آئی۔ وہ ان سے طبیعت کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی' مگر جھجک اور خوف کی وجہ سے یوں ہی کھڑی رہی۔ امی نے کب گھر میں بے تکلفی کی فضا قائم رکھی تھی۔ ایک تکلف' جھجک اور خوف ہی پردے کی طرح حائل رہا تھا ہمیشہ۔

"امی! آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" بہت دیر سوچنے کے بعد وہ آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"ہماری بگڑتی طبیعت سے کیا لینا دینا تمہیں۔ ہم تو تمہارے لئے غیر ہیں۔ باپ کی بیماری کا سن کر تو بھاگی چلی گئی تھی۔ میں رات بھر ہسپتال میں تڑپتی رہی ہوں۔ بچے میرے تنہا پریشان ہوتے رہے۔ بہو رانی بغیر پوچھے بتائے رات میکے میں گزار آئیں۔ آج کل کی لڑکیوں میں لحاظ کہاں۔ کسی بزرگ سے اجازت لینا' پوچھنا' بتانا اپنی توہین سمجھتی ہیں۔ پہلے سے ارادہ تھا تو کم از کم بتا کر تو جاتیں کہ رات باپ کے گھر رہو گی۔" انہوں نے ایک ہی سانس میں اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ ان کے ہر الزام پر وہ تڑپ تڑپ گئی۔

"امی! بس جانی اور بابا کی وجہ سے۔" اس سے بات بھی بن نہیں پائی تھی۔ ہونٹ کچلتی خاموش ہو گئی۔ یہ تو سراسر اتفاق تھا کہ رات کو ہی راحت بیگم کی طبیعت اس حد تک بگڑی کہ انہیں ہسپتال لے جانا پڑا تھا۔ ماہیر نے اسے بتایا بھی نہیں تھا' ورنہ وہ رات کو ہی آ جاتی۔

"میرے بعد تو یہ گھر تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ سوچا تھا' سمجھدار لڑکی ہے گھر بنانا' سنوارنا جانتی ہے۔ میرے نادان بچوں کو سنبھال لے گی۔" ان کا اشارہ شاید موبی کی طرف تھا۔

"رات بھر زمیلہ اور ماہیر میرے ساتھ رہے ہیں۔ میرا پاگل منیب تنہا کمرے میں دبکا رات بھر روتا رہا ہے۔ گھر میں تم ہوتیں تو ایک دلاسا تو رہتا تھا کہ موبی اکیلا نہیں۔ اس پاگل' دیوانے کی میرے بعد نہ جانے کیا حالت ہو گی۔ رُل رُل کر مر جائے گا۔ کسی نے پوچھنا تک نہیں۔ پاگل خانے پھینک آئیں گے لوگ۔ ایسے ہوش وحواس سے عاری سب پر بوجھ ہی ہوتے ہیں۔ عالم نے تو کبھی موبی کو "پاگل" کہنے نہیں دیا تھا' مگر سب کے دل ایک سے تو نہیں ہوتے۔ میرے سامنے دنیا سے پردہ پوش ہو جائے' میری تو بس یہی آرزو ہے۔ سکون سے مر تو سکوں گی۔" انہوں نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔ حریم بوکھلا کر سر جھکائے کٹہرے میں کھڑی رہی۔

"زمیلہ رات بھر کی جاگی ہوئی ہے۔ اب میرے سر پر کیوں سوار ہو۔ کچن کو دیکھو' کپڑوں کے ڈھیر کو استری کر لو۔"

"جی بہتر۔" وہ انہی قدموں پر پلٹ گئی۔ ابھی چولہے پر جمی کائی وہ مانجھ رہی تھی' جب ماہیر کی تھ
تھکی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر بعد وہ کچن کے چوکھٹے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ حریم نے مڑ کر دیکھا۔

"میں تمہیں لینے کے لئے گیا تھا۔ حانی نے بتایا تم بوا کے ساتھ جا چکی ہو۔"

"جی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ناشتا بناؤں؟"

"نوازش ہوگی۔" وہ پلٹ رہا تھا۔

"ناشتا کمرے میں لے آنا۔" جاتے جاتے تاکید بھی کی تھی۔

حریم موبی کو ناشتا دے کر پراٹھا اور آملیٹ بنائے اوپر آ گئی تھی۔

"آپ نے مجھے امی کی خرابی طبیعت کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔" وہ پائنتی کی طرف بیٹھ گئی تھ

"بتانے کا وقت ہی نہیں ملا' فجر کے وقت تو واپسی ہوئی تھی۔" ماہیر جلدی جلدی ناشتا کر رہا تھا' نیند
سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ جمائی روکتے ہوئے ٹرے کھسکا کر لیٹ گیا۔

"آپ دفتر نہیں جائیں گے؟"

"نہیں۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لئے تھے۔

"پردے برابر کر کے لائٹ آف کر دینا۔" ساتھ ہدایت بھی کی گئی۔

"اچھا۔" حریم نے اٹھ کر کھڑکی بھی بند کر دی تھی۔

"ماہیرا!" وہ اس کے قریب کھڑی آہستگی سے بولی۔

"ہوں۔" اس پر غنودگی بھی طاری ہونے لگی تھی۔

"آپ مجھ سے خفا تو نہیں؟"

"نہیں۔" ماہیر بھاری آواز میں بولا۔

"سچ بتائیں۔"

"میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔ میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ خفا ہو نہیں سکتا۔ خفا ہونے کا تصور ب
نہیں سکتا۔" وہ نیم غنودگی میں بول رہا تھا۔ حریم ہولے سے مسکرا دی۔ وہ ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

............*

اگلی صبح جلدی نیچے آنے اور سیڑھیاں تیز تیز پھلانگنے کے چکر میں اس کا پاؤں رپٹ گیا تو
دوسرے ہی لمحے وہ کئی سیڑھیوں سے پھسلتی ہوئی زمین بوس ہو چکی تھی۔ اپنی بے ساختہ چیخوں پر اس
اختیار نہیں رہا تھا۔

ٹائی کی ناٹ لگاتا ماہیر لمحہ بھر کو چونکا اور پھر دوسرے ہی پل آندھی طوفان کی طرح سیڑھیاں ہو
تڑپتی بلکتی حریم کے پاس دوزانو بیٹھا اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

"حریم! ٹھیک تو ہو نا' کہاں چوٹ لگی ہے؟" وہ سیڑھیوں سے گری تھی اور نہ جانے اسے کہاں
چوٹ آئی تھی۔ وہ گھبرا سا گیا۔ حریم کے لبوں سے گھٹی گھٹی چیخیں برآمد ہو رہی تھیں۔ وہ پاؤں پکڑ

آواز رو رہی تھی۔ ماہیر گویا سمجھ گیا تھا۔ پھر سرعت سے جیب میں سے موبائل نکال کر اس نے کسی بخاری
انکل سے رابطہ کیا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ حریم کو بانہوں میں اٹھائے باہر کی طرف نکل گیا۔ راحت بیگم اور
زمیلہ فکرمندی اور پریشانی ظاہر کرنے کی غرض سے گیٹ تک آ گئی تھیں۔ البتہ دلاسے کے طور پر ان کے لبوں
سے چند الفاظ بھی نہیں نکل سکے تھے۔

اللہ کا شکر تھا' پیر کی ہڈی فریکچر ہونے سے بچ گئی تھی۔ البتہ اس کے گھٹنے' کہنیاں اور بازو بری طرح
زخمی ہوئے تھے۔ دائیں پاؤں کا ناخن ٹوٹ گیا تھا' جس میں سے درد کی ٹیسیں ابھی تک اٹھ رہی تھیں۔
پاؤں بری طرح سوج کر پھولا پھولا لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پین روکنے کے انجکشن' دوائیاں اور مالش کرنے
کے لئے الگ سے دوائی لکھ دی تھی۔

ماہیر اسے بازو کے حصار میں لئے' سج سج چلاتا ہوا تخت پر بیٹھا کر دوائیاں لینے چلا گیا تھا۔

"دیر سے اٹھنے کے بعد دیکھ لیا' اپنی "پھرتیوں" کا انجام۔" ذرا سی تاخیر نے پچھلی ریاضتوں پر بھی
پانی پھیر دیا تھا۔

"رات کو مرہم لگانے سے پہلے نیم گرم پانی کی ٹکور کر لینا۔ سوزش اتر جائے گی۔ پاؤں پر دباؤ آنے
کی وجہ سے سوج چڑھ گئی ہے۔" اسی تکلیف سے اگر زمیلہ کو گزرنا پڑتا تو نہ جانے ان کا رویہ کیسے ہوتا۔ وہ
آنسو حلق میں اتارتے ہوئے درد کی شدت کو دبانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ اس کی اپنی ماں بہت
بچپن میں فرقت کے عذاب انہیں سونپ گئی تھی۔ وہ کیا جانتی تھی' ماں کی ممتا اور اس کی محبت کو' نہ کوئی ماں بنی
تھی' نہ کسی نے ماں جیسی محبت دینے کی کوشش کی۔

حریم کبھی کبھی سوچتی تھی کہ شاید اسی میں کوئی کمی ہے' جو وہ انہیں اپنا نہیں بنا سکی۔ وہ ان کی زمیلہ جیسی
نہیں بن سکی تھی۔ ماہیر آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دوائیوں کے شاپر کے علاوہ فروٹس' جوسز اور دودھ کے
ڈبوں کا بڑا سا بھاری شاپر بھی تھا۔

"ڈاکٹر نے بتایا ہے' یہ بہت ویک ہے۔ اپنی خوراک پر توجہ نہیں دیتی۔"

"ہم نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ جب سے آئی ہے' کچن اسی کو سونپ کر میں تو الگ ہو چکی ہوں۔
زمیلہ بھی کم کم باورچی خانے میں گھستی ہے' سب کچھ کھلا پڑا ہے' جو دل کرے کھائے۔" وہ بات کو اپنے رنگ
میں لے کر قدرے رکھائی سے بولیں۔ ماہیر نے ان کے بدلتے لہجے پر توجہ نہیں دی تھی۔

"سونے سے پہلے ایک گلاس دودھ ضرور پی لیا کرو۔ یہ جوس اور فروٹ بھی کھانے پینے کے لئے
ہیں۔ دیکھنے کے لئے نہیں۔" حریم چپ چاپ اس کی ہدایات سنتی رہی تھی۔ وہ اسے بتا نہیں سکی تھی کہ جو
دودھ گوالا دے کر جاتا تھا' وہ صرف موبی' زمیلہ اور راحت بیگم کے لئے کافی ہوتا تھا' جو بچ جاتا' اس کی
چائے بنالی جاتی تھی اور پھل وغیرہ کا بھی یہی حال تھا۔ اگر فروٹس ذرا جلدی زمیلہ کی مہربانی سے ختم ہو
جاتے تو راحت بیگم کی ترچھی نظروں کی تاب کون لاتا۔

"ناشتا کیا کرو گی؟ بریڈ یا انڈا وغیرہ ابال دوں۔" ماہیر پوچھ رہا تھا۔

"آپ؟" وہ کچھ گھبرا کر ماہیر کو دیکھنے لگی۔

''آپ کیسے بنائیں گے؟''

''میں چائے اور انڈا تو بوائل کرسکتا ہوں۔'' ماہیر نرمی سے بولا۔

''تمہیں دفتر سے دیر نہیں ہورہی؟'' راحت بیگم نخوت سے سر جھٹکنے لگیں۔

''دفتر تمہارے باوا کا نہیں ماہیر!''

''آفس سے میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔ زوار صاحب سے بات کرلی ہے۔ انہوں نے ا گھنٹے کی مزید عنایت کردی ہے۔'' ماہیر نے شاید اپنے باس کو لیٹ ہوجانے کی وجہ بتادی تھی۔ تبھی وہ مطمئن تھا۔

''اب تم زنانیوں کے کام کرو گے؟'' ماہیر کو کچن کی طرف بڑھتا دیکھ کر راحت بیگم تلملا اٹھیں۔

''ایسی زن مریدی کی توقع تو نہیں تھی۔'' انہوں نے محض پاس بیٹھی حریم کو سنایا تھا۔ پھر اٹھ کر شڑ ا کرتی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ ماہیر نے انڈا بوائل کرلیا تھا اور انہوں نے کمال مہربانی سے چائے ا دی۔ ماہیر اسے کیک رس' انڈا اور چائے دے کر خود بغیر ناشتا کئے دفتر چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے حریم کو دوا کھانے کی تاکید بھی کی تھی۔ اس محبت پر حریم کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''ایسے بر تو نصیبوں والیوں کو ملتے ہیں۔'' راحت بیگم کی آواز سنائی دی تھی۔

''اللہ سب کی بیٹیوں کو میرے ماہیر جیسا شوہر عطا کرے۔'' ان کا لہجہ جلا کٹا سا تھا۔

ابھی اس کے پاؤں کی تکلیف تو کم نہیں ہوئی تھی' البتہ سوزش اتر چکی تھی۔ انگوٹھے کا زخم بھی پہلے سے بہتر تھا' مگر ابھی حریم بہت تیز نہیں چل سکتی تھی۔ احتیاط سے سیڑھیاں اترنا اور چڑھنا پڑتا تھا۔ آج صبح سے اس کے پاؤں میں اکڑن سی محسوس ہورہی تھی۔ تبھی معمول کا کام نبٹاتی وہ دن بھر ملگجے سے حلیے میں پھر رہی۔ روز ماہیر کی آمد سے پہلے وہ سج سنور کر اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اسی حساب سے کام بھی جلد از جلد ختم کرلیتی۔ اس کی خواہش ہوتی تھی کہ ماہیر کے آفس سے آنے کے بعد وہ زیادہ دیر اس کے آس پاس رہے۔

ماہیر آفس سے آنے کے بعد امی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے دن چھٹی تھی۔ سو وہ ماں کے ساتھ نہ جانے کون سے مسئلے سلجھانے میں مصروف تھا۔ ان کی دبی دبی آوازیں باہر تک آرہی تھیں۔ وہ اپنے حلیے کو دیکھ کر پہلے کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے اوپر جانے لگی تھی' جب اندر سے آتی آوازوں کو بے پروائی سے سننے کے بعد اپنے کمرے میں آگئی۔ امی اور ماہیر' زمیلہ کے رشتے کے سلسلے میں بات چیت کررہے تھے۔ وہ اچھا سا سوٹ زیب تن کرکے بال سلجھانے لگی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ نہا کر واش روم سے نکلی تھی۔ سورج کب کا غروب ہوچکا تھا۔ شدید سردی کے باعث اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ امی کو اس کے بے وقت کے نہانے پر بھی غصہ آتا تھا۔ سو وہ بال اچھی طرح خشک کرکے ہی نیچے اتری تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو زمیلہ نے کافی تیکھی نظروں سے اس کے کھلے کھلے شگفتہ سراپے کو دیکھا تھا۔ البتہ راحت بیگم اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھیں' جبکہ ماہیر نے بڑے شوق اور بڑی چاہ سے اس کو سرتاپا دیکھا تھا۔ زمیلہ اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ حریم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ماہیر کے برابر' صوفے پر بیٹھ گئی۔

''حریم!'' ماہیر کی آواز میں بہت خوشگواریت تھی' بہت کھنک تھی۔

''کل زمیلہ کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ تم کھانے پر زبردست سا اہتمام کرنا۔''

''یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔'' حریم نے دل سے کہا۔

''میں کھانا بنالوں گی' بس مینیو امی بتادیں۔''

''پاؤں میں تکلیف تو نہیں؟'' وہ حریم کی فرمانبرداری پر بے ساختہ کھل اٹھا۔

''ذرا کالونی کا ایک راؤنڈ لے کر آتے ہیں۔''

''اس وقت۔'' راحت بیگم نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''مجھے تم سے کچھ اور باتیں ڈسکس کرنا ہیں۔ کالونی کے چکر پھر کسی اور دن لگا لینا۔''

حریم کا دل بری طرح اچاٹ ہوگیا تھا۔ معمولی سی تفریح بھی راحت بیگم کی نظروں میں کھٹکتی تھی۔ وہ کون سا شہر کی سڑکیں ناپنے یا ڈنر کرنے جارہے تھے۔ کھلی فضا میں دو پل حریم کا گزارنا بھی راحت بیگم سے کہاں برداشت ہوتا تھا۔

حریم کچھ دیر مزید بیٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی' جبکہ ماہیر امی کی ضروری باتیں سننے کے لئے بیٹھ چکا تھا۔

وہ ننانوے فیصد لڑکیوں کی طرح اپنے سسرالی ماحول سے سمجھوتہ کرچکی تھی۔ اس کے سنگ ماہیر کی بے تحاشا محبت اور توجہ تھی۔ اسے سلگتے' تپتے وقت سے اور بہتی رواں زندگی سے اور کیا چاہیے تھا؟

وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب ماہیر نہ جانے کس سے فون پر بات کرتے ہوئے اندر آیا۔

''حانی کا فون ہے۔'' موبائل اب حریم کے ہاتھ میں منتقل ہوچکا تھا۔ حریم نے اسے اپنے سیڑھیوں سے گرنے کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ وہ بابا اور حانی کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''کب آؤ گی؟'' حانی کے پاس صرف ایک ہی محبت سے لبریز شکوہ موجود تھا۔

''تم تو سچ مچ ماہیر بھائی کو پیاری ہوچکی ہو۔ تمہیں بیاہ کر تو حانی پچھتائی۔'' حانی کے مصنوعی تاسف نے اسے کھلکھلانے پر مجبور کردیا تھا۔

''بابا کی صحت کیسی ہے؟'' بوا سے ''جنگ'' تو نہیں کرتی ہو۔''

''بابا کی صحت دھوپ' چھاؤں کی طرح ہے' البتہ بوا سے ''جنگ'' کئے بغیر حانی رہ سکتی ہے۔'' اس کے لہجے میں واضح شرارت تھی۔

''بری بات حانی۔'' حریم نے بے ساختہ ٹوکا۔

''انہیں تنگ مت کیا کرو۔''

''میرا دن کیسے گزرے حریم! جب تک بوا سے کھٹی میٹھی لڑائی نہ ہو' میرے پیٹ میں بلیاں ناچتی رہتی ہیں۔ پھر جب فضول باتوں میں ان سے بحث کرتی ہوں تو یہ بلیاں غڑاپ سے باہر نکل کر بوا کو اور تنگ کرتی ہیں۔'' حانی ہنس ہنس کر بے حال ہورہی تھی۔ فون بند ہوا تو حریم' ماہیر کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس

کا دھیان ان کی باتوں کی طرف نہیں تھا۔ وہ صوفے پر لیٹا نہ جانے کس سوچ کے زیر اثر تھا۔ ماتھے پر لکیریں تھیں' حریم کچھ پریشان سی اس کے قریب چلی آئی۔

"خیریت! آپ کچھ پریشان ہیں۔"

"نہیں تو۔" صاف ظاہر ہو رہا تھا وہ محض اس کو بہلانے کی غرض سے مکر گیا تھا۔

"میں کیوں پریشان ہونے لگا۔ تم پاس ہو تو کم از کم پریشانیاں میرے قریب پھٹک نہیں سکتیں۔" ا
کا لہجہ خود بخود خوشگوار ہوتا چلا گیا۔

"بہلائیں مت۔" وہ خفا ہوئی۔

"میں کب سے دیکھ رہی ہوں' نہ جانے کس سوچ میں گم ہیں۔"

"اتنا مت دیکھا کرو مجھے' نظر بھی لگ سکتی ہے۔" ماہیر نے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی۔

"پیچھے ہٹیں۔" حریم جھینپ کر مسکرائی۔

"کام کی بات کرنے نہیں دیتے۔"

"کام کی باتیں تو شروع کرنے والا ہوں۔ زمیلہ کا سلسلہ کسی خوشگوار انجام سے دوچار ہو جائے پھر ہم وزٹ ویزے پر دبئی چلیں گے۔"

"اچھا۔" وہ بہت خوش نہیں ہوئی تھی' نہ جانے کیوں اسے لگتا تھا کہ دل کبھی بھی پوری خوشی سے ہمک نہیں ہوگا۔ وہ اپنے وہم کو اکثر جھٹلاتی رہتی تھی۔

"دعا کرو' کل آنے والے مہمان خوشخبری کا سندیسہ دیں۔ ویسے ہماری ان سے کافی پرانی جان پہچان ہے۔ امی کے رشتے دار ہیں' شاید خالہ کی جیٹھانی ہیں۔ اپنے بیٹے کے لئے آئیں گی۔" وہ بہن کے سلسلے میں فکر مند تھا' بہت حساس ہو رہا تھا۔

"انشاء اللہ ایسے ہی ہوگا۔ زمیلہ میں کیا کمی ہے۔" اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ویسے بھی گوری چٹی' قدرے فربہی مائل تیکھے نقوش والی زمیلہ نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔

"تم نے میڈیسن لے لیں۔ دودھ پیا ہے؟" وہ بہت فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں' ہاں' ابھی لیتی ہوں۔" حریم نے قدرے بوکھلا کر کہا۔

"دوا کھا کر جلدی آنا۔ آج ذرا دیر تک جاگنے کا پروگرام ہے۔" وہ بڑی مخمور نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حریم مصنوعی خفگی سے ماہیر کو دیکھنے لگی تھی۔ پھر بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

............*

اگرچہ پوری طرح اس کا پاؤں ٹھیک نہیں ہوا تھا' تاہم گھر میں آنے والے مہمانوں کی وجہ سے وہ کافی الرٹ ہو چکی تھی۔ ماہیر امی کی بتائی کچھ اور ضروری اشیاء لینے بازار چلا گیا تھا۔ زمیلہ کی پھرتیاں دیکھنے والی تھیں۔ حسن نکھارنے کے علاوہ اسے کچھ دبلا ہونے کا شوق بھی چڑھ گیا تھا' تاہم اتنے کم دنوں میں اسمارٹ ہونا ناممکن سی بات تھی۔

امی کی ڈشز کے نام گنوا گنوا کر بھی نیت نہیں بھر رہی تھی۔ حریم خاموشی سے سنتی رہی' کہا کچھ بھی نہیں۔ کھانا پکانا اس کے لئے بھی مسئلہ نہیں رہا تھا۔

زمیلہ مختلف سبزیاں کاٹ چکی تھی۔ گوشت بھی اس نے دھو دیا تھا۔ اگرچہ مچھلی دھوتے ہوئے اس نے کافی ناک بھوں چڑھائی تھی' تاہم تھوڑی بہت ہیلپ کروانے کے بعد وہ صفائی ستھرائی میں جت گئی تھی۔ زمیلہ کے اس احسان پر حریم کا رواں رواں شکر گزار ہو گیا۔ امی صاحبہ حسب معمول بوکھلا چکی تھیں اور اسے بھی بوکھلا دینا چاہتی تھیں۔

"اتنی ڈشز نہ جانے بن پائیں گی یا نہیں۔" وہ اندر' باہر آتے جاتے کچھ نہ کچھ ضرور ارشاد فرماتیں۔

"میری آپا بہت سلیقہ مند خاتون ہیں۔ ہر چیز خوش ذائقہ بنانا۔"

وہ امی کو تسلی دینا چاہتی تھی' مگر پھر بیچ میں فطری سی جھجک آن کھڑی ہوئی۔

ماہیر بازار سے لوٹا تو کئی قسم کے شاپر تھام رکھے تھے۔ امی نے اس دعوت پر اچھا بھلا خرچہ کر دیا تھا۔ حریم کو کچھ کچھ ماہیر کی پریشانی کی وجہ سمجھ آ رہی تھی۔ سوئے اتفاق یہ دن بھی مہینے کے آخری تھے۔ ماہیر کی جیب ایک مرتبہ پھر ہلکی ہو چکی تھی۔

دوپہر میں حریم کی مصروفیت دیکھ کر سب نے کینو اور فریش جوس پی کر صبر شکر کر لیا تھا۔ آج تو امی بھی بھوک بھوک' چلانے سے پرہیز کر رہی تھیں۔ شاید بیٹی کے "معاملے" میں سبھی اسی طرح کاری ایکٹ کرتے ہیں۔

چھ بجے تک اگرچہ امی کی پسند کے مدنظر ڈنر تو ریڈی ہو چکا تھا' البتہ حریم کا روم روم تھکن سے نڈھال ہو گیا۔ امی اور زمیلہ میز پر برتن سجا رہی تھیں' جب وہ کچن سے باہر آئی۔

"تم بھی کپڑے پہن کر اپنی حالت درست کر آؤ۔" نہ جانے کس احساس کے تحت امی نے کافی نرمی سے کہا تھا۔

"ابھی ان لوگوں کے آنے میں کافی وقت ہے۔ تم آرام کر لو' اتنی دیر تک۔" حریم نے اپنے پیچھے امی کی آواز سنی۔ وہ واقعی بہت تھک چکی تھی۔ تبھی بستر پر لیٹتے ہی ڈھے گئی اور بے سدھ نیند میں گم ہو گئی اور پھر نجانے کتنی دیر تک سوتی رہی۔

"حریم! حریم جانو' اٹھ بھی چکو۔ نیچے مہمان آ چکے ہیں۔" ماہیر کی آواز گویا بہت دور سے سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر کچھ سوچنے کی کوشش کی تھی پھر کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔

"اتنا وقت گزر گیا' میں بے سدھ سوتی رہی ہوں' آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔"

"نیت تو بہت مرتبہ خراب ہوئی تھی' تمہیں سوتا دیکھ کر' تاہم اتنی میٹھی نیند میں تھیں تم' بس ترس آ گیا تھا۔" وہ خوش دلی سے کہتا ہوا اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔

"دس منٹ میں ریڈی ہو کر نیچے آ جاؤ۔"

"میں دس تو کیا پانچ منٹ میں آ رہی ہوں۔" وہ کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف بھاگی۔ امی نے اصرار سے زیور پہننے کے لئے کہا تھا۔ شاید مہمان خواتین پر کچھ جتانا یا باور کروانا مقصود تھا۔

وہ ادھر کی چھ چوڑیاں اور گلے میں موجود مالا کے علاوہ ہلکے پھلکے ایر رنگ پہن کر نیچے آئی تو زمیلہ میز

پر کھانا لگا چکی تھی۔ ماہیر' مہمان مرد حضرات کے پاس بیٹھا تھا۔

"یہ حریم ہے' راحت کی بہو' ماہیر کی دلہن۔" ماہیر کی خالہ نے تعارف کی رسم نبھائی۔

وہ تین خواتین تھیں' تینوں نے بہت محبت سے اس کا حال احوال پوچھا تھا۔ حریم بھی ان سے
اخلاق سے ملی۔ ایک تو راحت بیگم کی بہن صباحت تھیں۔ دوسری لڑکے کی والدہ اور تیسری ان دونوں
ساس محترمہ۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک تھی بیٹی!" خالہ کی ساس کچھ زیادہ ہی حریم پر فریفتہ ہو چکی تھیں۔

"اس وقت سو رہی تھیں۔" ظاہر ہے یہ نامناسب سا وقت تھا۔ حریم کو کچھ پشیمانی ہوئی۔ وہ انہیں
دن بھر کی کارگزاری بتانے سے قاصر تھی۔

"جی خالہ بی!" راحت بیگم دفعتاً نرمی سے بولیں۔

"اس کی صحت کچھ اچھی نہیں۔ اس کے باوجود کچن میں دن بھر مصروف رہتی ہے' تھکاوٹ کی وجہ
شاید بے وقت کی نیند آ گئی۔" ان کے لہجے میں سچائی تھی۔ محسوس کی جانے والی نرمی تھی۔ حریم کو گویا حیرت
جھٹکا لگا۔ وہ اپنا سارا "اخلاق" مہمانوں کے سامنے شاید ظاہر کر دینا چاہتی تھیں۔ حریم کو یہ منافقت
آنکھ نہیں بھائی۔

میز یہاں سے لے کر وہاں تک لوازمات سے بھری تھی۔ چکن روسٹ' فش پلاؤ' کوفتے انڈے
بھرے کریلے' کچے قیمے کے کباب' گوشت کے قتلے' دو طرح کے سلاد' میٹھے میں کیک اور کسٹرڈ سویاں
زردہ...... بہترین کانچ کے نفیس برتنوں میں خوش ذائقہ کھانے بہار دکھا رہے تھے۔ زمیلہ نے حریم کے
سب سے قیمتی ڈنر سیٹ بند ڈبے سے نکالا تھا۔ خواتین کے ساتھ آئے دو مرد کچھ فاصلے پر موجود تھے۔
انہیں لے کر میز تک آیا۔

"آؤ بیٹی! تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔" صباحت کی ساس خالہ بی نے محبت سے کہا
چپ چاپ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"اتنا تکلف کیوں کیا ہے راحت! ہم کوئی مہمان تھوڑی ہیں۔" صباحت کی جیٹھانی کافی
خاموش بیٹھی تھیں۔ بھری بھری میز کو دیکھ کر خفگی سے گویا ہوئیں۔

"ہماری بیٹی کو خوامخواہ صبح سے مصروف رکھا ہو گا۔" ان کی نظریں زمیلہ کے سفید' گلابی
تھیں۔ کیوٹکس سے سجے سفید ہاتھ میز پر رکھے تھے۔ لڑکے کی ماں کی آنکھوں میں واضح پسندیدگی
"یہ سارا اہتمام زمیلہ نے نہیں حریم نے کیا ہے۔ بہت ذائقہ ہے میری بہو کے ہاتھ میں۔"
بیگم کے الفاظ نے حریم کو حق دق ہی تو کر دیا تھا۔ اسے پوری امید تھی' اس دعوت کا تمام تر کریڈٹ زمیلہ
حصے میں چلا جائے گا' مگر راحت بیگم کے انکشاف نے مہمان خواتین کو بھی حیران کیا۔

"زمیلہ کو اتنی اچھی کوکنگ کرنا کہاں آتی ہے۔" راحت بیگم نے سچ بتانے میں جھجک محسوس نہ
تھی' جس طرح اور معاملوں میں وہ قطعاً دل کی بات کہنے سے نہیں ہچکچاتی تھیں۔ حریم نے دیکھا زمیلہ
چہرے کے رنگ کچھ پھیکے پڑ گئے تھے' جبکہ ماہیر کی آنکھوں میں جلتی قندیلیں دیکھ کر اس کا دل کسی اور

ساتھ تیز تیز دھڑکنے لگا۔ حریم کی تعریف وہ بھی اپنی ماں کے منہ سے سن کر اس کا چہرہ کس قدر روشن ہو
گیا تھا۔ لبوں کی تراش میں وہ ہی دل افروز' سحر طاری کر دینے والی مسکان سج گئی۔

"کوئی بات نہیں' آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی زمیلہ!" صباحت کی جیٹھانی' نبیل کی ماں فرحت نے
نرمی سے کہا۔ زمیلہ کے چہرے کی رونق بحال ہو چکی تھی۔

"یہ کریلے بہت مزے دار ہیں بیٹی۔" خالہ بی نے حلاوت سے کہا۔

"قیمہ بھرے کریلے بنانا سب کے بس کی بات نہیں۔ کریلوں کی کڑواہٹ تو ذرا بھی محسوس نہیں
ہوئی۔ بہت اچھا کھانا پکایا ہے تم نے۔" حریم کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا تھا۔ آج تو نہ جانے کیوں حیرتوں
کے جھٹکے لگ رہے تھے۔ خلاف توقع راحت بیگم بھی کافی مسرور تھیں۔ شاید زمیلہ کی بات بن جانے کی خوشبو
وہ مہمانوں کے رویوں سے پا چکی تھیں۔

"چائے زمیلہ بنا لے گی' تم صرف برتن سمیٹ کر بچا ہوا کھانا محفوظ کر لو۔" راحت بیگم نے دبی آواز
میں حریم سے کہا تھا۔ وہ جی بہتر کہہ کر برتن اٹھانے لگی۔ امی جان کمال مہربانی کا اظہار کر چکی تھیں۔ شاید بیٹی
کے رشتے کے سلسلے میں وہ کسی بھی قسم کی رکاوٹ یا بدمزگی گوارا نہیں کر سکتی تھیں' جو بھی تھا اتنے دنوں میں پہلی
خوش گوار رات کا اختتام ہوا تھا۔ حریم کی خوشی کے لئے یہ احساس ہی کافی تھا کہ امی جان اس کے اہتمام اور
قرینے' سلیقے سے چند گھڑیوں کے لئے ہی سہی' خوش ضرور ہوئی تھیں۔

............*

زمیلہ کو پسندیدگی کی سند مل چکی تھی۔ راحت بیگم کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ یہ پرپوزل ہر
لحاظ سے زمیلہ کے لئے بہترین تھا۔ نبیل سعودی عرب کے شہر جدہ میں کسی باہر کی کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ
پر فائز تھا۔ اگرچہ نبیل اس قدر خوش شکل نہیں تھا۔ تاہم اونچے قد کا اچھا نوجوان تھا۔ ذہین اور محنتی بھی' ماہیر کو
ہر لحاظ سے نبیل پسند آیا تھا۔

زمیلہ خوش تھی' بلکہ بہت ہی خوش تھی۔ راحت بیگم بیٹی کو خوش دیکھ کر مسرور ہوتی رہتی تھیں۔ ان دنوں
حریم پر بے جا تنقید بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ جلی کٹی سنانے سے بھی پرہیز کیا جا رہا تھا۔ ان کا موڈ بہت ہی
خوش گوار تھا۔ آج کل وہ لڑکے والوں کی طرف جانے کے لئے تیاریاں کر رہی تھیں۔ یہ تیاریاں کچھ خفیہ
انداز میں کی جا رہی تھیں۔ حریم سے ہر طرح کی رازداری برتی جا رہی تھی۔ انہوں نے ایک' دو چکر چپکے چپکے
بازار کے بھی لگا لئے تھے۔ گھر آ کر وہ زمیلہ سے کہہ رہی تھیں۔

"ماہیر سے کہہ دوں گی' مہینے کے شروع میں نفیسہ (پھوپھی) کے پیسے لوٹا دے۔ پنشن کی رقم تو بہت
سنبھال سنبھال کر رکھتی ہے۔" یقیناً نفیسہ پھوپھو سے ادھار پیسے پکڑ کر وہ خریداری کرتی رہی تھیں۔ وہ ماؤں
کی اس قسم میں سے تھیں جو بیٹوں پر بیٹیوں کو فوقیت دیتی ہیں۔ اس برتری کے چکر میں بیٹے کے ساتھ کتنی ہی
ناانصافی کیوں نہ ہو' اس بات کا انہیں قطعاً احساس نہیں ہوتا وہ ہر صورت بیٹی کی سسرال میں اپنی بڑائی
اور شوشا دکھانا چاہتی تھیں۔

حالانکہ وہ صرف رسمی طور پر لڑکا دیکھنے گئے تھے۔ اتنا کچھ لے جانے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔ حریم

نے دیکھا نفیسہ پھوپھو کے چہرے پر بھی کچھ ناپسندیدگی تھی۔ انہیں بھی یہ بے جا اسراف پسند نہیں آیا تھا تاہم ان کی اہمیت بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سو وہ بھی حریم کی طرح خاموش تماشائی بنی رہیں۔ اپنی بھابھی سے کچھ کہنے کی ان کی بھی جرأت نہیں تھی۔

مٹھائی، کیک، پھل اور تین بہترین موسم کے مطابق قیمتی سوٹ ایک صباحت خالہ کے لئے، دوسرا ان کی کی ماں اور تیسرا دادی کے لئے۔ اپنی وضعداری دکھانے کے شوق میں ماہیر کی جیب کی طرف انہوں نے دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ ابھی تک اپنے ماضی جیسے حالات میں جی رہی تھیں۔ جب روپے پیسے کی ریل پیل تھی اور وہ رشتہ داروں پر دل کھول کر پیسہ لٹاتی تھیں، محض اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر، دکھاوے کی خاطر۔

لڑکے والوں نے بھی بہت اہتمام کیا تھا۔ واپسی پر خالہ بی نے حریم کو اور ماہیر کو بہت خوبصورت سوٹ دیئے تھے۔ چونکہ دونوں گھرانے رضامند تھے اسی لئے بات طے کر دی گئی تھی۔

"ایک ہی تو میری بیٹی ہے، خوب دھوم دھام سے شادی کروں گی۔" انہوں نے حریم اور ماہیر دونوں پر نہ جانے کیا جتانے کی کوشش کی تھی۔ ماہیر ٹی وی کی طرف متوجہ تھا، البتہ حریم ان کے لہجے کے اتار چڑھاؤ پر غور کرتی رہ گئی۔

اس کے دن کچھ چڑھ گئے تو راحت بیگم چوکنی ہو گئیں۔ وہ معمول کے کام نمٹا کر فارغ ہوئی تو انہوں نے اسے چادر لانے کو کہا۔ اس کی بوجھل بوجھل طبیعت سے وہ کچھ اندازے تو قائم کر چکی تھیں۔ تاہم ڈاکٹر سے تصدیق کروانا بھی ضروری تھا۔ حریم کچھ حیران پریشان ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔ امی نے اس کا الٹراساؤنڈ کروایا۔ مختلف ٹیسٹ کروائے، رپورٹس پازیٹو تھیں۔ حریم نے دیکھا وہ رات کی نسبت بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ حالانکہ رات کو اچھی خاصی گھر کی فضا مکدر ہو گئی تھی۔ حریم معمول کے مطابق انہیں چائے دینے کے لئے گئی تو اچانک یاد آنے پر انہوں نے حریم سے کہا۔

"وہ سوٹ کہاں رکھا ہے جو خالہ بی نے تمہیں دیا تھا۔"

"یہیں نیچے سٹور میں رکھ دیا تھا۔" حریم ناسمجھی کے عالم میں بتانے لگی۔

"جاؤ لے کر آؤ۔" انہوں نے تحکم سے کہا۔ حریم خاموشی سے سٹور میں چلی گئی۔ پھر اٹیچی کیس میں سے سوٹ والا شاپر نکال لائی۔ اس نے تو ابھی تک سوٹ کو شاپر میں سے نکال کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ آتے ہی تو وہ کاموں میں جت گئی تھی۔ اس سوٹ کا تو اسے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ زمیلہ نے سوٹ شاپر میں سے نکالا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ سوٹ واقعی بہت خوبصورت اور قیمتی تھا۔ کم از کم ساڑھے تین ہزار کا تو ہو گا ہی۔ اس قدر نفیس اور ہلکا سا کپڑا تھا۔ ریشمی اور نرم و ملائم سا، زمیلہ نے کئی بار ہاتھوں سے چھو کر دیکھا۔

"میری الماری میں رکھ دو۔ لین دین کے کام آ جائے گا۔" امی بیٹی کی پسندیدگی جان کر لاپرواہی سے کہنے لگی تھیں۔

"تمہارے تو ابھی تک بری کے کپڑے ڈبوں میں بند پڑے ہیں۔"

"جی اچھا......" حریم نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی تھی۔ اسی اثناء میں نفیسہ پھوپھو آ گئیں۔ ان کی نظروں نے حریم کے ہاتھ تک باآسانی سفر کیا تھا۔ سوٹ وہ دیکھ چکی تھیں، اسی لئے پرسکون انداز میں بولیں۔

"حریم! یہ سوٹ مجھے دے دو، ساتھ اپنا ناپ بھی دے دینا، میں تمہیں سلائی کر دوں گی۔ تمہارے پاس کپڑے سلائی کرنے کا کہاں وقت ہوگا۔"

"جی پھوپھو۔" وہ تذبذب کا شکار خاموش کھڑی رہ گئی۔ اس کی نظریں راحت بیگم کے رنگ بدلتے چہرے پر تھیں۔

"لاؤ بیٹا! جھجک کیسی، میں فارغ تو ہوتی ہوں، پورا دن، اسی بہانے مصروف رہوں گی۔" انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے سوٹ پکڑ لیا تھا۔ حریم خوف کے مارے زرد پڑ گئی۔ راحت بیگم کے چہرے کے تاثرات سخت کٹیلے تھے۔ زمیلہ پاؤں پٹختی باہر نکل گئی تھی۔ پھوپھو جانے سے پہلے زبردستی ناپ اور سوٹ اٹھا کر چلی گئی تھیں، جبکہ امی ماہیر کے آنے تک سخت مشتعل رہی تھیں۔ ان کی بڑبڑاہٹیں سیسے کی مانند اس کی سماعتوں میں اترتی رہی تھیں۔

صبح تک ان کا موڈ بگڑا بگڑا رہا۔ حریم کو الٹیاں کرتے دیکھ کر وہ کچھ چونکی، ٹھٹکی تھیں۔ پھر اسے اپنے ساتھ ڈاکٹر کے کلینک لے گئیں۔ ڈاکٹر نے خوش خبری کی تصدیق کر دی تھی۔ راحت بیگم خوشی سے بے حال ہو گئیں۔

گھر آ کر انہوں نے زمیلہ کو فوراً بتایا تھا، پھر ماہیر کے دفتر فون کھڑکا دیا۔ ان سے یہ خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ حریم ان کے رویئے سے کچھ حیران اور کچھ پریشان بھی تھی۔ شادی کے بعد پہلی مرتبہ انہوں نے ڈھنگ سے حریم سے بات کی تھی۔

"دیکھو زمیلہ! اب کچھ کام تو تمہیں کرنا پڑے گا۔ ماسی کو اضافی پیسے دے کر کپڑے دھلوا لوں گی، البتہ استری تم کر لینا، اوپر والے کمرے بھی ماسی سے صاف کروا لیں گے۔" وہ اپنے سابقہ جوشیلے انداز میں بولیں۔ پہلے اوپر والے کمروں کی صفائی حریم کے ذمے تھی۔ ماسی صرف نیچے کی صفائی ستھرائی کرتی تھی، مگر اب راحت بیگم کو محسوس ہو رہا تھا کہ حریم پر کاموں کا بوجھ ان دنوں ہلکا ہونا چاہیے۔ یہ عنایت، یہ مہربانی اس وجود کی وجہ سے تھی جو اس کے وجود میں سانس لے رہا تھا۔ زندگی پا رہا تھا، مہک رہا تھا۔ یہ بخشش، یہ کرم، یہ نوازش اپنے سود کی وجہ سے کر رہی تھیں وہ، جو بھی تھا حریم کا دل خوشی سے جھوم جھوم رہا تھا۔ وہ بادلوں کے سنگ محو رقص تھی۔ گھوم رہی تھی، جھوم رہی تھی۔

"حریم صرف کچن کا کرے گی۔ ماہیر کو ماسی کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آئے گا۔ مجھے تو ہانڈی پکانا ہی بھول چکا ہے اور زمیلہ کو بھی کھانا پکانا کہاں آتا ہے۔ اب خوش ذائقہ کھانوں کی عادت سی ہو گئی ہے۔" انہوں نے کھڑے کھڑے کاموں کی تقسیم کر دی تھی۔

"دودھ والا بشیر آئے تو بتانا ایک کلو دودھ اضافی لیا کروں گی۔ پھل وغیرہ بھی پہلے کی نسبت زیادہ مقدار میں لاؤں گی۔ ان دنوں عورت کو خوراک پر دھیان دینا چاہیے۔ بچہ صحت مند اور سرخ و سفید ہوتا

ہے۔ماں پر جائے یا باپ پر' پوتا تو میرا بہت ہی خوب صورت ہوگا۔"

"اگر پوتی ہوگئی تو پھر......" ماہیر ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔ وہ معمول سے کچھ پہلے آفس اٹھ آیا تھا۔شاید اس نئی خبر نے ماہیر کو بھی سرشار کر دیا تھا۔حریم کی طرح' راحت بیگم کی طرح۔

"تو کیا ہوا' زمیلہ کی جگہ پر ہوگی۔" وہ واقعی خوش تھیں۔حریم کو یقین آ چکا تھا۔ زمیلہ نے مبارکباد دی تھی۔حریم نے کچھ پل کے لئے سوچا اور حیران رہ گئی۔ یہ دھوپ' چھاؤں' یہ بادل' بارش' یہ آندھی طوفان' یہ گرج اور چمک سب زندگی کا حصہ تھے۔کبھی غم' کبھی خوشی' کبھی دکھ' کبھی سکھ۔کبھی ہنسنا کبھی رونا......خوشی اور غم کی اس سنگت میں زنجیر میں زندگی کے ماہ و سال بیت جاتے ہیں۔ پھر دکھ کس بات کا؟

ماہیر کا ردعمل راحت بیگم کی بے ساختہ خوشی جیسا تھا' پر جوش اور والہانہ۔

"کب آئے گا؟ کتنے دنوں بعد آئے گا؟" ماہیر خوشی سے بے ربط بولتا چلا گیا۔

"ابھی کہاں۔" حریم جھینپ کر مسکرا دی۔

"اتنے ڈھیر سارے دن' مہینے پڑے ہیں۔"

"اچھا......" وہ بے ساختہ چونکا اور پھر مسکرا دیا۔

"بہر حال اچھی خبر ہے۔امی کو دیکھا تھا کس قدر پر جوش ہو رہی تھیں۔اسے کہتے ہیں اصل سے زیادہ سود پیارا۔"

"ہوں......" وہ چمکتی آنکھوں سے کھلکھلا دی۔

"امی کے رویئے نے مجھے بھی حیران کیا ہے۔"

"امی دل کی بری نہیں ہیں' بس ان کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے۔کبھی نرم اور کبھی گرم' اگر کچھ کہہ دیں تو میری ماں سمجھ کر درگزر کر دینا۔" ماہیر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر گویا درخواست کی تھی۔

"میں امی کے رویئے سے سمجھوتہ کر چکی ہوں۔ وہ میری بھی ماں ہیں۔" اس نے ماں کی طرح ماں کہا تھا۔ ماہیر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ان میں ستاروں کی روشنی بھر گئی تھی۔حریم کو ان آنکھوں کی اس چمک سے والہانہ عشق تھا۔

"اب تو ہم تین ہو جائیں گے' ضروریات بڑھ جائیں گی۔" ماہیر پر سوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔ سوچ میں بھی خوشی کا عکس نمایاں تھا۔

"آپ فکر نہ کریں' میں اپنی اور بچے کی ضروریات کو ہمیشہ محدود رکھوں گی۔ جب تک آپ اپنی ذمہ داریوں سے آزاد نہیں ہو جاتے۔" حریم نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر یقین سے کہا تھا۔ اس یقین میں محبتوں کا مان بول رہا تھا۔ پریشانیوں اور ذمہ داریاں شیئر کرنے کا اظہار واضح تھا۔

"تم اتنی اچھی کیوں ہو حریم؟" ماہیر نے اس کے دونوں ہاتھ لبوں سے لگا لئے۔

"میں دنیا کا خوش قسمت مرد ہوں۔ مجھے یقین کیوں نہیں آتا' ایک عقل مند' دانش مند' سمجھ دار عورت اللہ نے میرے نصیب میں لکھ دی ہے۔"

"آپ کچھ دیر اپنی خوش قسمتی پر ناز کر لیں۔اتنی دیر میں صبح کے لئے آپ کے کپڑے پریس

ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھ گئی تھی۔

"رہنے دو یار!" ماہیر نے اس کا بازو کھینچ کر دوبارہ اپنے پاس بٹھایا۔

"اس رومانٹک ماحول میں کپڑوں کے ڈھیر کو نہ اٹھا لانا۔"

"مگر......" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی' جب ماہیر نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

............*

امی کی مہربانیوں کا دائرہ وسیع ہوتے ہی بجٹ ماہیر کے کنٹرول سے باہر ہوتا چلا گیا۔ یوں کہ مہینے کے ابتدائی دنوں میں ہی اس کی جیب خالی ہو چکی تھی۔ وہ پریشان بھی تھا اور کچھ حیران بھی۔ یکم تاریخ کو گوالے نے دروازے پر دستک دے کر حساب کلیئر کروانا چاہا۔ زمیلہ کے سلسلے میں ہونے والی دعوت کے لئے بھی سات کلو اضافی دودھ لیا گیا تھا اور پچھلے مہینے سے معمول کے ڈھائی کلو میں ایک کلو مزید دودھ کا اضافہ ہونے لگا تھا۔ٹوٹل بل سامنے آیا تو ماہیر کی پیشانی پر تفکر کی سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ پانچ ہزار چھ سو روپے گوالے کو پکڑا کر وہ دفتر جانے لگا تو ماسی بھی جھپاک سے سامنے آ گئی۔

"بیٹی کی شادی کرنی ہے' اس مہینے کی تنخواہ دیں اور اگلے پورے سال کی بھی ایڈوانس تنخواہ چاہیے۔"

ماہیر نے کچھ سوچ کر پندرہ سو والٹ میں سے نکال کر ماسی کی طرف بڑھائے تو ماسی نہ جانے کیوں تذبذب کا شکار ہو گئی۔

"میں کپڑے اور اوپر والے کمروں کی صفائی پچھلے مہینے سے کر رہی ہوں۔ دو ہزار اور دیں' اتنے پیسے میں ہر کام کے پورے محلے سے لیتی ہوں۔" ماسی نے اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔

"دو ہزار اور......" ماہیر حیران ہی تو رہ گیا تھا۔ پیچھے سے امی جان کی آواز آئی۔

"حریم کی صحت ٹھیک نہیں۔ ماسی کپڑے دھوتی ہے اور صفائی بھی کرتی ہے۔کام کا معاوضہ اتنا ہی بنتا ہے۔سارے محلے کے گھروں سے اتنے پیسے لیتی ہے۔" ماہیر نے دو ہزار اور نکال کر ماسی کو پکڑائے تھے' پھر اس کے ایڈوانس رقم کے مطالبے پر غور کئے بغیر باہر نکل گیا۔

ادھر زمیلہ کے سسرال والے ڈیٹ فکس کرنے آنا چاہ رہے تھے۔ راحت بیگم پھر سے بوکھلا چکی تھیں۔ایک مرتبہ پھر نفیسہ پھوپھو سے ادھار لے کر چپکے سے بازار چلی گئی تھیں۔ مہمان خواتین کے لئے گرم سوٹ اور مردوں کے لئے گرم شالیں لے کر آئی تھیں۔

زمیلہ نے پہلی دعوت کی طرح آج ذرا بھر مدد نہیں کروائی تھی۔ اسے ٹیلی فون رابطے کے ذریعے پتا چلا تھا کہ نبیل بھی ساتھ آ رہا ہے' سو اسی حساب سے زمیلہ کو اپنی تیاریاں ادھوری لگ رہی تھیں۔ وہ ایک چکر پارلر کا بھی لگا آئی تھی۔تازہ تازہ مہندی کے حسین نقش و نگار زمیلہ کے ہاتھوں پر کتنے خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔حریم کی نظر اپنے سادہ' سفید بے داغ ہاتھوں پر ٹھہر سی گئی۔ مہندی کا کوئی رنگ ان ہتھیلیوں پر چمک نہیں رہا تھا۔ اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ اہتمام کیا جانا تھا۔ راحت بیگم کا اکلوتا ہونے والا داماد پہلی مرتبہ آ رہا تھا۔اسی حساب سے مینیو ترتیب دیا جا رہا تھا' ماہیر نے ماں سے کہا۔

"امی! میں روسٹ' کباب' رول اور مچھلی کے کوفتے بازار سے لے آتا ہوں۔حریم رات تک اتنا

"کچھ کیسے بنائے گی؟" وہ تھکی تھکی اور بے زار دکھائی دے رہی تھی۔ ماہیر اس کی خرابی طبیعت کے پیش نظر رہا تھا۔ حریم کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہونے لگیں۔ اس کی کمر میں روزانہ ہی درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں آج کچھ زیادہ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

"تم چائنیز پلاؤ' بریانی' مٹن' قورمہ اور دو پیازہ' جھینگا سالن سب بازار سے لے آؤ' کیا سوچیں گے وہ لوگ' اتنی ہی ان کی آمد بھاری تھی۔ گھر میں کچھ نہ بن سکا۔ رشتہ طے ہوتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔" راحت بیگم نے روکھے پن سے کہا۔

"ماسی کو روک لیتی ہوں' ہاتھ بٹا دے گی۔"

"رہنے دیں امی!" دفعتاً حریم کمزور سے لہجے میں بولی۔

"میں کرلوں گی' کام ہی کتنا ہے۔" ماسی کو روکنا اور اس سے چند گھنٹے مزید کام لینا کون سا آسان تھا۔ ماسی کی فرمائشیں اور پھر اضافی رقم بھی جاتے وقت اسے تھمانا پڑتی' حریم جانتی تھی' بجلی کے بل' دوائیاں اور دعوتوں کے یہ سلسلے ماہیر کی جیب کا کباڑہ کر چکے تھے۔ کم از کم اپنی ذات سے وہ ماہیر کو کچھ آرام پہنچانا چاہتی تھی۔ آرام پہنچانا چاہتی تھی۔

"حریم کرلے گی' صرف کھانا ہی تو پکانا ہے۔" راحت بیگم بے ساختہ خوش ہوگئیں۔ ان کے لئے دعوت شیراز تیار کرنا' اس کا اہتمام کرنا' معمولی سی بات تھی۔ حریم بغیر کچھ کہے کاموں میں جت گئی۔ جوڑ جوڑ دکھن کا شکار تھا۔ اسی پل زمیلہ کی آواز آئی۔

"بھابی! آپ کا فون......" حریم' دو پیازہ بنا رہی تھی۔ مچھلی کا گوشت بغیر ہڈی کے منگوایا تھا۔ گوشت نرم بہت تھا۔ احتیاط سے پکانا تھا۔ دوسرے چولہے پر بریانی کے لئے مٹن بھون رہی تھی۔ ساتھ سبزیاں بھی کاٹ رہی تھی۔ فروٹ کاٹ کر لیموں نچوڑ دیا تھا۔ حریم کے پاس فون سننے کی فرصت بھلا کہاں تھی۔ کاموں میں الجھ کر اسے یہ پوچھنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ فون ہے کس کا۔ کچھ دیر بعد ماہیر فون لے کر آ گیا۔

"حریم! حانی کا فون آ رہا ہے' سن لو۔"

"ادھر رکھ دیں' بریانی کو دم دے لوں۔" وہ معروف سے انداز میں بولی۔ ماہیر واپس چلا گیا۔ موبائل فریج کے اوپر رکھا ہوا تھا' مگر حریم کے پاس موبائل کی بجتی ٹون کی طرف دھیان دینے کا بھی وقت نہیں تھا۔

گھی میں رائی کو فرائی کرنے کے بعد لہسن' پیاز' نمک' مرچ ڈال کر بھوننے کے بعد جھینگے بھی ڈال کر وہ آنچ دھیمی کئے فون کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو کہ بج بج کر خاموش ہو چکا تھا۔ اب وہ ناریل اور املی سالن میں ڈال کر موبائل ہاتھ میں لئے گھر کا نمبر پریس کر رہی تھی۔ حانی شاید فون ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی۔ پہلی بیل پر اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیلو حریم! کہاں ہو؟"

"کیا مطلب کہاں ہوں؟ میں نے کہاں جانا ہے۔ اس وقت کچن میں ہوں۔ زمیلہ کے

مہمان آنے والے ہیں۔" حریم آنچ دھیمی کر کے معروف انداز میں بولی۔ ایک ہاتھ سے وہ فروٹ دھونے کے لئے ٹوکری میں ڈال رہی تھی۔

"حریم! تم جلدی سے آجاؤ۔" حانی کی بھرائی آواز ایئر پیس سے ابھری۔

"خیریت؟ کیا ہوا ہے؟" وہ ایک دم ٹھٹک کر ساکت ہوگئی۔

"بابا......حریم! بابا کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔" حانی بے اختیار رونے لگی۔

"بابا کہاں ہیں؟" حریم ایک دم ڈھے سی گئی۔

"بابا کو زرجان بھیا ہسپتال لے گئے ہیں۔ میں نے انہیں فون کر کے بلوایا تھا۔ میں گھر میں ہوں' بوا بھی میرے ساتھ ہیں۔ تم بابا کے پاس ہسپتال چلی جاؤ۔ آج تو چھٹی ہے نا' ماہیر بھائی بھی گھر میں ہیں۔" حانی بے قراری سے کہنے لگی۔

"حانی! میں......کیسے؟" وہ گم سم ہو کر پورے کچن میں پھیلے پھیلاوے کو دیکھنے لگی۔ رگ جان پر ایک دم ہی تھکن نے حملہ کر دیا تھا۔ وہ ساکت سی بے دم ہو کر بیٹھ گئی۔

"حریم! جلدی سے آجاؤ نا' میرا دل بہت گھبرا رہا ہے' بابا بھی تمہیں یاد کر رہے تھے' نہ جانے ان کی طبیعت کیسی ہوگی۔ زرجان بھیا کا کوئی فون نہیں آیا۔" حانی ابھی تک رو رہی تھی اور اس کے دل پر آنسوؤں کی برسات ہونے لگی تھی۔ وہ بمشکل آنسو پینے کی کوشش میں اور بھی نڈھال ہوگئی۔ فون بند ہوگیا تھا اور حریم خالی الذہنی سے کچن کی چھت کو گھور رہی تھی۔

............*

سیل فون پر نہ جانے کس کی کال آ رہی تھی۔ حریم نے گویا غائب دماغی سے فون کی طرف دیکھا اور پھر بے خیالی میں دیکھتی چلی گئی۔ ماہیر شاید فون کی آواز سن کر کچن میں آیا تھا۔

"حریم! کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" وہ ایک دم پریشان سا ہو کر گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ماہیر نے اس کا سرد ہاتھ تھاما۔

"تھک گئی ہو؟"

"ماہیر!" اس کے لبوں سے آہ برآمد ہوئی۔

"حانی کا فون تھا' بابا بیمار ہیں' ہسپتال میں ہیں۔"

"او......" ماہیر کی پیشانی پر تفکر کی سلوٹیں نمودار ہوگئیں۔

اس کے آنسو قطرہ قطرہ گرنے لگے تھے۔ ماہیر گہری سوچ میں گم ہوگیا۔ مہمان بس آنے ہی والے تھے۔ آج ڈیٹ فکس نہ کرنی ہوتی' تب بھی الگ بات تھی۔ وہ مہمانوں سے بغیر ملے ہی چلا جاتا' مگر مسئلہ یہ تھا کہ نبیل پہلی مرتبہ آ رہا تھا۔ ماہیر گھر کا سربراہ تھا۔ واحد مرد تھا۔ اس کی غیر موجودگی کئی سوالیہ نشان چھوڑ سکتی تھی۔ بہن کی سسرال کا معاملہ تھا۔ ادھر سسر بیمار تھے۔ ہسپتال میں تھے۔ وہ اک گہری کشمکش کے گرداب میں پھنس چکا تھا۔ اسی پریشانی میں وہ حریم کو تسلی کے دو بول بھی نہیں کہہ سکا۔

"ماہیر! میں صرف ایک نظر بابا کو دیکھ کر آ جاؤں گی۔" وہ بھرائی آواز میں کہہ رہی تھی۔ بڑی آر بھری نظروں سے شوہر کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے گویا یقین تھا کہ ماہیر کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لے گا۔ اس پل گیٹ کے قریب گاڑیاں رکنے کی آواز آئی۔ ماہیر ماں کی آواز سن کر باہر چلا گیا تھا۔ حریم کی رہی ک ہمتیں بھی بکھر گئیں۔ وہ بے جان قدموں سے اٹھی اور دھیرے دھیرے سلاد کاٹنے لگی۔ سارے آن سارے غم دل نے اپنے اندر سمیٹ لئے تھے۔

ماہیر اس کا محبوب ضرور تھا، شوہر ضرور تھا، مگر پہلے وہ راحت بیگم کا بیٹا تھا۔ زمیلہ کا بھائی تھا۔ وہ کیے حریم کو ان پر فوقیت دے سکتا تھا۔ اسے بیمار باپ کا چہرہ دکھانے کیسے لے کر جاتا، آج تو اس کی بہن کے اعزاز میں تقریب ہونا تھی۔ شگن کی رسم ہونا تھی۔ وہ اتنا اہم کام کیسے چھوڑ سکتا تھا، محض بیوی کے بیمار باپ کے لئے، جس کی اپنی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی اور وہ آج کسی اور کے سہارے ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا۔ حر کو لگا اس کا دل قطرہ قطرہ پگھل جائے گا۔ تب ہی زمیلہ افتاں خیزاں کچن میں چلی آئی۔

"بھابی! کولڈ ڈرنکس کہاں رکھی ہیں؟" پھر خود ہی پیپسی، اسپرائٹ اور ڈیو کی بوتلیں اٹھا کر لے گئی۔ گلاس پہلے سے میز پر رکھے تھے۔ آج تو زمیلہ کی سج دھج نرالی تھی۔ نبیل کی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھ کر ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

مہمان پہلے کی نسبت زیادہ تھے۔ زمیلہ کے تین دیور، ایک نند، ساس، دادی ساس، خالہ، ان کے دو شوہر، چچا اور بہو، ہنسی، قہقہے، مسکراہٹیں، آوازیں، حریم کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

"بھابی! آپ کو نبیل کی دادی بلا رہی ہیں، نہ جانے کیسا جادو کیا ہے آپ نے ان پر۔ وہ تو لگتا آپ کی عاشق ہو چکی ہیں۔" زمیلہ کی کھنکتی آواز سنائی دی۔ حریم نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ کھیر باؤل پر میوے کاٹ کر ڈال رہی تھی۔

"ذرا جلدی آ جائیے گا اور ہاں اپنا حلیہ بھی ذرا بہتر کر لیں۔" واپس جانے سے پہلے وہ جتا نہیں بھولی تھی۔ حریم نے کھیر کا باؤل اٹھا کر فریج میں رکھا اور تھکے قدموں سے چلتی اوپر چلی گئی۔ اس کا خوب بھرا ہوا تھا اور وہ تنہائی میں رونا چاہتی تھی، مگر اس گھر میں چپکے چپکے رونا بھی کہاں آسان تھا۔ اگر کس بھنک پڑ جاتی تو ایک طوفان کھڑا ہو جانا۔ راحت بیگم نے تو اعلان کر دینا تھا کہ ان کی بیٹی کی خوشی اور مس کی تقریب میں حریم رو کر نحوست پھیلا رہی ہے۔ وہ واش روم میں گھس کر روتی رہی، یہاں تک کہ دل کا بو قدرے کم ہو گیا۔ وہ دل پر صبر کی بھاری سل لئے کپڑے بدل کر نیچے آ گئی تھی۔ اس کا رواں رواں باپ کی صحت مندی کے لئے دعا گو تھا۔ بیٹیاں اور کر بھی کیا سکتی ہیں اور اس جیسی مجبور اور بے بس بیٹ کے پاس صرف آنسو اور دعائیں ہوتی ہیں۔ وہ میز پر کھانا لگا رہی تھی۔ جب صباحت خالہ کی بہو آ گئی۔ بڑی خوش اخلاق سی لڑکی تھی۔ انوشہ نام تھا۔ حریم کی اور اس کی شادی میں بس کچھ دنوں کا فرق تھا۔

"بہت تعریف سنی تھی آپ کی، ملنے کا شوق تھا، سو پورا ہو گیا۔"

"پھر کیسا پایا، سوچوں سے برعکس۔" حریم کو خوشدلی کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا۔ حالانکہ دل اور ذ ہسپتال کی طرف محو پرواز تھے۔

"ہرگز نہیں، جو سنا تھا وہ ہی دیکھا۔ آپ ماشاء اللہ بہت حسین ہیں۔ اس سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی ہیں۔" انوشہ نے سادگی سے اسے بغور دیکھتے ہوئے سراہا۔

"شکریہ۔" وہ پھیکی آواز میں بولی۔

"ویسے مبارک ہو، امی (صباحت) نے مجھے بتایا ہے۔ بہت خوشی کی خبر ہے۔" وہ کس طرف اشارہ کر رہی تھی، حریم سمجھ کر ہولے سے اخلاقاً مسکرا دی۔

"آپ کی اسکن تو بہت فریش اور شائن کر رہی ہے۔ اکثر پریگنسی میں عورتوں کے چہرے پر چھائیاں پڑ جاتی ہیں۔"

"ہوں، شاید۔" حریم نے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"آیئے نا حریم!" انوشہ اسے ڈرائنگ روم میں لے جانا چاہتی تھی۔

"ابھی آتی ہوں۔" وہ سلام تو سب کو ایک دفعہ کر ہی چکی تھی۔ میز پر کھانا بھی لگا دیا تھا۔ اب کچھ دیر لیٹنا چاہتی تھی۔ صبح سے ایک پل کے لئے بھی بیٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ امی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سوچوں کے گرداب، میکے کے آنگن میں لے گئے تھے۔ جسم میں چبھتی سوئیوں کا احساس کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ اسے شاید اونگھ آ گئی تھی۔ ماہیر نے اس کا کندھا ہلایا۔ وہ شاید اسے ڈھونڈتا ہوا ادھر آ نکلا تھا۔

"اٹھو، کھانا کھا لو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس کی آواز بھاری اور نم تھی۔

"تھوڑا سا کھا لو، خالی معدہ رکھنا اس حالت میں بہتر نہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ اس کا بازو حریم کی کمر کے گرد حمائل تھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"جوس لا دوں؟"

"نہیں......"

"پھر دودھ پی لو۔" ماہیر کے لہجے میں بلا کی نرمی تھی۔

"کہہ رہی ہوں، کچھ نہیں چاہیے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"کچھ کھا لو، پھر چلتے ہیں۔"

"کہاں؟" وہ غائب دماغی سے پوچھنے لگی۔

"ہسپتال۔"

"مگر مہمان...... ابھی تاریخ بھی طے نہیں ہوئی۔" وہ الجھی۔

"وہ سب ہوتا رہے گا۔ یہ لوگ ابھی ادھر ہیں۔ ایک، دو بجے تک رہیں گے۔ اتنی دیر میں ہم واپس بھی آ جائیں گے، تم اٹھو تو سہی۔" ماہیر نے زبردستی اسے اٹھایا۔

"امی۔" وہ خوف زدہ سی ماہیر کو دیکھ کر رہ گئی۔

"امی سے بات کر لی ہے میں نے، تم کچھ کھا لو، پھر چلتے ہیں۔"

"آپ جائیں' میں آتی ہوں۔" وہ بال سمیٹے اٹھ گئی تھی۔

ماہیر اسے سیدھا ہسپتال لے کر آیا تھا' مگر ریسپشن سے پتا چلا' جمال احمد کو نو بجے ڈسچارج کر ہے۔

"حانی سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔" ماہیر نے سنجیدگی سے کہا۔ اب وہ حریم کے میکے چلے آئے تھے۔

"بابا!" حریم بھاگتے ہوئے ان سے لپٹ گئی تھی۔ گویا ضبط کی تمام تر طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔

"میری حریم آئی ہے۔" بابا نے اس کی پیشانی چومی۔

"ٹھیک تو ہو تم؟"

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں تو ٹھیک ہوں' ایک دم فریش۔" وہ نقاہت سے مسکرائے۔

"بابا! آپ اپنا خیال نہیں رکھتے نا۔"

"خیال رکھنے والی بیٹی تو چلی گئی ہے۔ یہ حانی تو بس لڑنے مرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔" وہ م پر بیٹھی حانی کو دیکھ کر محض ماحول پر چھائی افسردگی کم کرنے کی غرض سے بولے۔

"ماہیر! حانی کے لیے ایک پنجرہ نہ بنوالیں۔" وہ حانی کو چھیڑ رہے تھے۔

"یہ طوطی بہت چونچیں لڑاتی ہے' کبھی بوا کے ساتھ' کبھی میرے ساتھ' پھر جب زیادہ غصہ آتا میری حریم کو فون کھڑکا کر اسے ڈسٹرب کر دیتی ہے۔" وہ جانتے تھے حانی نے ان کے منع کرنے کے با حریم کو اطلاع دے دی تھی۔

"معمولی سی تکلیف تھی سر میں' حانی نے گھبرا کر زرجان کو بلوالیا۔ اللہ اسے سکھی رکھے' بہت نیک ہے۔" بابا دھیمی آواز میں بول رہے تھے۔ کمرے میں ٹی وی آن تھا۔ حانی اور ماہیر کسی بحث میں ال تھے۔

"میری بہن پر بھارت کی طرح زبردستی قبضہ جمالیا ہے۔ جیسے بھارتی فوجیوں نے کشمیر پر تسلط قائم کر رکھا ہے۔" حانی کو ہمیشہ اونگیاں بونگیاں مارنے کی عادت تھی۔

"ناجائز تسلط؟" ماہیر اس الزام پر تڑپ اٹھا۔ حریم' حانی کو گھورنے لگی تھی' جواب قل قل ہنسنے لگی حانی' بابا کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ اب انہیں ٹھیک ٹھاک دیکھ کر بہت ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ ا ماہیر سے گلے شکوے کرتی رہی۔

"کھانے کے لیے کچھ لاؤں؟"

"اپنی بہن کے لیے کچھ نہیں' بہت کچھ لانا۔ اس نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" حریم کے بو پہلے ماہیر حانی سے کہنے لگا۔ حانی اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ حریم بابا کے پاس بیٹھی رہی۔ بوا ٹرے میں روٹی اور بھنی ہوئی مرغی کے ساتھ فرنی کا باؤل لائی تھیں۔

"ماہیر بیٹے! تم بھی کھاؤ نا۔" بوا نے محبت بھرا اصرار کیا۔

"میں کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔" ماہیر انہیں زمیلہ کے سسرالیوں کی آمد کا مقصد بتانے لگا تھا۔

کر خفا ہوئے۔

"صبح آ جانا تھا بیٹے! ابھی مہمانوں کو چھوڑ کر آنا کس قدر غیر مناسب بات تھی۔" بابا نے حریم کو نرمی سے ٹوکا۔

"تمہیں اس وقت نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"میری رات کیسے گزرتی؟" حریم کی آواز بھرا گئی تھی۔

"رات بھر کیا روتی رہتی؟"

"بیٹی! سسرالی معاملات کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔" بابا کا انداز ناصحانہ تھا۔

"کیا پتا' راحت بھابی کو تمہارا تقریب چھوڑ کر آنا ناگوار گزرے۔"

"انہیں کب کوئی بات ناگوار نہیں گزرتی؟" وہ محض سوچ کر رہ گئی تھی۔

"حریم! چلیں۔" ماہیر ریموٹ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ دیر تو بیٹھو۔" حانی مچل کر بولی۔ ابھی تو اس نے حریم کے ساتھ کوئی ڈھنگ کی بات بھی نہیں کی تھی۔

"جانے دو حانی!" بابا نرمی سے مسکرائے۔

"رات گہری ہو رہی ہے' جانے والوں کو روکتے نہیں' خیر سے جائیں' دھند بھی تو بہت ہے' کچھ بھائی نہیں دیتا۔" ان کی آواز پر افسردگی غالب آ گئی۔ حریم کا دل بھر آیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بابا سے لپٹ گئی۔ بابا نے اس کے سر پر نرم سا بوسہ دیا تھا۔ حانی اور بوا سے مل کر وہ باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

گھر آئے تو مہمان جا چکے تھے۔ امی کا منہ پھولا ہوا تھا' کچن کی لائٹ آف تھی۔ حریم امی کو سلام کر کے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ جب ان کی روکھی سی آواز سنائی دی۔

"برتن دھو لو' باورچی خانہ مچھلی بازار بنا ہوا ہے۔ صبح تم ہی کو کام میں دقت ہو گی۔" انہیں شاید حریم کے تقریب چھوڑ کر جانے کا غصہ تھا۔

"زمیلہ تھک گئی تھی' اب سو چکی ہے' میں تم دونوں کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ بھائی صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟" ان کا انداز لٹھ مار قسم کا تھا۔

"زمیلہ باتیں بنا بنا کر تھک گئی ہے؟" حریم سوچتی رہ گئی۔ بابا کی طبیعت کا بھی نہ جانے کیسے پوچھ لیا تھا۔

"اب بہتر ہیں۔" وہ تھکی تھکی آواز میں بولی' وہ جو سوچ رہی تھی' جاتے ساتھ ہی بستر پر ڈھے جائے گی' مگر امی کے حکم نامے کو سن کر وہ خاموش ہو گئی تھی اور پھر اسی خاموشی کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ لائٹ آن کی تو اسے جھٹکا لگا۔ کھانے کے جھوٹے برتن بے ترتیبی سے سنک' فرش اور سلیب پر پڑے تھے۔ اسے ایک دم ڈھیروں رونا آ گیا' نہ جانے کیسے کتنی دیر میں' کتنی مشکل سے وہ برتن دھو کر اوپر آئی تھی۔ ماہیر بے خبر سو رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ شاید وہ تھک چکا تھا۔ حریم بھی بہت تھکی ہوئی تھی۔ اس کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔

"تمہاری خاطر ماہیر! صرف تمہاری خاطر خود کو صبر کی آخری حد تک آزما لوں گی۔ اپنی ہستی دوں گی' جتنا ایثار مانگیں گے تمہارے گھر والے اس سے بڑھ کر دوں گی۔"

"جتنی محبت طلب کریں گے' خود کو فنا کر کے لٹاؤں گی۔ صرف تمہاری خاطر ماہیر!"

"تم شوہر ہو میرے' محبوب ہو' سائبان ہو' تم میرے دل کے جزیرے پر اترنے والے پہلے تمہاری خاطر ہر زہر خاموشی سے پی لوں گی ماہیر!"

............*

شادی کی ڈیٹ حریم کی ڈلیوری کے بعد کی رکھی گئی تھی۔ حریم دل ہی دل میں ساس صاحبہ کی گئی۔ وہ اکلوتی اور بڑی بھابی تھی۔ اپنی ذمہ داری کو سمجھتی تھی۔ اس حالت میں اس کا کام کرنا بھا بہت مشکل تھا۔ اب وہ کچھ پرسکون ہو گئی تھی۔

اگرچہ وہ ان کے لئے اتنی محترم' قابل قدر اور اہمیت کے لائق ہستی تو نہیں تھی۔ تاہم راحت بڑ تھیں کہ ان سے تنہا سارا گھر نہیں سنبھلے گا۔

اپنے مفاد' ضرورت اور گھریلو مجبوریوں کو مدنظر رکھ کر ہی انہوں نے شادی کی ڈیٹ فکس کی تھی۔

اس صبح ماہیر کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔ وہ عموماً بہت خوش باش ہی رہتا تھا۔ کبھی کبھی مالی بحران سے اس کی پیشانی شکن آلود ہوتی تھی۔ تاہم یہ پریشانی نئے مہینے کی پہلی تاریخ کو خود بخود ختم ہو جاتی۔

وہ ناشتا کرنے کچن میں آ گیا تھا۔ بلیک ٹو پیس میں' بال سنوارے' تازہ تازہ شیو کی نیلاہٹیں بہت اچھا' بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ حریم کو نظر بھر کے ماہیر کی طرف دیکھنا گویا بہت مشکل ہو گیا کبھی اوپر یا پھر لاؤنج میں ناشتا کرتا تھا۔ آج خلاف معمول اسے باورچی خانے میں دیکھ کر حریم گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا پہلی دفعہ دیکھا ہے۔"

ماہیر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے۔

"نظر لگانا چاہتی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تمہاری نظر نہیں لگ سکتی' جتنا مرضی دیکھ لو۔" ماہیر موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"ناشتا نہیں کریں گے؟"

"ہاں' تمہارے آس پاس رہنے کو دل کرتا ہے' صبح کے وقت ہاتھ نہیں آتی ہو۔" وہ بوتل کھول کر پانی پینے لگا۔

"اتنے ڈھیر سارے تو کام ہوتے ہیں۔" حریم اس کا شکوہ سن کر دھیمے سے مسکرائی۔

"سب سے بڑا کام شوہر کی خدمت کرنا ہے' سیوا کرنا ہے۔" وہ کرڈ کا ڈبا کھولے سونگھتے بولا۔

"ڈیٹ ایکسپائر تو نہیں' پھر بھی ذائقہ عجیب سا ہے۔"

"آپ نہ کھائیں' دوسرا کھول لیں۔" حریم نے مشورہ دیا۔

"نہیں رہنے دو۔" وہ پراٹھے اور آملیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ بتاؤ' اپنی ڈائٹ کا خیال تو رکھتی ہو نا۔ چہرہ تو فریش لگتا ہے' کھایا پیا کرو' بچہ خوب تگڑا ہونا چاہیے۔"

"کھاتی ہوں۔" حریم جھینپ کر مسکرا دی۔ صبح صبح ماہیر کی اس توجہ نے اسے پھول کی طرح مہکا دیا تھا۔

"چڑیا جتنی خوراک ہے تمہاری۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ ہنسی۔

"ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ ذرا یہ پورا پراٹھا کھا کر تو دکھاؤ۔" ماہیر نے چیلنج کرنے والی نظر سے اسے دیکھا۔

"آدھا کھا لوں گی۔" وہ خوف زدہ سی بولی۔

"تمہیں تو کم از کم دو پراٹھے کھانے چاہئیں' ایک تمہارا اور دوسرا......"

"پلیز ماہیر!" حریم شرم سے لال ٹماٹر ہو گئی۔

"فضول مت بولیے گا۔"

"لو میں نے کیا غلط بات کی ہے۔" ماہیر برا مان گیا۔

"صرف اتنا تو کہا ہے' ایک پراٹھا تمہارا' دوسرا میرے بچے کے حصے کا۔" وہ جان بوجھ کر اسے چھیڑ رہا تھا۔

"آپ کو دفتر سے دیر نہیں ہو رہی؟" حریم نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

"نہیں......" وہ مزے سے بولا۔

"تو جائیے اپنا کام کیجئے۔" حریم امی اور زملیہ کے لئے آملیٹ بناتے ہوئے کہنے لگی۔

"اپنا کام تو کر رہا ہوں۔" اس کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔

"بھلا کون سا؟" وہ جان کر انجان بنی۔

"تمہیں دیکھنے کا۔"

"دیکھ تو لیا ہے اور کتنا دیکھیں گے۔" حریم ناز سے مسکرائی۔

"زندگی بھر دیکھنا چاہوں گا' آخری سانس تک' جب مروں تو صرف تمہارا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔" ماہیر کی آواز بوجھل ہو گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" حریم بے ساختہ بولی۔

"صبح صبح فضول باتیں...... میری جان نکال کر رکھ دیتے ہیں۔" وہ سچ مچ ناراض ہو گئی تھی۔

"اچھا...... خفا تو نہ ہو۔" ماہیر نے اسے بازوؤں سے تھاما۔

"صرف ایک بات تو کی ہے' چلو سوری کر لیتا ہوں۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔

"کوئی آ جائے گا ماہیر!" حریم خوف زدہ ہوئی۔

"تو آ جانے دو۔" اسے گویا کسی کی پروا نہیں تھی۔

"پلیز ماہیر!" وہ روہانسی ہو گئی۔

"چھوڑیئے بھی۔" اس نے زبردستی اس کے بازو اپنے شانوں پر سے ہٹائے۔

"امی اگر آ جاتیں تو؟" اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"تو کیا ہونا تھا؟" ماہیر نے اس کی سرخ بے حد سرخ ناک دبائی۔

"زیادہ سے زیادہ بے حیا' بے شرم کہہ کر پلٹ ہی جانا تھا۔"

"یہ اتنی سی بات ہے۔" وہ خفا ہوئی۔

"آپ کو کہاں کسی بات کی پروا ہوتی ہے؟"

"ہر کوئی تمہاری طرح پہروں کڑھنا شروع کر دے تو پھر ہو چکا گزارا۔" وہ غیر سنجیدہ لہجے میں سنجیدہ بات کر رہا تھا۔

"سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہماری اپنی ذات ہوتی ہے۔" ماہیر کا انداز ناصحانہ تھا۔

"ہر ایک کی اپنی سوچ اور زاویہ نظر ہوتا ہے۔" وہ اداسی سے بولی۔

"رویئے سوچ کا آئینہ ہوتے ہیں۔ شاید میں ان کے دل کے مقام تک ابھی نہیں پہنچ سکی' نہ جا... کتنی مدت درکار ہو گی' انہیں اپنا بنانے کے لئے۔" وہ محض سوچتی رہ گئی۔

"چلتا ہوں۔" ماہیر نے اس کے گال پر چٹکی بھری۔

"اللہ حافظ بول دو' زاد راہ کے لئے کافی ہے' اللہ نے چاہا تو رات کو ملیں گے۔"

"اللہ حافظ۔" وہ محبت کی چاشنی لفظوں میں سموئے کچن کی چوکھٹ میں آ کھڑی ہوئی۔

"یاد آیا۔" ماہیر پلٹ کر دوبارہ اس کے قریب آیا تھا۔

"کچن سے فارغ ہو کر بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولنا' تمہارا قرض رکھا ہے۔"

"کون سا قرض۔" حریم واقعی بھول چکی تھی۔

"تم سوچتی رہو' میں چلتا ہوں۔" وہ سرعت سے پلٹ گیا تھا۔ حریم ابلتی چائے کی طرف متوجہ تھی۔ اس کا ذہن ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ ماہیر کے جاتے ہی راحت بیگم بوتل کے جن کی طرح کچن میں نازل ہوئیں۔

"ماہیر کے کان بھر رہی تھیں نا۔" وہ ان کے الزام پر تڑپ اٹھی تھی۔ اب نہ جانے کون سا کیس ہو گیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں۔" ان کا منہ غصے سے پھول گیا۔

"ابھی سے بھول چکا ہے' بتا تو رہی تھیں' کام اتنے ڈھیر سارے ہوتے ہیں' بھلا مردوں کو گھر کے کاموں کی تفصیل بتانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ شاید ان کی کچھ باتیں سن چکی تھیں اور انہوں نے ... کے معنی بھی پہنا لئے تھے۔

"میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔" حریم بری طرح پریشان ہو گی۔

"جان چکی ہوں سب کچھ۔" دفعتاً وہ گرج کر بولیں۔

"کچھ دن خوشامد کر کے واہ واہ سمیٹ لی اور اب اپنے اصل رنگ ڈھنگ دکھانا چاہتی ہو' میں سارے لچھن جانتی ہوں۔ پہلے دکھاوے کی خدمتیں کر کے میاں کو قابو کیا ہے' اب اسے مظلوم بن کر دکھا رہی ہو تا کہ ماں' بہن پر دو حرف پھینک کر الگ ہو جائے۔"

"امی! پلیز۔" وہ ان کے الزام در الزام سن کر بے تحاشا خوف زدہ ہو گئی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں' میں نے تو محض ان کی بات کے جواب میں۔" حریم لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔ آنسوؤں کے گولے نے حلق میں اٹک کر مزید صفائی دینے سے روک دیا۔

"شکل اتنی بھولی' اور کرتوت دیکھو' میرے بچے کو میرے خلاف کر رہی تھی۔ تمہاری بات کا تو یہ ہی مطلب تھا۔ ڈھیروں کام تم ہی کو کرنا پڑتے ہیں۔ ساس' نند پلنگ توڑتی ہیں۔" حریم گویا بری طرح پھنس گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ امی کی بدگمانی کیسے دور کرے۔

"میں سدا کی بیمار...... بیٹی صرف کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ بھلا اس سے کیا کام کرواؤں' کون سی اچھی یادیں لے کر جائے گی' وہ بھائی کے گھر سے۔ بھاوج بھی اکلوتی' دوسرا بیٹا نہ ہونے کے برابر ہے' جسے اپنا ہوش نہیں' ہم دونوں کہاں جائیں گی' اگر تم نے بھڑکا...... کر ماہیر کو ہمارے خلاف کر دیا۔" اب انہوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔ زمیلہ بھی ماں کی آواز سن کر دوڑی چلی آئی۔

"امی! کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہیں؟"

"اپنے نصیبوں کو رو رہی ہیں؟" بیٹی کو دیکھ کر ان کے آنسوؤں میں اور بھی روانی آ گئی۔

"ہمیں نہ آئی' منافقت' دو رخ چہروں ... سے اللہ بچائے۔ ماہیر کو در پردہ بتا رہی تھی کہ ہم اس پر ظلم ڈھاتے ہیں' کاموں کا بوجھ لاد رکھا ہے۔" وہ پھپکنے لگیں۔

"بھابی!" زمیلہ کی صدمے میں ڈوبی آواز ابھری۔

"آپ نے ایسا کہا' ہم کیا ظالم ہیں' آپ کو کولہوں کے بیل کی طرح جوتے رکھتے ہیں۔"

"[illegible] پر اتنا بوجھ پڑ گیا ہے' ماسی کو بھی اضافی پیسے دے کر صفائی کرواتی ہوں' پھر بھی بہو رانی خوش نہیں۔ چہرے پر مظلومیت طاری کئے رکھتی ہے۔ کبھی مسکراہٹ نہ دیکھی میں نے اس کے چہرے پر۔" ان کے اپنے ہی بے حساب گلے شکوے تھے۔ حریم سر جھکائے مجرموں کی طرح گویا کٹہرے میں کھڑی تھی۔

"تو اور کیا؟" زمیلہ نے فوراً ماں سے اتفاق کیا۔

"میں نے بھی یہ بات کئی مرتبہ سوچی ہے۔ ہمیں ان کی نیت کی کیا خبر' بھائی کو ہمارے سے بے زار کرنے کے لئے پوز کرتی ہیں اور میں پاگل' دیوانی ہر ایک کے سامنے اپنی اتنی اچھی بھابی کی تعریفوں کے پل باندھنے لگتی ہوں۔ مجھے کیا پتا یہ محض ڈرامہ ہے۔ میری سہیلیاں' نبیل کی بہنیں' کزنز خوامخواہ بے وجہ ہی میری قسمت پر رشک کرتی ہیں کہ مجھے کتنی اچھی بھابی خوش نصیبی سے مل گئی ہے۔ ہنہ' کبھی چہروں پر پڑے نقاب ہٹا کر کوئی دیکھے تو سہی۔" زمیلہ نے ہو بہو ماں کے انداز میں کہتے ہوئے امی کا ہاتھ پکڑا۔

"آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں امی! ہمارے نصیب ہی ایسے ہیں' ایک بھائی کی دیوانگی کا غم دوسرے کی متوقع جدائی کے خدشے' بھائی شادیوں کے بعد پرائے کیوں ہو جاتے ہیں۔" زمیلہ کے آنسو بھی ٹپاٹپ گرنے لگے' حریم کی جان تو گویا شکنجے میں پھنس گئی تھی۔

"سب جانتی ہوں میں۔" اب نہ جانے کون سا انکشاف ہونے والا تھا۔

"جب سے تمہاری ڈیٹ فکس ہوئی ہے' بس اسی وقت سے حریم کا مزاج برہم ہے' ظاہر ہے' ابا کون سا جائیدادیں رکھی ہیں یا بینک بیلنس محفوظ ہیں' کرنا تو سب ماہیر نے ہے' اسی لئے بہو کے تیور بدل رہے ہیں۔ اکلوتی نند کو کچھ دینا دلانا نہ پڑے۔" امی جلے بھنے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ حریم رونکھی سی انہیں پاؤں پٹخ کر جاتا دیکھتی رہی۔ صرف لمحہ بھر میں اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تھا۔ وہ بے دم سی موڑھے پر بیٹھ گئی۔

............*

دوپہر تک امی بھول بھال چکی تھیں کہ ان کے تیر جیسے لفظوں نے کیسے حریم کے دل کو چھلنی کیا تھا۔ ہمیشہ ایسے ہی تو ہوتا تھا...... اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لینے کے بعد پھر سے ٹھیک ٹھاک ہو جاتی تھیں۔ برہم مزاج خود بخود بدل جاتا۔ پہلے کی طرح فرمائشیں کر کر کے کھانے پکواتیں۔ ذرا موسم ابر آلود ہوتا تو پکوڑوں کی اور پھلکیوں کی فرمائش ہونے لگتی' کبھی فرماتیں شکر قندی کا حلوہ بنا دو' کبھی بادام کا حلوہ کھانے کا موڈ بن جاتا' کبھی بیسن کے حلوے کا ذائقہ چکھنے کو دل کرنے لگتا۔

موسم سرما میں تین مرتبہ سوہن حلوہ بنا کر امی کو دیا تھا۔ سب سے وقت طلب اور وقت مانگنے والا مشکل ترین کام حلوے کی ابتدائی تیاری میں اور بھون بھون کر سرخ کرنے کے چکر میں حریم کے پٹھے کھنچنے لگے تھے۔ بازوؤں میں گلٹیاں بن جاتیں۔ کمر درد سے اکڑنے لگتی اور امی صاحبہ آرام سے فرما دیتیں۔

"حلوہ بنانا کون سا مشکل ہے' چٹکی بجاتے میں بن جاتا ہے' کون سا تندور میں روٹیاں لگانی ہیں' اپلے تھاپنے ہیں۔"

ان کے لئے یہ عام سا معمولی کام تھا۔ صرف باتیں بنانے کی حد تک' اگر چائے بنانی بھی پڑ جاتی تو پورا گھر سر پر اٹھا لیتی تھیں۔ خود سے تو اٹھ کر پانی بھی نہیں پیا جاتا تھا۔

"سوچا تھا' بہو آئے گی تو ہم بھی دو گھڑی آرام کر لیں گے' مگر ہمارے نصیبوں میں آرام کہاں۔" عصر سے کچھ پہلے وہ اور زمیلہ کسی دیرینہ سہیلی کی عیادت کے لئے چلی گئی تھیں۔ حریم نے موقع غنیمت جان کر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف رخ کیا۔ یوں ہی خیال آنے پر اس نے دراز کھولا تو کافی سارے روپے دیکھ کر اسے ماہیر کی صبح والی بات یاد آ گئی۔ کافی مہینے پہلے لیا جانے والا قرض چکایا گیا تھا۔ شام کو ماہیر آیا تو حریم نے ناراضی کے اظہار کے طور پر چائے خاموشی سے اس کے سامنے رکھ دی۔

"خیریت!" وہ بھی اس کا پورا مزاج آشنا تھا۔ لمحوں میں اس کی خاموشی میں چھپی ناراضی کو بھانپ گیا۔

"یہ قرض ضرور چکانا تھا۔" اس نے مٹھی بھر پیسے ماہیر کے سامنے کئے۔

"میں اور آپ کوئی دو تو نہیں۔"

"قرض میری جان! قرض ہی ہوتا ہے' آپ نے سنا نہیں' قرض شہید کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ میں نے آپ سے رقم بطور ادھار لی تھی۔" وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

"یہ رکھ لیں۔" حریم نے ٹیبل پر رکھے والٹ میں آرام سے تمام رقم رکھ دی۔

"پلیز حریم!" وہ احتجاجاً بولا۔

"یہ روپے تمہارے ہیں' ان پر میرا کوئی حق نہیں۔"

"غیر سمجھتے ہیں مجھے۔" حریم نے جذباتی بلیک میلنگ کا سہارا لیا۔

"جو کچھ میرے پاس ہے' وہ سب آپ کا ہے ماہیر! اسی طرح میں بھی آپ کی ہر شئے پر پورا استحقاق رکھتی ہوں۔"

"پیاری حریم! فی الحال تو میری ذات کے سوا خود بھی میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں' کبھی کبھی دل اس سوچ سے بہت رنجیدہ ہوتا ہے' میں نے تمہیں کچھ بھی نہیں دیا۔ ابھی تک نہیں دے سکا۔"

"دینے کا ارادہ تو ہے نا' امید تو ہے' اور مجھے آپ کے علاوہ کسی مادی چیز کی قطعاً آرزو نہیں۔ میرے لئے صرف آپ کی ذات اہمیت رکھتی ہے' باقی ہر شئے قطعاً بے کار ہے' نری فضول۔" اس نے محبت سے ماہیر کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"ایسا سچا موتیوں جیسا قیمتی دل کہاں سے لیا ہے۔ ایسی فقیرانہ سوچ' اس قدر قناعت۔" ماہیر کی نظروں کی بے باکانہ ستائش نے اس کے عارضوں پر گلابیاں بکھیر دی تھیں۔

"تم عیوق کی مانند ہو' ایک روشن سرخ ستارے جیسی' رات کے پہلے پہر جس نے میرے دریچے میں سے جھانک کر میری خوش بختی پر ناز کیا تھا۔ یہ زینت دیا ہوا' زیبائش کیا ہوا' سجا سجایا تمہارا دل کسم کے پھول جیسا ہے۔ تمہارا دل پھولوں کا مکٹ ہے' جس نے میرے دل کی سرزمین پر پھولوں کی ایک ایک پتی کو بارش کی بوند بوند کی طرح برسایا ہے۔ یا سفید درختوں سے چھن چھن کر بکھرنے والی چاندنی ہو' بہت درخشاں' بہت تاباں' بہت پرنور ہو' گل بن پر اترنے والی اوس ہو' شبنم ہو' حوض میں تیرتا کوئی کنول ہو' تم کیا ہو حریم جہاں' سراپا حسن' سراپا محبت' سراپا جمال' ستاروں کے جھرمٹ' تاروں کے جھنڈ میں نور برساتا اکلوتا چاند' تم ماہیر عالم کے دل کے ایوان پر حکومت کرنے والی پہلی فاتح ہو' فتح مند ہو' جیتی ہوئی ہو۔

یہ دل جو بہت ہی عام سے مزدور آدمی کا ہے' جو یونانی دیوتاؤں جیسا حسن نہیں رکھتا۔ مصر کے شہنشاہوں جیسا دولت مند بھی نہیں۔ بہت اعلیٰ اور ارفع خوبیاں رکھنے والا کوئی عالم دین بھی نہیں۔ ہاں اسے پارسائی کا دعویٰ ہے' بے کردار نہیں' کسی کے دل سے نہیں کھیلا' میں بے کھوٹ کا آدمی ہوں' ذرا بھر ملاوٹ نہیں اس دل میں۔ یہ ہی سچائی' پاکیزگی' پارسائی اور اچھائی ہمیشہ تم میں دیکھنے کا آرزومند ہوں گا اور کیا کہوں' شاعر بھی نہیں' کوئی اک آدھ دیوان لکھ ڈالتا' نہ مصور ہوں' نہ مصنف ہوں' اک عام سا معمولی سا مزدور ہوں۔ عزت' نسب' خاندان' نسل کی بقا اور وقار پر جان دینے والا۔" وہ موتیوں سے سجا محبتوں کا اتنا

قیمتی' اتنا اعلیٰ تاج تو اسے پہنا چکا تھا۔ بھلا حریم جمال اس سے اور کیا طلب کرتی۔ اس کا انگ انگ رحیم کا شکر گزار تھا۔ اسے نارسائیوں کے عذاب سے بچالیا گیا تھا۔ اسے ہجر کے دوزخ میں جلنے نہیں تھا۔

اسے ماہیر عالم عطا کر دیا گیا تھا۔ حریم کا قناعت پسند دل کسی اور شئے کا متمنی نہیں تھا۔ وہ بادل رتھ پر سوار بہت دور' بہت دور ستاروں کے ساتھ محو کلام تھی۔ خوشبو کے' عنبر کے سارے ہار اس کے لپٹ گئے تھے۔ نس نس میں سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ کیسا سرور تھا' یہ کیسا نشہ' یہ کیسی مستی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ اس گھر سے' اس ماحول سے چند لمحوں کے لئے بالکل کٹ چکی تھی۔ اس نے کے ایک جزیرے پر گویا قدم رکھ لئے تھے۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں ماہیر!" حریم کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

"بحیرہ قلزم سے کوئی سیپ لا کر دوں' پھر یقین کرو گی۔" وہ ہنس دیا تھا۔ بہت دلکشی کے ساتھ دلفریبی کے ساتھ۔

"سچ....." اس کے پیروں کے نیچے گویا گل لالہ کی نرم پتیاں شان سے بکھر گئی تھیں۔

"نہ کاتب ہوں' نہ محرر ہوں' نہ بہت خوش نویس ہوں' ورنہ پکی روشنائی سے جلی حروف میں لکھ مجھے تم سے محبت ہے۔" وہ اس کے کانوں میں گنگنایا۔ رشتے' تعلق' قربت' قرابت سے' اظہار سے واضح ہوتے ہیں' ابھرتے ہیں' انفرادیت پاتے ہیں' توجہ' احساس اور خیال ہی زندگی کا اصل حسن ہیں۔ ان کے بغیر ہر رنگ پھیکا اور بے جان ہوتا ہے۔ اپنی دلکشی اور حسن کھو دیتا ہے۔ اچھے رویے میں لگن' جذبے' چاہت' پیار' ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں' ورنہ رشتوں کو گھن لگ جاتا ہے لگ جاتا ہے۔ رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں' درمیان میں دوریاں آ جاتی ہیں۔

وہ راحت بیگم سے اپنے احساسات شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ ہر شئے کی انتہا ہوتی ہے' آخری حد اور وہ برداشت اور صبر کی آخری حد آزمالینا چاہتی تھی۔ اس دن بھی ماہیر ذرا جلدی آ گیا تھا۔ خلاف بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"حریم! ذرا بات سننا۔" راحت بیگم کو آتے ہی بیٹے کا حریم حریم کرنا پسند نہیں آیا تھا۔ انہوں ماتھے پر بل ڈال لئے تھے۔ تاہم لبوں سے کچھ کہا نہیں تھا۔

"جی....." حریم سٹور روم میں تھی۔ ماہیر بھی ادھر ہی چلا آیا۔

"حریم! مجھے ایک ہفتے کی چھٹی مل گئی ہے۔ تمہاری خالہ کے پاس اسلام آباد چلتے ہیں۔"

"کیا سچ؟" حریم کھل اٹھی۔

"ہوں' بالکل سچ' والٹ بھی بھرا بھرا ہے' کام بن جائے گا۔" ماہیر اسے خوش دیکھ کر خود بھی گیا۔

"کب جائیں گے؟" وہ کپکپاتی آواز میں پوچھنے لگی۔ مسرت کے دیئے اس کی آنکھوں ہو گئے تھے۔

"کل شام....." ماہیر نے پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" راحت بیگم سے مزید صبر نہیں ہو سکا تھا۔ کچھ کچھ باتوں کی تو انہیں سمجھ آ گئی تھی۔ تاہم تفصیل پوچھنا بھی ضروری تھا۔

"امی! پیاری امی! میں کل اسلام آباد جا رہا ہوں۔ دفتر کا کام بھی ہے' میں نے سوچا حریم کو بھی اس کی خالہ سے ملوا لاؤں گا۔" وہ اسے آنکھیں دکھا کر کچھ رد و بدل کے بعد بولا۔

"اس حالت میں' یہ اسلام آباد جائے گی۔" راحت بیگم کچھ دیر تو بول ہی نہ سکیں' بیٹے سے کم ہی بحث مباحثہ کرتی تھیں' مگر اعتراض کا نقطہ انہوں نے ڈھونڈ ہی نکالا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔" ماہیر لاپروائی سے بولا۔

"کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو پھر' وقت بھی کم رہ گیا ہے۔ یہ ہی ڈھائی' تین مہینے۔" وہ انگلیوں پر حساب کتاب کرنے لگی تھیں۔

"فارغ ہو گی تو پھر لے جانا۔"

"خوامخواہ کے وہم۔" ماہیر نے توجہ نہیں دی تھی۔

"لوگ بیرون ملک سفر کرتے ہیں' یہ پھر پانچ' چھ گھنٹے کا سفر ہے۔"

"سیر و سیاحت کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔" وہ تنک کر بولیں۔

"ہمارے وقتوں میں یہ چونچلے نہیں تھے۔"

"اسی لئے ناران' کاغان' استور کی وادیاں' داریل کی وادیاں اور تانگیر کے مرغزار دیکھ رکھے ہیں۔" ماہیر انہیں چھیڑ رہا تھا۔

"تو تم لوگوں کو بھی ساتھ لے کر گئے تھے' تنہا تھوڑی گئے تھے۔" انہوں نے ناراضی سے کہا۔

"پرسکون صبح کی سرزمین کوریا میں تو تنہا ہی گئے تھے۔" زمیلہ نے ہنس کر جتایا۔

"اس وقت تم تینوں کہاں تھے۔ تمہارے ابو نے کپڑا خریدنا تھا۔ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔" ان دنوں کی یاد نے امی کے چہرے پر مسرت بکھیر دی تھی۔ تاہم ان کا پورا دھیان حالیہ مسئلے کی طرف تھا۔

"ماں سے فضول بولتے شرم نہیں آ رہی۔" انہوں نے ماہیر اور زمیلہ دونوں کو بیک وقت لتاڑا۔

"حریم کو رہنے دو' ابھی اس کا جانا مناسب نہیں۔" انہیں اندازہ تھا کہ گھر حریم کے بغیر سنبھالنا کس قدر مشکل ہوگا' سو وہ ہر صورت اسے روکنا چاہتی تھیں۔

"اتنا غیر مناسب بھی نہیں۔" وہ حریم کو نظروں کے حصار میں لے کر غیر سنجیدہ انداز میں بولا۔

"بہر حال میں نے کہہ دیا ہے' حریم تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔"

"فری میں ٹکٹ ملا ہے اور سیٹ بھی کنفرم کروالی ہے۔ اب روک کر کیا کریں گی۔" وہ ماں کی گود میں سر رکھ کے آنکھیں موند گیا۔ راحت بیگم کو مزید اصرار کرنا بات گنوا دینے کے مترادف لگا تھا۔

............*

صبح آفس جانے سے پہلے ماہیر اسے میکے چھوڑ گیا تھا۔ حانی اسے دیکھ کر خوشی سے چلا اٹھی۔

" بے وفا! اس دفعہ جلدی چکر لگا لیا ہے۔"

" تمہاری یاد ستانے لگی تھی۔" حریم شرارتاً بولی۔

" مہربانی' نوازش۔" حانی نے سرِ تسلیم خم کیا۔

" بابا کہاں ہیں؟"

" اپنے کمرے میں ہیں۔ ابھی ابھی دوا کھا کر سوئے ہیں۔" حانی نے بوا کو آواز دے کر اسے بتایا۔ بوا بھی شاید اونگھنے لگی تھیں۔ حریم نے اشارے سے اسے منع کیا تھا کہ ان کی نیند خراب نہ کرے۔ وہ دونوں نرم گرم دھوپ کا مزا لینے کے لئے برآمدے میں رکھی کین کی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

" میں اور ماہیر اسلام آباد جا رہے ہیں۔"

" صد شکر...... تم نے بھی کوئی ڈھنگ کی بات سوچی ہے۔" حانی نے بے ساختہ دعائیہ انداز میں ہاتھ بلند کئے۔

" جا کب رہے ہو؟"

" آج شام کو۔"

" اور تم یہاں آ گئیں۔"

" جانے سے پہلے سوچا بابا کو اک نظر دیکھ آؤں' ابھی پیکنگ بھی کرنی ہے۔" سنہری دھوپ کی تمازت حرارت بہت دنوں بعد محسوس کی تھی۔ اک گونا سکون پورے وجود میں سرائیت کر گیا تھا۔

" تم کون سا سال کے لئے جا رہی ہو' ایک بیگ ہی تو تیار کرنا ہے۔" حانی وہیل چیئر دھکیل کر اندر حصے کی طرف بڑھنے لگی۔

" گاجر کا حلوہ اور چائے لے کر آتی ہوں۔"

" ضرور......" حریم نے خوشدلی سے کہا تھا۔ اس کا مزاج بہت خوش گوار تھا۔ وہ خود کو بہت شگفتہ تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔ سورج کی کرنیں' شعاعیں بھی گویا اس کے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔ ہونٹوں پر دبی مسکان لئے وہ کسی اور جہاں میں گم تھی۔ کھو رہی تھی' بھٹک رہی تھی' سرسبز شاداب' ہری رنگت والے نازک بہت سے پتے درختوں کی شاخوں پر جھول رہے تھے۔ خواب کے اس سفر میں خوشبوئیں تھیں' تھے۔ گیتوں کی دھنیں سنائی دے رہی تھیں۔ سریلی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ پائل چھنک رہی تھی' چوڑی رہی تھی۔

دفعتاً سیاہ گیٹ کے اس پار لمبی سی چمکتی گاڑی کے ٹائر چرچرائے۔ سیاہ پینٹ' سیاہ شرٹ میں قیمتی گلاسز' گھنے ریشمی بالوں والے سر پر ٹکائے' دھیمے' بے تلے' پر وقار قدموں سے چلتا ہوا وہ ناک کی سیدھ میں اندر جا رہا تھا' جب برآمدے میں موجود کین کی کرسی پر بیٹھی نہ جانے کس جہاں میں گم حریم کو دیکھ کر ٹھٹک گیا' رک گیا' تھم گیا۔

ہمیشہ کی طرح ٹھاٹھ باٹ' شان و شوکت' آن بان لئے وہ اس کے مقابل کھڑا تھا' نظر چرائے جھکائے کچھ سوچتا ہوا۔ خاموش' اداس' بحیثیت' بااختیار' ہر طرح کے جاہ جلال' حشمت دولت کے باوجود

عجیب سی لاتعلقی' بے نیازی اس کی شخصیت میں جھلکتی تھی۔ گویا اس دھن دولت سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس عزت' مرتبے' روپے پیسے نے اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ اپنی ذات میں گم' اصول پسند' باانصاف' شفیق' حلیم' مہربان' رحم دل' صابر اور قانع تھا' وہ زرجان عباس تھا۔ محترمہ فلک ناز کا تیسرا بیٹا۔ اولاد کی محبت کے معاملے میں بڑی جنونی عورت تھی۔ بچوں کو اپنی سب سے قیمتی پراپرٹی سمجھنے والی۔

" کیسی ہیں حریم!" سنہری دھوپ کا تمام تر حسن زرجان عباس کی آنکھوں میں' چہرے پر بکھر گیا تھا۔ حریم چونکی' ٹھٹکی اور پھر گرم شال کو لپیٹ کر کچھ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

" ٹھیک ہوں' آپ؟" وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔ جھجک نے اس کے لبوں سے الفاظ چھین لئے تھے۔ آج تک اتنے بے شمار سالوں میں صرف چند پل کے لئے بھی کبھی ان دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ بس خاموشی بولتی تھی' باتیں کرتی تھی' کچھ کہتی تھی' کچھ سنتی تھی۔

" میں بھی خیریت سے ہوں' ماہیر ٹھیک ہے؟"

" جی......" وہ لب کچلنے لگی۔

" بابا اپنے کمرے میں ہوں گے؟"

" جی......"

" چلتا ہوں' اک نظر دیکھنے کے لئے آیا تھا۔" دھیما' بوجھل اداس لہجہ۔

" سارے کام چھوڑ کر۔" خاموش لبوں نے حیرانی سے پوچھا۔

" پگلی! کام تم سے' تمہیں سوچنے سے' تم سے وابستہ رشتوں سے' زیادہ اہم تو نہیں۔"

" پھر بھی!" خاموشی خفا ہوئی۔

" کیوں چھوڑ کر آئے ہو سارے کام' ضروری فون' فائلیں' میٹنگز' بیرون ملک کے دورے۔"

" صرف تمہارے لئے۔"

" مگر کیوں؟" خاموشی کو غصہ آ گیا۔

" مجھ سے کیوں پوچھتی ہو' کیا تم نہیں جانتی۔"

" نہیں۔" خاموشی کو اور بھی غصہ آیا۔

" تم جاننے کی' سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔"

" مجھے کیا ضرورت ہے۔" خاموشی تنک اٹھی۔

" کیا چاہتے ہو تم؟"

" تمہیں خوش و خرم دیکھنا' شاداں فرحاں' پرمسرت دیکھنا۔"

" میں بہت خوش ہوں۔"

" میرے لئے مقام مسرت ہے۔ تم خوش رہو' سکھی رہو' صرف یہ ہی دعا ہے میری۔"

" مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے' دعا بھی نہیں۔"

" تمہاری مرضی' میں تو مجبور ہوں' میرا دل [illegible]"

"کیوں آ جاتے ہو میرے راستوں میں۔"

"کب' کہاں؟" وہ تڑپ اٹھا۔

"جھوٹے! اب مکرتے ہو۔" وہ ناراض ہوئی۔

"میں تو ایک طرف کھڑا ہوں' ایک کونے میں' خاموش' الگ' پھر بھی گلہ؟"

"جاؤ' یہاں سے۔"

"جا نہیں سکتا' جس جگہ قیام کر لیا ہے' ٹھہر گیا ہوں' پڑاؤ ڈال لیا ہے۔ بسیرا کر لیا ہے' کیسے
طرح؟ کیونکر کسی اور نگر کسی اور بستی کسی اور دیس' کسی اور براعظم کا رخ کروں؟ کسی اور دل کا در
کھٹکھٹاؤں؟"

"اب کیا ہے؟"

"رخ موڑے کیا سوچتے ہو؟"

"تمہاری شبیہ' تمہاری صورت' تمہاری صورت کے علاوہ کسے سوچنا ہے؟"

"یہ باتیں میرے لئے اہمیت نہیں رکھتیں۔"

"تمہارے لئے تو پورا زرجان کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" وہ آزردگی سے بولا۔

"اے حریم! ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھو۔"

"زہر کا تریاق ہوتا ہے۔"

"مجھے کیا خبر۔" وہ انجان بنی۔

"چلو نہ بتاؤ۔"

"بھیا! زرجان بھیا! آپ کب آئے؟" حانی کی پرمسرت چیخ نے ان دونوں کو اپنی اپنی سوچ
بھنور میں سے کھینچ نکالا۔

"ابھی' کچھ دیر پہلے۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔ افسردہ' پھیکی سی' بے جان مسکراہٹ' سنہری دھ
تپش نے زرجان کے گورے رنگ کو دہکا دیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو گڑیا؟"

"فرسٹ کلاس ہوں بھیا۔" حانی خوشی سے چور آواز میں بولی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا' آج آپ ضرور آئیں گے۔"

"تمہارے دل کی خوشی کا احساس لے آتا ہے' یہاں ورنہ۔"

"ورنہ یہاں رکھا ہی کیا ہے' زرجان عباس کے لئے۔" خاموشی لپکتی ہوئی پھر سے آن موجود

"شکریہ بھیا۔" حانی چہکی۔

"یہ لیجئے' چائے اور گاجر کے حلوے سے لطف اندوز ہوں۔"

"پھر کبھی سہی۔" وہ جانے کے لئے مڑنے لگا تھا۔

حانی نے خفگی سے وہیل چیئر کا رخ موڑا۔

"بھیا!" حانی نے خفگی سے وہیل چیئر کا رخ موڑا۔

"ایسے تو نہیں جانے دوں گی۔"

"ضد نہیں کرو گڑیا۔" وہ نرمی سے اس کا سر تھپتھپا کر بولا۔

"پھر آؤں گا۔"

"نہیں' چائے تو آپ کو پینا پڑے گی۔ ورنہ......" حانی ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا
رہا تھا۔ سنہری دھوپ نے چپکے سے نگاہ چرا لی تھی۔ بادل کے پردے نے سورج کو اوٹ میں کر لیا تھا۔
زرجان عباس نے دیکھا' بدلیاں تیزی سے ادھر ادھر تیرنے لگی تھیں۔ کرنیں ناراض ہو کر اپنے پروں کو
سمیٹ چکی تھیں۔ حریم جمال اٹھ کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ زرجان
چپ چاپ شرمندہ اور خجالت لئے حانی کو دیکھ کر نظر چرا گیا تھا۔ بولتی خاموشی تمسخرانہ ہنسنے لگی تھی۔

"حریم کا دل تو کسی اور کا اسیر ہے زرجان عباس! کیوں زیست جیسی قیمتی متاع لٹا رہے ہو۔"

............*

"زرجان! مما کی جان' کہاں ہو؟" فلک ناز ساڑھی کا پلو سنبھالے ایک ہاتھ سے کھٹا کھٹ لائٹس
آن کرتی مسلسل بولتے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہوئیں۔

"جی مما۔" وہ ماں کی پہلی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بے وقت کا سونا۔" فلک ناز حیران ہوئیں۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے زرجان۔" وہ اس کی پیشانی پر بکھرے بال نرمی سے سمیٹ کر پوچھنے لگیں۔

"سر میں درد تھا۔" وہ بھاری آواز میں بولا۔

"مجھے پتا چلا کہ تم میٹنگ ادھوری چھوڑ کر آ گئے ہو۔ میں بھی فائلیں بھاڑ میں جھونک کر آ گئی ہوں۔
پریشانی سے برا حال تھا۔" فلک ناز محبت سے گویا ہوئیں۔

"مما! آئی ہیو ناٹ بین فیلنگ ویل فار دی لاسٹ ون منتھ۔" اس کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔

"واٹ ہیپنڈ؟" وہ سچ مچ گھبرا گئیں۔

"کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ کیا ہے؟"

"مما! یوں لگتا ہے مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں' کسی دوا کی ضرورت نہیں۔" اس کا سر فلک ناز کی
گود میں تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔

"تم بہت کیئرلیس ہوتے جا رہے ہو زرجان۔"

"مما! میں فزیکلی فٹ ہوں۔" وہ آنکھیں ہولے ہولے دباتا بہت آہستگی سے بولا تھا۔ وہ اسی
طرح بولتا تھا' بہت نرم اور بہت ہی دھیما۔

"میری روح زخمی ہے مما' میرا دل زخمی ہے' اسے کسی بھی میڈیکل ٹریٹمنٹ کی ضرورت نہیں۔"

"پلیز زرجان!" انہوں نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"نکل آؤ اس غم کے قفس سے۔"

"مما! میں ایک بہت بڑے ٹرائل سے گزرا ہوں' گزر رہا ہوں' یہ امتحان کیوں طویل ہے' آزمائش کا کوئی خاتمہ نہیں ہے۔" اس کے دل سے درد کی ٹیسیں ابھرنے لگیں۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔" فلک ناز نے کہنا شروع کیا۔

"پتا ہے' میں کیا سوچتی ہوں۔" وہ جھک کر زرجان کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

"کیا؟" وہ حیران سا ماں کے چہرے کی طرف دیکھے گیا۔

"ایک جادوگر ہو' جو جادو کے زور پر تمہیں سرتاپا بدل دے۔ کیا ایسا ممکن ہے' پہلے جیسا ہنستا' زرجان میرے سامنے آ کھڑا ہو۔"

"میں جو ہوں' جیسا ہوں' اسی طرح رہوں گا' میرے دل کی کیفیت بدلنے کا کسی اور کے پاس نہیں' مما' مجھے ڈبل فیسڈ لوگوں سے نفرت ہے' میں مصنوعی مسکراہٹ سجا کر کسی کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔ یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔" اس کی آواز میں ذرا بھر لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔

"تم اپنی زندگی کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے' زرجان! وہ لڑکی۔" انہوں نے ایک موٹی سی گالی حریم کو دل ہی دل میں نوازا۔

"وہ لڑکی اپنا گھر بسا چکی ہے' مطمئن ہے' خوش ہے تو پھر۔" وہ لب بھینچے خاموش ہو گئیں۔

"تو میں کب گھر بسانے سے انکار کر رہا ہوں۔"

"رئیلی زرجان! تم شادی کے لئے تیار ہو۔" فلک ناز خوشی سے چیخ اٹھیں۔

"ہاں' شرط صرف اتنی ہے' کوئی اس جیسی ڈھونڈ لیں' وہ بے شک نہ ہو' مگر اس جیسی تو ہو' اس کا۔" وہ کسی حسین تصور میں لمحہ بھر کے لئے کھو گیا۔

"زرجان!" ان کی ساری خوشی ملیامیٹ ہو کر رہ گئی تھی' پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

"بنیامین...... پارٹی ارینج کر رہا ہے' یاور کے اعزاز میں' تم چلو گے؟" انہوں نے اپنے کزن کا ذکر لیا۔

"سوری مما!" وہ بے زاری سے بولا۔

"میرا موڈ نہیں' ہنگاموں سے نہ جانے کیوں طبیعت اوب گئی ہے۔"

"تمہارے لئے کیا لاؤں؟" دفعتاً خیال آنے پر وہ نرمی سے پوچھنے لگیں کہ اس سے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔

"واٹ ایور (کچھ بھی)۔"

"کافی' شیک' جوس' کیا منگواؤں؟"

"تو ان میں سے کچھ بھی نہیں۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کیا؟" فلک ناز نے تحمل سے پوچھا۔

"سویٹ میٹ میں کچھ بھی ہو۔"

"فرائی ایپلز۔"

"چلیں گے۔" وہ تکیے پر سر رکھے لیٹ گیا۔

"اوکے' اونلی دس منٹ ویٹ کرو' میں بہروز (شیف) سے کہتی ہوں' بلکہ خود بنا کر لاتی ہوں۔ بہت دن ہوئے تمہارے لئے اپنے ہاتھ سے ایک بھی ڈش نہیں بنائی۔"

"تھینکس مما!" وہ ماں کی محبت محسوس کرتا ایک دفعہ پھر نیند کی دیوی کو بلانا چاہ رہا تھا۔ جو یادوں کو سمیٹ کر لوری دے کے اسے گہری نیند سلا جاتی۔

............*

"ابھی نہیں' میری جان! میری گڑیا' کچھ اور انتظار کرو' صرف دو تین سال اور۔" فلک ناز اپنے شاندار آفس میں بیٹھی تھیں۔ وسیع و عریض گلاس ٹیبل پر لیپ ٹاپ' فائلیں' دو تین ٹیلی فون سیٹ' ان کا موبائل فون' سپر لگژری گاڑی کی چابیاں اور چائے کا مگ رکھا تھا۔ ٹھنڈی اور بے مزا چائے کا مگ۔ کچھ دیر پہلے انہیں چائے کی بہت طلب محسوس ہو رہی تھی' مگر اس وقت انہیں مگ کو لبوں سے لگانا بھی یاد نہیں رہا تھا۔ وہ سیل فون پر مصروف تھیں۔ وہ لفظوں سے کھیل رہی تھیں۔ انہیں لفظوں سے کھیلنا خوب آتا تھا۔ بزنس کی فیلڈ میں وہ ایک اس "گر" کو بھی اچھی طرح سے سیکھ گئی تھیں۔ بے شمار سال ہو گئے تھے' انہیں اپنے باپ اور شوہر کے بزنس کو سنبھالتے ہوئے' سپروائز کرتے ہوئے۔ دو کو چار بناتے ہوئے۔ اثاثے جمع کرتے' جائیدادیں بناتے۔ جمع' تفریق کرتے۔ ماہ و سال بس اسی گردش میں گزر گئے تھے۔ عمر رواں کا جوشیلا دریا اب پرسکون ہو رہا تھا۔ سبک خرام لہریں وقت کے بہت آگے چلے جانے سے آگاہ کرتی رہتی تھیں۔ جذباتیت' جوش اور غصے کی جگہ تحمل' بردباری اور تدبر نے باآسانی لے لی تھی۔ زندگی کے بہتے دریا میں اب روانی آ گئی تھی۔

فلک ناز کے باپ کے بزنس کو تینوں بیٹے اچھی طرح سنبھال چکے تھے۔ زمان' ذیشان اور زرجان نے بہت اچھی طرح اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

وہ اپنے شوہر کی پراپرٹی اور بزنس کو سپروائز کرتی تھیں۔ یہ کمپنی' دو فیکٹریاں' شوگر مل ان کی اکلوتی بیٹی کے نام قانونی طور پر منتقل ہو چکی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کے واپس آنے تک یہاں کا انتظام سنبھالے ہوئے تھیں۔ ان کی بیٹی بزنس ایڈمنسٹریشن میں کئی اعزازی ڈگریاں لے چکی تھی۔ اب ماں کے مجبور کرنے پر لندن کی برانچ کی ایڈمنسٹریٹر تھی۔

"ابھی اسے مزید اسٹیبلش ہونے میں دو تین سال لگ جائیں گے۔ تھوڑا سا اور انتظار کر لو۔" اب وہ الوداعی کلمات کہنے کے بعد فون بند کر چکی تھیں۔ ان کے چہرے پر تفکرات کا جال بنا تھا۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ بھرا بھرا سا۔ بے حد بے زار۔ نجانے کیوں' کچھ پل کے لئے انہیں ہر شئے سے اپنا دل اچاٹ ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ اسٹیٹس' جائیداد کسی چیز میں چارم محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی آواز' اس کا لہجہ' اس کے آنسو' ہنسی سب سماعتوں میں اتر رہے تھے۔ بہت کامیاب' ویل مینرڈ' ویل آف ایجوکیٹڈ' بہت اسٹرونگ' بے حد مضبوط' بالکل فولاد کی طرح محترمہ فلک ناز خود کو بھربھری ریت کی ایک ڈھیری محسوس کر رہی تھیں۔

ریت کی بکھری بکھری سی ڈھیری۔

…………*

"یہ سب مجھے اپنے باپ کی وراثت سے ملا ہے۔ بھوکے ننگوں پر نہیں لٹاؤں کی اپنی وراثتی دولت۔ جب جی چاہا جوائنٹ اکاؤنٹ سے رقم نکلوالی۔" وہ فون کان سے لگائے گرج برس رہی تھیں۔

"مگر بیگم صاحبہ! سائن تو چیک پر آپ نے کیئے تھے۔" ایئر پیس سے منیجر کی منمناتی آواز آئی۔

"ہنہ! مجھے کیا خبر تھی‘ وہ کمینہ بڈھا جناح ہسپتال میں ایڈمٹ ہے اور میرے احمق بیٹے کو دونوں ہاتھوں سے "لوٹا" جا رہا ہے۔" وہ دانت پیس کر پھنکاریں۔ عموماً وہ زرجان کے معاملات میں دخل نہیں دیتی تھیں۔ تاہم کچھ دنوں سے وہ نوٹ کر رہی تھیں کہ زرجان کی روٹین پھر سے ڈسٹرب ہے۔ شاید انہوں نے دھیان ہی اب دیا تھا۔ روٹین تو اس کی بہت پہلے سے ڈسٹرب ہو چکی تھی۔ جب دل کی دھڑکنوں نے اودھم مچایا تھا۔ ان کے خیال میں حریم کی شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا‘ مگر ان کے یہ خیالات اس وقت دم توڑ کر چڑھانے لگے تھے‘ جب انہیں خبر ہوئی کہ تمام دن زرجان اس بڈھے کے ساتھ ہسپتال میں برباد کر کے آیا ہے۔

فون پٹخ کر وہ سیڑھیاں اترتی سیدھی زرجان کے کمرے میں چلی آئیں۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ ماں کو دیکھ کر نرمی سے مسکرایا۔

"مما! آپ‘ کچھ کہنا ہے۔"

"کچھ نہیں‘ بہت کچھ کہنا ہے‘ مگر کیا کروں‘ بیٹے ہو‘ اولاد ہو میری‘ بے بس ہو جاتی ہوں۔" انہوں نے بھرائی آواز میں کہا۔

"جانتے ہو کب کب میں نے خود کو بے بس محسوس کیا ہے۔"

"مما" ٹائی کی ناٹ لگاتے زرجان کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔

"اس بات کو بھول جائیں۔"

"تم حریم کو بھول جاؤ۔" وہ تلخ لہجے میں بولیں۔

"ایسا ممکن نہیں۔" زرجان بے بسی سے قدرے رخ موڑ گیا۔

"تو میں کیسے اپنی انسلٹ بھول جاؤں‘ جو صرف تمہاری وجہ سے ہوئی۔" وہ چیخ پڑیں۔

"میری خاطر یہ زہر پی لیں۔" وہ نظریں چرا گیا۔

"اتنی پرانی بات تو نہیں‘ میں کیسے بھولوں‘ جب جب تمہیں حریم یاد آئے گی‘ ٹھیک اسی وقت‘ اسی گھڑی‘ اسی لمحے مجھے اپنی تمام تر بے عزتی پوری جزئیات سے یاد آنے لگے گی۔ فلم چل جائے گی میرے سامنے۔" فلک ناز ترخ کر بولیں۔

دفعتاً ان کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"کیوں نہ ایک ڈیل طے کر لیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"کیسی ڈیل؟" زرجان چونکا۔

"تم حریم کو بھول جاؤ‘ یوں سمجھو‘ اس نام کی کسی لڑکی کو جانتے تک نہیں۔ میں بھی سب بھلا دوں گی۔ اپنی اہانت کو‘ اس ذلت کو‘ بے تحاشا ذلت کو۔ رد کیئے جانے کے احساس کو۔"

"مما!" وہ ایک دم گھوم کر ان کی طرف پلٹا تھا۔

"آپ چاہتی ہیں‘ زرجان خود کو بھول جائے۔" اس کی آنکھوں میں سرخیاں اترنے لگیں۔

"آپ چاہتی ہیں‘ زرجان کا دل رک رک کر چلے یا پھر یکدم رک جائے۔ اس میں زندگی باقی نہ رہے۔ سانسوں کی یہ ڈور ٹوٹ جائے۔ زیست سے ربط نہ رہے۔ زرجان یکدم مر جائے‘ مٹی ہو جائے‘ اس کا دل دھڑکنا بھول جائے۔"

"زرجان!" فلک ناز دہل اٹھیں۔

"اللہ تم کو میری بھی عمر لگائے۔ کیوں جان نکالنا چاہتے ہو۔" وہ اپنی اولاد کے معاملے میں اسی طرح حساس تھیں اور زرجان سے تو انہیں بڑے دونوں بیٹوں سے زیادہ محبت تھی۔

"مجھ سے ہر موضوع پر بات کیا کریں۔ سوائے اس ایک ٹاپک کے۔ میں آپ کی ہر بات سنوں گا‘ سنتا رہوں گا۔ جب تک آپ کہیں گی‘ مگر مما! مجھے یوں مجبور مت کریں۔ یادوں کا چراغاں نہ چھینیں مجھ سے‘ میں سسک سسک کر مر جاؤں گا۔ یہ یادیں میرے لئے روشنی ہیں‘ اجالا ہیں۔ ان میں امید کے دیئے روشن ہیں۔ ان یادوں کے گلستان کے بغیر میرا دل ویران ہو جائے گا‘ اجڑ جائے گا‘ برباد ہو جائے گا اور ان یادوں میں بھلا ہے ہی کیا‘ نہ پریت‘ نہ سنگیت‘ نہ کوئی وعدہ‘ نہ قسم۔ بس ایک صورت بچی ہے‘ دل کے قصر میں جس کی موجودگی میری آتی جاتی سانسوں کی ضمانت ہے اور بس۔" اب وہ نرمی سے حلاوت سے مسکرا رہا تھا اور اس مسکراہٹ کی روشنی نے زرجان کے چہرے کو تابناکی بخش دی تھی۔ فلک ناز نے نظریں چرا لی تھیں۔ انہیں خوف سا محسوس ہوا تھا۔ زرجان کو ان کی اپنی نظر نہ لگ جائے۔

"اتنی محبت تھی تمہیں اس عام سی لڑکی سے۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں پوچھنے لگیں۔

"وہ عام نہیں تھی مما۔" زرجان نرمی سے بولا۔

"وہ بہت خاص ہے‘ بہت منفرد ہے۔ اگر اس جیسی کوئی ایک بھی اور ہوتی تو زرجان جیسا قناعت پسند اسی پر راضی ہو جاتا‘ مگر یہ دل نجانے کیوں صرف اسی کا اسیر ہے۔" بے بسی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

"اور اگر میں اس کے پیر پکڑ کر ہاتھ باندھے کھڑی ہو جاتی تو شاید۔"

"مما!" زرجان پوری جان سے کانپ گیا۔

"ایسا سوچا بھی کیوں آپ نے؟" وہ سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"آپ میری ماں ہیں‘ میرے لئے سب سے بلند‘ اعلیٰ‘ ارفع۔ میں آپ کو جھکا سکتا ہوں‘ کبھی نہیں‘ ہرگز نہیں اور پھر دل کے رشتے دل کی مرضی سے جوڑے جائیں تو حقیقی خوشی میسر آتی ہے۔ اس کا دل اول روز سے ہی میری طرف مائل نہیں تھا۔ یہ تو میں ہی بس……" وہ لب بھینچے گویا خود پر ضبط کے پہرے بٹھا رہا تھا۔

"اسی لئے تو کہتی ہوں‘ مٹی ڈالو اس حریم پر۔ ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی ہمارے سرکل میں موجود

ہے۔" فلک ناز پھر سے پرجوش ہوگئی تھیں۔

" پارٹی کیسی رہی؟" اس نے بات کا رخ بدل دیا تھا۔ فلک ناز سمجھ گئی تھیں کہ زرجان اس موضوع پر نہیں بولنا چاہتا۔

" فرسٹ کلاس۔" وہ خوشدلی سے بولیں۔

" بنیامین' بہت جینیرس ہے۔ اس کی طرف سے دی گئی اعزازی پارٹیز مدتوں یاد رہنے والی ہیں۔"

" جینیرس۔" زرجان تلخی سے مسکرایا۔

" کون سی سخاوت اور فیاضی دیکھ لی ہے آپ نے انکل میں' کسی یتیم کے سر پر دست شفقت ہے؟ کسی بیوہ کی کفالت کر رہے ہیں؟ کسی غریب کے گھر کا چولہا ان کے دم سے جلتا ہے؟ دولت دکھاوے کو" سخاوت" کا نام تو مت دیں۔"

" ہر کوئی تمہاری طرح سادہ دل نہیں ہوتا۔" انہوں نے" احمق" کہنے سے بمشکل خود کو روکا تھا۔

" اپنی محنت کی کمائی ادھر ادھر لٹانا کہاں کی عقلمندی ہے۔" انہوں نے بہت اطمینان سے زرجان کو" جتانے" کی کوشش کی تھی۔

" کب تک جائیں گی آفس۔" وہ بالوں میں برش کر کے پرفیوم اسپرے کر چکا تھا۔ بریف کیس میں فائلیں چیک کر کے وہ ایک دم اٹھا۔

" اتنی جلدی۔ ابھی تو ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔" فلک ناز نے بے ساختہ کلاک کی طرف دیکھا۔

" مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ ڈرائیور سے کہیں گاڑی نکالے۔"

" کہاں جانا ہے؟" وہ پوچھنا چاہتی تھیں' مگر لب بھینچے خاموش ہو گئیں۔ وہ بغیر ناشتا کیے چلا گیا۔ فلک ناز غصے سے تلملاتے ہوئے خود بھی گاڑی سمیت باہر آ گئیں۔ روڈ پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کی طرح ان کی سوچیں بے حد منتشر تھیں۔ ان کا رخ زمان کے گھر کی طرف تھا۔ بڑے دونوں بیٹے شادی کے بعد الگ رہتے تھے۔ ان دونوں کی شادیاں فلک ناز نے اپنے جیسے خاندان میں کی تھیں۔ دونوں بہوئیں ان کی پسند سے آئی تھیں۔

چوکیدار نے گاڑی دیکھ کر ہی گیٹ کے دونوں پٹ وا کر دیئے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ گاڑی سے باہر نکل آئیں۔ پورچ میں زمان کی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ ڈرائیور تندہی سے کار کو چمکانے میں مصروف تھا۔

زمان اور اس کی بیوی اینا مما کو صبح صبح آتے دیکھ کر چونک گئے۔

" مما! خیریت' مجھے بلوا لیا ہوتا۔" زمان نے فوراً اٹھ کر ماں کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔ اینا نے بھی کچھ اسی قسم کے لاڈ کو جتایا تھا۔ جواباً انہوں نے بھی مصنوعی محبت کا پرجوش مظاہرہ کیا۔

" تم سے کچھ کام تھا۔" وہ اینا کی طرف دیکھ کر مدھم آواز میں بولیں۔

" کیسا کام؟" زمان نے اینا کو جانے کا اشارہ کیا۔

" زرجان کی ان دنوں کیا مصروفیات ہیں؟"

" میں سمجھا نہیں۔" زمان واقعی حیران ہوا۔

" آفس میں اس کی کیا مصروفیات ہیں؟"

" آفس میں۔" زمان کچھ سوچتا ہوا بولا تھا۔ اگرچہ ان کا بزنس کمبائن تھا' مگر تین حصوں پر مشتمل تھا۔ عموماً وہ تینوں بھائی ایک دوسرے کے معاملات میں انٹرفیئر نہیں کرتے تھے۔ اسے ماں کا سوال الجھا گیا تھا۔

" کام کے علاوہ اور کیا مصروفیت ہوگی؟ ویسے بھی آپ تو جانتی ہیں' آفس اور گھر کے علاوہ اس کی تیسری مصروفیت کیا ہے؟ میرا خیال ہے وہ آفس ورک جس محنت' لگن اور ایمانداری سے کرتا ہے' اسی طرح "ان" لوگوں سے اس کے مراسم بھی پہلے کی طرح ہیں۔"

" میں یہ سب نہیں چاہتی۔" انہوں نے ترشی سے کہا۔

" آپ کے نہ چاہنے سے کیا فرق پڑے گا۔ وہ" بااختیار" ہے ہم اسے مجبور نہیں کر سکتے۔" زمان کا انداز ناصحانہ تھا۔

" مما! آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اس کی وجہ سے ٹینس مت ہوا کریں۔"

" وہ خود کو تباہ کرے اور میں خاموشی سے اسے تباہ ہوتا دیکھتی رہوں۔" ان کی ممتا تڑپ اٹھی۔

" زرجان بچہ نہیں۔ اپنے لئے درست فیصلہ کر سکتا ہے۔"

" تم دونوں اس کے بڑے بھائی ہو' سمجھاتے کیوں نہیں اسے۔" فلک ناز نے تلخی سے کہا۔

" سب اپنے لئے سوچتے ہیں۔"

" ہمارے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں' نہ ہی وہ ہماری بات کو کوئی اہمیت دے گا۔" زمان سچ کہہ رہا تھا' وہ نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں۔ پھر سیل فون کو کان سے لگا کر کلائی میں موجود نفیس سی رسٹ واچ پر وقت دیکھنے لگیں۔ ساڑھے دس بج چکے تھے۔ دوسری طرف پہلی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

" یس میڈم!"

" گلباز! صاحب آفس جانے سے پہلے کہاں گئے تھے؟" ان کے لہجے میں واضح ترشی تھی۔

" سوری میڈم! میں آپ کو بتانے کا پابند نہیں۔" گلباز کا انداز محتاط اور مؤدب تھا۔

" جسٹ شٹ اپ!" وہ یکدم دھاڑیں۔

" آئم سوری میڈم! آپ صاحب سے خود پوچھ لیجئے۔" گلباز خوفزدہ لہجے میں بولا۔ یقیناً اسے سختی سے تاکید کی گئی تھی اور وہ زرجان کا ڈرائیور تھا۔

" ہوں۔" انہوں نے ہنکارا ابھرا۔

" تم نہیں بتاؤ گے؟"

" میڈم" وہ منمنایا تھا۔

" صاحب غصہ کریں گے۔"

" اوکے۔" ان کے لہجے میں واضح پھنکار تھی۔ گلباز اس دھمکی کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"میڈم! صاحب حریم بی بی کے والد کو چیک اپ کروانے لے کر گئے تھے۔" گلباز نے ڈرتے ڈرتے بتا دیا۔

"ہوں۔" فلک ناز نے سیل فون کان سے ہٹا لیا تھا۔ اب وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو چکی تھیں۔ ان کی پیشانی ناگوار سلوٹوں سے لحہ بہ لحہ سج رہی تھی۔

............*

"تم نے ہمیشہ میرا دل دکھایا ہے زرجان۔"

"مما!" زرجان اس الزام پر ششدر رہ گیا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"میں نے تمہاری ہر بات مانی تھی۔ تمہاری خواہش کو مدنظر رکھ کر اس گھر میں قدم رکھا تھا' یہاں سے نکلتے ہوئے قسم کھائی تھی میں نے' کبھی پلٹ کر نہیں آؤں گی' پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گی۔ صرف تمہاری خوشی کے لئے' تمہاری "چاہ" کے لئے۔" وہ بہت بکھری بکھری لگ رہی تھیں۔

"میں وہاں گئی۔ تمہارے لئے اپنی جھولی پھیلائی۔ خود کو اپنے معیار سے نیچے کر لیا۔"

"میں مانتا ہوں مما!" زرجان کی آنکھیں جھک گئیں۔

"یہ سب نصیبوں کے کھیل ہیں۔"

"میں نے تمہاری ہر غلطی کو نظر انداز کیا۔ درگزر سے کام لیتی رہی۔ تم جمشید سے ملتے رہے تھے' اس کے مرنے سے پہلے کئی مرتبہ اس سے ملنے کے لئے مجھ سے پوچھے بغیر جاتے رہے۔ تم نے یہ نہ سوچا' اس آدمی نے تمہاری ماں کو ٹھکرایا تھا' دھتکار دیا تھا' توہین کی تھی میری۔ مجھ پر ایک کم ذات کو فوقیت دی۔ میرے دل کی پروا کئے بغیر باپ سے ملتے رہے۔ شکر ہے' جان چھوٹ گئی' مر گیا وہ اور مجھے بھی سکون کی گھڑیاں نصیب ہوئیں۔ ورنہ یہ دل جل جل کر سیاہ ہوتا تھا کہ میرا زرجان اس بے غیرت آدمی کے پاس جا بیٹھے گا۔ اس کے سینے سے لگے گا۔ اسے اپنا قرب بخشے گا۔ اس کے دل کو نزع کی آخری گھڑیوں میں میسر آئے یہ میرے دل کو گوارا نہیں تھا' مگر میں نے تمہیں نہیں روکا۔" وہ شاید غصہ یا آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ کچھ پل کے لئے خاموش ہو گئی تھیں۔ زرجان کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔

"وہ دو ٹکے کا آدمی' جس سے میرے باپ نے زبردستی شادی کروا دی تھی۔ بہت احسان فراموش نکلا۔ مجھے دھتکارتا رہا' اذیت دیتا رہا۔ تم تینوں کو میری دہلیز پر پھینک کر چلا گیا۔ کیا وہ اس قابل تھا کہ اس کے جنازے کو تمہارے جیسے بیٹے کاندھا دیتے۔ اس کی سزا تو یہی تھی کہ آخری وقت میں تڑپ تڑپ کر مر جاتا' مگر تم نے ایسا نہیں ہونے دیا۔" ان کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔

"مما! وہ کوئی غیر نہیں تھے۔ خون کا تعلق تھا ہمارا ان کے ساتھ۔ انہوں نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا تھا وہ ان کا عمل تھا' جو میں نے کیا وہ میرا فرض تھا۔ وہ اپنے حصے کے کچھ دن' کچھ گھڑیاں' کچھ ساعتیں اللہ سے مانگ رہے تھے۔ وہ اپنے کسی ایک بیٹے کا آخری دیدار کرنا چاہتے تھے۔ اسے گلے لگانا چاہتے تھے۔ اپنی روح کو تقویت دینا چاہتے تھے۔ میں نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی تھی۔

کچھ غلط نہیں کیا مما! آپ کو کیا خبر' ان کا آخری بوسہ میرے ماتھے پر' میری پیشانی پر اپنی حرارت چھوڑ گیا تھا۔ ابھی تک اس محبت کی تپش' نرماہٹ اور گرمی اپنی پیشانی پر محسوس کرتا ہوں۔ میری محرومیوں کا سفر ان کے بیمار' بوڑھے وجود کو دیکھ کر ختم ہو گیا تھا مما! آپ کو بھلا کیا خبر؟" وہ محض سوچتا رہ گیا۔

"اس کی خدمت کرتے رہے۔ وہ مر گیا تو اسے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ اسے خود دفنا کر آئے۔ ابھی تک اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتے ہو' گلاب کے پھول ڈال کر آتے ہو۔ کیا وہ اسی قابل تھا؟" وہ نہ جانے کتنے سالوں کا جوار بھاٹا نکال دینا چاہتی تھیں۔

"وہ آپ کے مجرم تھے' ہمارے مجرم تھے۔ میں مانتا ہوں مگر وہ ہماری پہچان بھی تو تھے۔"

"کیسی پہچان؟" وہ غصے سے چیخ پڑیں۔

"یہ پہچان' یہ نام' یہ مرتبے...... میرے باپ کے طفیل تمہیں ملے ہیں۔ اس میں جمشید کا ذرہ بھر دخل نہیں' وہ تو خود بے نام و نشان تھا' جسے شاید اس کے محلے والے بھی نہ جانتے ہوں گے۔" ان کے لفظ لفظ میں تلخی کی بو رچی تھی۔

"ایک عورت کے عشق میں ہاتھ آئی نعمتوں کو ٹھکراتا رہا تھا بد بخت۔"

"پلیز مما!" زرجان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تلخ لہجے میں کہا۔

"ایک شخص جو اس دنیا میں نہیں رہا۔ کم از کم اس کے بارے میں اتنے ترش الفاظ مت کہیں' مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"بہت نفرت کرتی رہی ہوں میں اس آدمی سے۔ ابھی تک میرے دل میں اس کے لئے اور اس سے وابستہ رشتوں کے لئے نفرت موجود ہے۔ اگر کوئی میرے اور میرے بچوں کی محبت کے درمیان آیا تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

"مما! ایک بات آپ تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں۔" نجانے کیوں زرجان کے لبوں پر مسکراہٹ نے جھلک دکھائی تھی۔

"کیسی بات۔" وہ کچھ حیران ہوئیں۔

"یہی کہ آپ کی اس محبت کو اور بھی بہت سے لوگوں نے شیئر کر لیا ہے۔ آپ کی "توجہ" اور "سوچ" وہاں تک سفر نہیں کرتی' مقام حیرت۔" زرجان اب کھل کر مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔"

"زمان بھائی کے بیوی بچے' ذیشان بھائی کی فیملی۔"

"وہ میرے بچوں کے بچے ہیں۔ خدانخواستہ میں کیوں ان کے بارے میں ایسا سوچوں گی۔ تم بھی نا زرجان۔" وہ کافی خفگی سے کہہ رہی تھیں۔

"اینا اور سومی کو میں اپنی پسند سے لائی ہوں۔"

"میں کلب جا رہا ہوں۔ کیا پروگرام ہے آپ کا۔ ڈنر اکٹھے نہ کر لیا جائے۔" وہ جان بوجھ کر بات بدل کر جاگرز کسنے لگا تھا۔

"وائے ناٹ۔" وہ کھل اٹھی۔

"آٹھ بجے تک ریڈی ہو جایئے گا۔ ڈریسنگ شاندار ہونی چاہیے۔" وہ پلٹ کر شرارت سے بو

"اوکے۔" وہ ایک پلان ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے مسکرائی تھیں۔ ان کا ذہن تیزی سے سر عمل تھا۔

............*

پیکنگ تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اس نے کپڑے بھی چینج کر لیے تھے۔ اب صرف ماہیر کا انتظار کر تھا۔ وہ رات کے لئے کھانا بھی بنا چکی تھی۔ کپڑے بھی پریس کر دیئے تھے۔ کچھ دیر بعد ماہیر آ گیا دونوں اکٹھے نیچے آئے تھے۔ راحت بیگم کا موڈ قدرے برہم تھا۔

کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ پھر وہ امی کو اللہ حافظ کہہ کر باہر آ گئے تھے۔ ٹیکسی منتظر کھڑی تھی نے صرف اتنا کہا۔

"ساتھ خیریت سے واپس آؤ۔"

ماہیر کے ہمراہ حریم کا یہ پہلا طویل سفر تھا اور وہ بہت خوش تھی' بہت سرشار تھی۔ امی کے رویے پر کڑھنے کے بجائے ماہیر کی ہمراہی کو محسوس کر رہی تھی۔ خالہ کو حانی نے اطلاع کر دی تھی۔ وہ ان کی تھیں۔ ان کے بچے بھی بہت پرجوش تھے۔ ان کا جوش' خوشی چہروں سے رویوں سے صاف دکھائی د تھا۔

اس قدر والہانہ اور پرجوش استقبال کی تو ماہیر کو بھی شاید امید نہیں تھی۔ خالہ کا گھر آئی ٹین ٹو میں وہ اپنی گاڑی میں انہیں لینے آئی تھیں۔ بڑا بیٹا محسن ساتھ تھا۔ گھر میں مہک اور محبّ ان کے منتظر تھے پچھلے سال انتقال ہو گیا تھا۔ خالہ ایک مقامی کالج میں لیکچرار تھیں۔ ڈبل اسٹوری چھوٹا سا خوبصورت خالہ کی محنتوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

محبّ اور مہک نے سرخ گلابوں کا گلدستہ انہیں تھمایا تھا۔ اس محبت اور اپنائیت نے حریم کی آنکھ بھگو ڈالا۔

"یہ میری کاوشوں کا نتیجہ ہے۔" محبّ اس کے کان میں گھسا جا رہا تھا۔

"جھوٹا' بے ایمان۔ سارا کریڈٹ' ساری تعریف خود بٹورنے لگا ہے۔" مہک اسے سر دیکھ کر چیخی۔

"میں نے جو پھول توڑتے ہوئے اتنے کانٹے چبھوئے ہیں' یہ دیکھئے میرے ہاتھ۔" اس نے ہاتھ حریم کے سامنے پھیلا دیئے۔

"کیوں اتنا تردد کیا ہے۔ اگر زیادہ زخم ہو جاتے تو پھر۔"

"آپی! زخم اس خوشی سے بڑے نہیں ہیں' جو آپ کو دیکھ کر ہمارے دل محسوس کر رہے ہیں۔" نے اس سے لپٹ کر کہا۔

"تو اور کیا۔ ہم نے آپ کا کتنا انتظار کیا تھا۔ اتنا' اتنا' اتنا۔" محبّ نے دونوں بازو پھیلا کر بتا

محبّ اور مہک بالترتیب یونیورسٹی کالج اور سکول میں زیر تعلیم تھے۔

"امی نے ہمیں بتایا تھا آپ سب سے پہلے ہمارے گھر آئیں گی۔ اس وقت سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" محبّ نے خوشی سے چہکتے ہوئے بتایا۔

"باتیں ہوتی رہیں گی۔ یہ بچے تو تمہارا دماغ چاٹ لیں گے حریم! پہلے فریش ہو کر کھانا کھا لو۔" خالہ کفگیر پکڑے کچن سے باہر آئیں۔ مہک نے لپک جھپک کر برتن میز پر لگا دیئے تھے۔

"آپ نہا لیں۔" حریم' ماہیر کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو کہ محسن سے باتوں میں مصروف تھا۔

"کپڑے نکال دو۔" وہ اٹھ کر مہک کے پیچھے چلا گیا تھا۔ حریم نے بھی ان کی پیروی کی۔ محبّ اور محسن کچن سے ڈشز میں مختلف چیزیں نکال نکال کر میز پر سجا رہے تھے۔

بچوں کی نوک جھوک کے درمیان بہت خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا۔ اتنے عرصے بعد گھریلو پرسکون ماحول میسر آیا تھا اور یہی خوشگواریت ماہیر کے پورے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔ رات کو نرم گرم بستر پر لیٹتے ہی حریم کو نیند کے میٹھے جھونکوں نے آن دبوچا۔

"حریم! حریم۔" ماہیر اسے بہت قریب سے پکار رہا تھا۔

"جی۔" وہ غنودگی میں بولی تھی۔ محض ہونٹ "ہوں" کے انداز میں پھڑپھڑا کر رہ گئے تھے۔

"حریم جان! ذرا آنکھیں کھول کر بات تو سنو۔" وہ اس کے گال نرمی سے تھپتھپاتا بول رہا تھا۔

"سن رہی ہوں۔" اس نے آنکھیں موندے موندے جواب دیا۔

"اٹھو نا یار!" ماہیر نے زبردستی اسے اٹھا کر بیٹھا دیا تھا۔

"فرمایئے۔" وہ بال سمیٹتے ہوئے جمائی روکنے لگی۔

"یہاں سونے کے لئے آئی ہو۔"

"تو۔" حریم حیران ہوئی۔

"سونا ہی تھا تو گھر میں رہ لیتیں۔"

"گھر میں نیند کہاں پوری ہوتی ہے؟" وہ تکیے پر سر رکھے لیٹ گئی۔

"یہاں جی بھر کر نیند پوری کر لو۔ اسی مقصد کے لئے تمہیں لایا ہوں۔" ماہیر نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ذرا شرم کا دامن بھی تھام لیا کریں۔"

"یہ شعبہ تو تم سنبھالے ہوئے ہو۔ ابھی تک لال ٹماٹر ہو جاتی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"کتنا سکون ہے یہاں۔"

"سکون "دل" میں ہوتا ہے۔ خوشی بھی دل محسوس کرتا ہے۔ اندر کا موسم خوشگوار ہو تو باہر کے سارے موسم پُرفریب لگتے ہیں۔" حریم نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دل اس وقت کیا محسوس کر رہا ہے۔" وہ دونوں ہاتھ اوپر کئے اس کے چہرے کو تھامے نرمی

سے شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا دل۔" حریم نے ہنسی دبائی۔

"میرا دل میرے پاس کہاں ہے؟"

"تو پھر کہاں ہے؟"

"آپ کے پاس۔" حریم نے اس کی پیشانی پر ٹھوڑی ٹکا کر کہا۔

"ہوں۔" ماہیر نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"یہاں ہے تو محفوظ ہے، اسے یہیں رہنے دو۔ ہمیشہ کے لئے مطمئن اور پرسکون رہے گا۔"

"اور ساتھ آپ کے دل کو بھی پرسکون رکھے گا۔ تنہا بے چارا گھبرا رہا تھا نا۔ اسی لئے میں نے بھی آپ کو دے دیا ہے۔"

"تھینکس۔" وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے دباتے ہوئے بولا۔

"تھینکس اگین۔"

"کس بات کا۔" حریم حیران ہوئی۔

"ہمارے بے چارے، مسکین، غریب اور تنہا سے دل کے احساس کرنے کا۔" اس کی آنکھوں سے شرارت مچل رہی تھی۔

"آپ کے تھینکس کا تھینکس۔" حریم کے روم روم سے سرشاری پھوٹنے لگی تھی، اوس میں بھیگی بھی چپکے سے خاموشی سے مسکرا دی۔

اگلی صبح اور بھی چمکیلی اور روشن تھی۔ کم از کم حریم کو اس صبح کے حسن نے مدہوش کر دیا تھا۔

"ماہیر! دیکھیں نا، کتنی حسین صبح منتظر ہے۔" وہ پردے گلاس ونڈو سے ہٹا کر ماہیر تک آئی تھی۔

"کس کی منتظر ہے۔" وہ بھاری آواز میں بولا۔

"آپ کے ایک نظر دیکھ لینے کی۔" وہ اس کا کندھا ہلاتے ہوئے جگانے کی کوشش کرنے لگی۔

"میری صبح میرے پاس ہے، مجھے ان آتی جاتی صبحوں سے کیا لینا دینا۔" وہ تکیے میں منہ گھسانے لگا۔

"ماہیر! اٹھیے نا، بچے بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔ محب تو دو مرتبہ جگانے کی کوشش کر کے ناکام گیا ہے۔" اس نے کمبل کھینچ کر تہہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"سونے دو یار!" ماہیر نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے کمبل کھینچ لیا تھا۔

"بلکہ تم بھی کمبل کے ساتھ ہی آ جاؤ۔" اس کا دوسرا ہاتھ ماہیر نے تھام کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

"آٹھ بج چکے ہیں۔" حریم کی نظریں کلاک پر تھیں۔

"روزانہ ہی بجتے ہیں۔"

"سوتے رہیں۔" اسے غصہ آ گیا۔

"نا...... نا، بھئی! ناراض نہیں ہونا۔" وہ کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔

"تمہاری ناراضگی کی گٹھڑی بھلا میں اٹھا سکتا ہوں۔"

"میرے سر پر رکھ دیجئے گا، ماہیر بھائی! میں ناراضگی کی گٹھڑی بخوشی اٹھا لوں گا۔ آپ ذرا ناشتے کی میز تک آ جائیے۔" محسن ناک کر کے اندر منہ گھسا کے بولا تھا۔

"دھت تیرے کی۔" ماہیر کو اٹھنا ہی پڑا۔

"آتا ہوں یار۔"

"آپ کی بیگم کو لے کر جاؤں گا، تب ہی آپ باہر تشریف لائیں گے، چلئے حریم آپی۔" محسن نے کمبل سمیٹتی حریم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"آپ کے اعزاز میں کالج سے چھٹی ماری ہے، آج کا پورا دن آپ کے نام۔"

"اس احسان عظیم کا ٹکڑا بھی میں اور حریم اٹھا نہیں پائیں گے۔" ماہیر شرارت بھرے انداز میں بولا۔

"اس ٹکڑے کو بھی میرے ناتواں کندھے اٹھائیں گے۔ آپ دس منٹ میں آ جائیے۔ پھر سڑکوں کو روندنے نکل جائیں گے۔"

"میں ابھی آیا، تم حریم کو یہیں چھوڑ جاؤ۔" وہ واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

"حریم آپی یہیں آپ کی منتظر رہیں گی۔ آپ دو منٹ میں تشریف لے آئیے گا۔" محسن مزے سے کہنے لگا۔

"چلئے آپی!" ماہیر کے جاتے ہی محسن شرارتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم جاؤ، میں اور ماہیر آتے ہیں۔"

"او...... ہوں لگتا ہے معاملہ دونوں طرف ایک ہی جیسا ہے، برابر، برابر۔" وہ سر دھننے لگا۔

"محبت کرنے والوں کی میں بہت قدر کرتا ہوں۔"

"خود جو ناکام عاشق ہو اس لئے۔" محب بھی بدلہ چکانے فوراً آیا تھا۔

"مہمانوں کو اپنی اوقات مت دکھانا۔" مہک جلبلاتے ہوئے بولی تھی اور پھر ان سب کے قہقہوں سے فضا مہک اٹھی۔

............*

صرف چھ دنوں میں وہ اسلام آباد کا چپا چپا گھوم چکے تھے۔ آج ان کا پروگرام مہک کی پھوپھو کے گھر جانے کا تھا۔

انہوں نے صبح صبح ہی رخت سفر باندھ لیا تھا۔ صرف تین گھنٹے بعد وہ ایک خوبصورت پہاڑی گاؤں میں داخل ہو رہے تھے۔ حسین سرسبز مرغزاروں سے سجا یہ گاؤں قدرت کی صناعی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ خوش خرام ندیاں، بہتے جھرنے، سرمست دریا، بہت دلربا وادی تھی۔ پھلوں سے لدے پھندے باغات۔

دوپہر کا کھانا بہت لذیذ تھا۔ پھوپھو بہت سادہ طبیعت کی پرخلوص خاتون تھیں۔ انہوں نے چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔

سہ پہر کے وقت ان سب نے گاؤں کی جھیل دیکھنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ ماہیر کا ارادہ آرام کر
تھا' وہ کافی تھک چکا تھا۔ البتہ بچوں نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔

اس وقت وہ جھیل کے کنارے بیٹھے سرخ سرخ تازہ امرود کھا رہے تھے۔

'' اس پہاڑی پر ایک مزار ہے۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں' اس گاؤں میں داخل ہونے والا اگر
کوئی دعا مانگے تو جلد قبول ہوگی۔'' محسن من گھڑت قصے سنانے لگا تھا۔

'' آپی! ہم بھی دعا مانگیں۔'' مہک مچل اٹھی۔

'' صرف دعا نہیں کرنی' سرخ رنگ کا دوپٹہ بھی وہاں رکھنا ہے۔ یہ اپنا دوپٹہ وہاں رکھ دینا۔'' محسن
مہک کو چھیڑا۔

'' رکھ دوں گی۔''

'' خود کیا بغیر دوپٹے کے گھر جاؤ گی۔'' محبت نے سمجھداری کا مظاہرہ کیا۔

'' آپی کی شال ہے نا۔'' مہک بہت مچل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حریم بھی نیم رضامند ہوگئی۔

'' آپ کیا دعا مانگیں گی آپی! ماہیر بھائی تو آپ کو مل چکے۔'' محسن اسے چھیڑ رہا تھا۔

'' تمہاری شادی کے سلسلے میں دعا مانگیں گی۔ جلد از جلد کوئی چڑیل تمہاری زندگی میں شامل
جائے۔'' محبت نے محسن کو چڑایا۔

'' یہ بات ہے' پھر تو میں آپ کو ضرور مزار پر لے کر جاؤں گا۔ آپی! میرے لئے خاص الخاص
کرنا۔'' محسن اس کے کان میں گھس گیا۔

'' آپی! میرے لئے بھی۔'' محبت بھی ٹھنکا۔

'' تمہارے لئے کیا مانگوں۔'' حریم شرارت سے ہنسی۔

'' محسن کی طرح ایک چڑیل میری زندگی میں بھی شامل ہو جائے۔'' محبت سرگوشیانہ بولا۔ کچھ
پر ماہیر' خالہ کے ساتھ نہ جانے کس مسئلے میں الجھا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے۔ انہیں اٹھ کر
ہموار سڑک کی طرف جاتا دیکھ کر ماہیر اونچی آواز میں بولا۔

'' کہاں جا رہے ہو؟''

'' اس مزار تک۔'' حریم کی بجائے محسن نے قدرے دور سفید جھنڈے والے مزار کی طرف
کیا۔

'' کیا کرنے۔'' ماہیر کی بازگشت سنائی دی۔

'' یہ سیکرٹ ہے۔'' محسن دور سے چہکا۔

'' حریم! تم مت جاؤ۔'' ماہیر بلند آواز میں بولا تھا۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر چلے گئے تھے
ناسمجھی کے عالم میں پلٹی۔

'' ماہیر کچھ کہہ رہے ہیں۔'' حریم نے محسن سے تصدیق چاہی۔

'' نہیں آپی! کچھ بھی نہیں کہہ رہے۔'' مہک کو مزار تک پہنچنے کی جلدی تھی۔ وہ میٹرک میں پڑھ

آنے کی دعا کرنا چاہتی تھی۔

'' حریم! میں کہہ رہا ہوں واپس آؤ۔'' اب تو خالہ بھی انہیں اشارے سے بلا رہی تھیں۔ بلندی پر ہونے کی وجہ سے ماہیر اور خالہ اور بھی دور دکھائی دے رہے تھے۔

'' آیئے نا آپی!'' مہک اس کا ہاتھ تھام کر بلندی کی طرف چڑھنے لگی۔ راستہ ہموار تھا' بلکہ بہت اچھی سڑک مزار تک تعمیر کرائی گئی تھی' تاکہ آنے جانے والے عقیدت مندوں کے لئے آسانی رہے۔

انہوں نے مزار کی عمارت میں داخل ہو کر دعا بھی مانگ لی تھی۔ دوپٹہ بھی اسی رسی کے ساتھ باندھ دیا۔

حریم بہت تھک گئی تھی۔ اس کا سانس پھول گیا تھا' مگر وہ جلد از جلد نیچے جانا چاہتی تھی۔ اسے ماہیر کی بات سننے کی جلدی تھی' نہ جانے ماہیر کیا کہہ رہے تھے۔ وہ سوچتے ہوئے اپنے دھیان میں مگن چل رہی تھی' جب کوئی چھوٹی سی پرندہ نما چیز اس کے سر سے ٹکرائی تھی۔ حریم کے لبوں سے بے ساختہ چیخ نما آواز برآمد ہوئی۔ اسی اثناء میں پرندوں کا پورا جھنڈ غل غپاڑہ مچاتا ان کے سروں پر سے گزرا تھا۔ مہک بھی خوف زدہ ہو کر چیخنے لگی تھی۔ مہک کی چیخوں سے گھبرا کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا' نہ جانے کیسے اس کا پاؤں رپٹ گیا تھا۔ شاید کوئی پتھر جوتی کے نیچے آکر پھسل گیا تھا۔ بس لمحوں کا کھیل تھا۔ حریم لڑھکتی ہوئی دور بہت دور تک چیختی چلاتی' آوازیں دیتی ایک چھوٹی سی کھائی میں جا گری۔ مہک اور محسن کے دل گویا لمحہ بھر کے لئے دھڑکنا بھول گئے۔ ان کی دردناک چیخوں کی آوازوں سے یہ چھوٹی سی بستی تھرا اٹھی۔

............*

ڈھلوانی سطح سے چودہ فٹ گہری کھائی دور سے ہی دہشت میں مبتلا کر دیتی تھی' جس جگہ کھڑے تھے۔ وہاں سے یہ گڑھا اتنا گہرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تاہم ان سب نے بھی ماہیر کی پیروی ہوئے بغیر سوچے سمجھے چھلانگیں مار دی تھیں۔ اب وہ گڑھے کے عین اوپر کناروں پر کھڑے تھے۔ پھوس اور جنگلی پھولوں سے اٹی یہ کھائی دیکھنے میں اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان پھولوں کے کنج کے نیچے گڑھا ہے۔ مقامی لوگوں نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ یا پھر اس وادی میں بے شمار جابجا اور کھائیاں موجود تھیں۔

ہری بھری نوکیلی گھاس اور جنگلی پھولوں نے کھائی کو پہلے کی طرح چھپا لیا تھا۔ انہیں حریم کی سسکی نما آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان کے چیخنے چلانے اور شور مچانے کے باوجود کہیں سے آواز تک سماعتوں میں نہیں اتر رہی تھی۔

"حریم۔ حریم!" ماہیر دیوانوں کی طرح آوازیں دیتا' پتھروں کو ہاتھوں سے ہٹاتا' گھاس نوچتا مسلسل حریم کو آوازیں دے رہا تھا۔ یہی حال محسن اور محب کا تھا۔ وہ بھی برابر مٹی کے ٹیلوں کو سے ہٹاتے چیخ رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر مہک کھڑی زاروقطار رو رہی تھی۔ خالہ سڑک کے میں بے دم سی بیٹھی مسلسل کوئی ورد پڑھ رہی تھیں۔ ان کے آنسو ایک روانی سے چہرے پر پھسل رہے لمبی لمبی گھاس ہٹ چکی تھی۔ مدھم پڑتی روشنی نے وادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سورج کے قریب تھا۔ شام جا رہی تھی' رات آ رہی تھی۔ وحشت زدہ سے سناٹوں میں ان کی کرب میں ڈوبی دور دور تک گونج رہی تھیں۔

"حریم! حریم! بولتی کیوں نہیں ہو۔ بولو حریم! بولو' آواز دو۔" حریم کی سیاہ شال میں لپٹا بے حس و حرکت پڑا تھا۔ ساکن' بے دم' خاموش۔

"آپی بے ہوش ہوگئی ہیں۔" محسن نے سوکھے حلق کو ہاتھ سے دبا کر بھرائی آواز میں کہا گڑھے میں اتر گیا تھا۔ حریم...... بے ہوش تھی یا اس کی سانسیں بند ہو چکی تھیں۔ ماہیر کو گھبراہٹ شاک کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پیر کسی نرم بہت نرم چیز کو محسوس کر رہے تھے۔ حریم میں اٹھا کر باہر نکالنے سے پہلے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ نرم سی چیز کیا ہے۔ پتھریلی کھائی میں کی موجودگی حیرانی کا باعث تھی۔ تاہم ایک اطمینان تو تھا کہ حریم گرنے کے بعد کسی نوکیلے پتھر ٹکرائی اس کا پورا وجود سرخ ابلتے خون سے شرابور تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ خون حریم کے

کس کس حصے میں سے نکل رہا ہے۔ اس کے بال' سر' ماتھا تازہ خون سے تر بتر تھا۔

گاڑی تک پہنچنا گویا قیامت کا سفر تھا۔ حریم کو دیکھ کر خالہ تو بالکل ہاتھ پیر چھوڑ چکی تھیں۔ محسن اور محب نے انہیں بمشکل سنبھالا تھا۔

"آپی کو شہر لے چلتے ہیں۔"

"نہیں ماہیر! مقامی ہسپتال لے چلو۔ پہلے کچھ ٹریٹمنٹ تو ہو' شہر تو بہت دور ہے۔" خالہ حریم کا سر اپنی گود میں رکھے دوپٹے کے پلو سے بہتا خون جذب کرتی رندھی آواز میں بولیں۔

"اگر مزار پر نہ جاتے تو آپی گرتی بھی نہیں۔" مہک کو اپنی ضد سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہی تو زبردستی انہیں مزار تک لے گئی تھی۔

"تمہیں جنون چڑھا تھا' پہاڑی پر چڑھنے کا۔" محب کا بس نہیں چل رہا تھا' ورنہ مہک کی گردن ہی مروڑ دیتا۔

"کیا خبر تھی' یہ حادثہ پیش آ جائے گا۔ یہاں آنے کی بھلا ضرورت ہی کیا تھی۔" محسن کا ملال بھی کسی طور پر کم نہیں ہو رہا تھا۔

"بک بک نہ کرو' بس دعا مانگو' اللہ حریم کو صحت دے' زندگی دے۔" خالہ کو حریم کی کنڈیشن کا اندازہ تھا۔ اسی لئے ان کی فکر اور پریشانی کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ماہیر ہونٹ بھینچے بہت رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بیک وقت کئی رنگ آ رہے تھے' غم' فکر' پریشانی' صدمے اور غصے کے رنگ۔

ہسپتال کے پھاٹک پر گاڑی رک چکی تھی۔ ماہیر کو امید تو نہیں تھی ڈاکٹر کی موجودگی کی' تاہم وہ خدا پر بھروسہ رکھے ایمرجنسی اطلاع اندر بھیج چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ہسپتال کا عملہ الرٹ ہو گیا۔ اسٹریچر پر بے جان سی حریم کو ڈال کر طویل راہداری کی طرف لے گئے تھے۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں گم اعصاب شکن لمحات کے زیر اثر بے دم سے کوریڈور میں رکھے بنچ پر بیٹھ گئے۔

"میں نے روکا بھی تھا پھر بھی......" وہ یخ دیوار سے سر ٹکائے اپنی بازگشت کو سننے لگا۔

"کیا ضرورت تھی اسے جانتے بوجھتے پہاڑ پر چڑھنے کی۔"

"اسے تقدیر کہتے ہیں بیٹے؟" خالہ تسبیح ہاتھ میں لئے ماہیر کے برابر بیٹھ کر نرمی سے بولیں۔

"خالہ! ہم یہاں نہ آتے' گھر سے ہی نہ آتے۔ حریم کے ساتھ یہ حادثہ پیش نہ آتا۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلنے لگی تھی۔ بہت ضبط کے باوجود سرخ آنکھوں سے دو قطرے گر پڑے تھے۔

"جو لوح محفوظ میں اول روز سے لکھا جا چکا ہے' اسے ہو کر رہنا ہے۔ ہم مسلمان ہیں' ہمارا عقیدہ مضبوط ہے بیٹے! یہ تکلیف' یہ صدمہ' یہ پریشانی حریم کے نصیب میں لکھی جا چکی تھی۔ اپنے حصے کی اس تکلیف کو اس مقام پر' اس جگہ پر کھینچ لانے والی قوت کا نام ہی تقدیر ہے۔ حریم کو یہ درد' یہ صدمہ سہنا ہی تھا۔ یہ کرب اس کے نصیب میں تھا۔"

"امی نے روکا بھی تھا' مگر میں......" وہ ہونٹ کچلتا' شاید ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

"یہ امی کی نافرمانی کا صلہ ہے۔" اس کا ذہن ایک نقطے پر منجمد ہو چکا تھا۔ خالہ نے گہری طویل

سانس کھینچی تھی۔ وہ حریم کے گھر کے بہت سے حالات سے واقف ہو چکی تھیں۔ وہ حریم کے ضبط اور
بھی واقف تھیں؛ یہ بھی جانتی تھیں کہ ان کی بھانجی برداشت کی بہت قوت رکھتی ہے۔ یہ حادثہ
نافرمانی سے منسوب کر چکا تھا۔ یقیناً اس کی ماں بھی یہی ارشادات جاری کرے گی۔ وہ نہیں جانتی تھیں
میں آنے کے بعد حریم کو اس اذیت سے بھی بڑے بڑے طوفانوں سے گزرنا پڑے گا۔

"آپ مریضہ کے شوہر ہیں۔" ایک نرس عجلت میں ان کے قریب آ رکی۔ وہ دونوں ہی سوچ
کرب ناک بھنور سے نکلے۔

"جی۔" ماہیر ایک دم بنچ سے اٹھ گیا۔

"آپ کو ڈاکٹر صاحبہ بلا رہی ہیں۔" نرس کسی اور راہداری کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ماہیر اٹھ کر
کے کمرے میں ایک اور نرس کی ہمراہی میں آ گیا۔ ڈاکٹر نے نرس سے بھی زیادہ عجلت کا مظاہرہ کیا۔

"مریضہ کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ بلیڈنگ البتہ روک دی گئی ہے۔ بینڈیج بھی کر دی ہے۔
مشورہ تو یہ ہے کہ آپ فوراً مریضہ کو بڑے ہسپتال لے جائیں۔ سیزیرین ہوگا۔ بہتر یہی ہے آپریشن
ذریعے قبل از وقت ڈلیوری کر دی جائے۔ ورنہ شاید ماں اور بچے میں سے کسی ایک کو بھی نہیں بچایا جا
گا۔ آج کل کی لڑکیاں احتیاط سے کام نہیں لیتیں۔ کیا ضرورت تھی سیڑھیاں اترنے کی۔" ڈاکٹر کو خالہ
شاید یہی بتایا تھا۔ ماہیر کے قدموں میں پھر سے لڑکھڑاہٹ آ گئی۔ پریشانی اور تفکر نے ایک دفعہ پھر
آنکھوں کی سطح نم کر دی تھی۔

دو گھنٹے بعد وہ اسلام آباد کے ایک پرائیویٹ ہسپتال کے کوریڈور میں کھڑے تھے۔ ڈاکٹر اتنا
کیس لے ہی نہیں رہی تھی۔ اس نے گویا آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

"مجھے کیا پتا' پہلے کیا ٹریٹمنٹ دی گئی ہے۔ ویکلی چیک اپ کی رپورٹس اور متعلقہ ٹیسٹ کی رپورٹ
دکھائیے۔ پہلے کون سی ڈاکٹر چیک اپ کرتی رہی ہے؟ اب کیوں اس ڈاکٹر نے کیس نہیں لیا؟ کیا وجہ
وجہ سے؟ کیس تو بہت سیریس ہے۔ بچہ تو دور' ماں بچ جائے یہی غنیمت ہے۔ بچے کی ہارٹ بیٹ
سنائی نہیں دے رہی۔ دھڑکن تو مجھے بار بار چیک کرنے کے باوجود نہیں ملی۔ مریضہ بے ہوش ہے۔ بلیڈنگ
بے تحاشا ہو چکی ہے۔ آپریشن کرنا بھی ایک رسک ہے۔ اگر پیشنٹ کو آپریشن کے بعد ہوش نہ آیا تو
الذمہ ہیں۔" سارے آپشن سامنے رکھ کر خالہ کی ہزار سفارشوں کے بعد ایمرجنسی آپریشن ہوا تھا۔
رواں رواں دعا گو تھا۔ نظریں آپریشن تھیٹر کے دروازے پر تھیں۔ اسے گھر میں امی کو اطلاع کر
خیال نہیں آیا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد مردہ بچہ پیدا ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ خالہ قریبی مارکیٹ سے بچے کے کپڑے
گرم کمبل' فیڈر وغیرہ لینے گئی تھیں۔ ان کے آتے ہی ڈیڈ بے بی کی اطلاع ایک نرس پہنچا گئی تھی۔
مہک نے بے اختیار رونا شروع کر دیا تھا۔ محسن میڈیکل سٹور سے دوائیاں لا رہا تھا۔ محب کو گھر بھیج
کچھ دیر بعد کمبل میں لپٹا نیلی رنگت والا گول گوتھنا سا بچہ نرس اٹھا لائی۔ بچے کی روح کب کی
گئی تھی۔ سانس کا ناتا بھی باقی نہیں تھا۔ آنکھیں کچھ دیکھنے سے قبل ہی بند ہو چکی تھیں۔ سرخ ہونٹوں
بغیر کہے خاموشی کی چادر اوڑھ لی تھی' حتیٰ کہ اپنے رونے کی آواز تک نہیں سنائی۔

اتنے مہینوں' دنوں' ساعتوں اور لمحوں کا انتظار اختتام پذیر ہوا تھا۔ چپکے سے' بہت خاموشی کے ساتھ
اس ننھے سے فرشتے کو آنسوؤں کے سائے میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

............*

زندگی میں اتنے کرب ناک انتظار سے ماہیر کو کبھی نہیں گزرنا پڑا تھا۔ لمحہ لمحہ گویا قیامت تھا۔ شیشے کی
دیوار کے پار سفید بیڈ پر لیٹی حریم ساکت و صامت تھی۔ مشینوں پر آتی ریڈنگ سے سانسوں کی موجودگی کا پتا
چلتا تھا' ورنہ وہ تو امید کے دامن بھی ہاتھ سے چھوڑے بیٹھا تھا۔ پوری رات ٹھنڈے فرش اور سرد دیواروں کو
دیکھتے گزر گئی تھی۔ مؤذن نے فجر کی اذان دی تو وہ اٹھ کر وضو کرنے چل دیا تھا۔

خالہ نے اور ماہیر نے نماز فجر کوریڈور میں ہی ادا کی تھی۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو نجانے سیل
رواں کیسے جاری ہو گیا۔

وہ اونچا' پورا مرد آنسوؤں کے ساتھ رو رہا تھا۔ بے شمار آلات میں جکڑی حریم سے اس کے کتنے
رشتے تھے' دل کے' روح کے' کاغذ کے۔

خالہ نے تسبیح ہاتھ سے رکھ کر ماہیر کے شانے کو تھپکا' محبت سے تسلی دی' یہی تسلیاں' دلاسے تو وہ پچھلے
اٹھائیس گھنٹوں سے ایک دوسرے کو دے رہے تھے۔

صبح نوخیز نے جھلک دکھائی تو ایک نرس تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے قریب چلی آئی۔

"آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔"

"کیا؟" خالہ کا سر سجدے میں جھک گیا۔ آنکھیں رب جلیل کی اس رحمت' اس مہربانی پر اشک بار
تھیں۔

"حریم کو دیکھ سکتے ہیں؟" ماہیر بے قراری سے اٹھا۔

"نہیں۔" نرس مسکرائی۔

"کچھ دیر بعد آپ کی مسز کو روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔"

"میں امی کو ایک فون تو کر دوں۔" اعصاب شکن لمحات کے اختتام پر اسے گھر فون کرنے کا خیال آیا
تو خالہ نے بے ساختہ ماہیر کو آواز دے کر روکا۔

"ٹھہرو بیٹے!" وہ اٹھ کر ماہیر کے قریب چلی آئیں۔ "گھر جا کر آرام سے' تحمل سے اس حادثے کے
متعلق بتانا۔ ابھی کچھ بتاؤ گے تو نجانے ان کا ردعمل کیا ہوگا۔" خالہ' راحت بیگم کے مزاج سے اچھی طرح
آگاہ تھیں۔ اس خبر کو سن کر نجانے وہ کیسا ری ایکٹ کرتیں۔ ماہیر نے خالہ کی بات سمجھ کر اثبات میں سر ہلا دیا
تھا۔ خالہ اس کی فرمانبرداری پر بے اختیار خوش ہو گئیں۔ ماہیر کی مجنونوں جیسی حالت دیکھ کر انہیں کئی مرتبہ
بھانجی کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ پھولوں کے ساتھ کانٹے تو ہوتے ہی ہیں۔ غم اور خوشی کا ازل سے ساتھ ہے'
قرابت ہے' مراسم ہیں۔ حریم کی چھت مضبوط تھی۔ سائبان کانچ کا نہیں' اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تھا؟
ہم سفر ساتھ ہو تو زندگی کی طویل راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ زندگی کے لئے شوہر کی محبت بھری

رفاقت کا زادراہ عمر کے لئے کافی ہوتا ہے۔ حریم' محبت اور اپنائیت' احساس اور خیال کے ان جذب
مالا مال تھی۔ ماہیر کی پرخلوص محبت اس کے ہمراہ تھی۔

تیرہ جنوری کی سرد ہڈیوں کو ٹھٹھرا دینی والی بے حد اداس' غم سے لپٹی بین کرتی صبح ہسپتال
میں اتر آئی تھی۔ شیشے کے پار کا منظر بھی دھند میں لپٹا غمگین تھا۔ آسمان نے بھی رات بھر خوب بر
تھا۔ شاید اتنی بارش ہوئی تھی کہ سڑکوں پر گویا سیلاب آ گیا۔ درد کی اک تیز لہر جسم میں اٹھی تھی۔ تجر
کرب کی منزلوں سے گزر کر حریم نے آنکھیں کھول کر اپنے شوہر کے پژمردہ' اداس چہرے کی طرف
تھا۔ دو آنسو بغاوت کر کے پلکوں کے بند توڑ چکے تھے۔

"میری وجہ سے ماہیر پریشان ہوا ہے۔" یہ سوچ ہی حریم کے دل کو مسلنے کے لئے کافی تھی۔

"حریم!" وہ اس کے چہرے پر جھکا۔

"کیسی ہو میری جان' درد تو نہیں ہو رہا۔"

"میں ٹھیک ہوں' درد نہیں ہے۔" اذیت کی ہر لہر کو دبا کر وہ آہستگی سے بولی۔ حلق خشک تھا' ہ
جان اور سوکھے تھے۔ کمزوری و نقاہت کا احساس غالب آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا
ہو گیا تو وہ دھیرے سے پلکیں موند گئی۔

"حریم! میری بیٹی' آنکھیں کھولو۔" بہت مہربان سی یہ آواز اس کی خالہ کی تھی۔ امی کی اکلوتی
کزن ننھیالی رشتہ داروں میں یہی واحد رشتہ بچا تھا۔ امی اور خالہ کی دوستی بھی بہت تھی۔ انسیت بے
خالہ نے امی کے بعد بھی ان سے تعلقات قائم رکھے تھے۔ ہمیشہ محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا تھا۔
خلوص اور بے لوث محبت کا تو ماہیر خود بھی گواہ تھا۔ بچے اور خالہ کس طرح غم کی ان گھڑیوں میں ساتھ
رہے تھے۔ وہ ان کا احسان مند تھا' مشکور تھا۔

"حریم بیٹی! اٹھو' یہ تھوڑا سا دودھ پی لو۔" خالہ نے نرمی سے' محبت سے اس کے دائیں ہاتھ
ماہیر اسے سہارا دے کر اٹھا رہا تھا۔ حریم کی بے ساختہ چیخیں لبوں سے برآمد ہوئیں۔

"ماہیر! ایک اور تکیہ پیچھے رکھو۔" خالہ نے ماہیر کو ہدایت دی تھی۔

"پیو بیٹا۔" خالہ نے نیم گرم دودھ کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔

"مہک ناشتا بنا کر محبت کے ساتھ آ جائے گی۔ محسن کو میں نے گھر بھیج دیا ہے۔" خالہ
مخاطب تھیں۔ اچانک حریم کو اپنے وجود میں کسی خالی پن کا احساس ہوا تھا۔ اس نے بے ساختہ
ہاتھ پھیرا تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"آرام سے بیٹے۔" خالہ نے بریڈ کا چھوٹا سا پیس حریم کے منہ میں رکھا۔

"آپریشن ہوا ہے۔ اٹھنے' بیٹھنے میں احتیاط کرنا پڑے گی۔"

"آپریشن ہوا ہے' مگر کیوں؟ مجھے کیا ہوا تھا؟ میرا بچہ کہاں ہے' ابھی تو ڈلیوری میں بہت
تھا۔ دو اڑھائی مہینے یا اس سے بھی زیادہ۔" وہ کچھ سوچنے کی کوشش میں نڈھال ہو گئی۔

"بس۔" اس نے دودھ کا گلاس لبوں سے ہٹا دیا۔

"دوا کھانی ہے حریم! تھوڑا سا دودھ پی لو۔" ماہیر نے نرمی سے اصرار کیا۔

"خالہ! میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ دونوں ہی شاید اس سوال سے بچنا چاہ رہے تھے۔ دونوں نے بیک
وقت نظریں چرالی تھیں۔

"ماہیر! خالہ! بتایئے نا' آپریشن ہوا ہے تو پھر بچہ کہاں ہے؟" انہونی کے احساس نے حریم کے دل کو
مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔

اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ وہ چھوٹی سی سفید بادلوں سے ڈھکی وادی' جھرنے' آبشاریں' بہتی رواں
ندی' پھولوں سے لدے باغات' ماہیر کی ہمراہی' ایک دوسرے کی قربت کی سرخوشی' تنہائی' حسین لمحے' یادیں'
بے شمار یادیں' پھر کیا ہوا تھا؟ اسے سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی' بادلوں سے ڈھکے آسمان نے رنگ
بدل دیا تھا۔ ہواؤں میں تلخی رچنے لگی۔ پھل شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ ندی اور آبشار کا پانی
سرخ ہو گیا تھا۔ وہ مزار کی طرف جاتی سڑک پر کھڑی تھی' نہ جانے کہاں سے پرندوں کا غول غل غپاڑہ مچاتا آ
گیا تھا۔ اس کے پیر کے نیچے پتھر آیا اور وہ لڑھکتی ہوئی کسی کھائی میں جا گری۔ اس کے بعد منظر دھندلا گئے
تھے۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا تھا اور نہ جانے کتنے گھنٹوں بعد آج اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔
ایک دم ہی سارے منظر دھندلا گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو پھسلنے لگے۔ کچھ پوچھنے کی
ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ خالہ اور ماہیر کے چہرے پر لکھی تحریر اتنی واضح تھی کہ حریم بھلا پوچھ کر کرتی بھی
کیا۔ اس سفر میں وہ اپنی سب سے قیمتی متاع لٹا چکی تھی۔

جس کے ہونے کے احساس نے دن اور راتوں میں رنگ بھرے تھے' اپنی موہنی صورت دکھائے بغیر
چلا گیا تھا۔ اپنی ہنسی' اپنے آنسو' اپنی نرم نرم مسکان دکھائے بغیر چلا گیا تھا۔ اس کی بلکتی ممتا کو سیراب کئے بغیر
چلا گیا۔

"حریم! میری بیٹی! صبر سے کام لو۔ اللہ کا شکر ادا کرو' جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے' اللہ نے چاہا تو
جلد تمہاری گود بھر جائے گی۔" خالہ نے آنسو پی کر اس کی سرد ہوتی پیشانی کو چوما۔ ماہیر خاموش تھا اور شاید
ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخیاں اتر رہی تھیں۔

"خالہ! میں کیا کروں' غم سے میرا دل پھٹ رہا ہے۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو دی۔

"میری بچی! ہمت پکڑو' خود کو مضبوط کرو۔" خالہ اس کا سر تھپک رہی تھیں۔ اس کی سسکیاں ماہیر کے
کانوں میں سیسہ انڈیل رہی تھیں۔

"خالہ! ایک بات پوچھ لوں؟"

"میری جان! پوچھو۔"

"بیٹی تھی یا بیٹا؟" وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر تمام تاثرات چھپا چکی تھی۔

"بیٹا تھا...... بالکل ماہیر جیسا۔" خالہ کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔ اسی پل محبت اور مہک ہاتھ میں
ٹفن اور تھرموس لئے اندر داخل ہوئے۔

"آپی! فٹافٹ اٹھ جائیں۔ آپ کے لئے دلیہ لائی ہوں۔ خوشبودار' بھاپ اڑاتا۔" مہک کو شاید خود

کو بھی دلیہ بہت پسند تھا۔

"اچھے وقت پر آئی ہو مہک۔" ماہیر نے سر جھٹک کر گویا زہریلی سوچوں سے پیچھا چھڑایا تھا۔

"ناشتا لائی ہوں' انڈے' پراٹھے' روسٹ اور چائے۔"

"واہ...... مزا آ گیا۔" ماہیر نے اور بھی خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

"اٹھو' حریم! بھاپ اڑاتا دلیہ کھا لو۔" وہ اٹھ کر حریم کے قریب چلا آیا۔

"دل نہیں چاہ رہا۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"ہر بات دل کی نہیں مانتے...... اکثر دل نقصان بھی کروا دیتا ہے۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز میں ملال گھل گیا۔

"تھوڑا سا دلیہ کھا لو۔"

"نہیں نا۔" وہ بے چینی سے سر تکیے پر پٹخنے لگی۔

"رہنے دو ماہیر! کچھ دیر بعد کھا لے گی۔" خالہ نے اس کی بے زاریت محسوس کر لی تھی۔ وہ جانتی تھیں' حریم کے دل پر اس وقت غم کا موسم گزر رہا ہے۔ ماہیر بچوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔ شاید وہ اپنا دھیان بٹانا چاہتا تھا اور ناشتا تو اس نے بھی صرف برائے نام کیا تھا۔ محض خالہ کے اصرار سے۔

"ماہیر بھائی! وہ موٹی سی نرس ہمارے محسن کو بہت گھور رہی تھی' کہہ رہا تھا' جتنی مرتبہ میڈیکل میں دوائیاں لینے گیا ہوں' موٹی نے بڑی دل آویز مسکراہٹ ہر دفعہ میری طرف اچھالی تھی۔ شاید عاشق ہو چکی ہے۔" محب' محسن کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کو سرعام نشر کر رہا تھا۔

"موٹی کی اتنی جرأت' کیوں گھورتی رہی ہے میرے بھائی کو' آنکھیں نہ پھوڑ دوں اس کی۔" مہک کے ہمشیرانہ جذبات مچل اٹھے۔

"بھلا وہ موٹی نرس میرے بانکے سجیلے بھائی کے لئے رہ گئی ہے۔" محب نے بھی رنجیدگی طاری کر لی۔

"محسن کے کیا تاثرات ہیں؟" ماہیر ان کی نوک جھوک سے اچھا خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"شدید صدمے سے لوٹ پوٹ پڑا ہے۔" محب نے مزے سے بتایا۔

"وہ کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"بے چارے پر ادھیڑ عمر جمعدارنیاں' گھریلو نوکرانیاں ہی عاشق ہوتی ہیں اور اب یہ موٹی نرس۔" مہک نے رازداری سے بتایا۔

"او...... سمجھ گیا۔" ماہیر نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"اچھی ٹریجڈی ہے۔"

"تو اور کیا؟" مہک افسردہ ہوئی۔

"میرا بانکا سجیلا بھائی ان "موٹیوں" کے لئے رہ گیا ہے۔" مہک نے گویا بڑی عقلمندی کی تھی۔ ماہیر اور محب دونوں ہنس دیئے۔

"احمق اس طرح کہو۔" محب نے ہنسی روک کر مہک کو جتایا۔

"یہ "موٹیاں" میرے بانکے سجیلے بھائی کے لئے رہ گئی ہیں۔"

"اچھا......" مہک جھینپ کر مسکرا دی۔

............*

نیند اتنی گہری تھی یا پھر نسوانی چیخ کی آواز اتنی کرب ناک تھی' وہ ایک دم بستر سے اٹھ گیا۔ اس شدید ٹھنڈ میں بھی اس کا پورا وجود پسینے سے شرابور ہو گیا۔

"کیسا خواب تھا؟ پہاڑ' جنگل' کنواں یا پھر عجیب سی کھائی۔ ایک گرتا ہوا سایا' چیخیں' آنسو اور سسکیوں کی آوازیں۔"

ماسٹر بیڈ روم کی ہر شئے میں اداسی کے رنگ چھلکنے لگے تھے۔ وہ گلاس ونڈو سے بھاری کرٹن ہٹائے وسیع و عریض لان میں اتری رات کو دیکھنے لگا۔

"وہ خیریت سے ہے۔" دل میں بے چینیاں کروٹیں لینے لگی تھیں۔

"فون کروں؟" وہ ٹیلی فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں اس وقت فون کرنا مناسب نہیں۔"

وہ نفی میں سر ہلاتا پھر سے لان میں اتری رات کو دیکھنے لگا۔

"حانی سے تو پوچھ سکتا ہوں۔" ایک سوچ انگڑائی لے کر جاگی۔

"نہیں اس وقت نہیں' صبح کروں گا' بلکہ خود چلا جاؤں گا۔"

بھیگی کالی رات کی آنکھیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔ احساس کے ان رشتوں میں محبت کشکول پکڑے کھڑی تھی۔ دل کے تاروں نے اس اذیت کو محسوس کر لیا تھا' جن سے محبت لاحاصل گزر چکی تھی' گزر رہی تھی۔ نجانے یہ کیسا بندھن تھا؟ یہ کیسا ربط تھا؟ یہ کیسا تعلق تھا؟

ایک ٹھنڈی میٹھی محبت تو کسی نے نہ کی ہو گی۔ چپکے چپکے' خاموشی سے' نہ ظاہر ہوتی' نہ واضح ہوتی' نہ عیاں ہوتی' نہ آشکار ہوتی پھر بھی کہتی' سنتی' بولتی محبت۔

کبھی کبھی زرجان عباس کو لگتا تھا کہ اس کا دل ایک صراحی کی مانند ہے' خالی صراحی کی مانند۔ اس صراحی کو حریم کی "یادیں" پھولوں سے' کلیوں سے' موتیوں سے زیبائش دیتی ہے۔ اس کی آرائش کرتی ہے۔ سجاتی ہے' سنوارتی ہے۔ پھر اس کا منہ صندل کی خوشبو سے بھر کر بند کر دیتی ہے اور وہ اس خوشبو کے سنگ زیست کا سفر بڑے شوق سے بڑی چاہ سے طے کر رہا تھا۔

الگ... ہمیں آج چاندنی سے نہائی کیوں نہیں لگ رہی تھی۔ چاند بھی شاید اداس تھا' غمگین تھا۔ بادلوں کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا' اونگھ رہا تھا یا سو رہا تھا۔ رات کے رخسار پر کوئی ہاتھ رکھ کر مسکرایا تھا۔ تمسخرانہ' طنزیہ' مذاق اڑاتی ہوئی' اس ہنسی کی آواز وہ پہچانتا تھا۔ بولتی خاموشی تمکنت سے چلتی ہوئی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی' تمسخر سے دیکھتی ہوئی۔

"اسے یاد کر رہے ہو۔" خاموشی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کب نہیں کرتا' وہ تو ہر وقت ساتھ ہے۔" خفگی ادھر بھی عیاں تھی۔

"بھلا یاد کرنے سے کیا حاصل ہے۔" خاموشی نے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں کیا؟"

"مجھے تمہارا احساس ہے۔ تمہارے دل کے اور کمرے کے "سناٹے" مجھے پسند نہیں۔" خاموشی نے ناک بھوں چڑھالی۔

"مجھے تمہاری پسند ناپسند سے کیا لینا دینا۔"

"جس کی پسند' خواہش اور تمناؤں کو اولیت دیتے ہو' اس نے کبھی تمہیں سوچا بھی نہیں۔" خاموشی نے تنک کر کہا۔

"میں جو اسے سوچتا ہوں' اس سے بڑھ کر اور کیا؟ وہ میری سوچ میں رہے یا میں اس کی سو... رہوں' بات تو ایک ہے۔"

"اوں' ہوں' کیوں خود کو بہلاتے ہو۔" خاموشی نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم اس کی سوچ کا حصہ ہو' یہ تو ناممکن سی بات ہے۔ اس کی سوچیں تو ایک "محور" کے گرد گ... ہیں۔"

"اس کی "خوشی" میں میرا سکون ہے' تم کیوں بھول جاتی ہو۔"

"زندگی یادوں کے سہارے نہیں گزرتی۔" خاموشی کا انداز ناصحانہ تھا۔

"اور یادوں میں بھی تمہارے پاس کیا ہے؟ کوئی ایک لمحہ' ساعت' گھڑی' پل بیتے سالوں م... ڈھونڈ کر دکھاؤ۔ اس نے کبھی تمہیں سرسری نظر سے نہیں دیکھا۔"

"میرا دل جو دید سے سیراب ہے۔ مجھے اور کیا چاہیے۔"

"دیوانے ہو دیوانے۔" خاموشی نے گویا ماتھا پیٹا۔

"ایسی محبت کا بھلا کیا فائدہ۔"

"محبت میں فائدہ اور نقصان نہیں دیکھتے۔"

"محبت میں پھر بھلا کیا دیکھتے ہیں۔ محبوب کی بے رخی' سنگدلی' سرد مہری۔" خاموشی غصے ...

"اسے سنگدل مت کہو۔"

"تو پھر کیا کہوں؟"

"وہ باوفا ہے۔ حیا اس کی چادر ہے' جس میں اس نے خود کو لپیٹ رکھا ہے۔ اس کی اسی "... مجھے اسیر کر رکھا ہے۔ بھلا دیکھو تو زرجان عباس کو ہر موڑ پر ٹھکرانے والی اک اسی "وفا" کی خاطر ... پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے۔ محبت اسے ماہیر عالم سے ہے۔ وفائیں ساری بھی اسی کے نام ہیں۔ زند... کچے کاغذوں پر لکھ کر اس نے ماہیر عالم کو دے رکھا ہے۔ اس کے باوجود میں اس کے لا حاصل عش... ہوں تو بھلا کیوں؟"

"کیوں؟" خاموشی حیران ہوئی۔

"وفا اور حیا کی خاطر۔"

"میں سمجھی نہیں۔" خاموشی نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کی وفائیں تو ماہیر عالم کے نام ہیں پھر؟"

"ایمانداری اسی کو کہتے ہیں۔ محبت اسی کا نام ہے۔ ذرا میرے سرکل میں نظر دوڑا کر تو دیکھو' ایسی سچے موتیوں جیسی عورت کہاں ہے؟ کھوٹا پیسہ' کھوٹی عورت ایک برابر۔"

"سمجھ گئی۔" خاموشی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تم نے زبردستی کیوں نہ کی' اٹھا لاتے حریم جمال کو بھلا۔" خاموشی نے بڑی عجیب راہ دکھائی تھی۔ عجیب سوال کر کے۔

"کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟"

"تم غصہ کر گئے۔" خاموشی کچھ خوفزدہ ہوئی۔

"ہاں۔"

"سوری کر لوں۔" خاموشی لجائی۔

"میں تمہاری ساتھی ہوں' تنہائی کی' اداسی کی' معاف کر دو مجھے۔"

"ٹھیک ہے' آئندہ ایسی بات نہ کرنا۔"

"اتنی محبت کرتے ہو حریم سے۔" خاموشی کچھ حسد میں مبتلا ہوئی۔

"اس محبت سے زیادہ اس کی "عزت" "عزیز" ہے مجھے۔"

"محبت اہم ہوتی ہے کہ عزت؟" خاموشی نے اداسی سے پوچھا۔

"عزت۔"

"بھلا وہ کیسے؟" خاموشی کو شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"جو عزت کرنا جانتا ہے۔ محبت کرنے کا وہ ہی اہل ہوتا ہے۔ محبت پر عزت کو فوقیت ہے' جس نگاہ میں عزت نہ ہو' وہ نگاہ محبت کے رنگ بھرنے کے لائق نہیں۔"

"تم مشکل باتیں کرتے ہو۔" خاموشی کچھ بے مزا ہوئی۔

"تمہاری عقل ہی چھوٹی ہے۔"

"خود تو بڑے عقلمند ہو۔" خاموشی کو غصہ آ گیا۔

"ناراض مت ہونا۔"

"ہو جاؤں تو پھر۔" خاموشی نے ناز سے پوچھا۔

"میں تمہیں منا لوں گا۔"

"کیوں؟" خاموشی اترائی۔

"میرا تمہارے بغیر گزارا نہیں۔"

"یہ کہو! مجھ سے بھی پیار کرتے ہو۔" خاموشی کو اسے چڑانے میں مزا آنے لگا۔

"یہی سمجھ لو۔"

"مبہم نہیں' واضح بتاؤ۔" خاموشی نے سرشاری سے کہا۔

"جس سے پیار کرتا ہوں' وہ پاس جو نہیں۔ تم میری واحد دوست ہو۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں سنتا۔"

"بات تو پھر بھی گول مول کی ہے۔" خاموشی بے مزا ہوئی۔

"کہو نا' مجھ سے بھی تمہیں پیار ہے۔"

"ہاں' تم سے بھی پیار ہے' لگاؤ ہے' انسیت ہے۔ تم دکھوں کی ساتھی جو ہو۔"

"واہ مزا آ گیا۔" خاموشی نے سر دھن لیا۔

"میں تمہاری حریم سے جلنے لگی تھی۔"

"خوامخواہ۔"

"ہاں' سچ مچ۔" خاموشی نے ہنسی دبائی۔

"اس سے جلنا مت' حسد مت کرنا' بری نظر سے بھی نہ دیکھنا' ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" خاموشی بے چین ہوئی۔

"ورنہ اس کی خوشیوں کو نظر لگ جائے گی۔ کہتے ہیں' حسد کی نظر پتھر کو پھاڑ دیتی ہے۔"

"تم بھی نا زرجان!"

"زرجان۔" خاموشی دروازہ کھلنے کی آواز سن کر چونکی اور پھر تمکنت سے چلتی ہوئی غائب ہو گئی۔

"جی مما!" وہ خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"ابھی تک جاگ رہے ہو۔ لائٹس آن دیکھ کر آ گئی ہوں۔" وہ شب خوابی کے لباس میں تھیں۔ جانے کیوں زرجان نے نظر چرا لی۔

"بس سونے ہی لگا تھا۔" وہ انہیں بتا نہیں سکا کہ گہری نیند میں عجیب سے خواب نے اسے عذاب سے دوچار کیا ہے۔

"اٹھو' جلدی سے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں۔

"بیڈ پر لیٹو۔" وہ صوفے کی طرف بڑھ رہا تھا' جب مما کی خفا خفا آواز آئی۔

"یہیں ٹھیک ہوں۔"

"بیڈ پر آرام سے لیٹو۔" مما نے تحکم سے کہا۔

"پلیز مما!" وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"اب لوری بھی سناؤں۔" مما شرارت سے کہہ رہی تھیں۔

"لوری۔" وہ حیران ہوا۔

"یہ کہنا ذرا مشکل تھا کہ "لوری" کبھی بچپن میں بھی آپ نے کہاں سنائی تھی' ماما! جب تو

تھی۔ مما...... اس معاملے میں مختلف قسم کی ماں تھیں۔ آیا مس سوزی کو ان پر ہر طرح کے تشدد کی اجازت تھی۔ مما سمجھتی تھیں کہ مس سوزی ان کی اچھی تربیت کے لئے ہنٹر پکڑے رکھتی ہے۔

"زرجان! اب آرام سے آنکھیں بند کر کے سو جاؤ۔" مما خفگی سے تنبیہ کر رہی تھیں۔ زرجان نے فرمانبرداری سے آنکھیں موند لیں۔ حالانکہ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کھائی میں گرتا وجود گویا آنکھوں کی پتلیوں میں اپنا آخری عکس چھوڑ گیا تھا۔ غمزدہ' اداس اور پریشان سا عکس۔

............*

حریم کو لگتا تھا گویا برسوں کی تھکن نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ روم روم میں تھکن تھی' درد تھا' دکھن تھی۔ آنکھیں موندتی تو اک ننھا منا سا وجود خوابوں کے نگر میں قل قل کرتا اسے مسکرانے پر مجبور کر دیتا۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ پلکوں پر دستک دے کر اسے جگانے کی کوشش کرتے۔ دودھ میں بھیگے لب گویا مسکرا کر شرارت کرتے۔ ننھی منی ہنسی کی آوازیں اردگرد بکھر جاتیں۔ کوئی چپکے سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتا۔ خواب' اتنے حسین خواب کی تعبیر آنسو کی صورت میں پورے من کو اداس کر گئی تھی۔ یوں لگتا تھا اب آنکھیں کبھی خواب دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکیں گی۔ پلکوں پر کبھی میٹھی' سہانی نیند نہیں اترے گی۔

اسے اداس' غمگین دیکھ کر بے طرح طرح کے چٹکلے چھوڑتے' لطیفے سناتے' خالہ ہر وقت اس کے آس پاس رہتیں۔ اس کا بے تحاشا خیال رکھتیں۔ خاموش دیکھ کر ادھر ادھر کے قصے اسے سنانے لگتیں۔ اس کا دھیان بٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔ انہوں نے کالج سے چھٹیاں لے رکھی تھیں۔

آج ہسپتال میں پانچواں دن تھا۔ شام تک ڈاکٹر نے ڈسچارج شیٹ بنا کر دینی تھی۔ عصر کے بعد خالہ کمرے کا تمام سامان سمیٹ کر گھر چھوڑنے چلی گئی تھیں۔ کمبل' برتن' کپڑوں کا بیگ اور دیگر چھوٹی موٹی اشیاء۔

معمول کے مطابق نرس نے آ کر فائل چیک کی تھی۔ ڈرپ اتاری' انجکشن لگایا اور پھر پروفیشنل مسکراہٹ سجا کر بولی۔

"ابھی آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔"

"ہوں۔" حریم بھلا کیا بولتی' محض مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا مسکرانا بھی دنیا کا سب سے دقت طلب کام ہے۔

"آپ کے ہزبینڈ بہت پیار کرتے ہیں آپ سے۔" نرس کافی باتونی معلوم ہوتی تھی۔

"اتنے دن ہو گئے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ سائے کی طرح موجود ہیں۔"

"میں اس معاملے میں دنیا کی دس فیصد عورتوں کی طرح خوش نصیب ہوں۔" حریم محض سوچ کر رہ گئی۔ نرس اس کی خوبصورتی سے بھی متاثر تھی۔ بات بے بات توصیفی کلمات کہہ دیتی۔ نرس شاید ان کی ظاہری شخصیت سے مالی حیثیت کا اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ یہاں تو گدڑی میں لعل والی مثل صادق آتی تھی۔

اس ہسپتال میں داخل ہونے سے لے کر اب تک ماہیر کا والٹ بھی شاید خالی ہو چکا تھا۔ نرس جب کمرے سے باہر نکلی اسی وقت ماہیر اندر داخل ہوا تھا۔ چہرے پر فکر کے سائے' بھوری آنکھوں میں تیرتے

گلابی ڈورے سوجے سوجے پپوٹوں والی آنکھیں نیند نہ پوری ہونے کی وجہ سے معمول سے بڑی
تھیں بے انتہا سرخ۔
"اب ٹھیک ہو حریم! کوئی تکلیف تو نہیں۔ خود کو فٹ محسوس کرتی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے
پوچھ رہا تھا۔ حریم بغیر کچھ کہے ایک ٹک اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں
جھک گئیں۔
"ماہیر!" حریم کے لبوں سے سسکاری نما آواز نکلی۔
"ہم اسلام آباد نہ آتے' اس گاؤں میں نہ جاتے' میں پہاڑی پر نہ چڑھتی تو پھر یہ سب تو نہ
"ایسا کیوں سوچتی ہو حریم!" ماہیر نے نرمی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔
"یہ صدمہ ہمارے نصیب میں لکھا تھا۔"
"گھر کب جائیں گے؟" وہ ہسپتال کے اس پرائیویٹ روم سے اکتا گئی تھی۔
"ڈسچارج پیپر مل گیا ہے۔"
"تو پھر چلیں۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔
"حریم! ایک پرابلم ہے۔" ماہیر کی آنکھوں میں گہرا تفکر تھا۔
"کیسی پرابلم۔" وہ حسب معمول گھبرا گئی تھی۔ دل تو ویسے بھی پہلے سے زیادہ نحیف ہو گیا تھا
بات پر گھبرانے لگتا۔
"بل تو کلیئر کر دیا ہے' اگرچہ میری توقع سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ تمہارے دو آپریشن ہوئے
ڈاکٹرز کی الگ الگ فیسیں' پرائیویٹ روم کا خرچہ' علاج اتنے مہنگے ہو گئے ہیں۔ دوائی غریب آدمی
سے اتنی دور ہے۔ متوسط طبقے کا آدمی تو چکی کے پاٹوں میں پس کر رہ جاتا ہے۔ بہر حال واپسی کا
کرایہ بچا ہے۔ وہ بھی نجانے کن دقتوں کے بعد۔" وہ دھیمی آواز میں کہتا ہوا بہت الجھا الجھا لگ رہا تھا۔
"تمہاری خالہ کی محبت' خلوص' بچوں کی بے لوث خدمت' ایک بیوہ عورت پر اتنے دن اضافی
رکھا تھا۔ ان کا بجٹ ڈاؤن ہو چکا ہوگا' کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مہک کا میٹرک کا رزلٹ بہت شاندار
میرا خیال تھا بچوں کو کچھ اچھے اچھے گفٹس دیں گے مگر ان حالات میں یہ ممکن نہیں رہا۔ اب سوچا
صرف مہک کو گفٹ دیں گے۔ کل تک ہماری واپسی ہے۔ آفس سے لی چھٹیاں بھی ختم ہو چکی ہیں
صاحب سے بات کی تھی میں نے ایک دو دن کی اضافی چھٹی مل گئی ہے۔"
"گھر کب چلنا ہے؟"
"ابھی محسن گاڑی لے کر آ رہا ہے۔" ماہیر کے لبوں میں الفاظ تھے' جب محسن نے کمرے میں
"محسن آ چکا ہے۔" وہ مزے سے گنگنایا۔
"لوگ مجھے اتنا یاد کرتے ہیں' اسی لئے چھینک چھینک کر میرا برا حال ہے۔"
"اب چھینکوں کی بیماری ہمیں مت لگانا۔" محسن کو رات سے فلو تھا۔ ماہیر کے کہنے پر وہ
ہنسنے لگا۔

"گھر چلیں آپی!"
"کیوں نہیں۔" ماہیر نے بازو کے سہارے سے حریم کو اٹھنے میں مدد دی۔ محسن دروازہ کھولے کھڑا
تھا۔ صرف بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ گھر آ چکے تھے۔ خالہ نے حریم کا صدقہ دیا۔ خیرات کے پیسے الگ
رکھے۔
"میری بیٹی! غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ ہمارے لئے بہتری
پوشیدہ ہوتی ہے۔ بس ہم انسان نادانی میں سمجھ نہیں پاتے۔ اس پاک ذات سے شکوے کرنے لگتے ہیں۔"
وہ رات کو بہت دیر تک حریم کو سمجھاتی رہی تھیں۔
"خالہ! پتا نہیں دل اتنا خالی خالی سا کیوں ہو گیا ہے۔"
"یوں مت کہو بیٹی! اللہ کا شکر ادا کرو' دوسری زندگی ملی ہے تمہیں۔ اتنا ہولناک حادثہ تھا۔ ہمارے
لئے تمہارا بچ جانا ہی معجزہ ہے۔ آہستہ آہستہ زخم سل ہی جاتے ہیں۔" حریم لب کچل کر آنسو پینے لگی۔
"یہ حادثہ تمہیں گھر میں بھی پیش آ سکتا تھا۔ کسی اور بہانے سے۔" وہ اس کے ہاتھ نرمی سے
تھپتھپانے لگیں۔ پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگی تھیں۔
"حانی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"
"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔"
"بھائی صاحب کی صحت بھی ٹھیک نہیں۔ حانی کی فکر' مجھے ہمیشہ پریشان رکھتی ہے۔ ابھی تو بوا کا دم
ہے۔ نجانے میری پگلی بیٹی کا کیا بنے گا۔" خالہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ حریم بھی رنجیدہ ہو گئی۔
"ہر لحاظ سے صحت مند ہے' ذہین ہے' تعلیم یافتہ ہے۔ صرف ایک کمی نے اس کی شخصیت کو گہن لگا دیا
ہے۔ کیا سہارے کے بغیر چل سکتی ہے؟"
"جی خالہ! اسٹک کے بغیر بھی چل سکتی ہے۔ میں تو بہت توجہ سے اسے روزانہ ایکسر سائز کرواتی
تھی۔ بہت دھیان سے پنڈلیوں کی مالش کرتی تھی۔ بابا کا' بوا کا خیال اسے بہت رہتا ہے۔ اپنے بارے
میں بہت لاپروا ہے۔" حریم نے آزردگی سے بتایا۔
"حانی کی شادی نہیں ہو سکتی؟" خالہ نے بہت انوکھی بات کی تھی۔ حریم حیران ہی تو رہ گئی۔
"یہ کیسے ممکن ہے؟"
"کیوں ممکن نہیں۔ اللہ کی اتنی وسیع دنیا ہے۔ کوئی تو اس کے جوڑ کا بھی ہوگا۔" خالہ بہت پرامید
تھیں۔
"حانی اپنے گھر کی ہو تو بھائی صاحب کی ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں۔"
"اگر ایسا ہو جائے تو میں بھی شاد ہو جاؤں۔" وہ آنکھوں میں جگنو لئے کسی اور جہاں میں پہنچ گئی
تھی۔ خالہ اس کا دھیان بٹ جانے پر اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں۔
اگلی صبح ماہیر' مہک کو خالہ کے بے حد ناراض ہونے' منع کرنے کے باوجود مارکیٹ لے گیا تھا۔ مہک
اپنی پسند کی ریڈی میڈ اسٹائلش سوٹ' میچنگ کے چپل لے کر آئی تھی اور وہ بہت خوش تھی۔ اسی شام وہ

دونوں کچھ اچھی اور زیادہ غم اور دکھ سے بوجھل یادیں لے کر واپس آ گئے تھے۔

..........*

ماہیر اور حریم جب گھر پہنچے تو پورے گھر پر ہو کا عالم تھا۔ کچھ دیر پہلے لاؤنج میں بہت رونق تھی۔ کی سسرال والے شاید آئے تھے۔ میز پر کھانے پینے کی بچی کھچی اشیاء بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔ زمیلہ تخت پر بیٹھی تھیں اور دونوں بہت خوشگوار ماحول میں باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر سیدھی ہوئیں۔ ان کی نظریں حریم کے آزردہ' بے رنگ چہرے سے ٹکرائیں' کچھ تو تھا جو غیر معمولی رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا۔ زمیلہ بھائی سے لپٹی کھڑی تھی۔

''شکر ہے' آپ آ گئے۔'' زمیلہ نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے۔

''گھر میں ذرا بھی رونق نہیں تھی' حالانکہ بھابی اتنا بولتی بھی نہیں' اس کے باوجود گویا ان کے سے رونق تھی۔''

''میرا اپنا دل بڑا پھیکا پڑ رہا تھا۔ ایسی بے زاری تھی کہ حد نہیں۔'' وہ بیٹے کو بے ساختہ چوم رہی تھیں۔

''میرے لئے کیا لائی ہیں بھابی!'' زمیلہ مطلب کی بات پر فوراً آ گئی تھی' شاید اسے بھابی کی سے ملنے والے تحائف کی توقع تھی۔

''مجھے یقین تھا' آپ خالی تو نہیں آ سکتیں۔''

میں تو پوری خالی ہو کر آ گئی ہوں زمیلہ۔'' حریم کے آنسو بہنے کو بے تاب ہوئے۔

''لوگ تو سیر و سیاحت کے بعد اتنے فریش ہوتے ہیں۔ پہلے سے بھی زیادہ نکھرتے ہیں' مگر کیا ہوا ہے۔ یہ تو پہلے سے بھی زیادہ بجھی بجھی لگ رہی ہیں۔'' زمیلہ کے تبصرے نے حریم کا دل گویا مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی' مزید بیٹھنا محال تھا۔ ایک ہاتھ سے تھامے وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی' بکھری' اداس' غمگین اور خالی خالی سی۔ راحت بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔

حریم کو بائیس سیڑھیاں پل صراط کی مانند لگ رہی تھیں۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ بیڈ پر تقریباً گر گئی تھی۔ اتنی سی مشقت نے سانسوں کو الجھا کر رکھ دیا تھا۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے' پیاس کا احساس ہر شے پر حاوی تھا۔ وہ پانی پینا چاہتی تھی' مگر ٹیبل پر رکھا جگ خالی تھا۔ نیچے جانے یا ماہیر کو آواز دینے کی ہمت نہیں تھی۔ ماہیر کے اوپر آنے کے امکان بھی کم کم نظر آ رہے تھے۔ اتنے دن ماں سے دور رہا ہے' جلدی تو اسے نہیں آنے دیں گی۔ یہ یقین تو حریم کو تھا ہی۔ شاید آج کی رات وہ اوپر آتا ہی نہیں' صفائیاں دیتے ہوئے گزر جاتی' یہ مشکل ترین اور بھاری رات۔ ان کی لعن طعن سنتے' غصہ سہتے برداشت کرتے ہوئے۔ حریم کو سب سے عذاب ناک بات یہ لگ رہی تھی کہ صبح وہ امی کا سامنا کیسے کرے گی۔ نجانے وہ کیا کیا سنائیں گی۔ جلی کٹی' دل دکھانے والی باتیں' زہر میں بجھے الفاظ۔

''دیکھ لیا نافرمانی کا انجام۔'' اسے یوں لگا تھا' راحت بیگم تمسخر سے اسے دیکھ رہی ہیں۔

''منع کیا تھا نہ جاؤ' مگر میری بات کو ہنسی میں اڑا دیا تھا۔'' وہ غصے سے گویا پھنکار رہی تھیں۔

''سارا قصور اس حریم کا ہے۔ یہ ہی میرے بیٹے کو مجبور کرتی رہی ہوگی۔ آگ لگی تھی سیریں کرنے کی' بھگت لیا سڑکوں پر دندنانے کا انجام۔ میری بکواس پر تو دھیان دینا گناہ ہے۔ میں کچھ بھی بکتی رہوں' کسی کو بھلا کیا احساس' اتنا نقصان کر دیا ہمارا۔ بچے کی خوشی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ آخری دیدار بھی نہ کیا پوتے کا۔ بہت منحوس ہے یہ حریم! جس دن سے اس گھر میں داخل ہوئی ہے' ہم مشکلات کے طوفان سے ہی نبٹتے رہے۔ جھک گئے میرے بیٹے کے کندھے پہلے اوپر والے کمروں کا قرض اتارا' پھر شادی کے سلسلے میں لئے جانے والا لون تنخواہ میں سے کٹواتے رہے۔ اب اس کی بیماری بال بال قرض میں جکڑ دے گی۔ آپریشن ہوا' بچہ نہ رہا' ہمیں کسی نے بتایا نہیں۔ یہ ساری پٹیاں حریم کی ہیں۔ میرے بیٹے کے کان بھرتی رہی تھی۔ اسے ہمارے خلاف بھڑکاتی رہی۔ میرے بیٹے نے ماں کو کچھ بتانا گوارا نہیں کیا۔ ایسی بھولی صورت اور چالیں ساری شیطانی۔

چلتر باز نے آگے پیچھے پھر کر چار دن واہ واہ سمیٹ کر اپنے رنگ ڈھنگ دکھانے شروع کر دیئے ہیں۔ میں تو اول روز سے ہی اس کی چالاکیوں کو جان گئی تھی۔ اس لئے زیادہ سر نہیں چڑھایا میں نے' ہمیشہ ایک حد میں رکھا۔ کیا ضرورت تھی؟ سانپ کو دودھ پلانے کی' چومنے چاٹنے کی' یہ ساری بہوئیں ایک جیسی ہوتی ہیں' خود غرض اور کمینی۔'' راحت بیگم کا بنتا' بگڑتا چہرہ شفاف دیوار پر اپنا عکس چھوڑ رہا تھا۔ کبھی مٹتا' کبھی ابھرنے لگتا۔

''ہمارے نصیبوں میں کوئی خوشی نہیں تھی۔ سوچا تھا پوتا ہوگا' اس سے دل بہلایا کروں گی۔ بہو تو ایسی بے زبان ملی ہے' کبھی عید کے عید نہ بولی' نہ مسکرائی۔ ہم تو گویا چینی کی صورت اٹھا لائے ہیں۔ بے زار' خاموش' ہر دم اداس' نجانے کون کون سے غم جان کو لگا رکھے ہیں۔ ماں ہے نہیں' باپ بیمار' کانوں کی کچی لگتی ہے۔ شاید کسی سے دل لگا رکھا ہوگا۔ تبھی تو ایک دن ہم نے اسے مسرور نہیں دیکھا۔ ایسے بھی کیا ظلم کے پہاڑ توڑتے ہیں ہم' گھر کے کام کاج کرتے ہوئے صورت پر مسکینیت طاری ہو جاتی ہے۔ آنکھوں میں ہر وقت آنسو جمع' سب چالاکیاں ہیں' یہ داؤ پیچ ہم پر آزمانے کی ضرورت نہیں' بنو! ہم تو سب ''مکاریوں'' کو جانتے ہیں' یہ منافقت ہمیں نہیں آتی۔ منہ پر میٹھے بنے رہے' پشت پر خنجر گھونپ دو۔ ایسی باتوں سے ہمارے احمق بیٹے پر اپنا قبضہ جما لو' اسے باتوں سے بہلا سکتی ہو' خدمتوں سے جیت سکتی ہو' میں ساری مکاریاں جانتی ہوں۔ ان خانطروں' خدمتوں سے تم مجھے کم از کم جیت نہیں پاؤ گی۔ میں تمہارے دام میں آؤں گی تو تب نا۔ ''یہ گر کسی اور پر آزمانا۔ یہ ڈھونگ کہیں اور جا کر رچانا۔ یہ ڈرامے کسی اور کو دکھانا۔ ہم نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ تجربہ ہے ایک عمر کا۔ اب اس آپریشن کے بہانے بستر توڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہزاروں کا صفایا کر کے آئی ہو۔ دیکھ بھی لیا ہے' مہمان آئے تھے۔ میز اور کچن میں برتنوں کے انبار لگے ہیں۔ ہم سے تو ایک پلیٹ نہیں اٹھتی' پڑی ہے اور خود آ کر آرام فرمانے لگی ہو۔ کیا ہسپتال میں پہاڑ کاٹتی رہی ہو۔ ادھر بھی تو اتنے دن آرام ہی کیا ہے۔ اٹھو بستر سے کچن میں جاؤ' صفائی کرو' برتن دھو کر رکھو' اپنی گھرہستی سنبھالو۔ اتنے دن آرام کر لیا' یہی کافی ہے۔ ہم کب تک بوڑھی ہڈیوں کو گھسیٹتے رہیں' اٹھ بھی چکو۔'' وہ گویا دیوار سے نکل کر چلا رہی تھیں۔ حریم کے لب سے دبی دبی چیخ نکل گئی۔ خوف اور دہشت سے اس کے جسم پر لرزہ طاری

ہو گیا تھا۔ شدید سردی کے باعث یا پھر خوف کی شدت سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔

وہ سسکاریاں بھر بھر کے رونے لگی تھی۔ جب ہولے سے کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ... نے گردن موڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس وقت درد کی انتہائی منزل سے گزر رہی تھی۔ حریم چونکی تو ... اپنے کندھے پر نرم ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔ کوئی اس کے قریب بیٹھ رہا تھا۔ دھند کے پار کا منظر بھی دھ... مگر اسے دھندلے منظر کے پار ایک عکس جھلملاتا مجسم نظر آ رہا تھا۔

"اتنا کچھ ہو گیا۔ ہمیں بتایا نہیں' خود ہی تکلیف سہتی رہی۔" نرم آواز' نرم سا یہ لہجہ' حریم حیران ہو... راحت بیگم کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسوؤں کو دیکھتی رہی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ رہی تھیں۔

"اسی لئے میرا دل گھبراتا رہا تھا۔ کئی دفعہ فون کیا تھا' ماہیر کے موبائل پر' کمپیوٹر والی ایک ہی ... دیتی کہ مطلوبہ نمبر بند ہے۔ مجھے کیا خبر میرے بچوں پر کیسی قیامت بیت رہی ہے۔" کندھے سے ہٹ... کا ہاتھ حریم کے سر پر آ ٹھہرا تھا۔

"ماہیر بتا رہا تھا' آپریشن ہوا ہے۔"

"خالی گود لے کر اٹھی۔" ان کے آنسو اب گالوں پر پھسل رہے تھے۔

"ہمارے نصیب میں یہ صدمہ سہنا لکھا تھا' ورنہ کیا کیا ارمان تھے' بچے کے متعلق۔" وہ اس... بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ حریم بھی بے آواز روتی رہی۔

"رونا نہیں۔" انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔

"آنکھیں چھلے میں کچی ہوتی ہیں' آنسو مت بہاؤ' نظر بھی نہیں لگاتے۔ اخبار وغیرہ پڑھنے ... جانا۔ آنکھوں پر اثر پڑے گا۔" وہ پیار سے نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔

"اگر مجھے اس حادثے کی خبر ہوتی تو زبردستی تمہیں روک لیتی' جانے ہی نہ دیتی۔ میں نے تو ... کہ ابھی تو کافی وقت پڑا ہے۔ عورتیں اس حالت میں نوکریاں کرتی ہیں' بھرے پرے کنبے بھگتا... بیرون ملک تک سفر کرتی ہیں۔ اسی لئے خاموش ہو گئی۔ سوچا' بچوں کی خوشی ہے' روڑے کیوں اٹکا... تمہاری خالہ کے بھی اتنے فون آئے تھے۔ بصد اصرار بلاتی رہی تھی۔" ان کے چہرے پر دکھ کے ... بہت گہرے تھے۔

"ماہیر بھی بہت پریشان ہے۔ اتنے دن اکیلا خوار ہوتا رہا۔ ادھر موبی کو بھی پرسوں بہت شد... پڑا تھا۔ ہسپتال لے جانا پڑا۔ میرے اور زمیلہ کے تو قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ شکر ہے فیفا اور نفیسہ ... تھیں۔ فیفا کی کوششوں سے موبی کو ہسپتال لے گئے۔ پھر سے ٹیسٹ' ڈاکٹر کی فیس' دوائیاں' اتنا لمبا ... فیفا نے چکایا ہے۔ ادھار تو ادھار ہی ہوتا ہے۔ ماہیر کو اس لئے نہیں بتایا وہ پہلے ہی بہت پریشان ... ہے۔ ایک نئی ٹینشن آتے ساتھ سوچنے کو دل نہیں مانا میرا۔" ان کا ہاتھ اب حریم کے ہاتھ پر تھا ... بول' نرم لہجے' نرم الفاظ دلوں پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ حریم ان کی اس توجہ' ملائمت اور نرمی ... بھی پگھلنے لگی۔

"اب موبی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"پہلے سے کچھ بہتر ہے۔" ان کے لہجے میں واضح یاسیت تھی۔

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"جھوٹی تسلیاں' فضول کے دلاسے' مجھے پتا ہے' وہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ اس کے دماغ میں شاید رسولی ہے۔ ڈاکٹر آپریشن نہیں کرتے۔ ویسے بھی اپنی عمر کے بچوں سے اس کا ذہن بہت پیچھے ہے۔" وہ گویا بالکل ناامید ہو چکی تھیں۔ حالانکہ اس کا ذہن بہت پیچھے نہیں بہت آگے تھا۔

"بیرون ملک تو علاج ممکن ہے۔" اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ ایک دم ہی موبی کی تکلیف کا احساس ہر شے پر حاوی ہو گیا۔

"عالم نے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔ اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے مشورہ کیا' علاج کروایا' مگر دماغ کی نشوونما نہیں ہو سکی۔" وہ رنجیدگی سے بولی تھیں' نہ جانے کس کیفیت کے زیر اثر وہ موبی کی بیماری جیسے حساس موضوع پر گفتگو کرنے لگی تھیں۔ اس سے پہلے تو کوئی بھی اگر موبی کی بیماری کے متعلق کسی مشورے سے نوازنا چاہتا تو راحت بیگم غصے سے بپھر جاتی تھیں۔ انہیں شاید یہ محسوس ہوتا تھا کہ موبی کی بیماری کا ذکر لوگ چٹخارے لینے کے لئے یا ان کے زخم ادھیڑنے کے شوق میں کرتے ہیں۔ بہرحال جو بھی تھا وہ کسی کو موبی کے متعلق گفتگو کرنے نہیں دیتی تھیں۔ حتیٰ کہ راحت بیگم کے سامنے بابا بھی موبی کا حال احوال پوچھنے سے گریز برتتے تھے۔

"مگر ابراڈ میں آپریشن تو ممکن ہے۔ دورے کی حالت میں موبی جس ذہنی کرب اور درد سے گزرتا ہے۔ آپریشن کے بعد اس درد سے تو نجات مل جائے گی۔" حریم نے نرم آواز میں ہمدردی سے کہا۔

"ہوا یہ مگر زیور حتیٰ کہ ماہیر کی موٹر سائیکل بھی بیچ دی جائے' تب بھی موبی کا آپریشن ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہاں کے ڈاکٹر رسک لینا نہیں چاہتے اور باہر کا خرچہ ہماری بساط سے بڑھ کر ہے۔" بیٹے کی تکلیف نے ان کی آنکھوں کو پھر سے بھگو ڈالا تھا۔

"چلتی ہوں' تم اب آرام کرو' زیادہ بولنا مت' نیچے آنے جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر نے جتنی تمہارا بتایا ہے' جس قدر پرہیز کہا ہے اتنا ہی کرنا۔ کام تو ہوتے رہیں گے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ میں تمہارے لئے یخنی بنوا کر بھیجتی ہوں۔ ماہیر بتا رہا تھا تم صبح سے بھوکی ہو' کچھ دیر سو جاؤ۔" وہ اسے آرام کی تلقین کرتے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔ حریم تو ابھی تک اس کایا پلٹ پر حیران تھی' ششدر تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ راحت اتنی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی ہیں' باتیں کرتی رہی ہیں' تسلی کے پھاہے رستے زخم پر رکھتی رہی ہیں۔

اسے یوں لگ رہا تھا' اسلام آباد جانا اس کے لئے مبارک ثابت ہوا ہے۔ اسے رونا بھی آ رہا تھا' بے تحاشا رونا اور ہنسی بھی بکھر رہی تھی۔ کچھ صدمہ تھا' کچھ خوشی تھی' بھلا کس مقام پر وہ لفظوں کی نرماہٹیں بکھیرنے لگی تھیں' جب دل حد سے زیادہ رنجیدہ تھا' افسردہ تھا' راحت بیگم کی اس محبت بھری توجہ پر پورے ... سے خوش ہونے سے لاچار تھا' بے بس تھا' بھرا بھرا تھا' غم سے لبریز تھا۔ اس تسلی نے' اس توجہ نے' اس محبت نے اور بھی آزردہ کر دیا تھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ تمام پریشانیوں کو

جھٹکنے لگی تھی۔ کچھ دیر پرسکون نیند لینا چاہتی تھی۔

اسے یوں محسوس ہوا تھا' باہر ہلکا سا کھٹکا ہوا ہے' شاید ماہیر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ماہیر اور راحت کے بولنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے' بہت سناٹا ہونے کی وجہ سے کی ساعتوں میں ان کے چند الفاظ پڑے۔

"بچہ بالکل ٹھیک تھا ماہیر! سچ بتانا۔ میرا دل رکھنے کی کوشش نہ کرنا۔" ان کی آواز میں سرسراہٹ

"بالکل صحت مند تھا۔ خوبصورت' اعضاء بھی مکمل تھے' تندرست بچہ تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی اگر بروقت ہو جاتا تو بچے کو بھی بچایا جا سکتا تھا مگر......" ماہیر کی آواز میں بے پناہ افسردگی تھی۔

"بالکل صحت مند۔" نہ جانے وہ کیسی یقین دہانی چاہتی تھیں۔

"جی امی۔"

"کوئی کمی تو نہیں تھی۔" عجیب سی سرسراتی آواز راحت بیگم کے لبوں سے نکلی۔

"نہیں۔" ماہیر کے لہجے میں سچائی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" وہ گویا مطمئن ہو گئی تھیں۔

حریم کو اس اطمینان اور "شکر" کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تاہم اس کا ذہن اب غنودگی کی طرف پرواز تھا۔ کچھ پل بعد وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

............*

وقت نے گویا اداسی کی پازیبیں پہن لی تھیں۔ دن گزرنے کا نام ہی نہ لیتا۔ راحت بیگم نے اس کے نیچے اترنے پر پابندی لگا دی تھی۔ ناشتا' کھانا اوپر پہنچا دیا جاتا۔ ٹوکری بھر کر مختلف پھلوں کی بھجوا دی جاتی۔ زمیلہ کبھی کبھار سوپ وغیرہ بنا کر بھی دے جاتی تھی۔ حریم کو تنہائی نے اور بھی اکتاہٹ کا شکار کر دیا تھا۔ اوپر والے حصے کی صفائی ستھرائی وہ با آسانی کر لیتی تھی۔ ماہیر کے کپڑے لیتی' استری بھی کر لیتی۔ پھر آہستہ آہستہ دھلنے والے کپڑوں کی بڑی سی گٹھڑی اٹھا کر اوپر بھجوائی جانے لگی تھی۔

اس دن بھی صبح صبح زمیلہ ایک بھاری سی گٹھڑی اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھابی! انہیں استری کر دیں۔ میں ہنڈیا کو چولہے پر چڑھا کر آئی ہوں۔" زمیلہ قدرے بولی۔ چہرے پر کچھ خجالت کے تاثرات بھی تھے۔

"ادھر رکھ دو۔" حریم استری اسٹینڈ کے پاس کھڑی تھی' نہ جانے کتنے ہفتوں کے کپڑے ہو گئے تھے۔ حریم کو گول گول چکر آنے لگے۔ گٹھڑی کو کھول کر دیکھا تو زیادہ کپڑے موبی کے تھے۔ گہری سانس کھینچ کر کپڑے پریس کرنے لگی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس نے حانی سے فون پر بات کی تھی۔ ساتھ ہونے والے حادثے کو مختصر الفاظ میں بتا دیا تھا۔ دوسری طرف حانی کیسے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اس نے حانی سے وعدہ لینا چاہا تھا کہ بابا کو کچھ بھی نہیں بتائے گی۔

"کوئی بھی خوشی مکمل کیوں نہیں ملتی؟ اتنا ادھورا پن کیوں ہے ہماری زندگیوں میں؟" حانی

ان کے دل پر گرنے لگے تھے۔ ابھی تک حانی کی سسکیاں کانوں میں گونج رہی تھیں۔

"میں نے سوچ رکھا تھا' تمہارا بچہ میں لے لوں گی۔ اسے خود پالوں گی' نہلاؤں گی' دھلاؤں گی' کھلاؤں گی' کتنی پیاری مصروفیت مجھے مل جاتی تھی' مگر......" وہ بے حد غمگین تھی۔

"اتنا انتظار تھا مجھے' خالہ بننے کا۔"

"پلیز حانی' رونا مت' ورنہ میں بھی دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دوں گی۔" حریم بار بار یہی التجا کر رہی تھی۔

"حریم! بتاؤ نا' کیسا تھا میرا بھانجا' ماہیر بھائی جیسا تھا کیا؟" حانی آنسو پونچھتے ہوئے اشتیاق سے بولی۔

"ماہیر جیسا تھا۔ خالہ بھی یہی بتا رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا گویا چینی کا گڈا۔" حریم کی آنکھوں میں رنگ اتر آئے' سنہرے' سرخ' گلابی' نیلے۔

"آنکھیں بھی بھوری تھیں کیا؟" حانی گویا بچے کا ایک ایک نقش چشم تصور سے دیکھنا چاہتی تھی۔

"پتا نہیں۔" اذیت کی ایک تیز لہر من میں اتر آئی تھی۔

"کیوں تم نے نہیں دیکھا۔" حانی خفگی سے بولی۔

"نہیں۔"

"اچھا......" حانی کو بہن کے دل دکھنے کا خیال آیا تو چپ کر گئی۔

"تم ادھر آ جاؤ' وہاں کون تمہارا خیال رکھتا ہوگا۔" کچھ دیر بعد ٹوٹے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"یہاں ٹھیک ہوں۔ امی کا رویہ پہلے سے بہتر ہے۔"

"مقام حیرت۔" حانی خوش دلی سے مسکرائی۔ کئی دنوں کی جمع شدہ باتوں میں وقت گزرنے کا پتا نہیں چلا تھا۔ بہن سے دل کا بوجھ ہلکا کر کے وہ قدرے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ ابھی بھی حانی کی باتیں یاد کر کے اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ کپڑوں کی دو اونچی اونچی تہیں استری ہو چکی تھیں۔ اسی پل راحت بیگم کمرے میں آ گئیں۔

"یہ کیا کر رہی ہو' چھوڑو انہیں۔" انہوں نے ڈپٹ کر اس کے ہاتھ سے شرٹ کھینچی۔

"نفیسہ اوپر آ رہی ہے' کیا سوچے گی۔ چھلے تک بہو کو آرام نہیں دے سکی ہیں۔" انہوں نے پھرتی سے کپڑے سمیٹ دیئے تھے۔ کچھ دیر بعد فیفا اور پھوپھو کمرے میں داخل ہوئیں۔ پھوپھو نے اس کا ماتھا چوم کر گلے لگایا تھا۔ حریم بے آواز رونے لگی تھی۔ فیفا کے تاثرات بھی اداس تھے۔ پھوپھو اور امی اسے صبر کی تلقین کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد زمیلہ چائے لے آئی۔

"زمیلہ! تمہاری اچھی پریڈ ہو رہی ہے۔" فیفا نے ماحول پر چھائی کثافت کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"سسرال میں جا کر آسانی رہے گی۔"

"بھابی نے کچن کا سارا انتظام سنبھالا ہوا تھا۔ مجھے تو چائے' چینی ڈھونڈنے میں بھی گھنٹہ بھر لگ جاتا

ہے۔"

"ماشاء اللہ سے حریم دس بیس لوگوں کا کھانا باآسانی پکا سکتی ہے۔" راحت بیگم نے تعریفی نظروں سے بجھی بجھی سی حریم کو دیکھ کر کہا۔

"پہلے فیفا نے بہت سکھ دیا ہے مجھے تو اب حریم بہت خیال رکھتی ہے۔"

"اور محبت آپ کو پھر بھی زیادہ زمیلہ سے ہے۔ یہ تو سراسر فاؤل ہے مامی جان!" فیفا نے بڑے طریقے سے طنز کیا تھا۔ راحت بیگم کچھ کھسیا سی گئیں۔ پھوپھو نے فیفا کو گھور کر گویا تنبیہ کی تھی۔

"بکواس مت کرو۔"

"زمیلہ! آج کل چہرے پر کیا لگا رہی ہو؟" فیفا نے فوراً موضوع بدل دیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" زمیلہ مکر گئی۔

"اب جھوٹ تو نہ بولو۔" فیفا کو قطعاً یقین نہیں آیا۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔" زمیلہ جزبز ہوگئی۔

"فضول کریمیں یوز کرنے سے تو انفیکشن ہو جاتا ہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے اپنی اسکن ڈیمج کرنے کی۔"

"کچھ تیاری شروع کی ہے؟" پھوپھو امی کی طرف متوجہ تھیں۔

"ابھی کہاں؟" امی کے تاثرات یکدم سپاٹ ہوگئے۔

"حریم کی صحت بہتر ہوگی تو دیکھیں گے۔ ابھی تو ماہیر کو دو گھڑی کی فرصت نہیں۔ صبح کا گیا رات کو لوٹتا ہے۔ اوپر سے دفتری کام بھی گھر میں اٹھا لاتا ہے۔"

"خیر سے حریم صحت مند ہوگئی تو آپ کو اتنا تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"تو اور کیا۔" امی فوراً متفق ہوگئیں۔

"کپڑے تک سلائی کر لیتی ہے۔" امی کے انداز میں فخر تھا۔

"بھابی جیسی سلائی اور ڈیزائننگ تو ماہر ٹیلر بھی نہیں کر سکتے۔" زمیلہ نے کچھ دیر پہلے والا بدلہ اتارا تھا۔ فیفا دھیمے سے مسکرا دی۔ زمیلہ جانتی تھی فیفا کو سلائی کڑھائی سرے سے نہیں آتی۔

"تم بھی کسی کی بھابی بننے والی ہو۔ کچھ "گر" تم نے بھی سیکھ لینے تھے۔" فیفا نے مسکرا کر طنز کا تیر پھینکا۔

"کل کو تمہاری نند بھی سیم انہی الفاظ میں تمہاری تعریف کرتی تو مامی جان تفخر سے سر اٹھاتیں۔"

در پردہ فیفا نے زمیلہ کی کام چور عادت کو نشانہ بنایا تھا۔ زمیلہ کا منہ پھول کر کپا ہوگیا۔

"مجھ سے نہیں آنکھیں پھوڑی جاتیں۔" زمیلہ ناگواری سے بولی۔

"آنکھوں کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔"

"اچھا۔" فیفا نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"اپنی فریش نیس کا اتنا خیال ہے۔"

"سب کو ہوتا ہے۔" زمیلہ کو غصہ آنے لگا تھا۔

"بعض لوگ کچھ زیادہ حسن صحت کے بارے میں کانشس رہتے ہیں۔"

"ہونا بھی چاہیے۔" زمیلہ اب برتن اٹھا کر باہر نکلنے لگی تھی۔ شاید فیفا کی طنزیہ گفتگو سے بچنے کے لیے۔

پھوپھو اور فیفا کے جانے کے بعد برتن سنک میں پٹختے ہوئے زمیلہ اونچی آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔

"بہت اچھا کیا ہے۔ اس "چلتر" کا رشتہ نہیں لیا۔ ہمیں تو دو دن میں اس "مکارن" نے دیوار سے چپکا دینا تھا۔"

............*

خالہ تقریباً روزانہ فون کر کے اس کی خیریت پوچھتی تھیں۔ آج صبح بھی خالہ کا فون آیا تھا وہ کچھ پرجوش سی تھیں۔ اس کا حال احوال پوچھنے کے بعد بولیں۔

"حانی کے لئے میں نے ایک رشتہ دیکھا ہے۔"

"اچھا۔" حریم کو خوشگوار حیرت نے گھیرا۔

"کیسا ہے؟ لڑکا کیا کرتا ہے؟"

"رشتہ بہت اچھا ہے۔ ذرا تحمل سے میری بات سننا۔" خالہ کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی در آئی۔

"حانی خوبصورت ہے' گریجویٹ ہے' مگر ایک کمی تو بہرحال "تلخ" حقیقت کی مانند موجود ہے۔ سارے گن آتے ہیں' گھرداری میں طاق ہے' سگھڑاپے میں اس کی مثال نہیں ملتی مگر......" وہ کچھ سوچنے لگی تھیں۔ پھر بولیں تو لہجے میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔ حریم بہت سنجیدگی سے ان کی بات سننے لگی۔

"لڑکا کہنا تو مناسب نہیں ہوگا۔ پینتالیس' چھیالیس کے لگ بھگ عمر ہوگی احسان حسن کی' یا پھر اس سے بھی ایک دو سال آگے۔ تعلیم یافتہ ہیں' اپنا اسکول ہے' فقط اسٹینڈرڈ تک۔ والدین حیات نہیں۔ بہن بھائی سب اپنے گھر بار والے ہیں۔ مناسب وقت میں شادی ہوئی ہوتی تو ان کی بیٹی بھی شاید ہماری حانی جتنی ہوتی۔ اگرچہ حانی عمر میں ان سے بہت چھوٹی ہے' تاہم مجھے احسان حسن سے زیادہ بہتر رشتہ کوئی نظر نہیں لگا۔ پنڈی میں رہائش ہے' ذاتی مکان ہے۔ بہت سادہ مزاج کے شریف اور عزت دار آدمی ہیں۔ بچپن میں ایک حادثے کی وجہ سے ان کی دائیں آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ پتھر کی آنکھ سے نظر تو نہیں آتا' البتہ دیکھنے میں عیب اتنا ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی "عیب" کو "وجہ" بنا کر کئی لوگوں نے ان جیسے نفیس اور شریف آدمی کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ سو وہ اپنی ذات میں قید ہو کر رہ گئے ہیں۔ بہن بھائیوں کی اپنی زندگیاں ہیں' مصروفیت ہیں' بڑے بھائی کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں۔ میری ایک کولیگ نے ذکر کیا تھا۔ سو میں خود احسان حسن سے ملنے چلی گئی۔ شکل وصورت بھی عام سی ہے۔ سانولی رنگت' درمیانہ سا قد۔ عام سے نقوش ہیں' صحت بہت اچھی ہے۔"

"آپ نے انہیں حانی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔" خالہ کے خاموش ہوتے ہی حریم بے کلی سے بولی۔

تم بھائی صاحب سے اور جنت بوا سے اچھی طرح مشورہ کر کے مجھے بتا دینا۔"

"ہاں' تو اور کیا۔ مجھے کچھ چھپانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"انہیں حانی کی معذوری پر کوئی اعتراض تو نہیں۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"نہیں' بلکہ وہ تو کہہ رہے تھے۔ یہ ان کے لئے عین سعادت کا مقام ہے کہ وہ کسی بے سہارا
بنیں گے۔" خالہ اس کی پریشانی کی وجہ جانتی تھیں۔

"بس تم صحت مند ہو جاؤ تو پھر ماہیر کے ساتھ اک نظر احسان حسن کو دیکھ جانا۔ اگر تم دونوں کو
تو پھر بات آگے بڑھالیں گے۔"

"ہوں۔" حریم نے محض ہنکارا بھرا۔

"احسان حسن خود بھی تو کسی سہارے کے متلاشی ہیں۔"

"میں بابا اور بوا سے مشورہ کرلوں۔" حریم کچھ سوچ کر بولی۔

"کیوں نہیں' تم حانی سے بھی تفصیلاً بات کرنا۔ بہرحال حانی کی رضامندی سب سے زیادہ
ہے۔" خالہ نے نرمی سے کہا۔

"آپ کو کب تک جواب چاہیے۔"

"بیٹے! اتنی جلدی کی ضرورت نہیں۔ اس سال تو احسان حسن حج کرنے جارہے ہیں۔ ان کے
کے بعد مزید کارروائی کی جائے گی۔ اتنی دیر میں ہم مزید چھان بین کرلیں گے' کیا خیال ہے؟"
دور اندیشی کی حریم پہلے بھی قائل تھی۔ فوراً متفق ہوگئی۔

"یہ زیادہ بہتر ہے۔ سوچنے کے لئے اچھا وقت مل جائے گا۔"

"اچھا' یہ محبت سے بات کرلو۔ کب سے ترلے منتیں کررہا ہے۔ آپی سے بات کروادوں۔"
شاید بے قرار سے محبت کے کندھے پر ایک دھپ لگائی تھی۔

"آپی! ہماری یاد کبھی نہیں آتی' بھول چکی ہیں ہمیں۔" اس نے ریسیور پکڑتے......
شکایات کا دفتر کھول لیا۔

"اپنے پیاروں کو یاد کرنے کے لئے وقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمہ وقت سوچوں میں رہنے
کو کیا یاد کرنا۔" وہ ملائمت سے اس کا شکوہ دور کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

"آپی!" محبت شرارت سے کھنکارا۔

"میں ماہیر بھائی نہیں ہوں۔"

"بدتمیز۔" حریم ہنس پڑی۔

"ماہیر بھائی سے بھی ایسے ڈائیلاگ بولتی ہیں۔" وہ پکی سہیلیوں کی طرح پوچھ رہا تھا۔

"جی نہیں؟" وہ ناراض ہوئی۔

"ان کے لئے ڈائیلاگز کا بھلا سہارا کیوں لینا ہے۔ یہ تو ہم بے چاروں کے دل رکھنے
بولے جاتے ہیں۔" اس نے جھوٹ موٹ کی خود پر رنجیدگی طاری کی۔

"کیوں نہیں۔" وہ ہنس ہنس کر بے حال ہوگئی۔

"مہک کہاں ہے؟"

"کالج جانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہے۔ میک اپ کے بغیر تو یہ کالج گرلز خود کو "بچہ بچہ" سمجھتی
تھیں۔ یقیناً مہک کو بھی چڑایا جارہا تھا۔

"آپی! اس "بکواسی" کی باتوں پر یقین مت کرنا۔" مہک ریسیور کے قریب منہ کرکے چلائی۔

"ٹھیک ہے میری بہنا!" حریم نے اسی کے انداز میں مہک کو تسلی دی۔

"مجھے قطعاً یقین نہیں آیا۔"

"آپی! مسکینوں اور "شریفوں" کا سلام بھی قبول کرلو۔" ریسیور اب محسن کے ہاتھ میں منتقل ہوچکا
تھا۔ ان کی نوک جھوک نے حریم کو بے تحاشا ہنسنے پر مجبور کردیا تھا۔ صبح صبح طبیعت ایک دم فریش ہوگئی تھی۔

............*

اسی شام کی بات ہے۔ لمبی سی چمکتی دمکتی گاڑی گیٹ پر آرکی تھی۔ زمیلہ نے جلدی سے کھڑکی میں
سے جھانک کر دیکھا۔ زمیلہ کے خیال میں شاید اس کے سسرال والے آئے تھے' مگر گاڑی میں سے نکلتی
جنت بوا کو دیکھ کر زمیلہ حیران رہ گئی تھی' بوا' حانی کی وہیل چیئر نکال رہی تھیں جو کہ فولڈ کرکے ڈرائیور نے
ڈگی میں رکھ دی تھی۔ حریم کے بابا اور حانی کو دیکھ کر وہ جلدی سے حریم کو اطلاع دینے کی غرض سے بھاگی۔

"بھابی! آپ کے میکے والے آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟" حریم کو گویا کسی نے قارون کا خزانہ دینے کا سندیسہ دیا تھا۔ وہ خوشی سے بے حال
ہوتی دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی۔ بابا' حانی اور بوا مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں سمیت آئے
تھے۔ حریم بابا کے سینے سے لگ کر بے اختیار رو پڑی۔ حانی آنسو پی رہی تھی۔ بوا دوپٹے کے پلو سے
آنکھیں خشک کررہی تھیں۔

"سب لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد حریم کو ان کی خاطر تواضع کا خیال آیا تھا' کیونکہ
زمیلہ تو بالکل تیار بیٹھی تھی' آج اس نے اپنی نند کی سالگرہ میں شرکت کرنے جانا تھا۔ کچھ دیر بعد زمیلہ کے
...سے لینے کے لئے آگئے تھے اور وہ رسمی سی معذرت کرکے چلتی بنی تھی۔ حریم چپکے سے اٹھ کر کچن کی
طرف بڑھ گئی۔

ماہیر آگیا تھا۔ بابا' امی اور ماہیر باتوں میں مصروف ہوچکے تھے۔ حانی نے بھی غیر محسوس طریقے سے
وہیل چیئر کا رخ موڑ لیا تھا۔ وہ حریم کے پاس کچن میں آگئی تھی۔

"ہمارے لئے تکلف مت کرنا۔"

"کیوں؟" حریم خوشدلی سے بولی۔

"ہم لوگ مہمان تو نہیں۔"

"اپنوں کو کیا سوکھے منہ رخصت کردیا جاتا ہے۔" حریم کیبنٹ کھول کر نمکو' بسکٹ وغیرہ نکال رہی
تھی۔

"تمہاری سسرال کا تو یہی رواج لگتا ہے۔" حانی کو شاید زمیلہ کا جانا غیر مناسب لگا تھا' گھر میں

مہمان آئے بیٹھے تھے اور اس نے ذرہ بھر لحاظ نہیں کیا۔

"کبھی تم نے بھی ان کے مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟" حانی کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"نہیں۔" حریم سمجھ رہی تھی' مگر خاموش تھی' خاموش رہنے پر مجبور تھی۔

"کبھی ایسا کر کے دیکھنا تو سہی۔" حانی اسے اور راہیں دکھا رہی تھی۔ وہ اسی طرح جذباتی تھی۔

"اس گھر سے نکلوانا ہے کیا؟" حریم نے افسردگی سے کہا۔

"اتنا کچا بندھن ہوتا ہے۔" حانی حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"سمجھا جائے تو سب سے مضبوط' پائیدار۔ اگر نہ سمجھا جائے تو کچھ بھی نہیں' ٹوٹنے پر آئے تو ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ جائے' ورنہ بڑے بڑے طوفانوں سے بھی کوئی خطرہ نہیں۔" چائے کا پانی ابل چکا تھا۔ وہ مختلف پلیٹوں میں فروٹ کاٹ کر رکھ رہی تھی۔ چائے سے پہلے اس نے فروٹ لاؤنج میں پہنچا دیا تو ماہیر کچن میں آ گیا۔

"بازار سے کچھ منگوانا ہے؟"

"نہیں' ماہیر بھائی رہنے دیں۔" حانی بے ساختہ بولی۔

"تکلف کی ضرورت نہیں۔"

"بڑو! تم خاموش رہو' میں اپنی بیوی سے ہم کلام ہوں۔" ماہیر نے حانی کے سر پر چپت لگائی۔

"چائے کے ساتھ کچھ لے آؤں۔"

"نمکو' بسکٹ اور مٹھائی تو ہے۔" حریم خود تذبذب کا شکار تھی۔ ماہیر بغیر کچھ کہے پلٹ گیا تھا۔

"حریم! ذرا ادھر دیکھو۔" حانی کا انداز سرگوشیانہ ہی نہیں رازدانہ بھی تھا۔

"کیا ہے؟" وہ آنچ دھیمی کر کے پلٹ کر حانی کو دیکھنے لگی۔

"یہ رکھ لو' زرجان بھیا نے تمہارے لئے دیئے ہیں۔" حانی نے ایک اچھا خاصا بھاری لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"اس میں کیا ہے؟" حریم قدرے خوفزدہ سی پیچھے ہٹی۔

"سانپ نہیں ہے۔ کچھ رقم بھیجی ہے' بھیا نے تمہارے لئے۔ انہیں تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے کی خبر مل گئی تھی۔ تمہاری عیادت اور احوال پرسی کے لئے وہ اس لئے نہیں آئے کہ شاید تم گزرے۔" حانی نے دبی آواز میں بتایا۔

"پلیز حریم! رکھ لو یہ رقم' تمہارے کام آ جائے گی۔ بھیا کا دل بھی خوش ہو جائے گا۔ تم کب دیئے گئے تحفوں کو قبول کرتی ہو۔ پلیز حریم! انکار مت کرنا۔ ان کا پہلے سے ٹوٹا دل اور بھی کرچی جائے گا۔ کتنے اچھے ہیں زرجان بھیا! ہمارا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ ابھی گاڑی بھی بھیجی تھی کہ پاس بھی ہو آئیں اور ہم لوگ تم سے بھی آسانی سے مل آئیں۔ ایسے لوگ تو بڑے انمول ہوتے ایک ایک کا احساس کرنے والے خیال رکھنے والے۔ بڑے ہی دیالو' فیاض' سخی۔" حانی کی آواز بھیگ

"یہ رقم اپنے زرجان بھیا کو واپس کر دینا حانی! حریم کو خیرات نہیں چاہیے۔" وہ مضبوط

ہوئی رخ موڑ گئی تھی۔

"اتنی کٹھور تو مت بنو حریم!" حانی تڑپ کر رہ گئی۔

"زرجان بھیا کے خلوص کو یوں بے مول تو نہ کرو۔"

"اپنے بھیا سے کہہ دینا۔ یہ خلوص کسی اور پر لٹائیں۔" حریم کی آواز میں پتھروں جیسی سختی تھی۔

"اس میں حرج کیا ہے؟" حانی نے غصے سے کہا۔

"تم نہیں سمجھو گی حانی!" حریم نے اذیت سے اپنے لب کچل لئے۔

"میں کچھ سمجھنا بھی نہیں چاہتی۔" حانی تلخی سے کہنے لگی۔

"تم سنگدل اور بے مروت ہو۔ ہمیشہ بھیا کے خلوص کو یوں ہی مٹی میں رول دیتی ہو۔ سب جانتے ہوئے بھی کہ بھیا کی "مہربانیوں" کی وجہ سے ہم پر کبھی بھی کوئی مشکل دور نہیں آیا۔"

"میں اس کے احسان اتارنے کے لئے' اس کی اچھائیوں کا سرٹیفکیٹ اپنے ماتھے پر سجا لوں۔" وہ دبی آواز میں پھنکاری۔

"میری ذات اس کے ہر احسان سے بری الذمہ ہے۔"

"زملیہ کی شادی کے سلسلے میں تمہیں رقم کی ضرورت پڑے گی' تب استعمال کر لینا۔ ماہیر بھائی کی پریشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان کا بوجھ تھوڑا کم ہو جائے گا۔" حانی نے آواز اور لہجہ نرم کر لیا تھا۔

"تم زرجان کو یہ رقم لوٹا دینا۔"

"وہ ہی مرغی کی ایک ٹانگ۔" حانی کو پھر سے غصہ آ گیا۔

"رکھو یہ پیسے' میں بھیا کو واپس نہیں کر سکتی۔"

"مگر حانی۔" حریم غصے کے عالم میں کچھ ترش الفاظ منہ سے نکالنے لگی تھی۔ جب لاؤنج میں داخل ہوتے ماہیر کو دیکھ کر اس نے لفافہ جلدی سے حانی کے ہاتھ سے جھپٹ کر دراز میں ڈال دیا تھا۔ حانی قدرے پرسکون ہو گئی۔

"جلدی سے پلیٹوں میں نکال کر چائے لے آؤ۔ انکل تو جانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔" ماہیر نے کئی شاپر سلیب پر رکھ کر حریم کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے۔ کیک' رول' ڈرم اسٹکس' پیزا' کباب اور کٹلس پلیٹوں میں نکالتے ہوئے حریم کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ تشکر اور احسان کے احساس نے ماہیر کی قدر اور محبت اور بھی بڑھا دیا تھا۔ احساس کے ان بولوں کا نام ہی محبت تھا۔

"بیٹا! یہ سب کیا ہے۔" بابا اور بوا دونوں خفا ہونے لگے۔

"ہم تم سے ملنے کے لئے' تمہیں دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔"

"مل بھی لیا ہے اور دیکھ بھی لیا ہے۔ حانی کو کچھ کھانے دیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔ ٹوکیے گا مت۔" حانی حریم سے "جنگ" جیتنے کی وجہ سے ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ تبھی خوب چہکنے لگی۔

"بھابی! آپ کی صحت کیسی ہے؟" بابا' راحت بیگم کے بدلتے موڈ کو سمجھے بغیر نرمی سے پوچھنے لگے۔

"گزر رہی ہے بھائی صاحب!" انہوں نے بلا کی نحیف آواز میں کہا۔

"موبی کہاں ہے؟" حانی کو اچانک خیال آیا۔ راحت بیگم کی بیماریوں کی تفصیل سننے کا ا نہیں تھا۔

"سورہا ہے۔" مہمانوں کے سامنے تو موبی کو باہر نکلنے کی اجازت بالکل نہیں تھی۔

"موبی کو کمرے میں زیادہ نہ رکھا کریں۔ لوگوں میں بیٹھے گا تو اس کے مزاج اور صحت پر پڑے گا۔"

حانی نصیحت کی پوٹلی کھول کر بیٹھنے لگی تھی۔ حریم کے آنکھیں دکھانے پر پیزا کی طرف متوجہ ہوئی۔ ماہیر کے روکنے اور کھانا کھا کر جانے کے اصرار کے باوجود بابا نرمی اور سادگی سے کہنے لگے۔

"زرجان کی گاڑی واپس بھجوانی ہے۔"

"بڑا خیال رکھتا ہے آپ کا زرجان!" راحت بیگم کے لہجے میں بلا کی چبھن تھی۔ بابا سمجھے بغیر سے بولے۔

"میرا اپنا بچہ ہے۔ اللہ اسے سکھی رکھے۔"

"اپنوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اپنے بیٹے بھی شاید اتنا خیال نہیں رکھ سکتے۔" ان کے لفظوں معنویت تھی، وہ حریم اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی۔" بابا ان کے طنز سمجھے بغیر سر ہلا کر حریم کو پیار کرنے کے بعد گئے۔

"بات تو اپنا سمجھنے کی ہے، آنٹی! رشتے رویوں سے "قرابت" کو ظاہر کرتے ہیں۔ کبھی کوئی نہیں لگتا اور سائبان بن جاتا ہے۔ بالکل جنت بوا کی طرح، کبھی کوئی بہت عزیز ہوتا ہے رگ جاں قریب ہوتا ہے، مگر اتنے فاصلے پر کہ ہاتھ بڑھانے سے بھی دوریاں درمیان میں حائل ہو جاتی ہیں لئے تو کہتی ہوں صرف محبت بانٹی جائے۔ ہماری طرح، زرجان بھیا کی طرح، اچھی یادیں، اچھے لوگ دلوں میں زیادہ رہتی ہیں۔ کوئی تو کسی کی اچھائی "یاد" رکھنے کا حوصلہ رکھے گا۔" حانی فلسفہ بگھار چیئر دھکیلتی باہر نکل گئی تھی۔

"نہ جانے کیا اول فول بول گئی ہے۔" امی نے کچھ دیر تو سوچا تھا پھر شاید ٹرالی میں جو رکھے لوازمات کو دیکھ کر حساب کتاب کرنے لگی تھیں کہ کتنے کا نقصان ہوا ہے۔

"میرا بیٹا تو احمق ہی رہا۔ بھلا تین افراد کے لئے اتنا خرچہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" سے سوچتی ہوئی کیچپ میں کباب ڈبو ڈبو کر کھانے لگیں۔

............*

چھلہ نہاتے ہی پہلے کی طرح تمام ذمہ داریاں حریم کے سر پر آ پڑی تھیں۔ اوپر سے امی کا عتاب بے چاری حریم پر نازل ہوتا، وجہ بھی نظر انداز کی جانے والی نہیں تھی۔ زمیلہ کی شادی کے دن رہے تھے اور ادھر تیاریوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ ماہیر آفس روانہ ہو جاتا تھا۔ زمیلہ کی اپنی "حسن" کی مصروفیات تھیں۔ موبی ہمیشہ کی طرح کمرے میں بند رہتا تھا، یا سویا رہتا یا پھر کارٹون دیکھتا۔

کے لئے حریم ہی بچی تھی۔

حال میں صرف امی کا غصہ سہنے کے لئے حریم ہی بچی تھی۔ وہ اندر باہر آتے جاتے تلملاتی رہتیں۔ اپنے ماضی کو یاد کرتیں۔ بیتے وقت کی آسائشات کو سوچتیں۔ حریم کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں تھی، ورنہ یہی جتا دیتی کہ برے وقت کے لئے کچھ سوچ کر "سیونگ" کر لیتی تھی۔ حتیٰ کہ اکلوتی بیٹی کے لئے بھی انہوں نے جہیز کے نام پر ایک دمڑی نہیں رکھی تھی، مگر یہ تو صرف حریم کی بھول تھی۔ راحت بیگم نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔

اس کی صحت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ اسی لئے گھر کے کام کاج با آسانی کر لیتی تھی۔ اس وقت بھی امی کی قمیص کی ترپائی کر کے وہ استری اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ امی کے کپڑے تہوں کی شکل میں اسٹینڈ پر پڑے تھے۔ زمیلہ کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ ماں کے کپڑے ہی ٹھکانے پر رکھ دیتی۔ ماہیر آفس سے آ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ صرف چائے پی کر اوپر چلا گیا۔

موسم بدلتے ہی حبس اور گھٹن بڑھنے لگا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو بے تحاشا گھٹن سے ایک دم دل گھبرانے لگا۔

"اس حبس میں بتیاں بجھائے لیٹے ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر ماہیر کے بازو کو آنکھوں سے ہٹایا۔

"ماہیر۔" حریم نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔

"ہوں۔"

"کیا بات ہے؟" وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

"کون سی بات۔" ماہیر چونکا۔

"ماہیر!" حریم زچ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ پریشان ہیں۔"

"نہیں تو۔" وہ صاف مکر گیا۔

"آپ پریشان ہیں، اتنا میں جانتی ہوں، شیئر نہیں کرنا چاہتے' یہ بات اور ہے۔"

"تم نے کیسے جانا کہ میں پریشان ہوں۔" ماہیر لمحہ بھر کو اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔

"آپ کے دل کے سارے تار میرے دل کے تاروں کے ساتھ جڑے ہیں۔ ادھر ذرا سی بھی ہلچل ہوئی، مجھے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔" حریم نے اس کے دل کے مقام پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ ماہیر نے نرمی سے اس کے سپید ہاتھ کو تھاما، چوما اور اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"کتنا اچھا دل ہے تمہارا۔ میرے دل کو شرمندہ نہیں کرتا۔" وہ کچھ پھیکے سے انداز میں بولا۔

"کیسی شرمندگی؟ میں سمجھی نہیں ماہیر! کھل کر بتایئے نا۔" حریم نے ضدی لہجے میں پوچھا۔

"تم اصرار نہ کرو، یہ زیادہ بہتر نہیں۔"

"اگر آپ بتا دیں، یہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے، تنہا بے چارے دل کو کیوں پریشان کرتے ہیں، اس ہمراز کو بھی آواز دے لیں۔" حریم کا اشارہ بائیں پہلو میں دھڑکتے اپنے دل کی طرف تھا۔

"حریم!" وہ کچھ دیر تذبذب کا شکار رہا تھا۔ شاید وہ کہنے یا نا کہنے کے درمیان الجھ رہا تھا۔

"بتادیں ماہیر! شاید آپ کی پریشانی میں کم کرسکوں۔"

"امی چاہتی ہیں' میں انکل سے قرض مانگوں۔ شادی کے دن قریب ہیں اور تیاری کے نام پر ہاتھ بیٹھے ہیں۔ زمیلہ کو یوں تو رخصت نہیں کرنا۔"

"بابا سے۔" حریم حیران ہی تو رہ گئی۔

"کیا سفید پوشی کا یہ بھرم ٹوٹ جائے گا۔" اس کے قدموں تلے سے گویا زمین کھسکنے لگی۔ راحیلہ تو پہلے ہی جتاتی رہتی تھیں کہ اتنی وسیع وعریض کوٹھی میں غربت ناچ رہی تھی۔ بھوک دھمالیں ڈال رہی... تمہارا باپ ٹٹ پونجیا افسر تھا۔ گورنمنٹ نے ریٹائر ہونے پر پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی۔ کہاں کے ریٹائرمنٹ کے لاکھوں روپے۔ حریم انہیں ہمیشہ کی طرح بتا نہیں سکی تھی کہ بابا نے ماں کی بیماری کے... کرنے اور اس اینٹوں کی کوٹھی کو مکمل کرنے کے لئے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ باقی جو کچھ... وہ حریم کی شادی کے لئے محفوظ کردیا گیا تھا۔ وہ بیچارے تو خود نجانے کیسے پینشن میں گزارا کررہے... زرجان ساتھ نہ دیتا تو پھر شاید۔

"اب امی کو بھلا کون سمجھائے۔ انکل کے کون سا دس بیٹے کمانے والے ہیں' خود وہ بیمار ہیں' الگ سے خرچہ ہے۔ سب اپنی اپنی جگہ مجبور ہیں۔" ماہیر نے خود ہی اس کی تمام تر مشکل آسان کردی۔

"پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"اللہ بہتر وسیلہ بنانے والا ہے۔ مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے۔" وہ واقعی پرامید تھا۔

"میں تو خود اکثر سوچتی ہوں' کیسے زمیلہ کے لئے فرنیچر' کراکری اور الیکٹرونکس کا سامان جمع ہو...

"میری جان! یہ تمہارے سوچنے کے مسئلے نہیں۔ یہ فکریں ہمارے لئے رہنے دو۔ سوچنا ہے تو میرے بارے میں سوچا کرو۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں میں لگے کلپ کو اتار کر بولا۔ بالوں کی آبشار نے گویا پوری پشت کو ڈھانپ لیا تھا۔

"آپ کو سوچنے کے علاوہ تو حریم کے پاس دنیا کا اور کوئی کام نہیں۔" وہ خوشدلی سے مسکرائی۔ ... دنوں بعد تو ایسی فرصت نصیب ہوئی تھی۔

"تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں۔"

"صرف بال؟" حریم نے آنکھیں پھیلائیں۔

"پوری حریم بہت خوف صورت ہے۔" ماہیر کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ پہلے تو... بات پر دھیان نہیں دیا تھا' جب غور کیا تو خفگی سے رخ موڑ گئی۔

"اب "خوف صورت" لگنے لگی ہوں۔"

"ارے کہاں۔" اس نے زبردستی اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ ماہیر نے اسے... گدگدایا۔

"تم تو خوشی ہو' راحت ہو' انبساط ہو' نشاط ہو' بقراط ہو اور کیا کہوں۔"

"توبہ ہے ماہیر!" وہ ہنس ہنس کر بے حال ہوگئی۔

"اتنا سیریس مسئلہ چٹکیوں میں اڑا دیا ہے۔"

"وقت کی بے رحم تیز تیز چلتی مشین سے کچھ لمحے زبردستی چھیننے پڑتے ہیں۔ زندگی مسئلوں اور پریشانیوں میں ضائع کرنے والی چیز نہیں۔"

"زندگی بے کار میں بیٹھ کر محبت کے گیت الاپنے کا نام بھی نہیں۔" اس نے جان بوجھ کر ماہیر کو چھیڑا۔ وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ ایک سکون کی لہر تھی جو ماہیر کو مسرور کیے دے رہی تھی۔

"ہائے یہ ناز' یہ نخرے' نزاکتیں' ادائیں۔ میرا دم نہ نکل جائے حریم۔" ماہیر نے دہائی دی۔

"آپ کی محبت ریشم کی ڈوروں کے لچھے جیسی ہے' الجھی' سلجھی' رنگ بدلتی' کبھی نرم ہوتی' کبھی گرم اور کبھی بالکل سرد۔" وہ پچھلے بہت سے دنوں میں ماہیر کی بے رخی کا شکوہ کررہی تھی۔

"یقین جانو آفس کا اتنا ڈھیروں کام جمع تھا اور ایک خوشخبری یہ بھی ہے کہ میری پروموشن عنقریب ہونے والی ہے۔ اسی لئے زیادہ محنت' توجہ اور لگن سے کام کرنا پڑتا ہے۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔" حریم خوشی سے کھنکتے لہجے میں بولی۔

"پروموشن ہوگی تو سیلری اور بھی بڑھے گی۔ ہماری بہت سی مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔"

"ہوں" حریم کے روشن چہرے نے اس کی تمام تھکن اتار دی تھی۔

"ترقی کے ساتھ جاب کو مزید "وقت" بھی دینا پڑے گا' مگر فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا وقت تمہیں پوری ایمانداری سے ملے گا۔ البتہ مجھ مسکین کی باری پر ہر دفعہ ہری جھنڈی دکھا دیتی ہو۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

"آپ کے یہ شکوے کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں۔" حریم کے گالوں پر شفق پھوٹ پڑی۔

"تم ان "شکایات" کو دریا برد کیوں نہیں کرتیں۔" بڑی یاسیت سے کہا گیا۔

"دریا برد کرکے بھی دیکھ لوں' آپ کی ہر شکایت کو مسوری' میکانگ' اوٹاوہ' رائن اور فرات کے دریا میں پھینک دوں یا پھر کیسپین' وکٹوریہ نیانزا' گریٹ بیئر' البرٹ اور گریٹ سلیو کی جھیلوں کے فرداً فرداً حوالے کردوں۔ آپ کسی نہ کسی شکایت کو بحیرہ روم میں سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے ماہیر سے قدرے دور ہٹ گئی۔

"نزدیک آکے' قریب آکے' پیاس جگا کے' قرب کا سرور بخش کر کر کہاں جا رہے ہو۔ کیوں نہ قربت کے ان لمحوں میں کچھ رنگ بھر دیئے جائیں۔" بھوری آنکھوں میں شوق تمنا' شوق الفت کی تابناکی جگمگا رہی تھی۔

"ابھی پانی کی ٹنکی کو تو بھر دوں۔ لائٹ جانے والی ہے۔ خالی ٹنکی ٹھنٹنا رہی ہے۔"

"اوں ہوں۔" ماہیر جی بھر کے بدمزا ہوا۔

"اتنے رومانٹک ماحول میں' اس قدر غیر رومانٹک گفتگو۔ پانی کی خالی ٹنکی' لاحول ولاقوہ۔"

"پانی نہ ہوا تو سارے کام ادھورے رہ جائیں گے۔ ابھی برتن بھی دھونے ہیں۔" حریم کو بالا ہی بالا

ڈھیروں کام یاد آنے لگے تھے جو اس کی نظر کرم کے منتظر تھے۔

"میرے ہمدم، دوست، رفیق حال اور مستقبل کے ساتھی! برتن دھونے سے اہم ہماری ذات ہے، کیوں ہماری خواہش، تمنا، آرزو کو حسرتوں میں بدلنا چاہتی ہو۔" وہ اس کے دوپٹے کا اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ بے بس ہو کر پائنتی کی طرف ڈھے گئی۔

"بہت مطلب پرست ہیں آپ!" حریم کی دبی دبی ہنسی کمرے کی گھٹن زدہ فضا کو خوشگوار گئی تھی۔

"تم شوہر پرست ہو، محبت پرست ہو، وفا پرست ہو، کہہ دو نا۔" وہ اس کے چہرے گیا تھا۔

"ہاں، ہاں، ہاں" وہ ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی۔ بہت دنوں بعد گہری دبیز غم کی یہ چادر ہنسی کے سے تار تار ہوئی تھی۔ دریچے میں اتری گلابی شب نے شرما کر خاموشی کا دامن کھینچ لیا۔ خاموشی رخ موڑے چلی گئی تھی، دور بہت دور، کسی اور کے دریچے میں۔

............*

"تم پھر آ گئی ہو۔" فائلیں بند کر کے سنہری عینک کو گلاس ٹیبل پر رکھے، آنکھیں دباتا شاید مخاطب ہوا تھا، مگر وہ جو اس کے ہمراہ تھی، بڑی شان سے اٹھلا کر بولی۔

"میں ہوتی تمہارے ساتھ ہوں۔ ہر قدم پر، بس محفل میں تم دھیان نہیں دیتے۔ جان بوجھ کر گریز برتتے ہو۔ اچھا کرتے ہو، بہت اچھا کرتے ہو۔ اگر ایسا نہ کرو تو لوگ پتا تمہیں کیا کہیں گے۔"

"بھلا کیا؟" اس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"سنکی، خبطی اور......" خاموشی نے لہجے میں تجسس بھرا۔

"اور کیا؟"

"دیوانہ، نرا دیوانہ۔" خاموشی چہکی۔

"وہ تو میں ہوں۔"

"اس دیوانگی کا کوئی حاصل بھی ہے۔" خاموشی کو زخم ادھیڑنے میں بڑا لطف آتا تھا۔

"حاصل کسی کو ملا بھی ہے۔ گوہر مقصود بلند بخت والوں کو ملتے ہیں۔"

"تمہارے نصیب کا ستارہ بھی بڑا بلند ہے۔" خاموشی کو سچ مچ اس سے محبت تھی یا دل رکھنے توصیفی کلمات کہہ رہی تھی۔

"چل، ہٹ جھوٹی!"

"کب بولا میں نے جھوٹ، میں تو ہمیشہ سچ کہتی ہوں۔ سچائیاں بتاتی ہوں۔ تلخ حقیقتیں ہوں۔ تنہائی کا اور میرا گہرا ساتھ ہے اور ہم دونوں "سچ" عیاں کرنے کو تو ہمیشہ ارد گرد بھٹکتے نے تلملا کر جواب دیا۔

"ایک "سچ" مجھے بھی بتا۔"

"پوچھو، پوچھو" خاموشی تجسس دبائے چہکی۔

"وہ خوش تو ہے نا؟"

"بہت خوش ہے۔" خاموشی کو "سچ" بتانا پڑا۔

"وہ خوش تو زرجان خوش۔" دل نے سرگوشی کی۔

"تمہارے لئے سب سے اہم کیا؟" خاموشی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔

"اس کی ذات"

"اور میرے لئے سب سے "اہم" پتا ہے کیا ہے؟" خاموشی اٹھلائی۔

"نہیں۔"

"تمہاری ذات۔" خاموشی نے کھنکتے لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں؟"

"تم نہ ہو تو مجھے بھی کوئی اور نہیں پوچھتا۔ تمہاری ماں، بھائی، بھابیاں، بچے۔ صرف تم ہی تو ہو میرے ہمدم۔" خاموشی ہنسی۔

"اب تم جاؤ۔"

"کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟" خاموشی بسوری۔

"مجھے اب سونا ہے۔"

"سو کر کیا کرو گے؟" خاموشی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"خواب دیکھوں گا۔"

"خوابوں میں کیا "وہ" آئے گی؟" خاموشی کو ہمیشہ والے حسد نے گھیرا۔

"ہاں۔"

"کیا فائدہ۔" خاموشی نے ناک چڑھائی۔

"محبت فائدہ، نقصان نہیں دیکھتی۔"

"محبت کیا دیکھتی ہے؟" خاموشی الجھی۔

"محبت "ایک طرف" دیکھتی ہے۔ محبوب کی "خوشی" دیکھتی ہے۔"

"تم نے "محبت" کو کیا دیا؟" خاموشی نے حیرت سے پوچھا۔

"پورے کا پورا زرجان۔" لہجے میں ایک فخر تھا، سرخوشی تھی۔

"تم بھی نرے زرجان!" خاموشی ہنسی اور موبائل بجنے کی آواز سن کر منہ بسورتی بھاگی۔

"زرجان! کہاں ہو تم؟" دوسری طرف زمان بھائی تھے۔ اس نے بکھرے اعصاب سمیٹنے کی کوشش

"آفس میں۔" وہ غائب دماغی سے بولا۔

"اس وقت؟" زمان بھائی چیخے۔

اور ے پیا

"بس کچھ کام تھا۔" وہ خجل سا کلاک کی طرف دیکھتا اٹھ گیا۔

"ہم تمہاری طرف آ رہے ہیں' جلدی سے آؤ۔" زمان بھائی نے کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

زرجان بریف کیس اٹھائے چوکیدار کو ہدایات دیتا باہر نکل آیا تھا۔ تاروں سے بھرے آ… مضبوط قدموں سے چلتا ہوا وہ اندھیرے راستے میں گم ہو گیا۔ چوکیدار بس قدرت کے اس شاہکار… گیا تھا۔

کیا شان تھی' کیا ٹھاٹھ تھے' کیا دبدبہ تھا۔ زمین اس کے قدموں تلے تھی اور وہ کس سنگدل… تلاش میں بھٹک رہا تھا۔ نگر نگر' قریہ قریہ' بستی بستی' شہر شہر دیس دیس۔

............*

وہ ہمیشہ کی طرح بغیر بتائے' بغیر حانی کو اطلاع دیئے آ گئی تھی۔ حانی اسے دیکھ کر بے ساختہ…

"حریم! تم میرے لئے اتنی اہم ہو گی۔ تمہاری شادی کے بعد اندازہ ہوا ہے۔" وہ حریم… بے اختیار اس کے رخسار چومنے لگی۔

"اتنی یاد آتی ہو' اتنی' اتنی' کہ حد نہیں۔" حانی خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔

"اتنی محبت ہو گئی ہے' تم سے حریم! جلدی جلدی چکر لگایا کرو نا۔" حانی تو آج خود اسے حیرا… کے چکروں میں تھی۔ ایسا "اظہار محبت" پہلے کبھی نہیں حانی نے کیا تھا۔

"کبھی ذہن ماضی کی طرف سفر کرنے لگتا ہے۔ وہاں بھی تو ہر جگہ تم ہو' ہر دریچے میں تمہا… جلوہ افروز ہے۔

حانی کے پیچھے ہلکان ہو ہو جانے والی حریم اتنا یاد آتی ہے کہ کیا بتاؤں۔" حانی رو بھی رہی تھ… رہی تھی اور خود حریم کے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

"پھر کیا ہوا؟ شہزادیوں جیسی آن بان والی حانی کی حریم کو ایک شہزادے کے ساتھ منس… گیا۔ حریم کی پلکوں پر خوابوں کے ستارے اتر آئے' روشن' چمکیلے اور ٹمٹماتے ستارے' محبت نے… روم کو مہکا ڈالا تھا۔ وہ اس شہزادے سے چپکے چپکے عشق کرنے لگی۔ پھر بھری برسات کی ایک… عجیب سی شام تھی۔ کچھ کہتی' کچھ بولتی۔ دھنک کے رنگوں سے سجی اس شام کو یونانی دیوتا جیسی… والے ایک اور شہزادے نے ہمارا آنگن میں قدم رکھا تھا۔ سفید موتیوں جیسی بارش میں بھیگتی… سارا حسن سمیٹتی حریم جمال کے عشق میں وہ یونانی دیوتا گرفتار ہو گیا۔ اسی پل' اسی گھڑی… لاحاصل نے اس دیوتا کے قدم تھام لئے تھے۔ ایک بل کھاتی' اٹھلاتی خاموشی پورب کی طرف… ہوئی آئی تھی اور اس دیوتا کے پیروں سے لپٹتی ہوئی اس کے سنگ سنگ رخصت ہوئی۔ آج بھی… وہ تنہائی اس دیوتا کے ہمراہ ہے' ہم قدم ہے۔ کبھی کبھی دل بہت دکھتا ہے حریم! بھر بھر آنے لگتا… فریم میں سے جھانکتی ان سیاہ' شفاف' کانچ جیسی آنکھوں کی اداسیاں مار ڈالتی ہیں۔ یوں لگتا… ہو گیا ہے۔" حریم نے اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

"حانی!"

"بولو حریم!" وہ مچلی۔

"آج تو کچھ بول دو۔ ان داس آنکھوں کے لئے' ان خاموش لبوں کے لئے جنہیں تمہاری عزت و حرمت کا بڑا پاس ہے' احساس ہے' خیال ہے۔"

"مجھے تم سے کچھ اور کہنا ہے۔" حریم اپنی پریشانیوں کو معصوم بہن کی جھولی میں ڈالنے کا حوصلہ کیسے لاتی۔

"کیا بات ہے حریم! جو کہنا ہے' بلا جھجک کہو۔" حانی نے اس کے لرزتے ہاتھ تھام لئے۔

"مانگا تو میں نے آج تک اپنے شوہر سے بھی کچھ نہیں ہے۔ مانگنے کا مجھے سلیقہ نہیں آتا۔" وہ بہت اذیت میں مبتلا تھی۔ وقت نے آج ہاتھوں میں کشکول پکڑا دیا تھا۔ حریم کا زرد پڑتا چہرہ حانی کو الجھنوں میں مبتلا کر گیا۔

"بولو حریم! کچھ چاہیے؟"

"زمیلہ کی شادی ہے نا۔ مجھے کچھ رقم کی ضرورت تھی۔" لب کچلتے ہوئے اس نے کہہ ہی دیا۔

"بوا کے ساتھ مل کر جو کمیٹی تم نے ڈالی ہے' کب تک سوسائٹی والے دیں گے تمہیں؟"

"میرا نمبر آنے میں تو بہت دیر ہے' تقریباً چار پانچ ماہ۔" حانی کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"پانچ لاکھ کی کمیٹی ہے۔ کام تو تمہارا باآسانی چل سکتا تھا' اگر کمیٹی مل جاتی تو......"

"کچھ جلدی نہیں مل سکتی؟" حریم نے بے صبری سے پوچھا۔ حالانکہ جانتی تھی' بابا نے پینشن کی رقم کو … کر کے اور حانی ٹیوشنز کے پیسوں کو بچا بچا کر ماہانہ کمیٹی ادا کرتی تھی۔ یہ رقم پاپا' حانی کے مستقبل کو … کے پیش نظر ایک طرح سے جمع کر رہے تھے۔ ان روپوں پر حریم کا کوئی حق نہیں تھا' مگر اس … بہت مجبور تھی۔

… کے خدشوں کے عین مطابق راحت بیگم نے اس کی اگلی پچھلی نسلوں کی غربت اور بھوک کی … داستانیں سنا ڈالی تھیں۔ اس کی عزت نفس کو تار تار کر دیا تھا۔

"ہم نے سوچا تھا۔ اکیسویں گریڈ کے آفیسر کی بیٹی ہے۔ آڑے وقتوں میں لڑکوں کی سسرال اگر … ہو تو کام آتی ہے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ میرے دل کو بھی یہی تسلی تھی۔ حریم کا … کام کا دوست بھی ہے۔ مشکل وقت میں کام آئے گا۔ دس کینال کی کوٹھی میں رہتا ہے۔ یہ نہیں پتا تھا … پورے کا پورا کنگلا' افلاس کا مارا' یہ خبر ہوتی تو پہلے کچھ اور سوچ لیتی' اسی امید پر بیٹھی تھی۔ اپنی لڑکی کو … بھر کے جہیز دیا ہے۔ کچھ نہ کچھ دوسری والی کے لئے بھی جمع کر رکھا ہوگا۔ چلو اسی میں سے کچھ رقم … قرض لینا تھا' خیرات نہیں' لوگوں نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں۔ فٹ انکار کر دیا۔ اپنی … کی داستانیں سنا ڈالیں۔ بنو! آج کے دور میں ہر کوئی مجبور ہے۔ رشتہ داری کا بھرم بھی رکھنا پڑتا … ہیں۔ گاڑی' فلیٹ اور پلاٹ وغیرہ لڑکی کے نام کرواتے ہیں۔ ہماری بہو لائی بھی تو کیا۔ لکڑی کے … سے گھر بھر دیا' نہ نیچے جگہ بچی نہ اوپر جگہ رہی اونہہ۔" انہوں نے ایک مرتبہ پھر شائستگی اور نرم دلی کا

چولا اتار پھینکا تھا۔ حریم شرم اور شرمندگی کے احساس سے سر نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

امی کی جلی کٹی سن کر وہ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل آئی تھی۔ اسے یقین تھا گویا کہ حانی اس کی بات سمجھ کر کچھ آسانی پیدا کر دے گی۔

"حریم! ایک بات پوچھوں؟" کچھ جھجک کر حانی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"ہاں" وہ غائب دماغی سے بولی۔

"زرجان بھیا نے جو رقم تمہیں بھجوائی تھی' وہ کہاں گئی؟"

"ارے' وہ رقم" حریم کے ذہن میں گویا جھماکا ہوا۔

"وہ تو اسی فالتو پرزوں والے دراز میں لفافہ رکھا ہے۔"

"احمق ہو تم بھی حریم۔" حانی نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"ایسی بھی کیا لاپروائی۔ اگر کوئی دیکھ لیتا۔"

"نہیں' وہ لفافہ کسی نے نہیں دیکھا۔" حریم نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"اول تو امی اور زمیلہ دونوں کو کچن میں داخل ہونا کسی عذاب سے کم نہیں لگتا۔ اگر کبھی چلی جائیں تو ان کا کام فریج تک محدود ہوتا ہے یا چائے بنا کر باہر نکل آتی ہیں۔ اگر لفافہ ان کی نظر میں آتا تو کم از کم خاموش رہنے والی ہستیاں نہیں ہیں۔"

"جاتے ساتھ دراز دیکھ لینا۔ مجھے لگتا ہے' لفافہ کافی وزنی تھا۔ رقم معمولی نہیں ہو گی۔" حانی نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"تو کیا زرجان کا احسان قبول کر لوں۔" اس کے لفظوں میں عجیب سی چبھن تھی۔

"وہ کوئی غیر تو نہیں۔" حانی نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"ہماری ذات پر ان کے اتنے احسانات ہیں' چلو ایک اور سہی۔"

"وہ' زرجان کیا سوچے گا۔" وہ ابھی تک متامل تھی' جھجک رہی تھی۔ براہ راست ایسی امداد تو زرجان سے کبھی نہ لی تھی۔

"ان کی خوشی کو تم نہیں سمجھ سکو گی حریم!" حانی رنجیدہ ہو گئی۔

"مجھے سمجھنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ رقم' زندگی کے کسی موڑ پر' جب کبھی ماہیر ذمہ داریوں سے آزاد ہو جائے گا۔ ہم پر بھی خوشحالی ہن کی طرح برسے گی۔ تب' تب میں یہ رقم زرجان کو لوٹا دوں گی انشاء اللہ۔" وہ پرس اور چادر اٹھا کر رکی نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ گولائی دار سنگ مرمر سے سجے برآمدے میں' وہیل چیئر پر بیٹھی حانی ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بحیرہ عرب کے پانیوں کی طرح آنسو ٹھہر گئے تھے۔ دریا کی طرح ان میں درد کے طوفان اٹھ رہے تھے۔

"تم نے کب جانا؟ تم نے کب سمجھا؟ تمہیں کیا خبر' تمہیں کیا پتا؟ کسی کا دل' حریم جمال صحرا میں کالاہاری کے صحرا کی طرح سکتا ہے۔ اس دل میں ریت اڑتی ہے صرف ریت۔ تمہیں کیا؟ خبر؟"

…………*

رقم واقعی معمولی نہیں تھی۔ تقریباً دو لاکھ روپے' حریم کچھ پل کے لئے تو ساکت رہ گئی تھی۔ ایک دم گم ہوئی۔ ان روپوں میں اس کا بھرم پوشیدہ تھا۔ یہ رقم کسی غیبی امداد سے کم تو نہیں تھی' نہ چاہنے کے باوجود یہ پیسے رکھنا اس کی مجبوری میں شامل ہو گیا تھا۔

اس نے ماہیر کو بغیر بتائے لفافہ امی کے حوالے کر دیا تھا۔ رقم دیکھ کر بھی ان کے منہ کے زاویے اتنے بہتر نہیں ہوئے تھے۔ حریم کو جہاں تک امید تھی۔ اس کا دل بجھ کر رہ گیا تھا۔ اداسی روم روم میں اتر گئی۔ کبھی کبھی تمام محنتوں' ریاضتوں کا ایسا صلہ رلانے کا باعث بن جاتا ہے۔

موسم بدلتے ہی شاخوں پر شگوفے پھوٹ پڑے تھے۔ بہار آ چکی تھی۔ بالکونی میں رکھے گلاب کے پودوں نے بہار کی آمد کے متعلق حریم کو باخبر کر دیا تھا' مگر اس کے دل میں صرف ایک موسم ٹھہر گیا تھا۔ خزاں کا موسم' اداسی کا موسم۔

ماہیر رات بہت دیر سے گھر آیا تھا۔ اس نے شاید کسی اور جگہ بھی جاب کر لی تھی۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ تاہم تھکاوٹ کے باوجود ایک اور احساس بھی اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا' عیاں تھا' ظاہر ہو رہا تھا۔

"جو رقم تم نے امی کو دی ہے' وہ کہاں سے آئی؟" اس کے لہجے میں عجیب سی تلخی رچی تھی۔ وہ بجائے خوش ہونے کے' نجانے کیوں جرح کر رہا تھا' خفا ہو رہا تھا' غصہ کر رہا تھا۔

"میں نے کمیٹی کی رقم امی کو دی ہے۔ انہیں ضرورت تھی۔" بہت سوچ کر حریم کو مناسب سا جواز ملا تھا۔ پہلی مرتبہ مصلحتاً جھوٹ بولتے ہوئے اس کے لب ہولے سے کپکپائے تھے۔

"ہوں" وہ لب بھینچے کئی لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' جب بولا تو لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

"اس گھر کی ساری ضرورتیں میری ذمہ داری ہیں' تم نے ہر کسی کی "ضرورت" پوری کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ کیوں لائی ہو تم' انکل سے یہ رقم۔"

"پلیز ماہیر!" حریم بھی ایک دم بلند آواز میں بولی۔

"آپ نے الگ سمجھ رکھا ہے مجھے۔ میں آپ کی ساری ذمہ داریوں کو برابر شیئر کروں گی۔ زمیلہ کی شادی صرف آپ کا نہیں ہمارا مشترکہ مسئلہ ہے۔ اگر مجھے کچھ نہیں سمجھتے تو تب یہ رقم میرے منہ پر مار دیں' میں اپنی اوقات میں جان لوں گی۔ پھر کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

"تم کیوں نہیں میری بات سمجھتیں؟" ماہیر جھنجلا گیا۔

"بیوی کے پیسوں پر نظر رکھنے والا سمجھ رکھا ہے مجھے۔" اس کی خودداری اور عزت نفس پر گویا تازیانہ لگا تھا۔

"بے غیرت نہیں ہوں میں' انکل کو خوامخواہ پریشان کیا ہے وہ بیچارے تو پہلے ہی۔"

"یہ پیسے بابا کے نہیں۔" حریم نے سچائی ظاہر کر دی۔

"اب اگر شور مچایا تو خفا ہو کر چلی جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں واضح دھمکی تھی۔

"کہاں؟ کہاں چلی جاؤ گی؟" وہ ایک دم چونک پڑا۔

"بابا کے گھر۔" حریم اطمینان سے بولی۔

"میرا گھر چھوڑ کے۔" وہ حیران ہوا۔

"ہاں۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"وجہ؟" ماہیر سمجھ کر مسکرایا۔

"مجھے اپنا نہیں سمجھتے آپ۔ غیروں کی طرح باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کے ہر دکھ اور ہر تکلیف میں شریک ہونا چاہتی ہوں' مگر آپ میرے اور تیرے کے چکروں میں میرا ننھا سا دل توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔" وہ بسوری تھی۔

"مجھے تمہاری محبتوں کی' الفتوں کی اور ان "مہربانیوں" کی بہت قدر ہے حریم! میں لفظوں میں بیان کر ہی نہیں سکتا کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ میں اتنا خوش نصیب ہوں' اب تو سچ مچ یقین آنے لگا ہے۔ میں پھر بھی نہیں لے سکتا' مجھے یوں شرمندہ مت کرو۔" ماہیر نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی چمکیلی' شفاف آنکھوں میں جھانکا۔

"مگر کیوں؟" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"اس لئے کہ امی تمہارے زیورات مانگ رہی ہیں' جو انہوں نے شادی پر تمہیں پہنائے تھے۔ بہت افسوس سے تمہیں ایک بات بتاؤں' امی نے اس وقت بصد اصرار یہ زیور اسی لئے بنوائے تھے کہ بعد کے لئے پھر نہ بنوانے پڑیں۔ کتنی دقتوں سے جیولر کے پیسے دیئے تھے اور امی بار بار اسی لئے مجھے کہہ رہی تھیں کہ سونے کا بھاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اب وہ چاہتی ہیں' تم تمام زیور انہیں واپس کر دو۔ تمہیں زیورات دے کر انہوں نے "دکھاوا" تو کر لیا تھا۔ لوگوں پر رعب بھی ڈال لیا کہ بہو کو اتنا سونا چڑھایا۔ اب بہت اطمینان سے واپس مانگ رہی ہیں۔ اسے کہتے ہیں' دور اندیشی' پلاننگ' طویل ترمنصوبہ۔"

ماہیر کے لفظ لفظ میں تلخی رچی تھی۔ اسے ماں کا یہ مطالبہ قطعاً پسند نہیں آیا تھا۔ ... بہت بااصول تھا اور امی کہہ رہی تھیں۔ بہن کے لئے تمہارا دل تنگ پڑ رہا ہے۔ خود ... مطالبہ' امی کی تمنا' سراسر بے انصافی معلوم ہو رہی تھی۔ ماہیر نے ماں سے واضح کہہ دیا تھا کہ یا تو زمیلہ کے لئے توفیق کے مطابق نئے زیور بنوا لیں یا پھر ان زیورات کو برابر تقسیم کر کے آدھا حریم کو اور آدھا زمیلہ کو دیں۔ راحت بیگم کو یہ دونوں آپشن پسند نہیں آئے تھے۔ دل ہی دل میں انہوں نے بیٹے کو احمق اور نجانے کون کون سے خطاب سے نوازا تھا۔

"امی ٹھیک کہتی ہیں ماہیر! آپ کا بوجھ ہی ہلکا ہو گا۔ رہے زیور وہ تو بند پڑے ہیں' ان کا کیا فائدہ' بے کار میں رکھنے کا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں زمیلہ مجھے جانی کی طرح عزیز ہے۔ اس کی خوشی پہلا فرض ہے اور ہمیں زمیلہ کی خوشی کا دھیان رکھنا چاہیے۔ اسے بھی اپنے بڑے بھائی سے نجانے امیدیں ہوں گی۔" حریم نے نرمی سے' محبت سے ماہیر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں نا ڈاکہ ڈال سکتا ہوں' نہ کسی کا حق چھین سکتا ہوں۔ اپنی بساط کے مطابق بہن کو جہیز بھی دوں گا' اچھی طرح سے رخصت کروں گا۔ امی کو بھی میں نے دوٹوک بتا دیا ہے۔ آفس کی طرف سے لون کے لئے اپلائی کیا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ رقم میرے پاس موجود ہے۔ امی نے دکان بھی بیچ دی ہے۔ میرا خیال ہے' اب کسی قرض کی ضرورت نہیں ہو گی۔" ماہیر صوفے پر بیٹھ کر جوتے کے تسمے کھولنے لگا تھا۔

"دکان۔" حریم کچھ حیران ہوئی۔

"جی' دکان' اچھا خاصا کرایہ وصول ہوتا تھا۔ خیر امی کی مرضی یہ دکان انہی کے نام تھی۔"

"اچھا' پھر تو تمام پریشانی ختم ہو گئی۔"

"پتا نہیں' ختم ہو گئی ہیں پریشانیاں یا اصل ٹینشن کی ابتدا ہونے والی ہے۔" وہ ناقابل فہم انداز میں بولتا' بالکونی کی طرف بڑھ گیا۔

"کپڑے نکال دو حریم۔"

"جی" وہ سوچوں کے بھنور سے بمشکل نکلی۔ ماہیر کو پریس شدہ قمیص شلوار دے کر وہ چائے بنانے کے لئے آئی تھی۔

"حریم! ذرا بات سننا۔" امی نے تخت پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

"جی امی!" وہ پلٹ کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔

"ادھر بیٹھو بیٹی! تم سے مشورہ کرنا ہے۔" امی کے لہجے سے شیرینی پھوٹ رہی تھی۔ حریم بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ انہوں نے کب اسے مشوروں کے قابل سمجھا تھا۔

"حریم! میری بچی' تم تو بہت سمجھدار ہو' عقلمند ہو۔ ماہیر کو سمجھاؤ' بیٹیوں کے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں' کانچ کی مانند' ذرا سی ٹھیس پر بکھر جانے والے' فرنیچر اور کھانے کا انتظام ماہیر نے کر لیا ہے۔ زیور ... دینا۔ رہی کراکری اور مشینری تو اس کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست کر لوں گی۔ تم لفافہ ابھی باپ کو ... کرنا۔ مجبوری ہے' ماہیر کو یہ بات سمجھانا آسان نہیں۔ بہنوں' بیٹیوں کے بھی ارمان ہوتے ہیں۔ اپنی ... تو خود بخود سارے معاملے سمجھ میں آ جائیں گے۔ کتابی باتوں سے مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ ایک ... دل وسیع کر کے سوچو۔" انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر گویا التجا کی تھی۔ نجانے ... روپ سچا تھا۔ کبھی انگارے چبانے لگتی تھیں' کبھی پھول برسانے لگتیں' تاہم حریم کا سدا سے نرم ...

"امی آپ فکر نہ کریں۔ مردوں کو ان باتوں کی سمجھ کہاں ہوتی ہے۔ سب کچھ آپ کی مرضی اور پسند سے ہو گا۔" حریم کے دلاسے نے ان کا چہرہ روشن کر دیا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو۔" وہ بے یقینی سے بولیں۔

"جی۔"

"فکر مت کرنا حریم! ماہیر تمہیں اور زیور بنوا دے گا۔ اس کی نوکری بہت اچھی ہے۔ تبھی تو سارے آخر بہت بآسانی اتار رکھے ہیں۔ میرے بیٹے کا دل بڑا وسیع ہے اور اسے بیوی بھی بڑے دل والی ملی

ہے۔ تبھی تو میں کہوں حریم کے جیسی کوئی نہیں' نہ فیفا' نہ زوباریہ۔" وہ بے ساختہ خوشی سے بکھر
آنکھوں میں نمی' لبوں پر مسکراہٹ۔ حریم کے بڑھتے قدم لمحہ بھر کو ٹھٹکے۔

"نافیفا' نازوباریہ۔"

وہ سر جھٹک کر چائے بنانے لگی تھی' مگر ذہن کسی اور طرف محو سفر تھا۔

............*

یہ فاصلوں کا شہر واشنگٹن تھا۔ روشنیاں' فاصلے' دوریاں' فاصلے دل میں ہوں یا دیس میں' دور بہت
کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی فاصلے زرجان کو اپنی ماں کے اور بھائیوں کے درمیان محسوس ہوتے تھے۔
بھی ایک دوسرے کے قریب نہیں تھے۔ حالانکہ مما نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی بہت
کی تھی۔ مما کی قربانیاں' محبتیں سب ان کے لئے معمولی سی حیثیت اختیار کر گئی تھیں۔ دونوں بھائی لندن
اپنا بزنس سیٹ کرنا چاہتے تھے۔ صرف اس لئے کہ ان کی بیویاں خواہش مند تھیں۔ ان کے میکے والے
میں آباد تھے۔ سو وہ خود بھی وہاں ہمیشہ کے لئے رہنا چاہتی تھیں۔

مما کے ساتھ آخری ڈنر میں انہوں نے یہی باتیں ڈسکس کی تھیں۔ زرجان حیران تھا کہ مما نے
اعتراض کیوں نہیں کیا۔ اگر مما چاہتیں تو انہیں روکنے کے سارے اختیار رکھتی تھیں' مگر مما نے صرف اتنا
"جہاں رہو' خوش رہو۔ ترقی کرو' آگے بڑھو۔ وہاں کی ایک فیکٹری کو چار میں بدل دو۔ اس
بہترین بات کیا ہو سکتی ہے۔" ایسی باتیں اب زرجان کو دکھ نہیں دیتی تھیں' سفر در سفر کرتے' آگے بڑھتے
ہر شہر میں' ہر دیس میں "وہ" اس کے ہمراہ تھی۔ کبھی کسی اور شے کی کسی اور وجود کی طلب محسوس نہیں
تھی۔

ہران جمیل ہمیشہ کی طرح ہر رنگ کے ہر نسل کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی تھی۔ ہزاروں لوگ
موجودگی کے باوجود وہ تنہا تھا۔ اپنی ذات میں اکیلا تھا' ادھورا تھا' شیشے کے اس شہر میں اس کی دلچسپی
لئے کچھ بھی نہیں تھا' یہ تمناؤں کی دنیا تھی' لوگ جذبے اور امیدیں لے کر اس براعظم میں داخل ہوتے
ایک زرجان عباس تھا جو اس دیس میں "مجبوریوں" کے سنگ وقت گزارتا تھا۔

اس کے اردگرد بہت شور تھا' بہت ہنگامہ تھا۔ فیشن کے نام پر بے حیائی کا نمونہ' برہنہ عورتیں
بوڑھے۔ کسی نہ کسی "دلچسپی" میں مصروف تھے۔ ان کا جی بہلانے کے لئے وہاں بہت کچھ تھا۔ زرجان
دلچسپی کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔

نیلے پانیوں پہ تیرتی خاموشی نے تاسف سے دور بہت دور کھڑے زرجان عباس کو دیکھا
اٹھلاتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی۔

"تم آ گئی۔"

"تو اور کیا۔" خاموشی ہنسی۔

"میرا انتظار کر رہے تھے۔"

اسی لئے تو میں آ گئی۔" خاموشی نے دور دور تک نظر دوڑائی۔

"اس ہنگامے میں بھی تم اکیلے؟ کبھی تو قسم توڑ دو۔" خاموشی نے معنی خیزی سے کہا۔

"ان ہنگاموں میں میرے لئے اٹریکشن کہاں؟"

"ہوں' ہوں' کبھی اردگرد نظر تو دوڑاؤ۔" خاموشی کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ امریکہ میں آ کر سبھی کے
دل شگفتہ ہو جاتے ہیں۔

"مجھے تو کسی منظر میں خوبصورتی دکھائی نہیں دیتی۔"

"تم نے کبھی دنیا کو غور سے دیکھا ہی کہاں ہے؟" خاموشی نے تاسف کا اظہار کیا۔

"میری "دنیا" میری آنکھوں میں بستی ہے۔ آس پاس کے نظاروں سے مجھے کیا لینا؟"

"اس دنیا کے حصار سے نکل کر تو دیکھو۔ روشنیاں تمہیں بلاتی ہیں۔" خاموشی ناصحانہ انداز میں بولی۔

"آج تو چاند بھی جوبن پر ہے۔"

"چندا سے کہونا' کبھی زرجان کے دریچے میں بھی جھانکے۔"

"میں کیسے؟" خاموشی حیران ہوئی۔

"کہونا' چپکے سے' سرگوشی سے۔" اصرار ہوا۔

"بھلا کیا؟" خاموشی نے بے صبری سے پوچھا۔

"حریم دل میں بہت اندھیرا ہے۔"

"حریم دل؟ میں سمجھی نہیں۔" خاموشی نے ہونق پن کی انتہا کی۔

"دل کے مکان' دل کی چاردیواری میں بہت سناٹا ہے۔ اندھیرا ہے' چندا سے کہونا' ایک شب چپکے
سے میرے دل میں اتر آئے۔"

"میں کیسے کہوں؟ چندا تو بہت دور ہے۔" خاموشی نے افسردگی سے کہا۔

"اتنا دور' اتنا دور' جیسے' جیسے' حریم دور ہے۔ بہت دور' اک چھوٹے سے مکان میں' زرجان عباس کی
ذات سے بہت دور۔"

"چل جھوٹی! تجھے کیا پتا؟ حریم جمال تو زرجان کے دل میں ہے' دور کہاں؟"

"دور تو ہے' بس جی کو بہلاتے ہو۔" خاموشی خفگی سے بولی۔

"چل ہٹ! چلی بھی جا۔"

"نہ جاؤں تو پھر...... کیا کرو گے' میرے بغیر۔"

"اسے یاد' یاد' یاد۔"

"تم بھی نہ زرجان! دیوانے ہو دیوانے۔" خاموشی ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی۔

"یادوں میں بھلا کیا ہے تمہارے پاس' کچھ بھی نہیں' کچھ بھی تو نہیں۔ اک صورت کے سوا' اک
صورت کے سوا کچھ بھی نہیں۔" خاموشی نے گویا تمسخر اڑایا۔

"دیوانگی نے تم کو بھلا کیا دیا؟"

"محبت کرنے کا سلیقہ۔"

"تم بھی نازرجان۔" خاموشی پھر سے ہنسی۔

"زرجان! مسٹر زرجان عباس فلیٹ نمبر 777 میں آپ کا کوئی منتظر ہے۔" موبائل فون پر سے بج رہا تھا۔ خاموشی ناک بھوں چڑھاتی ہمیشہ کی طرح بھاگ گی۔ وہ موبائل کی طرف متوجہ تھا۔

............*

امی نے شاید خفیہ خزانے کا منہ کھول دیا تھا۔ صرف چند دنوں میں کراکری، الیکٹرانکس کا سامان جگر کرتے زیورات کے ڈبے، قیمتی فرنیچر سے گویا گھر بھرا بھرا لگنے لگا تھا۔

زمیلہ کے سسرال والوں نے رسمی طور پر بھی جہیز لینے سے منع نہیں کیا تھا۔ جب تیاری مکمل ہوئی دو ٹرک سامان کے بھر کر بھجوا دیئے گئے۔

صباحت خالہ نے کئی مرتبہ منع بھی کیا تھا۔

"اتنا کچھ دینے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کی "نیت" نہیں بھرتی۔" مگر امی ان کی بات کی گہرائی سمجھے بغیر اپنی من مانی کر رہی تھیں۔ ماہیر نے مزید کسی بھی معاملے میں بولنے کی کوشش نہیں کی۔ گھر آنے کے بعد وہ امی اور زمیلہ کو لے کر بازار چلا جاتا تھا۔ کبھی کبھار امی، حریم کو بھی زبردستی ساتھ لے جاتی تھیں۔ بقول ان کے حریم کی چوائس بہت اعلیٰ تھی۔

ماہیر نے حریم کے لئے علیحدہ سے شاپنگ کی تھی۔ حتیٰ کہ راحت بیگم نے بھی ایک نفیس سی ساڑھی اس کے لئے خرید لی۔ وہ ان "عنایات" پر اتنا خوش نہیں ہوئی تھی۔ جانتی تھی، موڈ بگڑا تو اگلی پچھلی ساری ساس محترمہ نکال دیں گی۔

شادی میں صرف بوا آئی تھیں، گھڑی دو گھڑی کے لئے، بابا کی طبیعت بہت خراب تھی۔ اور سے وہ دمہ کے مرض میں مبتلا تھے۔ حانی، بابا کی تنہائی کے خیال سے نہیں آئی تھی۔ ادھر امی نے آتے جاتے پوچھا تھا۔

"بھائی صاحب نہیں آئیں گے؟"

"امی! ان کی صحت ٹھیک نہیں۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہو کر منمنا کر رہ جاتی۔

بوا بارات والے دن آئی تھیں۔ اتنا ڈھیر سامان لے کر۔ قیمتی، نفیس تین سوٹ، ڈنر سیٹ، بیڈ شیٹ اور ساتھ سونے کے ایئر رنگز۔ زمیلہ کو سب کچھ بہت پسند آیا۔ یہ سب بابا اور حانی نے بھجوایا تھا تا کہ سسرال میں بیٹی کی سبکی نہ ہو۔ حریم کی پلکیں اس محبت پر نم ہو گئیں۔

امی نے زمیلہ کی ساس کو کپڑے پہنائے تو حریم دنگ ہی رہ گئی۔ نند کے لئے لاکٹ سیٹ تھا۔ تفخر کے ساتھ اسٹیج سے اتر رہی تھیں، گویا انہوں نے بڑا معرکہ سر کر لیا تھا۔ میرج ہال میں ایک ہنگامہ تھا۔ ہنسی، قہقہے، مسکراہٹیں، حریم ساڑھی سنبھالتی ایک الگ تھلگ کونے میں کھڑی ہو کر مہمان نوازی لے رہی تھی۔ تبھی کچھ ناگوار آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں۔

"دادی ساس کے لئے کچھ بھی نہیں۔ لڑکے کو نہ چین نہ انگوٹھی۔ افلاس کے مارے ہیں

ہے۔ ہماری تو بکی کروا دی۔ گھر کی بزرگ خاتون کو چادر تک نہیں دی۔ اچھے خاندانی لوگ ہیں۔" نبیل کی پھوپھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

"نہ گاڑی، نہ فلیٹ، نہ پلاٹ حتیٰ کہ موٹر سائیکل نہیں دے سکے۔ لکڑی کے سامان سے گھر بھر دیا۔ دو صوفہ سیٹ، دینے کا فائدہ۔" دوسری پھوپھی بھی گویا دبی آواز میں پھنکاری۔

"ان کا گھر ہے یا چوزوں کا ڈربا۔ دم گھٹنے لگتا ہے، دو گھڑی میں۔" یہ تیسری آواز بہت ہی مانوس تھی۔ حریم نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ یہ آواز خالہ بی کی تھی۔ زمیلہ کی دادی ساس کی۔ وہ گویا ششدر کھڑی رہ گئی۔ شیرینی میں ڈوبے ان کے گزشتہ رویے اور الفاظ حریم کے ذہن پر گویا ہتھوڑے برسانے لگے۔

"یہ رشتہ کس کی مرضی سے طے ہوا ہے۔" پھوپھی صاحبہ دھاڑ کر پوچھنے لگیں۔

"میں نے سوچا صباحت کی بھانجی ہے۔ اس کی طرح دب کر رہے گی۔ شکل و صورت میں بھی لاجواب ہے۔ لڑکا بھی خوش، ہم بھی خوش۔" خالہ بی نے گویا اپنی پلاننگ سے بیٹیوں کو آگاہ کیا۔

"صباحت کی اور نبیل کی ماں کی بھلا جرأت ہے، میرے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ پوتوں کی بیویاں بھی ایسی چن چن کر لاؤں گی کہ تمام عمر بے زبان جانوروں کی طرح رہیں، بک بک نہ کریں۔" خالہ بی کے ارادے تو خاصے خطرناک لگتے تھے۔ حریم نے دور کھڑی مسکین سی صباحت خالہ اور زمیلہ کی مرجھائی مرجھائی ساس کی طرف دیکھا۔

"لڑکی کی ماں تو کافی تیز طرار لگتی ہے اماں بی۔" دوسری پھوپھی نظروں میں راحت بیگم کو تولتی بول رہی تھی۔

"اونہہ، کس بل نکال کر رکھ دوں گی۔ اگر چوں چاں کی تو، گھر پر ہمارا راج ہے۔ ہماری اولاد کی جرأت نہیں، ہمارے سامنے بولنے کی پوتے بے چارے تو ہیں ہی فرمانبردار اور میرا نبیل تو زیادہ ہی فرمانبردار ہے۔ اسی لئے تو سب سے زیادہ عزیز ہے مجھے۔" خالہ بی نے فخریہ کہا۔

"یا اللہ! زمیلہ کے حال پر رحم کرنا۔" حریم نے صدق دل سے دعا کی۔ رخصتی کا شور اٹھ گیا تھا۔ ماہیر نے اسے اشارے سے بلوایا تو وہ سہج سہج قدم اٹھاتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔

............*

فرض کی ادائیگی کے بعد جہاں ماہیر پرسکون ہو گیا تھا، وہیں حریم نے دیکھا راحت بیگم کچھ الجھی الجھی سی تھیں۔ آج زمیلہ کی میکے میں آمد متوقع تھی۔ حریم صبح سے انہی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد امی بھی کچن میں آ گئیں۔

"حریم! میں گوشت دھو دیتی ہوں یا سبزی بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں امی! میں کر لوں گی۔ صرف دو افراد کا کھانا بنانا ہے۔" اس نے امی کے ہاتھ سے سبزی کی ٹوکری پکڑ لی۔

"میں فارغ بیٹھ بیٹھ کر اکتا گئی ہوں۔ یوں لگتا ہے، زمیلہ کے جانے کے بعد میری ساری مصروفیت

ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ تم مجھے کچھ کام بتاؤ۔ لاؤنج میں تنہا بیٹھ کر میرا دل گھبرا گیا ہے۔" وہ بہ
لگ رہی تھیں۔ انہیں اپنے تاثرات چھپانا نہیں آتے تھے۔

"آپ لاؤنج میں چل کر بیٹھیں۔ میں آپ کے پاس بیٹھ کر چاول صاف کر لیتی ہوں۔"

"ہاں' یہ ٹھیک ہے۔" وہ خوشی خوشی پلٹ گئیں۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے رویے کی
مسلسل تبدیلی نے حریم کو کافی حیران کر رکھا تھا۔ اپنی بیٹی کو گھر سے رخصت کرنے کے بعد انہیں
خیال آ گیا تھا۔

باتوں کے دوران کام ختم ہوا تو حریم کچن سمیٹنے لگی۔ امی اب بھی سائے کی طرح اس کے
تھیں۔

کچھ دیر بعد زمیلہ اور نبیل ہی نہیں ان کا پورا کنبہ چلا آیا تھا۔ امی اور حریم دونوں اتنے
گھبرا گئیں۔

"حریم! ان لوگوں کو دیکھو' منہ اٹھائے ساتھ چلے آئے ہیں۔ اب اتنے لوگوں کے لئے
جائے گا۔" وہ داماد اور بیٹی کی آمد کی خوشی بھلا کر نئی فکر میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ حریم خود پہلے تو خو
پھر ذرا ذہن کو حاضر کر کے امی کو تسلی دینے لگی۔

"امی! آپ فکر نہ کریں۔ ماہیر آتے ہوں گے۔ میں انہیں فون کر دیتی ہوں۔ کباب
منگوا لیتے ہیں۔" چاول اتنے افراد کو کم پڑ سکتے تھے' سو اس نے بریانی منگوانے کا سوچا۔

"ہاں' ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔" وہ پلٹ گئی تھیں۔

اس نے ماہیر کو فون کیا تو پہلی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

"زہے نصیب' کیوں فون کیا ہے؟" بڑی خوشدلی سے پوچھا گیا۔

"زمیلہ آئی ہے۔"

"میں آدھے گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا۔" ماہیر شاید بائیک پر سوار تھا۔

"زمیلہ اکیلی نہیں ہے۔" وہ دبی آواز میں بول رہی تھی۔

"نبیل نے ساتھ ہی ہونا تھا۔"

"نبیل کے گھر والے بھی ہمراہ ہیں۔" حریم نے آواز اور بھی آہستہ کر لی۔

"تو پھر۔"

"کھانا کم پڑ جائے گا' بغیر اطلاع کے آئے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔" ماہیر نے نرمی سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

حریم پھرتی سے ڈرائنگ روم میں کولڈ ڈرنکس پہنچا کر آئی۔ اب جلدی جلدی برتن نکا
فرائی کر لئے تھے' صرف مائیکرو ویو میں گرم کرنا تھے' میٹھے میں کھیر تھی۔ وہ میوے بھی کاٹ
شوکیس سے نیا ڈنر سیٹ نکالنے کا مرحلہ باقی تھا۔ حریم بھاگ بھاگ کر سٹور کی طرف جاتی
کونے میں حریم کا شوکیس رکھا تھا' جگہ کی کمی کے باعث ماہیر نے شوکیس سٹور میں رکھوا دیا تھا۔

ابھی وہ ڈنر سیٹ نکال کر لائی تھی' جب موبی بہت دنوں بعد کمرے سے نکل کر راہداری میں کھڑا ہو
حریم کے پاس ایک لمحہ فرصت کا نہیں تھا۔ وہ موبی سے پوچھ لیتی کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

"بھابی!"

"ہاں۔" وہ رکے بغیر بولی اور میز پر گلاس اور جگ وغیرہ رکھنے لگی۔

"زمیلہ آئی ہے؟"

"ہاں۔"

"کھانا بنایا ہے۔"

"ہاں۔" وہ مصروف انداز میں سر ہلاتی چلی گئی۔

"کیا ہاں' ہاں' ہاں کرتی ہو۔" موبی نے ایک مخصوص انداز میں زمین پر پیر مارا تھا۔ حریم نے کوئی
توجہ نہیں دی تھی۔ موبی نے پھر ٹھنک کر زمین پر پیر مارا۔

"بتاؤ' بتاؤ' بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" وہ پلیٹیں صاف کرتی بولی۔

"کچھ بھی۔" اب وہ مخصوص انداز میں تالی بجا رہا تھا۔ حریم نے کچھ الجھی نظروں سے موبی کی طرف
دیکھا تھا' نہ جانے کون سا احساس تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ موبی اب غصے کے عالم میں گول گول گھوم رہا
تو حریم کو بعد میں احساس ہوا تھا۔ موبی غصے میں نہیں تھا۔ وہ آج بہت موڈ میں تھا اور اسی حساب سے خوشی
کا اظہار کر رہا تھا۔ تالی بجاتا' زمین پر پیر مار کر ٹھنکتا۔

"موبی! چلو اندر' کیا کر رہے ہو یہاں۔" راحت بیگم چیل کی طرح موبی کی طرف لپکی تھیں۔ پھر
اسے کھینچتا ہوا کمرے میں بند کر کے آ گئیں۔ ان کا جسم پسینے میں گویا نہا چکا تھا۔ وہ سرخ گالوں کو دوپٹے
سے پونچھتی اندر چلی گئیں۔ حریم بھی سر جھٹک کر کھانا لگانے لگی تھی۔

اس رات زمیلہ میکے میں رات گزارنے کے لئے نبیل کی منتیں کر رہی تھی۔ نبیل شاید دادی اور ماں کی
وجہ سے انکاری تھا۔ تاہم کچھ دیر بعد زمیلہ کو رات رکنے کی اجازت مل گئی تھی۔

حریم ان کے لئے چائے بنا کر لائی تو زمیلہ ماں سے بجھی بجھی آواز میں مخاطب تھی۔

"میری ایک نہیں' دو دو ساسیں ہیں۔ نبیل تو بہت اچھے ہیں' مگر ماں اور دادی کے سامنے بے بس'
ویسے میں بہت خوش ہوں۔" ماں کو تسلیاں دیتی زمیلہ پر حریم کو ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔ بھرم رکھنے کے چکر
میں جھوٹی تسلیاں دلاسے دیتے ہوئے بار بار اس کی آنکھیں نم نم ہو رہی تھیں۔ جنہیں وہ ماں سے
چھپانے کی کوشش میں ہلکان ہوتی جا رہی تھی' کچھ نہ بتانے کے باوجود راحت بیگم خود بخود گویا سب سمجھ گئی
تھیں تو ان کے کندھے لمحہ بھر میں جھک گئے تھے۔ ماں کے دل نے سب ان کہی باتوں کو جان لیا تھا۔
اسی طرح حریم کے باپ کے کندھے بھی جھکے تھے' لب بھی خاموش رہنے لگے تھے۔ ہر ماں' ہر باپ بیٹی بیاہ
کر بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے۔ زبان گویا گروی رکھ دی جاتی ہے۔

راحت بیگم کا تمام تر غرور' طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ انہیں اپنی وہ زیادتیاں یاد آ رہی تھیں۔ طنز'

باتیں، حریم کا دل جلانا، جہیز کے طعنے دینے، وہ سب کچھ جو وہ حریم پر آزماتی رہی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو اس انداز میں مل رہے تھے۔

حریم واپس آ رہی تھی، جب اس نے راحت بیگم کو کہتے سنا۔

"بیٹی! گھر تو تمہارا وہ ہی ہے۔ خود کو ان کی پسند کے سانچے میں ڈھال لو۔ اپنی بہادری، ہمت، برداشت اور صبر کا تمہیں بھی مظاہرہ کرنا پڑے گا۔"

حریم کے لبوں پر اک تلخ تبسم نے جھلک دکھائی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

..........*

حریم نے بابا اور بوا دونوں کے سامنے احسان حسن کا پرپوزل رکھا تھا۔ بابا تو کچھ نہ بولے البتہ بوا نے بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی تھی۔ حریم ان کے اتنے بھرپور ردعمل پر خفیف سی ہو رہی تھی۔

"بٹو! حانی ہم پر بھاری نہیں۔ وہ "بابا" رہ گیا ہے میری حانی کے لئے۔" بوا شدید جذباتی ہو رہی تھی۔

"بوا! حانی کو کسی قدردان کی ضرورت ہے۔ ایک ہمدرد انسان، جو اس کی معذوری کو قبول کرے، اس کا سہارا بنے۔ ٹھنڈے دل سے سوچیئے، زندگی تنہا تو نہیں گزاری جا سکتی۔" حریم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو پھر زرجان سے بڑھ کر کوئی ہمدرد نہیں۔ اتنا نیک دل، اتنا شریف، بھلا اسے کوئی نہیں ہو گا۔" بوا نے بڑی بے رحمی سے حانی کے دل کو ادھیڑا۔

"پلیز بوا!" حانی وہیل چیئر گھسیٹتی اندر آ گئی۔

"آئندہ اس بات کو منہ سے مت نکالیے۔ زرجان بھیا ہمارے لئے کیا ہیں، آپ نہیں سمجھیں گی۔" حانی بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بٹو! میں نے کچھ غلط کہا۔" بوا گھبرا گئیں۔

"آپ نے ٹوٹلی غلط بات کی ہے۔ زرجان بھیا کو سب نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ وہ جذبات سے عاری ہیں کیا؟ ان کے جذبات نہیں، احساسات نہیں، وہ کیا دل نہیں رکھتے، اور اس دل میں کبھی جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔" حانی تڑخ کر بولی۔

"ہمارا کیا قصور ہے بٹو! وہ تو فلک ناز نے......"

"پلیز بوا! ہم کسی اور موضوع پر بات نہیں کر سکتے۔" حانی، حریم کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر سرعت سے بولی۔

بوا ایک دم خفا ہو گئیں۔

"بھلا ہم کیا کریں، چپ شاہ کا روزہ رکھ لیں۔"

"فی الحال آپ چائے بنا کر لے آئیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

"حانی! پھر تم نے کیا سوچا ہے۔ خالہ نے تم سے بات کی تھی نا۔" بوا کے جانے کے بعد حریم نے نرمی سے حانی کے افسردہ چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ابھی فیصلہ نہیں کر پا رہی ہوں، نہ جانے کیوں بابا کی تنہائی کا احساس آزردہ کئے دیتا ہے۔"

"تم اطمینان سے ہر پہلو پر غور کر لو۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" حریم نے محبت سے بہن کی پیشانی کو چوما۔

کچھ دیر بعد ماہیر لینے کے لئے آ گیا تھا۔ سارے راستے وہ مسلسل بولتا رہا تھا۔ شاید کسی پریشانی سے پیچھا چھڑوانا چاہتا تھا۔

گھر آ کر ماہیر سیدھا اوپر چلا گیا تھا۔ حریم، امی کے پاس تخت پر بیٹھ گئی تھی۔ میز پر چائے کے خالی کپ پڑے تھے۔ وہ سوچنے لگی تھی کہ کون آیا ہے۔

"نیفا آئی تھی۔" امی بغیر اس کے پوچھے خود ہی بتانے لگیں۔

"وہ جانے لگی تو زمیلہ آ گئی۔ نبیل خیر سے پردیس چلا گیا ہے۔ بڑا دل چاہ رہا تھا، زمیلہ رات رک جاتی، مگر اسے گھر جا کر پورے کنبے کے لئے کھانا پکانا تھا۔ اس کی نند کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ اس لئے جلدی چلی گئی۔ میرے روکنے کے باوجود۔" ان کی آواز بہت نم تھی۔

"حریم!" وہ خاموشی سے سر ہلاتے ان کی بات سن رہی تھی، جب انہوں نے اس کے گھٹنے پر اپنا ہاتھ رکھ کر گویا اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"جی امی!" حریم جانتی تھی، بیٹی کے جانے سے ان کا دل بھر بھر آ رہا ہے۔

"بیٹیاں سبھی کو پیاری ہوتی ہیں۔ یہ ہم جیسی عورتیں کیوں نہیں سمجھتیں۔ پرائی بیٹیوں کو کچوکے لگاتے، ان کے دل دکھاتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتیں، ہمارے اپنے آنگن کی چڑیاں بھی ایک دن پرائی ہو جائیں گی۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا تھا۔ حریم تو گویا دھک سے رہ گئی۔

"کتنی اچھی بیٹی ہو تم! اتنے سکھ تو مجھے زمیلہ نے نہیں دیئے۔"

"یہ تو میرا فرض ہے امی! کوئی احسان تو نہیں۔" حریم نے ان کے ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر ہولے سے دبائے۔

"زمیلہ [illegible] تھی، بہت الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ بالکل ایسے ہی جس طرح تم شادی کے شروع دنوں میں چپ چپ رہتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ تم نے اپنی موجودہ زندگی سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اسی طرح زمیلہ بھی کر لے گی۔ ساری بیٹیاں سمجھوتے کے شربت کو امرت سمجھ کر پی لیتی ہیں۔" ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"تم بہت اچھی ہو حریم! ایک وعدہ مجھ سے کرو، کبھی موبی سے نفرت نہیں کرو گی، کبھی اس سے کراہیت محسوس نہیں کرو گی، کبھی اسے دھتکارنا مت، وعدہ کرو حریم!"

"امی! آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں۔" حریم کے لئے امی کے یہ انداز نئے تھے۔

"بتاؤ نا موبی سے نفرت تو نہیں کرو گی۔" وہ نہ جانے کون سی یقین دہانی چاہتی تھیں۔

"نہیں امی! کبھی نہیں۔"
"شکریہ تم نے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔ اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے۔" انہوں نے
بے ساختہ ہاتھ اٹھا کر اسے دعا دی تھی۔
"یہ دعائیں ہی زندگی کا حاصل ہوتی ہیں۔ زادِ راہ کے لئے آپ کی "دعا" ہی کافی ہے۔"
"جیتی رہو' خوش رہو' سدا آباد رہو۔" راحت بیگم کے روم روم نے گویا دعا دی تھی۔
"اب تم جاؤ' ماہیر انتظار کر رہا ہوگا۔" بیٹی کی بھیگی بھیگی آنکھوں اور خاموش لبوں نے کئی
سارے کس بل نکال دیئے تھے۔ وہ پہلی والی راحت بیگم سے بہت مختلف نظر آ رہی تھیں۔ وہ بالکل
البتہ کچھ کچھ ضرور بدل گئی تھیں۔ حریم کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب رکھتیں' ہر بات میں مشورہ کر
لیتیں۔ گویا حریم کے بغیر ان کا دن گزرنا محال تھا۔
آج صبح فیفا چلی آئی تھی۔ امی نے زبردستی اس کے سر میں مالش کی تھی۔ حریم کے سر میں
رہنے لگا تھا۔ امی نے اس کی کنپٹیاں دباتے دیکھ کر آواز دی تھی۔ وہ اس کے سر میں تیل کی مالش
کرنے لگی تھیں۔ فیفا اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ امی' موبی کو کپڑے چینج کروانے اندر گئیں تو
خیزی سے اسے دیکھنے لگی۔
"یہ کایا پلٹ کیسے؟"
"یقین نہیں آ رہا کیا؟" حریم بال سمیٹ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ فیفا بھی اس کے پیچھے آ
"نہیں۔"
"زمیلہ کو رخصت کر کے کچھ زیادہ تنہائی محسوس کرنے لگی ہیں۔"
"ہوں۔" فیفا نے ہنکارا بھرا۔
"زمیلہ کی زندگی میں در آنے والی مشکلات کا اندازہ کر کے تمہاری قدر ہوئی ہے۔"
"چلو دیر آید درست آید۔" حریم مسکرائی۔
"چائے پیو گی؟"
"ضرور۔"
"ابھی رہو گی' کب تک جاؤ گی۔" اس نے چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھا۔
"کچھ دن اور رہوں گی۔ پھر مسقط چلے جانا ہے۔"
"اچھا۔" حریم کو خوشی محسوس ہوئی۔
"میاں جی کے پاس چلی جاؤ گی۔ یہ تو اچھی بات ہے۔"
"ہوں' مگر میں جانا نہیں چاہتی۔" فیفا اداسی سے بولی۔
"مگر کیوں؟"
"امی کی وجہ سے' ان کی تنہائی کے خیال سے کبھی کبھی سوچتی ہوں۔ اگر میری جگہ کوئی بیٹا ہوتا
تنہا تو نہ رہنا پڑتا۔" وہ یاسیت سے بولی۔

"ہم ہیں نا۔ پھوپھو ہمارے پاس رہیں گی۔"
"تنہا کیوں؟"
"ایسا ممکن نہیں۔" فیفا نے آزردگی سے کہا۔
"کیوں ممکن نہیں' ہم لوگ کیا غیر ہیں۔"
"وقت کے ساتھ ساتھ رشتے اور ترجیحات بدل جاتی ہیں۔" فیفا کی آنکھوں کی سطح گیلی ہونے لگی
تھی۔
"مگر پھوپھو کے ساتھ ہمارا رشتہ مضبوط ہے۔ ماہیر کو پھوپھو سے بہت محبت ہے۔ تمہارے جانے
کے بعد وہ پھوپھو کو تنہا نہیں رہنے دیں گے۔" حریم نے پلٹ کر اس کے شانے کو نرمی سے دبایا۔
"ایک بات کہوں؟"
"کیوں نہیں' اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔" چائے بن چکی تھی۔ حریم نے چھان کر مگ میں
چائے انڈیلی اور مگ فیفا کو پکڑا دیا۔
"مامی تمہارے معاملے میں نرم ہو گئی ہیں' مقامِ حیرت' شاید انہوں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا ہے
کہ وہ اب تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔ انہوں نے سوچ لیا ہے کہ جب اکٹھے رہنا ہے' تو پھر خوشگوار ماحول میں
رہ کر خدمت کروالی جائے۔ زمیلہ کے جانے کے بعد ان کا دستِ راست کھو گیا ہے۔ دوسرے زمیلہ کو
بہت بگڑی قسم کی سسرال ملی ہے۔ انہوں نے زمیلہ کو طعنے دے دے کر ادھ موا کر دیا ہے کہ ان دونوں ماں
بیٹوں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک روا رکھا ہوا تھا۔ یہی بات امی' مامی کو سمجھانا چاہتی تھیں' مگر اپنے
غرور میں انہوں نے اس وقت امی کی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔ اب جبکہ زمیلہ کے ساتھ وہ ہی کچھ ہو
رہا ہے جس کی شاید انہیں توقع نہیں تھی' اسی لئے مامی نے اپنا رویہ بدل لیا ہے۔ تاہم یہ بات تمہارے حق
میں بہتر ہے' وہ دل کی بری نہیں ہیں۔ بس بدلتے حالات انسان کو بدمزاج کر دیتے ہیں۔ اب یہی دیکھ لو۔
زمیلہ کی ساس' نند کے طعنے سن سن کر انہوں نے زمیلہ کے نام مکان لگوانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
"کیا مطلب؟" حریم کی سانسیں گویا تھم گئی تھیں۔
"کون سا مکان؟"
"یہی جس کی چھت تلے ہم کھڑی ہیں۔"
"ہم کہاں جائیں گے۔" حریم گویا لرز کر رہ گئی۔
ماہیر کی ساری پریشانیوں کی وجوہات آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی تھیں۔ حریم کو زور کا چکر آیا۔

............*

"ماہیر! امی یہ مکان زمیلہ کے نام لگوانے لگی ہیں۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھے' کمرے میں اندھیرا
کئے لیٹا تھا۔ جب حریم کمرے میں داخل ہو کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔
"تمہیں اطلاع مل گئی ہے۔" وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔
"جی۔" وہ ضبط کی کوشش میں ہلکان ہونے لگی۔
"ہم کہاں جائیں گے ماہیر!"

"غم کیوں کرتی ہو میری جان! اللہ کی دنیا بڑی وسیع ہے کہیں تو ٹھکانہ مل جائے گا۔" وہ خود پریشان تھا' مگر حریم کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے کچھ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

"مذاق نہ کریں۔ میرا دل بڑا آزردہ ہے۔" حریم گویا روہانسی ہوگئی۔

"یہ معمولی مسئلہ نہیں' ہم کہاں جائیں گے' کہاں رہیں گے۔"

"کرائے کے مکان بہت مل جاتے ہیں۔ کسی ایک کو ہم بھی ٹھکانہ بنالیں گے۔" وہ سنجیدہ بولا۔

"عارضی ٹھکانہ' کرایوں کے جھنجٹ' گھر بدر' یہ سب کیسے ہوگا ماہیر!" اس کے آنسو بہت باوجود ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"روتی کیوں ہو حریم! ابھی تو میں موجود ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے یہ غم' یہ فکریں صرف میرا جب نہ رہا تو ساس' بہو خود ہی پریشانیاں' غم' فکریں نبٹاتی رہنا۔"

"پلیز ماہیر!" حریم چیخ پڑی۔

"کتنی مرتبہ کہا ہے' فضول مت بولا کریں۔ میرا دل لرزا کر رکھ دیتے ہیں۔"

"ایک تو اتنا سا دل ہے تمہارا' بات بے بات کانپنے لگتا ہے' اسے مضبوط کرلو حریم۔" وہ ہلکے پھلکے میں محض اس کی ٹینشن دور کرنے کی غرض سے بول رہا تھا۔ حالانکہ اس کی اپنی نیندیں اچاٹ ہوگئی تھیں۔ رات رات بھر کروٹ کے بل سوچتا رہتا تھا۔ اسے پہلے اندازہ نہیں تھا' ورنہ زمیلہ کا رشتہ کم از کم ماہیر ہونے دیتا۔

"تم روتے ہوئے کتنی خوبصورت لگتی ہو۔ مجھے پہلے اندازہ نہیں تھا' ورنہ کبھی کبھی تمہیں رلانے کی کوشش ضرور کرتا۔" ماہیر نے اس کے گالوں پر پھسلتے تمام تر آنسو سمیٹ لئے۔

"ہونہہ' مجھے رلانے کی کوشش مت کیجئے گا۔" وہ وارننگ دینے والے انداز میں بولی۔

"ابھی تو خود روئی ہو۔" ماہیر نے اسے چھیڑا۔

"اپنی مرضی سے روئی ہوں۔"

"اچھا۔ یہ بتاؤ' تمہیں کس بات پر زیادہ رونا آسکتا ہے۔" ماہیر کا اپنا بھی دھیان اس مسئلے سے ہٹ چکا تھا۔

"اگر مجھے کوئی ڈانٹے تو میں بہت روؤں گی۔" حریم نے سوچ کر بتایا۔ وہ خود بھی کچھ اتنی اہم پریشانی کو بھول چکی تھی۔ یہ سب ماہیر کی قربت کا اعجاز تھا۔ حریم سارے دکھ' ساری دیکھ کر بھول جاتی تھی۔

"اس کے علاوہ۔"

"اگر مجھے چوٹ لگے گی تو میں پھوٹ پھوٹ کر روؤں گی۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"تمہیں آئندہ زندگی میں کس بات پر زیادہ دکھ ہوگا۔" ماہیر بازوؤں کا تکیہ بنائے اس کی دھلائی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر خدانخواستہ میری ممتا کو تڑپنا پڑے تب میں صبر اور ضبط کا مظاہرہ نہیں کر سکوں گی۔" حریم کی آنکھیں پھر سے گیلی ہونے لگیں' کسی نومولود کی سسکی نے اسے بے ساختہ رلا دیا۔

"یہ بتاؤ' اگر میں نہ رہا تو تمہیں کتنا دکھ ہوگا؟"

"پلیز ماہیر!" حریم سچ مچ مشتعل ہوگئی۔

"بہت ماروں گی آپ کو میں' جان سے مار دوں گی۔"

"سچ بتاؤ نا حریم!" ماہیر نے اصرار کیا۔

"کتنے دن تک یاد رکھو گی؟"

"ماہیر۔" وہ غصے سے اٹھ کر باہر جانے لگی تھی۔ ماہیر نے سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بتا دو۔" اس نے پھر سے حریم کو چھیڑا۔

"تم کیا بتاؤ گی' میں بتاتا ہوں۔" وہ اس کے چمکیلے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرتا کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"اتنی یادیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ تمہارے آس پاس کہ چاہ کر بھی پیچھا نہ چھڑا سکو گی۔"

"ماہیر!" حریم کے لب پھڑ پھڑائے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ ماہیر سچ مچ گھبرا گیا۔

"یار میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"چاہے کسی کے دل پر کیا گزرے' آپ کا مذاق ٹھہرا۔"

"سوری یار' ویری سوری۔" ماہیر نے اسے گدگدانا چاہا۔

"معاف کر دو نا۔ یہ لو کان بھی پکڑ لئے۔ کیا ناک بھی پکڑوں۔" وہ حریم کے دونوں کان پکڑے ہا تھا۔ حریم خفا خفا سی ہنس پڑی۔

"یوں ہنستی رہا کرو۔ تمہاری ہنسی میں میرے لئے زندگی ہے۔" وہ مخمور سا اسے دیکھے گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" حریم بری طرح جھینپ گئی۔

"اول روز کی طرح دمکتی ہو۔ معصوم حسین' کھلی کھلی آنکھوں سے حیرانی سے دیکھتی ہوئی۔ گویا کوئی بچہ پالنے میں سے جھانک رہا ہو۔ دنیا کو حیرانی سے دیکھ رہا ہو۔ شاید یہ سوچتا ہو کہ میں کن لوگوں کے آگیا ہوں۔ یہ میرے رہنے کی جگہ تو نہ تھی۔ مجھے تو کسی محبت کے باغ میں ہونا چاہیے تھا۔ جس پر چبھتی دھوپ کا بھی سایہ نہ پڑتا۔ بادل اپنے پر ہر وقت پھیلائے رکھتے' دائمی الفتیں میرے اردگرد ہوتیں' مجھے ہوں اور سختیوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لوگوں کے دھوپ چھاؤں جیسے رویئے میرا معصوم شفاف اور بے ریا نہ دکھاتے۔"

"آپ کو ایک "فن" بہت اچھی طرح آتا ہے۔" حریم کے عارضوں پر تپش دہکنے لگی۔

"مجھے تو بہت سے فن بہت ہی اچھی طرح آتے ہیں۔ کہو تو سارے جوہر دکھا دوں؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔ حریم کو لگا اس کے اردگرد پھولوں کے کئی کنج مسکرا اٹھے ہیں۔ وہ بہت کم کم مسکراتا تھا اور اس کی مسکراہٹ دیوانگی کی حد تک پاگل کر دینے کی کشش رکھتی تھی۔

"ایک بات تو بتائیں۔"

"صرف ایک بات میں تو ساری رات جاگنے اور باتیں سنانے کے لئے تیار ہوں۔ تم کئی ہزار پوچھ سکتی ہو۔" وہ خوشدلی سے بولا۔ اس وقت وہ ساری فکریں گویا بھلا چکا تھا۔

"کبھی آفس میں کسی کولیگ کے ساتھ....." وہ دبی دبی مسکان لبوں کے گوشوں میں دبائے ہوا رکی۔

"کیا؟" ماہیر نے آنکھیں پھیلائیں۔

"کبھی آفس میں کسی ساتھی خاتون کے ساتھ دل لگی کی ہے؟"

"تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔" ماہیر مصنوعی صدمے سے بے حال ہوا۔

"ایک بات پوچھی ہے۔" حریم ہنسی۔

"آپ کو ایسا ہرگز نہیں سمجھتی، غم مت کھائیے۔"

"نہیں، کبھی نہیں۔"

"یقین نہیں آتا۔" حریم نے چھیڑا۔

"یہ جو میرا دل ہے نا اک طوفان سے بھرا ہوا ہے۔" ماہیر نے بھوری آنکھوں میں شوق کے سارے رنگ بھر لئے۔

"طوفان۔" حریم حیران ہوئی۔

"تمہاری محبت کا طوفان، جوشیلا ٹھاٹھیں مارتا۔ تم ایک اطمینان رکھو یہاں فتح مندی کا جھنڈا آسان نہیں۔ بڑی سنگلاخ زمین ہے اس دل کی۔ اس میں صرف تمہاری حکومت ہے، روز روز ہم حکومتیں نہیں بدلواتے۔"

"اس سخاوت کا شکریہ۔" حریم کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اس فصاحت اور بلاغت کا بھی شکریہ، میں نے آج تک ایسا شخص نہیں دیکھا، جو لفظوں کی بنت دلوں پر بہت حسین اور گہرے نقش و نگار بناتا ہے۔ زندگی کے حسن کو گہن لگانے والے بہت ہوتے ہیں، زندگی کے حسن کو پنہاں کرنے والے بھی بہت ہوتے ہیں اور زندگی کے اصل رنگوں سے آشنا کرنے والے کوئی کوئی ہوتے ہیں۔ میں نے انسانیت سے پیار کرنے والے صرف دو مرد دیکھے ہیں۔ ایک آپ جو میرا سائبان ہو۔ زندگی کے ساتھی ہو اور اک ایسا مرد ہے، جس سے کوئی تعلق نہیں۔ اک بے نام سا بندہ اور اس کے دل میں اللہ کے بندوں کے لئے بڑا درد بھرا ہے۔" حریم سوچوں کی کشتی میں سوار بہت دور گئی تھی۔

"اے حریم! آج شام جلدی نہیں دریچے میں اتر آئی۔" ماہیر کی نظریں بالکونی کی کھڑکی سے شام پر تھیں۔

"ہاں، شاید۔"

"تو پھر سوتے ہیں نا۔" وہ اسے بازوؤں کے حصار میں لے چکا تھا۔ حریم قدرے پھڑپھڑائی

"امی کو دوا دینی ہے۔" اسے اچانک اپنے بھولے ہوئے کام یاد آنے لگے۔

"خادم کس لئے ہے۔ تم آرام کرو میں دودھ اور دوا دے آؤں گا، تھک جاتی ہو نا حریم!"

"نہیں تو، تھکن کیسی، اپنے گھر کے کام ہیں۔" حریم نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نے تمہیں کوئی سکھ نہیں دیا۔ جی تو چاہتا ہے، تمہیں مہارانی بنا کر رکھوں۔ نوکروں کی فوج تمہارے اردگرد ہو، پر یہ خالی والٹ۔"

"میں خدانا خواستہ کیا لولی لنگڑی ہوں۔ سارے کام خود کر سکتی ہوں۔ مجھے نوکروں کی فوج بھرتی کروا کر ایوارڈ لینا ہے کسی سے۔" وہ خوشدلی سے بولی تھی۔ ماہیر کے احساس اور خیال رکھنے کے یہ انداز حریم کی ساری تھکن اتار دیتے تھے۔

"تم پر کاموں کا اضافی بوجھ ہے۔ کیا اتنا بے خبر سمجھتی ہو۔ یہ ماسی مکار آئے دن سیلری پیکیج بڑھانے کی ڈیمانڈ کرنے لگتی ہے۔" ماہیر کو ماسی پر شدید تاؤ آیا۔ آج پھر ماسی صبح صبح راستہ روکے کھڑی تھی۔

"یہ تو معمولی مسئلہ ہے۔ سب سے بڑی پرابلم جو سر پر تلوار کی طرح ٹنگی ہے، اس کی طرف دھیان کیوں نہیں دیتے۔" حریم کو اچانک اس چھت کے پرائے ہو جانے کے خیال نے بری طرح متوحش کر دیا۔

"امی نے ہمارے بارے میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچا۔"

"زمیلہ کے آنسو انہیں کچھ اور سوچنے دیتے تو تب وہ کسی اور طرف دھیان دیتیں۔" ماہیر بھی لحہ بھر کے لئے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"بیاہی بیٹیاں اپنی پریشانیوں کی ساری پوٹلیاں سسرال سے اٹھا لاتی ہیں۔ یہ کہ بغیر سوچے میکے میں بڑھاپے پر جھکتی ماں، دہلیز پر نظریں لگائے باپ تو کسی خوشگوار خبر کا منتظر ہوتا ہے، بیٹی کی صرف مسکراہٹ دیکھنا چاہتے تھے۔ آنسو انہیں توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ انہیں لحہ بھر میں عمر رسیدہ بنا دیتے ہیں، جس طرح امی کی آنکھیں جھک گئی تھیں۔ شانے ڈھلک گئے تھے۔ وہ تو صرف کچھ دنوں میں برسوں کی بیمار دکھائی دینے لگی تھیں۔ زمیلہ کی آنکھ کے آنسو ان کے لئے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ لمحوں میں گر جانے والی۔" حریم غمزدہ سی سوچے جا رہی تھی، نہ جانے کیوں اس کے باپ کے بوڑھے چہرے پر پھیلی بے بسی راحت بیگم کے چہرے پر دکھائی دینے لگی تھی۔

"نہ ساس کو جھمکا دیا نہ بالی، اکلوتی نند کے لئے ایک چھلا تک نہیں نصیب ہوا۔ کیا اتنے حالات خراب تھے بھائی صاحب۔" مہندی کی رات بابا سے راحت بیگم بڑی معصومیت سے مخاطب ہوئی تھیں۔ بابا کے چہرے پر زردیاں گھل گئی تھیں، وجود شرمندگی کے عالم میں تھرتھرانے لگا تھا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ پیشانی عرق ندامت سے تر تھی اور وہ لب سیئے چپ چاپ ایک اندھیرے کونے کی طرف بڑھ گئے تھے۔ یہی اندھیرے اب راحت بیگم کے اردگرد چکرانے لگے تھے، مگر ان اندھیروں کی لپیٹ میں حریم کا وجود بھی آنے والا تھا۔

........*

بڑے دنوں بعد آج وہ نفیسہ پھوپھو کے گھر آئی تھی۔ گھر پر ہو کا عالم تھا۔ حریم نے بڑے کمرے میں

جھانکا۔ پھوپھو اور فیفا اس کی توقع کے مطابق بڑے کمرے میں تھیں۔ ڈھیروں سامان بکھرا پڑا تھا۔ تیزی سے کپڑوں کے ڈھیر سمیٹ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر خیر سگالی کے طور پر مسکرائی۔

"آؤ حریم! رک کیوں گئیں۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں پھوپھو!" وہ اس قدر حیران ہوئی تھی کہ سلام کرنا ہی بھول گئی۔

"ہاں بیٹی۔" پھوپھو نے کپڑوں کے ڈھیر کو ایک طرف رکھ کر حریم کے لئے جگہ بنائی۔

"یہ سب ان دونوں کی ملی بھگت ہے' مجھے کچھ بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ بالا ہی بالا فیفا اور (داماد) نے تمام معاملہ نبٹایا ہے۔" وہ اداسی سے کہہ رہی تھیں۔

"خیریت تو ہے؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔" حریم ہونق پن سے فیفا کی طرف دیکھنے لگی تھی جو کہ ہنسے جا رہی تھی۔

"سہیل نے میرا اور امی دونوں کا ویزا بھجوایا ہے۔ ان کا اپنا تو کوئی ہے نہیں۔ بزرگوں کی خدمت کرنے کا انہیں بڑا ارمان تھا' مگر امی کو داماد سے خدمت کروانا پسند نہیں' جانا نہیں چاہتی تھیں۔ بڑی مشکل کا سامنا کر کے منوایا ہے۔" فیفا نے اس کی حیرانی دور کی۔

"یہ تو اچھی بات ہے پھوپھو! آپ فیفا کے پاس رہیں گی۔ دونوں کے دلوں کو اطمینان رہے گا۔" حریم شگفتگی سے بولی۔

"خاک اچھی بات ہے۔ بڑھاپے میں پردیس جاؤں' اپنے دیس کو چھوڑ دوں۔" پھوپھو ناراض ہوئیں۔

"جانا تو آپ کو پڑے گا۔ سہیل نے اتنی محبت سے بلوایا ہے۔"

"اس کی محبت پر کوئی شک نہیں' اللہ نے بیٹوں سے بڑھ کر داماد دیا ہے۔" نفیسہ پھوپھو نے کہا۔

"ارے باتوں میں لگ گئی۔ چولہے پر چائے کا پانی رکھا ہے۔ حریم چپکے سے نکل مت جانا تم لئے "انگوری" لے کر آتی ہوں۔" نفیسہ پھوپھو نشتم پشتم کچن کی طرف بھاگیں۔

"کب تک روانگی ہے؟"

"دو مہینے تک۔" فیفا نے بتایا حریم استری پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں تمہاری کچھ ہیلپ کروا دیتی ہوں۔"

"حریم! رہنے دو' ابھی کر لیتی ہوں۔ پلیز شرمندہ نہ کرو۔" فیفا بوکھلا کر اسٹینڈ کی طرف بڑھی۔

"ابھی دیکھنا' فٹافٹ تمہاری پیکنگ ہو جائے گی۔"

"کپڑے پریس میں کر لوں گی۔ تم بیگ میں یہ کتابیں اور رسائل وغیرہ رکھ دو۔" فیفا کر آسان سا کام حریم کو بتایا۔

"کپڑے کیوں نہیں؟"

"رات کو استری کروں گی۔" فیفا بڑی سی کپڑوں کی گٹھڑی کو الماری میں ٹھونس آئی۔

"ممی کہاں ہیں؟"

"موبی کے پاس۔"

"موبی ٹھیک تو ہے؟" فیفا نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں پہلے سے بہتر ہے۔"

"فیفا! ایک بات پوچھوں؟" حریم نے کچھ جھجک کر آہستگی سے کہا۔

"کیوں نہیں' بلا جھجک پوچھو۔"

"زوباریہ تمہاری دوست تھی؟"

"زوباریہ" فیفا ایک دم چونکی۔ "تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"زمیلہ نے۔"

"اوہ" فیفا نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"کیا کچھ بتایا ہے؟"

"زیادہ نہیں' بس اتنا کہ تم ماہیر اور زوباریہ پندرہ سولہ سال اکٹھے رہے ہو' یعنی ہم جماعت۔" حریم سرسری انداز میں بتایا۔

"ہوں۔" فیفا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نمودار ہوئے۔

"زوباریہ پہلے میری سہیلی تھی' بہت گہری' اکلوتی فرینڈ۔ پھر اس نے زمیلہ کے ساتھ دوستی کر لی۔ دوستی چھوڑ دی۔" فیفا کسی یاد کے زیر اثر ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

"جانتی ہو کیوں؟" فیفا گویا اس ماحول سے کچھ پل کے لئے کٹ کر رہ گئی تھی۔

"کیوں؟" حریم کے لبوں سے سرگوشی نما آواز نکلی۔

"ماہیر کے لئے' ماہیر تک پہنچنے کے لئے سیڑھی کی تلاش تھی اسے' جو زوباریہ کو ماہیر تک پہنچانے میں کا کام کرتی۔ کسی ایسے وجود کی ضرورت تھی' زوباریہ کو۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"زوباریہ کو زمیلہ نام کی سیڑھی مہیا ہو گئی۔ اس نے میرے ساتھ پندرہ سولہ سالہ تمام تعلقات ختم کر میری اور ماہیر کی بڑی انڈراسٹینڈنگ ہوا کرتی تھی۔ زوباریہ کو بہت حسد رہتا تھا کہ ماہیر مجھے اتنی دیتا ہے۔"

"پھر۔" حریم کے ہونٹ ذرا دیر کو وا ہوئے۔

"جنون تم کا عشق لاحق ہو گیا تھا زوباریہ کو ماہیر سے' تب وہ تمہارے ساتھ منسوب تھا اور اس گھر کے افراد جانتے تھے۔ زوباریہ اس جنون میں پاگل ہو رہی تھی۔ دوران تعلیم ہی شادی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس کی ماں کو خبر ہوئی تو وقت شاید ہاتھوں سے پھسل چکا تھا۔ ایک مڈل کلاس کی ماں کیسے اپنا داماد بنا لیتی جس کی ابھی تعلیم بھی ادھوری تھی۔ انہوں نے شاید بیٹی کو بہت کوشش کی تھی۔ زوباریہ نے دو مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ جب زوباریہ کی ماں بیٹی کے

ہاتھوں بے بس اور مجبور ہوگئی تو اس نے ماہیر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا' نہ جانے کب کیسے اور کہاں
ماہیر کو دیکھا اور پسند کر لیا۔ زوباریہ کی ماں کو حریم جمال کا ماہیر عالم پسند آ گیا۔

پھر ایک دن کیا ہوا۔ زوباریہ کی ماں میڈم تابندہ لش پش کرتی لمبی سی گاڑی میں چلی آئیں
ساڑھی پہنے' خوشبوؤں میں لپٹی اس دراز قد' مغرور عورت کو دیکھ کر مامی جان کے ہاتھ پیر پھول گئے
چمکتی دمکتی شے سے بڑی جلدی متاثر ہو جاتی تھیں۔ میڈم تابندہ خالی ہاتھ نہیں آئی تھیں۔ پھلوں اور
کے ٹوکروں سمیت آئی تھیں۔ ملازمائیں بڑے بڑے شاپنگ بیگ اٹھائے گاڑی سے نکال کر تخت پر
رہی تھیں۔ مہنگے ترین کپڑے' زیور کے ڈبے' مردانہ کپڑوں کے الگ سے شاپر' پرفیوم نجانے کیا کچھ
میں ابھی بند پڑا تھا۔ مامی اور زمیلہ کے چہرے جوش و جذبات سے رنگ بدل رہے تھے۔ ان کے
دھیان میں بھی نہیں تھا کہ زوباریہ کی ماں میڈم تابندہ ابھی کیا کہنے والی ہیں۔

میڈم تابندہ نے ایک نظر کپکپاتی' بوکھلاتی مامی اور زمیلہ پر ڈالی۔ اپنے پرس سے وہ ایک مخملی ڈبیا
رہی تھیں۔ ہیرے کی جگمگاتی انگوٹھی نے ان کی آنکھیں چکا چوند کر دی تھیں۔ انگوٹھی بہت خوبصورت تھی
ہیرے اس میں جگر جگر کر رہے تھے۔ روشنیاں ویسے بھی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہیں۔ ان کی آنکھیں
چندھیانے لگی تھیں۔ انگوٹھی مردانہ تھی۔ بڑی اعلیٰ سوچ رکھنے والے ڈیزائنر نے تیار کی تھی شاید۔ ادھر
تابندہ ان کے قدموں سے دھیرے دھیرے زمین کھینچ رہی تھیں۔

"آج سے ماہیر عالم اور زوباریہ درانی ایک دوسرے سے منسوب ہوئے۔ اس بات کو پکے
پر لکھ لیں۔"

مامی اور زمیلہ گویا ششدر سی اس عورت کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

............*

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس جھٹکے سے سنبھل کر مامی نے تیز لہجے میں کہا۔

"تم اچھی طرح سے سن بھی چکی ہو اور سمجھ بھی چکی ہو۔ میں بار بار ایک بات کو دہرانے کی عادی
نہیں۔" میڈم تابندہ کے لہجے میں ازلی رعونت در آئی۔ اب وہ سر جھٹکتے ہوئے اردگرد کا جائزہ لے رہی
تھیں۔

"خوش نصیبی تمہارے دروازے پر خود چل آئی ہے۔ اپنے قدموں پر چل کر' شکرانے کے نوافل پڑھو'
زوباریہ درانی کی نظر انتخاب تمہارے بیٹے پر ٹھہر گئی ہے۔"

"خوش نصیبی' ہونہہ...... ہماری جوتی کو بھی پروا نہیں' ماہیر عالم بیٹا ہے میرا' بکاؤ مال نہیں کہ تمہارے
جیسی رئیس عورت کے ہاتھ بیچ ڈالوں۔" مامی کا بھی ازلی جلال عود آیا' ابھی تک وہ زوباریہ کی ماں سمجھ کر
خاموش اور کچھ شاک کی وجہ سے مہر بہ لب تھیں' زمیلہ برابر ماں کو خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ دراصل
زوباریہ سے دوستانے کے ناتے اس نئی رشتہ داری کے متعلق پہلے سے ہی سوچ رہی تھی یا پھر زوباریہ نے
اسے ہمراز بنا لیا تھا۔ جو بھی وجہ تھی البتہ ایک چیز واضح ہوگئی تھی کہ زمیلہ اس رشتہ داری پر بہت خوش
تھی۔ اپنا اسٹیٹس ایک جھٹکے میں ہائی ہو جانے کی وجہ سے پرجوش تھی۔

"اپنے بیٹے سے تو پوچھ لو' امیرزادیوں کو ورغلاتے وقت غیرت نہ آئی۔ راتوں رات آسمان پر پہنچنے
کے خواب دیکھتا ہے' تمہارا بیٹا۔ ایسے ہی تو زوباریہ پاگل نہیں ہو رہی۔ کوئی بات ہے دونوں کے درمیان'
دو مرتبہ محض میری ضد میں اور مجھے رضامند کرنے کی کوشش میں خودکشی کر چکی ہے۔ اس رشتے پر
اعتراض نہ ۔۔۔ ماہیر ذہین ہے' قابل ہے' سب سے بڑھ کر خوبرو ہے۔ ہماری سوسائٹی کے سارے
۔۔۔ سیکھ جائے گا۔" وہ دور تک پلاننگ کر رہی تھیں۔ مامی کے غصے کو انہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی'
۔۔۔ میری سیڑھی سے اترتے ہوئے ایک اور منظر دیکھا۔ میڈم تابندہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے عین مامی
۔۔۔ آ کھڑی ہوئیں۔ پھر انہوں نے مامی کا ہاتھ پکڑ کر بغور دیکھا۔ مامی کی تیسری انگلی میں سے ایک
۔۔۔ انگوٹھی اتار دی اور پھر شاہانہ تمکنت سے پلٹتے ہوئے بولیں۔

"یہ رنگ میں زوباریہ کو تمہاری طرف سے پہنا دوں گی۔ آج سے یہ رشتہ پکا سمجھ لو۔ ماہیر عالم کی
۔۔۔ سے منگنی ہو چکی ہے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو۔ شادی دس سال بعد کروں گی۔ یاد رہے پورے
۔۔۔ بعد ابھی زوباریہ کو بہت سا پڑھنا ہے۔ اس کے ابراڈ جانے کی تیاریاں مکمل ہیں۔ اس عرصے کے
۔۔۔ میں ماہیر کو اسٹیبلش ہوتے دیکھنا چاہوں گی۔ دس سال میں وہ کتنی ترقی کرے گا۔ کتنا آگے بڑھے گا

اس معاشرے میں اپنا مقام بنانے کیلئے ابھی وقت درکار ہوگا۔ ویسے بھی مجھے ان لوگوں سے نفرت ہے جو سیڑھیوں کی تلاش میں تاک لگائے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔" انہوں نے ... میں مامی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ماہیر آج سے ہمارا ہوا' یاد رکھنا۔"

"ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ۔ زبان کھینچ لوں گی تیری۔ بڑی آئی میرا ہوا ... والی۔" مامی کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ شاید میڈم تابندہ کا میک زدہ چہرہ نوچ لیتیں۔

"تیرے لئے تو میں اتنے سال پالتی پڑھاتی رہی ہوں' جوان ہوگا تو تجھے طشتری میں سجا کر ... گی۔ اپنی آوارہ اور بدلحاظ بیٹی کو سمجھا لینا۔ عزت داروں کی لڑکیاں اپنے منہ سے کسی غیر محرم سے ... اقرار کریں تو انہیں ہمارے معاشرے میں طوائف کی گالی دی جاتی ہے۔ آوارہ اور اوباش عورت ... ہے۔ چھچھی تھو۔"

"بس رک جاؤ۔ خاموش ہو جاؤ' مزید ایک لفظ مت کہنا۔" میڈم تابندہ نے گویا اپنے ضبط کو ... حد تک آزما ڈالا تھا۔

"وہ بے وقوف ہے اور مجھے اپنی بے وقوف بیٹی کے ہر احمقانہ فیصلے پر مہر لگانی پڑ رہی ہے۔ ... ماں ہو' میں بھی ایسی ہی ماں ہوں۔ یوں سمجھ لو' مجبور اور بے بس۔" میڈم تابندہ' مامی کی مزید کوئی ... سننے کیلئے رکی نہیں تھیں تاہم جاتے جاتے بھی انہوں نے آخری دفعہ بھی جتا دیا تھا۔

"زوباریہ کو اپنی ہونے والی بہو سمجھنا۔ خبردار جو کوئی لفظ میری بیٹی کیلئے تیری زبان سے نکلا۔"

"آخ...... تھو' تیرے ہلکے کردار کی بیٹی' میری جوتی کے برابر۔" مامی نے دھاڑ کر کہا تھا۔

"میرا بیٹا اعلیٰ سوچ رکھنے والا سچے موتی جیسے دل کا مالک' اس کیلئے تو میں آبگینہ لاؤں گی ... کے پانی جیسی صاف اور نفیس' تم اپنی دولت سمیت بیٹی کو گھر میں رکھو۔" مامی گویا ہوا کے ہاتھ ... تک سارا زہر سارا طیش پہنچا دینا چاہتی تھیں۔

"وہ چلی گئی ہیں امی! اب تو بس کریں' گھر آئے مہمان کے ساتھ کوئی یوں بھی کرتا ہے۔" ... پھٹ پڑی۔

"پانی تک نہیں پوچھا۔"

"مہمان......" مامی نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"نیلا تھوتھا نہ گھول کر پلاتی' کیسے منہ پھاڑ کر کہہ دیا بدبخت نے۔ ماہیر ہمارا ہوا' آگ پڑے ... منہ میں' ستیاناس' کیسے غرور سے بول رہی تھی۔ رشتہ پکا ہو گیا' ہونہہ۔"

"آپ نہ جانے کس دور میں زندہ ہیں' لوگ ترقی کیلئے بیساکھیاں ڈھونڈتے ہیں' سیڑھی ڈھونڈتے ہیں۔ ادھر قسمت خود بخود مہربان ہو رہی ہے' مگر قدر نہیں کسی کو' تمام عمر ایک کنویں میں گزار دیں ... میں سے مت نکلیے گا' ساری زندگی قرض لے کر گزارا کیا ہے۔ مہینے کے آخری ہفتے میں کنگال ہو ... ہیں۔ بھائی بھی تمام عمر ایک مدار میں گردش کرتے رہیں گے۔" زمیلہ بلند آواز میں چیخ رہی تھی۔

"بکواس نہ کر...... پہلے پہلے ہی دماغ پلپلانے لگا ہے' چل جا' اسکواش بنا کر لا۔" مامی ہانپتے ہوئے تخت پر بیٹھ گئیں۔ میں بھی ان کے قریب چلی آئی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور پھر سے شروع ہو گئیں۔

"منع کیا تھا اس نامنجار کو' نہ امیروں سے دوستیاں گانٹھ' بھگت لے نتیجہ اب' تحفے بٹورتی رہی ہے۔ سونے کا لاکٹ دے کر گئی تھی پرسوں زمیلہ کو۔ بھلا بتا فیفا! ہمارا اور زوباریہ کا کوئی جوڑ بھی ہے۔" وہ زمیلہ سے جلی بیٹھی تھیں۔ اول روز سے ہی انہیں زمیلہ اور زوباریہ کی دوستی پسند نہیں آئی تھی۔

"پہلے تیرے ساتھ چپٹی رہی' پھر زمیلہ کے گلے کا ہار بن گئی۔"

"اسی مقصد کیلئے تو وہ زمیلہ سے دوستانہ جوڑے بیٹھی تھی۔" میں نے دبی آواز میں کہا تھا۔ مبادا زمیلہ سن کر بپھر نہ جائے۔ ان دنوں وہ زوباریہ کیلئے اسی طرح حساس ہو رہی تھی۔

"میں بھی ان کے مقاصد پورے ہونے نہیں دوں گی۔" مامی نے اپنے ارادے ظاہر کئے تھے۔

"کیا فرق پڑے گا' بھائی سے اس کی شادی نہ ہوئی تو کوئی اور انہیں اپنے سرکل میں معیار کے مطابق مل جائے گا' نقصان تو سراسر آپ کا ہوگا۔ کبھی ان کا محل دیکھیں نا' تو رات بھر نیند نہ آئے آپ کو۔" زمیلہ کچن سے نکلی باہر آئی تھی۔

"ہمیں محلوں کی کہانیاں نہ سناؤ بیٹی! اپنے دل کے ٹکڑے کو کیسے انہیں سونپ دوں۔" جوش نکالنے کے بعد اب وہ مسلسل رونے دھونے میں مصروف تھیں۔

"پوری برادری میں واہ واہ ہو جاتی تھی۔ خاندان والے بس رشک کرتے رہ جاتے۔ نوابوں کی طرح ٹھاٹھ سے رہتا تھا محل میں۔ وہ گھر زوباریہ کے نام ہے۔ زوباریہ کے ڈیڈی کا تھا نا۔ اس کی مما تو دوسرے ملک میں ہوتی ہیں۔" زمیلہ گویا خیالوں میں زوباریہ کے محل کی راہداریوں میں گھوم رہی تھی۔

"آپ نے اس عزت' شان اور ٹھاٹھ باٹ کو ہاتھوں سے نکال دیا ہے۔ اتنے امیر گھر سے بھولا کرتو آپ کی ساری حسوں کی تسکین ہو جاتی تھی۔ شوق سے میکے اور پورے سسرال میں دھوم مچا دیتیں۔ سونے ... لاکر رکھ دیتا تھا زوباریہ نے آپ کو۔" وہ ماں کی سوئی ہوئی شوبازی کی عادت کو جگانا چاہتی تھی' مگر مامی شاید کوئی اٹل فیصلہ کئے بیٹھی تھیں۔

"بھولا نہیں تھی...... بیٹے کو رخصت کرنا تھا۔ وہ بھی ہمیشہ کیلئے۔ کیا احمق سمجھ رکھا ہے مجھے۔" مامی بھڑک کر بولیں۔

"حریم کے گھر سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔" زمیلہ آگ بگولا ہو کر دھاڑی۔

"نہ سہی۔" مامی نے ہاتھ جھاڑے۔

"عزت تو ملے گی' جو وہ ساتھ لائے گی' عزت اور کردار سے بڑھ کر کچھ نہیں...... تجھے اپنے بھائی کا نہیں پتا' دولت سے متاثر ہونے والا نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو حریم سے شادی پر رضامندی نہ دیتا۔ اس ... کو گھر لے آتا' جو اس پر مر مٹ گئی ہے۔"

"اونہہ...... غربت میں لپٹی عزت کو چاٹتی رہیں۔ حریم کا افسر باپ کنگلا ہے کنگلا۔" زمیلہ تنفر سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ان دنوں اس پر زوباریہ سے محبت کا بھوت سوار تھا۔

چوبیس گھنٹے فون سے چپکی رہتی' زدباریہ بھی گویا زمیلہ کی دیوانی تھی۔ جب بھی آتی لدی پھندی کپڑے' جوتے' پرفیوم' جیولری' کاسمیٹکس کا گویا ڈھیر لگ گیا تھا زمیلہ کے کمرے میں' زمیلہ بہت اونچے خواب دیکھنے لگی تھی۔ اسے امید تھی کہ اگر زدباریہ ماہیر کے ساتھ بیاہ کر ادھر آ جاتی تو وہ بھی کسی گھرانے میں بیاہی جا سکتی تھی۔" فیفا ایک دم کھٹکے کی آواز سن کر خاموش ہوگئی تھی۔ راحت بیگم سیدھی ادھر آ گئیں۔

"حریم! دوپہر کی روٹی ہانڈی کا کچھ نہیں کرنا۔" انہوں نے دروازہ کھول کر کمرے میں جھانکا۔

"جی امی! ابھی آئی۔" حریم بوکھلا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیفا سے...

"پھر آؤں گی' باقی کی داستان سننے۔"

"میں انتظار کروں گی۔" فیفا نے سمجھ کر سر ہلا دیا تھا۔ حریم پلٹ کر تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

............*

زمیلہ آئی تھی۔ چہرے سے ہی بہت اپ سیٹ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی سوجی سوجی آنکھیں دیکھ کر امی کے دل پر گھونسا پڑا۔

"کیسی صورت نکل آئی ہے چند دنوں میں میری بیٹی کی۔ تجھے کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔" وہ بار بار چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پوچھتیں۔ پاس ہی حریم سبزی کی ٹوکری سامنے رکھے آلو کاٹنے میں مصروف تھی۔ جانے کیوں ماں' بیٹی کی اس محبت' توجہ کے مظاہرے دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ شاید اپنی ماں نہ ہونے کی وجہ سے یا پھر اپنی ممتا کے پیاسا رہ جانے کے احساس نے اس کی پلکوں کو بھگو ڈالا تھا۔

"نبیل تجھے اپنے پاس بلاتا کیوں نہیں۔" انہوں نے کئی مرتبہ کا گھسا پٹا سوال پھر سے دہرایا۔

"اتنی جلدی کاغذات نہیں بن جاتے۔"

"یہ فیفا کا تو ویزا ابھی لگ گیا' ٹکٹ بھی آ گئی' اگلے مہینے چلی جائے گی' نبیل سے کہو نا کچھ کرے۔" وہ بے قراری سے بولیں۔

"لوگوں کے نصیب بڑے چمک دار ہیں' مٹی کو ہاتھ لگائیں تو سونا بن جائے' یہاں تو سونا بھی ... کے برابر' بے قیمت' زنگ آلود لوہا۔" زمیلہ کے لفظ لفظ میں تلخی رچی تھی۔

"میں نے بھی تجھے کہاں پھنسا دیا ہے۔"

"آپ کا کیا قصور؟ میرے نصیب مجھے وہاں لے گئے۔"

"تم نبیل کو بتاتی کیوں نہیں؟" اب کے ذرا دبی آواز میں کہا گیا تھا۔

"کیا بتاؤں؟ خالہ صباحت کی وہاں کوئی نہیں سنتا تو میری مجال کیا ہے۔ دادی صاحبہ ایک ... ہیں رنگ رنگ کے پکوان کھانے کو دل کرنے لگتا ہے۔ کبھی حلوے کی فرمائشیں' کبھی کھوئے کی ... ہوگئی ہے' بلڈ پریشر کی تکلیف بھی نہیں' ہشاش بشاش' ہٹی کٹی ہیں۔ بہوؤں پر رعب جمانے کے علاوہ ... نہیں۔" زمیلہ نے جل کر کہا۔

"نبیل سے کہو تجھے علیحدہ سے خرچہ دے۔" امی کی آواز اب سرگوشی نما ہو چکی تھی۔

"ایسا سوچنے کی بھی جرأت نہیں؟"

"بھلا کیوں؟ بیوی بنا کر لے کے گیا ہے یا باندی۔" امی کو جلال آ گیا۔

"اونہہ' بیوی کہاں' باندی سمجھ لیں۔" زمیلہ نے کلستے ہوئے کہا۔

"تم کہو تو میں بات کروں۔"

"ارے نہیں امی! کیوں بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا چاہتی ہیں۔" زمیلہ بے زاری سے بولی۔

"میری شہزادیوں جیسی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک' دیکھ لینا ایسی کھری کھری سنا کر آؤں گی۔" امی بھنا اٹھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں' نبیل کی ماں کہیں گی میں میکے والوں کو گھر کی باتیں بتاتی ہوں۔"

"صباحت بھی تیرا ساتھ نہیں دیتی۔" امی نے صدمے سے ٹوٹے لہجے میں پوچھا۔

"اول تو ان کا پورشن الگ ہے اور پھر خالہ کی ساس کی نظر میں بھلا حیثیت کیا ہے۔"

"بڑھیا اتنی ڈرامے باز ہوگی' مجھے یقین نہیں آتا۔"

"ایسا خیال ان کا آپ کے بارے میں ہے۔ میرے سامنے آپ کو شاطر' تیز طرار' چالاک اور نہ جانے کیا کچھ کہتی ہیں' مگر میں خاموش رہنے پر مجبور ہوں۔" زمیلہ نے تلخی سے کہا۔

"کیا سمجھ رکھا ہے' اس خرانٹ بڑھیا نے' تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں۔" امی غصے کے عالم میں تنتنا اٹھی تھیں۔

"آہستہ بولیں' بھابی سن لیں گی۔" زمیلہ نے ماں کو حریم کی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے ٹہوکا دیا۔

"کال ملا کر دو مجھے' ابھی بات کرتی ہوں بڑھیا سے' کیا سمجھ رکھا ہے اس نے مجھے۔" امی پر غصہ کسی طرح سوار ہو چکا تھا۔

"امی پلیز!" زمیلہ کو ماں کی یہ جذباتیت ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

"پہلے اپنے گریبان میں جھانکیے۔"

"کیا مطلب ہے تیرا۔"

"لوگ غلط تو نہیں کہتے' کیا دیا ہے آپ نے مجھے۔" زمیلہ نے شکووں سے بھرے بند رجسٹر کھول دیئے تھے۔

"میری دیورانی فلیٹ' گاڑی اور سونے کی پوٹلیاں جہیز میں لائی ہے۔"

"میں نے کون سی کمی کی ہے۔" امی نے صدمے سے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"لاکھوں کی مالیت کا جہیز دیا ہے' حسب توفیق سونا بھی چڑھایا۔ مہنگائی دیکھو آسمان کو چھو رہی ہے' ایک ہی بھائی ہے کمانے والا' باقی تو سب اس کا خون چوسنے کو بیٹھے ہیں' میں' موبی اور......" وہ لب بھینچے حریم پر ڈال کر رخ موڑ گئیں۔ اس نظر میں نہ جانے کیا کچھ تھا۔ حریم توہین کے احساس سے ... امی کا موڈ صبح سے بگڑا بگڑا تھا۔ ماہیر نے انہیں خرچے کے علاوہ اضافی رقم دینے سے انکار کر دیا

تھا۔ وہ ان دنوں نہ جانے کہاں غائب رہتا تھا۔ دفتر سے آ کر پھر سے نکل جاتا۔

امی بھی روایتی ساسوں کی طرح بہت جلد متنفر ہو جاتی تھیں۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا ... جھپکنے کے ساتھ مزاج برہم ہو جاتا۔ خوش ہونے پر آتیں تو معمولی سی بات پر کھل اٹھتیں ... نفسیات تھی ان کی۔ حریم تو ان گتھیوں کو سلجھاتے سلجھاتے خود بھی الجھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی نظر ... پر موجود اس گلابی سوٹ پر گویا جم کر رہ گئیں۔ یہ سوٹ رات کو ماہیر لایا تھا۔ اس کی سالگرہ کا تحفہ ... دوسری سالگرہ کا تحفہ۔

ماہیر کی محبت سے بڑھ کر کوئی زادراہ نہیں تھا۔ ان دو سالوں میں وہ ہر طرح کے رویے کی ... تھی۔ وہ خود کو بے حس کہنے سے خوفزدہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو ہر احساس سے عاری نہیں سمجھنا چاہتی ... اسی لئے بہت سکون اور خاموشی سے حریم نے اس تیز نظر کا زہر اپنے اندر اتار لیا۔ کبھی کبھار ای ... کی بھڑاس نکال لیتی تھیں تو اس میں حرج کیا تھا۔ ماہیر کی محبت کے صدقے سب قبول تھا۔ ہر لفظ ... ہر صدمہ۔

اس کے آس پاس رہنے والی بہت سی عورتیں تو صرف سمجھوتے اور مجبوریوں کے بندھن ... تھیں۔ جن کے شوہروں کے پاس ان کیلئے محبت کے دو بول بھی نہیں تھے۔ حریم کا اس لحاظ سے ... تھا اور اس کا قناعت پسند دل کسی اور شے کی طلب بھی نہیں کرتا تھا۔

"نہ جانے بعض لوگوں کے پاس کون سا ٹونا یا جادو ہوتا ہے۔ ایسے شوہروں پر تسلط جما ... زملیہ اتنا اونچا بول کر نہ جانے کسے سنا رہی تھی۔ حریم اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

"نہ یہ چالاکیاں اور ادائیں ہماری ماں کو معلوم تھیں۔ نہ آگے ماں نے مجھے سکھائیں۔ لڑ ... پٹیاں پڑھ پڑھا کر آتے ہیں۔" وہ گویا دانتوں تلے چنے چبا رہی تھی۔ کڑ کڑ کرتے زملیہ کے ... حریم کے دل میں پیوست ہوتے چلے گئے۔ جیسے گندھے آٹے میں پتھر کی گول گول گولیاں پور ... پھینکیں تو کھب کر رہ جاتی ہیں۔ اسی طرح حریم کے دل میں زملیہ کا لفظ لفظ چبھن دیتا' پیوست ...

"میرے نصیب پھوٹے بھی تو کہاں' شوہر اتنی دور' دو' دو ساسوں کے درمیان پس ر ... زملیہ نے آج سارا غبار نکال دینے کی گویا ٹھان رکھی تھی۔

"اگر کسی بھرے پرے کنبے میں بیاہی جاتیں محترمہ تو تب پتا چلتا۔" حریم وثوق سے کہہ ... ارشاد اسی کے بارے میں جاری کئے گئے ہیں۔ تاہم اس نے خود کو یوں لاپروا ظاہر کیا گویا ... نہیں۔ اس کے باوجود کئی آنسو چپکے چپکے دل میں اترتے جا رہے تھے۔

............*

ماسی کے مطالبے نے حریم کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ وہ صبح صبح جھاڑو بغل ... کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر گھس آئی تھی۔ ماہیر دفتر جا چکا تھا اور وہ بڑی ... کمرے میں بکھری چیزیں ٹھکانے پر لگا رہی تھی۔ ماسی کو صبح صبح سر پر تلوار کی طرح ٹنگا دیکھ کر ... تاہم ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"بی بی! صاحب سے کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں' بیچ میں زملیہ بی بی کی شادی آ گئی تو میں نے سوچا ابھی بات کرنا مناسب نہیں' ویسے بھی ان دنوں آپ کا ہاتھ بھی تنگ تھا۔ میں نے بھی نکی کو بھگتانا ہے۔ ایڈوانس تنخواہ کی بات کی تھی۔ بڑی بی بی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"کب تک رقم چاہیے۔" وہ دل ہی دل میں تخمینے جوڑتی حیران تھی کہ امی نے ماسی کو اس کے پاس کیوں بھیجا ہے۔ ماہانہ خرچ ماہیر ماں کے ہاتھ پر رکھتا تھا۔ گھر کی خزانچی وہ ہی تھیں۔ ان حالات میں حریم کے پاس بھلا کیا ہو سکتا تھا۔

"اس مہینے کے شروع میں دے دینا۔" ماسی نے گویا احسان عظیم کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"مہربانی بی بی! ورنہ میں تو کام چھوڑنے کا سوچ بیٹھی تھی۔ شیخ صاحب نے بھی پورے سال کی ایڈوانس تنخواہ دینے کا لارا لگا رکھا تھا۔ کل بات پکی ہو گئی تھی ان سے۔ مگر اب تم دینے کا وعدہ کر رہی ہو تو میں شیخ صاحب کو کام سے جواب دے دیتی ہوں۔" ماسی نے خوشی خوشی اپنے اگلے پروگرام سے آگاہ کیا تو۔

"سال بھر کی ایڈوانس تنخواہ۔" حریم ہکلا کر رہ گئی۔ اس کے خیال میں ماسی کو دو' تین مہینے کی تنخواہ ہی چاہیے تھی۔

"تو اور کیا بی بی! نکی اور وڈی دونوں کی ایک ساتھ کروں گی۔" ماسی نے سر پر دوپٹہ باندھ کر دھونے والے کپڑوں کی گٹھڑی کو اٹھایا۔

"رہنے دو ماسی! کپڑے میں خود دھو لوں گی۔"

"کیوں؟ میں صاف نہیں دھوتی کیا؟ پسند نہیں آتے۔" ماسی نے فکرمندی سے پوچھا۔

"نہیں ماسی! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ جز بز سی ہو کر فرنیچر جھاڑنے لگی۔ اب بھلا ماسی کو کیا بتاتی کہ تم جس رفتار سے تنخواہ بڑھاتی جا رہی ہو اتنے میں صرف نیچے کی صفائی کروالی جائے تو تب ہی کچھ بچت ممکن ہو سکے گی۔

"بی بی! ایک بات تو بتاؤ۔" ماسی پلٹ کر واپس آ گئی تھی۔

"ہاں... بولو۔"

"نہ پہلے وعدہ کرو' غصہ تو نہ کرو گی۔" ماسی کچھ متامل سی کھڑی رہی۔

"نہیں۔"

"پکی بات ہے۔" ماسی کو یقین نہیں آیا۔

"بات کی نوعیت دیکھوں گی۔"

"وہ کیا بلا ہوتی ہے۔" ماسی نے ہونق پن سے کہا۔

"چھوڑو اس بلا کو' تم بولو' کیا کہنا چاہتی ہو۔" حریم نے پھول جھاڑ کر گلدان میں سجائے۔

"بڑی بی بی سے تو نہیں کہو گی۔" ماسی نے رازداری کا وعدہ لینا چاہا۔

"نہیں۔"

"یہ مکان کیا بیچ رہی ہو؟"

"تمہیں کس نے بتایا ہے۔" حریم نے چونک کر پوچھا۔

"اڑتی اڑتی میں نے بھی سن لی ہے۔" ماسی نے سیاستدانوں والا گول مول جواب دیا۔

"ہاں......شاید۔" حریم کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبنے لگا۔

"پر......کیوں؟" ماسی نے انجان پن سے پوچھا۔

"کسی مجبوری کے تحت ہی بیچیں گے' ورنہ اپنا ٹھکانہ کون چھوڑتا ہے۔" حریم نے اک گہرا سانس حبس زدہ فضا کے سپرد کیا۔

"کیسی مجبوری؟"

"ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی۔" حریم کو ماسی کی تجسس والی اس خو سے شدید چڑ تھی۔

"ہر بات چھپانے والی بھی نہیں ہوتی۔" ماسی نے معنی خیزی سے دیدے گھمائے۔

"کیا مطلب؟" حریم ٹھٹکی۔

"جانتی ہوں سب۔"

"تو پھر چسکے کے طور پر بلاوجہ معلوم کر رہی تھیں' محض زخم ادھیڑنے کیلئے۔" حریم کو ایک دم غصہ آ… ماسی ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس کی بڑائی کے خیال سے حریم غصے کا گھونٹ اندر اتار کر خاموش ہوگئی۔

"نہ بٹو' نہ غصہ مت کرو۔" ماسی نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے ماسی تم جاؤ' ماہیر سے بات کروں گی' اگر مان گئے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر کام پر…" حریم سرد آواز میں کہتی پردے برابر کرنے لگی تھی۔

"بڑی بی بی ویسے اچھا تو نہیں کر رہیں۔ منہ چھوٹا اور بات بڑی' بیٹیوں کو ان کا جہیز (جائز) تو چاہئے۔" ماسی نے تاسف کا اظہار کیا۔

"اب کیا کرائیوں پر دھکے کھاؤ گی۔"

"ماسی! تم جاؤ۔" حریم نے خفگی سے کہا۔

"جانتی ہوں بیٹی! خفا مت ہو' زمیلہ کیلئے سونے کی بھی بن جاؤ گی' تب بھی تمہارا مقابلہ ز… کرے گی' یہ ایک حقیقت ہے۔"

"ماسی!" حریم ششدر رہ گئی تھی۔

"کیا تم بھی زوباریہ کو جانتی ہو؟" اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر لفظ ادا ہوئے۔

"تو اور کیا؟"

"کیا کچھ جانتی ہو؟" حریم کے لبوں سے سرگوشی نما آواز نکلی۔

"وہ سب کچھ جو تم اس گھر میں دو سال رہنے کے باوجود نہیں جان سکیں۔" ماسی نے آ… گھمائے۔

"ایسا کیا ہے؟"

"بتاؤں گی' ضرور بتاؤں گی' کبھی بڑی بی بی کی غیر موجودگی میں۔" ماسی کا انداز بڑا پراسرار ریت… لئے ہوئے تھا۔

"ماہیر اور زوباریہ کے متعلق بتاؤں گی؟"

"ہاں......اور موبی کے بارے میں بھی۔"

"موبی کا زوباریہ اور ماہیر کے معاملے سے کیا تعلق؟" حریم الجھی۔

"بہت گہرا تعلق ہے' تم تو بہت بھولی ہو حریم بی بی! کبھی اردگرد کے حالات پر غور نہیں کرتیں' ورنہ بہت کچھ جان جاتیں۔ جو کچھ پردے میں چھپا ہے۔" ماسی کو شاید تجسس کی آگ بڑھا کر لطف آ رہا تھا۔

"تم کام چھوڑ دو گی کیا؟" حریم کو اچانک خیال آیا۔ اگر ماسی کام چھوڑ دیتی تو پھر ہمیشہ اس نے بے خبر رہنا تھا۔ فیفا اور ماسی کے علاوہ کوئی تیسرا فرد ایسا نہیں تھا جو پردے میں چھپی بہت سی ایسی چیزوں کو واضح کر دیتا جو غیر واضح تھیں۔ پوشیدہ تھیں اور حریم کی ظاہری اور باطنی آنکھ سے اوجھل تھیں۔

"نہیں بی بی! نچلے حصے کی صفائی کرنے تو آتی رہوں گی۔"

"حریم! او حریم! اوپر کون سے مذاکرات کرنے لگی ہو۔ نیچے آؤ' میرا دل گھبرا رہا ہے' ساری رات بچوں کے ساتھ اوپر رہ کر دل نہیں بھرتا' اوپر جا کر نیچے آنا بھول جاتی ہو۔" راحت بیگم کی پاٹ دار آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ ماسی جھاڑو سمیت نیچے کی طرف بھاگی تھی۔ حریم بھی گہرا سانس خارج کرتے سیڑھیاں اترنے لگی۔

............*

ماہیر سے اس نے رات کو ہی بات کر لی تھی۔ کچھ پل تو وہ سوچ کے جنگل میں کھو گیا تھا۔ پھر بولا تو …واضح تھکن تھی۔ وہ دو' دو نوکریاں بھگتا کر آ رہا تھا۔ اس وقت جوڑ' جوڑ تھکاوٹ کا شکار تھا۔ پور پور … اوپر سے ماسی کے مطالبے کو سن کر وہ کچھ اور پریشان ہو گیا تھا۔

"اگر ماسی کی ڈیمانڈ پوری نہ کی تو وہ کام چھوڑ دے گی۔ تم پر کاموں کا بوجھ آن پڑے گا۔ ماسی کو رکھنا مجبوری ہے' اسے تسلی دینا' کچھ دن تک کوشش کروں گا۔" ماہیر کے چہرے پر تفکر کے سائے جھلک … تھے۔ حریم کو اس کا یہ خیال رکھنے والا انداز بہت بھاتا تھا۔ تاہم وہ ماہیر کو پریشان کرنا بھی نہیں چاہتی …

"زیادہ تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماسی صفائی کرنے تو آتی رہے گی۔"

"اور اگر اس نے کام چھوڑ دیا۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

"تو کیا ہوگا...... یہ باندی' یہ کنیز کس لئے ہے۔" حریم نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

"یہ باندی' یہ کنیز صرف ہماری خدمت کرنے کیلئے ہے۔" ماہیر نے اسی کے انداز میں جواب لوٹایا۔

"ہمارے صرف ہماری۔ "خدمت" کا مطلب سمجھتی ہونا۔" وہ ایک آنکھ کا کونا دبا کر شرارتی انداز

''اوپر والی'' خدمتیں'' کوئی خلائی مخلوق کر جایا کرے گی۔'' حریم سرخ چہرہ لئے مسکرائی۔

''مثلاً'' کون کون سی۔'' وہ نیم وا آنکھوں سے دیکھتا حریم کو بری طرح ہراساں کر رہا تھا۔ داہنا بازو بھی ماہیر نے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں تھی۔

''کھانا پکانا' کپڑے دھونا' استری کرنا' صفائی ستھرائی وغیرہ وغیرہ۔''

''اس میں میرے'' مطلب'' کی تو کوئی بات نہیں۔'' ماہیر نے مصنوعی آہ بھری۔

''میں مطلبی لوگوں سے ذرا دور دور رہتی ہوں۔'' حریم نے ہنستے ہوئے اٹھنا چاہا۔

''ہمیں قریب کرنے کے سارے داؤ آتے ہیں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اسے قریب کرتا ہوا بولا تھا۔

''اپنا'' پھیلاوا'' تو سمیٹنے دیں۔'' حریم نے جوتوں' موزوں' کارپٹ پر پھینکی ٹائی' صوفے پر پڑی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اسی طرح دفتر سے لائی گئی فائلیں بھی بے ترتیبی کا شکار تھیں اور بے ترتیبی سے حریم کو سخت الجھن ہوتی تھی۔

''آپ کو اچھی طرح پتا ہے مجھے بے ترتیبی سے چڑ ہے۔ الجھن ہوتی ہے چاہے وہ چیزوں میں ہو یا زندگی میں۔'' اس نے گرفت ڈھیلی جان کر چپکے سے اٹھنا چاہا۔

''چیزوں کی بے ترتیبی زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے یا زندگی کی۔'' ماہیر کے ہاتھ اس کی طرف آ گئی تھی۔ چپکے سے اٹھنا بے کار گیا تھا۔ ماہیر کی تمام تر توجہ اس کے اردگرد بھٹک رہی تھی۔

''چیزوں کو ترتیب دے لیا جاتا ہے۔ اپنی پسند سے۔ ردوبدل بھی کر لی جاتی ہے لیکن خدانا خواستہ بے ترتیبی کا شکار ہو جائے تو اسے سنوارنا مشکل ہے۔'' حریم نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔

''کتنی سمجھدار بیوی ہے میری۔'' ماہیر کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

''تم سے ایسے ہی عقلمندانہ جواب کی توقع تھی مجھے۔'' وہ ''مطلبانہ'' انداز میں کہہ رہا تھا۔ تھا۔ حریم اس کی نظروں کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے بری طرح جھینپ گئی۔

''امی نے مکان بیچنے کی دوبارہ بات تو نہیں کی۔'' دفعتاً حریم کو ایک خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

''اتنے رومانٹک ماحول میں یہ دل جلانے والا قصہ حریم کے علاوہ اور کون چھیڑ سکتا ہے'' حد بدمزا ہوا۔

''بتایئے نا۔'' حریم نے اصرار کیا۔

''رومانس تو ادھر ہی پڑا ہے۔''

''کہاں پڑا ہے الماری' سٹور میں یا کسی صندوق میں۔'' وہ چڑ کر بولا۔ حریم ہنس ہنس کر بے حال ہوگئی۔ ''امی صبح پتا ہے کیا کہہ رہی تھیں۔'' حریم نے ہنسنے کے باعث آنکھوں میں در آنے والے آنسو دوپٹے کے کونے سے پونچھ کر کہا۔ وہ اس وقت نیچے ٹی وی والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ماہیر چینج کرنے کے بعد کھانا کھا کر اوپر جاتا تھا۔

''کوئی نیا ارشاد جاری کیا ہوگا۔'' ماہیر ماں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔

ذرہ برابر داری کے اس پردے کو چاک کرنا اسے کبھی گوارا نہیں رہا تھا۔ پھر حریم نے بھی آج تک کبھی شکوہ نہیں کیا تو۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بھی پرامن ماحول کو ایک فرد کی طرفداری کر کے خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ امی کے سامنے تو خاموشی اختیار کر لیتی تھیں تاہم وہ جانتا تھا اس کی غیر موجودگی میں وہ حریم کو ہر لحاظ سے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گی۔ بس انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر وہ خاموش تھا اور اس پرامن ماحول کا سارا کریڈٹ حریم کے سر تھا۔

ماہیر عالم جانتا تھا اس کا دل گواہ تھا اور وہ حریم کی تمام تر قربانیوں کی دل سے قدر کرتا تھا۔ تبھی تو یہ شیشہ دل لڑکی دن بہ دن اسے اپنا دیوانہ بنا رہی تھی۔ اس کی ہنسی' ایک مسکراہٹ' ذرا سی خوشی کیلئے ماہیر اپنی تمام تر تھکن بھلا کر چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگتا تھا تاکہ وہ جو دن بھر کی مصروفیات بلکہ تھکا دینے والی مصروفیت کے باوجود ایک ایک لمحہ اس کے گھر آنے کا انتظار کرتی تھی۔ ماہیر کے چہرے پر پھیلی تھکن اور باہر کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے چھا جانے والی بے زاریت کو محسوس کر کے اپنے دل کی اس ننھی سی خواہش کو اس کے آرام کی خاطر گہری نیند نہ سلا لے۔

''ماسی سے مذاکرات چل رہے تھے۔ امی کو نیچے اختلاج ہونے لگا تھا۔ کہنے لگیں رات بھر میاں سے باتیں کر کے دل نہیں بھرتا۔ نیچے اترنے کا نام نہیں لیتی۔'' حریم لبوں پر مسکراہٹ سجائے بتا رہی تھی۔

''امی بھی کمال کرتی ہیں۔''

''ہاں۔ ہاں' امی نے اب کمال' دھمال ہی کرنا ہے۔ کچھ اور باقی جو نہیں رہ گیا کرنے کو۔ نند بیاہ کر گھر سے نکال دی۔ بہت بھاری تھی میری بیٹی بہو رانی پر۔ نجانے کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے زمیلہ کے گھر سے جانے کی۔ ساس کو کان سے پکڑ کر کچن سے فارغ کیا۔ پھر ایک کونے سے لگا کر چپکا دیا۔ یہی قدر رہ گئی ہے عزت ہے میری۔ کسی معاملے میں مشورہ نہیں لیا جاتا۔ بیٹی میری چکی کے پاٹوں میں کنک کی طرح پسی جا رہی ہے۔ ہماری بہو کے سلیقے کی مثالیں زمیلہ کو دی جاتی ہیں۔ ان کے سگھڑاپے کی میری بیٹی کے سسرال میں دھوم ہے۔ اب سمجھی ہوں میں کیوں بھاگ بھاگ کر دعوتیں کی جاتی تھیں۔ صرف نند کا کلیجہ جلانے کیلئے۔ بیٹے کو فرصت نہیں' بیوی کی زلفیں سنوارے یا بہن کے معاملات پر نظر رکھے ہائے میری پھوٹی قسمت۔'' امی نے ایک بلند چیخ ماری تھی۔ حریم بے حد شرمندہ سی پشیمان ہو کر ماہیر سے الگ ہوئی تھی۔ نورالراحت بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ حریم گویا شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ ماہیر کے تاثرات مختلف تھے۔ اس کی پیشانی پر دو ناگوار سلوٹیں نمودار ہوگئی تھیں اور وہ غصے سے لب بھینچے ماہیر خود کو کچھ کہنے سے روکنا چاہ رہا تھا جبکہ امی کو اپنی اس غیر اخلاقی حرکت پر قطعاً کوئی پشیمانی نہیں تھی۔ ان کا واویلا جاری وساری تھا۔

''آخر اس پوری تقریر کا کوئی مقصد بھی ہے۔'' ماہیر کو بالآخر بولنا ہی پڑا۔

''دماغ چل گیا ہے میرا۔ پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے۔ اسی لئے بک بک کئے جا رہی ہوں۔'' امی کا غصے کے مارے برا حال ہوگیا۔

''کچھ بتا بھی دیں۔'' ماہیر نے ضبط کا دامن نہ چھوڑا۔

"کیا بتاؤں۔ کوئی ایک مسئلہ ہے۔" انہوں نے خود پر رقت طاری کر لی۔

"تمہاری بیوی میری عزت قدر نہیں کرتی۔"

"واٹ۔" ماہیر اس سفید جھوٹ پر حیران ہی تو رہ گیا۔

"امی! کیا بول رہی ہیں آپ۔"

"سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ اب بالکل بدلی ہوئی راحت بیگم لگ رہی تھیں۔ کسی نے خوب کہا رکھا تھا انہیں اور یہ کوئی زمیلہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"کبھی ہانڈی پکانے سے پہلے یہ نہیں پوچھا' کون سی سبزی پکانی ہے۔ اس بڈھی کی پسند کی پکالوں۔ محض اپنے شوق اور اپنی خواہشوں کی تکمیل کی جاتی ہے۔" اس الزام پر چپ چاپ کھڑی حریم اٹھی۔

"امی! یوں تو نہ کہیں۔ میرے لئے آپ کی ذات کیوں اہم نہیں۔ شروع میں آپ سے پوچھتی تھی تو آپ کو بہت غصہ آیا کرتا تھا' آپ کہا کرتی تھیں باوا نے بغیر سکھائے پڑھائے بھیج دیا ہے۔ میرے لئے......"

"میری گزشتہ باتیں پکڑ پکڑ کر میرے ہی منہ پر مارو۔ یہی میری اوقات ہے۔ ہائے اللہ" انہوں نے اپنے گال بے دردی سے پیٹے۔

"امی! پلیز۔" ماہیر ایک دم بلند آواز میں بولا۔

"کام کی بات کریں۔ یہ فضول کی تکرار۔"

"تیری ماں کے پاس اب بے کار کی باتیں رکھی ہیں۔ اپنی بیوی سے سنتے رہو کام کے افسانے' نغمے' گود میں لٹا کر لوریاں بھی سنائے گی۔" وہ جل بھن کر گویا ہوئیں۔ حریم مارے شرم کے سر نہیں اٹھا سکی تھی۔ ماہیر کو اتنے کشیدہ ماحول میں بھی بے تحاشا ہنسی آ گئی۔ وہ ہنسا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ امی جان خفا ہو گئیں۔

"اڑالو میرا مذاق۔" وہ غصے سے دھاڑیں۔

"یہی عزت ہے ماں کی بیوی کے سامنے مجھ پر ہنسو۔" وہ بات کو اپنے رنگ میں ڈھال چکی تھیں۔

"کتنا اچھا مشورہ دے رہی ہیں میری والدہ تمہیں۔ کچھ سبق حاصل کرو۔ گود میں لٹا کر لوری" اگرچہ اس کی آواز بہت دھیمی' سرگوشی نما تھی اور صرف حریم کی سماعتوں تک پہنچی تھی اور وہ مزید شرمندگی کے عمیق گڑھے میں گرنے کو بے تاب تھی۔ ادھر راحت بیگم کو اپنے واویلے میں بات کی سمجھ آئی تاہم انہیں بیٹے کے خوشگوار تاثرات سے اپنی بات رائیگاں جانے کا احساس ہو گیا تھا۔

"بہن ایک برزخ میں جل رہی ہے۔ کسی کو احساس نہیں۔"

"کون سے برزخ میں۔" ماہیر ماں کی طرف متوجہ ہوا۔ حریم کو اس نے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

"تم ذرا چائے بنا کر لاؤ۔"

"میری بات سنے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔" امی نے گرجدار آواز میں کہا۔ ان کے لہجے کی کڑک نے حریم کو بری طرح سہما دیا تھا۔

"کون سی بات؟ کیسا برزخ؟ اس حریم کی بچی کو چھوڑیں۔ مجھے زمیلہ کے متعلق بتائیں۔ خیریت تو ہے نا۔" وہ ماں کا دھیان تھرتھر کانپتی حریم سے ہٹا کر ایک دفعہ پھر اپنی طرف متوجہ کر چکا تھا۔

"نبیل کی ماں اور دادی نے میری بچی کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔ ہر بات میں کیڑے' ہر کام میں نقص' کھانا پسند نہیں آتا۔ پہنے اوڑھے تو پھر بھی ناک بھوں چڑھاتی ہیں۔ ہر بات پر طعنے تیار کر رکھے ہوتے ہیں۔ بولتی ہیں زمیلہ کو کپڑے سینا نہیں آتے۔ انہیں بہو چاہئے تھی یا درزن' میری نازوں پلی بیٹی سوکھ کر کانٹا بنی جا رہی ہے اوپر سے حریم کی مثالیں دے کر ساس' بہو میری' بچی کا جی بری طرح سے جلاتی ہیں۔ نگوڑیوں کو زمیلہ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ بات بہ بات حریم کی تعریفیں۔ جانے کون سا ٹونا' جادو کر دیا ہے اس بہو صورت پر کوئی یقین نہ کرے۔ ہائے میں کس سے کہوں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔" راحت بیگم نے اب پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

"اس ساری تقریر میں قابل اعتراض بات تو حریم کی تعریفیں ہیں۔ آخر زمیلہ کی ساس کو حق کیا پہنچتا ہے' آپ کی بہو کی تعریف کرنے کا۔ یہ اختیار کس نے انہیں دیا۔ بھئی کمال ہے بہو تو یہ آپ کی ہے۔ بیوی میری ہے اور لوگ فضول میں تعریفیں کرتے ہیں۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا' پھر بھی حریم کو ہنسی آ گئی جسے چھپانے کیلئے وہ قدرے رخ موڑ گئی تھی۔

"چٹکیوں میں اڑا دو میری بات۔ بیوی کو آنسو بہاتا دیکھ نہیں سکتے۔ ماں چاہے ساری رات روتی رہے' تمہاری بلا سے۔" انہیں ماہیر کی اس قدر سنجیدگی پر بھی بہت تاؤ آیا۔

"ماں! میری پیاری اماں جان' ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے۔ خدانخواستہ زمیلہ کے ساتھ کوئی بڑی بات ہوئی ہے۔ ایسے مسئلے ہر گھر میں موجود ہیں۔ ہر لڑکی کو درپیش ہیں۔ صرف برداشت اور صبر کا مادہ ہونا چاہئے۔ لڑکیاں نئے ماحول میں ایڈجسٹ ہوتے' ان کے رہن سہن کو سمجھتے' ان کے مزاج آشنا ہوتے آخر وقت لگتا ہے۔ حریم کو دیکھ لیں۔ یہ بھی تو ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ کر چکی ہے۔ اسی طرح زمیلہ بھی کر لے گی۔" ماہیر روانی میں بولتے غیر دانستہ ایک غلطی پھر سے سرزد ہو گئی تھی یعنی حریم کی تعریف اور وہ بھی ان حالات میں جب امی کے غصے کا گراف بہت اوپر جا چکا تھا۔ اب بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ کمان سے نکلے تیر کا معاملہ تو ہو چکا تھا۔ امی ایک دم مشتعل ہو گئیں۔

"ہم نے کون سے ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے ہیں حریم پر' کون سی قیامتیں نازل ہوئی ہیں اس گھر میں اس بی بی پر۔ بس یہی دن دیکھنے تھے میں نے ایسے مٹی کے مادھو تو نہ تھے کیا گھول کر پلا ڈالا ہے اس نے تجھے۔"

"امی! پلیز کول ڈاؤن۔" اس نے فوراً آگے بڑھ کر ماں کو بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"حریم۔ امی کیلئے ٹھنڈا پانی لاؤ بلکہ سیب کا جوس نکال لاؤ۔"

"جی اچھا۔" حریم تو جان بچ جانے پر شکر ادا کرتی لرزتی ٹانگوں سمیت کچن کی طرف بھاگ گئی۔

"امی! تحمل سے میری بات سنیے۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں' زمیلہ کو سمجھانے بجھانے کی کوشش ... میکے جیسا ماحول میسر نہیں تو کچھ عرصہ صبر کرے' نبیل اسے اپنے پاس بلوا لے گا۔ ... سمجھدار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرمانبردار ہے۔ احساس رکھنے والا ہے۔ اپنے گھر والوں کیلئے ... ہے۔ میری طرح۔ سب ایسے ہی ہوتے ہیں کوئی دوسری عورت ماں اور بہن کا مقابلہ نہیں کر سکتی ... دور کی بات ہے۔ بیویاں بھی مل جاتی ہیں۔ والدین سے رشتہ اٹوٹ ہوتا ہے۔ بہن' بھائیوں سے ... ہے مگر جنہیں خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر گھر لاتے ہیں۔ ان کے حقوق کے بارے میں رب ... کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اگر آپ کو حریم سے کسی بھی قسم کی شکایت ہو تو یوں سرعام واویلا کر ... گریڈمت کیا کریں۔ اسے زمیلہ نہ سہی' بہو سمجھ کر نرمی سے پیار سے اس کی غلطی کو بتایا کریں۔ ... کریں۔ آپ میری ماں ہیں' آپ کا درجہ' آپ کی حیثیت اور اہمیت' رتبے اور مقام تک کوئی دوسرا نہیں ... سکتا۔ یہ بات سمجھ لیں ہمیشہ کیلئے۔ میں آپ کی دوائیاں لینے میڈیکل سٹور جا رہا ہوں۔ کچھ اور چاہئے ... اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔" وہ ماں کے ہاتھ پر نرمی سے بوسہ دیتا کھڑا ہو گیا۔

"حریم! امی کی دوائیوں کا نسخہ تو لانا۔" وہ دور سے آواز دیتا سوچوں میں گم بیٹھی راحت بیگم ... دیکھنے لگا تھا۔ ماہیر کے رواں لہجے' لفظوں کی مٹھاس نے ان کے دل کو اک عجیب سی کیفیت میں ... تھا۔ لفظ اک روشن دلیل کی مانند ان کے دل میں اتر گئے تھے۔

"تم نے کبھی نہیں سوچا' بہن کی سسرال چکر لگانے کا۔ وہ لوگ تو یہی سمجھتے ہوں گے' زمیلہ ... کوئی نہیں۔" امی نے کھوئے کھوئے لہجے میں شکوؤں کی پوٹلی میں سے ایک ہلکا پھلکا سا شکوہ برآمد کر ...

"اکثر سوچتا ہوں بار بار سوچتا ہوں۔ مگر اس قدر ٹف شیڈول میں سے وقت نکالنا بہت مشکل ... دو دو جگہ جاب کرتا ہوں۔ آپ کے سامنے دن رات کی روٹین ہے۔ سنڈے صرف آرام کرنے کے ... ہے مگر اس اتوار کو میں اور حریم' زمیلہ کی طرف چلیں گے۔" وہ حریم کے ہاتھ سے دوائیوں کا نسخہ پکڑ ... کی چابی لئے باہر نکل گیا۔

"تیری طرح سب کیوں نہیں سوچتے ماہیر! تو سب سے منفرد' سب سے جدا کیوں ہے ... اللہ تجھے اور تیری خوشیوں کو سلامت رکھے۔" وہ حیرت سے زیرلب بڑبڑا رہی تھیں۔

............*

"اور ماہیر کی خوشیاں کیا ہیں؟ کس سے وابستہ ہیں۔" نفیسہ پھوپھو تخت پر امی کے قریب ... تھیں۔ وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

"بھلا کس سے؟" انہوں نے ہونق پن کی انتہا کر دی تھی۔

"بھابی بیگم! آپ بھی بس' بھلا کیا کہوں آپ کو' ماہیر کی ہر خوشی آپ سے حریم سے وابستہ ... اگر خوش ہوں گی تو ماہیر خود بخود تر و تازہ ہو جائے گا۔ شاد رہے گا' ذہنی اور قلبی سکون گھر ... ہمراہی سے حاصل ہوتا ہے۔ تھکا ہارا مرد کیوں بیوی کی مسکراہٹ اور بچے کی قلقاری سن کر فریش ... وہ لوہا نرم دیکھ کر چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی تھیں۔

"بچہ...... میرے ماہیر کا بچہ۔" ان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"یہ سب کیا دھرا اس حریم کا ہے۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے حریم کو دیکھا تھا۔ بہت ... بعد وہ اس موضوع کی طرف پلٹی تھیں۔

"اس میں بچی بے چاری کا کیا قصور ہے۔" پھوپھو نے گویا ماتھا پیٹا۔

"اے نفیسہ! تم نہیں جانتیں' آج کل کی لڑکیوں کے ڈھونگ' چالاکیاں۔" انہوں نے تڑخ کر پہلو ... نند کی ہر وقت بہو کی حمایت انہیں بہت کھٹکتی تھی۔ حریم نے ایک زخمی سی نظر راحت بیگم کی طرف ... دل کے نہ جانے اس لمحے کتنے حصے ہو گئے تھے۔

"بچے جھنجٹ لگتے ہیں' عذاب لگتے ہیں' میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے' سب جانتی ہوں' ... نظروں سے اوجھل ہو کر کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" وہ دانتوں سے گویا پتھر توڑ رہی تھیں۔

"کون سا کارنامہ۔" پھوپھو بے چاری ہکا بکا رہ گئیں۔

"اس نے خود بچہ ضائع کروایا ہے' قتل کیا ہے اس نے میرے پوتے کو۔" ان کے وثوق بھرے لہجے ... حریم کے قدموں کو لرزا دیا۔

"بھابی بیگم! خدا کیلئے' کیسی باتیں کرتی ہیں۔" نفیسہ پھوپھو بوکھلا کر دبی آواز میں بولیں۔

"بہو سن لے گی' کیا سوچے گی' ہماری ذہنیت کے بارے میں۔"

"میں اس کی ذہنیت اور سوچ پر لعنت بھیجتی ہوں۔ ماہیر کی آنکھوں پر تو پٹی بندھی ہے۔ اس حسین صورت کے پیچھے والا چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔ مگر میں تو سب جان چکی ہوں۔" وہ تڑخ کر بولیں۔

"کیا جان چکی ہیں؟" اب برداشت اور صبر کا مظاہرہ کرنا پل صراط سے گزرنے کے مترادف تھا۔ ... میں آتے ہوئے بولی۔ لال بوٹی آنکھوں میں وحشت آنسو بنی ناچ رہی تھی۔

"تمہارے سارے کرتوت۔" انہوں نے دوبدو جواب دیا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد پھر سے طوفان ... محض ماہیر کے گھر سے نکلنے کی دیر تھی اور اب وہ تنہا اس طوفان کا مقابلہ کر رہی تھی۔

"کون سے کرتوت کھل کر بتایئے۔"

"حریم بیٹی! ... تم' بھابی بیگم ذرا غصے میں ہیں۔" پھوپھو بوکھلا کر بولیں۔

... بھابی کے ہر رنگ سے واقف تھیں۔ عمر گزر گئی تھی ایک ساتھ رہتے ہوئے۔ ان کے پل میں ... ماشہ والے بھیس بدلتے مزاج کو سمجھنا کوئی آسان کام تو نہیں تھا۔ رات کو خوش باش سویا کرتیں' ... منہ پھولا ہوتا تھا۔ پوچھنے پر پتا چلتا کہ رات بھر مچھر کاٹتے رہے ہیں' مگر مزاج برہم مچھر کاٹنے ... نہیں ہوتا تھا۔ سارا قصور اس کمرے کا تھا' جو ان کی آرام گاہ تھی۔ کمرے کا روشن دان گلی میں تھا ... چوڑی گلی کھڑکیوں اور روشنی وغیرہ کیلئے چھوڑ کر پھر مکان کی چار دیواری تعمیر کروائی گئی تھی۔ گلی ... تھا اور گھر کا فالتو کاٹھ کباڑ بھی پیچھے پھینک دیا جاتا تھا۔ اکثر کوڑا بھی وہیں رکھا نظر آتا' جس کی ... مکھیاں اور مچھر وافر مقدار میں پائے جاتے تھے۔ بھابی بیگم کا خیال تھا محض انہیں ذہنی کوفت سے ... کیلئے ساس محترمہ نے یہ کمرہ عنایت کیا ہے۔

"پھوپھو! امی اکثر غصے میں زیادتی کر جاتی ہیں۔" حریم آنسو پیتی پلٹ کر سیڑھیاں چڑھ
کا کھانا اس نے تخت پر ٹرے میں سجا کر رکھ دیا تھا۔

"دیکھ رہی ہو اس کی بدزبانی دوسروں کے سامنے منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر کاموں میں جتی
زمیلہ کی ساس ایسے ہی تو اس فراڈن کے عشق میں مبتلا نہیں۔ میری بیٹی کا جینا محال کر رکھا ہے۔
بات کریں گی گویا پتھر پھوڑیں گی۔ اپنی بہو میں کوئی خوبی نہیں دکھتی۔ ہماری بہو کے گیت گائے جا
ان سب چالوں کو سمجھتی ہوں میں۔" وہ بھنا کر نند کے سامنے پوشیدہ رکھنے والی باتیں بھی ظاہر کر
نفیسہ گویا تمام معاملہ سمجھ کر سر ہلانے لگیں۔ ان تمام جلی کٹی باتوں کا پس منظر معلوم ہو گیا تھا، کچھ
کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"بھابی بیگم! یہ آپ کیلئے تفخر کی بات ہے۔ لوگ حریم کی توصیف نہیں بلکہ آپ کی تعریف
ہیں۔ آپ کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہیں۔"

"ہمیں نہیں چاہئے لوگوں کی ستائش۔" انہوں نے تنفر سے سر جھٹکا۔ تب ہی ماہیر دوائیاں
آ گیا تھا۔ امی کے ماتھے پر موجود دو بل دیکھ کر اس نے گہرا طویل سانس کھینچ کر آہ بھرلی۔

"فطرت کبھی بدل نہیں سکتی۔"

............*

زمیلہ کے سسرال میں ان کی آمد بہت اچانک تھی۔ دادی ساس (اماں بی) بخار میں پھنک
تھیں۔ حریم کو دیکھ کر گویا ہشاش بشاش ہو گئیں۔ ان کے جوش و خروش اور والہانہ الفت کے اظہار
نہیں آتا تھا کہ زمیلہ کے ساتھ ان کا رویہ بہت برا ہو گا۔

"میں کہوں حریم بیٹی کو راحت نے کبھی آنے کیوں نہیں دیا۔ خود ہی بانہیں ہلاتی آ جاتی ہے۔"
نے بڑی چاہ سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ ماہر باہر ڈرائنگ روم میں مردوں کے ساتھ بیٹھا
نازش (زمیلہ کی نند) اماں بی کے کمرے میں لے آئی تھی۔

"بس مصروفیت کی وجہ سے آ نہیں سکی۔" حریم نے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"خود بھی ہٹی کٹی ہے، بستر توڑنے کے سوا کام نہیں۔ گدھے پر بھی ا ... نہیں ادا
نے ہمدردی سے کہا۔

"نن...... نہیں، ایسی بات نہیں۔" حریم بری پھنسی تھی۔ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی
کے اچانک آ جانے کا خدشہ لاحق تھا۔ اماں بی کو تو گویا کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اسی پل زمیلہ
آ گئیں۔ انہوں نے آتے کے ساتھ ہی شکایتوں کے دفتر کھول لئے۔

"دس بجے شریفوں کی بیٹیاں اٹھتی ہیں کیا۔"

"اسے شروع سے عادت ہے۔" حریم نے دبی آواز میں کہا۔

"ہمارے ہاں رواج نہیں، دن چڑھے تک سونے کا، مہارانی صاحبہ اپنی مرضی سے نیچے
اماں بی نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"آہستہ آہستہ آپ کے ماحول میں ایڈجسٹ کر جائے گی۔" وہ تحمل سے بولی۔

"مجھے تو مہارانی کے طور طریقے ایسے نہیں لگتے۔ شادی سے پہلے چہرے پر کیسا بھولپن تھا۔ بس
نظریں دھوکہ کھا گئیں۔" اماں بی کا ملال پھر سے عود آیا۔ نازش ٹرالی میں چائے کے لوازمات لے آئی۔

"زمیلہ کہاں ہے؟"

"ابھی آتی ہیں۔" نازش نے بے پروائی سے کہا۔

"اپنے کمرے میں ہو گی۔" آنٹی جل بھن کر بولیں۔

"کھانا، پینا اور سونا، تین سبق پڑھا کر ماں نے بھیجا ہے۔" اماں بی نخوت سے کہنے لگیں۔ بخار و خار
بول چکا تھا۔ زمیلہ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے وہ مکمل طور پر فارم میں آ چکی تھیں۔

"نہ کسی کا لحاظ نہ ادب، نرے بے حیائی کے مظاہرے۔" آنٹی نے چائے کپ میں ڈال کر حریم کی
طرف بڑھائی۔

"نبیل سے روز فون پر چار چار گھنٹے بات کرتی ہے۔ ہزاروں روپوں کے کارڈ جھونک ڈالتی ہے۔"

"ہمارے بچے کو ورغلاتی ہے ہمارے خلاف، جب اکٹھے ہیں تو پھر الگ سے خرچ کا مطالبہ کس
لئے۔" آنٹی کا بھی دھیرے دھیرے اشتعال بڑھ رہا تھا۔

"پہلے پانچ سال تو میں ہرگز ساتھ نہیں بھیجوں گی۔ نبیل ہر سال آتا ہے۔ ادھر جا کر تو اس نے
میرے سیدھے سے پوتے کو اپنے جال میں پھانس لینا ہے۔ اتنا احمق سمجھ رکھا ہے ان ماں، بیٹی نے ہمیں۔
راحت فون کھڑکا دیتی ہے آئے دن، ویزا کیوں نہیں نبیل بھیجتا، ویزے کیا درختوں پر اگتے ہیں۔" اماں بی
ہونٹ چٹکیاں بھرتے ہاتھ نچا کر بولیں۔ یہ ہی زبان کچھ عرصہ پہلے شہد ٹپکایا کرتی تھی۔ ساس محترمہ کے
جملے ابھی تک حریم کے ذہن میں تازہ تھے۔ کتنے پیار سے کہا کرتی تھیں کہ آہستہ آہستہ زمیلہ کھانا پکانا سیکھ
جائے گی بلکہ ہم خود سکھا لیں گے اور شاید وہ اپنے طور پر صرف کھانا ہی نہیں بہت کچھ سکھانے کی کوششوں
میں ...

"ذرا ذرا سی بات پر آنسو بہانا شروع۔" نازش نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو، جاؤ یہاں سے۔" آنٹی نے نازش کو جھڑک کر اٹھا دیا۔ وہ بسورتی ہوئی اٹھ کر
... اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔ زمیلہ کچن صاف کرنے میں جتی تھی۔ نازش کچھ دیر آنکھیں گھما
کر دیکھتی رہی، پھر کھنکار کر اندر آ گئی۔

"آپ کی بھابی شاید اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے آئی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" زمیلہ نے مڑ کر دیکھا اور پھر چولہا رگڑنے میں مصروف ہو گئی۔

"آپ کی شان میں قصیدے پڑھے جا رہے ہیں۔" نازش نے گویا زمیلہ کے بدلتے تاثرات سے

"امی نے بھابی کو کیوں بھیجا ہے۔" وہ تلخی سے سوچنے لگی۔

"آپ اطمینان سے کچن کا کام ختم کر کے اندر آ جایئے گا۔ حریم بھابی سے ملنا ضروری نہیں، دوپہر کے

کھانے کی تیاری زیادہ ضروری ہے۔" سیر کو سوا سیر مل گیا تھا۔ جس کا پلڑا ہلکا تھا۔ خاموشی اسی کا نمبر
زبان بندی کا بھی اسی کو حکم دیا گیا تھا۔ زمیلہ بھرے دل کے ساتھ اب برتن مانجھنے لگی تھی۔

"بات سنو نازش۔" اسے پلٹتا دیکھ کر زمیلہ دبی آواز میں بولی۔

"میرا ایک کام کرو گی۔"

"کام......" نازش پر گویا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

"برتن مجھ سے نہیں دھوئے جاتے' ہانڈی بھی نہیں پکاؤں گی۔"

"نہیں......کام کی نوعیت اور ہے۔"

"بھلا کیا؟" نازش نے دلچسپی سے پوچھا۔

"حریم بھابی سے کہہ دینا' میں بازار گئی ہوں۔"

"مگر کیوں؟" نازش حیران ہوئی۔

"بس ایسے ہی۔" زمیلہ کا دل اور بھی حریم سے کھٹا ہو گیا تھا۔

"نہ جانے کون کون سی میرے متعلق باتیں انہیں بتا رہی ہوں گی۔ امی کے گلے بھی الگ
بھڑاس نکالنے کو میرے سسرال والے ہی ملے تھے۔" وہ تنفر سے سوچتی رہ گئی۔

"نا بابا! یہ کام میں نہیں کر سکتی۔" نازش نے جھٹ سے انکار کیا۔

"کیوں؟"

"اماں بی سے بے عزت نہیں ہونا' کیا خبر' حریم بھابی کے سامنے شائستگی کا چولا اتار کر
لیں۔" نازش نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"اچھا......" وہ بددل سی ہو گئی۔

"ماہیر بھائی سے مل لی ہیں' مگر بھابی سے کیوں نہیں۔" نازش نے تجسس دبا کر پوچھا۔

"کیا کوئی رنجش چل رہی ہے۔"

"ایسی بات نہیں۔" زمیلہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

"ویسے آپ دونوں کی دوستی تو بالکل نہیں۔"

"میرے اور تمہارے درمیان بڑے بہناپے کے تعلقات ہیں۔" زمیلہ جل کر رہ گئی۔ تب
پشتم' کچن میں چلی آئیں۔

"تم نے کپڑے بھی نہیں بدلے' ہمارے سر میں خاک ڈلوانا چاہتی ہو' یہ ماتمی سی صورت
بھاوج سے ملو گی' جاؤ جا کر کپڑے بدل کر آؤ۔" ساس نے دو پل میں جھاڑ کر رکھ دیا تھا۔
ساری زیادتیوں کا بدلہ وہ زمیلہ سے لیتے ہوئے بڑا اطمینان محسوس کرتی تھیں' کوئی تو تھا ان
والا۔

"بھابی تو اپنی بھاوج سے نہیں ملنا چاہتیں۔" نازش کی زبان پر پھر سے کھجلی ہوئی۔

"کیوں؟" انہوں نے پاٹ دار آواز میں پوچھا۔ زمیلہ دہل کر رہ گئی تھی۔

"اپنی بھابی کو پسند نہیں کرتیں شاید۔" نازش نے مزے سے کہا۔

"وہ تو اول روز سے نظر آ رہا ہے۔ مفت میں ایک کنیز مل گئی ہے۔ خوب رعب جمائے جاتے تھے بے
بھی سکھ کا سانس نہیں لینا نصیب ہوا حریم کو۔" ان کے لہجے میں تاسف بھر گیا۔

"نہ جانے کون سے ظلم کی داستان سنا ڈالی ہے بھابی نے انہیں۔ اب میری اور بھی شامت آ جائے
گی۔ بھابی! آپ نے اچھا نہیں کیا۔" وہ بھرے دل سے سوچنے لگی۔

"اب کس مراقبے میں گم ہو چکی ہو۔"

"جی امی!" وہ منمنا کر رہ گئی۔

"بھاڑ میں گئی امی۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"جاؤ کپڑے بدل کر آؤ' بیس دفعہ بکواس کی ہے۔ اثر نہیں ہوتا کسی بات کا' بکتے رہو ان کی بلا
سے۔" وہ تڑختی ہوئی باہر نکل گئیں۔ زمیلہ کو کام ادھورا چھوڑ کر جانا پڑا۔ جلدی جلدی کپڑے پہن کر نیچے آئی
تو پھر سے ساس محترمہ نے سرتاپا جائزہ لیا۔

"زیور کیوں نہیں پہنا۔" ان کی تنقیدی نظریں زمیلہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"تم نے کیا اپنی اماں کی طرح سب کو سمجھ رکھا ہے۔ بہو کا زیور نہ جانے کس کھوہ میں پھینک دیا۔ کان
بھی خالی' ہاتھ بھی خالی' بیاہتا لڑکیاں زیور پہنے اچھی لگتی ہیں۔ گلے میں اور ہاتھوں میں کچھ پہن کر آؤ۔"

"جی امی!" وہ پھر سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"تمہیں اللہ ہی سمجھے حریم بھابی! نہ جانے کون کون سے راز فاش کرنے چلی آئی ہو میری زندگی کو
مزید جہنم بنانے' تمہیں ذرا بھی سکھ نصیب نہ ہو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے دراز میں سے زیور
نکالتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اب نہ جانے کتنے مہینے اسی بات کی تکرار ہوتی رہے گی۔ اونہہ' بے چاری حریم! کوئی ہم سے پوچھے
کتنی گھنی اور میسنی ہیں' خاموش رہ کر پشت میں خنجر گھونپنے والی۔"

............*

"یہ پیٹھے کا حلوہ ہے۔" اماں بی نے اسٹیل کا ڈونگہ اٹھا کر پٹخا۔

"اپنی بھاوج سے کوئی ایک ڈش پکانا سیکھ لیتی تھی۔"

"بڑا ذائقہ ہے بچی کے ہاتھ میں۔" فرحت بھی حریم کی تعریف میں سر دھن رہی تھیں۔ زمیلہ آنسو
پیتی ڈونگہ اٹھا کر کچن میں رکھ آئی۔ کتنی محنت سے پیٹھا چھیل کر پکایا تھا۔ ہاتھ تھک گئے تھے اتنا سخت اور موٹا
پیٹھا تراشتے ہوئے۔ بھونتے ہوئے کندھے اتر گئے تھے گویا۔ کچھ دیر بعد نبیل کا فون آنے والا تھا۔ وہ
سب سے نظر بچا کر موبائل اٹھائے چھت پر چلی گئی تھی۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔ پہلی بیل پر اس نے
فون دبا لیا۔

"نبیل!" آنسوؤں کی یلغار نے حلق میں گولا پھنسا دیا۔

"کیا ہوا؟ خیریت۔" نبیل نے بے قراری سے پوچھا تھا۔ نبیل کی بے قراری میں زمیلہ کا قرار

چھپا تھا۔ تب ہی تو کچھ پل کیلئے وہ شانت ہوئی۔

"خیریت نہیں ہے۔" وہ آنسو روکتے ہوئے منڈیر کی طرف بڑھ گئی۔ آواز حتی المقدور ہلکی ر

"بتاؤ تو سہی۔" نبیل نے فکرمندی سے کہا۔

"امی اور دادی نے کچھ کہہ دیا ہے۔"

"وہ کب نہیں کہتیں، ہر وقت کے طعنے تشنے۔" زمیلہ نے تلخی سے کہا۔

"یار! برداشت کرلیا کرو۔" ہمیشہ کی طرح نبیل نے اس کا غصہ کم کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔

"کہاں تک برداشت کروں۔ ضبط کی ایک حد ہوتی ہے۔" زمیلہ گویا پھٹ پڑی۔

"کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے۔"

"یہاں مسئلوں کے انبار ہیں، کیا کچھ بتاؤں۔" وہ جل کر بولی۔

"کچھ نہ بتاؤ، کوئی اچھی بات کرو۔"

"ابھی میرا مزاج بہت برہم ہے۔"

"کب تک مطلع صاف ہوگا۔" نبیل شرارت سے بولا۔

"شاید کبھی نہیں۔" وہ پھر سے رونے لگی۔

"ہوا کیا ہے؟" نبیل فکرمند ہوا۔

"امی نے کیا کہہ دیا ہے آخر۔" وہ جھنجلایا۔

"امی کے کہنے سننے کا افسوس نہیں۔"

"تو پھر کیا دادی نے۔" نبیل کچھ پل کیلئے خاموش ہوا۔

"بزرگ سمجھ کر درگزر کردیا کرو۔"

"دادی کا بھی مسئلہ نہیں۔" زمیلہ کو نہ جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا۔

"مسئلہ تو میرے اپنوں نے کھڑا کیا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا، بھابی میری زندگی میں تلخیاں گھو کوشش کریں گی۔"

"بھابی! کون سی بھابی؟" نبیل حیران ہوا۔

"حریم بھابی!" زمیلہ نے زہرخند لہجے میں کہا۔

"کیا کہا ہے بھابی نے۔"

"جو نہیں کہنا چاہئے تھا، گھر میں سو طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ سارے کچے چٹھے کھول میری عزت دو کوڑی کی کرکے چلی گئی تھیں۔ اپنے گھر والوں کو تو آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں دو بھر کر رکھا ہے۔" زمیلہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ہمارے گھر کے معاملات میں انہیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔" نبیل کو بے تحاشہ غ

"میں آج ہی ماہیر سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں، آپ بھائی سے کچھ مت کہیے گا، میں ابھی امی سے فون پر بات کرنے لگی ہوں

نبیل کو منع کیا۔ فون بند کرکے وہ بھرے دل سے امی کو فون کرنے لگی تھی۔

"مجھے ستا کر تم کیسے سکون سے رہ سکتی ہو حریم بھابی!" وہ زیرلب بڑبڑاتے ہوئے امی کے فون کا انتظار کرنے لگی۔

............*

فلیٹ نمبر 777 کے سامنے رک کر وہ کچھ لمحے سوچتا رہا تھا۔ یہ فلیٹ عارضی طور پر زرجان کی قیام گاہ

ورجینیا آئے تقریباً دو ہفتے اسے ہوچکے تھے۔ آنے سے پہلے وہ ایک سپر سٹور سے کچھ شاپنگ کرنے لفٹ کے ذریعے سیکنڈ فلور پر پہنچ گیا تھا۔ یہ سٹور کھانے پینے کی امپورٹڈ اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ آگے ایک بزرگ نما انکل گھومتے پھرتے جوس پی رہے تھے۔ ساتھ ایک چھوٹی سی آٹھ سالہ بچی تھی، زرجان کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ وہ مطلوبہ اشیاء اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔ جب انکل کو جھک کر ایک کوئی چیز پھینکتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ زرجان نے کچھ آگے ہوکر ذرا غور کیا تو پتا چلا کہ انکل جوس کا ٹن ایک پھینک کر آگے بڑھنے لگے تھے۔ زرجان بھی سر جھٹک کے جانے لگا تھا جب آٹھ سالہ بچی کی آواز اٹک گیا۔

"دادو! ٹن اٹھا کر یوز باکس میں ڈالیے۔" شستہ انگریزی میں وہ بچی بڑی نخوت سے کہہ رہی تھی۔

"اتنی دور یوز باکس تک نہیں جایا جاتا۔" دادو حد درجہ کاہل معلوم ہوتے تھے۔

"اٹھائیے بھی، ورنہ......" بچی کا انداز دھمکانے والا تھا۔

"ورنہ کیا؟" دادو لاپروائی سے چاکلیٹ کا ریپر پھاڑتے ہوئے بولے۔

"پولیس کو بلالوں گی۔"

"مجھے ان دھمکیوں سے خوفزدہ کرنے کی ضرورت نہیں، اب مجھ سے کمر جھکا کر یوز باکس میں خالی ٹن نہیں پھینکے جاتے۔" دادو چاکلیٹ کھاتے مزے سے بولے۔

"آپ امریکہ کو گندا کرتے ہیں۔ آپ امریکہ میں رہنے کے اہل نہیں۔" بچی پوری امریکن تھی۔

ان کی تکرار سن کر بے حد حیران ہوا۔ اسے اس بچی پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا، ہر دیس کا ہر بچہ ایسی سوچ تو گندگی اور غلاظت کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا تھا۔ دادو کو خالی ٹن اٹھانا پڑا تھا۔ دادو کے منہ کے زاویے دیکھ کر زرجان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس وقت بھی یہ ہی بات سوچتے ہوئے اچھے مزاج کے ساتھ وہ فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

"تم..." زرجان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ صوفے سے اٹھ کر اس کے قریب چلی

............*

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" راحت بیگم کا ازلی جلال عود آیا۔

"اس کی یہ جرأت۔"

اور ے پیا

"یا اللہ خیر۔" حریم چھت پر کپڑے پھیلانے گئی تھی' واپس آئی تو امی کو غصے سے لال بھبھوکا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"ابھی پوچھتی ہوں۔" فون پٹخ کر وہ سیدھی مشین میں سے کپڑے نکالتی حریم کے سر پر پہنچ گئیں۔

"کیا بکواس کر کے آئی ہو۔"

"کون سی بکواس۔" حریم خوفزدہ ہوگئی۔ امی کے تیور بہت بدلے بدلے تھے۔ پہلے سے بیدار اس کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا اشارہ کر رہی تھی۔

"یہ چالاکیاں کسی اور کو دکھانا۔" وہ یک دم دھاڑیں۔

"امی! کچھ بتائیں بھی۔" حریم روہانسی ہوگئی۔

"بتاؤں گی تو تمہارے باپ کے سامنے' فون کر رکھا ہے میں نے۔"

"امی! مجھ پر غصہ ہے' مجھے بتائیے' میرے باپ کو کیوں پریشان کرتی ہیں۔" وہ ایک دم فکرمند سی گھڑی کی طرف دیکھنے لگی۔

"اپنے باپ کا بڑا غم ہے' میرا کلیجہ ساڑتے ذرا دل نہ تیرا کانپا حریم! وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھیں۔

"زمیلہ کے خلاف اس کی ساس کو کون کون سی داستانیں سنا کر آئی ہو۔"

"بخدا امی! ایسا کچھ نہیں' میرا یقین کریں۔" وہ روہانسی ہو کر منمناتی رہ گئی۔

"کیا یقین کروں' کتنا مان تھا مجھے تم پر' تیری اچھی فطرت پر' تو بھی عام سی نکلی' فطری عورت جلاپا رکھنے والی۔"

"امی! آپ نے بابا کو کیوں بلوایا ہے۔"

"تجھے اس کے ساتھ بھیجنے کیلئے۔" انہوں نے حریم کے قدموں کے نیچے سے گویا زمین کھینچ لی۔

"امی! آپ۔" وہ ششدر سی ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"میرا قصور کیا ہے؟"

"بہت بھولی بنتی ہو زمیلہ کو طلاق دلوا کر اپنی لنگڑی بہن کا رشتہ کروانا ہے' ساری حقیقت جانتی ہوں۔" انہوں نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔ حریم کچھ پل کیلئے ذہنی طور پر خود کو ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کیلئے تیار کرنے لگی۔ وہ اس روتی دھوتی خود ساختہ غموں پر ماتم کرتی عورت کو بھلا کیا کہتی۔ انہیں دیکھتی حریم ٹیلیفون سٹینڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"ہیلو..... حریم خیریت' تم ٹھیک ہو۔" حانی نے کپکپاتی آواز میں چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ہاں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔" حریم نے بہت تحمل سے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

"ابھی راحت آنٹی کا فون آیا تھا۔ وہ کیوں اس قدر غصے میں تھیں۔"

"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں' بس کچھ اپ سیٹ تھیں' غائب دماغی سے فون کر دیا ہے' کرنا تھا میں نے سوچا تمہیں اور بابا کو بتا دوں' بابا سے کہنا فکر کی کوئی بات نہیں۔" حریم نے دبی آواز میں کہا۔

"تھینک گاڈ! ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی۔" حانی نے گویا تشکر کے کئی سانس خارج کرتے ہوئے فون پکڑے پکڑے مخاطب ہوئی۔

"بابا! سب خیریت ہے' ایسا ویسا کوئی مسئلہ نہیں۔"

"حانی! میں اب فون رکھتی ہوں۔"

"بات تو سنو۔" حانی چیخی۔

"رات کو فرصت سے کروں گی۔" حریم فون رکھ کر پلٹی تو راحت بیگم کو اپنے پیچھے کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"بہن کو خوشخبری سنا دی۔" انہوں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"امی! خدا کیلئے۔" حریم گویا زچ ہو اٹھی۔

"جشن منا لینا' میری بیٹی کو اجاڑ کر۔" ان کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت ناچ رہی تھی۔ حریم کو بے تحاشا خوف سا محسوس ہوا۔

"کیا کروں' امی کی طبیعت تو سچ مچ بگڑی بگڑی محسوس ہو رہی ہے۔" حریم کے دل میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

"زمیلہ کو کچھ مت کہنا' میری زمیلہ کو کچھ مت کہنا۔" اب وہ ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ پہلی مرتبہ اس تمام عرصے میں حریم کو کسی ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

"امی! آپ کو پانی دوں۔" حریم تقریباً بھاگتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی۔ پانی کی بوتل نکال کر وہ جب لاؤنج میں آئی تو امی پھر سے فون پر مصروف تھیں۔

"امی! کسے فون کر رہی ہیں؟"

"ماہیر کے ابو کو۔" انہوں نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"یا وحشت۔" حریم پر شدید گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

"امی! ادھر لائیں' میں کال ملا دیتی ہوں۔ آپ ادھر اطمینان سے بیٹھیں۔" حریم زبردستی انہیں تخت پر بٹھا کر فون کی طرف بڑھی۔ کانپتے ہاتھوں سے ماہیر کا نمبر ملاتی وہ بار بار امی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ماہیر! جلدی گھر آئیں' امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"ہوا کیا ہے؟"

"پتا نہیں' زمیلہ کا فون آیا تھا۔ پھر امی مجھ پر غصہ کرنے لگیں۔ بابا کو بھی فون کر دیا۔ اب یوں لگتا ہے ان کی ذہنی رو بہک گئی ہے۔" حریم نے کانپتی آواز میں بتایا۔

"بلڈ پریشر چیک کیا ہے۔"

"نہیں۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔"

"جلدی آیئے گا۔" فون بند کر کے وہ بی پی آپریٹس اٹھا لائی تھی۔ کلائی پر..... لگا کر وہ امی کیلئے گلاس میں پانی ڈالنے لگی۔ اسی پل موبی نے کمرے سے جھانک کر دیکھا تھا۔ حریم کو تو موبی کی ذہنی کنڈیشن بھی

ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ عجیب بے ڈھنگے انداز سے ہنستا' ناچتا جھوم جھوم کر حریم کو دکھا رہا تھا۔

"بھابی! ادھر دیکھو۔" وہ پیروں کو ایک مخصوص انداز سے زمین پر مارتا ٹہلیں کر رہا تھا۔

"موبی! امی کی طبیعت ٹھیک نہیں' جاؤ کمرے میں۔" حریم نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"میں تو ٹھیک ہوں' امی بھی ٹھیک ہیں' تم بھی ٹھیک ہو۔" وہ تالی بجاتا ہنستا رہا۔

"موبی! سنا نہیں تم نے۔"

"نہیں سنا۔" وہ اسے چڑانے لگا۔

"جاؤ' اپنے کمرے میں۔"

"نہیں جاتا۔" اسے بھی گویا ضد آ گئی۔

"میں ماردوں گی۔"

"مار کر تو دیکھو۔" موبی نے پھر مخصوص ردھم میں پیر زمین پر مارا' حریم کچھ الجھ کر موبی کو دیکھے

"مارو گی؟ موبی کو مارو گی۔" موبی مسلسل اسے چڑا رہا تھا۔

"اسے اندر بھیجو' اسے کہو دفع ہوجائے' میری نظروں سے دور ہوجائے۔" امی پر جنونی کی

طاری ہو گئی تھی۔ حریم گویا بے بس سی ان دونوں ماں اور بیٹے کو دیکھنے لگی۔

"جا' دفع ہو' میری نظروں سے دور ہوجا۔" وہ گویا اپنے آپے میں نہیں تھیں۔ مجبوراً حریم کو ان

قریب آ کر جھڑکنا پڑا۔

"موبی! چلو اندر' دیکھو امی کی صحت ٹھیک نہیں' ضد نہیں کرو۔"

"نہیں جاؤں گا' نہیں جاؤں گا۔" وہ ضدی انداز میں گویا ہوا۔

"ابھی تمہیں بتاتی ہوں۔" حریم کچھ سوچ کر فون کی طرف بڑھی۔

"ماہیر کو فون کرنے لگی ہوں' میری بات مان جاؤ۔" ریسیور اٹھا کر حریم نے مصنوعی دھمکی سے

کو ڈرانا چاہا۔

"نہیں ڈرتا میں۔" وہ بے خوف تھا۔

"تجھے مار ڈالوں گی۔" وہ تخت پر لیٹ کر پھنکارنے لگیں۔

"موبی کو مارو گی؟"

"موبی!" حریم کو ایک دم اس پر غصہ آ گیا۔ بازو سے پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے حریم اندر

تھی۔

"تم نے موبی کو مارا۔" موبی بلاوجہ شور مچانے لگا تھا۔

"موبی تمہیں مارے گا۔"

"آرام سے بیٹھ کر کارٹون دیکھو' امی کو ہم ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔" حریم ٹی وی آن

کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ جب موبی فرش پر لیٹ کر رونے لگا۔

"موبی کو بھابی نے مارا' موبی کو بھابی نے مارا۔" وہ چیختا جا رہا تھا۔

"موبی کہتا ہے' بھابی دفع ہوجائے' یہاں سے بھابی دفع ہوجائے۔"

"موبی!" ماہیر کی دھاڑ پر وہ ایسے خاموش ہوگیا تھا گویا اس کے گلے کا سوئچ کسی نے ایک جھٹکے کے ساتھ آف کر دیا ہو۔

"خاموشی سے لیٹے رہو' آواز نہیں آنی چاہئے تمہاری۔" ماہیر کی ہدایات سن کر وہ دبک کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ماہیر! امی کی پہلے بھی ایسی کیفیت ہوجاتی ہے۔" حریم بے دم سی راحت بیگم کو دیکھ کر بولی۔

"ہوں۔" ماہیر والٹ میں سے پیسے چیک کرتا ہوا حریم کی طرف متوجہ ہوا۔

"بی پی ہائی ہوجائے تب بھی ان کا نروس سسٹم متاثر ہوجاتا ہے' تم فکر مت کرو' شاید کوئی ٹینشن انہوں نے زیادہ ہی سر پر سوار کرلی ہے۔" ایمبولینس گیٹ پر آ چکی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد راحت بیگم کو ہسپتال لے کر ماہیر چلا گیا تھا جبکہ حریم اعصاب شکن لمحات کے شکنجے میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

............*

"امی کے اور تمہارے درمیان کوئی بات ہوئی تھی۔" ایک دن اور ایک رات کے بعد آج سہ پہر کو ماہیر امی کو لے کر ہسپتال سے آ گیا تھا۔ حریم' امی کیلئے پرہیزی کھانا بنائے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ گھر آنے کے بعد امی نے حریم سے کلام کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔ حریم تو ان کے ہتک آمیز رویے کو دیکھ کر اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی۔ ماہیر بھی امی کا ہاتھ جھٹکنا دیکھ چکا تھا۔ تاہم اس وقت تو وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ حریم چائے لے کر اپنے کمرے میں آئی تو ماہیر کو بالکونی میں رکھی چارپائی پر لیٹے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"اتنی گرمی میں کیوں لیٹے ہیں۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ماہیر نے آنکھوں پر رکھے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔

"امی اور تمہارے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔"

"آپ کو امی نے کچھ بتایا ہے؟" وہ جھجک کر پوچھنے لگی۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں۔"

"کچھ زیادہ نہیں' غلط فہمی کی بنا پر انہوں نے۔" حریم نے من و عن تمام واقعہ کہہ سنایا تھا۔ ماہیر اس دوران خاموشی سے آسمان پر نظریں جمائے نہ جانے کیا کچھ سوچتا رہا۔

"تم نے امی کے ساتھ بدزبانی کی' برا بھلا کہا' بدتمیزی کی' مجھے کسی بات پر یقین نہیں آیا۔ امی کے مزاج سے میں اچھی طرح واقف ہوں' مگر یہ زمیلہ کا کیا قصہ ہے' وہ بھی ہسپتال میں نہ جانے کیا کچھ بولتی رہی ہے۔" ماہیر کچھ بے زاری سے کہہ رہا تھا۔

"اف..... ایک ہی بات کی فضول تکرار۔" حریم کو شدید کوفت نے گھیر لیا۔ تمام بات مختصر لفظوں میں دہرا کر وہ اپنا جرم سننے کیلئے خود کو تیار کرنے لگی۔

"ویسے حریم! کوئی تو بات ہے مجھ میں' سارے لوگ ہی میرے نصیب پر رشک کرتے ہیں۔" ماہیر کا موڈ خود بخود بدلتا چلا گیا تھا۔ حریم کی تعریف' توصیف اسے بہت بھاتی تھی۔

"مثلاً کون کون لوگ؟" حریم نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہی نفیسہ پھوپھو' فیفا...... حانی اور میں خود۔"

"ایک بات تو بتائیں۔" کچھ خیال آنے پر حریم نے ذرا سنجیدگی سے پوچھا۔

"پوچھو۔" وہ خوش دلی سے بولا۔

"میں نے سنا ہے پہلے آپ کی اور فیفا کی بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی۔"

"کچھ غلط تو نہیں سنا۔"

"اب اس بے چاری سے کیوں بہت فارمل انداز میں ملتے ہیں۔" حریم نے کچھ تاسف سے الفاظ میں فارمل کہنا مناسب تھا۔ ورنہ ماہیر کا رویہ تو بہت روڈ قسم کا تھا۔

"کیوں اٹھلا کر' چلبلا کر معانقہ کروں' مصافحہ کروں۔" وہ شرارت سے پوچھنے لگے۔

"ماہیر! "وہ خفگی سے بولی۔

"معانقہ' مصافحہ' ماشاء اللہ' آپ کے ارادے نیک تو نہیں لگتے۔"

"چھوڑو ان قصوں کو' اپنی بات کرو۔" ماہیر نے اس کی کھلی کھلی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا سوچا ہے۔"

"کس بارے میں۔" وہ حیران ہوئی۔

"آنے والے بچوں کے بارے میں۔"

"ہری ہری سوجھی رہتی ہے' چائے پی لیں' جا رہی ہوں۔"

"کہاں جا رہی ہو' میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔" وہ بھی ایک دم اٹھ کر سلیپر اڑسنے لگا۔

"آپ کچھ دیر آرام کر لیجئے۔" اس نے ہمدردی سے کہا۔

"تمہارے بغیر...... تعاون کرو' تو ارادہ بدل لیتے ہیں۔" ماہیر نے باہر کی طرف نکلتی حریم کو سے چھیڑا۔

"کچن کا پھیلاوا سمیٹنا ہے۔" وہ خفگی سے آنکھیں دکھانے لگی۔

"جا کہاں رہے ہیں۔"

"فیفا سے ملنے۔" ماہیر شرارتاً بولا۔

"کیا مطلب؟" حریم ٹھٹک کر رک گئی۔

"پھر سے بولیے۔"

"یار! پھوپھو سے ملے بہت دن ہوئے ہیں' سوچا ان کی خیریت معلوم کر لوں۔" اس نے کی۔

"جلدی آئیے گا۔" حریم نے تاکیداً کہا۔

"تم ذرا کھانے پر اہتمام کر لینا' زمیلہ آئے گی۔" وہ جاتے جاتے رک کر بولا۔

"یار! زمیلہ کے ساتھ سفارتی تعلقات بحال کرنے کی کوشش کرو' بے ترتیبی کہیں بھی نہ ہو'

زندگی میں نہ رشتوں میں۔" وہ آخری سیڑھی پر پہنچ چکا تھا۔ راحت بیگم کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"حریم! او حریم! نہ جانے کہاں چلی جاتی ہو' میاں سے باتیں مٹھارنے سے جی نہیں بھرتا' میرے بیٹے کے کان کھاتی رہنا ہمیشہ' دماغ چاٹ لینا ہے کیا۔"

"دلوں پر گرد نہیں آنی چاہئے' رویوں کا کیا ہے' بدلتے رہتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گیا۔

"رویوں سے تعلق مضبوط ہوتے ہیں' زندگی کی خوبصورتی رویوں کی محتاج ہوتی ہے' خوش نما اور بدنما رویے وقت کا کام گزرنا ہوتا ہے' سو گزر ہی جاتا ہے۔ گزر ہی جائے گا' مگر اچھی اور بری یادیں سوغات کے طور پر پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ہمیشہ خوش کرنے کیلئے یا چبھن دینے کیلئے۔" وہ سوچتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

رات کو زمیلہ اپنی ساس کے ہمراہ آئی تھی۔ مروتاً حریم سے بھی سلام دعا کر لی۔ یا ساس کی موجودگی نہ کچھ ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس کا پھولا منہ سوچ کر کپا ہو گیا تھا۔ زمیلہ کو رات ٹھہرنے کی اجازت شاید نبیل کے توسط سے ملی تھی۔ اس وقت وہ ماں سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ اسے امی کی شدید خرابی طبیعت کا احساس صرف ہدایات دینے تک تھا۔

"سوپ دیں' فروٹس لائیں' فریش جوس صحت کیلئے مفید ہے' وغیرہ وغیرہ۔" حالانکہ ڈاکٹر نے انہیں ٹینشن فری رہنے کی تاکید کی تھی' وہ جسمانی طور پر بہت صحت مند تھیں' البتہ ذہنی صحت بہت متاثر ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا وہ بہت زیادہ ٹینشن لیتی ہیں۔ پہلے موبی کی وجہ سے اور اب زمیلہ نت نئی کہانیاں سنا سنا کر ان کے ذہن کو منتشر کر دیتی تھی جبکہ زمیلہ کا کہنا تھا امی کی بیماری کی سب سے بڑی وجہ بذات خود حریم ہے' بے نقطے سن سن کر حریم کی سماعتیں اب تو عادی ہو چکی تھیں۔

ان دنوں حریم کی طبیعت بہت بوجھل بوجھل تھی۔ موسمی بخار نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دن بدن نقاہت کی وجہ سے چکر آنے لگے تھے۔ ماہیر کے بہت دفعہ کہنے کے باوجود وہ چیک اپ کیلئے راضی نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹروں سے اب تو خوف آنے لگا تھا۔ ہسپتال میں داخلہ بعد میں ہوتا تھا' یہ لمبے چوڑے ٹیسٹ کے پرچے ہاتھ میں پہلے پکڑا دیئے جاتے۔ امی کی دوائیاں اتنی مہنگی تھیں کہ ماہیر مزید اور ٹیسٹوں کیلئے کہاں پر کہاں سے خرچہ کرنے کیلئے پیسے لاتا۔ حریم کو امید تھی کہ وہ ہومیو پیتھک دوا سے ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ ڈاکٹر صاحب ان کے محلے کے رہائشی تھے۔ ماسی نے حریم کو دوا منگوا کر دی تھی۔ پہلی خوراک سے ہی بڑا افاقہ محسوس ہوا تھا۔

"آج کل کی لڑکیاں کہاں سنتی ہیں کسی کی بات' کسی بڑے ڈاکٹر سے دوا کیوں نہیں لیتیں۔" امی اٹھتے جاتے ہاتھ پیٹتے ہوئے نصیحت کرنا نہیں بھولتی تھیں۔ ایسا اس وقت ہوا کرتا تھا جب امی کی عیادت کیلئے کوئی نہ کوئی خاتون موجود ہوا کرتیں۔

"بڑے ڈاکٹروں کی فیس بھی بڑی' دوائی بھی مہنگی' احساس کی ڈور سے بندھے رشتے معتبری کا درجہ کہاں لیے پاتے ہیں۔" کبھی نفیسہ پھوپھو پاس بیٹھی ہوتی تو ضرور جتا دیا کرتی تھیں۔ ماہیر کی دن رات بھاگ دوڑ اور مشقت کسی کو بھولتی تو نہ تھی۔ ماں کی بیماری کے سلسلے میں وہ پھر سے قرض دار ہو چکا تھا۔

امی کی بیماری کے دوران نے حریم کو گویا نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ امی کی دیکھ بھال' گھر کے کام
سے ماہیر کبھی موڈ میں ہوتا تو اس کے خوشگوار موڈ کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

آج صبح بھی اس کا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا اور امی کا صبح صبح ارہر کی دال اور سادہ چاول کا جی چاہ رہا تھا۔

"املی اور ٹماٹر کی چٹنی کے ساتھ بیسنی روٹی پکا کر دو۔" ان کے خیال میں روز روز کے پرہیز سے ان کی زبان سارے ذائقے بھولتی جا رہی تھی۔ اس پرہیز شدہ ذائقے سے آشنا زبان کو کچھ چٹ پٹا ناگزیر ہو گیا تھا۔

چھٹی کا دن تھا' سو ماہیر کو دفتر بھیجنے والی عجلت سر پر سوار نہیں تھی۔ کچن میں کھڑے ہو کر کام کرنا کو کسی پہاڑ کو سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا۔ جیسے تیسے دال چاول تو پک گئے تھے۔ البتہ مولی کا ناشتہ اسے ہر شے گول گول گھومتی نظر آنے لگی۔ وہ بمشکل چکراتے سر کو تھام کر موڑھے پر بیٹھ گئی۔ ماہیر کے پاس لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ گاہے بگاہے اس کی نظریں کچن کی طرف بھی ارادتاً اٹھ جاتی تھیں۔

"حریم! کیا ہوا؟ چاول نہیں پکے' دال کو بگھار لگایا یا نہیں۔" امی بے صبری سے بولی تھیں۔ ماہیر حریم کے پاس چلا آیا اور فکر مندی سے پوچھنے لگا۔

"سر چکرا رہا ہے۔" حریم نے بھرائی آواز میں بتایا۔

"تمہیں تو پھر سے بخار ہو رہا ہے' اٹھو باہر چل کر لیٹو۔" وہ اسے بازو کے حصار میں لے کر باہر آیا۔

"کیا ہوا؟" امی کو پوچھنا پڑا۔

"پھر سے تاپ چڑھ گیا۔"

"اترا ہی کب تھا' ڈھیٹوں کی طرح لگی رہتی ہے۔" ماہیر کو اس کی لاپروائی پر شدید تاؤ آیا تھا۔ ناگواری سے منہ بنا لیا۔

"دال چاول کیا پکانے پڑ گئے' پھر سے تاپ چڑھ گیا۔ کیا ضرورت تھی کچن میں گھسنے کی' منع کر لیتی۔"

"نہیں امی! میں ٹھیک ہوں' بس چکر سا آ گیا تھا۔" حریم تھکن زدہ لہجے میں بولی۔

"ماہیر! امی کو چاول لا دیں' ابھی دوا بھی کھانی ہے امی نے' وقت دیکھیں' دس تو بجنے والے ہیں۔"

"بی بی! ہماری خیر ہے' تم خود کو سنبھالو' تم نے بستر پکڑ لیا تو ہمارا کیا ہوگا۔" امی نے آہ بھری۔

"ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟" ماہیر پوچھ رہا تھا۔

"پہلے کچھ کھانے کو لا دو اسے' کھاتی پیتی تو کچھ ہے نہیں' لوگ ہم پر تاک تاک کر جملے کریں کہ بے زبان بہو کو کچھ کھانے کو نہیں دیا جاتا۔ لوگوں کی بھی مت ماری گئی ہے' ہم نے تو کب سے باورچی خانے سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ اب کھانا پینا تو خود ہے' ہاتھ سے نوالے توڑ کر کھلانے سے تو رہے۔" امی کی بات طول پکڑنے والی تھی' مگر ماہیر کو واپس آتا دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ ٹرے ان کے سامنے کی۔ من پسند کھانا ٹرے میں سجا تھا۔ سو وہ سب کچھ بھلائے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوگا۔" ماہیر دودھ کا گلاس اور بریڈ جیم لے آیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ انڈا ابال سکتا تھا۔ کوکنگ میں اسے صرف انڈا ابوائل کرنا آتا تھا۔ حریم کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ شاید بی بی کو ہو گیا تھا۔ ماہیر بریڈ کے چھوٹے چھوٹے پیس دودھ میں ڈپ کر کے اس کے منہ میں رکھنے لگا تھا۔ بی بی کو نہ جانے کیا کچھ یاد آ گیا۔ اپنا خوشگوار ماضی۔

ماہیر کے ابو بھی مزاجاً بہت نرم اور احساس رکھنے والے فطرتاً بہت نیک طبیعت انسان تھے۔ اپنی ذات سے انہوں نے کسی کو کبھی تکلیف نہیں پہنچائی۔ ماں' بہنوں اور بیوی کے حقوق میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔ ماہیر بھی تو ان ہی کا بیٹا تھا۔ خوشگوار یادوں کو سوچتے ہوئے معاً انہیں زمیلہ کی تلخ ترین زندگی کا احساس ہوا۔ اپنے تئیں وہ یہ ہی کچھ سمجھتی تھیں کہ زمیلہ بہت مشکل زندگی گزار رہی ہے۔ زمیلہ اپنے دکھوں کی منظر کشی ہی کچھ اس طرح کرتی تھی کہ ایک ماں ہونے کے ناتے وہ پہروں غم زدہ رہتیں۔ جب کسی اور پر بس نہ چلتا تو حریم موجود تھی۔ ان کی تمام تر تلخیوں کو سہنے کیلئے وہ اپنے دل کی تمام بھڑاس نکال کر مطمئن ہو جاتی تھیں اور جب غصہ اترتا تو دل ہی دل میں خوب شکر ادا کرتیں۔ اگر حریم نہ ہوتی یا حریم کی جگہ کوئی اور ہوتی تو اس پل پل موسم بدلنے والی ساس کے ساتھ بنا کر رکھنا کس قدر مشکل ترین کام تھا۔

"بس....." حریم نے دودھ کا گلاس آدھے سے بھی کم پی کر رکھ دیا تھا۔

"تھوڑا سا اور پی لو۔" ماہیر نے نرمی سے اصرار کیا۔

"ابھی دل نہیں چاہ رہا۔"

"کچھ دیر بعد پی لینا بلکہ یہ تھوڑے سے چاول کھا لو' اس موئی ڈبل روٹی سے پیٹ کہاں بھرتا ہے۔" ماہیر کو شدید ترس آ گیا تھا' اسی لئے لہجے میں نمایاں فرق محسوس ہونے لگا۔

"الٹی آ رہی ہے۔" وہ بے زاری سے صوفے پر لیٹ گئی۔

"آپ بھی کچھ کھا لیں۔" معاً حریم کو اسکے خالی معدے کا احساس ہوا۔ وہ صبح سے بھوکا تھا۔ اب حریم کی ناساز طبیعت کی وجہ سے اس کی بھوک مٹ کر رہ گئی تھی۔

"تم آرام کرو' میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" ماہیر کا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہر گیا تھا۔ حریم کو لگا تپتی دوپہروں جیسے دل پہ نا جانے کہاں سے سفید' نیلے بادل امڈ کر آ گئے ہیں۔ دو ننھے سے آنسو اس شکر مندی پر پلکوں کی باڑ توڑ کر بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔ ماہیر کو سر دبانے کا طریقہ نہیں آتا مگر ہولے ہولے سے دباؤ کے یہ جھٹکے اسے بہت سکون بخش رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں کی پر حرارت لمس کے محبت بھرے لمس نے بہت کچھ پا لینے کا احساس بخش کے اسے شاد کر دیا تھا۔ دینے اور مسلسل بیتے چلے جانے کے اس عمل کے دوران کسی کی محبت بھری رفاقت حریم کی زندگی کا حاصل تھی۔ ان کے درمیان محبت کا ہی نہیں احساس' اعتبار' اعتماد اور یقین کا بہت مضبوط بندھن قائم تھا۔ ادھر راحت بیگم سوچ رہی تھیں۔

"چلو دوپہر کو دال چاول سے وقت نکل جائے گا۔ دوپہر کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں' البتہ رات کا مسئلہ ہنوز منہ کھولے کھڑا ہے۔ ماہیر کے ارادے تو نہیں لگتے' حریم کو کچن میں بھیجنے کے' پھر رات کو کیا ہوا

کھانی ہے' خیر کوئی بات نہیں ماہیر سے کہوں گی بازار سے کھانا لے آئے۔ اب میری بوڑھی ہڈیوں میں کہاں ہے۔ طبیعت ویسے بھی ناساز رہتی ہے' یہ ہی بہتر ہے' کھانا بازار سے آجائے گا اور یہ حریم یا پاپے وغیرہ کھالے گی۔ بخار میں نرم غذا ہی بہتر رہتی ہے۔" وہ سوچوں کے تانوں بانوں میں اور حریم اٹھ کر پھر سے کاروبار سلطنت کے مختلف امور سرانجام دینے لگی۔

............*

زمیلہ کے دیور کی شادی تھی' کسی اونچے گھرانے کی لڑکی آرہی تھی۔ جہیز میں ہیروں کے سیٹ سونا اور کوٹھی' گاڑی لے کر' ان دنوں زمیلہ کے غمزدہ اور دکھی دل کو چھیڑنے کی حماقت کرنا فضول تھا۔ کبھی آتی اپنی ہونے والی دیورانی فری کے قصے اس کی زبان پر ہوتے اور ایسی باتیں بتاتے ہوئے چہرے پر بڑے عجیب عجیب سے تاثرات ابھر آتے تھے۔ یوں لگتا تھا وہ بہت سی محرومیوں کا شکار ہے۔ راحت بیگم نے بیٹی کی کسی خواہش کو حسرت بننے نہیں دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے حال سے مطمئن والوں میں سے نہیں تھی۔ فری کی خریدی ہر چیز اسے اپنی چیزوں سے زیادہ امپورٹڈ دکھائی دیتی۔ مادیت پرستی امی میں اور زمیلہ میں گویا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ جس دن سے وہ بھی ایک چکر سسرال کا لگا کر آئی تھیں اسی دن سے صبح وشام ان کی زبان پر ایک ہی ورد تھا۔

"زمیلہ سچ ہی روتی ہے' ہم نے بھلا بیٹی کو دیا ہی کیا ہے۔" دکھ کے احساس سے ان کی آنکھیں بھر آتی تھیں اور آنسو تو ان کا واحد ایسا ہتھیار تھے جن سے بیک وقت وہ کئی لوگوں کو شکست سے دوچار کر دیتی تھیں۔

حریم کو پکا یقین تھا کہ مطلب کیلئے وہ منافقانہ حد تک میٹھی ہوجایا کرتی تھیں۔ زبان سے گویا شہد ٹپکنے لگتا۔ اپنی ہر بات کبھی تو رو دھو کر اور کبھی خوشامد کے ذریعے وہ منوا کر ہی دم لیتی تھیں اور جب ان کی بات پوری ہوجاتی تو ان کے چہرے پر فتح مندی کے تاثرات ابھر آتے۔ ایسی چیلنج بھری نظروں سے حریم کو دیکھا کرتی تھیں گویا نظروں کی زبان میں حریم کو جتا دینا چاہتی تھیں کہ دیکھو میں نے کس طرح اپنی بات منوائی ہے' تمہارا پلڑا بھاری کہ میرا۔

اور حریم کا دل تو ویسے بھی آپ آپ کی گردان کرتا رہتا تھا۔ اب یہ بیماری کا بہانہ اچھا تھا۔ ڈاکٹر نے انہیں ٹینشن سے دور رکھنے کی ہدایت دے کر نجانے حریم سے کس جنم کا بدلہ لیا تھا۔ اب بات کو رد کرنے کا تصور کرنا بھی محال تھا۔ ہر وقت یہی خدشہ رہتا کہ امی صاحبہ ٹینشن لے کر پھر سے بستر پر نہ پہنچ جائیں۔

وہ جب بھی کسی بڑی بچت کے بارے میں سوچنے کی کوشش کرتی۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ اسے تو بہت بعد میں پتا چلا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہوٹل کے بل' زمیلہ کی شادی کے سلسلے میں ہوئے ماہیر کو کچھ قرض لینا پڑا تھا اور ابھی تک تنخواہ میں سے اس قرض کی ادائیگی احسن طریقے سے جاری تھی۔ ان حالات میں اگر امی یا موبی کو ڈاکٹرز سے سیشن کروانے پڑتے تو پھر مہینے کے آخر میں نوبت روٹی تک آجاتی تھی۔ پھر امی کے بگڑے مزاج کو سنبھالنا مشکل ترین کام ہوتا تھا۔ انہیں اپنی خوراک

ہفتے میں چار دن لگاتار گوشت پکتا۔ ایک دن دال اور تین دن سبزی۔ انہیں خالی سبزی تو بہت ناپسند تھی۔ اور وہ ذائقے کیلئے گوشت کی دو چار بوٹیوں کی فرمائش کر دیتی تھیں۔ مسئلہ تو یہ تھا کہ امی کی بروقت فرمائش پوری نہ ہوتی تب بھی وہ شدید ہیجان کا شکار ہوجاتی تھیں۔ کبھی بہت ہی غصہ آنے لگتا اور کبھی بلا کی مہربان ہوجاتیں۔

نبیل بھی بھائی کی شادی کے سلسلے میں دو ماہ کی چھٹی لے کر پاکستان آیا ہوا تھا۔ ان دنوں زمیلہ گویا ہواؤں میں اڑتی پھر رہی تھی۔ اس کی خوشی چہرے کی چمکدار شفاف جلد اور جگر جگر کرتی آنکھوں سے پھوٹی پڑتی تھی۔ مگر نجانے اس کی فطرت کیوں اس قدر خودغرض تھی۔ میکے آتے وقت خود پر مظلومیت طاری کر لیتی۔ چہرے پر سے مسکراہٹ غائب ہوجاتی۔ ماں کیساتھ ساتھ حریم کو بھی دہلاتی رہتی تھی۔

"اس قدر شدید گرمی ہے۔ نبیل کے آنے سے پہلے تو اے سی تک لگانے نہیں دیتے۔ آپ کو بھلا اے سی دینے کا کیا فائدہ ہوا جب وہ لگانے نہیں دیتے۔ استعمال کرنے نہیں دیتے۔ دادی کو اختلاج ہونے لگتا ہے' بجلی ضائع کرنے پر لمبے لمبے لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ میرے شوہر کی کمائی سے گھر کا خرچہ چلاتی ہیں مجھے اے سی لگانے تک کی اجازت نہیں' اس کے پاس امی کو اور حریم کو دکھی کرنے کا ایک سے بڑھ کر ایک قصہ ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ کئی مرتبہ حریم نے سوچا تھا زمیلہ کو سمجھانے کی کوشش کرے گی کہ اپنے مسئلے امی سے دور رکھا کرو' کیونکہ زمیلہ کے جانے کے بعد امی پر حساسیت کا بڑا بھرپور دورہ پڑتا تھا۔ خود پر مظلومیت طاری کیے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتی تھیں۔

اے سی ایک آسائش ہے۔ ضرورت نہیں' پھر ان حالات میں جب بل اتنے لمبے چوڑے ادا کرنے پڑتے تھے۔ اور جو گھر چلاتے ہیں' ضروریات پوری کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہیں۔ اس بڑھتی مہنگائی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ صرف وہ ہی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ گھر چلانا کوئی آسان کام نہیں۔

نبیل کی آمد کے ساتھ ہی امی پھر سے الرٹ ہوگئی تھیں۔ بازاروں کے چپکے چپکے چکر لگنے لگے۔ یہ مسئلہ بھی جلد حل ہوگیا۔ بیٹی اور داماد کیلئے خفیہ شاپنگ کی گئی تھی۔

آج نبیل کی اور اس کے گھر والوں کی دعوت کا اہتمام کرنا تھا۔ رات سے حریم کو پھر حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ اسی لیے ماہیر سختی سے اسے منع کر کے گیا تھا کہ کچھ بھی گھر میں پکانے کی ضرورت نہیں۔ مگر حریم مہینے کے شروع میں بڑی رقم کو محض اپنے آرام کی خاطر فضول میں خرچ کر دینا عقلمندی میں شمار نہیں کرتی تھی۔

ماہیر کے جاتے ہی وہ کچن میں جت گئی تھی۔ جن جن ڈشز کے نام امی نے گنوا دیئے تھے ان کی تیاری کیلئے کئی گھنٹے اضافی چاہئے تھے۔ ان ڈشز کی فرمائش زمیلہ کی طرف سے تھی۔ بقول زمیلہ کے وہ امی کے ہاتھ کے ذائقوں کو سسرال جا کر بھول چکی تھی۔

مقررہ وقت پر زمیلہ اپنی ساس' دو دیور' ایک نند کے ہمراہ آگئی تھی۔ نبیل کچھ دیر بعد آیا تھا۔ ماہیر بھی آفس سے جلدی گھر آگیا تھا۔ حریم میز پر برتن بھی لگا چکی تھی۔

"اماں بی حریم سے ملنے تو ضرور آتیں، مگر ان کی ٹانگوں میں شدید درد تھا۔" فرحت آ… رہی تھیں۔

"اچھا، نہیں آئیں، ہونہہ، مفت خورے لوگ۔" زمیلہ جلتے بھنتے ٹیبل کا جائزہ لینے آ گئی۔

"واہ، نبیل بھائی کی فیورٹ ڈشز، آج تو بھابی آپ نے کمال کر دیا ہے۔" نازش بھی زمیلہ… چلی آئی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے بھابی!" نازش اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر ہمدردی سے پوچھ…

"ذرا سا بخار محسوس ہو رہا ہے۔" حریم مصروف انداز میں بولی۔ زمیلہ باہر نکل گئی تو شہ… نے آواز دی تھی۔

"بھابی، آپ آرام کر لیجئے۔ آپ کی طبیعت بہتر نہیں لگ رہی۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ نرمی سے بولی۔ تبھی افتاں خیزاں امی کچن میں داخل ہوئیں۔

"ارے۔ نازش! تم یہاں، چلو آؤ کھانا کھا لو۔" انہوں نے یوں ظاہر کیا تھا گویا انہیں نازش کی موجودگی کا پتا ہی نہیں تھا۔ پھر حریم کی طرف دیکھ کر عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولیں۔

"حریم! تم آرام کر لو۔ میں باقی کا کام خود دیکھ لوں گی۔"

"میں بھی حریم بھابی کو آرام کا مشورہ دے رہی تھی۔" نازش نے معنی خیزی سے آنکھیں… کہا۔

"نازش بیٹی! آؤ تم کھانا کھا لو۔" امی نے نازش کے لہجے کی معنویت کو قطعاً اہمیت نہیں دی تھی۔

"جی آنٹی آ رہی ہوں۔"

"تم کچھ دیر آرام کر لو حریم۔! چائے دیر سے بنا لینا۔" جاتے جاتے پلٹ کر وہ دبی آواز میں… ہوئے باہر نکل گئی تھیں۔ حریم نے اسی بات کو غنیمت جانا تھا اور پھر امی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد زمیلہ کی ساس نے کمرے میں جھانکا، پھر اندر چلی آئیں۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹی۔"

"کچھ بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ کمر میں بہت درد تھا۔" حریم شرمندہ سی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"لیٹی رہو۔"

"نہیں، اب اٹھتی ہوں۔ آپ نے کھانا کھا لیا ہے۔" اپنے بکھرے حواس مجتمع کرتے ہوئے… پوچھا۔

"ہاں بیٹی! بہت اچھا کھانا بنایا ہے۔"

"شکریہ۔" حریم تھکی تھکی سی پژمردہ آواز میں بولی۔

"کون سی ڈیٹ فائنل کی ہے۔" کچھ خیال آنے پر حریم نے پوچھا۔

"اسی مہینے کی بائیس تاریخ تم نے ضرور آنا ہے، کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" انہوں نے محبت بھرے… سے کہا۔ حریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حریم بچا ہوا کھانا…

تبھی دبے دبے قدموں...... راحت بیگم چلی آئیں۔

"حریم! ایک بات سچ سچ بتاؤ۔"

"پہلے میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟" حریم ناگواری دبا کر بولی۔

"پوچھیے۔"

"فرحت نے تم سے کیا کیا باتیں کی ہیں۔"

"میرا خیال ہے وہ دس منٹ بھی میرے پاس نہیں بیٹھی ہوں گی۔ صرف حال احوال پوچھا تھا۔"

"نرا جھوٹ۔" امی کو قطعاً یقین نہیں آیا۔

"جو آپ سمجھ رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"سب جانتی ہوں۔ ساس، نند کی برائی کر کے تمہیں کون سا ایوارڈ ملنا ہے۔" امی نے رعونت بھرے لہجے میں کہا۔

"امی آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" حریم روہانسی ہو گئی۔

"میری بیٹی کی زندگی میں تلخیاں گھول کر تمہیں کیا ملے گا۔" وہ اپنی بات پر اڑی رہیں۔

"امی پلیز۔" حریم بے بسی سے بے چین آواز میں بولی۔

"امی.....!" ماہیر نے کچن میں جھانکا۔

"کون سے مذاکرات چل رہے ہیں۔"

"آں۔ ہاں۔ کچھ نہیں۔" وہ بوکھلا کر باہر نکل گئیں۔

"تمہیں کس نے پتھر بنا دیا ہے۔" حریم کو گم سم دیکھ کر وہ اس کا بازو ہلا کر بولا۔

"کیا بات ہے حریم۔"

"کچھ نہیں۔" حریم گہری سانس کھینچ کر برتن سمیٹنے لگی۔

"امی نے کچھ کہا ہے۔" ماہیر کے اکثر اندازے درست ہوتے تھے۔ حریم نے لب بھینچ لیے۔

"نہیں۔"

"تھک گئی ہو؟" وہ ہمدردی سے اس کے جھکے جھکے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں۔" حریم نے رخ موڑ لیا تھا۔ وہ اپنے چہرے کے تاثرات ماہیر سے چھپا لینا چاہتی تھی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اتنا وخت کرنے کی۔ چھوڑو، ان دھندوں کو۔" ماہیر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا۔

"چھوڑیں [illegible]۔" حریم نے بے زاری سے کہا۔

"یہ پھیلاوا کون سمیٹے گا؟"

"صبح کر لینا۔"

"صبح بھی خود ہی کرنا ہے۔" بے زاریت گویا اس کے روم روم میں اتر آئی تھی۔

"میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ جسم تنور کی طرح تپ رہا ہے۔" وہ فکرمندی سے اس کی نبض ٹٹولتے بولا۔

"ہٹیے پیچھے!" وہ اپنی کلائی چھڑوا کر تلخی سے بولتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ماہیر اس
ردعمل پر حیران پریشان سا دیکھتا رہ گیا۔

............*

زمیلہ کے دیور کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ حریم اور ماہیر نے صرف ولیمہ میں شرکت کی تھی۔ البتہ امی تینوں فنکشنز میں روزانہ شرکت کی غرض سے پہنچ جاتی تھیں۔ واپسی پر ان کی زبان پر میکے والوں کی دولت کے قصے ہوا کرتے تھے۔ یہی حال زمیلہ کا تھا۔ ذرا ذرا سی بات ماں تک پہنچانا فرض سمجھتی تھی۔

"نازش کو سونے کا سیٹ دیا ہے۔ امی کے کڑے اور دادی کو بھی موٹی موٹی چار چوڑیاں۔ بیٹ... والے لوگ بیٹیوں کو دیتے ہیں۔ جو ذرا ذرا سی بات پر مہنگائی کا رونا روتا ہو اس نے کسی اور کو بھ... ہے۔" وہ جلتی کلتی بلند آواز میں کہتی۔

ان دنوں زمیلہ کے نخرے اٹھانا۔ حریم کو اپنے اختیار سے باہر محسوس ہوتا تھا۔ خیر سے امید گ... بس نہیں چلتا تھا۔ بیٹی کو جلاد قسم کی ساس کے چنگل سے آزاد کر کے اپنے پاس ہی لے آتیں۔ نو... سے پہلے زمیلہ کے بے حد اصرار پر اسے ماں کے گھر چھوڑ گیا تھا اور امی تو پورے نو مہینے اسے اپ... رکھنے کی خواہشمند تھیں۔ مگر مجبوراً انہیں خاموشی اسی لئے اختیار کرنا پڑی تھی کہ زمیلہ کی ساس نے پہ... دیا تھا۔

"ہمارے ہاں رواج ہے۔ پہلا بچہ میکے میں ہوتا ہے۔" امی اپنا سا منہ لے کر چپکی بیٹھی رہ گئیں۔

"خرچہ بچانے کیلئے سارے رسم و رواج یاد ہیں۔" امی کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

"دنیا کا یہی دستور ہے۔" زمیلہ نے ناگواری سے کہا۔

"سب کو ایک ہی لائن میں کھڑا نہ کرو۔ تمہاری سسرال کے طور طریقے نئے ہیں۔ ہمارے ہا... اپنے باپ کے گھر ہوتا ہے۔ میکے والے توفیق کے مطابق جو مرضی بعد میں بیٹی کو دیں دلائیں۔"

"تو میں نہیں آؤں گی یہاں۔" زمیلہ کی آنکھیں آناً فاناً جل تھل ہو گئیں۔

"اپنی طرف سے کوئی کمی کی نہیں تھی۔" امی کی آواز دھیمی پڑ گئی۔

"پھر بھی باتیں تو مجھے سننی پڑتی ہیں۔"

"ایسا بھی کیا لالچ۔" امی کو غصہ آ گیا۔

"ہر کوئی آپ کی طرح نہیں۔ ایک کنگلے افسر کی بیٹی بیاہ لائیں۔ لوگ تو اونچے گھرانے کی... چانس کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ادھر خوش قسمتی ہاتھ باندھے آپ کے دروازے پر کھڑی تھی۔ میری بات نہیں مانی آپ نے۔ ورنہ ہمارا بھی معیار بہت اعلیٰ ہوجاتا۔ چار لوگوں میں عزت ہوتی۔ اٹھا کر لے آئیں گلی کے گند کو۔" زمیلہ نخوت سے سر جھٹکے کہہ رہی تھی۔

"بکواس مت کرو۔" انہوں نے ناگواری سے زمیلہ کو ٹوکا۔

"آج تو سننا پڑیں گی میری باتیں۔ کچھ غلط نہیں کہہ رہی۔" وہ خودسری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"حریم سن لے گی' بک بک نہ کر۔" ان کی آواز دبی دبی تھی۔

"سنتی ہے تو شوق سے سنے۔ مجھے پروا نہیں۔"

"تجھے پروا نہیں مگر مجھے تو ہے۔"

"آپ کرتی رہیں خوشامدیں۔" زمیلہ زہرخند ہوئی۔

"خاموش ہوجا۔ ماہیر اپنے کمرے میں ہے' سن لے گا۔" امی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ بیٹے سے اچھا خاصا ڈرتی تھیں۔

"انہیں تو سنانا چاہتی ہوں۔ کسی کا دل توڑا ہے انہوں نے اسی کی سزا بھگتیں گے تمام عمر۔"

"زمیلہ!" انہوں نے غصے کے عالم میں اس کا بازو جھنجوڑا۔

"بکواس نہ کرو۔"

"بولنے دیں مجھے۔" وہ بازو چھڑوا کر تلخی سے بولی۔

"نازش سے دکھ سکھ کہنے کا مزا تو چکھ لیں۔"

"کون سے دکھ سکھ۔" امی نے ہونق پن سے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔

"ہمارے خلاف سازشیں کرنے کا۔ ایسے ہی تو وہ ماں بیٹی گیت نہیں گاتیں' حریم بھابی کے۔"

"حریم نے کچھ کہا ہے؟"

"کچھ نہیں بہت کچھ۔"

"پھر بھی کیا؟" انہوں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"ناظم کی شادی میں گھر کی باتیں انہیں بتاتی رہی ہیں۔" زمیلہ نے انکشاف کیا۔

"کون سی باتیں۔" امی جھنجلائیں۔

"یہی کہ ہم نے اپنی طرف کا زیور بھابی سے ہتھیا لیا تھا۔" زمیلہ کا لفظ لفظ زہر میں ڈوبا تھا۔

"تو پھر۔"

"انہوں نے میرا زیور نازش کیلئے لے کر رکھ لیا ہے۔" اصل صدمے کا راز معلوم ہوگیا تھا' الزامات کی بوچھاڑ حریم بیچاری پر ہی نہیں تھی۔ خدا گواہ تھا ان لوگوں تک یہ "راز" حریم کے توسط سے نہیں پہنچا تھا۔ پھر یہ بتانے والی بھی نہیں تھی۔ حریم نے کون سا کسی پر احسان کیا تھا۔ محض ماہیر کا بوجھ بٹانے کی خاطر وہ تمام زیور زمیلہ کو دے چکی تھی۔

"حریم نے انہیں بتایا ہے۔" امی کو یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔" وہ وثوق سے بولی۔

"کب؟"

"شاید ولیمے کی شام۔"

"مگر حریم تو صرف آدھے گھنٹے کیلئے گئی تھی۔ بخار میں پھنک رہی تھی۔ کھانا کھائے بغیر ماہیر اور حریم چلے گئے تھے۔" امی کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگیں۔

"آپ کو خاک پتا چلنا تھا۔ لوگ اشاروں سے بھی بات کرسکتے ہیں۔"

"پھر وہی بات۔" امی کو غصہ آ گیا۔

"حریم میرے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔"

"اچھا۔" زمیلہ کچھ پل کیلئے خاموش ہوگئی۔

"پھر ان تک یہ بات کیسے پہنچی۔"

"مجھے کیا پتا۔" وہ چڑتے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔

یہ انہی دنوں کی بات تھی۔ گرمی اپنے زوروں پر تھی۔ جون کا آخری عشرہ تھا۔ بارہ بجتے ہی سورج سوا نیزے پر پہنچ جاتا تھا۔ چھتیں اور دیواریں گویا آگ اگل رہی تھیں۔ امی سارا دن اے سی لگے کمرے میں دبکی رہتیں۔ حریم' ناشتہ' کھانا کمرے میں پہنچا آیا کرتی تھی۔ صرف امی کے کمرے میں اے سی کا یو پی ایس کا کنکشن بھی نچلے حصے میں تھا۔ گرمی اور حبس زدہ روکھے پھیکے یہ دن بڑی ست رفتاری سے بسر ہو رہے تھے۔

ایسی ہی جلتی' تپتی دوپہر میں بکھری بکھری سی زمیلہ چلی آئی۔ حریم کا دل گویا دھک سے رہ گیا۔ سوجی آنکھیں' الجھے بال' بکھرا بکھرا سراپا۔ راحت بیگم کے دل پر گویا آرے چل گئے۔

"زمیلہ! تم۔" ان کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر لفظ ادا ہوئے۔

"میری بیٹی! کیا ہوا۔"

"نہیں ہوں میں آپ کی بیٹی۔" وہ غصے سے گویا پھٹ پڑی۔

"بیٹی ہوتی تو یوں کان سے پکڑ کر رخصت نہ کردیتیں۔ مجھے سسرال میں ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔ وہ کمینی مجھے طعنے دیتی ہے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے سب کو گویا مٹھی میں دبا لیا ہے۔ مجھے کچن میں نہیں دیتی۔ کسی چیز کو ہاتھ لگانے نہیں دیتی۔ بات بہ بات طنز کرتی ہے' کوئی اس کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اس امیرزادی کا دل دکھانے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔

"تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے۔ فرحت نے یا اماں بی نے۔" امی نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر تم اس طرح کیوں آئی ہو۔"

"خود چلی آئی ہوں۔ نہیں رہا جاتا مجھ سے ایسے ماحول میں۔" وہ پھنکار کر بولی۔

"تجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" راحت بیگم نے بیٹی کو سمجھانا چاہا تھا' مگر وہ یکدم بھڑک کر چیخی۔

"اگر مجھے بھی کوئی مکان' فلیٹ جہیز میں دیا ہوتا تو یہاں نہ آتی۔ فری کی طرح کر دفر سے کے نیچے چلی جاتی۔ کیا دیا ہے آپ نے مجھے' بہت بھاری تھی میں۔ ایسے بوجھ کی طرح اتار پھینکا کے سامان سے گھر بھر دیا تھا۔ جس کی کسی نے قدر نہیں کی۔ اٹھا کر کاٹھ کباڑ کی طرح پھینک دیا کر بے حال ہو رہی تھی۔ جبھی ایک ٹھہری' رواں بھاری آواز سن کر اس کا دل پوری جان سے کانپا لمحہ بھر کیلئے رک سا گیا۔

"یہ مکان قانونی طور پر تمہارے نام کردیا ہے زمیلہ! ایک ہفتے تک میں یہاں سے شفٹ کرجاؤں گا' چاہے تو اسے بیچ دینا' چاہے یہاں آ کر قیام کرلینا۔ تمہارے باپ کا یہ مکان 60 لاکھ کی مالیت کا ہے۔" وہ چہرہ پھیرے چلتا ہوا' سیڑھیاں اتر آیا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ زمیلہ کے سر پر ٹھہر گیا۔

"کبھی آج کے بعد یہ بات نوک زبان پر مت لانا زمیلہ۔ تمہارے بھائی نے رزق حلال کا ایک ایک پیسہ بچا کر تیرے لئے چھوٹی سے چھوٹی چیز خریدی تھی۔ اس کاٹھ کباڑ میں ماں کی محبت' ممتا اور خوابوں کے رنگ چڑھے ہیں۔ یہ رنگ کبھی ہلکے نہیں پڑیں گے' چاہے وہ لکڑی کا بے کار مال کتنا ہی بوسیدہ کیوں نہ ہو جائے۔ ایک ایک چیز کو دوسروں کی نظروں سے نہیں' اپنے دل کی نگاہ سے دیکھنا' کچھ بھی فضول اور سستا نظر نہیں آئے گا۔ ہر شے میں تجھے محبت کے سوتے پھوٹتے دکھائی دیں گے۔"

"بھائی۔" زمیلہ کو لگا وہ آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب رہی ہے۔ ابھر رہی ہے' کوئی اس طرح بھی ہوتا ہے؟

............*

"ہے نی! کہاں جا رہی ہو؟" فلیٹ کی گلاس ونڈو کھولے مونیکا سیلر ہاتھ کے اشارے سے بلا رہی تھی۔ ہنی کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ وہ مارکیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ مگر مونیکا کو دیکھ کر واپس آ گئی۔ ان دنوں وہ بے حد تنہائی محسوس کر رہی تھی۔ اس اجنبیوں کے دیس میں وہ اکیلی ہی تو تھی۔ رشتوں کے معاملے میں وہ واقعی مفلس تھی اور دوستوں کے معاملے میں بالکل قلاش اور اب یہاں پر مونیکا اور شیری کے علاوہ کسی تیسرے کے ساتھ اس نے جان پہچان کا تعلق نہیں بنایا تھا۔

"مارکیٹ تک جا رہی تھی۔ تم کچھ منگواؤ گی؟" وہ گلاس ونڈو کے قریب آ رکی تھی۔

"نہیں' تم اندر آ جاؤ نا۔ میں اکیلی ہوں۔ کچھ بات کرلیتے ہیں۔" مونیکا کی آنکھوں میں التجا تھی۔ وہ بھی ہنی کی طرح تنہائی کی ماری ہوئی تھی۔ بے چاری بے اولاد تھی۔ اب تو بیوہ بھی ہوچکی تھی۔ پچاس کے لگ بھگ عمر تھی اس کی۔ ہنی کو مونیکا کے علاوہ کسی اور سے بات چیت کرنا پسند نہیں تھا۔ وہ بہت اچھی اور بے تحاشا مذہبی تھی۔ بلکہ کٹر قسم کی مذہبی تھی۔ ہنی کو اس کی کمپنی پسند تھی۔ اکثر جب شیری اپنا شوق پورا کرنے شہر سے باہر چلا جاتا تو وہ اپنا فارغ وقت مونیکا کے ساتھ گزارنا پسند کرتی تھی۔

اس نے مارکیٹ جانے کا پروگرام ملتوی کردیا اور وہ مونیکا کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کیلئے اندر آ گئی۔ مونیکا بے اختیار کھل اٹھی۔ اسے ہنی کی فرمانبرداری بہت بھاتی تھی۔ ہنی بحث و تکرار میں نہیں الجھتی تھی۔ وہ بحث مباحثہ نہیں کرتی تھی۔

"ہنی! تمہارے لئے کیا لاؤں۔" مونیکا نے خوشدلی سے پوچھا۔ وہ ایک بہت اچھی میزبان بھی تھی۔ ہنی نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا دیا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ نہیں' کیا شیک پیو گی؟"

"کچھ نہیں۔" وہ کبھی بھی بہت خوش خوراک نہیں رہی تھی اور اس وقت عجیب سی کربناک سوچوں

کے زیر اثر اور بھی بے زار بے زار تھی۔

''ہنی! ایک بات پوچھوں۔'' وہ پھر سے ہاتھ میں پکڑی کتاب کھول کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ کتاب کے درمیان اس نے قلم رکھ دیا تھا۔ اس کی نظریں ہنی کے بجھے بجھے چہرے پر تھیں۔

''پوچھو۔'' وہ کھلی ہوئی کھڑکی کے پار اجنبی اور سرد منظر کو دیکھ رہی تھی۔

''تم اس قدر اداس کیوں ہو؟ جب بھی تمہیں دیکھتی ہوں' پھولوں کی پتیوں پر اتری اوس کا خیال آتا ہے' یوں لگتا ہے پھولوں کی پتیاں آنسو بہا رہی ہیں اور تم بھی ایسی ہی دکھتی ہو نم نم سی۔''

''جب دل روتا ہے تو آنکھ خود بخود روتی ہے۔'' ہنی گہری افسردہ سانس کو گرم ماحول کے سپرد کرتے ہوئے بولی۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں ہنی! دل بھلا کیوں روتا ہے؟'' مونیکا کی آواز میں محسوس کی جانے والی اپنائیت تھی۔ اسی لئے تو ہنی اکثر اپنے دل کے ''راز'' اس سے شیئر کر لیتی تھی۔

''دل اس وقت روتا ہے جب محبت روگ لگاتی ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''کیا تم نے کسی سے لو کیا؟'' مونیکا کا انداز جھجک لئے ہوئے تھا۔

''ہاں۔''

''اور وہ کہاں ہے؟''

''میرے دل میں۔'' وہ اداسی سے مسکرا دی۔

''کیا تم نے کسی سے لو کیا۔'' اب وہ مونیکا سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں۔'' مونیکا بھی مسکرا دی۔

''اور وہ کہاں ہے؟''

''بہت دور۔'' اس کی آنکھیں پرنم سی تھیں۔

''پھر بھی کہاں؟ کیا وہ مر چکا ہے؟'' ہنی نے اندازہ لگایا۔

''نہیں' وہ زندہ ہے۔'' وہ شاید ماضی کے کسی منظر سے پیچھا چھڑانے لگی۔

''تم دونوں کی شادی نہیں ہو سکی؟''

''نہیں۔''

''مگر کیوں؟''

''وہ کسی اور سے لو کرتا تھا۔ وہ اس کی کزن تھی۔ ان دونوں نے شادی کر لی۔ ایوڈ بہت اچھی زندگی گزار رہا ہے۔'' مونیکا نے نچلے لب کا کونا دانتوں تلے دبا لیا۔

''اور تم کسی اور سے شادی کر کے خوش تھیں۔'' ہنی کا لہجہ عجیب سی تلخی لئے ہوئے تھا۔

''تم نے اس کو پانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔''

''ہاں' میں نے بھی ایک اچھی زندگی گزاری ہے۔'' مونیکا سچ کہہ رہی تھی۔ مگر ہنی کے ... ہو گئے تھے۔

''تم نے میرے نزدیک منافقانہ زندگی گزاری ہے۔ محبت کسی اور سے شادی کسی اور سے۔ اس میں ... قصور نہیں' جس سوسائٹی کا تم لوگ حصہ ہو وہاں یہ باتیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔''

''نہیں' میں سیلر کے ساتھ مخلص تھی۔ میں نے اس سے محبت بھی کی۔ ہم نے ایک ساتھ بہت اچھا ... گزارا۔ شاید اس لئے کہ وہ بھی میری طرح سے مذہبی تھا۔'' مونیکا نے دھیمے لہجے میں وضاحت کی۔

''تو پھر تمہیں ایوڈ سے محبت نہیں ہو گی۔ بس وقتی پسندیدگی کو تم نے محبت کا نام دیا ہے۔'' اس کا لہجہ اب بھی تلخی لئے ہوئے تھا۔

''مجھے اس سے محبت تھی مگر شادی کے بعد میری وفائیں سیلر کے نام تھیں۔ میں ایوڈ کو دل میں رکھ کے گنہگار نہیں ہونا چاہتی تھی۔'' مونیکا اس کے لہجے کی تلخی پر قطعاً برا نہیں منا رہی تھی۔

''گناہ اور ثواب کی تمہارے نزدیک کیا اہمیت ہے؟'' ہنی کچھ چونک گئی۔

''کیا چیز نیکی اور بدی کی طرف مائل کرتی ہے؟''

''انسان کو نیکی اور بدی کے راستے پر ڈالنے والی اہم خواہش اس کا نفس ہے' جس کا نفس قابو میں رہا ... گناہ سے بھی بچتا رہا اور ظلم سے بھی۔''

''ظلم سے کیا مراد؟''

''گناہ وہ تھا جو میں سیلر کے ساتھ رہتے ہوئے ایوڈ کو یاد کرتی اور ظلم یہ تھا کہ میں ایوڈ کو پانے کیلئے گمراہ ہو جاتی۔'' مونیکا کی آواز میں بلا کی مٹھاس تھی۔

''گمراہ؟ مگر کیسے؟'' ہنی حیران تھی۔ مونیکا کی باتیں اسے اسی طرح سے حیران کر دیتی تھیں ہمیشہ۔

''مجھے اللہ نے گمراہ ہونے سے بچا لیا۔ جیسے ایشیا میں جادو ٹونے کا رواج بہت پرانا ہے۔ اسی طرح ... میں بھی اس کی جڑیں اپنی جگہ بنا رہی ہیں۔ یہ گمراہی تھی کہ میں ایک غلط راہ کا انتخاب کر لیتی۔ حالانکہ ... میری فرینڈز اکساتی بھی رہی تھیں تاہم میں نے ہمیشہ گاڈ سے ہی رجوع کیا ہے۔'' اس کا انداز سچ پر ... تو مگر ہنی کچھ الجھ سی گئی۔

''تو پھر گاڈ نے تمہیں وہ سب کچھ دے دیا' جس کی تمہیں چاہ تھی؟''

''... میں نے چاہ کی تھی اس کا ساتھ شاید میرے لئے بہتر نہیں تھا' اسی لئے وہ مجھے نہیں ملا۔'' وہ صبر کی نجانے کون سی کہانی سنا رہی تھی۔

''یہ کیسا صبر ہے۔'' ہنی کی آواز تھکی تھکی سی تھی۔

''مجھے بھی ... ایسا ہی صبر چاہیے۔''

''کیا تم نے صبر اور شکر کی طلب کی ہے کبھی؟''

''نہیں۔'' اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہل گیا۔

''تو پھر یہ چیزیں تمہیں کیسے مل سکتی ہیں۔'' وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

''مجھے ان کی چاہ بھی نہیں۔'' اس کا لہجہ اکھڑ گیا۔

''مجھے جس کی طلب ہے اللہ مجھے نہیں دیتا۔''

"وہ ضرور نوازتا ہے بس طلب سچی ہونی چاہئے۔"

"سیلر تمہاری ساتھ خوش تھا۔" ہنی بات بدل گئی۔ اس کا دل ایک دم ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا' وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"ہاں بہت۔ وہ دنیا سے جب گیا تو مجھ سے بہت راضی تھا' اسے کوڑھ کی بیماری تھی اور میں نے اس کی بہت خدمت کی تھی۔"

"تم نے کبھی اس سے کراہیت محسوس نہیں کی؟" ہنی کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

"نہیں۔ میں اسے خود نہلاتی تھی' صاف ستھرا کرتی۔ اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی۔" سیلر کی یاد نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا۔

"کیا وہ خوبصورت تھا۔"

"دنیا کی نظر میں شاید وہ ایک بدصورت آدمی تھا' تاہم میرے لئے وہ بہت پیارا' بہت اچھا تھا۔" اس کی آواز میں پیار ہی پیار تھا۔ ہنی کو پھر سے حیرت ہوئی۔ وہ مونیکا کے پاس آ کر ہمیشہ حیران ہی ہوتی تھی۔

"سیلر کے بعد تم نے شادی نہیں کی؟" ہنی کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس دل نہیں مانا۔ حالانکہ ایوڈ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔ ہنی کو بے چینی لاحق ہوئی۔

"کیا ایوڈ؟"

"کچھ نہیں۔" مونیکا شاید بتانا نہیں چاہتی تھی۔

"پلیز مونی! بتاؤ نا۔" ہنی نے اصرار کیا۔ ویسے بھی وہ بلا کی بے صبری اور ضدی تھی۔

"ایسا کچھ بھی تو نہیں۔" مونیکا کی آواز نجانے کیوں بوجھل ہو گئی۔

"تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔" وہ اداس ہو گئی تھی۔

"ایکچوئلی! سیلر کے بعد ایوڈ نے مجھے اپنانا چاہا تھا' مگر میں نے انکار کر دیا۔"

"انکار؟ مگر کیوں؟" ہنی بے چین ہو گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا گویا مونیکا نے ایک احمقانہ فیصلہ کیا تھا۔

"بس میرا دل راضی نہیں تھا۔"

"پھر بھی۔ تم نے اپنی محبت کو ریجیکٹ کر دیا۔ کیا اس لئے کہ ماضی میں ایوڈ تمہیں ریجیکٹ کر چکا تھا؟" ہنی کا سوال کافی چبھتا ہوا تھا۔

"نہیں' ایسی بات نہیں۔" مونیکا نے بغیر برا مانے تردید کی تھی۔ ویسے بھی اسے غصہ بہت کم بلکہ سرے سے آتا ہی نہیں تھا۔ ہنی تو اسے بہت کچھ تلخ ترین بھی کہہ سن لیتی تھی' مگر مجال تھی جو اس کی پیشانی پر سلوٹ نمودار ہو جاتی۔

"مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں سیلر کے ایثار اور پیار کو بھلا نہ پاؤں گی اور میں ایوڈ کے ساتھ مخلص

نہ ہو سکوں گی' اسی لئے۔" وہ کچھ بیمار تھی۔ زیادہ بولنے سے اس کا سانس پھول جاتا تھا' مگر وہ پھر بھی بہت ... ہنی کی ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔

"مگر مجھے تمہارا فیصلہ احمقانہ لگ رہا ہے۔" ہنی کی ایک عادت بہت پختہ ہو چکی تھی۔ وہ کھل کر اپنی ... کا اظہار کر دیتی تھی۔ اگرچہ اس کی بات مقابل کو بری لگتی یا بھلی۔

"شاید۔ یہ تمہارا اپنا نقطہ نظر ہے۔" مونیکا ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"اگر تم ایوڈ سے شادی کر لیتیں تو آج تنہا نہ ہوتیں۔" ہنی نے تاسف سے کہا۔

"تنہائی میرے نصیب میں لکھی تھی اور مجھے تنہا ہی رہنا تھا۔" وہ اپنا انہیلر تلاش کر رہی تھی۔ قریبی میز ... پر ... سیرپ اور دوائیاں رکھی تھیں وہ استھما کے مرض میں مبتلا تھی اور یہ مرض بھی جدائیوں اور تنہائیوں کا ... لگتا تھا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟"

"بس زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔" مونیکا پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی' ہنی کچھ دیر مزید ... پھر اٹھ کر باہر نکل گئی۔ اسے مارکیٹ جانا تھا مگر اس کی طبیعت بہت بوجھل ہو گئی تھی سو وہ واپس پلٹ ...

............*

... جس روڈ پر روزانہ واک کرتی تھی اس روڈ کے آخری سرے پر چرچ کی عمارت تھی' یہ عمارت بہت ... تھی۔ اس بلاک کے سبھی لوگ اس چرچ میں عبادت کیلئے جاتے تھے۔ مونیکا بھی تقریباً اسی وقت یہاں ... تی تھی۔ پہلی مرتبہ مونیکا سے اس کی ملاقات بھی اسی جگہ پر ہوئی تھی۔

... معمول کے مطابق عبادت کیلئے جا رہی تھی جب بینچ پر بیٹھی اس اداس آنکھوں والی لڑکی کو دیکھ کر ... نجانے کون سی کشش تھی جو مونیکا کو اس لڑکی کی طرف کھینچ لائی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتی اس کے ... ہو گئی۔ ہنی اس کی موجودگی کے باوجود بھی چونکی نہیں تھی۔ اس کی سوچ ہی اتنی گہری تھی کہ وہ اس ... سے نکل ہی نہیں پائی۔

"... گرل!" مونیکا کو عجب سے تاسف نے گھیر لیا۔ ہنی اب کے واقعی چونک بھی گئی تھی۔

"... ہو تم؟" اسے اپنی سوچوں تک میں کسی کی مداخلت پسند نہیں تھی۔

"میں مونیکا ہوں۔ تمہارے پڑوس میں رہتی ہوں۔ یہاں سے گزر رہی تھی' تمہیں دیکھ کر رک گئی۔" ... سادگی سے وضاحت کی تھی۔ وہ سوالیہ نظروں سے مونیکا کی طرف دیکھ کر رکنے کی وجہ پوچھ رہی ...

"تمہارا چہرہ اچھا لگا تھا' اسی لئے رک گئی۔"

"... ہے۔" ہنی حیران ہوئی۔

"بھلا اس چہرے میں کیا خاص بات ہے۔"

"... چہرے کی اداسی! ان آنکھوں کی ویرانی تمہارے ساتھ کیا ہوا پیاری لڑکی۔" اس کا بے تکلفانہ

انداز ہنی کو کچھ بھایا نہیں تھا۔
"میرے ساتھ کیا ہونا ہے۔" وہ اتنی آسانی کے ساتھ کسی پر کھلتی کہاں تھی۔
"تم کون ہو؟ اور کہاں جا رہی تھیں؟" وہ بےزاری سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔
"میں ایک بیمار عورت ہوں۔ ابھی تو عبادت کیلئے جا رہی ہوں' واپسی پر سٹور سے دوا لوں گی۔" مونیکا نے ایک دفعہ پھر سے سادگی بھرے انداز میں کہا۔
"عبادت کیلئے۔" ہنی چونکی۔
"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تم مسلمان ہو؟"
"نہیں۔"
"او۔ تو کرسچین ہو' چرچ جا رہی ہو۔" ہنی گویا سمجھ گئی تھی۔
"ہاں۔"
"کیا روزانہ جاتی ہو؟" ہنی غیر محسوس طریقے سے اس کے ساتھ باتوں میں الجھ گئی تھی اور ا... فرصت کے عالم میں اس کے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔
"ہاں۔"
"اس وقت۔" ہنی نے سوچتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔"
"پھر تو مجھے بھی تم روزانہ یہاں دیکھتی ہوگی؟" سوچ سوال بن گئی تھی۔
"ہاں' تقریباً روزانہ۔"
"عبادت کے بعد دعا میں کیا مانگتی ہو۔" اس نے ایک عجیب سا سوال کر دیا تھا۔ دراصل ہ... بہت اچھی لگی تھی اور یکا یک اس سے گفتگو طویل کرنے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ پہلی مرتبہ... ملک میں وہ کسی اجنبی عورت سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس بات پر وہ خود بھی حیران تھی۔
"دعا میں سکون مانگتی ہوں۔"
"تو کیا سکون ملتا ہے؟" ایک اور عجیب سوال۔
"ہاں' ملتا ہے۔"
"مجھے بھی سکون کی تلاش ہے۔ کیا میرے لئے بھی سکون مانگ دو گی۔" وہ تھکی تھکی آواز...
"تم خود اپنے لئے سکون مانگو۔ مجھے امید ہے' تمہاری طلب کو پورا کیا جائے گا۔"
"نہ طلب پوری ہوتی ہے نہ چاہ۔" وہ ایک انگریز عورت سے بہت عجیب سوال کر ر...
انگریز عورت بھی بہت عجیب تھی۔ عجیب سوالوں کے عجیب جواب دیتی تھی۔
"کیا پتا' طلب اور چاہ پوری کی جانے والی ہی نہ ہو۔" وہ بغیر مسکرائے بولی۔
"تو پھر تمہاری کیوں پوری ہوتی ہے؟ اس لئے کہ تم عیسائی ہو۔" اس کا سوال اور بھی...

لئے کہ میں دکھ پر صبر کر لیتی ہوں اور سکھ پر شکر۔ یہ اچھی دوا ہے مگر ذائقے میں بہت
"نہیں۔ اس لئے...
...ہے' وہ مسکرا دی تھی۔
"ہاں تم نے ٹھیک کہا۔" ہنی نے تائیدی آواز میں سر ہلایا۔
"تم اب چرچ جاؤ گی۔"
"ہاں۔"
"کیا میں تمہارے ساتھ چلوں۔" نجانے کیا سوچ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں فورس تو نہیں کر سکتی۔" اس نے قدم آگے کی طرف بڑھا دیئے۔
"میں چلوں گی۔" وہ اس کے برابر چلنے لگی تھی۔ نجانے کیوں مونیکا کی رنگت چرچ کی عمارت دیکھ کر ...گئی تھی' مگر پھر بھی وہ قطار میں شامل ہو گئی تھی۔ عورتیں مقدس گیت گا رہی تھیں' مگر مونیکا کے ہونٹ بالکل ساکت تھے۔ یوں لگ رہا تھا گویا سوئی کے ساتھ ہونٹوں کو سی دیا گیا ہے۔
جب دعا کیلئے کہا گیا تو ایک نن ٹائپ کی عورت اس کے قریب آ کے بیٹھ گئی۔
"تم بھی دعا مانگ لو۔"
"کیا مانگوں۔" ہنی کا ذہن صاف سلیٹ کی مانند ہو گیا تھا۔
"کچھ بھی مانگ لو۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔
"پھر بھی کیا؟" ہنی کو بھول گیا تھا کہ اسے کچھ مانگنا بھی تھا۔ حالانکہ آج سے پہلے وہ پوری پوری ...نگنے کیلئے کھڑی ہوتی تو صبح کی سپیدی تک کھڑی رہتی۔
"تمہیں آج پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔" اس نن کا نام میری تھا اور وہ مونیکا کی اچھی دوست تھی' مگر ان ...دونوں ایک دوسرے سے دور دور تھیں' نجانے کیوں؟
"ہاں میں پہلی مرتبہ آئی ہوں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔
"تم کس کتاب کی پیروکار ہو؟" میری نے کچھ دھیمے لہجے میں رازداری سے پوچھا تھا۔
"کیا مطلب؟" وہ سمجھی نہیں تھی۔ ایک دم اسے عجیب سی گھبراہٹ نے گھیر لیا تھا۔ وہ یہاں سے ...جانا چاہتی تھی۔
"جیسا کہ عیسائیت انجیل کے دم سے ہے' جیسے یہودیت' تورات سے ہے۔
"جیسا کہ اسلام القرآن کے دم سے ہے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔" ہنی کی ...مضبوط تھی۔ جذبات کی حدت سے ہنی کے رخسار تپ گئے تھے' وہ اس کے سوال کا مطلب سمجھ گئی

"تو تم مسلمان ہو۔" میری کا لہجہ اور انداز بدل گیا۔
"ہاں۔" وہ بغیر کسی خوف اور جھجک کے بولی۔
"اچھا۔" میری کھسیانی سی ہو گئی تھی۔
"سنو ایک بات کہوں؟"

"ہاں۔ کہو۔" وہ مونیکا کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

"سب سے زیادہ پیروکار رکھنے والا مذہب پتا ہے کون سا ہے؟" میری کی آواز بالکل پرجو
تھی۔

"وہ کچھ نہیں بولی تھی بلکہ اس کا میری کی باتوں کی طرف دھیان ہی نہیں تھا۔

"پیروکاروں کی تعداد کے لحاظ سے عیسائیت دنیا کے مذاہب میں سرفہرست ہے۔ دنیا میں
پیروکار بہت ہیں۔" میری نجانے اس پر کون سی بات کا رعب جمانا چاہتی تھی۔ وہ کون سا اس کی طرف
تھی۔ اس کا دل تو عجیب سی گھٹن کا شکار تھا۔ نجانے کب مونیکا چپکے سے ان کے قریب آگئی تھی۔

"عیسائیت کے پیروکار زیادہ ہیں۔" میری کے لہجے میں فخر تھا۔

"اسی لئے یہ معاشرہ تباہی کے دہانے پہ کھڑا ہے۔ نہ یہ رہنما چاہتے ہیں' نہ انہیں کسی رہ
ضرورت ہے اور نہ ہی انہیں کوئی "رہنما" چاہئے۔ یہ لوگ آسان راہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ جہاں ر
دیکھ لیں' وہیں راہ بدل لیتے ہیں۔" مونیکا کی آواز میں عجیب سی کاٹ تھی۔

"مونی! چلیں۔" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"دعا نہیں مانگو گی؟" میری پھر سے اسے گھیرنا چاہتی تھی۔

"کم از کم اس جگہ بیٹھ کر نہیں۔"

"تم بائبل کو پڑھو تو سہی۔" میری اسے روکنا چاہتی تھی۔

"اس کے پاس قرآن ہے اور قرآن جامع ہے کاملیت رکھتا ہے۔" مونیکا کی سرد سی آواز
چونکا دیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" مونیکا' ہنی سے تصدیق چاہ رہی تھی۔

"ہاں' بالکل ٹھیک۔" ہنی کھل کر مسکرا دی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ چرچ میں داخل ہونے
اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ وہ ان راہوں پر بھٹکنا نہیں چاہتی تھی' سوائے
تھا۔

"تم نے کبھی دعا مانگی۔" مونیکا واپس جاتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔ وہ کھلی فضا میں

"ہاں' بہت دفعہ۔ میری تو پوری زندگی ایک دعا کے گرد گھوم رہی ہے۔" وہ
سانس لے رہی تھی۔

"مگر میری "دعا" نے قبولیت کا درجہ نہیں پایا۔"

"تو کیا تم نے دعا مانگنا چھوڑ دیا۔"

"نہیں۔ اگر اس "دعا" کو ترک کر دیا تو میرے لئے زندگی میں کچھ نہیں بچے گا۔"
دھیرے ٹہلنے کے سے انداز میں چل رہی تھیں۔

"مجھے بھی دعا مانگنا اچھا لگتا ہے۔"

"اور تم دعا میں کسے مانگتی ہو؟" ہنی نے کچھ ٹھٹک کر مونیکا کی طرف دیکھا تھا وہ بغیر

نمی۔ "کسی کو بھی نہیں۔" وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔

"تو پھر خالی ہاتھ اٹھاتی ہو۔" مونیکا کی کچھ باتیں اسے الجھا کر رکھ دیتی تھیں۔

"نہیں' خاتمہ بالخیر مانگتی ہوں۔ دعا کرتی ہوں کہ کسی کو میری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ میں کسی
کو ٹھیس نہ پہنچاؤں۔" وہ نم آواز میں کہتی چلی گئی تھی۔

"اور کوئی تمہارے دل کو بے شک توڑ پھوڑ دے؟" ہنی نے اکھڑے انداز میں پوچھا۔

"وہ اس کا اپنا عمل ہوگا۔"

"تم بھی کمال کی چیز ہو۔ بہت عجیب بلکہ عجیب تر۔" ہنی نے سر جھٹک کر کہا۔

"تم جو بھی سمجھ لو۔" مونیکا نے بغیر برا مانے کہا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ میری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ ویسے مجھے چرچ جا کر اچھا نہیں لگا۔" وہ اپنے
من آئی بات کبھی چھپا نہیں پاتی تھی۔

"اور مجھے بھی۔" مونیکا دھیمی آواز میں بولی تھی' یوں کہ ہنی بمشکل ہی سن پائی۔

"تمہیں کیا اچھا نہیں لگا۔" وہ ٹھٹک کر پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔" وہ ٹال گئی تھی۔

"پھر بھی...... بتاؤ نا۔" ہنی بضد ہوئی۔

"بس ایسے ہی۔" مونیکا دائیں بائیں سر جھٹک رہی تھی۔

"تم بتانا نہیں چاہتیں۔" ہنی بددل سی بولی۔

"مجھے بھی تمہاری طرح چرچ میں جانا کبھی اچھا نہیں لگتا۔" مونیکا کہہ کر رکی نہیں تھی بلکہ تیز تیز
قدموں سے چلتی ہوئی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی جبکہ ہنی گویا سن سی رہ گئی۔

............*

اسکیٹنگ کا کھیل ہنی کو کبھی پسند نہیں رہا تھا مگر وہ اس دلچسپ کھیل کو دیکھنے میں دلچسپی ضرور رکھتی تھی۔
نجانے لوگوں کو اس کھیل میں کیسا مزا آتا تھا۔ عجیب سی کھڑاؤں کو پہن کر برف پر پھسلنے کا خطرناک
کھیل۔ اس کھیل کا آغاز سکنڈے نیویا سے ہوا تھا۔ اس کا پہلا کلب انگلستان میں قائم ہوا اور شدید سرد
موسم میں کھیلا جاتا تھا۔
آج کل برفباری کے باعث اسکیٹنگ عروج پر تھی۔
مگر ہنی کی دلچسپی آج بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ بہت دیر تک سرد ٹھٹھرتے موسم کی سختی برداشت
کرتی رہی مگر جب ٹھنڈ ہڈیوں کے گودے میں گھسنے لگی تو وہ بے دلی سے اٹھ کر واپس چل دی۔ چرچ روڈ
سے گزرتے ہوئے اس کی نظر نے چرچ کی پرانی بلند و بالا عمارت کو دیکھا تھا' مگر نجانے کون سی قوت تھی جس نے
اسے اندر جانے سے روک لیا۔ وہ اندر جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ ایک "دعا" کے حصول کیلئے بہت سی
راہوں پر بھٹک رہی تھی' مگر ان راہوں کی طرف چلنے کی خواہش ہرگز نہیں تھی۔

جب وہ واپس لوٹی تو میڈ فینی نے پوچھا۔

''آپ کہاں تھیں میم!'' وہ کافی گھبرائی گھبرائی لگ رہی تھی۔

''آپ صبح سے غائب ہیں۔ سیل بھی آف تھا۔ ورنہ آپ کو اطلاع کر دیتی۔''

''کیا ہوا؟'' وہ کچھ انہونی کے خیال سے گھبرا اٹھی۔

''میم! مونیکا کی ڈیتھ ہوگئی۔'' فینی نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھسکا دی تھی۔

''کک' کب۔ کل تک تو وہ ٹھیک تھی۔'' ہنی کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔

''آپ کے گھر سے نکلنے کے کچھ دیر بعد۔'' فینی بھی افسردہ تھی اور یہ افسردگی عارضی تھی۔

''کیا اسے دفن کر دیا گیا ہے۔'' ہنی کے سینے سے ایک بوجھل بوجھل سانس آزاد ہوئی۔ اور ڈھے گئی تھی۔

''یس' اس کی موت کے ایک گھنٹے بعد اسے دفن کر دیا گیا تھا۔'' فینی نے کچھ بے زاری سے کچھ چونک گئی تھی۔ فینی کا لہجہ خاصا روکھا پھیکا سا تھا۔

''مجھے مونیکا کی موت کا بہت دکھ ہوا۔'' ہنی کی آواز بھرانے لگی۔

''وہ آپ کی فرینڈ تھی نا۔'' فینی نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔''

''پھر تو آپ اسے جانتی ہوں گی۔''

''ہاں۔'' وہ کافی اعتماد سے بولی تھی۔

''آپ اس کے بارے میں کیا جانتی ہیں۔'' فینی کا انداز کچھ عجیب تھا' پراسرار سا۔

''سب کچھ۔'' وہ ابھی تک صدمے کے زیر اثر تھی۔ فینی کے لہجے کے اتار چڑھاؤ کو کچھ نہیں

''آپ کچھ بھی تو نہیں جانتیں۔''

''کیوں؟'' وہ ٹھٹک اٹھی۔ فینی کے لہجے کے استہزا کو وہ اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی۔ کافی روکھا ہوگیا تھا۔

''آپ کو پتا ہے۔ مونیکا نے ایوڈ کے پلٹ آنے کے باوجود اسے کیوں ٹھکرا دیا تھا؟''

''نہیں تو۔'' اب کے وہ چونک اٹھی۔

''اس لئے بھی کہ وہ عیسائیت سے بے زار تھی۔ اس لئے بھی کہ وہ مذہب بدل چکی تھی۔ کہ اسے ایوڈ کی بیوی کی ''بددعاؤں'' سے ڈر لگتا تھا۔ وہ کسی کا دل اجاڑ کر اپنا گھر آباد نہیں کرنا حالانکہ اس کی محبت کی کشش نے ایوڈ کو پھر سے اس کے قریب کر دیا تھا' مگر وہ اسے اپنا کر اپنا سکون نہیں کھونا چاہتی تھی۔''

''مونیکا کیا مسلمان تھی؟'' اسے پہلے بھی شک سا تو گزرا تھا' تاہم اس سے پوچھنے آسکی۔

''ہاں' وہ اسلام قبول کر چکی تھی۔''

''مگر اس کا چرچ جانا۔ وہ کیا تھا؟'' اس نے الجھن بھری نظروں سے فینی کی طرف دیکھا۔

''وہ ارد گرد کے لوگوں کو دھوکہ دینا تھا۔ وہ اتنی جلدی مذہب کی تبدیلی کا اعلان نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی کچھ مجبوریاں اور مسائل تھے' مگر پھر اسے مہلت ہی نہیں ملی۔'' فینی نے اب بھی بے جان سے انداز میں کہا۔ فینی کو اسے مونیکا کا مسلمان ہونا پسند نہیں آیا تھا۔

''اس نے ایوڈ کو بھی اسی وجہ سے مایوس کر دیا تھا۔ وہ مسلمان تھی اور کسی عیسائی سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ پھر جب ایوڈ نے کہا کہ وہ بھی اسلام قبول کر لیتا ہے' مگر وہ پھر بھی نہیں مانی۔ وہ کہتی تھی پیار وہ ہی ہوتا ہے جو امر ہوجائے۔ تمہیں پالوں گی تو طلب ختم ہوجائے گی۔ تم نہ ملے تو محبت ہمیشہ کیلئے زندہ رہے گی' اسے ایوڈ کے بچوں کا بہت خیال تھا اور اس کی بیوی جو کہ ایوڈ کی شادی کا سن کر بیمار پڑ گئی تھی۔ مونیکا کو ان بچوں اور ان کی ماں کا بہت خیال تھا۔ وہ کہتی تھی کہ اگر ایوڈ اس کی طرف لوٹ آیا تو اس کا پورا گھرانہ تباہ ہوجائے گا۔ وہ انہیں تباہی سے بچانا چاہتی تھی۔ وہ ایک اچھی عورت تھی۔ آج کے دور میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے۔'' فینی خاموش ہوگئی تھی اور اسی خاموشی کے ساتھ وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ ہنی کو بھی خاموشیوں کے حوالے کر گئی۔

اسے مونیکا کے مرجانے کا بہت دکھ تھا۔ دنیا کی بھیڑ میں بہت پیاروں کو کھو دینے کے بعد وہ مونیکا کو پا رہی تھی۔ ایک اور کہانی اختتام پذیر ہوگئی۔ ایک اور محبت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

وہ مونیکا کی زندگی سے بہت متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے ان پہلوؤں کے بارے میں غور و فکر کر رہی تھی' وہ اسے سراہ بھی رہی تھی۔ مونیکا سراہے جانے کے لائق بھی تھی۔ اس میں بہت سی خوبیاں تھیں' مختصر سے عرصے میں ہنی پر اس کی خوبیاں منکشف نہیں ہو پائی تھیں۔

اس انگریز عورت کی زندگی ہنی کیلئے ایک مثال کی طرح تھی۔

مگر کیا ہنی نے اس باکمال' بے مثل عورت کی زندگی سے سبق حاصل کیا تھا؟

............*

گرمی کا زور سرشام چلنے والی ہوا سے کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ بالکونی میں رکھے سارے گملوں کے
سوکھ کر بے جان ہوگئے تھے۔ چرمرے سے پتے ہوا کے زور پر کھلی کھڑکی سے اڑتے ہوئے کر
آتے چلے گئے۔ حریم بے دم سی کمرے کے عین وسط میں بیٹھی تھی۔

پورا کمرہ بھاں بھاں کر رہا تھا۔

تمام فرنیچر اور ضرورت کی ساری اشیاء ایک ٹرک میں لوڈ کروا کر ماہیر نہ جانے کون سے مکان
رکھوا آیا تھا۔ حریم تو اس تمام عرصے میں ایک شاک کی کیفیت میں مبتلا رہی تھی۔ اسے زمیلہ کے والہ
جانے کا بھی پتا نہیں چلا تھا۔ ماہیر نہ جانے اسے کب چھوڑ آیا تھا۔ ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھ
زمیلہ نے بھائی سے کیا کہا۔ حریم تو بس اسے آنسو بہاتے دیکھتی رہی تھی۔ شاید وہ اس جذباتی کیف
نکل کر بھائی سے نظر ملانے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ گھبراتے' منمناتے اس نے ماہیر کو مکان کے کا
واپس کرنا چاہے تھے۔

"یہ مکان اب تمہارا ہو چکا ہے۔ میری طرف سے شاید سب سے قیمتی تحفہ' تمہارے بھائی کی
یہیں تک تھی۔ دل چھوٹا مت کرنا' میں پورے دل سے یہ مکان تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ تم خو
زمیلہ! آباد رہو' شاد رہو۔ میری بس یہی خواہش ہے۔" ماہیر اور بھی نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ حری
سماعتوں کے بہرہ ہو جانے پر شک گزرا تھا۔

کچھ دیر بعد مزدور ٹائپ کے کئی لڑکے گھر میں گھس آئے۔ سامان سمیٹ کر ڈبوں میں بند
تھا۔ آہستہ آہستہ پورا گھر خالی ہوتا چلا گیا۔

ماہیر شاید دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حریم کو اس کے قدموں کی ذرا سی آہٹ
نہیں دی۔ وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ رہا تھا۔

"حریم!"

"ہوں۔" حریم ساکت سی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ ماہیر کو دیکھ کر بھی
کے مخاطب کرنے پر بھی اس کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

"حریم چلو!......" ماہیر کا ہاتھ اس کے لرزتے ہاتھ پر ٹھہر گیا۔

"کہاں؟" وہ خالی خالی نظروں سے ماہیر کو دیکھنے لگی۔

"گھر......" ماہیر کو اپنے لہجے کا کھوکھلا پن واضح محسوس ہو رہا تھا۔

"کون سے گھر؟"

"پلیز حریم! خود کو سنبھالو' اس طرح ہمت چھوڑ دو گی تو مجھے...... ہمیں' امی کو کون سنبھالے گا۔" وہ تھکے
تھکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"امی کو کیا ہوا ہے؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تمسخر جھلکنے لگا۔

"ان دونوں کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔"

"امی...... بھی جذباتی توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہی ہیں۔ بہرحال اس گھر سے ان کی بہت سی یادیں وابستہ

ماہیر نے بے دلی سے اردگرد پر نگاہ دوڑائی۔ یہ دیواریں' چھتیں دو پل میں پرائی محسوس ہونے لگی
تھیں۔

"یہ گھر بدری امی کی چوائس ہے۔ وہ نہ زمیلہ کی ناجائز خواہش پر عمل کرتیں۔" حریم کے لہجے میں لمحہ
بہ لمحہ تلخی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ناجائز خواہش۔" ماہیر زیر لب بڑبڑایا۔

"اپنا دل تنگ کر رہی ہو۔"

"بات کو غلط رنگ مت دیں۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"آج اس کی ایک ڈیمانڈ پوری کی ہے۔ کل وہ کوئی اور فرمائش کرے گی۔"

"تم...... حریم! یہ تم کہہ رہی ہو۔" ماہیر کو گویا یقین نہیں آیا۔

"سچائی میں ہمیشہ کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

"حریم!" وہ کچھ سخت بولنے سے پہلے لب بھینچ کر خاموش ہو گیا۔ ماہیر کو اس کے بدلے بدلے تیور
بہت صدمہ پہنچا تھا شاید وہ کچھ پل کیلئے بول نہیں پایا۔

"فرض کرو ایسی صورتحال سے تمہارا سامنا ہوتا۔ ایسے حالات تمہیں درپیش ہوتے تو پھر......"

"کیسے حالات؟" حریم ایک دم تلخی سے بولی۔

"خیال کرو اسی طرح میں بھی ایک ناجائز ڈیمانڈ کروں تو تمہارا ای ہیویئر کیا ہوگا۔" وہ بہت تول تول کر
بول رہا تھا۔

"کیسی ڈیمانڈ......؟" حریم لمحہ بہ لمحہ نہ چاہتے ہوئے بھی مشتعل ہو رہی تھی۔ اس اچانک دربدری کے
صدمے نے اس کے حواس گویا سلب کر لئے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں گویا مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

"میں تمہیں مجبور کروں۔ ابھی جاؤ' اپنے باپ سے ان کی واحد پونجی میں سے اپنا حصہ مانگ لو۔ تو تم
کیا کرو گی؟ کچھ دھمکیاں بھی پیشگی تمہیں ذہن نشین کروا دی جائیں۔"

"مثلاً...... کیسی دھمکیاں؟" حریم کا دل گویا دھک سے رہ گیا۔

"ماہیر کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔" وہ ذہنی طور پر اور بھی اپ سیٹ ہو چکی تھی۔

"گھر سے نکل جانے کی۔"

"واٹ......" وہ یک دم چیخی۔

"ماہیر! آپ ٹھیک تو ہیں؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ ذہنی توازن نہیں بگڑ گیا میرا۔" اب وہ قدرے نرم لہجے میں بولا۔

"محض تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ زملیہ کی ڈیمانڈ غلط ہے۔ طریقہ بھی غلط ہے مگر … غلط نہیں ہوسکتی۔" وہ ابھی تک بہن کی خود غرضانہ فطرت کو سمجھ نہیں پایا تھا یا پھر جان بوجھ کر نظر انداز … تھا۔

"نبیل نے اسے مجبور کیا تھا۔ وہ اسے گھر سے نکل جانے کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔ مجھے تو خود … بنی پر حیرانی ہے۔ نبیل اس قدر لالچی فطرت کا ہوگا۔ پہلے اندازہ نہیں ہوسکا مجھے۔ ورنہ زملیہ کا … لالچیوں میں ہرگز نہیں کرتا۔" وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔

"آپ مکان بیچ دیتے۔ امی کا' اپنا اور موبی کا حصہ نکالنے کے بعد جو حق زملیہ کا بنتا … دیتے۔"

"زملیہ کا حصہ بہت کم بنتا تھا جبکہ نبیل کو زیادہ رقم درکار تھی۔" ماہیر الجھے الجھے انداز میں …

"نبیل نے کسی کو پے منٹ کرنا تھی۔ کوئی سائیڈ بزنس شروع کر رکھا تھا اس نے۔ کاروبار میں … ہوا ہے۔" ماہیر وہ ہی کہانی سنا رہا تھا جو اس تک پہنچائی گئی تھی۔

"کل کو پھر سے نبیل کوئی خسارے کا سودا کرے۔ پھر سے اسے رقم کی ضرورت پڑے' کیا کریں گے آپ؟ کسے بیچیں گے؟ کہاں سے رقم کا بندوبست کریں گے؟" وہ اپنے لہجے کی ترشی چھپا نہیں پائی تھی۔

"حریم!" وہ اس کے طنز کو تحمل سے پی گیا۔

"اٹھو اندھیرا پھیل گیا ہے۔ میں روڈ سے ٹیکسی پکڑ کر لاتا ہوں۔ بیگ صاحب کا گھر اچھا … ہے۔ ہمارے اچھے تعلقات ہیں ان سے۔ ابو کے دوست ہوا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کا … خرید لوں گا فی الحال تو کرائے پر لیا ہے۔" وہ کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر بالکونی میں جھانکنے لگا۔

وہ بکھرے حواس مجتمع کر کے نہ جانے ضبط کی کتنی منازل طے کرتے ہوئے اٹھی تھی' مگر کمرہ پار کرتے ہی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ بہت زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا تھا اس گھر … ہوئے' مگر حریم کو لگتا تھا۔ وہ صدیوں سے یہاں رہ رہی ہے۔ سالوں سے اس مکان میں بسیرا … شے میں اپنائیت کی مہک تھی۔ اک جانی پہچانی خوشبو تھی۔ حریم کو لگا وہ مزید انہی سوچوں کے بھنور … اس کا دل پھٹ جائے گا۔

نیچے اتری تو تخت پر بے دم سی راحت بیگم کو بیٹھا کر ٹھٹک گئی۔ قریب آنے پر پتا چلا کہ … چپکے رو رہی ہیں۔ وہ ان ڈراموں سے اچھی طرح آگاہ ہو چکی تھی۔ اس کے دل نے ذرا بھر … نہیں کی۔ ماہیر ماں کو دھیمی آواز میں نہ جانے کون سے دلاسے دے رہا تھا۔ حریم کا دل ہر … ہونے لگا۔

"حریم! موبی کو لے آؤ۔" ماہیر اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا۔ حکم کی تعمیل اس پر …

… منظر سے ہٹنا چاہتی تھی۔ مزید اس عورت کے ڈرامے کو دیکھنا اور حتی المقدور ہمدردی جتانا حریم کو … منافقت کا ایک حصہ لگا تھا۔ اسی لئے وہ پلٹ کر موبی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"موبی!" حریم نے اس کا کندھا ہلا کر متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ موبی بھی فرش پر بیٹھا تھا۔ اس کمرے کا مختصر سامان بھی جا چکا تھا۔ حریم کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ایک ہی سوالیہ نشان آنکھوں کے سامنے ناچ رہا تھا۔ وہ اپنا گھر بھلا کیسے بنا پائیں گے۔ کرائے کا جھنجھٹ' پرایا مکان......سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے کے قریب تھا۔

"موبی۔" حریم نے ذرا سختی سے موبی کے بازو کو ہلایا۔

"ہوں' ہوں۔" وہ ہڑبڑا گیا تھا۔

"اٹھو۔"

"کہاں جانا ہے؟" موبی نے عجیب سہمی سہمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"جہنم میں۔" وہ تلخی سے بڑبڑائی۔

"جہنم دور ہے؟ موبی کیسے چلے گا؟ موبی تھک جائے گا۔" موبی نے سہم کر کہا۔

"دور نہیں' قریب ہے۔ بہت قریب' تجھے بھانبڑ جلتے نظر نہیں آتے۔ میرے دل میں تو آگ لگی ہے۔ کتنی تپش ہے۔ کس قدر دھواں ہے۔ ہائے موبی! میں کس سے کہوں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ راکھ بنتا جا رہا ہے۔" اس نے گویا دہائی دی۔

"اٹھو۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے لگی۔ ڈیل ڈول میں تو وہ حریم سے بھی اونچا نکلتا جا رہا تھا عمر اور … کی رفتار گویا ایک برابر تھی۔ بلکہ ذہن تو عمر سے بھی بہت پیچھے تھا۔ عمر کے سال تو پھر بڑھ گئے تھے۔

"بھابی!" وہ خوفزدہ انداز میں بولا۔

"کیا ہے؟" حریم گویا پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔

"موبی کو ڈر لگتا ہے؟"

"کیوں؟"

"نہ جانے کیوں؟"

"تو......ڈر لگتا ہے۔ ہونہہ' اتنی ڈریکولا جیسی بہن کے ہوتے' ماں کے ہوتے ڈر لگتا ہے۔" حریم بھنا …

"موبی سچ کہہ رہا ہے۔"

"موبی!" وہ غصے سے اسے کچھ سخت الفاظ کہنا چاہتی تھی' مگر ایک دم اس کی خالی خالی نظروں کو دیکھ کر … جو اس لمحے خالی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ کچھ تو تھا ان آنکھوں میں۔ کچھ ایسا جو موبی کو واقعی خوفزدہ کر … اس وقت کچھ بدلا بدلا دکھائی دے رہا تھا۔

"کس سے ڈر لگتا ہے؟" اب کے حریم نے کچھ نرمی سے پوچھا۔

"بھابی!" وہ ہراساں نظر آنے لگا۔

"بول بھی چکو۔" حریم نے بے زاری سے کہا۔ اسے اس گھٹن زدہ ماحول سے نکلنے کی جلدی
کچھ دیر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اس ساری کثافت کے اثر کو زائل کرنا چاہتی تھی
دھیرے اس کے دل پر ہلکی کائی کی تہ بناتی جارہی تھی۔

"مجھے عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔" بالآخر موبی نے ہولے ہولے ماتھا پیٹتے بتا ہی دیا۔ موبی کا
حریم نے پہلی مرتبہ نوٹ کی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے بھی اک عجیب سا احساس کروٹیں لے کر دل میں
تھا۔ حریم نے فضول کے خدشات کو جھٹک کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں موبی! تم عورتوں سے کیوں خوفزدہ ہو جبکہ ایک عورت ابھی
سامنے کھڑی ہے۔"

"تم عورت تو نہیں تم تو بھابی ہو سب سے اچھی والی بھابی' زمیلہ سے بھی اچھی' فیفا سے بھی
اس وقت حریم کو لگ نہیں رہا تھا کہ موبی کو کبھی ذہنی پرابلم رہی ہے۔ وہ بہت ٹھہرے لہجے میں کہہ رہا

"تمہیں عورتوں سے کیوں ڈر لگتا ہے؟" حریم نے فی الفور لہجے کی تمام تر سختی کو رفع کیا۔

"موبی کو دیکھتی ہیں۔ گھور گھور کر دیکھتی ہیں' ہنستی بھی ہیں۔ کبھی کبھی رحم آجاتا ہے' پھر
کچھ نہیں بولتیں' مگر بعد میں......" وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ بڑی قابل رحم حالت ہو رہی تھی
جو کچھ بتانا چاہ رہا تھا بتانا موبی کے اختیار میں نہیں تھا۔ بے بسی کی نہ جانے کون سی صورت تھی۔ حریم کا
نرم دل پل بھر میں پگھل گیا۔

"اگر تم میں کچھ کمی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جو باتیں کرتے ہیں وہ اللہ سے ڈرنے
کیوں فکر مند ہو' ہم ہیں نا...... میں' ماہیر اور امی۔"

"تو تم بھی جانتی ہو؟" موبی نے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کر بہت عجیب انداز
تھا۔ اس پل حریم پر کچھ اور بھی منکشف ہو گیا۔ اس کا دل گویا سکڑ کر سمٹ گیا تھا۔ حریم وثوق سے
کہ موبی کو ذرہ بھر ذہنی پرابلم نہیں۔ اس کا ذہن متوازن تھا۔ عام انسانوں کی طرح سوچتا تھا
تھا۔ پریشانیوں کو ذخیرہ کرتا تھا۔ کبھی بھول جاتا تھا۔ کبھی پہروں کڑھتا تھا۔ اپنے خول میں بند
خود کو سولہ سال کی عمر میں قید تنہائی کیوں دے رکھی تھی؟

وہ بہن بھائی کے درمیان کیوں نہیں بیٹھتا تھا؟

وہ ماں سے عام بچوں کی طرح لاڈ کیوں نہیں کرتا تھا۔

وہ پڑھتا نہیں تھا۔ کیوں؟

وہ ذہنی طور پر صحت مند تھا۔ پھر اس بہروپ کی آخر کیا وجہ تھی۔

اس کی کچھ سوچتی' کچھ بولتی آنکھوں کے شفاف کانچ سارے راز اگل چکے تھے
کیوں؟ خود فراموشی کیوں؟ یہ قید تنہائی کیوں؟ زندگی کے ان رنگوں میں اس کے حصے کا کوئی
نہیں تھا۔

"کیا؟" حریم نے سنبھل کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ یکسر انجان بن گیا۔

"اب نارمل لوگ کیا جھوٹ بولتے ہوئے نظریں چراتے ہیں؟" حریم کے دل نے چپکے سے سرگوشی

"موبی!" حریم اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کا رخ اپنی طرف موڑنے لگی۔

"منیب! بھابی سے کچھ چھپا رہے ہو؟"

"نہیں تو...... میں کیا چھپاؤں گا؟ جب قدرت راز کو عیاں کردے گی۔ پھر کوئی بھید پوشیدہ نہیں رہے
گا۔" اتنی گہری بات وہ عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سرخ وسفید چہرے پر کئی رنگ تھے۔ پھیکے' ٹمیالے'
زرد' رنجیدہ' اداس' غمگین بے شمار رنگ' ان میں خوشی' امید اور امنگ کا کوئی رنگ جھلک نہیں رہا تھا۔

"میں کیا حقیقت سمجھوں جو پہلے تھی یا اب جو کچھ دیکھ رہی ہوں۔"

"حقیقت کچھ بھی نہیں...... مجھے تو زندگی بھی دھوکہ معلوم ہوتی ہے۔ ایک بات تو بتائیں بھابی! کیا
زندگی آتی جاتی سانسوں کا نام ہے؟" اس آواز میں کتنے نوحے پوشیدہ تھے۔ حریم کا دل گویا کٹنے لگا۔

"سانس چلتی ہے۔ لہو جسم میں گردش کرتا ہے تو زندگی ہے...... کیا یہی زندگی ہے؟"

"ہاں......" حریم کچھ اور بولنے کیلئے مناسب لفظ سوچ رہی تھی' جب منیب نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

"ایسی زندگی منیب کو نہیں چاہیے۔"

"ناشکری نہیں کرتے منیب۔"

"شکر گزاری کیلئے میرے پاس کیا ہے؟" وہ مایوسی کے آخری کنارے پر کھڑا تھا۔ مایوسی کفر کے
...تک لے جاتی ہے۔ حریم کا دل کپکپانے لگا۔

"تمہیں کس سے شکوہ ہے۔ مجھ سے' ماہیر سے' امی سے۔ کیوں اتنے خفا ہو؟ زندگی سے کیوں ناراض

"مجھے جس سے شکوے ہیں میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔" اس کی آنکھوں سے بے بسی مترشح تھی۔

"کیوں؟ اعتبار نہیں کرتے مجھ پر۔" حریم کے لہجے میں محسوس کی جانے والی نرمی تھی۔ کچھ دیر پہلے
...ابلتے' جوش کھاتے' مستقل جذبات اب سرد ہوتے جارہے تھے۔ اسے بھول چکا تھا کہ اسے ماہیر پہ
...زمیلہ اور امی پر غصہ تھا۔ دل میں دھوئیں کی مانند کدورت دھیرے دھیرے اٹھنے لگی تھی۔ اب وہاں
...نہیں تھا نہ غصہ اور نہ کدورت۔ اسے تو یہ بھی بھول چکا تھا کہ ماہیر نے اسے کس کام کیلئے منیب کے
...میں بھیجا تھا۔

"بات اعتبار کی نہیں۔"

"تو پھر؟"

"کچھ بھی نہیں بھابی! میں نہ جانے کیا کیا بول رہا ہوں۔" وہ منہ پر ہاتھ مار رہا تھا۔ سرخ گال اس
...ہاتھوں کی سختی سے اور بھی دہکنے لگے۔

"موبی! تم اتنے خالص ہو کہ جھوٹ تم پر سجتا نہیں۔"

""تمہیں کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہے؟""
""تم کیا سمجھتے ہو؟""
""اس دنیا کی نہیں لگتی ہو۔ معصوم' بے ریا اور......"" اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں
""اور کیا؟""
""یہاں ہماری خوش نصیبی بن کر آ گئی ہو۔""
""بڑی شاعرانہ قسم کی باتیں بھی آتی ہیں تمہیں۔"" حریم حیران سی اسے دیکھنے لگی۔
""تمہیں پتا ہے میں کون ہوں؟"" ایک دم وہ سرخ آنکھوں کو اس کے چہرے پر گاڑ
سے لہجے میں بولا۔
""نہیں۔"" حریم کسی انہونی کیلئے خود کو تیار کرنے لگی۔
""جاننا چاہتی ہو؟""
""ہاں......""
""جان کر کیا کرو گی۔ مجھ سے بے زاریت یا نفرت کا اظہار۔"" اس کی آنکھوں میں
لگی۔
""مجھے ایسا سمجھتے ہو۔""
""نہیں۔""
""تو پھر بتا دو...... وہ سب کچھ جو تمہارے دل پر بوجھ کی طرح لدا ہوا ہے۔"" حریم نے
ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔
""میں پتا ہے کون ہوں؟"" موبی نے کہنا شروع کیا۔ وہ اپنے دل کا ہر بوجھ اتارنا چاہتا
""موبی......!"" چرر کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا' پھر ایک دھاڑ نما آواز سنائی دی
اس کے کانوں نے کوئی دھماکہ نما آواز سن لی ہے۔ کانوں کے پردے پھٹنے لگے تھے۔
""یہ آپ کیا کر رہے ہیں......؟"" حریم بے ساختہ چیختے ہوئے ماہیر کی طرف لپکی
گریبان کو پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔
""کیا بکواس کر رہے تھے؟"" ماہیر کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔ اس نے
موبی کے رخساروں پر کئی تھپڑ مارے۔
""پیچھے ہٹیں۔ کیوں موبی کو مار رہے ہیں؟"" حریم نے اس کے بازو کو پکڑ کر جھٹکے سے
""چھوڑ دو بھابی! مارنے دو انہیں۔"" موبی نے بھرائی آواز میں کہا۔ وہ ضبط کے
سے گزرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔
""یہ بلاوجہ نہیں مار رہے۔ بہت غصہ ہے انہیں مجھ پر۔ مگر میں کیا کروں؟ کب تک
میں پاگل نہیں ہوں۔ کاش کہ واقعی پاگل ہوتا۔ میرے پاس سوچنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو
""بکواس بند کرو۔"" ماہیر آگ بگولا ہو کر چلایا۔ راحت بیگم بھی شور کی آواز سن

""کیوں تم نے موبی کو مارا ہے؟"" وہ ماہیر سے الجھ پڑی تھیں۔
""غلط بات پر نہیں مارا۔ بھابی کو بتا دیا ہے کہ میں پاگل نہیں۔"" موبی نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔
""دفع ہو جا' کمینے...... ذلیل' مر کیوں نہیں جاتا تو۔ زندگی کا ناسور بنا ہوا ہے۔"" راحت بیگم نے دوپٹہ
منہ پر رکھ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔
""امی! پلیز۔"" ماہیر چیخ اٹھا۔
""کیا تماشا ہے یہ۔""
""ہماری تو زندگی تماشا ہے۔"" وہ پھپک پھپک کر رو دیں۔
""تو مر کیوں نہیں جاتا موبی!""
""ٹیکسی لینے پہنچ گیا ہے۔"" ماسی نے کمرے میں جھانک کر اطلاع دی۔ ماہیر باہر نکل گیا تھا۔
""بی بی! فکر مت کرنا۔ میں کام کرنے آ جایا کروں گی۔"" ماسی' موبی کے کپڑے سمیٹتی ساتھ ساتھ
کنٹری جاری رکھے ہوئے تھی۔
اسی پل نفیسہ پھپھو اور فیفا آ گئیں۔ وہ آناً فاناً ان کے مکان بیچ دینے کی خبر سن کر حیران تھیں۔
پریشان تھیں۔ یہ گھر ان کے بھائی نے بڑے ارمانوں سے بنایا تھا۔ ماہیر کے اس اچانک فیصلے نے پھپھو کو
حد درجہ متوحش کیا تھا۔
""بھابی بیگم! یہ سب کیا ہے؟""
""تقدیر کا فیصلہ' خانہ بدوشوں کی طرح آخری عمر میں دھکے کھانے پڑ رہے ہیں۔"" نند کو دیکھ کر پھر سے
نیا سیاپا اور بین شروع ہو چکا تھا۔
""وجہ کیا ہے؟"" پھپھو یکسر ناواقف تھیں یا انجان بن کر راحت بیگم سے ""سچ"" اگلوانا چاہتی تھیں۔
""ماہیر کو پیسوں کی ضرورت تھی۔"" انہوں نے فوراً ہی جوڑ توڑ کر کے ایک جواز جھوٹ کی پٹاری میں
سے نکال ہی لیا تھا۔
""کیسی ضرورت؟"" پھپھو بھی چوکنا تھیں۔
""مجھے کیا پتا...... ہر بات مجھے کہاں بتاتا ہے۔ صاحب اختیار ہے' کچھ بھی کرے۔"" اب وہ
پوری طرح حاضر دماغی کا ثبوت دے رہی تھیں۔
""یہ موکمینہ نہ جانے کب ٹیکسی لے کر آئے گا۔""
""کسی کا قرض دینا تھا؟ مگر اتنا زیادہ۔"" پھپھو کو حیرانگی کا جھٹکا لگا۔
""شاید۔"" انہوں نے گول مول سا جواب دیا۔
""زمیلہ کی شادی پر لیا تھا؟"" پھپھو بھی انہیں مسلسل گھیرنے کی کوشش میں تھیں۔
""نن...... نہیں تو۔"" وہ کچھ گڑبڑا سی گئیں۔
""ہم نے کون سا گاڑی' پلاٹ جہیز میں دیا ہے۔""

''تو پھر ماہیر نے کاروبار شروع کر رکھا تھا کیا؟'' پھپھو کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔
''پتا نہیں۔'' وہ جل کر بولیں۔
''اڑتی اڑتی ایک بات سنی تھی۔'' پھپھو نے تمہید کا آغاز کیا۔
''کیسی بات؟''
''زمیلہ نے مکان میں سے حصے کا مطالبہ کیا ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھیں۔
''تمہیں کس نے بتایا؟''
''میں نے تو یہ بھی سنا ہے۔ ماہیر نے سارا مکان زمیلہ کے نام لکھوا دیا ہے۔'' پھپھو کے بھی انکشافات کے تھیلے کی ڈور کھول رہی تھیں۔
''مرضی کا مالک ہے۔'' راحت بیگم نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھری۔
''میرے منہ میں خاک' فاروقی صاحب کی بیوی کہہ رہی تھی۔ زمیلہ کو نبیل نے طلاق دی ہے۔ تبھی تو آناً فاناً مکان بیچ دیا۔ اتنے لالچی لوگ تھے۔ آپ کو صباحت آپا نے نہیں بتایا۔ برسوں تھا۔ ایسی کمینوں جیسی فطرت۔ بظاہر تو کتنے وضع دار' رکھ رکھاؤ والے شریف لوگ دکھائی دیتے تھے۔'' نے تاسف سے کہا۔
''لوگ تو باتیں بنانے کے فن سے آشنا ہیں۔ گز بھر لمبی زبانیں ہیں جو چاہیں کہتے رہیں۔ کو بھی پروا نہیں۔ ہزار مرتبہ ماہیر سے کہا تھا مکان لینا ہے تو کسی دوسری جگہ پر لینا۔ ایسے لوگوں کے رہ کر کیا کرنا' جو عزت اچھالنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مگر ماہیر کو بھی اس شہر سے اچھی کوئی جگہ نہ آتی۔ بیگ صاحب کے مکان کی دوسری منزل کرائے پر لی ہے۔ جب گھر ہی چھوڑنا تھا تو کسی مکان دیکھ لیتا۔'' راحت بیگم نے کلستے ہوئے دل ہی دل میں نفیسہ پھپھو کو کوسا۔
''اب چلی بھی جا...... تمہیں کیا' جہاں بھی جائیں۔ جہاں بھی رہیں۔ گھر ہمارا اپنا تھا۔ بیٹی ہے۔ اپنی خوشی سے' دل کی مرضی سے۔ کسی کو بھلا کیا تکلیف۔'' وہ تنفر سے سوچتی ہوئی بار بار طرف دیکھ رہی تھیں۔
''نہ جانے ماہیر بھی کہاں رہ گیا ہے؟''
''ماہیر کس طرح اس مہنگائی کے دور میں پھر سے مکان لے پائے گا۔ پراپرٹی کی قیمت رہی ہے۔'' پھپھو بے حد فکرمندی سے بولیں۔
''دکان بھی بیچ دی ہے کیا؟''
''مجبوری تھی اور کیا کرتے۔''
''ماہیر نے اپنے لئے کچھ نہیں سوچا۔ کل کو بچے بھی ہوں گے۔''
''تمہیں ماہیر کے غم میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔'' راحت بیگم کی پیشانی پر دو بل پڑ گئے۔
''بی بی! آجایئے...... پوٹیکسی لے آیا ہے۔'' ماسی نے مژدہ جاں فزا سنایا تھا۔ راحت بیگم عجلت کے عالم میں سلیپر پیروں میں اڑسے تھے اور پھر لشتم پشتم موبی کا بازو پکڑ کر باہر نکل گئیں۔

قدموں سے ان کے پیچھے جا رہی تھی۔ راحت بیگم نے ذرا دیر کیلئے مڑ کر نفیسہ پھپھو کے چہرے کی طرف دیکھا۔
''کون سا کوہ قاف جا رہے ہیں۔ یہ چار قدم کا تو فاصلہ ہے۔ آتی جاتی رہنا۔''
پھپھو راحت بیگم کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔ ان کی نظریں حریم کے چہرے پر گویا جم کر رہ گئیں۔ چہرے پر دکھ اور افسردگی کے کئی عکس جھلملا رہے تھے اور اس کی آنکھیں برسنے کو بے تاب تھیں۔ پھپھو نے اس کا درد اپنے دل میں اترتا محسوس کیا تھا۔ جس درد سے حریم لمحہ بہ لمحہ گزر رہی تھی۔ سہنے پر مجبور تھی' بے بس تھی' خاموش تھی۔
''تم بے سائبان نہیں ہو بیٹی! تمہارا سائبان' محافظ تمہارے ساتھ ہے۔ آنسو کو گرنے مت دینا۔ موتیوں کی طرح یہ آنسو بھی بہت قیمتی ہیں۔ ان کا کوئی مول نہیں۔'' وہ اس کے برابر چل رہی تھیں۔ پھر ان کا شفقت بھرا لمس حریم کے سر نے محسوس کیا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔

............*

زندگی کے مشکل ترین دور کا آغاز تھا۔ حریم جان چکی تھی اس وقت سے ہی جب گھر سے بے گھر ہونے کا فیصلہ ماہیر نے کر لیا تھا۔ حریم تو اسے دیکھ کر حیران ہوتی تھی۔ عجیب درویش قسم کا آدمی تھا۔ ہر حال میں مطمئن رہتا' مست رہتا۔
یہ گھر جو صرف تین کمروں' تنگ سے کچن اور بہت ہی مختصر سے لاؤنج پر مشتمل تھا اگرچہ ہوا دار تھا' مگر پہلے گھر کے مقابلے میں سچ مچ ایک ڈربا دکھائی دیتا تھا۔ شروع شروع میں حریم اور راحت بیگم بولائی بولائی پھرتی رہی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ سب معمول کا حصہ دکھائی دینے لگا۔ وہ لوگ کچھ ہی عرصہ بعد عادی ہوتے گئے۔ اکثر امی تو بیگ صاحب کی بیگم ثریا سے گپ شپ لگانے نیچے چلی جاتی تھیں۔ واپسی تین چار گھنٹے سے پہلے ممکن نہیں ہوتی تھی۔ ثریا خالہ کی اولاد نہیں تھی۔ دونوں میاں بیوی کے سوا گھر میں تیسرا فرد نہیں تھا۔ ثریا خالہ کو راحت بیگم کے ساتھ ''بہناپا'' جوڑنے میں چند پل لگے تھے۔ اب یا تو وہ اوپر آجاتیں یا پھر امی نیچے تشریف لے جاتیں۔ امی کچھ دن بعد اس کرائے کے مکان کو اپنی خوش نصیبی سمجھنے لگیں۔ ان کا دل بہل گیا تھا کیونکہ انہیں بھی اپنا ہم مزاج ملنا کم از کم اس کالونی میں ممکن نہیں تھا۔ ثریا بیگم بھی باتونی خاتون تھیں۔
آج بہت دنوں بعد حریم نے راحت بیگم سے میکے جانے کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے پہلے تو اپنی عادت کے عین مطابق کاموں کی اک طویل فہرست حریم کے سامنے رکھ کر اس کے ارادوں کو ڈانواں ڈول کرنے کی کوشش کی تھی۔
''کھانا کون پکائے گا؟ کپڑوں کا ڈھیر بھی رکھا ہے۔ ابھی دودھ والا دودھ دینے آئے گا۔ کون بار بار گیٹ تک جائے۔ میری ٹانگوں میں تو دم نہیں۔'' وہ ہر عذر کو حریم کے سامنے پیش کر دینا چاہتی تھیں تاکہ کسی نہ کسی طریقے وہ میکے جانے کے ارادے سے باز رہے۔
''ابھی دس بجے ہیں۔ ایک بجے تک میں واپس آجاؤں گی۔ کپڑوں کے ڈھیر کو روزانہ دھو بھی دوں۔

اور رے پیا

تب بھی اتنی رفتار سے یہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پرسوں مشین لگاؤں گی۔ رہا دودھ تو ثریا خالہ لے لیں گی۔" حریم نے مختصر سے لاؤنج کے فرش پر پوچا لگا کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف چلی گئی۔

"جاؤ گی کیسے؟" وہ نہا کر باہر آئی تو راحت بیگم نے کلستے ہوئے پوچھا۔

"صبح ماہیر سے کہنا تھا۔ وہ ہی چھوڑ دیتا۔" انہوں نے بے زاری سے کہا۔

"دس بجے تو کچن سے فارغ ہوئی ہوں۔ ماہیر سات بجے کے نکل گئے ہیں۔" اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ سبزی والے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ٹوکری اٹھا کر نیچے چلی گئی۔ سبزی لے کر وہ جوں ہی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ راحت بیگم نے ناگواری سے پوچھا۔

"کیا اٹھا لائی ہو۔"

"ٹنڈے۔"

"اور کچھ نہیں تھا۔"

"کدو......توری اور کریلے۔" وہ مصروف انداز میں جواب دیتی آگے بڑھ گئی۔

"کریلے لے آتیں۔" نکتہ چینی ان کا پہلا فرض تھا اور اس فرض میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔

"ماہیر کو پسند نہیں۔"

"رات کو کچھ اور پکا لیتیں۔"

"اتنا وقت کہاں ہوتا ہے۔ واپس آ کر آپ کی قمیض سلائی کرنی ہے۔" وہ ٹنڈے دھو کر آلو دھو رہی تھی۔

"کام چور تو سدا کی ہو۔ دو ہانڈیاں نہیں پکا سکتیں۔ قمیض سلائی کرنی تھی۔ پہاڑ تو نہیں کاٹنا۔" وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگیں۔ معاً اس کے گیلے بالوں کا خیال آیا تو یوں اچھلی گویا بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"بہو! یہ کون سا وقت ہے نہانے کا۔" ان کا لہجہ خود بخود اور بھی روکھا ہو گیا تھا۔

"گرمی وقت دیکھنے کا بھی وقت نہیں دیتی۔ کچن سے نکل کر صرف نہانے کا خیال آتا ہے۔" وہ ان کی بات میں چھپے مفہوم سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ سو ہر طرح سے تسلی دیتے ہوئے اطمینان سے چادر کو پریس کرنے لگی۔

"تم نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔"

"الحمدللہ" پڑھی تھی امی۔" لائٹ جانے کا وقت بھی ہو چلا تھا سو وہ جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ کمرے میں پڑھ لی ہو گی۔" امی صاحبہ کی تشفی نہیں ہو رہی تھی۔ لفظوں میں حریم کو جو کچھ وہ جتانا چاہتی تھیں بغیر کسی تردد کے سب حریم کے ذہن میں سما چکا تھا۔

"آپ کو دکھانے کیلئے تو پڑھی بھی نہیں تھی۔ اللہ کے سامنے سربسجود ہونا تھا۔ آپ ...

بے اختیار سوچنے لگی۔

"حریم بے ... بیٹی ... بالکل یہ لمبا چوڑا آیا ہے ذرا کم نہایا کرو۔ دن میں تین تین مرتبہ اور......" باقی کے الفاظ لبوں تک آتے آتے ... چبا چبا کر ادا کیے تھے۔ حریم کے بدن میں گویا خون کی گردش دوگنا بڑھ گئی تھی۔

"امی کی زبان کے آگے خندق ہے۔" اکثر زمیلہ امی کو ٹوک دیا کرتی تھی۔ اب اتنے عرصے میں حریم کو بھی عادی تو ہو جانا چاہیے تھا، مگر وہ اپنی کڑھنے والی فطرت کا کیا کرتی۔

"جی امی! آپ نے کچھ کہا ہے۔" حریم نے ڈھیٹوں کی طرح یوں ظاہر کیا گویا وہ کچھ بھی سن نہیں پائی۔

"نہیں بی بی! امی کی بھلا کیا مجال۔" امی نے ٹھنڈی آہ بھری۔ دھیان بھٹک کر زمیلہ کی طرف چلا گیا۔

"ہائے کیسے ناقدرے لوگ ملے ہیں۔ میری زمیلہ کیسے مرجھا کر رہ گئی ہے۔" اتنی ہشاش بشاش سفید زمیلہ انہیں مرجھائی دکھائی دیتی تھی۔

"ہم کچھ کہیں گے تو برے کہلائیں گے۔ ابھی خاوند سے شکایت لگا دو گی۔"

"اب یہ بات خاوند کو بتانے والی ہے۔" حریم نے گویا ماتھا پیٹا۔ پیاز کاٹ کر اس نے پلیٹ سے ڈھک دیے تھے۔ پھر سوچا، سالن کی ابتدائی تیاری کر لینی چاہیے۔ مسالا بھوننے کا ارادہ پختہ کر کے اس نے پیاز چولہے پر چڑھا دی تھی۔

اسی اثناء میں دودھ والا بھی آ گیا تھا۔ حریم برتن اٹھا کر نیچے بھاگی۔

"باجی! آپ ادھر آ گئی ہیں۔" گوالے کا آج بیٹا آیا تھا۔ باپ کی طرح اس نے بھی پہلا سوال یہی ...

"ہاں۔" وہ مختصر بولی۔

"بیگ صاحب کا مکان لیا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر آپ یہاں۔" لڑکا باتونی بھی تھا اور لہجے میں عام لوگوں والا تجسس بھی بھرا تھا۔

"کرائے ... رہ رہے ہیں۔"

"اور...... تو پھر اپنا مکان کدھر کیا ہے؟"

"بیچ دیا ہے۔" وہ دودھ لے کر اوپر کی طرف جانے لگی تھی۔

"اچھا...... اچھا کہیں اور بنا رہے ہوں گے یا پھر کسی اور جگہ خریدنا ہو گا۔" حریم نے گیٹ بند کرتے ہوئے اس کو کہتے سنا۔ اس کے قدم گویا من من بھر کے ہو گئے تھے۔ بیرونی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے کچھ جلنے کی مہک آنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی۔

"پیاز جل گیا ہو گا۔" وہ اپنے مخصوص تخت پر لیٹے لیٹے اس کا دل جلانے کی غرض سے بولیں۔

"آپ کی تو بھرپور کوشش تھی۔ پیاز جلے اور میں لیٹ ہو جاؤں۔" حریم نے سسکتے ہوئے آنچ دھیمی

کی' نمک' مرچ اور باقی مسالا جات ڈال کر ڈھکن بند کیا اور باہر آ گئی۔

"مجھے آم کا شیک تو بنا دو۔ سینے میں جلن ہو رہی ہے۔" اس کی صورت دیکھ کر انہیں ... آنے لگتے تھے۔ وہ بھی اس وقت جب حریم کو میکے جانے کیلئے تیار دیکھ لیتیں۔

"آم نہیں ہیں۔" فریج میں بغیر دیکھے بھی حریم جانتی تھی کہ کل دوپہر کے بچے دو آم انہوں نے ... کو کھا لئے تھے۔

"سیب تو ہوں گے؟ موبی بھی شوق سے پی لیتا ہے۔ سیب کا ملک شیک بنا دو' جگ میں دودھ پڑا ہے۔" دو گلاس جتانے کا مقصد حریم کو خوب سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے گرینڈر میں سیب چھیل' کاٹ کر ڈالنے لگی۔ دو کیلے پڑے تھے' وہ بھی ڈال لئے۔ آن کا بٹن دبایا تو آواز سنائی دینے لگا۔ برف کوٹ کر گلاسوں میں ڈالی' گلاس کنارے تک بھر دیئے تھے تبھی امی کی پکار سنائی دی۔

"پولکا کا کپ بھی فریزر میں رکھا ہے۔ دو چمچے بھر کر ڈال لو گلاسوں میں' موبی کو پولکا بہت پسند ..." موبی کی آڑ میں اکثر وہ اپنی زبان کا چسکا پورا کر لیا کرتی تھیں۔ حریم نے پولکا کا کپ نکال کر آئس ... گلاسوں میں ڈالی تھی۔ پھر ایک گلاس موبی کو اور دوسرا راحت بیگم کو پکڑا کر کھونٹی پر لٹکی اپنی چادر اتارنے ...

"حریم! میرا ابھی ایک سوٹ استری کر دو۔ پسینے سے نچڑ رہی ہوں۔ تھوڑا سا پانی ڈال لوں ... نکلی جا رہی ہے گرمی کی شدت سے۔" وہ تخت پر لیٹے لیٹے ہی نچڑ رہی تھیں جبکہ اوپر فل سپیڈ میں پنکھا چل رہا تھا۔ فارغ بیٹھ کر وہ پسینہ پسینہ تھیں' اگر کچن میں کھڑے ہو کر مسلسل کام کرنا پڑتا تو نہ جانے ... حال ہوتا اور اس کا حشر وہ کیا کرتیں۔ حریم کلاک کی طرف دیکھ کر کچھ پل کیلئے ساکت رہ گئی۔ ... دوبارہ کھونٹی پر لٹکا کر استری سٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔ امی گلاس پیندے تک خالی کر کے واش روم ... تھیں۔

حریم نے جلدی جلدی کپڑوں کو پریس کیا اور باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ امی نے ... ہاتھ باہر نکالا۔ کپڑوں کو ہاتھ میں لیا۔ حریم پلٹنے لگی تھی' جب امی کی چیخ نما آواز سنائی دی۔

"یہ انگوری رنگ کا سوٹ تو بریزے کا ہے۔ کبھی کبھار پہنتی ہوں۔ یہ کیوں استری کیا ..."

"پھر کون سا دوں؟" حریم زچ ہو کر دبی آواز میں بولی۔ اس کا دل گھڑی کی سوئیوں کے ... رہا تھا۔ بار بار غیر ارادی نظر گھڑی کی طرف اٹھ جاتی۔ کتنے دن ہو گئے تھے میکے گئے ہوئے ... ملے ہوئے اس کی آنکھوں کے گوشے خود بخود بھیگ گئے۔ راحت بیگم پرانا سوٹ پہن کر باہر آ ...

"لاکھیا رنگ کا۔"

"وہ بھی تو بریزے کا ہے۔" حریم نے ناگواری دبا کر بتایا۔

"آں...... ہاں' پھر وہ سندھوری دے دو۔ جس کے دوپٹے کا بارڈر قرمزی رنگ کا ہے۔"

"وہ کلاسک لان کا سوٹ ہے۔ اکثر میلاد وغیرہ پر پہنتی ہیں۔" حریم نے ان کے ... کے متعلق بتایا۔ وہ جان بوجھ کر ایسے کپڑوں کا نام لے رہی تھیں جو وہ کبھی کبھار پہنتی تھیں۔ ...

... کیلئے تاکہ گھڑی کی سوئیاں بارہ کا ہندسہ پار کر جائیں۔ اسے زچ کرنے کیلئے ان ... وقت ضائع کرنے کے سو ایک طریقے موجود تھے۔

"اچھا پھر وہ خاکستری دے دو۔" وہ تخت پر بیٹھ کر بال ہاتھوں سے سلجھانے لگیں۔

"کون سا خاکستری؟" حریم بھینچی آواز میں چیخی۔ خاکستری رنگ کے تین سوٹ تھے' ان کو نہ جانے ... سال بھی پہننا تھا۔

"زملیہ کی مکار ساس نے جو دیا تھا۔ ساڑھے نو سو والا' ایسا کپڑا تو گھر میں بھی پہننے کے لائق نہیں۔" ... لیے نہیں بھول چکا تھا کہ ان کی بہو نے جو لباس زیب تن کر رکھا ہے وہ کم از کم میکے پہن کر جانے کے ... نہیں۔ پھیکا بدرنگ' گھسا پٹا' پرانا کئی دفعہ کی دھلائی ہو جانے کے بعد اڑے رنگ والا ساڑھے پانچ ... خریدا گیا سوٹ۔ یہ لباس بھی اس کی اعلیٰ ذوق کی حامل ساس محترمہ خرید کر لائی تھیں اور اسی سوٹ کی ... میں بھی انہوں نے ہزار قصیدے پڑھے تھے۔

"وہ سوٹ تو آپ نے ایک مرتبہ پہن کر ماسی کو دے دیا تھا۔" حریم کو اچانک خیال آیا تو کہنے لگی۔ ... خاکستری رنگ کا سوٹ پہنے وہ کئی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔

"اچھا...... اچھا۔" وہ قدرے گڑبڑا گئیں۔

"بی بی! کوئی تو لادو' پسینے کی بدبو والا دوبارہ سے پہن لیا ہے۔ خود سے بھی کوئی کام کر لیا کرو۔ ہر بات ... پڑی ہو جاتی ہو۔ ارغوانی سوٹ لادو' جو تم نے سلائی کر کے دیا تھا۔" اب وہ خوامخواہ حریم پر چڑھ ... حریم بغیر کچھ کہے ان کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی' جب لائٹ اچانک چلی گئی۔ تیز رفتار چلتا ... آہستہ رک گیا تھا جبکہ راحت بیگم کی زبان فراٹے بھرنے لگی۔

"تم تو چاہتی یہی تھیں...... میں کپڑے ہی نہ پہنوں' یہی عزت ہے میری خود تو بن سنور کر کھڑی ہو گئی ... بے چاری کا خیال نہیں۔ لوگ بزرگوں کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ صبح سویرے سنوارنے کا کہتے ... روم میں استری شدہ کپڑے لٹکے ہوتے ہیں۔ مہارانیوں کی طرح تخت پر بیٹھی ہوتی ہے زملیہ کی ... ساس...... کلف لگے' استری شدہ کپڑے۔ ایک سلوٹ بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔" حریم کو ... لگا تھا۔ تبھی الماری کھول کر ارغوانی رنگ کا سوٹ نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ اس کی ... مطلوبہ سوٹ استری شدہ ہینگر میں لٹک رہا تھا۔ حریم نے اک گونا سکون دل میں اترتا محسوس ... دیکھ کے امی کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو ابھی حریم کو مزید زچ کرنا چاہتی تھیں۔ بے دلی سے کپڑے ...

"ایک کپ چائے تو بنا دو۔ سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں۔" چہرے پر مسکینی طاری کر کے التجائیہ ... جلتے کلستے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ دودھ بھی تقریباً ہلکی آنچ پر ابالا گیا تھا۔ بالائی کی موٹی تہہ ... اصل رنگت چھپا لی تھی۔ جیسے تیسے چائے بنا کر امی کو پکڑائی تو موبی نے دروازے میں کھڑے ...

"مجھے بھوک لگی ہے بھابی! کچھ کھانے کو دے دو۔"

''کیا دوں؟ فروٹ بھی نہیں۔ بسکٹ بھی ختم ہیں' نمکو شاید پڑی ہے۔ کیا کھاؤ گے؟'' حریم
دلی سے پوچھا۔

''سینڈوچ بنادو۔ میں بھی چائے کے ساتھ کھالوں گی۔ خالی چائے سے معدہ ہی سا
موقعوں کی تلاش تو انہیں ہمیشہ سے رہتی تھی۔ اب کیوں ہاتھ آیا چانس جانے دیتیں۔ بال سنوار
تھے۔ پنکھا بھی دوبارہ یو پی ایس کی بدولت چل پڑا تھا۔ راحت بیگم اطمینان سے تخت پر لیٹ
سینڈوچ کیلئے ڈبل روٹی نہیں تھی۔ حریم جھنجلا کر کچن سے باہر آئی۔

''بریڈ ختم ہے۔ اب کیا کروں؟''

''میرا کلیجہ بھون دو۔'' وہ بھناتے ہوئے بولیں۔

''بن تو ہوں گے۔ برگر بنادو۔ خوامخواہ کے بہانے' خود تو نہ جانے کب آؤ گی۔ اتنی دیر تک
بھوکے مریں۔''

''جانے دیں گی تو آؤں گی نا۔'' حریم گھڑی کی طرف مایوسی سے دیکھتی آزردگی سے
شیش کباب فریج میں رکھے تھے۔ پین میں گھی ڈال کر پہلے انہیں فرائی کیا۔ پھر بن کے چار
معمولی سے سینک لئے۔ ٹماٹر دھو کر کاٹے' بند گوبھی کو کش کیا۔ آملیٹ بنایا۔ بن کے پیس پر سلاد
کاٹ کر رکھا' پھر ٹماٹر' پیاز اور بند گوبھی کی ایک تہہ جمائی۔ بڑا سا کباب اس تہہ کے اوپر رکھا' کیپ
طرح لیپ کر کے آملیٹ نفاست سے اس کے اوپر بچھا کر بن کے دوسرے حصے سے کور کرنے
کچن سے باہر نکلی تو پسینے سے شرابور تھی۔

پہلے امی تک برگر پہنچایا۔ وہ چائے برگر کے انتظار میں رکھے بیٹھی تھیں۔ پلیٹ پکڑتے
بولیں۔

''ٹھنڈی بدمزا چائے کہاں حلق سے اترتی ہے۔''

''اور بنادوں؟'' حریم نے مری مری آواز میں پوچھا۔

''نہیں' اب رہنے دو۔ کہاں وخت کرو گی چولہا جلانے کا تم یوں کرو' کوک کا گلاس لا دو
ڈالنا موبی کو بھی ایک گلاس دے دو۔'' برگر دیکھ کر موڈ بدل گیا تھا۔ اسی لئے چائے کے کپ
کھسکایا۔ حریم پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ ایک تو کچن کا رقبہ بھی اتنا کم تھا کہ ایک فرد سے زیادہ کی
محال تھی۔ اوپر سے گرمی اور گھٹن حد سے سوا تھی۔ روشن دان اور کھڑکی کے باوجود چھوٹا سا باورچی
طرح تپ رہا تھا۔ سورج کی ساری تپش گویا کھڑکی کے ذریعے کچن میں آ گھسی تھی۔ حریم باورچی
لاؤنج تک کے چکر لگاتے لگاتے بے حال ہو چکی تھی۔

موبی کو برگر اور کوک کا گلاس دینے آئی تو وہ کمپیوٹر کے سامنے جم کر بیٹھا تھا۔ یہ کمپیوٹر
آنے کے تیسرے روز لایا تھا۔ صرف اور صرف موبی کیلئے شاید اپنے اس دن کے بے رحم رویے
کے طور پر بطور تحفہ موبی کو دیا گیا تھا۔ اس سفید رنگ کے ڈبے کو دیکھ کر موبی کی خوشی دیدنی تھی۔
اسی خوشی اور سرشاری کے عالم میں حریم کو بتایا تھا کہ وہ کب سے کمپیوٹر لینے کی خواہش دل میں

ہو چکی تھی۔ موبی کا تمام دن کمپیوٹر کے ساتھ گزرتا تھا اور یہ اس کیلئے بہترین مصروفیت

حریم ٹرے رکھ کر چپکے سے کھسکنے لگی تھی' جب موبی نے ذرا سی گردن موڑ کر حریم کو پکارا۔

''بھابی!''

''کیا بات ہے؟'' حریم دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے نہ جانے کن دقتوں کے بعد بولی تھی۔

''ادھر آؤ۔'' وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولا۔

''کیا کہنا ہے۔ بتادو' جلدی سے۔ مجھے کام سے جانا ہے۔'' بے زاریت حریم کے لہجے' چہرے اور لفظ
سے عیاں تھی۔

''یوں نہیں ادھر آ کر بیٹھو' میرے پاس۔''

''جو بھی کہنا ہے۔ شام کو بتانا ابھی مجھے کام سے کہیں جانا ہے۔'' حریم نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔ نظریں
پنک کارٹون کی شیپ والے کلاک پر تھیں۔

''کہاں جانا ہے؟'' موبی نے مصروف سے انداز میں پوچھا۔

''اپنے ابو کے گھر' ان سے ملنے۔''

''ابھی۔'' موبی نے کچھ پریشانی سے پوچھا۔

''ہاں۔''

''کس کے ساتھ۔ کیا ماہیر بھائی آئیں گے۔'' مانیٹر سے اس کی نظریں ہٹ چکی تھیں۔ حریم کے
جانے کا سن کر وہ سخت بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ اگرچہ دن کے بارہ گھنٹوں میں حریم صرف تین مرتبہ کھانا
دینے کی غرض سے اس کے کمرے میں آتی تھی۔ اکثر تو کھانا رکھنے کے بعد وہ دوسرے ہی لمحے بھاگ جایا
کرتی۔ موبی بے چارا آوازیں دیتا رہ جاتا۔ راحت بیگم نے ایک دو مرتبہ نوٹ کرنے کے بعد اس کی
سرزنش کی تھی۔ اب انہی کے طویل ترین لیکچرز سے بچنے کیلئے حریم موبی کی باتیں سننے کھڑی ہو جاتی
اور غائب دماغی سے جواب دے کر جان چھڑوانے کی کوشش کرتی۔

''نہیں۔''

''اکیلے جاؤ گی؟'' بہت فکرمندی سے موبی نے پوچھا۔ بہت دن ہوئے تھے اسے معمول کا کوئی دورہ

''ہاں۔''

''نہیں' اکیلے مت جانا۔'' موبی کچھ خوفزدہ ہوا۔

''میں بہت عرصے سے نہ جانے کہاں کہاں تنہا جاتی رہی ہوں۔'' حریم محض سوچ کر رہ گئی۔ اب
بیمار باپ اور معذور بہن کی ساری ذمہ داری اسی کے کندھوں پر تھی۔ شادی سے پہلے
کیا کرتی تھی۔

''جانا تو پڑے گا۔''

''تمہیں ڈر لگے گا بھابی!'' موبی سچ مچ خوفزدہ تھا۔

"کس چیز سے؟" وہ بےزاری سے بولی۔

"انسانوں سے' لوگوں سے' عورتوں سے اللہ کی یہ مخلوق بڑی خطرناک شے ہے۔" ان کی آنکھیں جانے کون سا دردناک منظر دیکھ رہی تھیں۔ بے حد سرخ آنکھیں۔

"اچھا......" حریم نے بحث میں وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"بھابی! تم ماہیر بھائی کے ساتھ چلی جانا۔ وہ ساتھ ہوں گے تو تمہیں ڈر نہیں لگے گا۔ بھائی کی موجودگی میں مجھے ڈر نہیں لگتا۔" موبی نے گویا درخواست کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" حریم نے غائب دماغی سے سر ہلا دیا۔

"میں غلط نہیں کہتا۔ آج نہیں تو کل مان لوگی۔ میں کچھ غلط کہہ نہیں سکتا۔" موبی اب خود سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کیوں تمہارا کہا غلط کیوں نہیں ہوسکتا۔" حریم اب کے چونک سی گئی۔

"تم کیا ولی ہو؟" وہ ہنس کر بولی۔

"نا...... نا' مجھ حقیر کو گنہگار تو نہ کرو۔" موبی دہل کر بولا۔

"میں تو معمولی سے معمولی انسان سے بھی حقیر ہوں۔"

"یوں نہیں بولتے منیب!" حریم بے اختیار ٹوکنے لگی۔

"کوئی بھی انسان کم تر نہیں ہوسکتا۔ ہر کسی میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے۔"

"اچھا...... بتاؤ' تنہا تو نہیں جاؤ گی؟"

"نہیں۔" حریم نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ موبی ایک دم مطمئن ہوگیا تھا۔

"تم بتاؤ' تمہارا کہا کبھی غلط نہیں ہوتا۔ یہ دعویٰ کیوں ہے تمہیں۔" حریم کچھ خیال آنے پر موضوع کی طرف پلٹی۔

"میں جو بھی کہتا ہوں۔ دل سے کہتا ہوں' کچھ چیزیں تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔" موبی کے چہرے پر عجیب سی بے چینی پھیلتی چلی گئی۔

"مثلاً کیا...... کیا؟" حریم نے بے صبری سے پوچھا۔ موبی کم ہی تو کھلتا تھا اب موقع تھا حریم نے اس موقع کو ضائع کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"بڑی عجیب سی باتیں ہیں میری۔" وہ کچھ سوچنے لگا۔

"بتاؤ نا......" حریم غیر محسوس طریقے سے موڑھے کی طرف بڑھ گئی۔

"پتا ہے۔ جب ابو کو دل کا دورہ پڑا تو میں گہری نیند سو رہا تھا۔ یوں لگا گویا میں جاگ رہا ہوں۔ سوتی جاگتی کیفیت میں ہوں۔ کسی نے میرا انگوٹھا ہلایا۔ ایسے گویا کوئی مجھے جگانا چاہتا ہو۔ پھر کہا اپنے ابو کو دیکھ لو۔ میں اٹھ گیا اور پھر ابو کے کمرے کی طرف بھاگا اس وقت ابو کے چہرے پر کوئی نشان نہیں تھا۔ بالکل ٹھیک تھے۔ ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ ابو نے مجھے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح پیار دیا' پھر یہاں دیا۔ پھر یہاں سے چوما۔" موبی اپنے گال' پیشانی اور ہاتھ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ حریم موبی کی ایک ایک بات غور سے سن رہی تھی۔

"وہ مجھے اسی طرح پیار کرتے تھے۔ اتنا پیار کرتے تھے' تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" موبی باپ کی یاد میں کھو گیا۔

"پھر کیا ہوا؟" حریم کو بے چینی لاحق تھی۔

"صرف تین منٹ گزرے تھے۔ ابو کے بازو میں درد اٹھا' پھر انہوں نے سینہ پکڑ لیا۔ ان کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔ میں نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا۔ ماہیر بھائی ابو کو لے کر ہسپتال چلے گئے تھے۔ پھر جب ابو واپس لوٹے تو بالکل خاموش تھے۔ گہری نیند میں تھے۔ میرے جگانے پر بھی نہ جاگے۔ میرے بلانے پر بھی نہ بولے۔" موبی کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔ کچھ پل خاموش رہنے کے بعد موبی نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"میں نے اپنے اس خواب کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اپنے گھر والوں کے علاوہ میں بتاتا بھی کسے۔ سارے خاندان کے لوگ مجھے پاگل سمجھتے تھے۔ مجنون سمجھتے تھے۔ کسی سے ذکر بھی کرتا تو لوگوں نے تمسخر اڑانا تھا۔ مگر میں نے ماہیر بھائی کو بتا دیا تھا اور پتا ہے بھابی! ماہیر بھائی نے میری بات پر یقین کر لیا تھا۔"

"ہوں۔" حریم نے ہنکارا بھرا۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"مجھ پر پھر سے وہ کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ ابو کی وفات کے بعد دوسری مرتبہ مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ اس دفعہ میں نیند میں نہیں تھا۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ میں نے خواب نہیں دیکھا تھا' مگر خواب کی سی کیفیت ضرور تھی۔ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی تھی۔ پھر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے اردگرد کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر یہ آنکھیں بھابی! ان آنکھوں نے پھر سے عجیب منظر دیکھا۔ کچھ لوگ آ رہے تھے۔ سجے سنورے۔ بہت لشکارے مارتے۔ پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہتے تھے' مگر اک سفید ہیولے نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا' اپنے سفید جبے میں چھپا لیا۔ تم یقین جانو صرف تین روز بعد ہمارے گیٹ پر کچھ ایسے لوگ کھڑے تھے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں' بھابی! میں نے جو کچھ لاشعوری طور پر دیکھا تھا۔ جو کچھ آنکھ کے پردے کے پیچھے تھا' وہ روز روشن کی طرح عیاں ہوتا چلا گیا...... مگر میں اس واردات سے محفوظ رہا' ہے نا حیرت کی بات۔" وہ خاموش ہوگیا تھا۔

"یہ خواب میں نے بہت چھوٹی عمر میں دیکھے تھے اور اب میں جو کچھ دیکھتا ہوں اور مسلسل کئی سالوں سے ایک ہی خواب دیکھ رہا ہوں...... نہ جانے یہ کیسا خواب ہے...... پہلے میں سوچتا تھا' خواب میں نظر آنے والی عورت تم ہو بھابی! ماہیر بھائی سے تمہاری شادی ہوجانے کے بعد بھی اس خواب کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا۔" وہ پھر سے کسی گہری سوچ کے زیر اثر خاموش ہوگیا تھا۔

"تم خواب میں کیا دیکھتے ہو؟" حریم کو اپنی آواز کسی کنویں میں سے نکلتی محسوس ہوئی۔

"یوں لگتا ہے گویا کانچ کی ایک دنیا ہے۔ چمکتی دمکتی دنیا' ضروریات زندگی کے سارے لوازمات سے پُر شیشے کا محل ہے۔ پھر ایک عورت دکھائی دیتی ہے۔ اس عورت کا چہرہ واضح نہیں ہوتا۔ یوں

لگتا ہے ایک باریک جالی کے پیچھے ہے۔ مگر پھر بھی وہ عورت دیکھی دیکھی سی لگتی ہے۔ روتی، بہاتی فریادیں کرتی' بھیک مانگتی۔ ایسے لگتا ہے' اس نے دونوں ہاتھوں میں سیاہ رنگ کا کشکول تو اور جو چیز مجھے خوف میں بے تحاشا خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ وہ بتاؤں کیا چیز ہے بھائی آنکھوں میں خوف دھمالیں ڈال رہا تھا۔ لمحہ بھر کو تو حریم بھی اسی خوف کے زیر اثر کپکپا کر رہ گئی۔ پیشانی پسینے سے تربتر تھی۔

''کیا چیز ہے؟'' حریم نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ اب وہ موبی کے کمرے سے نکلنے کے سوچ رہی تھی' مگر بڑا مسئلہ تو یہی تھا۔ موبی نے اپنی بات پوری سنانے کے بعد اسے جانے دینا تھا۔ صورت میں موبی کی ذہنی رو بگڑتے بھی دیر نہیں لگتی تھی۔ چیخ چیخ کر سارا گھر اس نے سر پر اٹھا لینا تھا۔

''آنسو...... خالی کشکول میں گرتے اس عورت کے آنسو۔ یوں لگتا ہے آنکھوں سے سفید خون کے قطرے لڑیوں کی صورت میں گر رہے ہیں۔ کشکول سرخ رنگ کے خون نما آنسوؤں سے بھر... ہے۔ پھر وہ عورت ماہیر بھائی کی طرف لپکنے لگتی ہے۔ ٹوٹی بکھری سی عورت' تھکی ہاری سی عورت۔ وہ ... کے قدموں میں سسک سسک کر روتی گڑگڑاتی اس عورت کا چہرہ مجھے یاد نہیں۔ مگر میں وثوق سے کہہ رہا ہوں' میں اس عورت کو پہلے دیکھ چکا ہوں۔ یہ خواب میں نے صرف تمہارے ساتھ شیئر کیا ہے بھابی۔''

''کاش کہ نہ ہی کرتے۔'' حریم پسینہ پسینہ سی اٹھ گئی۔ خوف کے مارے ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں۔

''کیا ضرورت تھی موبی کی فضول بکواس سننے کی۔'' وہ دل میں اٹھتی بے تحاشا خوف کی لہروں کو ... کر زیر لب بڑبڑائی۔

''حریم! ارے حریم۔'' امی گرتی پڑتی دروازے میں کھڑی پاٹ دار آواز میں اسے پکار رہی تھیں۔

''اس دیوانے کی بک بک سننے بیٹھ گئی ہو۔ یہ تو ایویں بکواس کرتا رہتا ہے۔ تم نے میرے بچے ... بڑی معصومیت سے فرمایا جا رہا تھا۔ حریم سرتاپا جل کر رہ گئی۔

''ڈیڑھ بج چکا ہے امی! دو بجے آپ کو دوپہر کی روٹی ہر صورت ٹھونسنی ہوتی ہے۔ چاہے ... ڈکاریں یا برگر' سینڈوچ۔ ساری چالاکیاں آپ کی مجھے ازبر ہو چکی ہیں۔'' وہ غصے سے بھنا... ٹنڈے چھیلنے لگی۔

............*

آٹھ بجے کے قریب ماہیر گھر آ چکا تھا۔ امی اور ماہیر لاؤنج میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ... پھلکے توے سے اتار اتار کر لاؤنج میں پہنچاتی جا رہی تھی۔

''تم بھی آ جاؤ۔'' ماہیر نے تیسری مرتبہ آواز لگائی تھی۔

''ابھی آئی۔'' جگ میں پانی پینڈے سے جا لگا تھا۔ وہ ٹھنڈی بوتل نکال کر لے آئی۔ ... منہ میں رکھا ہی تھا' جب امی کو پیٹ میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی۔

''حریم! سیون اپ رکھی ہے۔''

''جی......'' حریم کو گڑبڑ کی وجہ سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''تکلیف کے آثار اب چہرے پر دکھائی دینے لگے تھے۔

''بیٹے گلاس لا دو ... تم آرام سے کھانا کھا لو۔ میں بوتل لے آتا ہوں۔'' ماہیر اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔ ویسے بھی ... بی بی کی یہ عادت قطعاً پسند نہیں تھی۔ کھانا کھاتے افراد میں سے کسی نہ کسی کو اٹھانا' متوجہ کرنا' کسی کام کا ... یاد آ جانا' پھر اسی وقت پایہ تکمیل تک پہنچانا۔ ذرا دیر ہو جانے پر غصہ کرنا' موڈ بگاڑ لینا۔

''ادھر امی صاحبہ کو بھی بیٹے کی اس عادت سے بے تحاشا چڑ تھی۔ ماں کے سامنے بیوی کا خیال رکھنا۔ ... پلیٹ میں سالن نکال کر دینا۔ گلاس میں پانی ڈال کر رکھنا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ نہ کچھ پلیٹ میں رکھتے ... کبھی سلاد' کبھی کباب' کبھی خوراک کی افادیت پر لیکچر دینا۔

''آج کل کے لڑکوں میں بھی حیا نہیں۔'' ماہیر کے سامنے اس قسم کے ارشادات سے کافی پرہیز کیا ... تاہم تنہائی میں وہ دیواروں کو تو سنائی نہیں تھیں اور جسے سنانے کی کوشش کی جاتی تھی وہ تحمل سے سنتی ... پلٹ کر جواب نہ دیتی۔

سیون اپ پی کر طبیعت قدرے بہتر محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر سیون اپ کا جو گلاس ماہیر نے حریم کے ... کہا تھا۔ اس کی وجہ سے اختلاج ہونا ضروری تھا۔ انہیں پھر سے اپنی بیٹی کی بدنصیبی کا خیال آ گیا۔

''ماہیر جیسا داماد بھی مل جاتا تو ہر طرف سے پرسکون ہو جاتی۔'' انہوں نے افسردہ سانس زوردار جھٹکے ... تو خارج کیا۔

''امی! بہت دن ہوئے زمیلہ نہیں آئی۔'' ماہیر کو اچانک بہن کا خیال آیا تھا۔ جو نہ جانے کن حالات ... تھا۔

''مہینے میں ایک مرتبہ بھی میری بیٹی کو میکے نہیں آنے دیا جاتا۔'' امی کو تو بھڑاس نکالنے کا موقع چاہیے ... تھی' بیٹی خود ہی میکے نہیں آنا چاہتی۔

''آپ خود چلی جاتیں۔ حریم کو بھی ساتھ لے جانا تھا۔ اسی بہانے تھوڑی آؤٹنگ ہو جاتی۔'' وہ ٹی ... آہستہ کر کے ماں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ان کے دل میں خوشی ہو' آؤٹنگ شاؤٹنگ انہی کو بھاتی ہے۔ ادھر تو دل جل جل کر خاک ہوتا رہتا ... ہے۔'' پر ہمیشہ والی رقت طاری کر لی۔

''تو مہینے میں بیس بیس چکر میکے کے لگا آتے ہیں۔''

''... سے لوگ؟'' ماہیر نے بھی شاید بات بڑھانے کی غرض سے پوچھ لیا تھا۔ راحت بیگم کچھ گڑبڑا ...

''... پڑوس کی بہوئیں۔''

''... پیاری امی! آس پڑوس کی طرف کم دھیان دیا کریں۔ اپنی بہو کی طرف توجہ رکھا کریں۔'' ماہیر ... غرض سے ماں کو چھیڑا۔

''... بہو سے یاد آیا۔ قریشی صاحب کی نئی بہو کو دیکھنے جانا ہے۔ خالی ہاتھ جاتی اچھی لگوں گی۔

مٹھائی کا ڈبا اور پانچ سو روپے کافی ہیں۔ ولیمہ پر بھی تم جا نہیں سکے تھے۔" امی کا دھیان
نئی نویلی بہو کی طرف پلٹ گیا تھا۔

"بڑی خوبصورت دلہن ہے۔ ماسی بتا رہی تھی۔ لاکھوں کا جہیز لائی ہے۔ بھائی نے پلاٹ
ہے۔ دو دکانیں بھی دی ہیں۔"

"خوامخواہ دوسروں کی بہوؤں کے راگ الاپنے کا فائدہ۔ ادھر اپنے گھر کے چراغ کو دیکھ
آپ کی بہو تو حقیقت میں دیکھنے کے لائق ہے۔" ماہیر بڑے دنوں بعد اس موڈ میں دکھائی دے رہا
کے دل کی کلی کھل اٹھی۔ صبح سے مزاج برہم ہونے کے باوجود اس پل حریم محض ماہیر کو خوش دیکھ کر
تر و تازہ ہو گئی تھی۔

"ہمارا تو سارا دن کا ساتھ ہے۔ تم ہی جی بھر کر دیکھ لیا کرو۔ صبح کے گئے رات کو لوٹتے ہو۔"
بظاہر بڑی خوش بیانی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"میری والدہ کسی قدر براڈ مائنڈڈ ہیں حریم! تمہیں ایسی ساس تو اگلے پچھلے جنم میں نہیں ملی
ماہیر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

"دفع دور...... یہ جنم ونم کیا ہوتا ہے۔" امی نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"امی! شکرانے پڑھا کریں۔ حریم جیسی بھولی ہے۔ بے زبان گائے' جس کھونٹے سے باندھا
سے بندھ گئی۔" نہ جانے وہ ماں کو چھیڑ رہا تھا یا حریم کو چڑا رہا تھا۔

"یوں بولو ناشکر ہے' تمہیں حریم مل گئی۔ ماں کے کندھے پر بندوق ضرور رکھنی ہے۔"
ناگواری سے کہا۔ ماہیر پر کون سا امی کی "ناگواریت" کا خاص اثر ہونا تھا۔ ایسے اثرات حریم کے
پرنٹ چھوڑا کرتے تھے۔ برے اور بدنما پرنٹ۔

"تو کیا میں شکرانے پڑھوں؟" ماہیر کی آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔
ہونٹوں پر بھی شگفتہ' بہت ہی شگفتہ سا تبسم نمودار ہوا۔

"نہ بیٹے! سوا لاکھ آیت کریمہ پڑھو...... شاہ غازی کے دربار پر جمعرات کو حاضری دو۔
تیل کے چراغ جلاؤ۔ بڑا کمال جو ہوا ہے۔" امی بیچ بیچ بگڑ گئیں۔

"امی! اگر حریم آپ کی بہو نہ ہوتی تو آپ کی زندگی میں ایک بڑا خلا ہونا تھا۔ عجیب سا
ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" ماہیر نے چہرے پر معصومیت طاری کر لی تھی۔ حریم مسلسل اسے خاموش
اشارے کر رہی تھی' مگر آج تو وہ ان ساس بہو کو زچ کرنے کا شاید ٹھان کر بیٹھا تھا۔

"امی کی زندگی کے خلا نے تو بھر ہی جانا تھا' مگر بیٹے کے خالی پن اور اندر کے
معمولی بات نہیں تھی۔ تم خوش تو ہم خوش۔ ہم تو ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں۔ اچھا ہوا حریم مل
گئی۔" انہوں نے دوپٹہ پھیلا کر دعائیہ انداز میں کہا۔ ماہیر کو حریم نے اس عرصے کے دوران
موڈ اور ترنگ میں دیکھا تھا۔ امی کی کھٹی میٹھی باتیں بھی اس پل ناگوار محسوس نہیں ہو رہی تھیں۔

"دعا میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کر لیں۔ اچھا ہوا' مجھے حریم جیسی بھول گئی۔" ماہیر نے

"امی ہمارے درمیان کون سے عہد و پیاں تھے۔ طوفانی قسم کا عشق تھا۔ آپ کی اور ابو کی
پسند ہے۔ میں بر دکھوے کیلئے خود تو نہیں گیا تھا۔ آپ کی پسند کو دل و جان سے پسند کرنا ہمارا جرم
ہو گیا ہے۔"

"خدانخواستہ جرم کیوں؟ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں لائے ہیں۔ عزت آبرو کے ساتھ۔" امی
اپنے رنگ میں لے گئی تھیں۔ حریم کی حمایت میں بولنا انہیں گوارا نہیں تھا' مگر کبھی کبھی وہ اس کا دل
خوش کر دیتی تھیں۔

"ماں باپ کے فیصلوں پر سر جھکانے والے بیٹے' بیٹیاں مطمئن اور خوش رہتے ہیں۔"

"درست فرمایا ہے۔" ماہیر نے فوراً اتفاق کیا۔

"اب مجھے ہی دیکھ لیں۔ حریم کو بغیر دیکھے اوکے کر دیا تھا۔ ابو کی خوشی کو مقدم جانا۔ سودا گھاٹے کا
نہیں رہا۔"

"بغیر دیکھے کیوں...... ہزار مرتبہ تو جمال بھائی کی طرف جاتے رہے ہو۔ کبھی باپ کے ساتھ تو کبھی
" امی کا ماہیر کا یہ سچ ہضم نہیں ہوا تھا۔

"پالنے میں حریم صاحبہ کو شاید خبر پہنچ گئی تھی' میرے ساتھ رشتہ طے ہونے کی۔ خدا گواہ ہے۔ کبھی
جھلک دکھائی نہیں دی۔ میں تو موٹی' کالی اور بھدی حریم کا تصور کیے صبر و شکر سے بیٹھا تھا۔" وہ ماں کی
گود میں سر رکھ کے آرام سے لیٹ گیا۔

"چلو جھوٹے! میں نہیں مانتی۔" انہوں نے پیار سے بیٹے کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔

"حریم کے سر کی قسم۔"

"اور سن لو' حریم کا سر کیا فالتو ہے۔" امی فوراً برا مان گئیں۔ پھر اچانک خیال آنے پر بولیں۔

"حریم کو صبح دفتر جاتے ہوئے میکے چھوڑ دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" حریم اس مہربانی پر جھٹکا کھا کر رہ گئی۔

"مجھے تو صبح ساڑھے سات نکلنا ہوتا ہے۔ یہ کچن سے فارغ کہاں ہوتی ہے۔"

"رات کو ختم کر لیا کرے تو وقت بھی بچے اور خود کو بھی سہولت ہو۔"

"میں بھی کوشش کر لوں۔ آپ کے ساتھ جانا ممکن نہیں۔"

"تو پھر؟"

وہ اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی تھی۔ امی بھی ذرا جلدی کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"تم بھی چھوڑو ان دھندوں کو۔ چلو سوتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن کی لائٹ آف کرتا کمرے

سونے کے اور کوئی کام بھی ہے۔"

مجبوری ہے۔ تمہارے بغیر نیند کہاں آتی ہے؟" ماہیر نے لفظ مجبوری پر خاصا زور دیا تھا۔

"سخت مجبوری کا یہ بیان امی کے سامنے نہ جاری کر دیجئے گا۔" حریم برش پکڑ کر الجھے بال سنوار رہی تھی۔

"سارے فضول کام تمہیں اسی وقت یاد آتے ہیں۔" ماہیر نے جمائی روک کر کافی ناراضی سے اس کی "مصروفیت" کو دیکھ کر کہا۔

"سارا دن بال سلجھانے کا وقت نہیں ملتا۔" وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھی۔

"ابھی بچے نہیں تو تمہارا یہ حال ہے۔ اگر دو چار ہو گئے تو تم حریم! مجھے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملو گی۔" ماہیر اگلے دو چار سال کے خاکے میں حریم کو تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا اور پھر بے اختیار ہنس پڑا۔

"کیا ہوا ہے؟" حریم نے گردن موڑ کر حیرانی سے ماہیر کی طرف دیکھا۔ وہ آج بچ بچا کر ... کرنے کے چکر میں تھا۔

"ایک کو ساتھ لگائے' دوسرے کو بغل میں دبائے' تیسرے کو کاٹ میں سلاتے ہوئے اڑے اڑے حواسوں والی حریم کو دیکھ کر مجھے ہنسنا چاہئے یا پھر......"

وہ شرارت سے لب بھینچے اسے دیکھنے لگا۔

"ماہیر!" حریم شرارت سے جھنجھلا اٹھی۔

"ابھی تو ایک بچے کا امکان دور دور تک نظر نہیں آرہا اور میں تین تین کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" ماہیر اسے پھر سے چھیڑنے لگا۔ نہ جانے کیوں حریم چپ سی ہو گئی تھی۔

"یار! کچھ سوچو نا......" ماہیر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"آپ سوچتے رہیں...... جب کسی نتیجے پر پہنچ گئے تو مجھے بھی "باخبر" کر دیجئے گا۔" حریم نے جھٹک کر ایک خیال سے پیچھا چھڑاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"تمہارے تعاون کے بغیر تو سوچنا بھی محال ہے۔" ماہیر نے ایک بھرپور شرارت کا عملی مظاہرہ کیا۔

"ماہیر! کل کا سارا دن میں بابا کی طرف رہوں گی۔" وہ اس کے بازو پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟" ماہیر فوراً چونکا۔

"بابا نے کوئی ضروری بات کرنا ہے۔"

"کس قسم کی بات؟" ماہیر نے الجھ کر پوچھا۔

"کیا ہمارے مکان بیچنے کی۔"

"نہیں...... میں نے ابھی یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔"

"دیٹس گڈ۔" ماہیر قدرے مطمئن ہو گیا۔

"پھر کیا کہنا ہے انکل نے۔"

"میرے خیال میں حانی کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔" حریم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا۔" ماہیر نے ہنکارا سا بھرا۔

"تم نے پہلے ذکر نہیں کیا۔"

"جمعہ کی شام کو بوا نے فون کیا تھا۔"

"کون لوگ ہیں؟" ماہیر نے عام سے لہجے میں پوچھا۔ اکثر لوگ حانی کے رشتے کا سن کر چونک جایا کرتے تھے۔ ماہیر کے لہجے میں کسی خاص قسم کا تجسس نہیں تھا۔

"بوا کے جاننے والے ہیں۔" حریم' خالہ کے بتائے پرپوزل کے بارے میں سوچنے لگی۔ اسے خود حانی کیلئے احسان حسن کا پرپوزل مناسب لگا تھا' مگر بوا کے ریجیکٹ کرنے کے بعد حریم کو ضد کرنا ... وہ بھی احسان حسن کو دیکھے بغیر' پرکھے بغیر کچھ بہتر نہیں لگا تھا۔

"لڑکا کیا کرتا ہے؟" حانی کے معاملے میں ماہیر دلچسپی لے رہا تھا۔ حریم دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی تھی۔

"ابھی کچھ خاص تفصیل نظر سے نہیں گزری۔"

"ہوں...... اچھی بات ہے۔" ماہیر اب گہری سوچ میں گم' حریم کی طرف متوجہ تھا۔

"اے حریم! میری موجودگی میں کہاں کھو گئی ہو۔" ماہیر نے اسکے گرد گھیرا خاصا تنگ کر کے اسے ... کے بھنور سے باہر نکالا۔

"ماہیر! جب ہم اسلام آباد سے واپس آئے تھے تب کی بات ہے' خالہ نے مجھے حانی کیلئے ایک ... بتایا تھا۔ احسان حسن نام تھا' درس و تدریس کیلئے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ یا پھر یوں کہہ لیں کسی ... کے خواہشمند تھے۔ عمر چھیالیس سال ہو گی۔ آپ کا کیا خیال ہے' یہ پرپوزل حانی کیلئے کیسا ...؟"

"حریم! تم ہوش میں ہو۔ چھیالیس سالہ آدمی عمر کا اتنا فرق' حانی تو ابھی بچی ہے۔" کم و بیش ماہیر ... کی طرح کا ردعمل ظاہر کیا تھا۔

"مگر دیکھیں نا' حانی معذور ہے پھر نہ جانے۔" حریم کو اپنا نقطہ نظر واضح کرنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔

"حانی نا قابل علاج نہیں۔ ابو بتایا کرتے تھے حانی کا آپریشن یورپ میں ممکن ہے۔"

"مگر علاج بہت مہنگا ترین ہے۔" حریم کی آواز بھرا گئی۔

"اگر ہماری اتنی بساط ہوتی تو حانی کب کی اپنے قدموں پر کھڑی ہوتی' چلتی پھرتی۔"

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں' حانی کے آپریشن میں انکل کی مدد کروں گا۔"

"آپ......" حریم گویا ساکت ہو گئی۔

"ماہیر! آپ کس طرح...... یہ کیسے ممکن ہو گا۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔"

"مگر آپ کیسے؟"

"جب اپنی بہن کیلئے سائبان بیچ سکتا ہوں تو تمہاری بہن کیلئے اتنا سا کام نہیں کرسکتا۔" ماہیر نے

"اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے گی۔" حریم تو ابھی تک ششدر تھی۔

"اللہ وسیلے بنا دیتا ہے۔ جب اس نے کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے تو خود بخود... کر دیتا ہے۔" ماہیر نے اس کے گال سے اپنا گال رگڑ کر کہا۔ حریم کو لگا یہی بات اسی انداز میں کہ... بھی کہی تھی۔ سنہری فریم سے جھانکتی ان آنکھوں میں بھی خلوص کے دیے روشن تھے اور وہ بابا سے ر... تھا۔

"کیا حرج ہے اگر میں حانی کو امریکہ لے جاؤں۔ مجھ پر بھروسہ نہیں کیا؟ بیٹا کہتے ہیں مرز... نہیں۔"

"میں بیمار ہوں زرجان! حانی کو تنہا کیسے بھیج دوں اتنی دور' کیسے سمجھاؤں بیٹا؟" بابا بے... بولے۔

"میں خود تو اتنا طویل سفر نہیں کرسکتا۔"

"حریم ہیں نا...... وہ ساتھ چلی جائیں گی۔" زرجان نے جھجک کر کہا تھا۔

"حریم!......" ماہیر نے نرمی سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"کہاں کھو جاتی ہو' میری جان!"

"کبھی کبھی...... اپنے نصیب پر رشک آنے لگتا ہے۔" حریم کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

"کبھی کبھی کیوں؟ اکثر کیوں نہیں۔" ماہیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ آنسو کیوں؟"

"بس ایسے ہیں۔" حریم ہنس پڑی۔ سورج پر گویا بادلوں کی چادر تن گئی تھی۔ دھوپ' چھاؤں کے... روپ نے ماہیر کو دم بخود کر دیا۔

"میرے دل کا جام تمہاری محبت سے لبالب بھرا ہوا ہے حریم!" وہ اس کے کھلے بالوں میں... کر مخمور لہجے میں بولا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے بے فکر ہو جانا چاہیے۔" حریم نے مذاقاً کہا۔

"کس معاملے میں۔"

"یہی کہ اس دل میں کسی اور کی گنجائش زرہ بھر نہیں۔" حریم ہنسی۔

"دانا عورتیں کہتی ہیں۔ مرد کی کسی بات پر بحث نہ کرو۔"

"ان دانا عورتوں میں سر فہرست تو جنت بوا ہوں گی۔" ماہیر وثوق سے بولا۔

"تو اور کیا؟" حریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دانا عورتوں نے اور کیا فرمایا ہے؟" ماہیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مرد کی ہر بات پر اعتبار کرو۔ سوائے اس کے۔" حریم کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ ماہیر... کی بیپ نے ان دونوں کی توجہ اس ننھے سے موبائل کی طرف مبذول کروالی تھی۔ ماہیر نے لپک... بڑھا کر موبائل اٹھایا اور ریس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگا لیا۔

"...ہیر عالم اسپیکنگ۔"

"...ھیک گاڈ!" دوسری طرف مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

"...بڑی کوششوں کے بعد آپ کا پرسنل نمبر ملا ہے ماہیر صاحب!" کافی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

"آپ کون ہیں اور کیوں فون کیا ہے؟" ماہیر کو یہ بے تکلفی قطعاً نہیں بھائی تھی۔

"میں باسط ہوں ماہیر صاحب! پہچانا نہیں...... دراصل زکام کی وجہ سے آواز اور بھی بھدی اور پھٹیچر ...ہو گئی ہے۔"

"او...... باسط تم! اس وقت کیوں فون کیا ہے؟" وہ ایک ہی کمپنی سے منسلک تھے۔ باسط اس کے ...زکام کر رہا تھا۔ ماہیر کچھ وقت سے ہی سہی تاہم باسط کی آواز پہچان چکا تھا۔

"ماہیر صاحب! آپ کیلئے خوشخبری ہے۔" باسط نے جان بوجھ کر تجسس کو ہوا دینے کی کوشش کی۔

"پھوٹ بھی چکو۔" ماہیر نے بے زاری سے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"اس موڈ کے ساتھ خوشخبری آپ کا حق نہیں۔" باسط شروع سے لیچڑ تھا۔ باتوں کا شوقین اکثر لوگ ...نے پہچانتے ہوئے بھی باسط کی لسوڑے جیسی عادت کے پیش نظر اسے پہچاننے سے انکار کر دیتے تھے۔

"تمہارے فون سے پہلے میرا موڈ بڑا خوشگوار تھا۔" ماہیر نے بناتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں؟ چاندنی رات کو انجوائے کر رہے تھے۔" باسط نے اسے چڑانا چاہا۔

"بکواس نہیں کرو باسط!" ماہیر کے ضبط نے جواب دے دیا۔ وہ بھناتے ہوئے فون بند کرنے لگا ...ز

"ماہیر صاحب! سن تو لیں۔" باسط نے دہائی دی۔

"بولو......"

"کمپنی آپ کو ایک پرکشش آفر دے رہی ہے۔" باسط نے بالآخر منہ سے بھاپ نکال ہی دی۔

"کون سی آفر؟" ماہیر چونکا۔

"آپ کو ہانگ کانگ بھیجا جا رہا ہے۔" باسط نے اپنے تئیں بڑا آتش فشاں پہاڑ پھاڑا تھا۔

"کیوں؟"

"یہ تو کمپنی کے مالکوں کو پتا ہوگا۔" باسط اس کے معمول کے رواں لہجے کو سن کر قدرے بور ہوا۔

"میں نے سوچا یہ خوشخبری آپ تک پہنچانے والا باسط مرزا پہلا شخص ہونا چاہیے۔"

"شکریہ۔" ماہیر نے خشک لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ اسے خوشامدی لوگوں سے بڑی چڑ تھی اور ...نے خوشامد میں گویا پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔

"خیریت۔" حریم نے اپنا ہاتھ ماہیر کے شانے پر رکھ کر متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہوں۔" ماہیر چونکا۔

"سب خیریت ہے۔"

"کس کا فون تھا؟"

"کمپنی کی طرف سے ہانگ کانگ جانا ہے۔"

"کتنے عرصے تک؟" حریم نے فکرمندی سے پوچھا۔

"غیر معینہ مدت تک۔" ماہیر کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"کیا مطلب؟" حریم کی سانسیں تھم گئیں۔

"آپ چائنہ جائیں گے اتنی دور۔" حریم کی آنکھیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔

"ارے...... یہ کیا؟" ماہیر گھبرا گیا۔

"میں کیا ابھی جہاز پر چڑھنے لگا ہوں۔ حد ہوتی ہے حریم! اب رونا نہیں۔"

"جہاز پر تو ضرور چڑھیں گے۔ اتنی اچھی آفر جو ملی ہے۔" حریم نے سوں سوں کرتے ہوئے

"تمہیں رلا کر تو ہرگز نہیں۔ بھاڑ میں جائے اچھی آفر۔"

"کہنے کی باتیں ہیں۔"

"نہیں جاؤں گا یار!" ماہیر زچ ہوا۔

"ابھی تو میں خود اس اچانک آفر کی اصل وجہ جاننا چاہوں گا۔"

"تو پھر وعدہ کریں۔ آپ کہیں بھی نہیں جائیں گے۔" حریم نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی پشت
کر گویا التجا کی تھی۔

"بابا! نہیں جاؤں گا' کہہ دیا ہے۔"

"پکا۔" وہ مضبوط عہد لینا چاہتی تھی۔

"بالکل پکا...... گھڑے کی طرح پکا۔" ماہیر نے اسے چھیڑا۔

"یعنی کچا پکا...... ٹوٹنے والا عہد۔"

"بڑی تیز ہو گئی ہو حریم! پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔" ماہیر نے مصنوعی حیرانی کا اظہار کیا۔

"پہلے آپ دور بھاگنے کی باتیں بھی تو نہیں کرتے تھے۔"

"تم سے دور بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ تم تو زندگی ہو حریم! زندگی رنگوں سے سجی ہے۔ رنگ
سے کون دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔" ماہیر نے اسے بانہوں کے حصار میں لے کر زور سے بھینچ

صبح بہت جلدی نکلنے کے چکر میں گیارہ پھر بھی بج ہی گئے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی
سبزی والے کا انتظار کیے بغیر آلو کی بھجیا بنا لی تھی۔ برتن سمیٹ کر دھوئے تھے اسی اثنا میں
جھپک صفائی کر لی۔

وہ گھر سے نکلی تو اس وقت اچھی خاصی بدلیاں آسمان پر تیر رہی تھیں۔ جوں ہی کالونی کی سڑک
کر کے مین روڈ تک حریم پہنچی بادل نہ جانے کون سی سمت کی طرف تیرتے ہوئے نکل گئے
چاک ہوتے ہی سورج کی نوکیلی کرنیں جسم میں چبھنے لگیں۔ صرف دس قدم چلی تھی اور پورا جسم
ہو گیا تھا۔

حریم بے دم سی دور دور تک کسی...... رکشہ کو تلاشنے کے چکر میں ہلکان ہونے لگی۔ اسی

کے قریب آ کر رکی تھی۔

"زرجان!" حریم کے لب بے آواز ہلے۔ بغیر کچھ کہے زرجان نے بیک ڈور کھول دیا تھا۔ جانتا تھا
فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا کبھی گوارا نہیں کرتی اور پھر وہ بھی زرجان کے برابر میں۔

آگ اگلتے سورج کی جھلسا دینے والی تپش سے بچنے اور دور دور تک کوئی رکشہ نظر نہ آنے کے بعد وہ
ہو چکی تھی۔ تبھی تو بغیر بحث کیے آرام دہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"میں تایا جی سے ملنے جا رہا تھا۔" گاڑی سبک خرامی سے چلنے لگی تھی۔ اے سی کی کولنگ نے حواس
ٹھکانے لگائے تھے۔ زرجان کی لگژری گاڑی میں چکراتے کسی امپورٹڈ کلون کی خوشبو اس کے نتھنوں میں
رہی تھی۔ احساس دلاتی خوشبو' متوجہ کرتی' کچھ کہتی' کچھ سنتی...... دھیرے دھیرے اپنے ہونے کا
دلاتی' اپنائیت ظاہر کرتی' خلوص لٹاتی' بے تحاشا قیمتی اور انمول جذبوں کی مہک کو سموئے ایک ہی
کے گرد گھومتی خوشبو۔

"حانی نے بتایا تھا۔ آپ ورجینیا گئے ہیں۔" حریم نے کچھ تو کہنا تھا۔

"نہ جانے مہینے میں کتنی مرتبہ ایتھنز...... اوسلو' بنکاک اور نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے۔ رزق
ملک ملک' شہر شہر لے جاتا ہے۔"

"چاچی خیریت سے ہیں؟" اگرچہ محترمہ فلک ناز اس کی چاچی کے منصب سے بہت سال پہلے اتر
تاہم حریم اور حانی انہیں ابھی تک چاچی کہنا پسند کرتی تھیں۔ خیر سے چاچی کی شکل تک بھی کچھ خاص
رہی تھی۔ اتنے سال تو بیت چکے تھے انہیں دیکھے ہوئے اور آخری ملاقات کچھ ان حالات میں ہوئی
حریم اور حانی ان کے نقوش ازبر کرنے کے بجائے بس حیران پریشان سی ان کے منہ سے ادا ہونے
لفظوں پر غور کرتی رہ گئی تھیں۔ مگر ایک بات تو روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ زرجان عباس نے ایک
اپنے باپ کا چرایا تھا۔ اس کے چچا جمشید عباس بھی بلا کے حسین اور پرکشش مرد تھے۔

"ماما ٹھیک ہیں۔" مختصر سا جواب ملا تھا۔

"ماہیر کی جاب کیسی جا رہی ہے؟ کوئی پرابلم تو نہیں؟"

"نہیں۔"

نے نیو یارک میں ڈاکٹر فلپ ویلسن سے دو گھنٹے کی طویل ملاقات کی تھی۔ حانی کے آپریشن
کے سلسلے میں۔ پچھلی رپورٹس' ٹیسٹ رپورٹس اور ڈاکٹرز کے مختلف کمنٹس اسٹڈی کرنے کے بعد
کے بارے میں ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ حانی کا آپریشن ممکن ہے۔ ٹخنوں کے جوڑ کے اردگرد
ایک دو ڈیمج ہیں۔ ڈاکٹر کا خیال تھا یہ آپریشن انشاء اللہ ضرور کامیاب ہو گا۔" وہ بہت
لہجے میں اس حساس موضوع پر بات کر رہا تھا جو حریم کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔
حریم کی اولین خواہشوں کا حصہ تھی۔

اسی سلسلے میں ڈسکشن کرنا چاہ رہا تھا۔" وہ احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

حریم نے بے چینی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"حانی کو نیویارک بھیجنے کے سلسلے میں۔"

"مگر حانی تنہا تو نہیں جا سکتی۔" حریم بے دلی سے بولی۔

"اس پہلو پر بھی بہت غور کیا ہے میں نے۔" وہ نرمی سے شفاف سڑک پر نظریں جمائے ہو[illegible]

"پھر کیا نتیجہ اخذ کیا؟"

"ایک آپشن تو یہ تھا' بوا' حانی کے ہمراہ چلتیں۔ مگر میرا نہیں خیال کہ وہ جہاز پر بیٹھنا پسند [illegible] بھی اتنے طویل سفر کیلئے۔ دوسرا آپشن بھی کچھ بوگس سا ہے۔ اگر آپ تعاون کرتیں تو مسئلہ حل [illegible]

زرجان مزید نہ جانے کیا کہنا چاہتا تھا جب حریم سرعت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"میرا جانا ممکن نہیں۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ آپ کی اپنی شادی شدہ زندگی ہے۔ ازدواجی زندگی میں بہ[illegible] رشتوں کی پسند ناپسند کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ آپ کا جانا تو کسی طور مناسب نہیں۔ تیسرا آپشن مجھے سے کچھ بہتر لگا ہے۔ نیویارک میں حانی کیلئے مستقل ایک نرس فلیٹ میں رہا کرے گی۔ آپ کا [illegible] ہے؟" سفید پیشانی پر لہراتے لچھے دار سیاہ بالوں پر گلاسز ٹکا تا وہ پل دو پل کیلئے مرر کی طرف دیکھ[illegible] متوجہ ہو گیا تھا۔

"اور جو خرچہ ہوگا وہ ہماری رینج سے کتنا اوپر ہوگا۔" حریم رقم کے حساب کتاب میں الجھنے لگی۔

"یہ آپ کا ہیڈک تو نہیں حریم!"

"یوں تو بابا ہرگز نہیں مانیں گے۔" حریم نے نفی میں سر ہلایا۔

"بابا نہیں' اپنی بات کریں۔ تایا جی میری بات ہرگز نہیں ٹالتے۔" اس کے لہجے میں بابا کے [illegible] مان بول رہا تھا اور بابا کو بھی تو زرجان سے بہت محبت تھی۔ حریم انہی سوچوں میں الجھی تھی جب گاڑی کے پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں ایک ساتھ گاڑی سے اترے تھے۔ ایک ساتھ ڈرائیو[illegible] ہوئے اپنی اپنی سوچوں میں گم برآمدے تک آئے تھے۔ اس بات سے قطعاً بے نیاز کہ اسٹک کے [illegible] کھڑی حانی کی آنکھوں میں بجلی کے کوندے گویا لپکے تھے۔ اک عجیب سا خوشگوار احساس اس [illegible] چٹکیاں بجانے لگا تھا۔ گنگنانے لگا تھا۔

"حانی! حانی گڑیا' کہاں ہو۔" زرجان کی آواز سن کر بابا بھی کمرے سے نکل آئے تھے [illegible] فرش پر بیٹھ کر خربوزے کاٹ کاٹ کر کھاتی جنت بوا بھی بوکھلا اٹھی تھیں اور ادھر حانی دھیرے [illegible] ٹانگ پر وزن ڈالے چلتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔ وہ دونوں اب ساتھ ساتھ نہیں کھڑے تھے [illegible] کی آنکھوں میں وہ منظر گہرے عکس چھوڑ گیا تھا۔

"بھیا! میں یہاں ہوں؟" وہ اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ زرجان پلٹ کر سر خوشی سے [illegible] کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اسٹک حانی کے ہاتھ سے پکڑ لی تھی۔ حانی اس کے بازو کے سہارے [illegible] صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"زرجان سے بہتر کوئی مضبوط سہارا حانی کیلئے ہو سکتا ہے؟" حریم کے دل نے چپکے سے [illegible]

"بھیا! میں نے آپ کو بہت مس کیا تھا۔ اتنے دن لگا دیئے گوروں کے ملک میں کہیں وہاں دل تو [illegible] نہیں گیا؟" حانی شرارت سے چہکی۔

"دل کا مکان تو ایک دفعہ آباد ہوتا ہے۔ حریم دل میں سویرا حریم جمال کے دم سے ہے۔ باقی تو کچھ [illegible] بھی نہیں۔"

"[illegible] نہیں آیا بیٹے!" بوا دوپٹے سے منہ پونچھ کر "فراغت" کے بعد ان کے قریب فرش پر پھسکڑا [illegible]ے بیٹھی تھیں۔

"اس وقت وہ دفتر میں ہوتے ہیں بوا!" حریم ایک کرسی کی طرف بڑھ گئی۔

"بھیا! آج کھانا کھائے بغیر تو نہیں جانے دوں گی۔" زرجان' بابا سے گفتگو میں مصروف تھا' جب [illegible] نے ٹھنک کر مان بھرے لہجے میں کہا۔

"ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنا ہے۔" زرجان نے ہمیشہ والا جواز پیش کیا۔

"میں کچھ نہیں سنوں گی۔ آج دو لوگ جو مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔ اچانک آ کر مجھے پرمسرت [illegible]ے ہمکنار کر چکے ہیں۔ اس خوشی میں حانی جمال کی طرف سے پرتکلف لنچ۔"

"لنچ میں کیا کھلاؤ گی۔ ارہر کی دال' لیموں کا اچار یا انار دانے کی چٹنی۔" حریم نے مسرور سی حانی کو [illegible]

"ٹیبل دیکھ کر منہ میں پانی بھر آئے گا محترمہ!" حانی نے چیلنج بھری نظروں سے دیکھا۔

"ایسا بھی کیا خاص بنا ڈالا ہے۔"

"اپنی ساس کے لہجے میں "تاک تاک" کر وار کرنے کی ضرورت نہیں۔" حانی نے لاپروائی سے [illegible]

"وہ کب کچھ کہتی ہیں۔" حریم' زرجان کے سامنے شرمندہ سی صفائی پیش کرنے لگی۔

"[illegible]ن کے منہ سے تو شہد ٹپکتا ہے۔"

"بزرگوں کے بارے میں اس طرح نہیں کہتے۔" [illegible]یم نے حانی کو آنکھیں دکھائیں۔

"[illegible] کس طرح کہتے ہیں؟" وہ لبوں کا کونا دبائے ہنس رہی تھی۔

"[illegible] ہو نہیں۔" حریم اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"[illegible] ناراض کر دیا نا۔" زرجان نے تاسف سے سر ہلایا۔

"[illegible]" حانی نے بھولپن سے کہا۔

"[illegible]" زرجان اس کی معنی خیز نگاہوں سے نظریں چرا گیا۔

"بھیا! ہم حریم کو کیسے منائیں؟" حانی کے دل میں کھد بد ہونے لگی۔

"[illegible] تو کچھ ناراض لگتی ہے۔ سنیں ذرا کچن میں برتن گرنے کی آوازیں۔"

"[illegible] اب کیا ہو سکتا ہے؟" زرجان نے ذرا سی گردن موڑ کر جلدی جلدی میز پر برتن لگاتی

حریم کو دیکھ کر کہا۔

"مناتے ہیں اسے۔" حانی کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"کس طرح؟" زرجان اس کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے ہمیشہ کی طرح جواب ... حانی کے ساتھ باتیں کرتے نہ تو اسے آفس بھاگنے کی جلدی ہوتی تھی نہ وہ کبھی بے زاریت کا ... تایا جی کی یہ بیٹی اسے بہت عزیز تھی۔

"یہ تو آپ بتائیں گے۔" حانی نے بندوق زرجان کے کندھے پر رکھ دی۔

"اچھا" وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

"مجھے حریم کو منانا کہاں آتا ہے اور وہ روٹھتی کب ہے۔ بھلا ہمارے درمیان ایسا کون ... ہے؟ میں تو حیران ہوں۔ میرے ساتھ دو چار باتیں کس طرح کرتی رہی ہے۔ شاید مروت کے ...

"کھانا لگ چکا ہے...... تشریف لے آئیے۔"

"حانی! اتنا کچھ کس کیلئے بناتی ہو۔" زرجان نے ایک طائرانہ نظر میز پر ڈال کر کہا۔

"پردیسیوں کیلئے۔" حانی نے اسٹک کو ایک طرف رکھ کر کرسی کی بیک کا سہارا لیا تھا۔ ... سے زرجان کے برابر بیٹھ گئی۔

"پردیسی۔" حریم اور زرجان نے چونک کر کہا۔

"آپ دونوں پردیسیوں سے کم ہیں۔ چاند کی طرح جھلک دکھاتے ہیں۔" حانی نے ... کیا۔

"حانی نئے مہینے کے چاند کی بات کر رہی ہے۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سب موجود ... کے باوجود ماہیر کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں جی! میں تو عید کے چاند سے آپ دونوں کو تشبیہ دے رہی ہوں۔" حانی جھلا کر بولی۔

"اتنی مبالغہ آمیزی۔" زرجان دھیرے سے مسکرا دیا۔

"سچائی کا پردہ چاک کر رہی ہوں۔" حانی نے نہ جانے کس ڈرامے کے ڈائیلاگ بولے ...

"حانی! کی کوکنگ بیسٹ ہے۔" زرجان نے تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ وہ بھی حانی کے ... وجہ سے مگر تعریف وہ دل سے کر رہا تھا۔

"حریم کے ہاتھ کا ذائقہ کبھی چکھ لیں تو مدتوں یاد رہے گا۔ اپنے شیف کو ... دیں گے۔ بدمزا کھانے پکانے کی وجہ سے۔" حانی اسٹارٹ ہو چکی تھی اور حریم شرمندگی کے ... سے جلد ہاتھ کھینچ کر پانی کے بہانے اٹھ گئی۔

"چلتا ہوں تایا جی! سوچ سمجھ کر حریم سے مشورے کے بعد جو بھی فیصلہ کریں مجھے آگاہ ... وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"چائے تو پی لیں۔" حانی اس کا ہاتھ پکڑے التجائیہ بولی۔

"ابھی دو منٹ میں حریم بنا لاتی ہے۔"

"وہ یہاں آرام کرنے کیلئے آتی ہیں گڑیا! تم انہیں کچن میں گھسا دیتی ہو۔" زرجان نے حانی کے ... چپت لگائی۔

"میں کون سا پہاڑ سر کر کے آتی ہوں۔" حریم نے ناچاہتے ہوئے بھی لب کشائی کی تھی اور اب حانی ... کچھ پشیمان سی کھڑی رہ گئی۔

"آئم سوری! شاید آپ کو برا لگا۔" زرجان کے معذرت خواہانہ انداز پر حانی بھنا گئی۔

"آپ دونوں اتنے فارمل انداز میں گفتگو کرتے ہیں مجھے تو سخت اختلاف ہونے لگتا ہے۔"

"ہمارے درمیان کب بے تکلفی کی فضا قائم رہی ہے گڑیا۔" زرجان محض سوچ کر رہ گیا۔

"چائے پی لیں۔" حریم کچن سے قدرے بلند آواز میں بولی۔

"حریم نے چائے بنا لی ہے۔ دو منٹ کی تو بات ہے۔ ورنہ حریم کا دل برا ہوگا۔" حانی کچھ دیر کیلئے زرجان کو روکنا چاہتی تھی۔ زرجان کو رکنا ہی پڑا۔ حانی کے اصرار پر نہیں، وہ حریم کو ٹرے اٹھائے کچن ... دیکھ چکا تھا۔

"ایسی چائے تو بانصیب لوگ پیتے ہیں۔" حانی کی زبان پر پھر سے کھجلی ہوئی۔

"بھیا! آپ خود کو "بانصیب" سمجھ لیں۔"

"کون جانے کس کا نصیب بلند ہے۔ کس کے بخت کا ستارہ آب و تاب سے چمکتا ہے۔ جس کے ... طرف "رات" ہو۔ اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔" بولتی خاموشی چپکے سے زرجان کے ہمراہ اٹھ گئی ...

"رات کے اختتام پر ایک صبح تو منتظر ہوتی ہے۔" خاموشی بھی بہت رنجیدہ تھی۔

"میری صبح نہ جانے کہاں کھو گئی ہے؟"

"اسے ڈھونڈتے کیوں نہیں۔" خاموشی نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ وہ اس کے ہمراہ تھی۔ ہمراز ... کے ساتھ ساتھ اس نے بھی تو زرجان عباس کے دل میں قیام کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی تو خاموشی بھی ...

"ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔"

"... محبت نے کیا دیا؟" خاموشی نے بے بسی نما غصے سے پوچھا۔

"... تمہارا ساتھ دیا ہے۔"

"... ساتھ۔" خاموشی لرز کر رہ گئی۔

"... کی خوشی تو نہیں بخشتا۔"

"... تمہارے ساتھ خوش ہوں۔"

"... ساتھ رہو گے؟" خاموشی نے رنجیدگی سے کہا۔

"... گی جو میرا اور تمہارا ساتھ چھڑوا دے گی۔"

"... نہیں ہوگا۔"

"تمہارے ارادوں میں کسی نے شگاف ڈال دیا تو۔" خاموشی خوفزدہ تھی۔

"یہ ممکن کہاں ہے؟"

"میں کبھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔" خاموشی نے بڑے

ایک وعدہ کیا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں' ہمیشہ تم میرے ساتھ رہو۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔ حانی لاج میں جاتے کیوں ہو؟" خاموشی تجسس نما بے چینی سے بولی۔

"تایا جی کیلئے' حانی کیلئے۔"

"جھوٹ۔" خاموشی کو قطعاً یقین نہ آیا۔

"تو سچ تم بتا دو۔"

"حریم کیلئے جاتے ہونا۔" خاموشی نے لہک کر سچ بتایا۔

"جان کر زخم ادھیڑتی ہو۔"

"محبت کو تم نے کیا دیا۔" خاموشی کچھ پشیمان ہوئی۔

"زندگی کا ایک ایک لمحہ۔"

"تم بھی نا زرجان!" خاموشی کو سر پر ہاتھ مار کے جانا پڑا تھا کیونکہ سلور سوک ایک دیو قامت عالیشان عمارت کے سامنے رک چکی تھی۔ جس کے ماتھے پر بڑے بڑے حروف میں بہت واضح لکھا تھا۔

"زرجان انڈسٹریز۔"

............*

"عصر کے بعد آنا تھا ان لوگوں نے کیا فون کر کے پوچھ لوں؟" بوا نے احمقانہ سا سوال کیا تو کوکو سنے لگیں۔

"میں بھی سٹھیا گئی ہوں۔ بھلا اس طرح کے معاملات میں خود سے فون کرنا مناسب ہے۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ بچی کیا ان پر بھاری ہے۔"

"بوا! دن تو آج کا ہی بتایا تھا نا۔ کہیں آپ کو سننے میں مغالطہ نہ ہوا ہو۔" حریم بے چینی سے بولی۔ آج حانی کو دیکھنے بوا کے جاننے والوں میں سے کسی نے آنا تھا۔ حریم اسی سلسلے کی وجہ سے آج آفس نہیں گئی تھی۔ وقت بھی انہیں عصر کے بعد کا دیا تھا۔ اب انہی لوگوں کا انتظار ہو رہا تھا۔

"جمال! اگر زرجان کو بھی فون کر کے بلا لیتے تو بہتر تھا۔" بوا سل پر قیمہ پیتے ہوئے بولیں۔

"ایک بجے دوپہر کو تو وہ یہاں سے گیا ہے۔ بچے کے بھی ہزار کام ہیں۔ پھر سے فون کریں گے تو کیا سوچے گا۔ کب تک ہم اس پر انحصار کریں گے مر ... ہوگا؟" بابا کی آنکھوں میں تفکر کے سائے تھے۔ غیر ارادی طور پر ان سب کی نظریں کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"زرجان کے بغیر تو سانس بھی نہ لیں۔" حریم نے جل کر سوچا۔ آج سے چند سال پہلے

ان کے چھوٹے بھائی جمشید کے تینوں بچے اسی شہر میں رہائش پذیر ہیں۔

... بھائیوں کی ایک سہانی شام تھی جب زرجان انکے گھر چلا آیا تھا۔ چچا جان کی وفات کے متعلق ... بتایا تھا۔ شاید جمشید چچا نے زرجان کو ان کے گھر کا پتا دیا تھا۔

... اس سہانی شام نے چپکے سے نجانے کون سا عہد زرجان سے لے لیا تھا۔ اس کے قدم کہیں اور جانے ... نکلتے تھے اور وہ "حانی لاج" کے سامنے آ رکتا۔

... زرجان کے بڑے دونوں بھائیوں کو آج تک حریم اور حانی نے نہیں دیکھا تھا۔ چاچی سے بھی صرف ... ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی کچھ تصویریں ادھر پڑی تھیں۔ اکثر حانی نکال کر دیکھتی رہتی۔ کچھ دیر بعد ... سرخ کار گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ اپنی اپنی جگہ ان سب کے دل اک پل کیلئے لرز کر رہ گئے تھے۔ حانی ... بناتے ہوئے وہیل چیئر گھسیٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مہمانوں کی موجودگی میں وہ کم کم ... کے سہارے چلتی تھی۔

... نے آگے بڑھ کر مہمانوں کا استقبال کیا تھا۔ حریم بھی قدرے تپاک سے ملی۔ تین عورتیں تھیں۔ ... ہمراہ نہیں تھا۔ حریم کو کچھ اطمینان ہوا۔ وہ اٹھ کر کچن میں آنے لگی تھی جب بوا نے اسے اشارے ...

"تم بیٹھو! میں کچن میں جاتی ہوں۔"

مہمان خواتین اردگرد کے جائزے سے فراغت پا کر حریم کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"... تعلیم ہے آپ کی چھوٹی بہن کی؟" انٹرویو کا گویا آغاز ہو چکا تھا۔

"... بی اے کیا ہے۔" حریم نے تحمل سے جواب دیا۔

"... شادی شدہ ہو؟" لڑکے کی ماں بڑی باریک بینی سے حریم کا جائزہ لے رہی تھی۔

"... تمہاری شادی کہاں ہوئی ہے۔ خاندان میں یا خاندان سے باہر۔"

"خاندان سے باہر۔ بابا کے دوست تھے عالم انکل' ان کے بیٹے کے ساتھ۔" حریم نے آہستگی سے ...

"... کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔ ایکسیڈنٹ وغیرہ۔" بزرگ نما آنٹی نے نرمی سے پوچھا۔

"... سے گری تھی۔"

"آپ نے علاج وغیرہ نہیں کروایا۔" خاموش بیٹھی عورت نے کافی نخوت سے پوچھا۔

"... ہاتھ دھرے تو کوئی نہیں بیٹھتا۔" حریم نے ناگواری دبا کر جواب دیا۔

"... زرجان بھی آ جاتا۔" نہ جانے دل نے اس لمحے کیوں اسے پکار لیا تھا اور وہ بھی شاید اسی پکار ... کچھ دیر بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو گویا ہر منظر دھندلا گیا۔ اس کی چھا... شخصیت نے مہمان خواتین کو مرعوبیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"... تعریف؟" خواتین کے لہجے میں نمایاں فرق نظر آنے لگا تھا۔

"بیٹا ہے ہمارا۔" بوا کولڈ ڈرنکس لے آئی تھیں۔ حریم جو ابھی تک زرجان کی آمد کے متعلق ہر
گرفتار تھی گویا سمجھ کر خاموش ہوگئی۔ بوا نے زرجان کو فون کر کے بلوایا تھا۔

"اچھا...... اچھا۔" عجیب بات تو یہ تھی کسی نے "بیٹے" کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا
زرجان کی وجاہت کا کمال تھا یا دولت کا رعب۔ حریم مخمصے میں پھنس کر رہ گئی۔

"بچی کہاں ہے؟"

"بوا! حانی کو لے آئیں۔" حریم نے آہستگی سے بوا کو مخاطب کیا۔ کچھ دیر بعد حانی اسٹک کے
سہارے چلتی ہوئی آ گئی۔ مہمانوں کے سامنے وہ ہرگز اسٹک کا سہارا نہیں لیتی تھی بلکہ آرام سے بیٹھی
بیٹھی رہتی۔ مگر آج حریم کی منتوں ترلوں کے بعد خاموشی سے مان گئی تھی۔ خواتین نے بہت پسندیدہ نظروں
سے حانی کو سرتا پا دیکھا تھا۔ وہ بیٹھ چکی تھی اور کوئی عیب ڈھونڈنے سے بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کچھ دیر بعد زرجان نے بوا سے کہا۔

"حانی کو لے جائیں۔"

"آپ کا بیٹا کیا کرتا ہے؟" زرجان ان کے جانے کے بعد خواتین کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

"بینک میں منیجر ہے۔" نرگس نامی خاتون لڑکے کی ماں تھیں۔ اب سارے جوابات انہی کی طرف
سے مل رہے تھے۔

"نام کیا ہے؟"

"مبشر اکرام۔" نرگس آنٹی کو ساتھ بیٹھی خاتون نے ٹہوکا دیا۔

"کون سے بینک میں جاب کرتا ہے۔"

"نیشنل بینک میں۔" وہ جزبزسی جواب دے رہی تھیں۔ زرجان کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا تو۔

"ہمیں تو بہن! بچی بہت پسند آئی ہے۔ بھائی صاحب! آپ بھی کسی اتوار آ کر مبشر کو دیکھ لیں۔"
نرگس نے بابا کو مخاطب کیا تھا۔ جمال صاحب ابھی ابھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے چہرے
پر تفکر کا جال بنا تھا۔

"ہم اسی اتوار آجائیں گے۔" بوا نے گفتگو میں حصہ لیا۔ مہمان خواتین چائے پی کر رخصت ہوئیں۔
انہیں رخصت کرنے کے بعد حریم پر واپس جانے کی دھن سوار ہوگئی۔

"ماہیر کو فون کردو۔ واپسی پر لیتا جائے۔" بوا برتن سمیٹ رہی تھیں۔ حانی بھی کمرے سے
"کچھ دیر تو رکو۔ مہمانوں کے بارے میں کچھ تبصرہ تو کرلیں۔" حانی کی شوخیاں لوٹ آئی تھیں۔

"کون سا تبصرہ!" حریم اپنے دھیان میں گم تھی۔ بے خیالی میں پوچھنے لگی۔

"یہ عورتیں شکل سے کافی چالاک لگتی ہیں۔"

"آج کے دور میں سیدھا کون ہے؟"

"حریم! ایک بات تو سنو۔" حانی قدرے سنجیدہ ہوئی۔

"کیا ہے۔"

"ان عورتوں نے مجھے اسٹک کے ساتھ پسند کیسے کرلیا۔ بات کچھ ہضم نہیں ہوتی۔"

"بے کار کے واہمے پالنے کی ضرورت نہیں۔" حریم نے نرمی سے جواب دیا۔ وہ گھر جانے کیلئے بے
چین تھی جبکہ شام کی چادر بھی پھیلنے کی قریب قریب تھی۔ بابا اور بوا نے اسے تنہا تو جانے نہیں دینا تھا جبکہ
ماہیر کا موبائل بھی آف تھا۔ وہ فکرمندسی گھڑی کی آگے بڑھتی سوئیوں کو دیکھنے لگی۔

"تم زرجان بھیا کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔ انہوں نے تمہیں ڈراپ کردینا تھا۔"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ ابھی ماہیر آجائیں گے۔"

"آئی بھی تو ان کے ساتھ تھیں۔" حانی نے شرارتاً کہا۔

"تم دونوں کو ایک ساتھ چلتا دیکھ کر کچھ پل کیلئے تو میں بھول گئی تھی کہ تم زرجان بھیا کی نہیں ہو۔"

"حانی! حریم سخت مشتعل ہوگئی۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ابھی مزید وہ حانی کو لتاڑنا چاہتی تھی مگر بائیک کی آواز سن کر خاموش ہوگئی۔

"ماہیر بیٹا آئے ہیں۔" بوا نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانک کر اطلاع دی تھی۔ حریم جلدی سے
بیرونی دروازے کی طرف لپکی۔

............*

"بہن کی منگنی کے بتاشے بانٹ آئی ہو۔" حریم کی توقع کے عین مطابق وہ جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ اسے
دیکھتے ہی اپنے ساتھ ہی فارم میں آگئیں۔

"میکے جاکر دل لگالیتی ہو۔ پیچھے بھول جاتے ہیں۔ گیارہ بجے کی گئی سات بجے لوٹی ہو۔ آلو کی
بھجیا ہمارے متھے مار گئی تھیں۔ جیسے تیسے میں نے روٹی پکالی۔ اب خالی برتن منہ چڑا رہے ہیں۔ ماہیر تو سسرال
سے کھانا کھا کر آیا ہوگا۔ ہمیں کیا ہوا کھلاؤ گی۔" حریم جب گھر میں داخل ہوئی تھی تب وہ موبی کے کمرے
میں تھیں۔ پانی پی کر جب وہ کچن سے باہر نکلی اسی پل راحت بیگم نے اسے دیکھا تھا اور شروع ہوگئیں۔

"ماہیر تو گیٹ سے اندر بھی نہیں آئے۔ پہلے ہی لیٹ ہو چکے تھے۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو اور بھی دیر
ہو جاتی۔" حریم کا صفائی دینا بھی عذاب ہوگیا تھا۔

"لو بھلا! بڑی بیگم سے سو کھے منہ آگیا۔" امی صدمے سے گویا بے حال ہوگئیں۔ حریم کی جان شکنجے میں
آ رہی تھی۔ تبھی ماہیر نہا دھو کر آگیا۔

"کچھ کھانے کو ہے تو لادو۔ آج تو لنچ کا بھی وقت نہیں ملا۔"

"بوا نے کھانے کو ہم بھی وہ ہی کھائیں گے۔ ایک بجے کی بھاجی کھا کر بیٹھے ہیں۔ برتن اوندھے
پڑے ہیں۔ بہو بیگم کو پچھلوں کی فکر کاہے کی...... خود تو دعوتیں اڑا کر آرہی ہیں۔" انہوں نے خوب جلے دل
کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ حریم بغیر کچھ کہے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بوا اور حانی نے زبردستی ٹفن بھر کر
دیا تھا۔

"یہ کوئی وقت ہے ہانڈی پکانے کا۔ تمہاری ساس تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں گی۔ مشین میں گرم
کرلینا۔" بوا نے دو ہاٹ پاٹ بھی شاپر میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ ٹفن کھولا تو کئی طرح کی چیزیں برآمد

ہوئیں۔ روسٹ کباب، رول، چٹنی، بریانی اور ایک پلاسٹک کے بند ڈبے میں کھیر۔ قورمہ۔

حریم نے اوون میں سب کچھ گرم کر کے ٹرے میں سجایا اور خوشبو اڑاتے کھانے تخت پر... راحت بیگم جہاں کی تہاں رہ گئیں۔ تاہم پیشانی کے بل کم نہیں ہوئے تھے۔

"بازار سے لائے ہو؟" یعنی وہ پھر بھی مشکوک تھیں۔ حریم کے دل میں پھانس سی چبھی۔

"یہ کھانا" انہوں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

"نہیں تو۔" ماہیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایک بھاری سا شاپر بوا اسے پکڑا رہی تھیں۔" ماہیر کے بتانے پر بھی ان کی شاید تشفی نہیں ہوئی۔

"تیز مسالے ہیں بریانی میں۔ مجھے تو سادہ روٹی پکا دو۔ اچار سے کھا لوں گی۔" انہوں نے... پرے کھسکا دی تھی۔ ماہیر کھانا کھا کر اٹھ گیا تھا۔ حریم نے بے دلی سے کباب، رول اور بریانی فریج میں رکھ دی۔ ایک باؤل میں کھیر ڈال کر ماہیر کے سامنے رکھی۔ ماہیر کو کھیر بہت پسند تھی۔ اکثر فرمائش کرتا تھا۔

حریم نے روٹی پکا کر اچار کا جار اٹھایا اور باہر آ گئی۔ امی نے روٹی کھا لی تو وہ دو چار... لائٹس آف کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ماہیر گہری نیند میں تھا۔ حریم بھی بغیر آہٹ کے دروازہ... خاموشی سے آ کر لیٹ گئی۔ نہ جانے کب امی کے کٹیلے رویے کو سوچتے ہوئے آنکھ لگ گئی تھی۔

نیند میں ہی حریم کو پیاس کی شدت کا احساس ہوا تھا۔ ایک دم آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ... تھا۔ لائٹ اچانک چلی گئی تھی۔ یو پی ایس کی بدولت پنکھا چل رہا تھا۔ حریم اٹھ کر پانی پینے باہر چلی... کچن میں کھٹ پٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے کپکپانے لگا... آگے ہو کر کھلے دروازے میں سے حریم نے جھانکا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

امی بریانی کی پلیٹ بھر کر بوٹیوں کے پہاڑ چاولوں پر سجائے اردگرد سے بے خبر کھانے میں... تھیں۔ کھیر کا ڈونگا بھی قریب رکھا تھا۔ حریم تاسف سے سر ہلا کر بغیر پانی پیے الٹے قدموں پلٹ...

............*

بوا اور بابا دونوں جا کر نا صرف مبشر کو دیکھ آئے تھے بلکہ کافی خوش، خوش واپس لوٹے... ہی مسرور تھیں۔ لڑکا خوش شکل تھا، تعلیم یافتہ تھا...... مڈل کلاس فیملی سے تھا...... تاہم جس جگہ... بوا کو پسند نہیں آیا تھا۔ زرجان نے بھی چھان بین کروا لی تھی۔ مبشر شریف اور مہذب لڑکا... باوجود حریم کا دل کسی انہونی کے خیال سے کھٹک رہا تھا۔ حانی بھی کچھ وہم اور خدشات کے... تھی۔ اس صبح خالہ کا فون آ گیا تھا وہ حانی کیلئے اتنے اچھے پرپوزل پر مبارکباد دے رہی تھیں۔

"حانی کیلئے دل بڑا پریشان رہتا تھا۔ اب بھائی صاحب بھی کچھ مطمئن ہو جائیں گے۔"

"جی خالہ! میں تو خود حیران ہوں۔ ان لوگوں نے کسی بھی بات پر اعتراض نہیں..." الجھی سی تھی۔

"اللہ کی اتنی وسیع دنیا میں نیک اور بھلے لوگوں کی بھی کمی نہیں۔" خالہ اور بوا کے اکثر...

...رہے تھے۔

"پھر بھی خالہ! نہ جانے دل مطمئن کیوں نہیں۔" حریم اپنی بے چینی بتانے سے قاصر تھی۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو بیٹی!"

"محسن، محب ٹھیک ہیں؟" حریم کو بچوں کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"کرم ہے رب تعالیٰ کا۔ تم سناؤ، ابھی کوئی امید نہیں بندھی۔"

"نہیں۔" حریم کا دل بجھ سا گیا تھا۔

"اللہ مہربانی کرے گا۔ فکر مت کیا کرو۔" خالہ محبت سے تسلی دینے لگی تھیں۔ حریم کے آنسو گالوں پر بہنے لگے۔ یہی بات ثریا خالہ بھی سہ پہر کے وقت کہہ رہی تھیں۔

"کسی ڈاکٹر کو دکھانا تھا راحت!"

"اچھا...... ماہیر سے کہوں گی۔" انہوں نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا پتا اس حادثے میں کوئی نقصان ہو گیا ہو۔" ثریا خالہ نے دبی آواز میں سرگوشیانہ کہا۔

"کیسا نقصان؟" راحت بیگم کے ساتھ ساتھ حریم بھی ٹھٹک گئی۔

"سو طرح کے مسئلے بن جاتے ہیں۔ مکمل چیک اپ کروا لینا تھا۔ کیا پتا جس شجر کی آبیاری کر رہی ہو اُگنے کا امکان ہی نہ ہو۔" ثریا خالہ سفاکی کی حد تک صاف گو تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔" امی دہل کر رہ گئیں۔

"خدانخواستہ کچھ مسئلہ ہوا تو علاج کروا لینا...... اب تو سائنس بڑی ترقی کر چکی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو آپا! ماہیر سے آج ہی بات کروں گی۔" امی نے دل میں ارادے کو مضبوط کیا۔ حریم ان کے چہرے دیکھتی رہ گئی تھی۔

...نے اپنی بے صبری طبیعت کی وجہ سے رات کو ہی ماہیر سے بات کر لی تھی۔ کچھ پل کیلئے تو ماہیر... سا رہ گیا تھا۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے بیٹا! ڈاکٹر کو دکھا لینے سے ہماری ناک نیچی تو نہیں ہو جائے گی۔" وہ مسلسل... کوششوں میں تھیں۔

"...کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی۔" وہ فکر مند سا تول تول کر بول رہا تھا۔

"تو پھر؟"

"...کا ردعمل کیا ہو گا؟" ماہیر پرسوچ نظروں سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"...تم پہلے سے فضول باتیں منہ سے نکالتے رہو۔" وہ فوراً برا مان گئیں۔

"..." ماہیر بضد ہوا۔

"...کی مرضی۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر لی۔

"...کرنے کے سوا پھر کیا کر سکتی ہوں۔" اتنی صابر وہ لگتی تو نہیں تھیں۔ جتنا بڑا صبر کرنے کا دعویٰ کر رہی

"میں نہیں مان سکتا۔" ماہیر نے نفی میں سر ہلایا۔
"آپ کا متوقع ردعمل ابھی سے میرے ہوش اڑانے لگا ہے۔"
"تم غلط کیوں سوچتے ہو۔" امی کو غصہ آ گیا۔
"ڈاکٹر تو کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔"
"ماہیر!" وہ سخت مشتعل ہو گئیں۔
"مجھے ابھی سے دہلانے کی ضرورت نہیں۔"
"رپورٹ دیکھے بغیر آپ کی یہ حالت ہے۔ اگر خدانخواستہ ڈاکٹر نے......" ماہیر نجانے ...
تھا۔ حریم سے مزید کچھ سنا نہیں گیا۔ کانوں میں الگ سے سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ سر بری ...
رہا تھا۔
"ڈاکٹر نے اگر کسی وہم میں مبتلا کر دیا تو آپ مجھے دوسری شادی پر مجبور تو نہیں کریں گی۔" ...
آنکھیں ہی نہیں لب بھی مسکرانے لگے تھے۔ راحت بیگم کو اب احساس ہوا تھا کہ وہ اتنے حساس ...
بہت غیر سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہے۔
"تجھ سے کہہ کر بات گنوائی ہے۔ خود لے جاؤں گی حریم کو ڈاکٹر ثمینہ کے کلینک میں ...
اٹھیں۔
"کوئی ضرورت نہیں۔" ماہیر نے فوراً انکار کر دیا۔
"کیوں؟" امی کو اور بھی غصہ آیا۔
"آپ ایسے ہی میری دوسری شادی کر دیں۔" وہ اب بے آواز ہنس رہا تھا۔ امی نے نظر ...
موڑ لیا جبکہ حریم چکراتے سر کو تھامتے ہوئے سلیب سے ٹکرائی۔
"امی حضور! میں دو دو بیویاں قطعاً افورڈ نہیں کر سکتا۔ ابھی تو ایک بیوی کی کوئی خواہش ...
کر سکا اور آپ مجھ پر ایک اور ستم ڈھانے کو تیار ہیں۔" وہ ابھی تک غیر سنجیدہ تھا۔
"میں کون سا سہرا ہاتھ میں پکڑے کھڑی ہوں۔" وہ تلملانے لگی تھیں۔
"مجال ہے جو میری کسی ایک بات کا بھی سیدھا جواب دیا ہو۔"
"کون سی بات۔" وہ یکسر انجان بنا۔
"ماہیر!" ان کی برداشت بس یہیں تک تھی۔
"میری بکواس تیرے کانوں کے قریب سے گزر گئی ہے۔"
"پھر بتا دیجئے...... میں نے غور نہیں کیا۔" ماہیر نے مصنوعی بھولپن کا مظاہرہ کیا۔
"میں تمہاری دوسری شادی کروا رہی ہوں۔" انہوں نے جلتے بھنتے لیموں کاٹتے ہوئے ...
"اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔"
"ہائے...... ہمارے نصیب ایسے کہاں۔" ماہیر نے کھنکتے لہجے میں کہتے ہوئے جوں ہی ...
کچن کی طرف دیکھا اس کے ہاتھوں کے سارے طوطے کبوتر اڑ گئے۔

"حریم......!" وہ اچھل کر سیدھا ہوا تھا پھر بھاگتا ہوا حریم تک آیا۔ وہ بے دم سی فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ جوں ہی ماہیر نے اس کا شانہ ہلا کر سیدھا کرنا چاہا تھا اس کی گردن ڈھلک کر ماہیر کے ... میں آ گری۔
"امی!...... امی! حریم کو دیکھیں کیا ہوا ہے۔"
"ارے...... بیٹھے کیوں ہو...... بیگ صاحب سے کہو گاڑی نکالیں۔ حریم بے ہوش ہو گئی ہے۔"

............*

وسیع و عریض گلاس ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھے زرجان کے چہرے پر مختلف تاثرات ابھر رہے تھے۔ وہ ایک فائل اسٹڈی کر رہا تھا۔ یہ فائل خواجہ امجد نے زرجان کو چند ایک سکینچر کرنے کیلئے بھجوائی تھی۔ خواجہ امجد کے ساتھ وہ ایک نئی فیکٹری لگانے کے ایگری منٹ پر سائن کر چکا تھا۔ پچھلے دنوں پی سی میں دیا جانے والا عشائیہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔
"اس لسٹ میں یہ نام کس نے درج کیا ہے۔" کچھ دیر بعد وہ اپنے اسسٹنٹ سے پوچھ رہا تھا۔
"امجد صاحب نے......!"
"ہوں......" وہ فائل کو دوبارہ دیکھنے لگا۔ اس کی پیشانی پر دو سلوٹیں شدید غصے کی غماز تھیں۔
"اس نمبر پر فون کرو۔" کچھ دیر بعد اس نے ایک نمبر لکھ کر باقر کی طرف پیڈ کھسکایا۔
"سر! بیل جا رہی ہے۔" باقر نے ریسیور زرجان کی طرف بڑھا دیا۔ کچھ دیر بعد ماہیر کی بھاری...... آواز سنائی دی تھی۔ یوں لگتا تھا بڑی ترنگ کے عالم میں کال ریسیو کی گئی ہے۔
"میں زرجان انڈسٹریز کا اونر بات کر رہا ہوں۔"
"یعنی زرجان عباس بذات خود مخاطب ہیں۔" ماہیر نے کچھ پل خاموش رہنے کے بعد سنجیدگی سے

"فرمائیے؟"
"میرا خیال ہے مزید تعارف کی ضرورت نہیں۔ خواجہ کمپنی کے ذمہ دار ورکر ہیں۔ اچھے عہدے پر ہیں۔ خواجہ امجد کے ساتھ میری پارٹنرشپ کے بارے میں بھی آپ باخبر ہوں گے اور یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ کمپنی آپ کو "وکٹوریہ" بھجوا رہی ہے۔ کیا آپ چائنہ جانے کے خواہشمند ہیں؟" بڑے ٹھہرے رواں لہجے میں زرجان نے سرسری انداز میں پوچھا۔
"آپ اپنی کمپنی کے ہر ورکر کو اس کی پسند کے مطابق پروموٹ کرتے ہیں۔ اس کی خواہش کو اولیت دیتے ہیں۔ پسند ناپسند کا خیال رکھتے ہیں۔ یا پھر یہ خاص مہربانی ماہیر عالم کیلئے ہے۔" جواباً وہ بھی بڑے ... لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔
"ماہیر عالم کا نام اتنا خاص ہے کہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ فائل میں امیدواروں کے نام دیکھ کر ... پہچانتا نہیں۔ آپ میں کچھ تو ہے۔" زرجان نے سادگی سے وضاحت کی۔
"بہرحال یہ اعزاز جمال انکل کے حوالے سے ہمارے حصے میں آیا ہے۔ تاہم میں خواجہ امجد کی کمپنی

میں ملازمت کرتا ہوں۔" ماہیر کا لہجہ جتانے والا نہیں تھا۔

"اسجد سے میری پارٹنرشپ ہے۔ اسی حوالے سے ہر فائل جس کا تعلق ہماری مشترکہ ... وہ میری نظر سے ضرور گزرتی ہے۔ ابھی ڈکٹوریہ بھیجنے والی ایک فائل میں موجود لسٹ کو دیکھ کر ... تھا۔ سوچا آپ کی خواہش جان لوں۔ کیا آپ چائنہ جانا چاہتے ہیں؟"

"نوازش ہے آپ کی زرجان صاحب! بندے کو کسی قابل جان کر رشتہ داری کے ناتے میری مرضی یا ارادے کے متعلق پوچھ لیا ہے۔ میں ان حالات میں ملک چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا ... بھائی اور بیوی کو میری ضرورت ہے۔ یہی بات میں نے کمپنی کے ایم ڈی تک پہنچا دی ہے۔ ایک ... مجھے سمجھ نہیں آئی۔ ایم ڈی کو میرے انکار پر اتنا غصہ کیوں آیا جبکہ اور بھی بہت قابل اور ذہین ... چانس کو حاصل کرنے کے چکر میں ہیں جبکہ مجھے نہ جانے کی صورت میں ٹرمینیٹ کر دینے کی دھمکی ... ہے۔" ماہیر نے اپنی کچھ پریشانی زرجان سے شیئر کر لی تھی۔ اس کا لہجہ ہی اتنا نرم، حلیم اور اپنائیت ... تھا۔ ماہیر کو قطعاً اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ حالانکہ شادی کے بعد ایک دو مرتبہ ہی صرف زرجان کی ملاقات ہوئی تھی اور اس نے زرجان کو بہت مختلف پایا تھا۔ ہمدرد، شفیق اور بلا کا منکسر المزاج، قانع، متواضع اور حق پرست۔

"تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ میرا ہیڈک ہے۔" زرجان نے دو پل میں ... کی باقی ماندہ دیواریں گرا دی تھیں۔

"تھینکس زرجان صاحب! آپ نے میرا سب سے بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ یقین جانیے میری ... بہت دنوں سے اسی مسئلے کی وجہ سے ٹینس تھی۔ اسے میرا پردیس جانا گوارا نہیں تھا۔ اگرچہ اس ... کافی خوشگوار سامنے آیا ہے تاہم بہت اونچی اڑان کا میں خود خواہشمند نہیں ہوں۔ تھینکس اگین ... میرا اتنا خیال رکھا۔ میری پسند کو اولیت دی۔ جتنا رزق میرے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے وہ مجھے ... میں بھی مل کر رہے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"گڈ...... ویٹس گڈ۔" زرجان اس کی سوچ کے اجلے پن کو سراہے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس ... دور میں جب انسان پیسے کے پیچھے بھاگ رہا ہے، راتوں رات آسمان پر پہنچنے کی کوشش ... اور ایسی باتیں مادیت پرستوں کی اس دنیا میں قیمتی اور منفرد تھیں۔ بہت ہی منفرد۔

"یہ آپ جناب کا تکلف کیوں۔ زرجان بول لیا کرو یار! ہم رشتے دار بھی تو ہیں۔" زرجان ... غیر محسوس انداز میں اسے ٹوک دیا۔

"اور تمہارے گھر میں سب خیریت ہے؟" زرجان نے لہجے کی بے قراری پر ضبط ... پوچھا۔

"الحمدللہ! سب خیریت ہے۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"اپنی مسز کو نہ جانے کی خوشخبری سنا کر ٹینشن دور کر دو۔" زرجان نے مخصوص نرم لہجے میں ...

"ٹینشن تو ان کی ایک اور "خوشخبری" سن کر ہی دور ہو چکی ہے، تاہم خوشخبریوں کے ...

... بات کیلئے جمع کر لیتا ہوں۔ کشیدہ ماحول میں کام آئیں گی۔"

"تمہاری باتوں میں بڑا چارم ہے یار! سحر زدہ سا کر دیتے ہو۔" زرجان سچ مچ اس کے گمبھیر مزاحیہ ... شدید متاثر ہوا۔ سنجیدگی کے اس بانکپن میں کچھ الگ سی بات تھی۔ زرجان جانتا تھا وہ بہت ہی ... مہذب اور ڈیسنٹ نوجوان ہے۔ فضول باتوں اور بری محفلوں سے دور بھاگنے والا۔

"اوکے جناب! اجازت دیجیے، پھر کبھی ملاقات ہوگی۔" زرجان نے خوشدلی سے الوداعیہ کلمات ... کہے تھے۔ ادھر ماہیر بھی فون رکھے حیران حیران سا حریم کو دیکھے جا رہا تھا۔ جو بیڈ پر لیٹی نرم نرم سی مسکان ... ہونٹوں پر سجائے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکی تھی۔

"حریم...... حریم جان!" ماہیر نے اسے چٹکی بجا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ خود وہ اپنے کمرے کی کھڑکی ... کے باہر سے آنے والی تازہ ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"اٹھو ٹیرس پر چلتے ہیں۔ اتنا پیارا موسم ہے۔" کالی گھنگھور گھٹائیں بارش کا سندیسہ سنا رہی تھیں۔

وہ سلیپر پیروں میں اڑس کے اس کے پیچھے ٹیرس پر آ گئی۔

موسم واقعی بلا کا دلفریب تھا۔ اگر بارش ہو جاتی تو گرمی کا زور اور بھی ٹوٹ جانا تھا۔ اس وقت بھی ... ٹھنڈی پرنم ہوا گرمی کی شدت کا خاتمہ کرنے کا باعث بنی تھی۔

"حریم جان! خوش تو ہو نا؟" وہ ٹیرس کی گرل سے کمر لگائے کھڑی تھی۔ ماہیر ایزی چیئر پر نیم دراز ... دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہوں۔" وہ جھینپی جھینپی...... سی بولی۔

"یہ ہوں کیا ہوتا ہے؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"ہوں کا مطلب اقرار ہوتا ہے۔" حریم نے نچلے لب کا کونا دبا کر مزے سے بتایا۔

"یعنی تم خوش ہو اور اس خوشی کا ہوں کے ذریعے اقرار کر رہی ہو۔" وہ بال کی کھال ادھیڑ کر خوب ... محظوظ ہوا تھا۔

"خوشی کا اظہار کسی اور طریقے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔" ماہیر پرسوچ انداز میں بولا۔

"مثلاً......" حریم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کس طریقے سے اظہار کیا جا سکتا ہے؟"

"بہت سے طریقے ہیں۔ زیادہ بیسٹ تو معانقہ کرنا ہے۔ کیوں بھئی! میں نے کچھ غلط کہا۔" وہ اسے ... دیکھتا ہوا شرارت سے بولا۔

"آپ کبھی غلط کہہ سکتے ہیں۔" حریم جھینپ کر رہ گئی۔

"ابھی یہ کس نے فون کیا تھا؟" معاً ماہیر کو خیال آیا تو ذرا سنجیدگی سے بتانے لگا۔

"مجھے کیا پتا۔" حریم لاپروائی سے بولی۔

"زرجان کا فون تھا۔"

"اچھا......" حریم تھم سی گئی۔

"کیوں فون کیا تھا زرجان نے۔" محسوس کی جانے والی ناگواری اس کے لہجے میں
نے اسے زرجان کے فون کا تمام تر متن سنا دیا تھا۔ کچھ پل کیلئے وہ چپ سی ہو گئی۔

"اب خوش ہو۔ تمہارے پاس رہوں گا ہمیشہ! کچھ مہینوں بعد ہماری خوشیوں کو دوبالا
آ جائے گا۔" ماہیر کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"امی بھی بہت خوش ہیں حریم! ورنہ تمہیں ہسپتال لے جاتے ہوئے تو امی کو بھی غصہ
تھے اور وہ مجھ پر بار بار غصہ کر رہی تھیں کہ میری فضول بکواس کی وجہ سے تم بے ہوش ہو گئی تھیں
کہ معاملہ کچھ اور ہے۔"

"میں اس وقت شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہی تھی۔"

"اتنی محبت ہے مجھ سے؟" وہ اس کی شفاف آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"آپ کو شک ہے کیا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر؟"

"دل کے اطمینان کیلئے تمہارے اقرار کی بوندیں بہت ضروری ہیں۔" ماہیر ہنس دیا۔

"اور میرے دل کو بھی کبھی کبھی اظہار کی چاہ بے قرار کر دیتی ہے۔" شکوہ لبوں پر مچل اٹھا۔

"یہ تو زیادتی ہے یار!" ماہیر نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

"میری رات تو محبت کی تسبیح کرتے گزرتی ہے۔"

"اب خالی خولی محبت سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ اور ہونا چاہئے' کچھ ایسا جس میں آپ
بند کر دیا جائے۔"

"تو کیا لوہے کا بہت بڑا ڈرم ہونا چاہئے۔" ماہیر نے آنکھیں پھیلائیں۔

"خیر دفع کرو ڈرم کو' میرا دل کس لئے ہے۔"

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ ہنس پڑی۔

"میرا اشارہ موسم کی مناسبت سے چائے کی طرف تھا۔"

"او کے جناب۔" حریم ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

لاؤنج میں سے گزر کر کچن میں جانا تھا۔ تخت پر بیٹھی ثریا خالہ حریم کو نظر آ گئی تھیں۔
میں گھس گئی۔

چائے اور گرما گرم پکوڑے پہلے ماہیر کو پہنچا کر پھر موبی کیلئے اور امی کیلئے نکال کر
نے سرتاپا حریم کا جائزہ لیا تھا۔ حریم کو ہنسی آ گئی۔

"میرے منہ سے نکلے لفظ تو تمہارے لئے مبارک ثابت ہوئے ہیں۔" ثریا خالہ
غرض سے امی کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔

"ماشاءاللہ" امی نے...

...تو حریم کی طبیعت بگڑی۔ ہم آناً فاناً ہسپتال لے گئے تھے۔ بات کھلی تو پتا چلا...... خیر
امی کے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ نے جھلک دکھائی۔

...آنگن میں بھی بچے کی چہکاریں سنائی دیں گی۔ ہم مانگے کی قلقاریوں سے دل بہلا لیا
ثریا خالہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تم بھی ثریا! ضد چھوڑ دو نا۔ لے آؤ رباب کو گھر۔"

...گھر میں تو وہ میرے مرنے کے بعد ہی آئے گی۔" ثریا خالہ نے تنفر سے کہا۔

...نا غصہ بہتر نہیں...... اپنی اولاد سے کیا ناراضی۔"

..." حریم چونک گئی تھی۔ اس نے تو سنا تھا۔ ثریا خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

...خون ہی تو نہیں تھا۔ اسی لئے دھوکہ دے گیا۔" خالہ نے خود پر رنجیدگی طاری کر لی۔

...تو تمام عمر شاہو کو معاف نہیں کروں گی۔"

...کی شادی جرم تو نہیں۔ بچے کو گھر سے بے دخل کر دیا ہے۔ بیگ صاحب تمہاری وجہ سے مجبور
...کا بھی پوتی اور بیٹے کیلئے کس قدر دل بے قرار ہوگا۔" امی تو ہمیشہ جذباتی گفتگو میں ماہر رہی

...شادی کرتا' کسی ہم پلہ خاندان میں...... لڑکی خوبصورت ہوتی' خاندانی ہوتی تو میرا بھی دل خوش
...اٹھایا ہے گلی کے گند کو' منحوس چمارن...... کالی سیاہ' نجانے شاہو کو اس میں کیا نظر آ گیا تھا۔" ثریا
...بیزاری سے کہا۔

...تو حریم بی بی جیسی ہونی چاہئے۔ ہر طرف چانن ہو جائے۔" ماسی بھی ہاتھ پونچھتی شٹر پٹر کرتی
...آئی۔

...بی بی! کپڑے دھو دیئے ہیں۔ ہماری اجرت نکالئے۔ ہم بھی چلتے بنیں۔" ماسی نے خاصی
...کیا۔

...چائے تو پلا دو۔" حریم فوراً اٹھ کر کچن سے چائے گرم کر کے لے آئی۔ ساتھ پکوڑے بھی تھے۔
...ہوتے رنگ لائے حریم بی بی! چائے پلانی تو ثریا بیگم کو چاہئے تھی' مگر یہ خود عین چائے
...گئی ہیں۔" ماسی بھی اپنی دونوں مالکوں کی طرح خاصی منہ پھٹ تھی۔

...صاحب گھر میں نہیں۔ صبح دوں گی روپے۔" ثریا خالہ نے ناراضی سے کہا۔

...تو بھی جا منحوس۔"

...بی بی! غصہ کیوں کرتی ہو۔" ماسی چائے کے بڑے بڑے گھونٹ بھر کر پکوڑے دوپٹے
...گئی تھی۔ خالہ ثریا بھی ماسی کے پیچھے ہی چلی گئیں۔

...کا بیٹا بھی ہے۔ میں نے تو سنا تھا یہ بے اولاد تھیں۔" حریم اپنے تجسس پر زیادہ دیر قابو

...بیگ صاحب کی پہلی بیوی ہے۔ بچہ نہیں ہوا تو بہت سال بعد ان کی ماں نے دوسری شادی

کردی۔ شاہنواز سوتیلا بیٹا ہے ثریا کا۔ گورنمنٹ ملازم ہے۔ بڑی اچھی نوکری ہے اس کی۔ سرحد میں تعینات تھا شاید۔ وہیں ایک رباب نامی پٹھانی سے اس نے شادی کرلی۔ بس ثریا نے رباب بے چاری سے بیر باندھ لیا ہے۔" امی نے کافی تفصیل سے بتایا تھا۔

ویسے بھی دوسروں کے بچے آسانی کے ساتھ ادھیڑ لئے جاتے ہیں۔ وہ اب مسلسل ثریا خالہ کی داستان سنا رہی تھیں۔ شاہنواز پر کس طرح سختی کی جاتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ اسی پل فون کی گھنٹی بجی۔ حریم نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔ حانی کا فون تھا۔

"بے وفا! کبھی خود سے بھی فون کرلیا کرو۔" ہمیشہ کی طرح حانی نے شکووں کی پوٹلی کھولی۔

"ابھی رات کو اتنی لمبی کال کی ہے۔ سو روپے کا بیلنس تمہاری بے سروپا باتیں سن کر پھونک دیا۔" حریم نے خفگی سے جتایا۔ امی کے کان بھی فون کی طرف لگے تھے۔ جھٹ سے دل پر ہاتھ رکھا۔

"سو روپے کا بیلنس ضائع کردیا۔ اس قدر فضول خرچی۔ میرے بیٹے کی جیب کا تو کباڑا کردے گی۔" انہیں نئی فکر نے بے چین کردیا۔

"دس منٹ بات کیا کرلی اب احسان جتایا جارہا ہے۔" حانی بھی بات کی ٹانگ پکڑ لیتی تھی۔

"بکو نہیں...... بتاؤ فون کیوں کیا ہے؟"

"بغیر وجہ کے فون کرنا منع ہے۔" حانی آج کل خوب مسخری ہو رہی تھی۔

"فارغ نہیں ہوں میں۔ بہت سے کام ہیں مجھے۔" حریم نے جان بوجھ کر سستی بھری سانس لی۔

"ہونہہ بیل جوتتے ہیں انہیں اپلے تھاپتے ہیں۔ گوبر اٹھانا ہے۔ بہن کو کاموں کی تفصیل بتا رہی ہے۔ اس حالت میں ڈنگروں کی طرح کام لیتے ہیں ہم بہورانی سے۔" راحت بیگم کھل کر کلستی رہیں۔

"کل ذرا چکر تو لگانا ہماری طرف۔" حانی کچھ سنجیدہ ہو کر بولی۔

"کیوں؟"

"مارکیٹ تک جانا ہے۔"

"اب کیا خریدنا ہے۔" حریم نے گہری سانس خارج کی۔ حانی کو کوکنگ کے علاوہ بہترین لباس کا بھی شوق تھا۔ کپڑوں کے معاملے میں بہت چوزی تھی۔

"کچھ نئے پرنٹ دیکھنے ہیں۔"

"کمیٹی مل گئی ہے؟" حریم نے ہنس کر پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ تبھی تو شاپنگ کروں گی۔ بوا کیلئے بھی کپڑے خریدنے ہیں۔"

"کل تو نہیں کچھ دن تک پروگرام بناؤں گی۔ میں نے مہینے بھر کا راشن بھی لے کر آنا ہے۔" حریم نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے راشن ڈھونے کی ذمہ داری بھی خود بخود حریم پر آ پڑی تھی۔

"ساس کہاں ہیں تمہاری؟" حانی نے دبی آواز میں پوچھا۔

"گھر میں ہیں۔" حریم بھی آواز اور لہجے کو دبا کر بولی۔

"چلو پھر اللہ حافظ۔" اس کی مزید کوئی بات سنے بغیر حانی نے فون رکھ دیا تھا۔ حریم بھی سر پر ہاتھ مار کر ہنس پڑی۔

"کیا بتا رہی ہے حانی نے۔" امی زیادہ دیر خاموش کہاں رہ سکتی تھیں۔

"نہیں تو......" حریم کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

"قہقہے تو خوب لگا رہی تھیں۔ اب مجھے نہ بتانا چاہو تو اور بات ہے۔" امی صاحبہ عادت کے مطابق بدگمان ہوئیں۔

"حانی نے کچھ کپڑے وغیرہ خریدنے ہیں اسی لئے فون کیا تھا ساتھ جانے کیلئے کہہ رہی تھی۔" حریم نہ جانے کتنی مرتبہ اس تفتیش سے گزرتی تھی۔ اب تک اسے عادی ہوجانا چاہئے تھا مگر اپنی فطرت کا کیا کرتی۔

"اچھا۔" شاپنگ تو امی کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اسی لئے چہرے کے بگڑے زاویے کچھ بہتر ہونے لگے۔

"حانی کی منگنی طے ہوگئی۔ لو ہمیں بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ رشتہ بھی پکا کرلیا۔ ایسی بھی کیا پردہ داری۔ تم سے کیا شکوہ ہمارے بیٹے نے بھی کچھ بتانا گوارا نہیں کیا۔ کیا ہم نے رشتے میں لات ماری تھی۔ ...بھائی کرنی تھی۔ ہمارے لئے تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اچھا کیا حانی کا رشتہ طے کردیا۔ کون سا کمی ہے اس میں...... خوبصورت ہے تعلیم یافتہ ہے۔ چار سال پہلے اگر کوشش کی ہوتی تو آج اپاہج نہ ہوتی۔ مگر ...سے بہتر ہے۔ چل پھر بھی سکتی ہے۔ اپنی مرضی اور سہولت کیلئے وہیل چیئر پر گھومتی رہتی ہے۔ ورنہ ...خود اپنی آنکھوں سے کئی مرتبہ سوٹی کے ساتھ حانی کو چلتے دیکھا تھا۔ ایک ٹخنے میں مسئلہ ہے ذرا سے ...بات ہے۔ بھلی چنگی ہوجائے گی۔ بھاگنے دوڑنے لگ جائے گی پہلے کی طرح...... مبارک ہو ...بھائی صاحب کو بھی فون کردوں گی مبارک کا۔ کیا سوچیں گے ہمیں بچی کی منگنی کی خوشی نہیں..."

راحت بیگم جب اسٹارٹ ہوجاتی تھیں پھر رکنا یا روکنا کہاں آسان تھا۔ حریم بس ان کے چہرے کے رنگ دیکھتی رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئیں تو حریم نے تحمل سے کہنا شروع کیا۔

"ابھی ایسی کوئی بات نہیں۔ یعنی منگنی وغیرہ کا کوئی چکر نہیں البتہ وہ لوگ حانی کو پسند کر گئے ہیں ...پسند ہے مگر بات پکی نہیں کی۔"

"...حانی میں کون سی برائی ہے۔ اتنی سگھڑ سیانی۔ ہر فن میں طاق ہر کام میں ماہر ذرا چلنے میں ...سنا ہے۔ شوہر اچھا ہوا تو علاج کروادے گا۔ مگر سنا ہے حانی کا آپریشن بیرون ملک ہوگا۔" امی کا ...تو اور موڈ بھی۔ انہیں رنگ بدلتے لمحہ بھی نہیں لگتا تھا۔

"آپریشن ممکن تو ہے مگر باہر جانا پڑے گا۔" حریم نے افسردگی سے بتایا۔

"...پیسوں کا مسئلہ ہے۔" امی نے تجسس دبا کر پوچھا۔

"...تو کچھ لیں۔" حریم نے مبہم سے انداز میں کہا۔

"...کسی سے ادھار مانگ لیں۔" امی کے پاس مفت مشوروں کا سٹاک جمع رہتا تھا۔

"کس سے مانگتے......؟" حریم کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہاتھ پھیلانا کوئی آسان بات ہے۔"

"لو اپنوں سے قرض لیتے ہوئے کون سی جھجک۔" اپنوں سے نہ جانے راحت بیگم کی مراد کیا تھی

"اتنی بڑی رقم بطور قرض بھی کوئی نہیں دیتا۔" حریم نے رنجیدگی سے کہا۔

"وہ ہے نا' تمہارے چچا کا بیٹا' اتنا دولت مند ہے۔ اس کیلئے یہ معمولی سی رقم ہاتھ کا میل ہے بوڑھے تایا کی مشکل آسان کردے تو کون سی دولت کے انبار میں سے کمی ہوجانی تھی۔ بس لوگ حد تک رشتہ دار ہیں۔ ویسے تو بڑا ہمدرد بنتا ہے۔ ڈاکٹروں کے پاس بھاگ بھاگ کرلے جاتا ہے کے علاج کیلئے رقم نہیں دے سکتا۔" راحت بیگم کی آواز میں تاسف گھل گیا۔ حریم اس ذکر سے بچنا اسی لئے بات بدلتے ہوئے بولی۔

"آپ اٹھ کر نہالیں' لائٹ جانے کا وقت بھی ہو چلا ہے۔"

"لائٹ کی آنکھ مچولی تو سارا دن لگی رہتی ہے۔ یہ بھلا کون سا وقت ہے نہانے کا۔ گھٹنوں میں بھی درد ہو رہا ہے۔" وہ ہائے وائے کرتی پھر سے لیٹ گئی تھیں۔ حریم موٹر چلانے کی غرض سے نیچے آئی۔ ارادہ تھا بجلی جانے سے پہلے ٹینکی پانی سے بھرلی جائے۔ گیٹ کے قریب پمپ کا بٹن تھا۔ جوں ہی بٹن آن کرکے پلٹی تھی کسی مضبوط اور بھاری سے شے سے ٹکرا گئی۔

"یا وحشت!" حریم چیخ اٹھی۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ سامنے بیگ صاحب کھڑے تھے شرمندہ سے۔

"بیگ انکل! آپ۔" حریم بھی شرمندہ ہوگئی۔

"سوری بیٹا!" وہ کترا کر باہر نکل گئے۔ حریم کچھ پل سوچتی رہی' پھر نچلے پورشن کی طرف بڑھ ثریا خالہ نے چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔

"نہیں آنے دوں گی اسے۔ یہ میرا گھر ہے۔ دیکھ لینا کیا حشر کرتی ہوں میں اس کلموہی کا۔"

"خالہ! پلیز کول ڈاؤن۔" حریم بوکھلا اٹھی۔

"اب نہیں کول ہوا جاتا۔ وہ ڈائن میرے گھر میں آنے کے پروگرام بنا رہی ہے۔" انہوں بہو کو دو چار موٹی موٹی گالیوں سے نوازا۔

"ٹھیک ہے نہ آنے دیجئے گا۔ ابھی تو خاموش ہوجائیے۔ یہ پانی تو پی لیں۔" حریم نے کے لبوں سے گلاس لگا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود بخود خاموش ہوگئیں۔

"حریم! مجھے ایک گلاس اور پانی ڈال کردو۔" ثریا خالہ ہانپ کر رہ گئی تھیں۔ تبھی راحت سے آواز آنے لگی۔

"جاؤ' ورنہ ہارٹ اٹیک ہوجائے گا اسے دو گھڑی کا سکون نہیں لینے دیتی تمہیں۔" تھیں۔ حریم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں' میرا تو دل گھبرانے لگا تھا۔" امی اسے دیکھ کر گویا پرسکون ہو

آتی آوازوں کا خیال آیا۔

"ثریا کیوں چلا رہی تھی۔"

"مجھے کیا پتا۔ آپ خود پوچھ لیجئے گا۔"

"ممی' میسنی خود سے کچھ نہیں بتائے گی۔" انہوں نے دل ہی دل میں خوب پیچ و تاب کھائے۔

"تم ہی بتا دو۔ مجھ سے سیڑھیاں اتر کر نیچے جایا نہیں جاتا۔"

"شاید ان کی بہو گھر آنا چاہتی ہے۔" حریم کو بالآخر بتانا ہی پڑا۔

"تم نہ ہی بتاؤ۔ میں خود ثریا سے پوچھ لوں گی۔" انہوں نے رکھائی سے کہا تھا۔ حریم نے گہری سانس لی۔ ان کی بے اعتباری کا یہی حال تھا۔ اسی لئے حریم انہیں کچھ بھی بتانے سے پرہیز کرتی تھی۔ کیونکہ یقین تو انہیں حریم کی کسی بات پر آنا نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر کپڑے اتارنے چھت پر چلی گئی۔ کیونکہ راحت بیگم کی باتیں سننے کا موڈ ہرگز نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چھت پر ٹہلتے ہوئے زندگی میں اچانک در آنے والے اس ناگوار موڑ کے متعلق سوچنے لگی۔

............*

"لسٹ میں سے اس نام کو خارج کردو۔" زرجان نے مصروف سے انداز میں ایک نام پر ٹک کا نشان لگا کر فائل باقر کی طرف بڑھا دی تھی۔

"ماہیر عالم۔" باقر زیر لب بڑبڑا کر اپنے باس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔

"سر!" کچھ دیر بعد باقر نے ہمت مجتمع کرکے زرجان کو دھیرے سے مخاطب کیا۔

"ہوں۔" وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔

"سر! ماہیر عالم کا نام لسٹ میں سرفہرست ہے۔ اس نام کو لسٹ میں سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔" باقر نے فائل دوبارہ سے زرجان کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔

"کیوں؟" زرجان نے ہمیشہ کی طرح تحمل سے پوچھا۔

"سر! امجد صاحب نے بطور خاص ماہیر عالم کا نام لیا تھا۔" باقر نے وہ ہی معلومات زرجان تک پہنچائی تھیں جس کے متعلق اسے انفارم کیا گیا تھا۔

"وجہ۔" زرجان نے ابرو اچکا کر باقر کی طرف دیکھا۔

"سر! وجہ تو مجھے معلوم نہیں۔"

"تمہیں سیلری کس کام کیلئے دی جاتی ہے؟" زرجان کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔

"سر! مجھے امجد صاحب کے پی اے نے صرف فائل آپ تک پہنچانے کیلئے کہا تھا۔ ایک دو جگہ سگنیچر کی ضرورت تھی۔" باقر مودب سا سر جھکا کر بولا۔

"یہ گارمنٹ فیکٹری چائنہ میں' میرے اور امجد کے مشترکہ تعاون سے پرافٹ دے گی۔ کم از کم اس کے ورکرز کے انتخاب میں میری مرضی کا کتنا عمل دخل ہونا چاہئے؟" زرجان نے سنہری فریم کی عینک میز پر رکھ کر باقر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جس کی پیشانی اے سی کی کولنگ کے باوجود پسینے

سے تر ہونے لگی تھی۔

"ایکول سر!" باقر کو بالآخر جواب تو دینا تھا۔

"اسجد صاحب کو میرا پیغام پہنچا دو۔ ماہیر عالم کم از کم چائنہ میں ہماری فیکٹری کو پرواز کر نہیں۔"

"او کے سر!" باقر اس کے دوٹوک لہجے میں چھپی دھمکی محسوس کرتا پلٹ گیا تھا۔ صرف آدھے گھنٹے بعد خواجہ اسجد کی فون کال نے زرجان کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"ماہیر جیسے قابل' ذہین اور محنتی نوجوان کے بارے میں ایسے الفاظ...... وہ ہماری فیکٹری کو لیڈ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ سات سالوں سے وہ میری کمپنی سے منسلک ہے۔ میں نے اسے ہر طرح پرفیکٹ پایا ہے' پھر تم نے اس کا نام لسٹ میں سے خارج کیوں کر دیا۔ ایسے چانس تو ورکر کبھی مس نہیں کرتے۔ تم اس کا ایک گولڈن چانس مس کروا کر زیادتی نہیں کر رہے۔"

"خواجہ بغیر زرجان کی سنے تیز لہجے میں بولتا زرجان کو اس پل سخت برا لگا تھا۔ اسے دھیمے مزاج ٹھہرے لہجے میں گفتگو کرنے والے لوگ پسند تھے۔

"ورکر کی پسند ناپسند کی بھی کچھ اہمیت ہوتی ہے۔" زرجان نے یہ بات خواجہ سے براہ راست نہیں کہی تھی' تاہم اس نے ماہیر کیلئے ایسے الفاظ اس وجہ سے استعمال کئے تھے تاکہ خواجہ کو ماہیر کا نام لسٹ سے خارج کروانے کیلئے بہتر ریزن دے سکتا۔

"میرا تمہارے باقی بزنس سے اور تمام تر ورکر سے کوئی لینا دینا نہیں...... نہ میں تمہارے پرسنل معاملات میں مداخلت کرنے کی اتھارٹی رکھتا ہوں تاہم ماہیر عالم کو جس فیکٹری بھیجا جا رہا ہے۔ اس فیکٹری کے لئے میری پسند کے ہوں گے۔" زرجان نے دولفظوں میں بات سمیٹ لی تھی۔ خواجہ نے بھی مزید بحث نہیں کی تھی۔ فون رکھنے کے بعد کچھ دیر تک وہ سوچتا رہا تھا پھر اپنے پی اے سے مخاطب ہوا۔

"ماہیر عالم کا کراچی برانچ میں ٹرانسفر کر دیا جائے۔ ایک بات تو طے ہے' ماہیر عالم کو اب دوبارہ دیکھنا خطرے سے خالی نہیں...... یہی میڈم کا آرڈر ہے۔ ورنہ کروڑوں کی ڈیل ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ ہمیں اپنا مفاد عزیز ہے۔ ماہیر عالم یہاں رہے یا کراچی' ہمارے لئے بات تو ایک ہے "میڈم" کے ساتھ مقابلہ کرنا یا متھا لگانا ہمیں نقصان سے دوچار کر دے گا۔" خواجہ اسجد موبائل اور ... اٹھاتا اپنے پی اے کو مختصر ہدایات دے کر باہر نکل گیا تھا۔

............*

"بھابی! موبی دروازے میں سے جھانک کر حریم کو دھیمی آواز میں بلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا ہے؟" حریم بڑیوں کیلئے مسالا تیار کر رہی تھی۔ بغیر موبی کی طرف دیکھے بولی۔

"امی کہاں ہیں۔"

"نیچے گئی ہیں' خالہ ثریا کے پاس۔" اس نے مصروف سے انداز میں بتایا۔ وہ بالکونی میں کھلنے والے دروازے کے سامنے بنی گیلری میں فرش پر بیٹھی تھی تاکہ باہر سے کچھ تازہ ہوا بھی آتی رہے۔

بندھے۔ مکھیوں اور مچھروں سے بچاؤ کیلئے کچھ دن پہلے ماہیر نے لگوائے تھے۔

"تین چار گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گی۔" موبی اس کے قریب آ کر بیٹھ رہا تھا تب حریم چونکی۔

"کچھ چاہئے۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیا بنا رہی ہو۔"

"مونگ کی دال اور مسالے کی بڑیاں ہیں۔" حریم دوبارہ سے اپنی کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تمہیں پسند ہیں؟"

"نہیں۔" موبی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"آج دوپہر کو یہی پکاؤں گی۔ پھر تم کیا کھاؤ گے۔"

"جو تم بنا دو گی۔" موبی بڑیوں کے سائز چیک کر رہا تھا' شاید چھوٹی' بڑی اور درمیانی سائز کی بڑیاں۔

"یہ بڑیاں۔" حریم شرارت سے ہنسی۔

"کھالوں گا۔" وہ فرمانبرداری سے بولا۔

"تمہارے لئے دہی پکوڑیاں بنا دوں گی۔ روٹی کے ساتھ کھالو گے نا۔"

"ہاں۔" وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"بھابی...... " کچھ پل بعد موبی نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"ہوں۔"

"اپنا گھر اچھا تھا نا۔" اس کی آواز میں گہری یاسیت تھی۔

"ہاں...... " وہ کچھ چونک کر موبی کی طرف دیکھنے لگی۔

"مگر یہ گھر بھی اچھا ہے کیوں؟" وہ مسکرائی۔

"اتنا تو نہیں۔"

"انشاء اللہ اپنا بھی بنا لیں گے۔" حریم پرامید تھی۔

"نہ جانے کب۔"

"بہت جلد۔" حریم مسکرا دی۔ کس قدر فکرمند ہو رہا تھا موبی' حریم کو اس کا تفکر نہ جانے کیوں اچھا ...

"تم کیسی باتیں سوچتے ہو۔"

"کیوں؟ تم بھی مجھے پاگل سمجھتی ہو بھابی!" موبی نے افسردگی سے کہا۔

"نہیں تو۔"

"بھابی! تمہیں ایک بات کا پتا ہے۔"

"کیا؟" حریم چونکی۔

"... گھر کیوں بیچنے پر زور دیا تھا۔" موبی کا انداز ناقابل فہم تھا۔

"مجھے کیا پتا؟"

"کچھ بھی نہیں پتا۔" موبی عجیب سے لہجے میں بولا۔

"زمیلہ کو شاید پیسوں کی ضرورت تھی۔" حریم نے محتاط سے انداز میں کہا۔

"بھلا کس لئے؟"

"نبیل کو رقم چاہئے تھی۔" حریم نے سرسری لہجے میں بتایا۔

"جھوٹ۔" موبی نے نفی میں سر ہلایا۔

"سراسر جھوٹ...... تم بھی بہت بھولی ہو بھابی! زمیلہ کے شوہر یا سسرال والوں کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ وہ تو بہت اچھے اور شریف لوگ ہیں۔"

"تو پھر یہ گھر بدری کیوں؟" حریم ششدر ہی تو رہ گئی تھی۔ موبی کے اکثر انکشاف حریم کو ... کر دیا کرتے تھے۔

"تمہیں تو کچھ بھی نہیں پتا۔ کچھ نہیں جانتی تم بھابی!" موبی نے اپنا ماتھا پیٹا۔ اس سٹائل ... موبی گفتگو کے دوران کچھ نہ کچھ ایساری ایکٹ کر دیا کرتا تھا جو حریم کو بہت غیر فطری لگتا۔

مگر اسی وقت کچھ اور سوچنے کی طرف حریم کا دھیان نہیں تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ہماری امی کچھ اور ٹائپ کی خاتون ہیں۔ انہوں نے سوچا اپنی زندگی میں مکان کے حصے کر دیئے جائیں تاکہ زمیلہ کو حصہ ان کے سامنے دے دیا جائے۔"

"زمیلہ کو حصہ دینے کے بجائے پورا مکان ہی اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔" حریم نے ... بتایا۔ حالانکہ موبی کی اکثر باتیں درست ہونے کے باوجود حریم کو مشکوک لگتی تھیں۔

"امی کو شو آف تو کرنا تھا نا۔ اس عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے اچھا سا مناسب منصوبہ ... تھا۔ تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچی رہے۔ کیونکہ زمیلہ کی دیورانی جو جہیز میں فلیٹ ... اور زمیلہ دونوں کی نظر میں کھٹکتا تھا۔" موبی ہنسنے لگا تھا۔

"کوئی اس قدر بھی خود غرض ہو سکتا ہے۔"

حریم بغیر کچھ کہے سامان سمیٹ کر اٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں دل میں عجیب سے ... رشتے' ان کے پیچیدگیاں' یہ سازشوں کے حال' محبت کے عجیب و غریب انداز' حریم تو اس ... بھی الجھنے لگی تھی۔

"میں ماہیر سے بات کروں گی۔ امی نے ایسے کیوں کیا؟ اتنا بڑا جھوٹ۔ اتنا بڑا ..." دماغ چکرانے لگا تھا۔

............*

صبح صبح بوا اسے لینے کیلئے آ گئی تھیں۔ راحت بیگم نے خلاف توقع اجازت دے دی ... حانی بھی سنوری منتظر سی بیٹھی تھی۔

"کہیں جانا ہے۔" حریم نے چادر اتارنے سے پہلے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر یہ ہار سنگھار۔" حریم نے حیرانی سے کہا۔

"ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہوتا۔ شادی کو بمشکل ڈیڑھ سال ہوا ہے اور محترمہ سر جھاڑ منہ پہاڑ ... پر بڑی خوش اسلوبی سے عمل کر رہی ہیں۔" حانی نے اس کا سرتا پا جائزہ لے کر بری طرح ...

"جانا کہاں ہے؟ بتا بھی دو۔" حریم ان دنوں بہت بے زار ہو رہی تھی۔ خوامخواہ ہر وقت سستی طاری ...

"خالہ آ رہی ہیں۔ بچے بھی ساتھ ہوں گے۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے میں نے سوچا تیار شیار ...

"کب آئیں گی۔" حریم خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تین بجے تک آئیں گی۔ رات کو فون کیا تھا۔ خیر سے بات تو پکی ہو چکی ہے۔ سوچا ہے' چھوٹی سی ... کر لیتے ہیں۔" جنت بوا مہندی کی پڑیا کھول کر پیالے میں گھولنے لگی تھیں۔

"تمہارے پاس ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں۔ جب بھی آتی ہو یہ گھسا پٹا سوٹ پہنا ہوتا ہے۔" ... کی ڈریسنگ سے بہت چڑ تھی۔ وہ جتنی خوش لباس تھی' حریم اسی قدر لاپروا۔

"... کہاں ہیں؟" حریم نے حانی کی خفگی کو گویا چٹکیوں میں اڑا دیا۔

"... لینے گئے ہیں۔" وہ خفا خفا سی رخ موڑ کر میگزین دیکھنے لگی۔

"... کیلئے کیا اہتمام کرنا ہے۔ مجھے بتا دو' کچھ ابتدائی تیاری کر لوں۔" حریم اٹھنے لگی تھی۔ حانی نے ... بٹھایا۔

"... کر لوں گی۔ تم صرف اتنا کرو' میری الماری میں سے کوئی شوخ رنگ کا سوٹ پہن لو۔"

"تمہاری الماری میں سارے کپڑے شوخ رنگوں کے لٹکے ہیں۔" حریم نے منہ بنایا۔

"... یہ بھی ٹھیک ہے' بس قمیص کا رنگ ذرا سا اڑ گیا ہے۔"

"..." حانی چیخی۔

"... بیٹھی رہو۔ میں لے کر آتی ہوں۔" حانی اسٹک اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"... میں خود دیکھ لیتی ہوں۔" حریم کو بالآخر اٹھنا پڑا۔ وہ دونوں ساتھ چلتی ہوئی کمرے میں ...

"... بتا دیا ہے۔" حانی نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

... حریم اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

"... سارے گھر کی از سر نو صفائی ستھرائی کروائی ہے۔" حانی نے جوش و خروش سے بتایا۔

... نظروں سے بہن کی طرف دیکھا تھا۔ پھر حانی کی پسند کا شاکنگ پنک سوٹ نکال کر

باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

خالہ تین بجے سے پہلے آگئی تھیں۔ ان کے آتے ہی گھر میں رونقیں اتر آئیں۔ ان
اس گھر میں بے فکرے قہقہوں کی آوازیں گونجی تھیں۔ محسن اور محب کی شرارتیں، شوخیاں۔ گھر میں
مچ گیا تھا۔ قہقہے، ہنسی، مسکراہٹیں۔ اس شور ہنگامے کے باوجود نہ جانے کیوں حریم کا دل بجھا بجھا
پانچ بجے تک مبشر کے گھر جانے کا پروگرام تھا۔ خالہ ایک دفعہ ان لوگوں سے خود ملنا چاہتی تھیں
اگلے دن منگنی کی رسم کرنا تھی۔

حریم کھانے کے بعد برتن سمیٹ رہی تھی۔ محب اور محسن بھی ساتھ تھے۔ فون کی گھنٹی بجی
ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"حریم! تمہارا فون ہے۔" حانی نے دور سے ہی ہانک لگائی تھی۔

"کون ہے؟" حانی نے اس کے ہاتھ میں ریسیور تھما دیا۔

"السلام علیکم۔" ماہیر نے عجلت میں جواب دیا۔

"کب تک آؤ گی۔"

"ہیں...... ابھی سے، کچھ دیر تک تو مبشر کے گھر جانا ہے۔ میں آپ کے آنے کا انتظار کر رہی
ہوں۔" حریم حیران حیران سی بولی۔

"میں نہیں آ سکتا حریم! تم بھی جس قدر ممکن ہو سکے جلدی پہنچو۔" ماہیر کی آواز میں بے چینی
تھی۔

"خیریت تو ہے نا۔" حریم نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"امی باتھ روم میں سلپ ہو گئی تھیں۔"

"کیا؟" حریم کے حلق میں سے چیخ نما آواز نکلی۔

"تم ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔" ماہیر نے فون رکھ دیا تھا۔ حریم بے دلی سے صوفے پر

"اب کیا ہوگا۔ نہ جانے کہاں چوٹ لگی ہے؟ تفصیل تو پوچھی نہیں۔" حریم سوچوں کے بھنور
میں الجھی سوچتی رہ گئی۔ بابا نے سنا تو فوراً بولے۔

"بیٹا! اٹھو میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔ تمہارا جانا ضروری ہے۔"

"مگر بابا!" وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"اگر مگر کچھ نہیں...... تم جاؤ، ہم لوگ مبشر کے گھر سے ہو کر ہسپتال آ جائیں گے۔" خالہ نے تسلی
دی۔

کچھ دیر بعد وہ بابا کے ہمراہ آ گئی تھی۔ ماہیر اور امی ابھی تک ہسپتال میں تھے۔ حریم نے
فون کیا تھا۔ امی کی ٹانگ فریکچر ہو گئی تھی اور ابھی نہ جانے کتنے دن ہسپتال میں ایڈمٹ رہنا تھا۔
تھکی پژمردہ آواز نے حریم کو لمحوں میں تھکا ڈالا۔

ابھی تو وہ اسی بات پر رنجیدہ تھی کہ حانی کی خوشی میں نہ جانے شریک ہونے کی اجازت

راحت بیگم کے ہسپتال ایڈمٹ کے دوران گھر سے نکلنا کہاں ممکن تھا۔ وہ بے دم سی تخت پر بیٹھی تھی۔
بات بیت گیا تھا۔ شام سے رات ہو گئی، پھر ایک دم فون کی گھنٹی نے حریم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا
کر فون تک گئی۔ اس کے خیال میں تھا کہ ماہیر کا فون ہوگا، مگر دوسری طرف خالہ تھیں۔ امی کی
خیریت کے متعلق پوچھ رہی تھی جبکہ حریم کو کچھ اور سننے کی بے چینی تھی۔

"منگنی کیلئے کون سا دن مقرر کیا ہے؟"

"راحت بھابی کب تک گھر آئیں گی؟" خالہ نے شاید اس کی بے چینی محسوس نہیں کی تھی یا پھر جان
بوجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ حریم کچھ سمجھ نہیں پائی۔

"ابھی کچھ پتا نہیں۔" حریم نے الجھ کر جواب دیا۔

"خالہ! آپ نے بتایا نہیں؟" بے چینی اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔

"کیا بتاؤں؟" صاف لگ رہا تھا خالہ ٹالنے کی کوشش میں تھیں۔ حریم کے ضبط کی طنابیں چھوٹنے
لگیں۔

"پلیز خالہ! میرا دل پہلے ہی بہت پریشان ہے۔"

"اسی لئے تو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتی۔" خالہ گویا تھک کر بولیں۔

"بتایئے پلیز۔" وہ زچ ہو اٹھی۔

"ان لوگوں نے منگنی سے پہلے ایک شرط رکھ دی ہے۔" خالہ کو بالآخر بتانا پڑا۔

"کون سی شرط؟" حریم کے بجھے دل کی ساری بے چینیاں ارد گرد بھنبھنانے لگی تھیں۔

............*

''اتنے لالچی لوگ تھے' اللہ کا شکر ہے' بروقت پتا چل گیا ہے۔'' خالہ کی آواز میں تشکر کی بو نمر رہی تھی۔ حریم بے دم سی بیٹھتی چلی گئی۔

''تم غم نہ کھاؤ۔ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔'' وہ اسے دلاسا دینے کی ناکام کوشش تھیں۔

''ہم نے اپنی طرف سے جواب دے دیا' بوا نے تو بہت بے عزتی بھی کی ہے' کہنے لگے ... نام کوٹھی لکھوا دیں۔ اگلے مرحلے بعد میں طے کئے جائیں گے۔ ایسے کمینے اور لالچی لوگ' بس کوئی ... آ گئی ہے' جو جلد ہی ان کی اصلیت کھل گئی۔''

''آپ نے اچھا کیا' جو بات آگے نہیں بڑھائی۔ نہ جانے بعد میں کیسے کیسے مطالبے سامنے لگتے۔'' حریم گہری سانس خارج کرتی آہستگی سے بولی۔

''تم سناؤ' راحت بہن کی طبیعت کیسی ہے؟''

''ماہیر کا ابھی کوئی فون نہیں آیا۔'' اس نے افسردگی سے بتایا۔

''اللہ صحت کاملہ سے نوازے' تم پریشان مت ہونا' میں صبح تک چکر لگاؤں گی۔'' خالہ نے ... کلمات کہنے کے بعد فون رکھ دیا تھا۔

''بھابی! تم آ گئیں۔'' موبی نہ جانے کس وقت اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''تم ابھی تک سوئے نہیں۔'' وہ چونک کر موبی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''نیند نہیں آ رہی' امی نہ جانے کب آئیں گی' میرا دل گھبرا رہا ہے بھابی۔'' موبی بہت ...

''ابھی کچھ دیر تک آ جائیں گے۔'' وہ اسے دلاسا دینے کیلئے الفاظ سوچ رہی تھی۔

''امی مریں گی تو نہیں۔'' موبی نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

''اللہ نہ کرے' بس تم دعا کرو' ماہیر ابھی امی کو لے کر آ جائیں گے۔''

''بھابی! تم ...... تم بہت اچھی ہو۔'' موبی نے اٹک اٹک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ... حیران سی اس تعریفی جملے پر غور کر رہی تھی۔ جب موبی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مخصوص ... مسکرانے لگا۔

''ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی۔''

''نہیں۔'' حریم نے حیران ہونا چھوڑ کر ہولے سے مسکرا کر کہا۔

''آپ کو ایک بات بتاؤں بھابی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولا۔

''بتاؤ۔'' حریم کا دھیان چند پل کیلئے حانی کے مسئلے سے ہٹ گیا تھا۔

''امی اور میں تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

''اچھا۔'' اب کے حریم کو سچ مچ جھٹکا لگا تھا۔ موبی کبھی سچ مچ تحیر میں مبتلا کر دیتا تھا۔

''مجھے تمہاری محبت پر یقین ہے۔'' حریم مسکرا دی۔

''اور امی کی محبت پر یقین ہلکا ہے۔'' وہ بغیر مسکرائے کہہ رہا تھا۔

''ایسا کیوں بھابی! امی زبان کی کڑوی ہیں' مگر دل کی بری نہیں۔ ان کا دل بہت نرم ہے اور تمہارے ... بہت نرم ہے۔''

''ہر بچہ اپنی ماں کے بارے میں حساس ہوتا ہے۔'' حریم نے بے دلی سے کہا۔

''ابھی کچھ دن پہلے تم اپنی امی کو خودغرض کہہ رہے تھے غالباً۔''

''ہاں...... انہوں نے مکان بکوا کر غلط کیا ہے' مگر ان کی محبت پر شک تو نہیں کیا جا سکتا۔'' کبھی کبھی وہ ... حریم کو حیران کر دیتا تھا۔

''امی تم سے محبت کرتی ہیں بھابی! کبھی آزما کے دیکھ لینا۔''

''نہ جانے کیسی محبت ہے یہ' ہر وقت کی چیخ چیخ اور ذہنی اذیت میں لپٹی محبت۔'' اس نے تنفر سے ...

''بھابی! کیا سوچ رہی ہو؟'' موبی نے اس کا کندھا ہلایا۔

''موبی! تم پڑھتے کیوں نہیں؟'' وہ کئی دفعہ سوچتی تھی کہ موبی کو پڑھائی کی طرف ضرور مائل کر لے ... کے ذہن کو مصروف رکھنے کیلئے کتاب سے اچھی کوئی اور دوسری چیز نہیں ہو سکتی تھی۔

''میں نہیں پڑھ سکتا۔'' موبی بے زاری سے بولا۔

''میں پڑھ لکھ کر افسر تو نہیں لگ جاؤں گا۔ اگر افسر ہو بھی گیا تو اس سے بھی فرق نہیں پڑنے والا۔'' ... لہجہ سخت کٹیلا تھا۔

''کیوں فرق نہیں پڑے گا۔'' حریم کا نرم لہجہ مخصوص حلاوت لئے ہوئے تھا۔

''کیا تمہارا دل نہیں چاہتا اپنے بھائی جیسی زندگی گزارنے کیلئے' کیا تم ماہیر جیسا بننا نہیں چاہتے' ایک ... میں جینا چاہتے۔''

''میں ماہیر بھائی جیسا کبھی نہیں ہو سکتا' نہ بن سکتا ہوں' نہ ماہیر جیسا بننے کی خواہش دل میں پال سکتا ... اذیت سے اپنے لب کچل دیئے تھے۔

''مگر کیوں؟ تم میں لگن اور جذبہ کیوں نہیں موبی! تم صحت مند ہو' ذہنی طور پر بیمار نہیں' تمہاری سوچ ... اچھی اور بہتر زندگی کیلئے کوشش کرو' میں چاہتی ہوں تم پڑھو' کچھ بن کر دکھاؤ' میں تمہارا ساتھ ... منزل تک پہنچاؤں گی۔''

''منزل؟'' موبی کو گویا جھٹکا لگا۔

''کیسی منزل؟ کون سی منزل؟''

''تمہیں آگے تک لے جاؤں گی' تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ گے' کسی بھی باعزت پیشے سے منسلک ہو جاؤ گے اور اس کے بعد تمہاری شادی کروں گی۔'' وہ بالکل اسے ایک بچے کی طرح بہلا رہی تھی۔ مگر سامنے بیٹھا یہ ساڑھے سولہ' سترہ سالہ لڑکا ''بچہ'' نہیں تھا۔ بہروپیا تھا۔ خود پر ہر رنگ سے روپ لیتا تھا۔

یہ فن پیدائشی تھا' اس کی فطرت میں شامل ہو گیا تھا۔ کبھی چار سال کا بچہ بن جاتا' کبھی ایسا نظر آنے لگتا۔ کبھی یوں محسوس ہوتا اس سے زیادہ کوئی ہوشیار ہو ہی نہیں سکتا۔ کبھی اپنی ذات میں ادراک والا ملنگ دکھنے لگتا۔ کبھی پچھلی صدی کی باتیں کرنے لگتا' کبھی نئی صدی کے انکشافات کرتا۔ وہ عجیب تھا اور اس معمے کو کم از کم حریم سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ الجبرے کا ایک پیچیدہ سوال تھا۔ ایک پراسرار کتاب جیسا حد عجیب سے خواب دیکھنے والا بے حد عجیب لڑکا۔ وہ غلط یا جھوٹے خواب نہیں دیکھتا تھا۔ اس کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے تھے اور سچ بن کر سامنے بھی آ جاتے۔

''میری کوئی منزل نہیں' میں منزل کے پیچھے بھاگ نہیں سکتا' میں جس کنویں میں ہمیشہ رہا ہوں اس کنویں سے باہر نہیں آ سکتا۔'' حریم نے دیکھا وہ رو رہا تھا۔

''باہر آنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا' کیوں کروں؟ کس لئے کروں؟'' وہ اٹھا اور کہتا ہوا ہوئے اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ حریم جانتی تھی یہ دروازہ اب صبح سے پہلے نہیں کھل سکے گا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

..........*

''ہنی! تم یہاں۔'' زرجان کچھ پل کیلئے تو ششدر رہ گیا۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں یہاں نہیں آ سکتی۔''

''کیوں نہیں۔ مگر اس طرح سے' اطلاع دیئے بغیر۔'' وہ اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا۔

''آپ تو مجھ سے بغیر ملے ہی واپس چلے جاتے نا۔'' ہنی نے پورے وثوق سے کہا تھا۔ یہ ہی تو ہوتا تھا۔ لاکھ چاہنے کے باوجود وہ ہنی سے ملے بغیر چلا جاتا تھا۔ نہ جانے کیوں؟ یہ فرار سا

''اب کوئی بہانہ سوچنے کی ضرورت نہیں' میں جانتی ہوں آپ کل کی فلائٹ سے منتظر ہیں۔ آج کے شیڈول میں آپ کے بے شمار کام ہیں۔ ان میں ہنی سے ملاقات کہیں بھی نہیں۔''

''ایکچولی! یہاں آنے کے بعد وقت دگنی رفتار سے بھاگنے لگتا ہے۔'' زرجان کو سچ میں وقت نہیں مل سکا تھا۔

''مجھے ہمیشہ غیر سمجھتے ہیں آپ' حالانکہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں' صرف آپ سے۔'' ہنی کی آنکھوں میں ہی نہیں لہجے میں بھی سچائی واضح تھی۔

''تم پاکستان کب جاؤ گی؟'' زرجان نے موضوع ہی بدل دیا تھا۔ ہنی کے شکووں کا

تو بھی نہیں۔

اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

''تو نہیں؟'' اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

''یہ کالے پانی کی طویل سزا ہے' جس کا اختتام کب ہوگا' کچھ خبر نہیں۔''

''تم سمجھا نہیں' ایجوکیشن کا سلسلہ کب کا اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ یہاں کا بزنس وائنڈ اپ کرو اور چلو' مما کو بھی ریسٹ دو' اپنا کاروبار سلطنت سنبھالو۔'' زرجان نے نرمی سے کہا تھا۔ وہ نرمی جو اس کے لہجے کا خاصہ تھی۔ ہزاروں میں اسے ممتاز کرتی تھی۔

''جانا میرے اختیار میں کہاں ہیں؟'' ہنی محض سوچ کر رہ گئی۔

''آپ نے کچھ فیوچر پلاننگ کی ہے زرجان!'' اب وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کیسی پلاننگ؟''

''گھر نہیں بسانا۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''ابھی سوچا نہیں۔''

''تو کب سوچیں گے۔''

''جب کوئی اس جیسی مل گئی۔'' وہ اپنے دھیان میں بولا تھا۔

''کیا وہ بہت خاص لڑکی تھی زرجان! جس کی خاطر آپ نے خود کو تنہا کر لیا ہے۔'' ہنی کی آنکھوں میں نمی کروٹیں لینے لگیں۔

''کتنے بانصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں بغیر حیلے کے کوئی چاہے اور بے انتہا چاہے۔''

''ہاں۔'' زرجان نے اک طویل سانس کھینچا۔

''وہ خاص ہی نہیں' منفرد بھی ہے۔''

''مگر وہ آپ سے محبت تو نہیں کرتی۔'' ہنی نے حقیقت کے چہرے سے نقاب کھینچا۔

''میں نے سنا ہے کہ اس لڑکی کی شادی ہو چکی ہے اور آپ اس کی شادی میں پیش پیش تھے۔''

''وہ تو میرا فرض تھا۔'' زرجان زیر لب بڑبڑایا۔

''کیا آپ اس لڑکی کی زندگی میں ہونے والے کسی حادثے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہنی!'' زرجان کے جسم میں گردش کرتا لہو یک دم ابل پڑا۔

''تم نے ایسی بات منہ سے نکالی بھی کیسے؟''

''میں نے کچھ غلط تو نہیں بولا۔'' ہنی نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

''کیا خبر آپ کی یہ دیوانی محبت رنگ لے آئے۔ کیا خبر اس کا شوہر مر جائے' وہ بیوہ ہو جائے یا اسے طلاق ہو جائے یا پھر.....''

''ہنی۔'' زرجان کی شریانوں میں خون گویا منجمد ہو گیا۔

''میرے سامنے تمہارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو خدا کی قسم آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں پاتا۔'' وہ ضبط کے کڑے امتحان سے گزرا تھا گویا۔

"آپ کی محبت میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" ہنی خود بھی زرجان کی خون رنگ آنکھوں کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"محبت کی معراج تم نہیں سمجھو گی ہنی! میرا تو روم روم اس کی سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ وہ شاد رہے اور جس کا مقدر اللہ نے اسے بنا دیا ہے اس پر کبھی آنچ تک نہ آئے۔ اس کا سہاگ سلامت رہے۔" زرجان نے بہت دیر بعد سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ خود پر قابو پا چکا تھا اور یہ اس کی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ غصے کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتا تھا۔

"میرا پوائنٹ آف ویو آپ سے مختلف ہے۔" ہنی کے لہجے میں بھی بلا کی سنجیدگی تھی۔

"میں محبت اور جنگ میں سب جائز سمجھنے والوں میں سے ہوں۔"

"جس کا یہ نظریہ ہے وہ خود بھی ٹوٹلی غلط ہے۔" زرجان اب کے مسکرا دیا۔

"آپ جیسے قناعت پسند کہہ سکتے ہیں۔" ہنی مسکرا نہیں سکی تھی۔

"مگر میں اسے بزدلی سمجھتی ہوں۔ جو دل اور جان کے اتنا قریب ہو جائے جس کے بغیر زندگی ٹوپ اندھیرے کی مانند لگے۔ جو انسانوں میں زندگی کی خوشبو بن کر رچ بس جائے اسے چھین کر لیتے ہیں۔"

"چاہے وہ ہماری زندگی میں شامل ہو کر خوشی کا مفہوم بھول جائے۔" زرجان کے لہجے میں چبھن تھی۔ "تو بھول جائے۔ ہم اپنے طرز کی خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال کر اسے اپنا گرویدہ بنا لیں گے۔" وہ اپنے سابقہ لہجے میں بولی۔

"کسی کے دل پر اختیار حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا۔ محبت ایک الہامی جذبہ ہے جو خدا کی طرف سے دلوں میں خود بخود موجزن ہو جاتا ہے۔"

"اختیار زبردستی بھی حاصل کر لیتے ہیں۔" وہ ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔

"زبردستی کرنے سے حقیقی خوشی نہیں ملتی۔ خوشی کھو جاتی ہے، گم ہو جاتی ہے۔" اس کا انداز سمجھانے والا سا تھا۔

"تو کیا ہوا؟" ہنی نے سر جھٹکا۔

"خوشی کو ڈھونڈنا مشکل نہیں۔ محبوب کو حاصل کرنا ناممکن نہیں، جذبہ ہونا چاہیے، جنون ہونا چاہیے، زندہ رہے، عشق باقی ہو۔"

"محبت کو جنون کے ترازو میں مت تولو۔" زرجان مسکرا دیا۔

"میں سوچ رہا تھا۔ ہنی گزشتہ سالوں میں تنہا رہتے ہوئے خود مختاری کی زندگی جیتے ہوئے تم بدل چکی ہو گی۔ میچورٹی آ چکی ہو گی، مگر یہاں تو سب کچھ پہلے جیسا ہے۔"

"اگر ہنی کا دل اور سوچ بدل جائے تو ہنی زندہ کیسے رہے زرجان۔" اب کے ہنی بھی مسکرا دی۔

"کچھ کھاؤ گی۔" زرجان کو اچانک آداب میزبانی یاد آئے۔

"کیا کھلانا چاہتے ہیں۔" وہ بھی اعصاب شکن گفتگو کے حصار سے گویا نکل آئی۔

"جو تم چاہو۔" زرجان کھڑا ہو گیا۔

"تو پھر لنچ کرتے ہیں۔" ہنی بھی زرجان کی پیروی میں اٹھ گئی۔

"کہاں؟" وہ کچن کی طرف جاتے جاتے رکا تھا۔

"کہیں باہر۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" ہنی اپنا شولڈر بیگ کھول کر چیک کر رہی تھی۔

"نیک خیال ہے۔"

"تو پھر چلیں۔"

"چلتے ہیں۔ میں ابھی چینج کر کے آیا۔ تم دو منٹ رکو بلکہ گاڑی میں بیٹھو۔"

"میں یہیں ویٹ کر لیتی ہوں۔" وہ کرسٹل کا شوپیس ہاتھ میں لیے باریک بینی سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی تھی۔ یہ شوپیس کب سے اس کی نظروں کے حصار میں تھا۔

زرجان دو منٹ کے بجائے دس منٹ بعد آیا تھا اور وہ ابھی تک شوپیس کو دیکھ رہی تھی۔

"پسند آ گیا ہے؟" اس نے چابیاں اور سیل فون اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ بغیر مڑے بولی۔

"لے جاؤ۔"

"اجازت کی مجھے ضرورت نہیں۔" وہ زپ کھول کر شوپیس کو بیگ میں رکھ رہی تھی۔

"اور اگر میں منع کر دوں۔" زرجان نے جان بوجھ کر اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"تو شوق سے کریں۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا تھا، پھر مزے سے بولی۔

"میں اسے چرا بھی سکتی تھی۔ آپ کو خبر بھی نہ ہوتی۔"

"تم کبھی بھی نہیں بدلو گی ہنی۔" اس نے تاسف سے ہنی کو دیکھا۔

"ہاں۔ میں ایسی رہوں گی ہمیشہ۔" اس نے کافی مغرور انداز میں کہا تھا۔

"اگر وقت نے تمہیں بدل دیا؟" وہ اپنے گلاسز بالوں میں اٹکا رہا تھا۔

"میں وقت کو بدل دوں گی، مگر خود کو نہیں۔ ہنی جو ہے جیسی ہے اسی طرح رہے گی۔"

"اتنے بڑے بول منہ سے نہیں نکالتے ہنی۔" وہ بے اختیار اسے ٹوک گیا۔

"کبھی کبھی وقت اور لمحے ہمارے منہ سے نکلے الفاظ پکڑ لیتے ہیں، جکڑ لیتے ہیں۔"

"آپ ہماری سوسائٹی میں قطعاً ان فٹ تھے زرجان! آپ کس دیس سے یہاں آ نکلے ہیں۔" ہنی سیٹ کا ڈور کھول کر بیٹھتے ہوئے متاسفانہ انداز میں بولی۔

"مجھے تو تمہاری یہ سوسائٹی زرہ بھر نہیں بھاتی۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے دھیمے سے مسکرایا۔

"میں نے سنا ہے۔ زمان اور ذیشان بھائی اپنا بزنس وائنڈ اپ کر رہے ہیں۔" اسے اچانک خیال آیا

"تم نے ٹھیک سنا ہے۔" زرجان پھیکے سے انداز میں بولا۔

"مگر کیوں؟" وہ الجھی۔

"یہ ان کا پرسنل میٹر ہے۔"

"پھر بھی۔ اچھی بھلی سیٹل لائف تھی۔ سب کچھ سمیٹنا کیا آسان ہے۔" وہ میوزک سسٹم...

تھی۔

"ان کے "ان لاز" کیلئے بہت آسان ہے۔ انہی کی سپورٹ بلکہ اکسانے پر ابراڈ سیٹل ہوئے

دونوں۔" زرجان نے ایک ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں گاڑی روکی۔

"ہم کتنے سال بعد ایک ساتھ لنچ کر رہے ہیں زرجان۔" کالج کی دیواروں کو دیکھتے اور ...

چکنے فرش پر چلتے ہوئے وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"شاید سات یا آٹھ سال بعد۔" زرجان نے مینو کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کبھی سوچا ہے زرجان۔" وہ گلاس ٹیبل پر ناخن سے لکیریں کھینچتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیا؟" زرجان اس کی کیفیت کو اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا۔

"ہمارے درمیان کتنی دوریاں ہیں۔" یاسیت نے آن کی آن میں اس پر اپنا سایہ کر دیا تھا۔ ...

قدر حساس ہو رہی تھی۔ ایسی تو وہ کبھی نہیں رہی تھی۔

"ان دوریوں اور فاصلوں کو کم کرنے کی کب کوشش کی گئی ہے۔"

"ہم لوگ ایک الگ الگ مدار میں گردش کرتے رہے ہیں ہمیشہ سے' کبھی اس مدار سے نکل ...

اور طرف دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔" وہ بے خیالی میں اپنا ساتھ ...

جاری رکھے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا لاؤں تمہارے لئے۔" زرجان مینو کارڈ کو ٹیبل پر رکھ کے کھڑا ہو گیا تھا۔

"اٹالین فوڈ میں کچھ بھی۔" اس نے لائم جوس کے گلاس کو اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"اوکے' تم ویٹ کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" زرجان بوفے ٹیبلز کی طرف بڑھ گیا۔ جب ...

درمیانی سائز کی ٹرے اٹھائے واپس آیا تو ہنی کسی سے فون پر بات کر رہی تھی اور اس کے منہ سے ...

والے الفاظ نے لمحہ بھر کیلئے زرجان کو ٹھٹکا کر رکھ دیا۔

"ایک سونے کا پنجرا خرید کر اس میں کھلا چھوڑ دینے کے بعد کسی کو آزاد اور خود مختار کہنا ...

سے بڑا جوک کوئی نہیں ہوگا۔" اس کے لہجے میں سوکھی لکڑی جیسی چڑچڑاہٹ تھی اور زرجان بغیر ...

جانتا تھا کہ دوسری طرف کون ہے۔

............*

"پہلی دفعہ حریم آپی کے سسرال جا رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا پہنوں۔" محسن ...

شکار تھا۔ سفری بیگ میں سے تقریباً سارے کپڑے نکال کر بیڈ پر پھیلا رکھے تھے۔ ...

ہوئے حانی نے اور بالوں میں برش کرتی مہک نے محسن کو دیکھا اور ان دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم اپنی سسرال نہیں۔ آپی کی سسرال جا رہے ہو' اتنا بننے سنورنے کی ضرورت نہیں۔"

جل کر ٹکڑا لگایا۔

"...بن سنور کے۔ مت جلا کر میری خوبروئی سے۔ میں تو نہ بھی سنوروں' بنوں تب بھی آدھی یونیورسٹی کی

...مجھے دیکھ کر آہیں بھرتی ہیں۔"

"...آدھی کیوں۔ پوری یونیورسٹی کی لڑکیاں کیوں نہیں۔" حانی نے مسکراہٹ روک کر پوچھا۔

"...باقی لڑکیاں ذہنی طور پر تندرست ہوں گی اس لئے۔" مہک بالوں کے ساتھ الجھ رہی تھی تاہم سارا

...چھلے بھائیوں کی بے تکی گفتگو کی طرف تھا۔

"...اتنی عالمانہ گفتگو میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے خشکی سے بھرے بالوں پر نظر کرو۔"

...نے بڑے حساس موضوع کو چھیڑ دیا تھا۔ مہک تو چلا ہی اٹھی۔

"اور اپنے ان بالوں کے جنگل کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"میرے خوبصورت' گھنگھریالے' کرلی کرلی سے بالوں کے متعلق تم جیسے حاسد ہی ایسے کمنٹس پاس

...کرتے ہیں۔"

"چچ چچ۔ ایسی خوش فہمی۔" مہک نے بھرپور طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپی نے میرے بالوں کی پچھلے دنوں خوب تعریف کی تھی۔" وہ ایک شرٹ منتخب کر چکا تھا۔ اب

...نظروں سے حانی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"محترم' تم حریم آپی کو کس خوشی میں آپی کہتے ہو۔ پورے ساڑھے چار ماہ چھوٹی ہیں وہ تم سے۔ تو بہ'

...بزرگ نہیں بنتے محسن۔" مہک نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"بچپن میں جتنے جوتے مجھے حریم آپی سے بطور یادگار کھانے کو ملے ہیں نا۔ یہ شکر کرو میں انہیں "آپا"

...کہنے سے پرہیز کرتا ہوں۔ ساری دنیا کیلئے اتنی نرم خو اور میرے لئے سلطان راہی۔ آپی تو انہیں

...بیٹے کہتا ہوں' مگر مجال ہے جو وہ خاتون ذرا بھی چڑتی ہوں۔ یہ تمہارے اور حانی جیسی ایج کانشس

...ہوتی ہیں۔ تھری اسٹینڈرڈ کے بچوں تک کو آنٹی کہنے کی اجازت نہیں دیتیں۔" محسن نے بھی ان

...دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"...انہی کے "جوتوں" کی وجہ سے تم نے میٹرک کلیئر کیا تھا۔ تین سال سے اٹکے ہوئے تھے۔" محبت

...اس کے اکیڈمک ریکارڈ پر چوٹ کرتے ہوئے اسے شرم دلانی چاہی۔

"اور اب میں دوسرا ماسٹرز کر رہا ہوں۔ اور انشاء اللہ ہیٹرک بھی کروں گا۔ حاسدوں کا منہ کالا ہو۔"

...شرمندہ ہونا کہاں سیکھا تھا۔

"...بوٹیوں (نقل) کی مہربانی سے پاسنگ مارکس تو مل ہی جاتے تھے۔" محبت نے طنز کا تیر مارا۔

"...اپنے جیسا کسی کو مت سمجھو۔ خیر تمہارا بھی قصور نہیں۔ برے آدمی کو ہر کوئی اپنے جیسا برا ہی دکھتا

...کان پر سے مکھی اڑائی۔

"...بتا رہا تھا۔ محترم خوبرو صاحب کی قابلیت کے بارے میں۔ تو جناب دو سال انہوں نے

...سال تھرڈ ایئر میں جی جان سے لگائے۔ پروفیسرز نے ہاتھ باندھ کر انہیں دھکا لگایا

...پروفیسرز کی مہربانیوں کی طفیل دوسرے ماسٹر میں اٹک گئے ہیں۔" محبت نے گویا قصہ سنا

کر ہاتھ جھاڑے۔

"پیاری حانی! میری شرٹ پریس کردو۔" وہ خوشامدانہ مسکراہٹ سجا کر اٹھا۔

"تم اتنا اہتمام کس خوشی میں کر رہے ہو۔" حانی ہنستے ہوئے شرٹ پکڑ کر پریس کرنے لگی۔

"بے کار ہے۔ آپی کی اکلوتی نند بیاہی جا چکی ہے۔" مہک نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"کیا وہ خوبصورت تھی؟"

"بہت۔" حانی نے اس کے تجسس کو ہوا دی۔

"اچھا۔" محسن مایوس سا ہوا۔

"پھر تو چانس مارا گیا۔"

"بچو! جلدی..... کرو۔ زرجان نے گاڑی بھجوا دی ہے۔ دس منٹ میں باہر آ جاؤ۔" خالہ نے کمرے میں جھانک کر آواز لگائی تھی۔ محسن کو سابقہ حلیے میں دیکھ کر ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"تم نہیں جا رہے؟"

"کیوں' کیوں نہیں؟ جاؤں گا میں۔ ضرور جاؤں گا۔" وہ اچھل کر استری اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔ شرٹ حانی کے ہاتھ سے جھپٹی اور یہ جا وہ جا۔

"احسان فراموش۔" حانی نے دانت پیسے۔

کچھ دیر بعد وہ سب ٹھنس ٹھنسا کر حریم کے گھر جا رہے تھے۔ راحت بیگم گھر آ گئی تھیں اور [illegible] نے فون کیا تھا تاکہ یہ سب راحت بیگم کی عیادت کیلئے شام سے پہلے ہی آ جائیں۔ رات کو راحت بیگم کی احوال پرسی کیلئے ان کے جاننے والے اور ماہیر کے دوست وغیرہ آ جاتے تھے اور حریم کی خواہش [illegible] مرتبہ چونکہ خالہ اور بچوں نے آنا تھا سو وہ فرصت سے نا صرف ان کے پاس بیٹھتی بلکہ مدارات میں [illegible] کسر نہ چھوڑتی۔

اسلام آباد میں قیام کے دنوں میں جس طرح بچوں اور خالہ نے اس کا خیال رکھا تھا [illegible] اور توجہ سے اسے نوازا تھا وہ بھلائے جانے والا تو ہرگز نہیں تھا۔

راحت بیگم اس کی بے چینی کو اچھی طرح سے سمجھ رہی تھیں۔ گھڑی کی طرف بار بار اٹھتی [illegible] میں کروٹیں لیتا انتظار ان کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکا تھا۔

اور ان لوگوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح سے چمکنے لگی تھیں۔

راحت بیگم نے مہمانوں کو دیکھ کر چہرے پر خوب تکلیف کے تاثرات پرنٹ کر لئے [illegible] ماہیر نے اسے بتایا تھا کہ امی کی ہڈی فریکچر ہونے سے بچ گئی ہے۔ البتہ ڈاکٹرز نے احتیاطاً [illegible] ٹیسٹ لئے تھے۔ ایکسرے وغیرہ کروانے کے چکر میں ہسپتال میں رکنا پڑا تھا۔ فکر اور پریشانی [illegible] نہیں تھی۔ امی چل پھر سکتی تھیں۔ کسی سہارے کی ضرورت نہیں تھی' مگر گھر آنے کے بعد [illegible] معمول حریم کو بوکھلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

حریم کیلئے یہ ہفتہ کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔ بغیر کسی تکلیف کے انہوں نے اس کا [illegible]

[illegible] درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتیں' کبھی پاؤں میں' کبھی بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا اور کبھی امی صاحبہ کو [illegible] بخار ہو جاتا۔

آج صبح بھی انہوں نے دوبارہ سے ہمیشہ والا سین کری ایٹ کر لیا تھا۔ اپنے کمرے کے کھلے [illegible] سے وہ حریم کو ماہیر کے اردگرد دیکھ چکی تھیں۔ حریم' ماہیر کو ناشتہ دے رہی تھی اور نہ جانے کتنے دن [illegible] بعد ماہیر کو بھی اسے فرصت سے دیکھنے کا خیال آیا تھا اور اس کے لبوں پر بھولی بسری سی مسکراہٹ چمک اٹھی [illegible] دراصل امی کو بھی اس مسکراہٹ کا "راز" جاننے کی بے چینی تھی' تبھی تو ماہیر کو اٹھتا دیکھنے کے فوراً بعد انہوں نے حریم کو پکارنا شروع کر دیا تھا۔ حریم ناشتے کی ٹرے اٹھائے ابھی کرسی پر بیٹھی تھی جب امی کی [illegible] کے کانوں میں اتری۔

"حریم! بات سننا۔"

"جی۔" اس نے مری سی آواز میں جواب دیا تھا۔ خیال یہی تھا کہ بیٹھ کر اطمینان سے ناشتہ کرے [illegible] کچھ دیر پہلے ماہیر اسے کھانے پینے کے متعلق ہی لیکچر دے رہا تھا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں [illegible] انڈے اور چھوٹے سے پراٹھے کی طرف دیکھا تھا۔ امی سے مذاکرات کا دورانیہ کس قدر طویل [illegible] یہ تو حریم جانتی ہی تھی۔ اور ناشتے کا جو حشر ہونا تھا اس سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھی۔

ٹھنڈی چائے اور بدمزا ناشتے کا بھلا کیا لطف آئے گا؟" وہ سوچتے ہوئے اٹھنے ہی لگی تھی جب [illegible] کے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر رک گئی۔

"کچھ چاہئے آپ کو؟" وہ دروازے میں کھڑے ہو کر شرٹ کے بٹن بند کرتا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔"

[illegible] مجھے بتایئے' میں لے آتا ہوں۔" دو تین قدم چل کر بیڈ کے قریب پہنچ گیا۔ راحت بیگم بیڈ پر نیم [illegible] بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے ناگواری سے بولیں۔

[illegible] تمہیں دفتر سے دیر نہیں ہو رہی۔"

[illegible] کوئی بات نہیں۔ دس منٹ لیٹ بھی پہنچ گیا تو کوئی حرج نہیں۔ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟"

[illegible] سہارا دے کر بٹھا رہا تھا۔

[illegible] جاؤ۔ حریم ہے نا۔" انہوں نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا۔

[illegible] حریم ناشتہ کر رہی ہے۔" ماہیر نے گویا انہیں اطلاع دینے کی کوشش کی تھی۔

[illegible] ہوں میں۔" انہوں نے خفا خفا سے انداز میں کہا۔

[illegible] اخبار چاہئے' مگر تمہارے ہاتھ سے نہیں۔" ساتھ وارننگ بھی دی گئی تھی۔

[illegible] وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔ امی سے بحث بے کار تھی۔ وہ اپنی ماں کی ضدی طبیعت [illegible] سے واقف تھا۔ ابھی وہ پلٹ کر حریم کو آواز دینا چاہ رہا تھا جب وہ اس کی اوٹ سے نکل کر [illegible] ہاتھ میں اخبار اور عینک کو پکڑ رکھا تھا۔

[illegible] اخبار ہے؟" وہ اخبار بینی کی ہرگز شوقین نہیں تھی۔ مگر حریم کو زچ کرنے کیلئے آج کل وہ

اورے پیا

خبروں میں خاصی دلچسپی لے رہی تھیں۔ کیونکہ اخبار پڑھ کر امی کو سنانا بھی حریم کی ذمہ داری تھی

"تم جاؤ نا۔ کیوں کھڑی ہو؟ ناشتہ کرلو۔" وہ ٹائی کی ناٹ لگا رہا تھا مگر سارا دھیان ... حریم کی طرف تھا۔

"مجھے اخبار پڑھ کر کون سنائے گا۔" امی کو غصہ آ گیا۔ ماہیر کا حریم کیلئے تفکر انہیں کہاں ...

"میں کس لئے ہوں۔ جاؤ۔ حریم! تم ناشتہ کرو۔ اپنی ڈائٹ کا بالکل خیال نہیں رکھتیں۔" ... جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ حریم کا روم روم مشکور ہو گیا تھا۔

"خود اپنا خیال نہیں رکھے گی۔ کھائے پیے گی نہیں تو یہ کاروبار زندگی کیسے نکالے گی۔ ... تو دم نہیں۔" امی نے کہا۔

"یہ آپ کا خیال رکھے گی اور اس کا خیال رکھنے کیلئے میں جو ہوں۔" وہ جان بوجھ کر اونچا بولا تھا کہ برآمدے میں موجود حریم کے کانوں تک اس کی آواز پہنچ جائے۔

"جورو کے غلام۔ میرے جیسے ہوتے ہیں نا امی۔" وہ اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑاتا ... طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ہوں۔" امی کسی سوچ میں گم تھیں۔ ماہیر نے گلا کھنکار کر مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"ماہیر" کچھ دیر بعد امی کی سنجیدہ سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"حریم کا خیال رکھا کرو۔ خود پر توجہ نہیں دیتی۔ اپنا خیال نہیں رکھتی۔ پہلے بھی ہم اتنی بڑی ... محروم ہو گئے تھے۔ میرا پوتا' جسے میں دیکھ بھی نہ سکی' پیار بھی نہ کر سکی' سینے سے نہ لگا سکی بغیر مسکرائے ... چلا گیا تھا۔ اب کے ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے تیرا بچہ چاہئے۔ جیتا جاگتا ہنستا مسکراتا ہر لحاظ سے ... چاہئے' وہ خوبصورت نہ ہو مگر وہ تندرست ہو' مکمل ہو سارے وہم اور خدشے اسے دیکھ کر میرے ... ہو جائیں۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگی تھیں۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ آپ دعا کیا کریں امی! آپ کو نہیں لگتا آپ کی دعاؤں کی ... ہمیں' مجھے اور حریم کو۔"

"میرا دل تم دونوں کیلئے دعا کرتا ہے۔" ان کے لبوں نے اعتراف کیا تھا۔

"تم دونوں میرا اثاثہ ہو ماہیر! تم اور حریم۔" افسوس کہ حریم تک ان کا یہ محبت بھرا فرمان نہیں پایا تھا۔

"اور میں؟" موبی نہ جانے کب دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ مسکراتا' کھلکھلاتا ہوا۔

"تم میرے دل کا ناسور ہو۔" وہ پھپک پھپک کر رو دیں۔

"آپ کو مجھ سے پیار نہیں' کسی کو بھی نہیں' مجھے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ مجھے کیوں ..."

وہ ٹھنکتا ہوا ماہیر کے قریب آ گیا۔

"سویرے سویرے میرا دماغ نہ چاٹ' پہلے ہی سر میں پٹاخے چھوٹ رہے ہیں۔" ...

بھی شدت سے رونا آ گیا۔

"... کمرے میں جاؤ۔" ماہیر صورتحال کو سمجھتے ہوئے موبی کو پچکارنے لگا تھا۔ موبی شدید غصے کے ... اس کی سنہری رنگت دہک رہی تھی۔ بہت زیادہ غصے کی وجہ سے اس کے ہونٹ پھڑ پھڑا رہے ... کے پیچھے سے مخصوص رال بہنے لگی تھی۔

"بھائی۔" موبی نے گویا ماہیر کی بات ان سنی کر دی تھی۔ وہ اپنا چہرہ ماہیر کے بازو سے رگڑ رہا تھا۔

"میں آپ جیسا کیوں نہیں۔ میرے پاس آپ جتنا علم نہیں' فہم نہیں۔ مگر آپ تو کہتے ہیں علم ... کا محتاج نہیں۔ منیب عالم تو پورے کا پورا عالم ہے' مگر یہ دنیا تسلیم کیوں نہیں کرتی۔"

"پیچھے ہٹ' بھائی کے کپڑے خراب کر رہا ہے۔" راحت بیگم جلبلا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اس وقت ... لمحہ بھر کیلئے بھول چکا تھا کہ وہ پاؤں فریکچر نہ ہونے کے باوجود خود کو بیمار شو کرتے ہوئے مریضہ بنی ہوئی ... ایسی مریضہ جو خود سے اٹھ سکتی ہے نہ بیٹھ سکتی ہے۔ مگر اس وقت نا صرف وہ اپنے قدموں پر کھڑی تھیں ... چار قدم کے فاصلے کو پاٹ کر موبی کے سر تک پہنچ چکی تھیں۔ موبی کے بال ان کی مٹھی میں تھے۔

"کیوں باہر نکلا ہے؟" ان کا ازلی اشتعال عود آیا۔ وہ اس کے سر کو جھٹکے دے رہی تھیں۔

"زہر لا دیں مجھے ماہیر بھائی! نہیں جینا میں نے اس گندی دنیا میں۔

نفرت ہے مجھے لوگوں سے۔ نفرت ہے مجھے اس دنیا سے۔ گندی دنیا' گندی زندگی۔"

"یا اللہ خیر۔" حریم نے دہل کر کچن کی چوکھٹ تھام لی۔ آج بڑے دنوں بعد موبی اپنے رنگ میں ... آیا تھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" ماہیر نرمی سے' تحمل سے موبی کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ موبی کے ... اچھی طرح سے واقف تھا اور وہ جانتا تھا کہ موبی کو کس طرح سے ہینڈل کرنا ہے۔ اگر وہ غصہ ... ممکن تھا کہ موبی اپنی "اصلیت" پر آ جاتا۔

"نہیں جانا۔ اس قید خانہ میں نہیں جانا۔" وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا چلایا۔

"ہر گھر میں میرے لئے ایک قبر تیار کروا لیتے ہیں۔ دم گھٹتا ہے میرا ان قبروں میں۔ میرے اندر ... زندگی مرجھا چکی ہے۔ چلا جاؤں گا' بہت جلد چلا جاؤں گا۔ آپ سب کی دنیا سے دور اور جب ... آپ کی نسل کو "دعا" دے کر جاؤں گا۔ ایسی "دعا" کبھی کسی نے نہ دی ہوگی۔" موبی پر ایک وجد ... طاری ہو رہی تھی۔ وہ ماہیر کے قدموں میں گر رہا تھا۔

"آپ کی آنے والی نسل میں کوئی منیب عالم نہ ہو۔ آج سے پہلے ایسی "دعا" کسی نے نہیں دی۔ یہ ... آپ کیلئے۔ حریم بھابی کیلئے اور میری پیاری ماں کیلئے۔"

راحت بیگم کا کلیجہ گویا شق ہو گیا۔ وہ تڑپ کر موبی کے قریب آ گئی تھیں۔

"میرا بچہ! میرا لعل' چل اٹھ۔ تجھے کمرے میں لے کر جاؤں۔ دیکھو بھائی پریشان ہو رہا ہے۔ اس ... ہو جاتا ہے۔ اٹھو میرا بچہ۔" وہ دونوں ہاتھوں سے موبی کا چہرہ صاف کر رہی تھیں۔

"اٹھو شاباش۔" ماہیر اس کے گال تھپتھپا رہا تھا۔

... پریشان ہے۔ پریشان ہونا ہماری قسمت میں لکھا ہے۔ قسمت کا لکھا کوئی مٹا نہیں سکتا' موبی

بس دعا کرے گا۔ اپنے بھائی کیلئے' حریم بھابی کیلئے' پر کیا کروں' کوئی خوشی میں ان لوگوں کو...
وہ آنکھیں کھولے کھوئی کھوئی نظروں سے کبھی ماں اور کبھی ماہیر کو دیکھ رہا تھا۔

''امی' جس خوشی کی آپ منتظر ہیں وہ آپ کو نہیں ملے گی۔'' اس کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔ وہ گویا کسی اور ہی جہاں میں محو پرواز تھا' سفر کر رہا تھا اور اس سفر نے اسے تھکا ڈالا تھا۔

''کیسی خوشی؟'' راحت بیگم اور ماہیر دونوں چونک گئے تھے۔

''جو حریم بھابی کے توسط سے آپ کو ملے گی۔'' اب وہ اپنا سر فرش پر پٹخ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ ماہیر نے موبی کو اٹھا کر بیڈ پر لٹایا جبکہ راحت بیگم موبی کو... کر گویا اسے نیند میں گم ہونے سے روک رہی تھیں۔

''امی! اسے سونے دیں۔'' ماہیر انہیں منع کر رہا تھا۔

''نیند میری آنکھ سے دور ہے اور میں رونے کی آوازیں سن رہا ہوں۔'' وہ عالم مدہوشی میں... اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ منہ سے بہتی رال خشک ہو چکی تھی اور اس کے چہرے پر زردیوں کا... نمایاں تھا۔ کچن کا کوڑا تھامے حریم نے موبی کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کا دل گویا دھک سے رہ...

''کس کے رونے کی آواز۔'' راحت بیگم کا دل وسوسوں کی زد میں لپٹا بری طرح سے کانپ را...

''ایک بچے کو سینے سے لگا کر بین کرتی عورت کے رونے کی آواز۔'' موبی پر اونگھ طاری ہو گئی...
راحت بیگم کے ساتھ ساتھ حریم کے دل کی سرزمین پر بھی زلزلہ آ گیا تھا اور اس وسوسے نے ان دونوں... دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اگرچہ راحت بیگم موبی کو دیوانہ اور پاگل کہہ کر اس کے لہجے اور باتوں... اثر کو زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مگر بہرحال ایک خوف کنڈلی مارے ان کے دل میں بھی... چکا تھا۔

............*

اس صبح کی بدمزگی کے پیش نظر انہوں نے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا کہ موبی کسی مہمان کے سامنے... آئے گا بلکہ کمرے سے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگا دی تھی۔

اور آج جب خالہ اور حانی لوگ آئے تھے تب بھی موبی باہر نہیں نکلا اور نہ ہی راحت بیگم... کہ موبی کا ذکر خیر چھیڑا جائے۔ مگر خالہ نے غیر دانستہ جب تیسری مرتبہ موبی کا پوچھا تو راحت بیگم... کر رہ گئی تھیں۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں سو رہا ہے۔'' بہت سوچ و بچار کے بعد انہوں نے جواز ڈھونڈا... خالہ کو کون سا کریدنے کی عادت تھی۔ مگر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ خالہ اب خرابی طبیعت کا... کر رہی تھیں۔

''موسمی بخار ہے۔'' انہوں نے گویا جان چھڑوانے کی کوشش کی تھی اور ادھر خالہ دو تین مشورے... کر زمیلہ کے بارے میں پوچھنے لگی تھیں۔

''زمیلہ نہیں آئی؟''

...مگر رہتی والی ہے۔ بھرا پرا کنبہ ہے' بھلا کیسے آ سکتی ہے۔''

''...تو آپ نے ٹھیک کہا۔ کنبہ اگر مختصر بھی ہو تو تب بھی گھر سے نکلنا کہاں ممکن ہے۔'' خالہ کی نظریں ...مرجھائے مرجھائے سراپے پر تھیں۔ اگرچہ اس نے خود کو بشاش ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر ...آنکھوں میں ناچتی اداسی نے بھید کھول دیئے تھے۔ گالوں کے گلال کھلے کھلے نہیں تھے۔ ...کی آنکھوں ...جک ...نقرئی لبوں سے دور تھی۔

''...حانی کی بات کہاں تک پہنچی۔'' راحت بیگم نے گفتگو کو نیا رخ دے ہی دیا۔ محسن اور حانی بھی کچھ ...راحت بیگم کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''ابھی تو کچھ عرصہ کیلئے پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔'' خالہ نے سلیقے سے بات بتائی۔

''بھلا کیوں؟'' انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کر حیرت سے کہا اور ادھر خالہ سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ اس ...کیا جواب دیں۔ حریم نے انہیں اس مشکل سے نکال دیا تھا۔ وہ چائے کی ٹرے اٹھائے باورچی ...سے باہر آ رہی تھی۔

''لالچی لوگ تھے۔ کہنے لگے' حانی کے نام کوٹھی لکھوا دیں' ہم نے منع کر دیا ہے۔''

''ہائے۔ ایسی کمینگی۔'' راحت بیگم نے حیرانی کا اظہار کیا تھا۔

''اچھا کیا۔'' ایسی پھول سی بچی' کون سا عمر نکلی جا رہی ہے اس کی' سوچ سمجھ کر کرنا۔''

''آپ سے مشورہ لینے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔'' محسن نے بہت ہی مدبرانہ انداز میں کہتے ...مداخلت کی تھی۔ راحت بیگم کچھ دیر نثار ہوتی نظروں سے محسن کی طرف دیکھتی تھیں۔ کچھ دیر مزید سوچا ...خالہ کے کان کے قریب جھک آئیں۔

''ایک بات کہوں برا مت مانیے گا۔'' راحت بیگم کے تمہیدی انداز نے ہی حریم کو ٹھٹکا دیا تھا۔ ٹھٹک تو ...گئی تھی اور بری طرح سے محسن بھی چونکا تھا۔

''...ہی کہیے۔'' خالہ نے حلاوت سے کہا۔

''آپ کے علاوہ ان بچیوں کا درد کوئی اور محسوس نہیں کر سکتا۔ گھر کی بات ہے۔ حانی کو آپ کیوں ...بہو بنا لیتیں۔ آپ کا بیٹا ماشاء اللہ سے حانی کے ساتھ سجے گا۔'' انہوں نے تو اطمینان سے اپنی ...مگر حریم کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھلک گیا تھا۔ ادھر محسن کو شدید قسم کا اچھو لگ گیا۔ حانی ...بے تکلفی سے محسن کے ساتھ راز و نیاز کر رہی تھی ایک دم اچھل کر دور ہٹ گئی جبکہ خالہ' مہک ...یکسر مختلف تھے۔ خالہ کے چہرے پر حیرت نما خوشی تھی اور وہ سوچ رہی تھیں کہ ایسا خیال ...آیا۔ حانی بیک وقت شرم' خجالت اور اس انہونی سی بات کے زیر اثر ہونق سی بنی بیٹھی ...محسن کے کھانسنے کی آواز سن کر ٹوٹ گیا تھا۔ ادھر محبت اور مہک معنی خیز نظروں کا تبادلہ کر ...سب کے ذہنوں میں پکتی کھچڑی کے برعکس راحت بیگم' خالہ کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے ...نواز رہی تھیں۔

''...سے پہلے کوئی انگوٹھی' چھلا پہنا جانا' نیک شگون میں دیر کیسی؟''

"ہائے منگنی۔" محسن نے دل پر ہاتھ رکھ کر دہائی دی۔

"اور وہ بھی تم سے پوچھے بغیر۔" حانی بھی قدرے سنبھل گئی تھی۔

"کیا تم رضامند ہو؟" محسن نے مصنوعی اچنبھے سے آنکھیں پھیلائیں۔

"بے شرم' خاموش رہو۔" حانی نے بسکٹ دانت کے نیچے دبا کر بری طرح سے پیسا۔

"بتاؤ نا حانی!" بڑوں کو ایک سنجیدہ مسئلے کی طرف متوجہ دیکھ کر محسن لسوڑے کی طرح حانی سے چپ... کوشش میں تھا۔ وہ اس کے اور قریب کھسکا تو حانی اٹھ کر ون سیٹر صوفہ کی طرف چلی گئی۔ محبت اور ... کمی کمی کا عملی مظاہرہ کر کے محسن کو اس کی اوقات دلانے کی کوشش کی تھی۔ ادھر حریم بھی بڑی ... نظروں سے محسن کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ عام سے نقوش اور سانولی رنگت کا بالکل عام سا نوجوان تھا۔ ... دبلا پتلا' لمبا قد' آنکھوں میں شوخیاں' مزاج میں بانکپن' وہ تقریباً حریم کا ہم عمر تھا' مگر مزاج میں قطعاً ... نہیں تھی۔ بہت ہنس مکھ طبیعت تھی اس کی۔ اگر ان دونوں کا موازنہ کیا جاتا تو حانی بلاشبہ بہت من ... نقوش رکھنے والی سادہ سی لڑکی تھی۔

دودھ جیسی رنگت اور سیاہ آنکھوں میں شرارت سی بھری نظر آتی تھی۔ ان دونوں بہنوں کو اللہ ... حسین صورت سے ہی نہیں' حسن سیرت سے بھی نواز رکھا تھا۔ حانی کے بال کمر سے کچھ اوپر تھے۔ قد ... مناسب تھا' اگر پیر میں یہ ذرا سا نقص نہ ہوتا تو بلاشبہ جسمانی لحاظ سے وہ حسن کے تمام پیمانوں پر پورا اتر ... تھی۔ آج وہ آئی بھی وہیل چیئر اور بیساکھی کے بغیر تھی اور بغیر بیساکھی کے چلنے میں اسے دشواری تو ... نہیں ہوتی تھی تاہم پاؤں اچھا خاصا مڑ جاتا تھا' جس کی وجہ سے چال میں لنگراہٹ کا واضح پتا چلتا تھا۔ ... لوگوں کی موجودگی میں حانی زیادہ چلنے پھرنے سے پرہیز ہی کرتی تھی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب حانی چھت سے گری تھی۔ بابا دفتری کام کے سلسلے میں شہر سے ... تھے۔ تب بوا اور حریم ہی حانی کو محلے کے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں۔ جب ابتدائی طبی امداد سے ... کچھ افاقہ نہ ہوا تو پھر اسے بوا ہڈی جوڑ ایک نامی گرامی حکیم صاحب کے پاس لے گئی تھیں۔ حکیم صاحب ... دوائی نے فوری اثر دکھایا تھا۔ حانی کا درد فوراً ہی ٹھیک ہو گیا تھا' تاہم ناقص علاج نے ہمیشہ کیلئے حانی ... میں نقص چھوڑ دیا' چونکہ ٹخنہ اپنی جگہ سے کھسک گیا تھا اور ہڈی کے ساتھ ساتھ جوڑ کی کچھ وینز بھی ... تھیں اور حکیم صاحب ٹخنہ تو اپنی جگہ پر لا چکے تھے' مگر مزید تشخیص نہیں کر پائے تھے۔

اگرچہ بابا کے آنے کے فوراً بعد حانی کا علاج معالجہ شروع ہو گیا تھا' مگر کوئی امید افزا خبر نہ ... تھی۔ اکثر ڈاکٹرز کا خیال تھا کہ گھٹنے اور ٹانگ کی وینز میں کھنچاؤ آ گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایڑی ... ہے جس کی وجہ سے چال میں لنگڑاہٹ نمایاں ہو جاتی ہے۔ بہرحال جو بھی تھا چاند کے ایک کونے ... لگ چکا تھا اور یہ گرہن چاند کی حقیقی خوبصورتی کو دیکھنے والے کی نظر کے مطابق واضح کرتا تھا۔ ... نظر انداز کر دیتا تھا۔

نہ جانے ان گھڑیوں یا اس لمحے میں کچھ ایسا سحر تھا تبھی تو دو سادہ سی شریر نظروں نے گرہن ... کی چپکے سے طلب کر لی تھی اور یہ طلب کب سے انگڑائیاں لے کر جاگ رہی تھی۔ اس کی دمنات ...

... بعض سچائیاں خود بخود عیاں ہو جاتی ہیں' کچھ کہنے اور بولنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی' ... سارے "راز" اگل دیتی ہیں اور محسن ایاز کی آنکھوں نے بھی سارے بھید کھول دیئے تھے۔

... جاتے سے حریم کی پیشانی چومتے ہوئے مژدہ جان فزا سنا دیا تھا' یوں کہ حریم کا انگ انگ ... شرگزار ہو گیا۔

"بھائی صاحب سے بات کر لوں۔ پھر چھوٹی سی رسم کر لیں گے۔ یہ نالائق بھی آخری سال کے ... فارغ ہو جائے۔ شادی دو سال بعد ٹھیک ہے نا۔"

"ہمیں منظور ہے۔ جیسے آپ کی مرضی' یہ فیصلے باہمی رضامندی سے طے پائیں تو بہتر ہے آپ بیٹے ... سے بھی پوچھ لیں ویسے کچھ پوچھنے کی ضرورت تو نہیں۔ اللہ خوشیاں سلامت رکھے۔" راحت بیگم ... انداز میں سنجیدگی سے کہا تھا۔ اور حریم گم صم سی سامنے کھڑی اس عورت کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے ... کتنے ہی رنگ تھے اور ہر رنگ ہی بہت گہرا تھا۔ کبھی عیار اور مکار لگتی تھی۔ کبھی معصوم اور مظلوم ... جھگڑالو اور فسادن دکھتی اور کبھی رحمت کے بادل کی طرح سے بے لوث برسنے لگتی۔

... سامنے کھڑی یہ عورت بھلا کیا تھی؟

... ماہیر عالم آج تک اس عورت کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر آج اس عورت نے حریم ماہیر عالم کو بغیر ... خرید لیا تھا۔

............*

آسمان کی سیاہ چادر پر بدلیوں کا بسیرا تھا۔ ستارے اور چاند بدلیوں کی چادر اوڑھے خاموشی سے سو ... گھور تاریک رات نے پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ درختوں کے گھنے جھنڈ میں ... منہ چھپائے پرندے کبھی کبھی خاموشی کا سینہ چاک کئے کوئی سریلا گیت سنانے لگتے تھے۔ دور ... کے دہائیاں دینے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ چھوٹے سے صحن میں لگے پودے بھی اداس اور ... ہر شے پر گویا شب تاریک کا سایہ تھا۔ حتیٰ کہ پہلو میں دھڑکتا دل بھی خاموش تھا۔ یوں محسوس ... شب تاریک نے اپنا پنکھ اس دل پر بھی چپکے سے مار دیا ہے۔ تبھی تو دل کے ایوانوں میں ذرہ بھر ... گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ یوں کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ منزل اور راستہ دیکھنا تو دور کی بات' ... سا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

... دل کے ایوان میں کیسی شب ہجر اتر آئی تھی۔

... عفیفا مختار خالی ہاتھ اور خالی دل رہے گی۔ عمر بھر۔" یہ سوال بدلیوں سے سجے آسمان سے ... پہلو میں دھڑکتے اس دل سے پوچھ رہی تھی' جواب بھی خاموش تھا۔

... شدت کے ساتھ کسی ہم راز کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی سکھی' کوئی سہیلی' جس سے ... ہلکا کر لیا جاتا' جو اس کے زخم خوردہ دل پر ہمدردی کے پھاہے رکھتی۔ کوئی تسلی بھرے لفظ ... لٹی کہانی سناتی' کچھ ایسی کہاوتیں بیان کرتی کہ دل خوامخواہ خوش گمان ہو جاتا۔ امید ... اور صدیوں سے تنہا یہ دل بھی کچھ دیر کیلئے ہی سہی "شاد" تو ہو جاتا۔

اور آج اسے نہ جانے کیوں زوباریہ درانی کی یاد بھی بری طرح سے ستا رہی تھی۔ دوا... تھی، جب دوستی کا رشتہ ٹوٹ گیا تو فیفا نے زوباریہ کے صفحے کو بہت خاموشی سے ایک رات ... سے پھاڑ کر الگ کر دیا تھا۔

ماہیر اور زوباریہ کے بعد اس نے "دوستی" کے رشتے کو کسی اور کے ساتھ جوڑنے کی کوشش ... دل بری طرح سے "دوستی" اور "دوستوں" سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

مگر آج پھر اسے ایک دوست کی شدت سے طلب محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ وہ کبھی ... درانی کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر اس کی "یاد" بھی بغاوت کرتے ان آنسوؤں کی طرح تھی جنہیں ماں سے بھی چھپائے اب تھکنے لگی تھی اور اس تھکن نے فیفا کے انگ انگ میں مستقل بسیرا کر رکھا تھا۔

"فیفا! یہاں کیوں کھڑی ہو۔" نفیسہ بیگم نہ جانے کب اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"آپ ابھی تک سوئی نہیں۔" فیفا نے گڑبڑا کر چہرہ موڑ لیا تاکہ امی کی نظر اس کے بھیگے ... نہ پڑے۔

"سہیل کا فون آ رہا تھا۔ میری نیند فون کی بیل سن کر ہی ٹوٹی ہے۔" امی نے کھوجنے والی نظروں سے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔

"سہیل کا فون۔" فیفا کا دل گویا اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔

"کیا کہتے ہیں؟" اس نے بمشکل خود پر ضبط کے پہرے بٹھا کر پوچھا تھا۔

"تم سے بات کرنا تھی اس نے۔ پھر خود ہی بند کر دیا۔ شاید کوئی کام یاد آ گیا ہوگا۔" وہ بتا رہی تھیں۔

"ہونہہ، کام۔" فیفا نے بری طرح سے نچلے لب کو دانتوں تلے دبا لیا تھا۔

"چلو، اندر آؤ۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"آپ جا کر سوئیں، میں آ جاتی ہوں۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"کیا بات ہے فیفا!" نفیسہ بیگم ٹھٹک گئی تھیں۔ فیفا کی بھرائی آواز نے انہیں سخت پریشان کر ...

"فیفا! کوئی پریشانی ہے؟ کیوں خود سے الجھ رہی ہو؟ مجھے بتاؤ بیٹا۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے ... سے ہوتی ہوئی کمرے میں آ گئیں اور وہ میکانکی انداز میں ماں کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔

"یہاں بیٹھو۔" وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر خود بھی قریب بیٹھ گئی تھیں۔

"اب بتاؤ۔ کون سی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے۔" ماں کی جہاندیدہ نظروں سے ... کہاں تھا، مگر اس کی حتی المقدور کوشش ہوتی تھی کہ ماں کو کم از کم اپنی وجہ سے کبھی بھی پریشانی ... ساری پریشانیاں اس کی ذات سے بندھی خود بخود امی کی طرف لپکنے لگی تھیں۔ اس نے کچھ دیر سوچ ... امی کو سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

"سہیل نے میرا ویزہ بھجوا دیا ہے، مگر آپ کے ویزے پر اعتراضات لگ رہے ... ہیں، پھر سے واپس آ گئے۔ وہ ہی پھر سے ایمبیسی کے چکر، میرا دماغ گھوم رہا ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم چلی جاؤ، میں بعد میں آ جاؤں گی۔" انہوں نے نرمی سے ... انداز میں کہا۔

"میں آپ کو لئے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گی۔" امی کا فیصلہ اٹل تھا۔

"مگر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ تمہارے ساتھ جاؤں یا بعد میں، بات تو ایک ہی ہے۔" نفیسہ بیگم کو ... الجھن کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"بات ایک نہیں ہے۔" فیفا نے بے بسی سے لب کچلے۔

"ابھی تو میں ادھر ہوں۔ کچھ کوشش اور بھاگ دوڑ سہیل کر ہی لیں گے۔ اگر چلی گئی تو ٹھنڈے ہو کر ... بیٹھ جائیں گے، نہ جانے پھر کتنا وقت لگ جائے۔ میں آپ کیلئے ادھر تڑپتی رہوں گی، فکرمند رہوں گی۔"

"تمہاری ضد بے جا ہے۔" نفیسہ بیگم نے خفگی سے کہا۔

"یہ بتاؤ۔ سہیل نے کیا بات کی ہے؟"

"وہ کہتے ہیں ٹکٹ کنفرم کروا لو۔" فیفا نے پریشانی کی اصل بات بتا دی۔

"تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ تم بھی خوامخواہ ضد کر رہی ہو۔ جب اس نے ویزہ بھیج دیا ہے، پاسپورٹ ... بنا ہے، پھر دیر کیوں کرتی ہو بیٹی۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

"مرد کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کہ کب بدل جائے۔ خیریت کے ساتھ اپنے شوہر کے پاس جاؤ۔ بار بار انکار کرو گی تو سہیل کو بھی ضد آ جائے گی اور یہ تو بچے کی محبت ہے جو جاتے ہی تمہارے ویزے کے ساتھ ... میرے لئے بھی کوشش کر رہا ہے۔"

"محبت ہونہہ۔" فیفا کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"نہ جانے یہ کیسی محبت ہے، مجھے تو یہ شادی نرا ڈھکوسلا لگتی ہے۔"

"فیفا! کیا سوچنے لگی ہو۔" انہوں نے اس کا کندھا نرمی سے ہلایا۔

"بیٹی! رشتے کی نزاکت کو سمجھتے ہیں۔"

"کون سا رشتہ؟ کیسی نزاکتیں۔" وہ گویا تھک سی گئی۔ اب بھلا ماں کو کیا بتاتی کہ ابھی تک اس کے ... کے درمیان صرف کاغذ کا تعلق تھا اور یہ "تعلق" کتنا مضبوط تھا یہ تو فیفا خود بھی نہیں جانتی تھی اور ... اور ... کی شادی ڈرامے کا ایک سین لگتا تھا، پل جھپکنے میں بدل جانے والا۔

شادی سے دو دن پہلے سہیل پاکستان آیا تھا اور شادی سے اگلے دن ڈیڑھ بجے کی فلائٹ سے واپس ... اور اس آنے اور جانے کے درمیانی عرصہ میں چار پانچ گھنٹوں پر مشتمل رات بچتی تھی اور ان ... صرف سات منٹ کیلئے وہ عفیفا کے پاس آیا تھا، صرف یہ بتانے کیلئے کہ اسے ایمرجنسی ... ایمبیسی جانا ہے۔ کچھ کاغذات پر اعتراضات لگ رہے تھے یا کچھ اور مسئلہ درپیش تھا۔ عفیفا ... سہیل کی پھرتیاں دیکھ رہی تھی جو کہ بریف کیس میں اپنا سامان رکھے موبائل اٹھائے اس کی ... بغیر باہر نکل گیا تھا۔

... عفیفا مختار کی شب عروس۔ اول روز سے عفیفا کے دل میں وسوسہ کھٹک رہا تھا۔ وہ اپنے ان

خدشات کا کوئی نام نہیں دینا چاہتی تھی' مگر یہ بے نام سے خدشے بھی اس کا قرار لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ تفکرات اور اپنے ان خدشات کو کسی سے شیئر بھی نہیں کرسکتی تھی۔ کوئی بھی تو ایسا ہمراز نہیں تھا جس سے دل کا بوجھ بانٹ کر وہ شانت ہوجاتی۔

کبھی دل کرتا ماہیر سے بات کرے مگر اب بھلا فائدہ بھی کیا تھا' جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ وہ جانتی بوجھتی تھی کہ اس کی ماں کا یہ فیصلہ کبھی بھی غلط ثابت ہو' مگر دل نہ جانے کیوں مطمئن نہیں تھا۔ حالانکہ سہیل نے خود ہی امی کو ساتھ لے جانے کی بات کی تھی اور اب جبکہ وہ ذہنی طور پر تیار ہوچکی تھی۔ امی کو بھی مشکل ہی سہی' رضامند کر ہی لیا تھا۔ اب سہیل کا آئیں بائیں کرنا فیفا کو بری طرح سے الجھا رہا تھا اور یہ معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھ رہی تھی۔ کیونکہ اس سے اگلے ہی روز سہیل کی دوبارہ کال آگئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ ابھی فیفا کو بھی آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں دبئی میں کچھ عرصہ کیلئے مقیم ہے۔ فیفا کو تنہا رہنے میں پرابلم ہوگی اور اس نے ہمیشہ کی طرح پاکستان آنے کا وعدہ بھی کیا تھا اور اس کی سادہ لوح ماں داماد کے وعدے اور ٹیلی فونک گفتگو سے ہی مطمئن ہوجاتی تھی۔

مگر اب تو اردگرد کے لوگ بھی سوال کرنے لگے تھے' جن میں سرفہرست راحت بیگم تھیں۔ فیفا اور نفیسہ بیگم عصر سے کچھ پہلے راحت بیگم کی عیادت کرنے کیلئے آئی تھیں۔ راحت بیگم نند کو دیکھ کر طرح طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہوگئیں۔

"مل گئی فرصت' میری احوال پرسی کیلئے' تم نے تو غیروں کو بھی مات دے دی نفیسہ۔"

"آپ نے کون سا اطلاع دی ہے' اتنا نہیں ہوسکا' ایک فون ہی کردیتیں' ماہیر سے مجھے شکوہ نہیں' اسے کے ہزاروں کام ہوتے ہیں۔ تاہم آپ تو تمام دن فارغ ہوتی ہیں' کسی کے ہاتھ پیغام ہی بھجوا دیا ہوتا۔" نفیسہ بیگم نے ان کی ناراضی کے جواب میں خاصا تفصیلاً جواب دے کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تمہارے سامنے ہوں' دیکھ لو میری حالت' نچڑ کے رہ گئی ہوں' پیر تو ٹھیک ہے' مگر کمزوری کی وجہ سے چکر آتے ہیں' چلنا مشکل ہے۔" انہوں نے کمال درجے کی نقاہت لہجے میں بھرلی۔

"صحت تو آپ کی قابل رشک ہے ممانی جان! اللہ نظر بد سے بچائے۔" فیفا نے بغور ان کا جائزہ لے کر گفتگو میں شمولیت اختیار کی۔

"ماشاء اللہ۔" انہوں نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

"تم بھی قندھاری انار کی طرح لال ہورہی ہو۔"

"جوابی تعریف کرنا ضروری نہیں تھا ممانی جان! مگر اب آپ نے کر ہی دی ہے تو اس تعریف کو قبول کرلیتی ہوں۔ تاہم ایک بات واضح کردوں میرا رنگ بچپن سے ہی سرخ وسفید ہے۔"

"تو اور کیا۔ زمیلہ اور تمہیں' ماہیر آٹے کی بوری کہا کرتا تھا۔ بچپن میں تم دونوں بہت موٹی ہوا کرتی تھیں۔" راحت بیگم کا موڈ خوشگوار ہوگیا تھا۔ نند سے جس قدر روایتی تعلقات تھے ان کی بیٹی سے انسیت بھی تھی۔ تب ہی تو فیفا کی ہر بات ہنسی خوشی حلق سے نیچے اتار لیتی تھیں۔

"حریم کہاں ہے؟" نفیسہ اور فیفا نے یک زبان پوچھا۔

"پیٹ پر تو ہے' اس کی حالت میں تو یہ موسم پوری شدت سے محسوس ہوتا ہے۔" نفیسہ بیگم نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"تمہارا اوپر والا ابھی تک نہیں لگا۔" راحت بیگم کا انداز خود بخود پھر سے تیکھا ہوگیا تھا۔

"چھ مہینے ہونے کو آئے ہیں' یہ آنا کانی کیوں ہو رہی ہے؟" وہ گویا خود کلامی کر رہی تھیں۔

"پیری وجہ سے معاملہ اٹک گیا ہے۔" نفیسہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بیٹی کو تنہا اتنی دور مت بھیجنا نفیسہ۔" وہ انہیں متنبہا کہہ رہی تھیں۔

"تم نے بھی جلد بازی سے کام لیا ہے' ایسے لڑکے کے ساتھ بچی کو نتھی کر دیا ہے' جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ بھرے پرے خاندانوں کے فائدے بھی بے شمار ہوتے ہیں۔ کم ازکم فراڈ ہونے سے بچت ہے۔" وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھیں۔ فیفا بے خیالی میں ماں کا چہرہ تکنے لگی۔

"بالکل بھی بچی کو باہر نہ بھیجنا' جب تک سہیل کے بارے میں معلومات نہ لے لو۔"

"کیا مطلب؟" نفیسہ بیگم پریشان ہو اٹھی تھیں۔

"کیسی معلومات؟"

"ارے' جس روز سے نکاح کر کے گیا ہے پلٹ کر اس نے راہ نہیں دیکھی۔ ایویں تو نہیں بچی کو چلتا کیا' ہر طرح کے فراڈ ہوجاتے ہیں۔ اب ہمیں کیا پتا کہ یہ سہیل مسقط میں کیا کرتا پھر رہا ہے۔" انہوں نے بھرپور وضاحت کی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں بھابی بیگم! ساری معلومات اکٹھی کر کے ہی ہاں کہی تھی۔ سہیل میں ایسی ویسی بات نہیں۔" نفیسہ بیگم مطمئن تھیں۔

"بہرحال' سمجھانا میرا فرض تھا' آگے تمہاری مرضی۔" انہوں نے گویا ہاتھ جھاڑے۔

"میں تو کہتی ہوں' ایک دفعہ پھر سے چھان پھٹک کرلو' بیرون ملک میں فراڈ ہونا معمولی بات ہے' اب خبر وہ ادھر کیا کرتا ہے' کیسے رہتا ہے؟ تم بھی تو سنی سنائی پر مطمئن ہو کر بیٹھی ہونا۔"

"یہ تو آپ نے ٹھیک کہا ہے' مگر اب بھلا ہو بھی کیا سکتا ہے۔" حسب معمول نفیسہ بوکھلا گئی تھیں۔

"کیوں نہیں ہوسکتا۔" وہ چمک کر بولیں۔

"ایسے ہی تو اپنی پھول سی بچی کو پردیس نہیں بھیج دیں۔"

"تو پھر کیا کرنا ہوگا۔" وہ ہونق پن سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"سہیل خود آئے' کچھ دن ادھر رہے' پھر فیفا کو ساتھ لے کر جائے۔" انہوں نے اطمینان سے کہا تھا' بات میں وزن بھی تھا۔ نفیسہ بیگم سوچ و بچار میں گم ہوگئی تھیں۔

فیفا اٹھ کر ماہیر اور حریم کے مشترکہ کمرے میں آگئی۔ جب سے وہ لوگ یہاں شفٹ ہوئے تھے فیفا کا ادھر کا چکر نہیں لگا سکی تھیں۔

فیفا کچھ دیر کمرے کے وسط میں کھڑی رہی' پھر کچھ سوچ کر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے سے ملحقہ باتھ سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی' فیفا طائرانہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ کمرہ

اگرچہ بہت بڑا نہیں تھا' تاہم حریم کا سلیقہ اور قرینہ فرنیچر کی ترتیب میں نمایاں تھا۔ ان دونوں کی تصویریں سامنے دیوار پر لگی تھیں۔ ماہیر کے کئی ایک کلوزاپ تھے۔ ان میں کچھ تو یونیورسٹی کے تھے۔ فیفا سوچ رہی تھی کہ اگر حریم نے یہ تصویریں دیکھ رکھی تھیں تو پھر یقیناً زوباریہ کی بھی کوئی ضرور دیکھی ہوگی۔ اگر اس کی کریدنے یا جرح کرنے والی عادت ہوتی تو بہانے بہانے سے کچھ نہ کچھ ضرور پوچھ لیتی۔

"ارے فیفا! تم کب آئی ہو؟" وہ بالوں میں تولیہ لپیٹے باہر نکلی تو صوفے پر بیٹھی فیفا کو دیکھ کر خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے امی بھی آئی ہیں۔" فیفا سوچوں کے گرداب سے باہر نکل آئی تھی۔ حریم کے والہانہ اور پرجوش استقبال نے فیفا کے دل میں موجود حریم کی تکریم کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔

"اور سناؤ' کب جا رہی ہو عمان!" وہ اس کے مقابل ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"ابھی فی الحال پروگرام ملتوی ہو گیا ہے۔" فیفا نے بے دلی سے بتایا۔

"مگر کیوں؟ میرے خیال میں تم لوگوں کی تمام تیاری مکمل تھی۔" حریم سچ مچ حیران ہوئی۔ اس نے یہی سنا تھا کہ فیفا اور پھوپھو عنقریب مسقط چلی جائیں گی' خود فیفا نے بھی اسے یہی بتایا تھا۔

"امی کے کچھ کاغذات پر اعتراض لگا ہے اور میں امی کو یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"لیکن اس میں حرج کیا ہے' پھوپھو تنہا کیوں ہونے لگیں' ہم ہیں نا' پھوپھو ہمارے پاس رہ لیں گی۔ کم از کم پھوپھو کی وجہ سے اپنا ارادہ مت بدلو۔" حریم نے سادہ سے انداز میں خلوص سے کہا۔

فیفا نہ جانے کون سی سوچوں کے گرداب میں چکر لگانے لگی تھی۔ حریم کو اس لمحے وہ الجھی الجھی دکھائی دی۔ یقیناً اس کی پریشانی کی کوئی اور بھی وجہ ضرور تھی۔ حریم کچھ دیر تک سوچتی رہی تھی' نہ جانے اس کا کچھ پوچھنا مناسب تھا بھی یا نہیں۔ اسے ہمیشہ اگلے بندے کے برہم ہونے کا خوف آتا تھا اور ہمیشہ اس کی یہ ہی کوشش رہی تھی کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کہے جو مقابل کے موڈ کو خراب کر دے۔

"فیفا! تم کچھ اپ سیٹ دکھائی دے رہی ہو؟" اس نے مناسب الفاظ کے چناؤ کیلئے کچھ سوچا تھا۔ اب فیفا سے اس کی ایسی بھی بے تکلفی نہیں تھی کہ منہ پھاڑ کر کچھ بھی کہہ دیتی۔

"میں کچھ نہیں' بہت زیادہ اپ سیٹ ہوں۔" حریم کو اندازہ نہیں تھا کہ فیفا یوں آسانی سے ظاہر ہو جائے گی اور حریم تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ فیفا اس پر ظاہر ہونے کیلئے ہی تو آج یہاں آئی تھی۔ خود سے الجھ الجھ کر تھک چکی تھی اور اپنی الجھن کو سلجھانے کیلئے اسے کسی کا مشورہ درکار تھا اور بہت بعد فیفا کو حریم کے علاوہ کوئی بھی ایسا مخلص دکھائی نہیں دیا تھا جس سے وہ اپنی ذاتی زندگی کی سچائیوں کے متعلق کچھ بات کر سکتی۔

"خیریت تو ہے؟" حریم کی آنکھوں میں تفکر چھلکنے لگا۔

"حریم! مجھے لگتا ہے میری کشتی بھنور میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ میں عجیب سی کشمکش کا شکار

بے بسی نمایاں تھی۔

"ہوا کیا ہے؟" حریم نے نرمی سے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے۔ فیفا کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے اس کی ذہنی ابتری کا اندازہ بخوبی لگا سکتی تھی۔ اور اس کا دل ہولوں میں پڑنے لگا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ فیفا جیسی مضبوط اعصاب کی لڑکی بھلا کسی معمولی بات پر اپ سیٹ ہوگی اور نہ ہی فیفا اتنی کم ہمت تھی کہ اپنے مسائل دوسروں سے شیئر کرنے لگتی۔ یقیناً کچھ نازک اور حساس قسم کی تھی' تب ہی حریم کے چہرے پر سنجیدگی کا عکس گہرا ہونے لگا تھا اور وہ فیفا کی باتیں سننے لگی تھی۔

........*

"چھوٹے صاحب! آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔" دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سنائی دی پھر گھریلو ملازمہ شانو نے دروازے کی جھری میں سے سر نکال کر اسے مطلع کیا۔

"شانو!" زرجان نے مندی مندی آنکھیں کھول کر شانو کو آواز دی۔ وہ جو دروازہ بند کر کے پلٹنے لگی تھی سر اندر گھسا کر بولی۔

"جی صاحب۔"

"مما سے کہو میں سو رہا ہوں اور ہاں اب دروازہ ناک مت کرنا' میں خود نیچے آ جاؤں گا' پندرہ منٹ بعد جگا دینا۔" وہ پھر سے سر تکیے پر رکھتے ہوئے آنکھیں موندے موندے بولا۔

"جی بہتر۔" شانو نے تابعداری سے سر ہلا کر دروازہ بے آواز بند کر دیا تھا۔

"مما اس وقت گھر پہ ہیں؟" اس کی نیند تو اچاٹ ہو ہی چکی تھی اور وہ ہولے ہولے کنپٹیاں دباتا رہا۔ وہ بہت کم نیند لیتا تھا۔ شاید اسی لئے اس کی آنکھوں میں سرخیوں نے بسیرا کر رکھا تھا۔ رات کو وہ اڑھائی بجے کی فلائٹ سے واپس آیا تھا۔ سو اسی لئے مما سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ بقیہ رات کچھ فائلوں کو اسٹڈی کرتا رہا اور کام ایک ایسی مصروفیت تھی جو زرجان کو لمحے' منٹ' بھلا دیتی تھی۔ کام کے دوران اسے کچھ یاد نہیں رہتا تھا اور کچھ پل کیلئے خود کو بھولنا بھی بہت اچھی بات تھی اور آج کل تو وہ ہر کسی سے فرار چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ تنہائی بھی اسے چبھن دینے لگی تھی اور وہ کوئی وقت بتانے سے گریزاں تھا۔ کبھی کبھی خود سے بھی ملاقات اذیت سے دوچار کر دیتی ہے اور ہمیشہ تنہائی اور اپنے آپ سے ہو اس کے وقت کی رفتار اور ابتری سے شکوے بجاتے تھے اور یہ سب سے بڑا منصف تھا' کسی کی قید میں بھی کہاں آتا تھا بلکہ جس کو چاہتا خود میں مقید کر لیتا تھا۔

وقت کا قیدی؟

لاکھوں ستاروں کے محبوب اکلوتے چاند کا تمنائی؟ سیاہ رات جیسے کشکول میں محبت والا بھکاری؟ محبت کے گوشوارے لکھنے والا کوئی فنکار؟ چمکتی آگ اگلتی ریت پر چلنے والا مسافر؟ قافلے کی قطار سے بچھڑ جانے والا پردیسی؟

کے دل کی چوکھٹوں پر سر ٹکرانے والا ایسا سلطان جس کی راجدھانی اور سلطنت کے

قرب وجوار کی عورتیں خود کو طشتری میں سجائے پیش کرتی تھیں اور وہ ان پر ایک نگاہ غلط کا بھی
تو پھر محترمہ فلک ناز کیوں نا ایسے بیٹے پر فخر کرتیں جو پارسائی کا دعویدار تو نہیں تھا' مگر
زرجان صبح کاذب سے لے کر اب تک سوتا رہا تھا۔ سو نیند تو پوری ہو چکی تھی' مگر سر بھاری
تھا۔ ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد وہ خاصا فریش ہو گیا تھا۔ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر
اسپرے کرنے کے بعد وہ بال بنانے لگا تھا' جب دروازہ بڑے نفیس انداز میں ناک کیا گیا تو
والے کے سٹائل سے ہی زرجان کو پتا چل گیا تھا کہ دروازے کے دوسری طرف کون ہے۔

" زرجان! اٹھ گئے ہو؟" مما کمرے میں داخل ہو رہی تھیں' ان کے ہاتھ میں چائے
تھے۔ خلاف معمول وہ بہت گھریلو اور سادہ سے حلیے میں دکھائی دے رہی تھیں۔

" میں جاگ چکا ہوں۔" زرجان نے مسکرا کر کہا۔

" کیا واقعی؟" انہوں نے سینٹرل ٹیبل پر مگ رکھے۔

" تم نیند سے جاگ چکے ہو؟" وہ بات کو کسی اور پیرائے میں لے گئی تھیں۔

" لگتا تو کچھ یہ ہی ہے۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

" تو میں تیاری کروں؟" انہیں خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔ چائے کے مگ سے ان کی توجہ ہٹ گئی تھی۔

" کیسی تیاری؟" وہ اچنبھے سے کندھے اچکا کر انہیں دیکھنے لگا۔

" تمہاری شادی کی۔" وہ نرم نرم نظروں سے بیٹے کے تاثرات جانچ رہی تھیں۔

" شادی؟" وہ حیران ہوا۔

" تو کیا غلط کہا۔" انہوں نے صوفے کی گداز پشت سے ٹیک لگا کر زرجان کی طرف دیکھا

" مگر میں شادی کی بات تو نہیں کر رہا۔"

" لیکن میں تو تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں۔" وہ دھیمے انداز سے بول کر ہلکا سا مسکرا

" کیا تمہیں ساتھی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔"

" ایک پارٹنر تو ہے۔" زرجان کچھ غیر سنجیدہ تھا اور اتنا تو وہ جان چکا تھا کہ مما اسے گھیر کر اپنے پسندیدہ ٹاپک کی طرف لانے کی تیاری کر کے ہی آئی تھیں۔

" کون؟"

" تنہائی اور خاموشی۔" وہ پھر سے مسکرایا۔

" زرجان! میں سیریس ہوں بیٹا۔" انہوں نے خفا سے انداز میں کہا۔ آج وہ پہلے سے
دکھائی دے رہی تھیں اور زرجان ان کے اس بدلاؤ کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

" جی مما! کہیے۔" وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

" آپ میری شادی کی بات کر رہی تھیں۔"

" تم اس موضوع پر بولنا پسند کرو گے؟" ان کا لہجہ کچھ چبھتا ہوا تھا۔

" کیوں نہیں۔" اس نے کھلے دل سے گویا اجازت دی۔

" اچھا......" وہ بے حد حیران ہوئیں۔ آج تو زرجان بھی انہیں حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

" لگتا ہے اس دفعہ کا تمہارا ٹور شاندار رہا ہے۔" ایک دم ہی میڈم فلک ناز کا چہرہ جگمگانے لگا۔

" کوئی پسند تو نہیں کر لی؟" وہ اسے چھیڑ رہی تھیں۔

" یہ کام اب آپ پر چھوڑ دیا ہے' میں نے جسے پسند کرنا تھا کر لیا۔ وہ کسی اور کے نصیب میں لکھی تھی اب بار بار ایک ہی کام دہرانا میرے بس کا روگ نہیں۔" اس نے صاف جھنڈی دکھا کر سارا بوجھ ماں کے کندھوں پر لاد دیا تھا اور اس بوجھ کی شدت صرف میڈیم فلک ناز ہی جان سکتی تھیں۔

" تم اسے بھول نہیں سکتے؟" غیر دانستہ انہوں نے وہ ذکر خود بخود چھیڑ دیا تھا' جس پر بولنا انہیں کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔

" بھول سکتا ہوں' کیا بھول جاؤں؟" وہ معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

" اتنی محبت تھی تمہیں' حریم جمال سے زرجان۔" وہ اسکے لہجے کے چٹختے کانچ بخوبی محسوس کر سکتی تھیں ان کا دل گویا چکی میں پس کر رہ گیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ زرجان نارسائی کے کرب سے گزرا ہے۔ اگر راحتیں اور خوشیاں بازار میں بکتیں تو وہ اپنے بچوں کو اپنی تمام دولت بھی دے کر لا دیتیں۔ سامنے بیٹھی عورت کا دل بھی تو ایک ماں کا دل تھا اور ماں چاہے جس طبقے کی بھی ہو' ہوتی تو ماں ہی ہے' اولاد کی خوشیوں پر خوش اور غموں پر تڑپ اٹھنے والی۔

" حریم جمال سے محبت کے کتابچے کو تو نہ ہی کھولیں۔" زرجان نے پھر سے مسکرانے کی کوشش کی مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

" اگر اس کا باپ مان جاتا یا پھر میں ہی سلیقے سے بات کر لیتی' نہ جانے غلطی کس کی تھی' مگر نقصان تو تمہارا ہوا ہے نا۔" وہ بری طرح سے ٹوٹ کر رہ گئی تھیں۔ زرجان حقیقی مسرتوں سے دور تھا اور میڈم فلک ناز گویا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی بے بس تھیں۔ ان کے غرور اور طنطنے نے زرجان کی واحد خوشی چھین لی تھی۔ یہ احساس انہیں کچوکے لگانے کیلئے کافی تھا اور وہ بہت دفعہ ضمیر کے کواڑوں میں دب کر خود اذیتی کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔

زرجان کا بھی قصور بھلا کتنا تھا؟ انکار تو حریم کے باپ نے کیا تھا' وہ تو کسی اور سے منسوب تھی اور وہ بے خبری میں ہی کسی اور کے آنگن میں اترنے والے چاند کی طلب کرنے کا گناہ کر بیٹھا تھا۔ ان کا بیٹا ایسا تو نہیں تھا۔ پرائی امانتوں کی طرف نظر کرنے والا۔ دل میں جگہ دینا تو دور کی بات تھی' دل کے سلسلے بھی عجیب ہوتے ہیں اور اس دو انچ کے گوشت پوست کے لوتھڑے پر اختیار بھی کہاں یہ ہی دل نہ جانے کس کس مقام پر ذلیل کرواتا ہے۔

" ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔" زرجان کی آنکھوں میں ہلکی سی ناگواری در آئی۔ اس موضوع پر ... بھی پسند نہیں رہا تھا۔

" حریم جمال کے علاوہ کوئی اور نیا کتابچہ کھولنا چاہو گے۔" وہ بڑی آس بھری نظروں سے اسے دیکھ

رہی تھیں۔ آنکھوں میں الجھا لئے' بھلا یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی؟ میڈم فلک ناز ایسی حلاوت کا مظاہرہ
بات تو اچنبھے کی تھی۔ مگر یہ جو وقت ہے نا' بڑے بڑے سورماؤں کے بل نکال دیتا ہے۔ زرجان کو بات
میں اترنے میں کچھ پل ہی لگے تھے۔ وہ گویا سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ ماں کی شخصیت میں در آنے
تبدیلی کا اصل راز اس کے بڑے دونوں بھائیوں کا ابراڈ سیٹل ہونا اور بزنس کو الگ کر لینا ہی ہو سکتا تھا۔

بظاہر دنیا دکھاوے کو اور سوسائٹی میں سب اچھا دکھانے' اپنا امیج اور ساکھ برقرار رکھنے کیلئے
مضبوط ظاہر کرتی تھیں۔ مگر درحقیقت اس سٹیج پر بیٹوں کا بزنس الگ کرنے کا پلان انہیں اندر سے توڑ
دنیاوی لحاظ سے بھی انہیں کافی خسارے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اثاثوں کی تقسیم نے زرجان کی بیک کو بھی
لگایا تھا۔ مگر وہ تو ازل سے لاپروا اور درلیش تھا۔ اسے اس چیز پر کوئی افسوس یا دکھ نہیں تھا۔ تاہم سرکل
کاروباری لحاظ سے اچانک ملنے والا یہ نقصان میڈم فلک ناز کو غیر دانستہ ایک موقع فراہم کر گیا تھا۔ بو
سنبھل جانا۔ غلطیوں کو نہ دہرانا' اب وہ مزید کوئی غلطی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی کبھی سمجھنے اور سنبھ
صرف ایک لمحہ درکار ہوتا ہے۔ جس کو بھی خوش قسمتی سے یہ لمحہ میسر آ جاتا ہے وہ خود کو بانصیب لو
فہرست میں شمار کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور میڈم فلک ناز اس لمحے کو اپنے ہاتھ میں کر چکی تھیں۔ مزید ہر قسم کے نقصان سے بچنے
اپنے بچے کھچے سرمائے کی حفاظت کیلئے وہ اگلا لائحہ عمل تیار کرنا چاہتی تھیں۔ زرجان اور ہنی ان کیلئے
آتی جاتی سانسوں کی ضمانت' زندگی کیلئے بہترین زادراہ' یا پھر ایسا اثاثہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا
اپنے ایں سرمائے کو کسی جنون کے ہاتھوں تباہ نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ زرجان اور ہنی ایک
اور نارمل زندگی گزاریں۔ زندگی کی ہر خوشی کو دل سے محسوس کریں اور وقت کی بے رحمی نے جو ہجر اان
کے نصیب میں لکھ دیا تھا اس ہجر کے سحر اور زہر سے ان کے بچے آزاد ہو جائیں۔ ایک ماں ہونے
یہ خواہش بے جا تو نہیں تھی۔

"مما! کہاں کھو گئی ہیں؟" زرجان کی آواز انہیں سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی۔ وہ گڑبڑا کر
کو دیکھنے لگی تھیں۔ اس بات سے قطعاً بے خبر کہ زرجان ان کے چہرے کے تمام تر تاثرات کو بغور
اور چہرے پڑھنا زرجان عباس کیلئے کبھی بھی مشکل نہیں رہا تھا۔ وہ تو گفتگو کے انداز سے ہی مقابل
میں اتر کر سب کچھ جان لینے کے فن سے آشنا تھا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا زرجان۔" وہ ایک مرتبہ پھر موضوع کی طرف پلٹی تھیں۔

"آپ کی خوشی کیلئے ایک کے بجائے کئی کتا بچے بھی کھول سکتا ہوں۔" وہ بڑے ہی سنجیدہ
غیر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اگر اس جیسی کوئی مل گئی تو مجھے بتا دینا۔" اس کے دل نے خوشی کے گھنگرو باندھ لئے تھے۔

"اگر اس جیسی نہ ملی تو؟" وہ سوالیہ نظروں سے ماں کے پرجوش چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"پھر جسے میں پسند کروں گا' اسے اپنا لینا' وہ حریم نہیں ہوگی' مگر حریم جیسی ضرور ہوگی۔"
گویا زرجان سے ہی نہیں خود سے بھی ایک عہد کیا۔

"آپ کی خوشی میرے لئے بہت اہم ہے مما! مگر مجھے ابھی کچھ اور وقت چاہئے۔"

"جیتی رہو میری جان! تم نے مجھے ایک بوجھ سے آزاد کروا دیا ہے۔ میں بری سمجھ رہی ہوں
جب بوجھ ہے جو میں نے تمہارے دل کی پروا نہ کرتے ہوئے غیر دانستہ کیا تھا۔" ان کی آنکھیں
بھیگ گئی تھیں۔

"خود کو الزام دینے سے کیا حاصل...... یہ فیصلے تو تقدیر کے ہیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح صابر اور شاکر تھا
کرنے والوں پر ہی آزمائش بھی اترتی ہے۔ کتابوں اور صحیفوں نے صابروں کیلئے انعام بھی تو بتایا تھا۔

"حریم...... حریم" کیسی ہے؟" نہ جانے کیسے بے وجہ ہی ان کے لبوں سے الفاظ پھسل پڑے۔

"یا حیرت۔" اب کے زرجان کو سچ مچ گویا جھٹکا لگا۔

"مما اور حریم کا پوچھیں۔"

"اور وہ چھوٹی حانی کیسی ہے؟ اس کا پیر ٹھیک ہوا؟ کیا صورت بنائی ہے بنانے والے نے۔ خیر حسن
خاندان میں وراثتی ہے۔" ان کا انداز ستائشی ہی نہیں' کچھ جتاتا ہوا بھی تھا۔

"حانی بھی ٹھیک ہے اور حریم بھی۔" وہ اس جھٹکے سے کچھ سنبھل کر بولا۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں زرجان! ہیرے کی قدر ہمیشہ جوہری ہی جانتا ہے۔ جب بھی کبھی دل اپنی
سے بدگمان ہونے لگے تو یہ سمجھ کے درگزر کرنے کی کوشش کرنا کہ تمہاری ماں جوہر شناس نہیں تھی۔" وہ
آنکھوں سے چھلکنے والے پانی کو زرجان کی نظروں سے چھپانے کی غرض سے اٹھ گئی تھیں۔

"لنچ کیلئے نیچے آ جانا زرجان! میں کھانا لگواتی ہوں۔" جاتے ہوئے انہوں نے کہا تو صرف اتنا۔
اس لئے کہ زرجان ان کے لہجے کی کپکپاہٹ سے کچھ جان نہ جائے کہ اس کی ماں جو خود کو آئرن لیڈی
کہتی تھیں آج پسپائی اختیار کر چکی ہے اور اسے کسی اور نے نہیں اس کی اولاد نے اس مقام پر پسپا کر کے رکھ
دیا۔ اور یہ اولاد ہی تو تھی' جس کی نادانیاں اور غلطیاں بڑے بڑے متکبروں کو ان کی اوقات یاد دلاتی
ہیں۔

اور زرجان عباس اور ہنی کیلئے میڈم فلک ناز نے کس کس کی دہلیز کو نہیں چھوا تھا۔ یہ تو ان کا دل ہی
تھا۔

مما کے چلے جانے کے بعد زرجان...... بوجھل اور کثیف سانسوں کو خارج کرتا گلاس ونڈو میں آ کھڑا
ہوا۔ سورج کی روشنی نے آنکھوں سے نامانوسیت کی بنا پر چبھن سی آنکھوں میں بھر دی تھی اور وہ آنکھیں
سکیڑے لان میں اتری دوپہر کو دیکھ رہا تھا۔ تب ہی اٹھکیلیاں کرتی بولتی خاموشی نزاکت سے اس کے قریب
آئی۔

"زرجان! او زرجان۔"

"ہوں۔" وہ چونکا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" خاموشی نے ایک ادا سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ متوجہ کہاں تھا۔

"ہم سے بھی پردہ؟" خاموشی نے معنی خیزی سے کہا۔
"تم سے چھپ کر کہاں جاؤں گا۔"
"تو پھر بول دو نا' جو تمہارے دل میں ہے۔" خاموشی نے نزاکت سے سر جھکا۔
"میرے دل میں کیا ہے؟" وہ حیران ہوا۔
"حریم جمال اور کون؟" اب کے حیران ہونے کی باری خاموشی کی تھی۔
"اس کی پاکیزگی پر حرف آئے گا۔ بار بار نہ جتایا کرو' وہ کسی اور کی ہے۔"
"مجھے تو تم بزدل لگتے ہو؟" خاموشی نے نخوت سے کہا۔
"بھلا وہ کیسے؟"
"محبت میں ہار تسلیم کرنے والا بزدل ہی کہلاتا ہے۔" خاموشی اسے اکسا رہی تھی۔
"تو سمجھ لو' میں بزدل ہی ہوں۔" وہ دھیرے دھیرے گلاس ونڈو کی چکنی سطح پر ہاتھ مار رہا تھا۔ آنکھوں میں ہچکولے لیتا گہرا اضطراب خاموشی سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔
"تو تم نے تسلیم کر لیا۔" خاموشی کو گویا یقین نہیں آیا۔
"ہاں' کر بھی لیا اور مان بھی لیا۔"
"مگر کیوں؟" خاموشی بضد ہوئی۔
"تم بزدل اور کم ہمت تو نہ تھے اور نہ ہی تمہارے جذبوں میں کوئی کھوٹ تھا۔"
"میری محبت مجھے بغاوت پر نہیں اکسا سکتی۔"
"کیا حرج تھا اگر تم حریم کو کسی بھی طریقے سے اپنا لیتے۔ زور زبردستی سے' اٹھوا لیتے' اغوا... محبت تو سو راہیں نکال لیتی ہے' یہ کیسی محبت تھی تمہاری زرجان۔" خاموشی نے تاسف سے اپنا تو...
"میں معاشرے کے مروجہ اصولوں سے بغاوت کیوں کرتا۔ مجھے اپنی محبت کی رسوائی منظور... اس کے لہجے سے سچ کی مہک پا کر خاموشی نے ناک بھوں چڑھالی۔
"نہ جانے تم کیسی باتیں کرتے ہو' اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی نامراد نہ رہتا۔"
"میں اپنے فیصلے پر مطمئن ہوں۔" اس نے گویا خاموشی کی کسی بات پر...
"کیسا فیصلہ؟" خاموشی ٹھٹکی۔
"پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ۔"
"میں سچ مچ مطمئن تھا۔"
"اچھا۔" خاموشی نے گویا طنز کیا۔
"اگر اتنے ہی مطمئن ہو تو پھر اپنا دل آباد کیوں نہیں کرتے؟ اس کی یادوں سے اپنے... خالی کیوں نہیں کرتے؟ تو پھر خود کو آباد کر لو نا زرجان!" خاموشی گویا چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔
"اگر میں خود کو آباد کر لوں تو پھر تم کہاں جاؤ گی؟" وہ سادہ سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔
"میں۔" خاموشی نے سوچنے کیلئے کچھ وقت لیا۔

"...تمہارے ہی جیسے کسی اور زرجان کی تنہائی کو بانٹ لوں گی۔ میرا وجود تو تنہائیوں کے ساتھ ہی ...ہے۔ میرا اور تنہائی کا ازل کا ساتھ ہے۔ جہاں تنہائی ہوتی ہے' میں بھی اس کے ہمراہ ہوتی ہوں۔ ...ہنگامے ہمیں بھاتے نہیں۔ محفلوں میں ہمارا بھلا کیا کام۔ ہم تو تمہارے جیسوں کے اردگرد رہتے...

"تم میرے اردگرد ہی رہو۔ میری یہ ہی خواہش ہے۔" لان میں اتری دھوپ میں لمحہ بہ لمحہ شدت ...سنہری دھوپ زرجان عباس کی اس خواہش کو سن کر پسینہ پسینہ ہو گئی۔
"اور میری بھی یہ ہی خواہش ہے۔" خاموشی لرز کر بولی۔
"لیکن میری ہمراہی میں کوئی خوش نہیں رہتا۔" خاموشی اداس تھی۔
"مگر زرجان عباس تمہاری ہمراہی میں ہمیشہ خوش رہتا ہے۔"
"اچھا......" خاموشی نے اداسی سے سر ہلایا۔ اب وہ اداسی کے کنگن چھنکاتی' زنجیریں لہراتی اس کے ...رقص کر رہی تھی۔

............*

...بعض لوگ سالوں میں شمار کی جانے والی عمر میں' صدیوں میں جتنا سفر کر لیتے ہیں۔ اور خود کو کسی قدیم ...خانے میں رکھی بہت پرانی کتاب سمجھ کر خود کو بھی اسی کتاب کے پیلے پڑتے میلے اور بوسیدہ اوراق کا ...حصہ سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ کسی بھی صاحب نظر کی نگاہ نے اس کتاب کی تحریر کو چھوا تک نہیں ہوتا۔ ...سالوں کی زنجیروں میں قید' صدیوں میں جینا زندگی کی ابتری کی واضح نشانی ہے۔ رواں زندگی' کب ...سلیقہ اور قرینہ بھول گئی تھی؟ کتاب زندگی کی تحریر میں کب الجھاؤ آنا شروع ہوئے تھے؟ جیتی جاگتی ...میں سکوت کیوں اتر آیا تھا؟ بھاگتے دوڑتے لمحوں نے کیونکر منٹوں اور گھنٹوں کا حساب کرنا شروع ...وقت نے اپنی چال بدل کر کچھوے کی رفتار پکڑ لی تھی۔ گھڑی کیوں رک رک کر اور ٹھہر ٹھہر کر چلتی...

...وقت نے نخوت سے اپنے انداز بدلے تھے تو آتے جاتے موسم کیوں نا نظر بدلتے۔ بہار کب کی ...روٹھ چکی تھی۔ خزاں نے ڈیرے لگا رکھے تھے۔ بارشیں روٹھ کر نخرے کے ساتھ اور بڑی ہی منتوں کے ...بعد بوندیں زمین کی طرف ٹپکاتی تھیں۔ بدلیاں بھی ادائیں دکھانے سے باز نہ آتیں۔ حتیٰ کہ چاند تک نہ ...روٹھا روٹھا اور خاموش تھا اور وہ شکوہ کرتی بھی تو کس سے؟ بہاروں سے' خزاؤں سے' بارشوں اور ...آسمان کی گود میں سمائے زرد زرد سے چاند سے۔
...کائنات کا نظام تو ہمیشہ کی طرح بڑی خوش اسلوبی سے چل رہا تھا اور رب رحیم جب تک چاہتا' ...قرینے سے ہی چلنا تھا۔ بدلاؤ تو کہیں نہیں آیا تھا۔ بس اس کے دل پر ہی مختلف کیفیات ...

..."وہ نہ جانے کب سے اسے آوازیں دے رہی تھیں۔
...سلائی مشین پر جھکے جھکے گویا وہ میلوں کا سفر طے کرنے چلی تھی۔ مگر حقیقت کی دنیا زیادہ تلخ

اور تھکن زدہ کردینے کا ہنر رکھتی تھی۔ سوا سے حواسوں میں لوٹنا ہی پڑا۔

"آپ نے کچھ کہا ہے امی۔"

"گھڑی گھڑی کہاں کھو جاتی ہو؟" وہ سبزی کاٹتے ہوئے گویا اس کے تمام تاثرات بھی ... تھیں۔

"نہیں تو۔" فیفا بری طرح سے گڑبڑا گئی۔

"کوئی پریشانی ہے؟ کوئی الجھن ہے تو شیئر کرلو بیٹا۔" فیفا نہ بھی بتاتی' اتنا تو نفیسہ بیگم جانتی تھیں کہ فیفا کسی پریشانی اور الجھن کا شکار ہے۔ اس پریشانی کا آغاز بھلا ہوا کب تھا؟ اس پہلو پر تو انہوں نے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ پچھلے تین' چار ماہ سے فیفا کے انداز بدلے بدلے لگ رہے تھے۔ وہ زیادہ بے زار اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔ نہ جانے کس سوچ کے بھنور میں الجھ کر رہ جاتی تھی کہ ارد گرد کی خبر بھی نہ رہتی۔ آخر مسئلہ کیا تھا؟ پریشانی کیا تھی؟ یہ تفکرات کا جال؟ اداسی کی بکل میں لپٹا اس کا وجود وہ ڈیڑھ' دو ماہ کی بیاہتا دکھتی تھی؟ غمگین' آزردہ' رنجیدہ۔ لمحہ بھر کیلئے تو ان کا دل کانپ کانپ اٹھا تھا۔

"میں نے فیفا کی شادی کر کے کچھ غلط تو نہیں کر دیا؟ کچھ ایسا جو فیفا کے حق میں بہتر نہ ہو؟" سوچ کی لہر نے انہیں پور پور بھگو ڈالا تھا۔

"کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" پچھلے ڈیڑھ' دو مہینوں کی صبحوں اور شاموں کی ایک فلم گویا ان کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگی تھی اور ان کے دل کا ایک وسوسہ پھن پھیلائے ان کے سامنے آ گیا۔

زیادہ پرانی بات تو نہیں تھی جو انہیں سوچنے میں دقت ہوتی۔ صرف چار ماہ پہلے تو انہوں نے اپنی ... کی رضامندی کے ساتھ فیفا کا نکاح کیا تھا اور نکاح سے پہلے فیفا کی رضامندی بھی لی تھی اور اس ... فرماں بردار بیٹی کی طرح ماں کی پسند پر سر جھکا دیا تھا۔ باقی کے معاملات بہت تیزی سے سرانجام پائے تھے۔ کچھ وقت بھی محدود تھا۔ انہوں نے زیادہ جانچ پڑتال میں ٹائم ضائع کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ... تو وہ اسی وقت گئی تھیں جب دن وقت کے تھال میں یکے بعد دیگرے گرتے جا رہے تھے مگر سہیل کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ ملا کی دوڑ مسجد کی طرف ہی ہوتی ہے اور ان کی دوڑیں رفیقہ کے دفتر کی طرف تھیں۔ رفیقہ کے ہر طرح کے اطمینان دلانے کے باوجود ان کا دل تھا کہ سوکھے پتے کی طرح ... رہا تھا اور اس دل نے معمول کی رفتار تب پکڑی تھی جب متوقع داماد صاحب کی آمد کی خبر ان تک ...

اور دل تو سہیل کو دیکھ کر ہی نہال ہو گیا تھا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند' چہرے پر داڑھی سجائے دھیما دھیما بولنے والا۔ ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کر اس نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دو تین دن ... تین مرتبہ ہی ملا تھا۔ جب بھی ملاقات ہوئی اس نے نظر جھکا کر بات کی تھی۔ وہ تو اندر تک مطمئن ہو گئی تھیں۔ جس طرح کی خوبیاں وہ اپنے داماد میں دیکھنا چاہتی تھیں۔ سہیل میں وہ سب خوبیاں موجود تھیں۔ ان کا دل خوشیوں سے اگرچہ پاک ہو چکا تھا' مگر کچھ نہ کچھ تو ضرور ایسا تھا جو ... رہ جاتا۔

جیسا کہ سہیل کی ولیمہ والے روز واپسی کے عمل نے صرف انہیں ہی نہیں' گھر میں دیگر ...

... کا موقع فراہم کر دیا۔

سہیل نے بہت خوش اسلوبی اور قرینے کے ساتھ اپنے ایمرجنسی میں چلے جانے کی وضاحت ... لوگوں کی زبانیں بھلا کون پکڑتا؟

... ان کے دل نے ماہیر کو داماد بنانے کی طلب بھی کی تھی۔ اس طلب اور خواہش میں شدت بھی ... مگر جب اس کا نصیب کسی اور کے ساتھ بنا دیا گیا تو اس دل نے لمحہ بھر کیلئے بھی کبھی ذرہ بھر حسد ... نہیں کیا تھا۔ ان کے دل نے اور زبان نے ہمیشہ لاڈلے بھتیجے کیلئے دعا کی تھی۔ اس کی دائمی خوشیوں ... برقرار رہنے کی دعا۔

پہلے پہل فیفا کی ماہیر کیلئے پسندیدگی بھی ان کی نظروں کے سامنے تھی۔ تاہم یہ پسندیدگی کی مدت ... نظر رہی تھی۔ ساتھ رہتے' ایک ساتھ پڑھنے کے دوران انسیت تو ہو ہی جاتی ہے اور شاید محبت بھی۔ ... تو ان کا دل ضرور جانتا تھا کہ فیفا محبت کے اس الہامی جذبے سے قدرے محفوظ ہی رہی تھی۔

ماہیر اور فیفا کے دوستانہ تعلقات میں دراڑ زوباریہ کی وجہ سے پڑی تھی' جسے ماہیر اور فیفا کا ہنسنا بولنا گوارا نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فیفا خود بخود ماہیر سے دور ہٹتی چلی گئی۔

بھلا ایسی دوستی کا کیا فائدہ تھا جو زمانے کی نظر میں نامعتبر ٹھہرا دیتی اور زوباریہ نے اس دوستی جیسے ... تعلق کو بھی داغدار کرنے سے گریز نہیں کیا تھا اور شاید فیفا اور زوباریہ کے درمیان اس آخری ملاقات ... اختتام بھی ماہیر کے نام پر ہی ہوا تھا۔

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھ کے بھی فیفا کے مزاج میں کوئی بدلاؤ نہیں پایا ... ان کے خیال میں تھا کہ غیر دانستہ ہی سہی' کیا خبر ماہیر کی شادی فیفا کیلئے جذباتی قسم کا دھچکا ثابت ... لیکن کچھ بھی اس کے رویے سے ظاہر نہیں تھا۔

وہ ایک ... اطمینان کے مطابق اپنے معمولات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھیں۔ کچھ بھی تو انوکھا یا حیران کن ... اس کی طبیعت میں پہلے بھی بہت چونچال نہیں تھی' مگر اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خاموش طبع اور ... ہو گئی تھی۔ خاموش اور اداس۔ الجھی الجھی' فکرمند اور ان الجھنوں کا کوئی سرا تو تھا جو فیفا کی ہنگامی ... شادی کے بعد فیفا کے بجھے بجھے انداز نے ٹھٹکا تو انہیں دیا ہی تھا' مگر وہ فیفا کی خاموشی ... کے ساتھ تعبیر کر کے مطمئن ہو چکی تھیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اتنا تو وہ جان ہی چکی ... بات ہو سکتی تھی؟ یہ بات جاننا ناگزیر ہو گیا تھا اور فیفا کی بے زاریت انہیں کچھ اور سوچنے پر ... انہوں نے اپنی سوچ کو لفظوں کا پیراہن پہنا ہی دیا۔

"فیفا!" انہوں نے پھر سے سلائی مشین پر جھکی فیفا کو پکارا۔

"جی امی!" وہ کپڑے کی طرف متوجہ تھی۔

"فیفا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" انہوں نے کچھ کھوجتی نظروں سے فیفا کو دیکھا۔

"ہاں شاید موسم تبدیل ہو رہا ہے' اس وجہ سے بے زاریت طاری رہتی ہے۔" مشین کی گڑگڑ کی ... ان کی سماعتوں تک فیفا کا جواب نہیں پہنچ پایا تھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟ اگر ڈاکٹر کے ہاں ایک چکر لگا آئیں۔" وہ دبے دبے جوش سے [illegible]
رہی تھیں۔

"ڈاکٹر مگر کیوں؟" فیفا نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا پتا کچھ ہو۔" ان کی آنکھیں ہی نہیں چہرے کا ہر نقش مسکرا رہا تھا۔ فیفا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ نہ اس نے ان کا لہجہ سمجھا تھا' نہ چہرہ پڑھا تھا۔ ورنہ ماں کی خوشی بھی پر ایک مسکراہٹ تو [illegible] دیتی۔

"مجھے کیا ہونا ہے امی! بس خلا سا محسوس ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے سر بھی بھاری ہے۔ [illegible] بناتی ہوں۔ آپ بھی پی لیں۔" اب وہ مشین سے متعلقہ سامان سمیٹ رہی تھی۔ قینچی' دھاگے' [illegible] چھوٹے چھوٹے پیس اور پھر وہ فٹافٹ چائے بنا کر لے آئی۔

"تم چائے پی لو پھر چلتے ہیں۔" وہ اپنا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے گویا کسی فیصلے پر پہنچ گئی۔

"کہاں؟" فیفا نے از حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر کی طرف۔"

"میں نہیں جا رہی' کسی ڈاکٹر واکٹر کے پاس...... ابھی چائے پی کر کمر سیدھی کروں گی۔" ا[illegible] پروگرام ماں کے گوش گزار کر دیا تھا۔

"مگر...... میری بات سمجھو نا۔" وہ زچ ہو اٹھیں۔

"سمجھ لوں گی' مگر ابھی تو میں نے سونا ہے۔" بڑے بڑے سپ لے کر چائے ختم کرنے کے [illegible] فوراً ہی اٹھ بھی گئی تھی۔ نفیسہ بیگم نے بے بسی سے فیفا کی پشت کو دیکھ کر چائے کا کپ اٹھالیا۔

"چلو پھر سہی...... مگر ڈاکٹر کو چیک کروانا ناگزیر ہے۔ کیا پتا خوشخبری ہو۔ خیر علامات تو [illegible] ہیں۔" وہ مطمئن سی زیر لب بڑبڑا رہی تھیں۔

"اب تو سہیل بھاگتا ہوا پاکستان آئے گا۔ ماشاء اللہ خبر بھی تو بہت بڑی ہے۔" ان کی آنکھ[illegible] کسی نومولود کو شرارت کرتا دیکھ کر مسکرانے لگی تھیں۔

............*

"میں اس کلموہی کو اپنے گھر میں قدم نہیں رکھنے دوں گی۔" ثریا خالہ کی جلالی آواز [illegible] سنائی دے رہی تھی۔

"لو کیا رباب گھر آنا چاہتی ہے؟" راحت بیگم نے تکیے کے غلاف اتارتے ہوئے حیرت سے [illegible]

آج حریم کا ارادہ تکیے اور لحافوں کو دھوپ لگوانے کا تھا۔ موسم بدل رہا تھا' سو اس نے سوچا [illegible] کے بستر محفوظ کر لے۔ آج اس نے مشین بھی لگا رکھی تھی' مگر بھلا ہو اس لائٹ کا' جس نے [illegible] صبح سے کھیلنا شروع کر رکھا تھا۔ راحت بیگم اس کی مصروفیت دیکھتے ہوئے اپنی بیماری اور [illegible] لحافوں کو ادھیڑنے کے بعد تکیوں اور کشنز وغیرہ کے کورز اتارنے لگی تھیں۔ ان کی اس امداد [illegible] حریم کا کافی بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔ اب وہ لائٹ آنے کے انتظار کے ساتھ ساتھ ثریا خالہ اور [illegible]

"تو اور کیا؟" ثریا خالہ جل بھن کر بولیں۔

"مگر میں بھی اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں گی۔" ثریا خالہ کے ارادے تو خاصے خطرناک [illegible]

"اور بیگ صاحب کیا کہتے ہیں؟" راحت بیگم کی دلچسپی بھی قابل دید تھی۔ وہ کشن کا کور اتارنا بھول [illegible] خالہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ حریم نے کچن کی کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو اسے راحت بیگم کے [illegible] بھلا تجسس دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"ان کی جرأت ہے' کچھ کر کے تو دکھائیں۔ میرے سامنے اونچی آواز میں بول نہیں سکتے۔ بڑے [illegible] بیٹے کی طرفداری کرنے والے۔" ثریا خالہ نے سینہ ٹھوک کر کہا۔

"میں نے بھی بیانگ دہل۔ کہہ دیا ہے۔"

"کیا؟" راحت بیگم کا تجسس چھپائے نہیں چھپ رہا تھا۔

"اگر وہ پہاڑن اس گھر میں آئی تو میں گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

"تم نے کہہ دیا؟" راحت بیگم کو گویا یقین نہیں آیا۔

"تو اور کیا۔" وہ فخریہ انداز میں بتا رہی تھیں۔

"میں بھلا کسی سے ڈرتی ہوں۔"

"تمہاری ضد کچھ بے جا نہیں۔" وہ بھی تو راحت بیگم تھیں۔ دل میں آئی بات مجال ہے جو دل کے [illegible] ہیں۔ اگر مقابل کا موڈ بگڑتا ہے تو ان کی بلا سے۔ وہ صاف گو تھیں بلکہ منہ پھٹ کہنا مناسب ہوگا [illegible] خالہ سے ان کے تعلقات [illegible] بننے بگڑنے کی اصل وجہ بھی یہ ہی تھی کہ وہ دنیاداری کے ناتے بھی خوشامد نہیں تھی۔

"کیا مطلب؟" حریم کی توقع کے عین مطابق ثریا خالہ کو سخت برا لگا۔

"میری کون سی ضد بے جا ہے؟"

"یہی کہ بہو کے مقام اور حیثیت کو تسلیم نہ کرنا۔" اپنی بات کہہ چکنے کے بعد اب وہ مطمئن ہو گئی [illegible] سے کشن کور اتارنے کیلئے تخت سے اٹھالیا تھا۔

"ارے کیا مقام؟ کیسی حیثیت؟" ثریا خالہ چمک کر بولیں۔

"تمہارا بیٹا کسی...... چمارن سے شادی کر لیتا تو پھر میں دیکھتی' کیسے مقام اور حیثیت کے متعلق لیکچر [illegible]

"اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ خوامخواہ لکیر پیٹنے سے فائدہ۔" انہوں نے بھی گویا کان پر سے مکھی [illegible]

"کیا چمارن کو تو رہنے ہی دو' اگر تمہارا ہابیر اس امیرزادی' بھلا کیا نام تھا اس کا۔" وہ کچھ دیر کو شاید [illegible] سے رک گئی تھیں اور ادھر حریم کا دل بھی یکبارگی رک رک کر چلنے لگا تھا۔ شوکیس میں سے

کپ نکالتے اس کے ہاتھ کانپ کانپ گئے۔

"نہ جانے کیا بھلا سا نام تھا اس لڑکی کا۔ ہاں' یاد آیا زوباریہ۔" وہ تصدیق کی غرض سے
چہرہ دیکھنے لگیں جو زوباریہ کے نام پر محض بل کھا کر رہ گئیں۔

"کر لیتا نا ماہیر زوباریہ سے بیاہ' تو پھر میں دیکھتی تم کیسے چین سے بیٹھتی ہو۔"

"میرا ماہیر ایسا نہیں۔" ان سے کچھ بات نہیں بن پائی تھی۔ تب ہی کپڑوں کے میلے
بالکونی میں رکھنے کیلئے اٹھ کر چلی گئیں۔

"حریم! او حریم۔" ثریا خالہ سے دو گھڑی خاموش بیٹھنا بھی محال تھا۔ ایسی کڑک دار آوازیں
تھیں کہ دل بے چارا سہم سہم جاتا۔

"جی خالہ!" اسے بولنا ہی پڑا تھا۔

"چائے بنا رہی ہو کہ پائے...... اگر تو پائے بنا رہی ہو تو پھر میں رات کا کھانا کھا کر ہی
گی۔" انہوں نے شاید طنز کیا تھا اور طنزیہ گفتگو میں ان دونوں سہیلیوں کو پورا کمال حاصل تھا۔
کپوں میں چائے چھان کر ڈالتی رہی۔ وہ ٹرے اٹھائے باہر آ گئی۔

"راحت زوباریہ کے ذکر سے بڑا چڑتی ہے۔" انہوں نے گویا حریم کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"اچھا۔" وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔ اب بھلا وہ کہتی بھی کیا۔ اسی پل لائٹ آ گئی تھی۔
ہی پڑا۔

"امی! آج دوپہر کو کیا پکانا ہے؟" جاتے جاتے اس نے پلٹ کر راحت بیگم سے پوچھا۔

"پائے فریزر میں ہوں گے وہ ہی بنا لو۔ ثریا کے ٹیسٹ کو ذہن میں رکھ کر بنانا۔"

"جی اچھا۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"ماشاء اللہ۔" ثریا خالہ اس فرماں برداری پر نہال ہو گئیں۔

"کاش میری بہو بھی ایسی ہوتی۔"

"بہو کو ساتھ رکھو گی تو اس کے گر کھلیں گے۔ کیا پتا وہ حریم جیسی ہو یا اس سے کچھ کم۔"
کی پیالی اٹھا کر لبوں سے لگا چکی تھیں۔

"دفع دور۔" ثریا خالہ کے منہ میں گویا کڑوے بادام آ گئے۔

"میں تو ایسی بے حیا لڑکی کو گھر میں گھسنے بھی نہ دوں۔ جس کو ذات برادری اور خاندان
نہ آیا۔ چھڑے چھانٹ سے نکاح پڑھوا کر بیٹھ گئی۔ یہ بھی نہ سوچا رشتوں کے بارے میں اس کا
ایسا بھی قلاش نہیں۔"

"غلطی تو بہرحال بچے نے کی ہی ہے۔ اس سچائی سے انکار نہیں' مگر اب خود کو کچھ نرم کر
ہاتھوں راحت بیگم نے مشورے سے انہیں نوازنا بھی ضروری سمجھا۔

"چھوڑو اس قصے کو...... یہ بتاؤ نفیسہ کی بیٹی کب عمان جا رہی ہے؟" ثریا خالہ نے
موضوع ہی بدل دیا۔

"خیر سے ویزا تو اس کا آ گیا ہے' اب دیکھو کب تک جانے کا پروگرام بنتا ہے۔" نیفا کیلئے راحت
خاصی گنجائش تھی۔

"تو کیا نفیسہ کا ویزا نہیں آیا؟" ثریا خالہ کے پاس بھی ہر رپورٹ موجود ہوتی تھی۔

"اس کے کاغذات میں کچھ ہیر پھیر ہو گیا ہے۔" وہ پلیٹ میں بچا آخری بسکٹ اٹھا کر ٹونگنے لگیں۔

"نفیسہ تو جانے کیلئے تیار نہیں تھی۔ بچی نے زبردستی منایا ہوگا۔" ان کے پاس سچ مچ معلومات کا
ویسے بھی اس عمر میں جب مصروفیت بھی کچھ خاص نہیں تھی۔ ادھر ادھر کی خبریں ہی دل بہلانے کا
کرتی تھیں۔ اب تو انہیں اپنی عزیز از جان سہیلی کا ساتھ بھی میسر آ گیا تھا۔ سو ثریا خاتون کا وقت بہت
گزرنے لگا تھا۔ کبھی وہ اوپر آ جاتی تھیں' کبھی راحت بیگم نیچے چلی جاتیں۔

"ہاں نیفا بضد ہے کہ ماں بھی ہمراہ جائے۔"

"ایک لحاظ سے ٹھیک ہی سوچا ہے اس نے۔ کہاں ماں' بیٹی جدائی کے سال بتائیں گی۔ نفیسہ کی کون
سی بہت سی اولادیں ہیں۔ ایک بیٹی تو ہے' اگر وہ بھی پردیس چلی گئی تو نفیسہ کا حشر بھی میرے جیسا ہوگا۔"
انہوں نے اعتراض کا کوئی بھی نقطہ اٹھانے کے بجائے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"تم بھی اپنی تنہائیاں بانٹ سکتی ہو؟" راحت بیگم پھر سے انہیں موضوع کی طرف لانا چاہتی تھیں۔

"بھلا کیسے؟" وہ بغیر سوچے سمجھے بولیں۔

"بہو اور پوتی کو لے آؤ۔ بچوں کی اپنی الگ ہی رونق ہوتی ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں' آنگن مہک اٹھے
گا تمہارا۔" راحت بیگم نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ حریم جانتی تھی کہ انہیں بچوں سے خاص قسم کی انسیت
اور حریم کو پتا تھا کہ اس پل راحت بیگم کو کچھ یاد آنے لگا ہوگا۔

"تمہیں کیوں میری بہو سے ہمدردی کا بخار چڑھ رہا ہے۔" ثریا خالہ نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"ہمدردی بہو سے نہیں' تمہاری پوتی سے ہے۔ بھلا اس معصوم بچی کا کیا قصور ہے؟ وہ کیوں محروم ہے
ان رشتوں سے۔ ذرا دل کو وسیع کر کے سوچنا' میری بات تمہاری عقل میں سما ہی جائے گی۔"

"میں نہیں اس فضول موضوع پر بات کرنے والی۔" انہوں نے رکھائی سے کہا۔ حالانکہ بات کا آغاز
ثریا خالہ نے خود ہی کیا تھا اور بہو اور پوتی کے حق میں کسی کو بھی بات کرتا دیکھ کر وہ اسی طرح روکھی
ہو جاتی تھیں۔

"خیر چھوڑو...... یہ بتاؤ' رفیقہ کی عیادت کر آئی ہو؟" راحت بیگم کو بات پلٹنے میں بھی کمال حاصل

"رفیقہ؟ بھلا کون؟" ثریا خالہ چونکیں۔

"وہی میرج بیورو والی' بے چاری ایکسیڈنٹ میں بال بال بچی ہے۔"

"نہیں تو...... مجھے تو پتا نہیں چلا' ورنہ احوال پرسی کر ہی آتی۔ کسی کی عیادت کرنے میں بڑا ہی ثواب
ہے۔ کسی دن چلوں گی تمہارے ساتھ۔" ثریا خالہ نے جھٹ سے پروگرام ترتیب دے ڈالا۔

"کسی دن کیوں؟ آج ہی چلتے ہیں۔" راحت بیگم اپنے کپڑوں کی نادیدہ سلوٹیں ہاتھوں سے دور کر

رہی تھیں۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا" انہوں نے کچھ سوچ کر تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

اسی پل باہر کی ہوا خوری کیلئے وہ بھی اپنی بیماری کو قطعاً نظرانداز کر رہی تھیں۔ ہر درد اور کرب بھولا ہوا تھا۔ اور حریم کیلئے اس سے بڑا اچھا اور نیک شگون بھلا کیا ہوسکتا تھا؟

............*

راحت بیگم اور ثریا خالہ کے چلے جانے کے بعد حریم کے ہاتھوں میں مزید تیزی آ گئی تھی۔ اسے پتا تھی کہ یہ تمام تر پھیلاؤ اگر نہ سمیٹا اور وقت پر کھانا بھی نہ بن سکا تو امی حضور کو اخلاق کا چولا اتارنے کی دیر بھی نہیں لگتی تھی۔

سو وہ لپک جھپک کپڑے دھو رہی تھی۔ اگلے دو گھنٹے بجلی نے بھی ساتھ دے کر حریم کی ذات پر احسان عظیم کر ہی دیا تھا۔ گدے، تکیے اور کشن وغیرہ صحن میں رکھے تھے۔ وہ الگنی پر کپڑے پھیلا رہی تھی۔ اس سے فراغت کے بعد اس نے کچن کا رخ کیا۔ مگر اسی پل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور ہاتھ میں لیا تو دوسری طرف ماہیر کی آواز سنائی دی۔

"لگتا ہے میرے فون کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔" چونکہ دوسری بیل پر ہی ریسیور اٹھا لیا گیا تھا ماہیر نے بھی مذاقاً کہہ ہی دیا۔

"اتنی فارغ بیٹھی ہوں نا' کوئی کام جو نہیں مجھے' فون کے سرہانے ہی تو بیٹھنا تھا میں نے۔" خوامخواہ ہی جلی بیٹھی تھی۔ کپڑے دھونے اور صفائی ستھرائی کے چکر میں اس کی کمر بری طرح سے اکڑ گئی تھی۔ اوپر سے سر بھی دکھنے لگا تھا۔ ماہیر کے عام سے لہجے میں کہنے والی معمولی سی بات نے اسے [illegible] دیا۔

"واہ جی واہ...... کیا انگارے چبا لئے ہیں؟" ماہیر سچ مچ حیران ہوا۔ حریم اور اتنی بے زاری کا مظاہرہ کرے۔ اس کا حیران ہونا بجا تھا۔ ایسی کنڈیشن میں اگر دوگنا کام کرنا پڑے تو مزاج میں برہمی کچھ غیر معمولی تو نہیں۔

"یہ ہی سمجھ لیجئے۔"

"حریم!" ماہیر نے حیرت سے ریسیور کو گھورا۔

"صبح تو اچھی بھلی چھوڑ کر آیا تھا۔ اب کیا ہوا؟ یہ مزاج کا تلخ پن' یہ لہجے کی بے زاری" [illegible] نظم ہی پڑھنے لگا۔

"آپ نے کیوں فون کیا ہے؟" اسے کچن میں بھاگنے کی بھی جلدی تھی۔

"تمہاری بے زار بے زار آواز سننے کیلئے۔" یقیناً ماہیر کا موڈ بھی بگڑ گیا تھا۔

"تو سن لی ہے۔" اس کی نظریں گھڑی کی آگے بڑھتی سوئیوں پر جمی تھیں اور ابھی تک [illegible] فریزر سے نہیں نکالے تھے۔ وہ اپنے بھلکڑ پن کو کوسنے لگی۔

"ابھی کچھ اور سننا باقی ہے۔" ماہیر نے شاید طنز کیا تھا اور وہ اس کا طنز ہرگز سمجھ نہیں پائی۔

"آفس میں بیٹھ کر باتیں کر لینا آسان ہے۔"

"اچھا" ماہیر نے پھر سے طنز کیا۔

"تو کیوں نا جگہ بدل لیتے ہیں اور جاب بھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ بے صبرے پن سے بولی۔

"میں تمہاری جاب سنبھال لیتا ہوں اور تم میری ڈیوٹی پر آ جانا۔" ماہیر نے جان بوجھ کر اسے چڑانے کو کہا۔

"آپ کو کچھ کام ہے ماہیر!" وہ تحمل سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" ماہیر کچھ فکرمند ہوگیا۔

"کپڑوں کے ڈھیر دھونے اور صفائی ستھرائی کرنے کے بعد اب کھانا بنانے کھڑی ہوں۔ طبیعت تو [illegible] ہی ہوگی۔" وہ جتا تو ہرگز نہیں رہی تھی' مگر لہجے میں خود بخود درد کھاپن آ گیا۔

"او......" ماہیر گویا سمجھ گیا۔ حالانکہ وہ کام سے گھبرانے والی تو نہیں تھی' مگر خرابی طبیعت کے باعث [illegible] چڑچڑاپن کام کے بوجھ کی وجہ سے بڑھ رہا تھا۔

"تم رات کا کھانا مت بنانا۔" میں چکن کی کوئی ڈش لیتا آؤں گا اور اب تم کچھ دیر آرام کرلو۔ [illegible] بہتر ہوئی تو کھانا بنانا۔ امی تو ویسے بھی پرہیزی کھانا کھا رہی ہیں۔ موبی کو کچھ ہلکا پھلکا دے دو۔" وہ فکرمندی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ حریم کو اپنے لہجے کی تلخی پر پشیمانی ہونے لگی۔

"میں کرلوں گی آپ فکرمند نہ ہوں۔"

"اچھا......" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"تم یوں کرو' اسٹڈی ٹیبل کے دراز میں سے گرین ربن والی فائل نکال کر باہر رکھو۔ ابھی میں ایک بندہ بھیج رہا ہوں۔ فائل اسے دے دینا اور تم کچھ جوس وغیرہ پی لو۔" وہ مزید اسے ہدایات دے کر فون رکھ چکا تھا۔ حریم نے سب سے پہلے فائل نکال کر میز پر رکھ لی تھی' پھر کچن کی طرف بھاگی بھاگی چلی آئی۔ دس منٹ بعد گیٹ پر بیل ہوئی تھی۔ ظاہر ہے گھر میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ گیٹ حریم نے کھولنا تھا اور سوچ رہی تھی کہ ماہیر نے اتنی جلدی آدمی بھیج بھی دیا ہے۔ وہ فائل اٹھا کر سیڑھیاں اترتی نیچے آ گئی۔ گیٹ تک پہنچ کر اس نے احتیاطاً پوچھ لینا مناسب سمجھا تھا۔

"کون؟"

"اللہ کا بندہ۔" جواب توقع کے خلاف تھا۔ حریم کچھ حیران ہوئی۔

"آپ کو ماہیر صاحب نے بھیجا ہے؟" وہ فائل پر نظریں جمائے جمائے بولی۔

"نہیں۔" گویا چبا چبا کر کہا گیا تھا۔

"دروازہ کھولیے محترمہ؟"

"آپ کون ہیں؟" حریم کا دل یکبارگی خوف کے عالم میں دھڑک اٹھا۔

"جن بھوت ہوں۔ چڑیل کا مذکر ہوں۔" وہ تو پہلے ہی سر تا پا جلا بیٹھا تھا۔ اس انوسٹی گیشن پر اور بھی

جل بھن گیا۔

"کیا مطلب؟ کون ہو تم؟" حریم کو غصہ آ گیا۔

"اس گھر کا مالک۔" شاید ناک چڑھا کر کہا گیا تھا۔

"دروازہ کھولیے ورنہ میں دیوار بھی پھلانگ سکتا ہوں۔"

"مالک۔" حریم نے چند پل کیلئے حیرت سے سوچا تھا۔ اور پھر گیٹ کا لاک کھول کر سامنے سے گئی۔

سامنے ایک خوش شکل' خوش لباس نوجوان کھڑا تھا۔ ماتھے کی تیوریاں چڑھائے آنکھوں میں ناگواری لئے۔ حریم کو سمجھنے میں چند پل لگے تھے۔

"تم بیگ انکل کے بیٹے شاہنواز ہو۔"

"نہیں' شاہنواز کا بھوت ہوں۔" وہ گویا چڑ کر رہ گیا۔

"مائی گاڈ! تو تم گھر آ گئے ہو۔" حریم نے بڑی بے ساختگی کے عالم میں ثریا خالہ کی دھمکیاں ... کہہ دیا تھا مگر مقابل کو خاصا ناگوار گزرا۔

"جی میں گھر آ چکا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا گھر ہے۔" وہ بیگ کندھے سے لٹکائے آگے بڑھ گیا تو کندھے اچکائے ہوئے گیٹ بند کرنے کے بعد واپس پلٹی تو اسے دوسری منزل کا داخلی دروازہ کو... کر بری طرح سے بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔

"یہ تو اوپر جا رہا ہے۔ اوہ نو۔" وہ بھی تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی بیرونی سیڑھیوں کی طرف مگر اس کی "پھرتی" کے باوجود وہ دروازے کے اندر غروب ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے' وہ اس بات سے ناواقف تھا کہ دوسری منزل گھر والوں نے کرائے پر دے رکھی ہے۔ جتنی تیزی سے وہ سیڑھیاں چڑھ آئی تھی سو سانسوں کو رواں کرنے کیلئے اسے کچھ پل کیلئے داخلی دروازے کے باہر کھڑا ہونا پڑا۔ جوں ہی وہ چھوٹے سے لاؤنج میں داخل ہوئی' وہ سامنے ہی بیگ فرش پر رکھے' خود صوفے حیران سا بیٹھا دکھائی دیا۔

"خاتون! میں کسی غلط جگہ پر تو نہیں آ گیا؟" اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ فوراً بولا۔ اس کی حیران حیران نظریں ارد گرد کا جائزہ لینے میں مصروف عمل تھیں۔

"محترم! آپ واقعی ہی غلط جگہ پر دھرنا دیئے بیٹھے ہیں۔"

"جی۔" شاہنواز نے جان بوجھ کر آنکھیں پھیلائیں۔

"کیا یہ بیگ صاحب کا گھر نہیں۔"

"یہ گھر بیگ صاحب کا ہی ہے مگر اوپر کا پورشن ہم نے کرائے پر لے رکھا ہے۔" حریم ... سے وضاحت کی۔

صاف لگ رہا تھا۔ یہ محترم شاہنواز جان بوجھ کر انجان بننے کی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔

"کتنے لوگ اس پورشن میں قیام پذیر ہیں۔"

"...کیلئے کچھ لاؤں؟ چائے یا ٹھنڈا؟" حریم نے جان بوجھ کر اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا تھا۔

...کے پورشن میں آ ہی چکا تھا اور سفر بھی شاید کافی طویل کر کے آیا تھا سو حریم کو آداب میزبانی کا خیال آ گیا۔

"...نیکی کا ارادہ ہو تو پوچھتے نہیں۔ نیکی کرتے ہیں اور دریا میں ڈال دیتے ہیں۔" اس نے بھی شائستگی

"...میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ سر ہلا کر کچن کی طرف جانے لگی تھی۔

...ایک تو آج جس قدر اسے کام سمیٹنے کی جلدی تھی اسی قدر دیر ہوتی جا رہی تھی۔ پائے جوں کے توں ...رکھے تھے اور گھڑی کی سوئیاں لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھ رہی تھیں۔ اس نے بے بسی کے عالم میں لاؤنج ... اس وقت "آفت" کو دیکھا تھا۔ جس کا بے وقت کا نزول اسے بری طرح تپا گیا۔

...سے پوچھنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس نے سکواش کے ساتھ ساتھ چائے بھی بنالی ...بھی گرم کر لیے تھے تین کباب بھی رکھ لئے' وہ بھی سجائی ٹرے کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں

"...کیا سلیقہ ہے؟ کیا سمجھداری ہے۔" وہ سکواش کے جگ اور چائے کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ حریم کو مجبوراً ...ت پر بیٹھنا پڑا۔ جب تک وہ چائے پی کر اٹھ نہ جاتا کم از کم اتنی دیر تک بیٹھنا اس کی مجبوری تھی' ...بیگ صاحب کا بیٹا تھا' دوسری بات یہ تھی کہ بے چارا سفر بھی کر کے آیا تھا اور تیسرا زبردستی کا مہمان ...بنا تھا۔ سو مہمان نوازی تو کرنا ہی تھی۔ اگرچہ ثریا خالہ کی ناراضی کا خدشہ بھی اسے لاحق تھا۔ اور وہ ...کہ نہ جانے ثریا خالہ کی واپسی کے بعد کیسا طوفان آئے گا۔

...کی سوچوں کے برعکس دوسری طرف کا اطمینان قابل دید تھا۔ محترم سکواش کا پورا جگ خالی کر چکنے ...اور چائے سے بھی بھرپور انصاف کر رہے تھے۔

"آپ نے بتایا نہیں یہاں کتنے لوگوں کا قیام ہے؟"

"...ساس' شوہر اور دیور کے علاوہ میں۔" وہ چبا چبا کر جتانے کے سے انداز میں بولی۔

"...شاہنواز کو زور سے اچھو لگ گیا۔

"...شادی شدہ ہو۔"

"...حریم نے گویا دانت پیسے۔

"...شاہنواز نے کپ تپائی پر رکھ کر گویا اپنے بال نوچ لئے۔

"...خوبصورت لڑکی جو مجھ سے اتفاقاً دانستہ یا غیر دانستہ ٹکراتی ہے۔ عموماً شادی شدہ' منگنی شدہ' نکاح ...ہوتی ہے؟"

"...لئے کہ تم خود جو "شادی شدہ" ہو۔ حریم نے پھر سے جتایا۔

...شاہنواز کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

...ڈرامہ باز آدمی ہے۔ حیران تو یوں ہو رہا ہے گویا میں نے بڑی غیر متوقع قسم کی بات

کردی ہے اور یہ مجھ سے گویا کچھ اور سننا چاہتا تھا۔" حریم کو ہنسی آ گئی' جسے چھپانے کی غرض سے
قدرے سر جھکا لیا۔

"آپ نے بجا فرمایا ہے۔" اس نے فوراً تسلیم کر لیا۔

"ویسے آپ تک میری "لو میرج" کی پوری اسٹوری پہنچ چکی ہوگی۔" وہ پورے
تھا۔

"جی۔ اس لو سٹوری پر تو فلم بھی بن سکتی ہے۔" حریم نے تپ کر کہا تھا۔

"لسوڑے! اٹھ بھی جاؤ۔ میں نے پائے چڑھانے ہیں۔" وہ گویا زچ ہو کر رہ گئی۔

"ہماری اماں کی لائیو تقاریر بھی بہت کمال کی ہوتی ہیں۔ ابھی یہاں ایک سین کری ایٹ ہو
ہے۔ آپ بھی شوٹنگ پر پہنچ جایئے گا۔" وہ یقیناً ثریا خالہ سے "جنگ" کی پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

"تمہاری خیر نہیں۔" حریم نے اسے ڈرانا چاہا۔

"جانتا ہوں میں۔" وہ کھل کر مسکرایا۔

"مگر ہم بھی کسی سے کم نہیں۔" اس نے اپنے کالر کھڑے کیے تھے۔ چائے وہ ختم کر چکا تو
بیگ اٹھا کر اٹھ رہا تھا۔

"چائے پلانے کا شکریہ۔"

"تم نے اپنی بیوی کے بارے میں نہیں بتایا۔ ڈینگیں تو بڑی مار رہے تھے۔" وہ موضوع کی
اسے لے ہی آئی۔ رباب کے بارے میں وہ خاصی کھٹک رہی تھی۔

"میری ڈینگوں کی خبر کس نے آپ تک پہنچائی۔"

"ایسی باتیں ڈھکی چھپی نہیں رہتیں۔" حریم نے کلس کر جواب دیا۔

"اب چلے بھی جاؤ۔" وہ بری طرح سے چڑ گئی تھی۔

"بیوی کہاں سے لاؤں؟" شاہنواز کا منہ لٹک گیا۔

"کیوں؟ وہ رباب کہاں گئی ہے۔" اسے تجسس تو یقیناً محسوس ہو رہا تھا تاہم غیر ارادی طور
جاننے کی بے چینی بھی تھی کہ اس کی بیوی ساتھ کیوں نہیں آئی۔ ویسے "تجسس" عورت کی فطرت
ہوتا ہے اور اس میں عورت کی کوئی شعوری کوشش کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

"رباب مر چکی ہے۔" شاہنواز نے سر جھکا کر شاید بھرائی آواز میں کہا تھا۔

حریم اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات تو نہیں دیکھ پائی تھی تاہم اس کے لہجے کا بوجھل
لڑکھڑاہٹ حریم سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ شاہنواز رکا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے
گیا تھا اور نہ جانے کیوں حریم کو بے انتہا دکھ کے احساس نے گھیر لیا۔

وہ فطرتاً بہت حساس تھی' بہت نرم طبیعت کی مالک۔

"ایک اور محبت انجام پذیر ہوئی۔" دکھ کا احساس لمحہ بہ لمحہ گہرا ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں ہر
والے کے چہرے میں اسے اپنا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اور نہ جانے کیوں ہر محبت کے نصیب میں

اذیتوں کی عبارت کیوں رقم ہوتی ہے۔ آنسو کیوں چھپے ہوتے ہیں؟ ہر محبت کا انجام "ہجر" اور "
کیوں ہوتا ہے۔

ت کے نصیب میں "وصل" کی گھڑیاں صرف نصیب والوں کو ہی ملتی ہیں اور جنہوں نے وصل کی
لطف کو پا لیا وہ محبت کی چاشنی اور ٹھنڈک سے روح تک سرشار ہو گئے۔ محبت روح میں اتر جانے
اور محبت مر مر کے جیے چلے جانے کا ہی تو نام ہے۔

"محبت" تھی کیا چیز؟ اور نہ جانے کتنے روپ بدل کر چلی آتی تھی۔ کبھی کبھی یہ محبت
چادر اوڑھ لیتی۔ ہر رنگ میں جلوہ گر ہونے لگتی تھی۔

کبھی چاند کی ٹھنڈک کی طرح نرمی بخشتی۔ کبھی سورج کا روپ دھار کر تپش اگلتی۔ کبھی "جنون" کی
نظر آتی۔

کبھی "خاموشی" کی بکل میں ہمیشہ کیلئے دبکی رہتی۔

کبھی محفلیں بخشتی' کبھی تنہائیوں کے حوالے کر دیتی۔

کبھی خوشی سے نوازتی' کبھی آنسو دان کر جاتی۔

کبھی شکستہ دیوار بنا دیتی اور کبھی ہمت' حوصلے' صبر اور شکر کے سبق پڑھاتی۔ محبت کے الجھے ریشم کو سمجھنا
کہاں تھا اور اگر محبت کا ریشم الجھنے لگتا تو سلجھانا بھی آسان کہاں تھا؟

............*

دوپہر کے ملاپ کا وقت تھا۔ دن پر رات غالب آ رہی تھی۔ پرندے تک اپنے آشیانوں کی طرف
جوق لوٹ رہے تھے۔ چڑیوں کے غول کے غول اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ آسمان
اندھیرے سیاہی مائل ہو رہا تھا۔ سورج اپنی نارنجی کرنوں کو سمیٹے کب کا آسمان کی آغوش میں منہ دیے
تھا۔ سیاہ آسمان پر اکا دکا ستارے جھلک دکھانے کے بعد نرم نرم بگولوں جیسے بادلوں کی اوٹ میں
جا چھپتے تھے۔

دن سورج تپتا رہا تھا مگر شام کے سائے بڑھنے کے ساتھ ہی فضا میں ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگی
حریم کو خاصی لطافت بخش رہی تھی۔ حالانکہ سردی کا زور تو کب کا ٹوٹ چکا تھا' راتیں ابھی
پرسکون تھیں۔ تبھی تو نیند بھی بہت ٹوٹ کر آتی تھی اور ویسے بھی حریم کی طبیعت ان دنوں کافی
ہر وقت آنکھوں میں نیند بھری رہتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ لمبی تان کر خوب جی بھر کر سوئے۔ کچھ
پچھلے کئی دنوں سے امی کی "بیماری" کے باعث ادھوری تھی۔ سو طبیعت کا بوجھل پن حد سے سوا
تھا۔

دن تو لمحہ بھر کیلئے بھی فرصت میسر نہیں آئی تھی۔ سونا تو دور کی بات کمر ٹکانے کا بھی وقت
اور اس وقت شاہنواز کے بارے میں سوچتے ہوئے عجیب سی پژمردگی نے اسے اپنی لپیٹ
جوں ہی شاہنواز سیڑھیاں اترنے لگا۔ حریم بھی اس کے پیچھے باہر آ گئی۔ الگنی پر ابھی تک کچھ
لٹک رہے تھے۔ وہ چادریں اتار رہی تھی جب اس نے شاہنواز کو گھر سے باہر جاتے دیکھا۔ و

سیڑھیاں اتر کر سیدھا گیٹ کی طرف چلا گیا تھا۔
وہ مسلسل شاہنواز' ثریا خالہ اور رباب کے بارے میں سوچ رہی تھی اور انہی سوچوں سے
واپس لاؤنج میں آئی تو موبی کو اپنے کمرے کے دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
"موبی! تم اٹھ گئے ہو۔ آج تو بڑا ہی سو لیا ہے۔" وہ مصروف سے انداز میں بولتی ہوئی کپڑے
پر رکھے' ان کی تہ لگانے لگی۔
"کپڑوں کی تہ لگالوں' پھر تمہیں کھانا دیتی ہوں' آج تو لنچ بھی گول کر دیا ہے آپ نے جناب
عالم صاحب۔"
"تو آپ جگا لیتیں۔" موبی کا لہجہ ہلکی سی چبھن لئے ہوئے تھا۔ حریم سمجھے بغیر اپنے کام میں
رہی۔
"اتنی گہری نیند میں تھے میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"
"کیا پکایا ہے۔" آج سے پہلے موبی نے کھانے پینے کے بارے میں کبھی نہیں پوچھا تھا اور اگر
بھی لیتا تو ایسا روکھا سا لہجہ نہیں ہوتا تھا' حریم کچھ چونکی ضرور تھی' مگر پھر اس نے خود سے ہی خیال کر لیا
سے اٹھنے کی وجہ سے موبی بے زار بے زار ہے۔
"پائے۔" اس نے کپڑے اٹھا کر استری اسٹینڈ پر رکھ دیے۔
"کھانا لاؤں؟"
"نہیں مجھے بھوک نہیں۔" وہ بے زاری سے بولا۔
"کچھ اور لا دوں؟ فروٹ وغیرہ۔"
"دل نہیں چاہ رہا بھابی۔" وہ فرش پر نظر جمائے نہ جانے کس سوچ میں گم ہونے لگا۔
کندھے اچکا کر استری کا پلگ بورڈ میں لگایا۔
"کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔ یہاں آ جاؤ' میرے پاس۔"
"مجھے نہیں بیٹھنا۔" اس نے عجیب سے ضدی انداز میں ٹھنک کر کہا۔ حریم...... اپنے کام میں
ہو گئی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ لائٹ جانے سے پہلے پہلے کشنز اور تکیوں کے کورز پریس کر لے۔
"طبیعت تو ٹھیک ہے۔"
"میری طبیعت کبھی بھی ٹھیک ہونے والی نہیں۔" وہ دروازے کے ڈیزائن کو ناخن سے کرید
"میں ٹھیک ہونا بھی نہیں چاہتا۔ کبھی کبھی دل کرتا ہے' دورے کی حالت میں میری کوئی
جائے اور میں' منیب عالم نہ رہوں۔ مٹی کی ڈھیری میں بدل جاؤں۔ میرا وجود' میرا نام تک مر
ہو جائے۔ پھر کوئی منیب عالم اس خاندان میں جنم نہ لے۔" وہ محض سوچ رہا تھا۔ آنکھوں سے
بگڑتے عکس کو گویا نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بدنما منظر کو ہٹانے کی "جہد" کر رہا تھا۔
نظریں حریم کے وجود پر تکی تھیں۔
"وہ آدمی کون تھا بھابی؟" عجیب نظر والے اس لڑکے نے اپنی عمر سے بھی بڑا اور گہرا

نے لگا۔ وہ کچھ چونک کر موبی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اور یہ چہرہ' جس پر سوچ کی
فکر کے سائے تھے۔ یہ چہرہ تو کسی عمر رسیدہ بوڑھے کا جھریوں زدہ چہرہ دکھائی دے رہا
تھا۔ نے اپنی عمر زندگی کے تجربوں کی نذر کر دی تھی۔ اور تجربوں کی سلگتی بھٹی نے اس آدمی کو پکی اینٹ
کی طرح کر دیا تھا' مضبوط اور پتھریلی ایسی اینٹ' جس کے "تجربے" سوچ اور فکر سے کئی نسلوں کی تعمیر کی
کئی عمارتوں کو بلندیاں بخشی جاتیں۔ کئی گھر تعمیر ہوتے' کئی درسگاہوں کا سنگ بنیاد رکھا جاتا۔
منیب عالم کا چہرہ ایک ایسے "باعلم" بوڑھے کا چہرہ دکھ رہا تھا جس نے گویا دین اور دنیا کا ہر علم اور ہر
فن گھول کر پی رکھا ہو۔ وقت کی بے رحمی اور عمر رواں کی بے وفائی نے اس بوڑھے کی یادداشت کو گویا
نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اس عمر رسیدہ آدمی نے ہر صدی میں جینے کا لطف لے رکھا ہے۔
باوجود وہ کیوں مایوس ہے؟ کیوں اداس ہے؟ کیوں شام غریباں اس کی آنکھوں میں اتر آئی ہے؟
اس کا دل امنگ سے خالی ہے؟ اور کیوں اس کی آنکھ وہ خواب اور وہ منظر دیکھتی ہے جو کوئی اور آنکھ
تصور نہیں کر سکتی۔
اور اس بوڑھے کا دل "محبت" کے جذبے سے قطعاً خالی تھا کیونکہ اس نے محبت سے بھی کہیں آگے'
کا سفر کر رکھا تھا۔
محبت اور محبوب کے درمیان سفر کرتا وہ بوڑھا عمر عزیز کی آخری "سرحد" پر کھڑا تھا۔ جہاں سے ایک
آغاز ہونا تھا۔ دائمی اور ابدی سفر کا آغاز ایک نہ اختتام پذیر ہونے والے سفر کا آغاز جس کی ابتدا
عشق حاصل نے دیدار یار اور اس کے "قرب" کے لطف کو ہمیشہ کیلئے پا لینا تھا' کبھی نہ کھونے کیلئے
پانے کیلئے۔
سامنے کھڑا بولتی نیلی سمندر جیسی آنکھوں والا اور یونان کے شہزادوں جیسے نقوش رکھنے والا یہ لڑکا عشق
کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھے کھڑا تھا۔ ابھی اس کے سفر کا آغاز تھا۔ ابھی اس نے بہت آگے نکلنا تھا۔
منزل کھڑی تھی اور اس تک پہنچنے کیلئے طویل آبلہ پائی کا سفر بانہیں کھولے اسے پکار رہا تھا اور منیب
کی جدوجہد کی گھڑی میں اپنے دھیان گیان میں گم اس "پکار" پر "لبیک" کہہ دیا تھا اور اس کی ہر
ایک لفظ کا ورد کر رہی تھی۔ اس لفظ کی مٹھاس نے اسے دنیا کی لذت اور فانی اور مادی چیزوں کی
سے بہت دور کر دیا۔
ذہن سے ایک سوچ بل کھاتی ہوئی تخلیق ہوئی تھی اور اس کے دل نے کہا تھا سامنے کھڑا یہ
ذہن اور سوچ کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔ کچھ تو تھا اس میں خاص' منفرد اور سب سے جدا۔
نظر آتا بھی تھا اور نہیں بھی۔
کون تھا بھابی۔" بولتی نیلی آنکھوں میں سوال شوریدہ لہروں کی طرح ٹکرا رہے تھے یا پھر
محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دھیان استری اور کپڑوں سے ہٹ چکا تھا اور وہ دھڑکتے دل کے
طرف دیکھ رہی تھی۔
دورہ تو نہیں پڑنے والا۔ یا اللہ میں اسے کیسے سنبھالوں گی۔ امی بھی نہ جانے کس کس کی

''عیادتیں'' نبٹاتی پھر رہی ہیں اور آج تو ماہیر بھی لیٹ آئیں گے۔'' اس کے سینے میں ایک خوف دھکڑ چل رہی تھی۔

''بھابی! سوال مشکل ہے یا جواب؟'' وہ دروازے کو کھرچتا' دھیرے دھیرے زمین پر بیٹھ رہا تھا گویا فرش کو بھی ناخنوں سے کھرچنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''کیا مطلب؟'' حریم اس کی بدلتی حالت کے پیش نظر کپکپا کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ نہ سوال مشکل تھا نہ جواب۔ اگر کچھ مشکل ترین مرحلہ تھا تو صرف اتنا کہ نیلی آنکھوں کی گہرائی میں چھپے صدیوں کی سوز والے بوڑھے کی نظر میں چھپے ان راز اور بھید بھری خاموشی کو پڑھنا تھا۔

''وہ آدمی' بیگ انکل کا بیٹا شاہنواز ہے جس کے بارے میں ثریا خالہ اکثر......'' اس نے سوچ مزید وقت ضائع نہیں کیا تھا' مگر منیب نے سابقہ انداز میں ہی اس کی بات دھیرے سے کاٹ دی۔

''جانتا ہوں۔ سب جانتا ہوں۔''

''تو پھر یہ جاننا چاہ رہے ہو کہ وہ اوپر کیوں آیا تھا' اصل میں ہوا کچھ یوں......'' وہ اسے پوری بات سے آگاہ کرنا چاہ رہی تھی جب ایک دفعہ پھر منیب نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا۔

''مجھے پتا ہے۔''

''تم جاگ رہے تھے؟'' حریم حیران ہی تو رہ گئی۔

''اگر اٹھ چکے تھے تو باہر آ جاتے۔'' اس کا لہجہ خاصا کٹیلا ہو گیا۔

''میں سوتا کہاں ہوں۔ نیند ان آنکھوں میں بڑی دیر تک کبھی نہیں ٹھہری۔'' اب وہ سر جھکا تھا۔ حریم کو غصہ آیا۔

وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ موبی اس سے شاہنواز کے متعلق استفسار کر رہا ہے کہ وہ کون آ کیوں آیا تھا؟ وہ ہرگز نہیں جانتی تھی موبی اس سے کچھ پوچھ نہیں رہا تھا بلکہ کچھ بتانا چاہ رہا تھا۔ حریم کو ٹھٹکا کر رکھ دیتا۔

منیب عالم' جسے حریم پہلی ملاقات میں ایک ایسا ایب نارمل بچہ سمجھی تھی جو جستجو اور کھوج سے ... تھا۔ جو خود سے نہانے یا کپڑے تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا۔ جسے بھوک ... ستاتی تھی۔ جو کھانے پینے کی چیزوں کے نام تک بولنے میں ہچکچاتا تھا۔ جسے سامنے رکھی چیز ... کرنے میں بہت دقتوں کو سامنا کرنا پڑتا تھا' جسے یہ نہیں پتا تھا کہ ناشتے' کو کرتے کیا ہیں؟

کیا وہ ایب نارمل ''لڑکا'' حقیقی منیب عالم تھا یا سامنے کھڑا یہ ''بوڑھا'' منیب عالم ہے؟'' یا یہ بہروپ کی ایک قسم تھی۔ سچ کیا تھا؟ حقیقت کیا تھی؟ وہ انہی سوالوں کے درمیان الجھ رہی تھی اور حریم کو اس ''سچائی'' کی کھوج تو لگانا ہی تھی کہ اس منیب عالم کو ایب نارمل بننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے کیوں خود پر ایک دیوانے کا سا خول چڑھا رکھا تھا۔ حالانکہ نہ وہ پاگل' نہ اس نے بچپن دیکھا تھا' نہ لڑکپن' جوانی آئی اور گزر گئی اور شاید جوانی آئی ہی نہیں تھی جست میں بڑھاپے کی منزل کو چھونے لگا تھا۔

... کا ذہن تو کچھ عرصے پہلے والے موبی کو سوچ رہا تھا۔ جو بظاہر اسے زچ کرنے والے بچگانہ ... تو تا کہ حریم کہیں اس بوڑھے عمر رسیدہ موبی کو کھوج نہ لے۔ خود کو چھپانے کے لئے وہ ایک ... ذہن کا مالک منیب بن جاتا تھا' مگر کیوں؟

''یہ شاہنواز بیگ ہے۔ انتہا کا جھوٹا آدمی۔'' موبی نے کہنا شروع کیا تھا۔

''اگر شاہے بھائی کہے' اللہ ایک ہے تو بس وہ بات سچ ہے' باقی سب جھوٹ۔'' موبی اب فرش کو ... کر چکا تھا۔

''تم شاہنواز کو جانتے ہو؟'' حریم کی مارے حیرت کے پوری آنکھیں کھل گئیں۔

''ہاں۔'' وہ دھیرے دھیرے فرش پر بیٹھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ ہمیشہ طرح کچھ دیر بعد اس نے اطمینان سے سو جانا تھا۔ دوسروں کو بے اطمینان کر کے۔

''اور کیا جانتے ہو؟'' حریم کی آواز سرگوشی نما تھی۔

''شاہے بھائی جھوٹ بولتا ہے' بے تحاشا جھوٹ بولتا ہے' مگر صرف ان لوگوں کے ساتھ' جنہوں نے تکلیف سے دوچار کیا ہے۔ انہیں اذیت دینے کے لئے یہ جھوٹ بولتا ہے۔''

وہ فرش پر بیٹھ چکا تھا۔ اس کا سر کندھے پر ڈھلک آیا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ موبی پر ... طاری ہو رہی ہے۔

''تمہاری زندگی میں ایک ایسا موڑ آئے گا بھابی! جب یہ جھوٹا آدمی تمہاری مدد کو آگے بڑھے گا۔ یہ ... مدد کرے گا۔'' وہ نیند کے عالم میں آخری مرتبہ بڑبڑایا تھا اور حریم تک اس کی بڑبڑاہٹ بمشکل ہی ... تھا۔ وہ ششدر سی فرش پر چت لیٹے موبی کو دیکھ رہی تھی اور اس کے جسم میں گردش کرتا لہو تھم تھم جا رہا

............*

''دل صدقے جائے۔'' نہ جانے کب دبے قدموں راحت بیگم لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔ موبی کو ... چت لیٹا دیکھا تو سینے پر دوہتڑ مار کر بے تاب سی آگے بڑھیں۔

''موبی! میرا بچہ! ادھر کیوں لیٹا ہے؟'' وہ اس کا کندھا ہلائے جا رہی تھیں' مگر موبی کے وجود میں ذرا ... نہیں ہوئی۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' وہ گم صم کھڑی حریم کی طرف متوجہ ہوئیں۔ حریم گویا نیند سے جاگی تھی۔ موبی کی ... کچھ پل کے لئے وہ اردگرد کے ماحول سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ مگر راحت بیگم کی آواز اسے ... لے آئی۔

... تھیں آپ؟''

''... پھر سے دورہ پڑا ہے۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے موبی کے گال تھپتھپا رہی تھیں۔

''......'' حریم بھاگ کر کچن سے پانی لے آئی تھی۔ اسی کی آمد کے ساتھ ہی وہ مطمئن سی ہو گئی ... پہلے اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے کہ موبی کو تنہا کیسے ہینڈل کرے گی۔ سب سے بڑا

مسئلہ تو موبی کو بیڈ پر لٹانے کا تھا۔ وہ دونوں خواتین بھی مل کر موبی کو بستر پر منتقل نہیں کر سکتی تھیں۔ ڈیل ڈول کے لحاظ سے وہ کافی بلند قامت تھا۔

"یہ کمرے سے باہر کیوں نکلا ہے؟" راحت بیگم اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے پھینک... پھر انہوں نے موبی کی ناک دبالی۔ وہ دھیرے دھیرے پلکیں کھول رہا تھا۔ راحت بیگم بمشکل اسے کمرے تک لائیں۔ حریم نے موبی کو سہارا دینا چاہا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک...

"تم رہنے دو۔" وہ اس کی کنڈیشن کے خیال سے کہہ رہی تھیں۔ کبھی کبھی ان کے احساس والے انداز حریم کو اندر تک خوشی سے ہمکنار کر دیتے تھے۔ حریم سر ہلا کر جھٹ پٹ کھانا گرم کر آئی۔ راحت بیگم بھی ہاتھ منہ دھو کر آ گئی تھیں۔

"آنتیں تو مارے بھوک کے سکڑ کر رہ گئی ہیں۔" انہوں نے بے صبری سے ٹرے اپنی طرف کھ...

"موبی کو کیا ہوا ہے؟ اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی۔" ان کے لہجے میں واضح اداسی بھر گئی۔

"موبی کو..." حریم کچھ پل کے لئے سوچوں میں محو رہی۔ راحت بیگم اسے سوچ میں گم دیکھ کر... سے بولیں۔

"کیا سوچنے لگی ہو؟"

"آپ کو ایک بات بتانا تھی۔" وہ تمہیدی انداز میں گفتگو کا آغاز کرتی ہوئی بولی۔

"کیا......؟" انہوں نے سرسری سا پوچھا۔

"بیگ انکل کا بیٹا شاہنواز آ گیا ہے۔"

"کب......؟" راحت بیگم کے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پیالے میں گر گیا۔

"آپ کے گھر سے نکلنے کے کچھ دیر بعد۔" حریم نے مزید تفصیلات بھی ان کے گوش گزار... تھیں۔ اس کی زبردستی کی مہمان نوازی کے بارے میں بھی بتا دیا۔

"اور اس کی بیوی بچی؟" مارے تجسس اور حیرانی کے انہیں کھانا پینا بھول گیا۔

"آپ کو ایک بات بتاؤں امی۔" حریم کی آواز پر افسردگی کے رنگ غالب آ گئے۔

"ہاں ہاں بولو رک کیوں گئی؟" انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس کی بیوی رباب کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

"کیا سچ......؟" امی کو گویا دھچکا لگا۔

"کب ہوئی؟ شاہنواز نے تمہیں خود بتایا ہے۔"

"کب ہوئی یہ نہیں پتا البتہ رباب کے بارے میں پوچھا تھا میں نے۔ شاہنواز نے بتایا ہے۔"

"چلو ثریا کے کلیجے میں تو ٹھنڈ پڑ گئی۔" انہوں نے گویا ہاتھ جھاڑے۔

"ہائے بے چاری کے نصیب۔"

"کس بے چاری کے؟" حریم کو قطعاً سمجھ نہیں آئی۔

"زینب کے۔" ان کا تاسف کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ ویسے بھی اس معاملے میں ان کی ہمدردیاں ...کے ساتھ ہرگز نہیں تھیں۔ ...خوامخواہ ماش کی دال بنی ہوئی تھی۔ اس معصوم نے تو اتنا ہی جینا تھا۔ دل کو بڑا کر لیتی۔ عزت آبرو ...مرے آتی۔"

"شاہنواز بھی اگر خالہ کو اعتماد میں لے کر کوئی قدم اٹھاتا تو یہ زیادہ بہتر نہیں تھا۔" حریم نے یوں ہی ...بہلانے کی غرض سے کہہ دیا۔ ویسے بھی اسے کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ ورنہ راحت بیگم خوامخواہ ناراض ...ہوتیں کہ بہو بیگم منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ میں دیواروں سے باتیں کروں کیا۔ یا پھر کہیں گی ...نصیب میں ایسی بے زبان گونگی بہو ہی لکھی تھی، جو نہ بولتی ہے نہ ہنستی ہے۔ انہوں نے اس کے مزاج ...کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ فطرتاً کم گو تھی۔ زیادہ بولنا اسے پسند نہیں تھا۔ وافر گفتگو سے وہ پرہیز ...کرتی تھی۔ اس کی طبیعت میں چونچالی نہیں تھی۔

"انہوں نے بھی اپنی مرضی کر لی تھی۔ بس ثریا کی ضد میں آ کر یہ قدم اٹھا لیا۔ چھپ چھپا کر نکاح کیا بعد میں گھر میں اطلاع کر دی۔ ادھر تو سمجھو بھونچال آ گیا تھا۔"

"ضد کیسی......؟" حریم نے حیرانی سے پوچھا۔

"ثریا نے اپنی بھانجی سے شاہنواز کی بات ٹھہرا دی تھی۔ بس شاہے کو اسی بات پر غصہ تھا۔ ساری ...بے چارے کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتی رہی اور جب وہ کچھ بن گیا۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا تو رشتہ ...میں کرنا چاہا۔ شاہے کی نوکری بہت اچھی تھی نا۔ ثریا نے سوچا' بھانجی عیش کرے گی مگر شاہے نے بھی ...ارمان پورے نہیں ہونے دیئے۔" انہوں نے خاصا مفصل جواب دیا۔

"آپ کے لئے چائے لاؤں۔" وہ موضوع گفتگو بدلنے کی غرض سے بولی۔

"ہاں بنا دو۔ ذرا پتی تیز ہونی چاہئے۔" انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ اب تخت پر لیٹتے ...کر رہی تھیں۔ پھر اچانک کچھ یاد آیا تو بولیں۔

"زمیلہ کا فون تو نہیں آیا۔"

"نہیں۔" وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"پہلے مجھے نمبر ملا کر دو۔ زمیلہ سے بات تو کر لوں۔ نہ جانے بچی کس حال میں ہے۔ اتنے دن ...شاہنواز نے ادھر کا چکر بھی نہیں لگایا۔"

"...پوچھا ہے۔" وہ سنک میں گندے برتن رکھ کر پلٹ آئی۔ فون اسٹینڈ سے اٹھا کر تخت پر رکھا۔ نمبر ...دوسری طرف کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ حریم نے ریسیور راحت بیگم کو تھما دیا۔

"زمیلہ کہاں ہے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"...تو ہے۔" دوسری طرف سے دادی ساس کی آواز سنائی دی۔ راحت بیگم نے کڑوے گھونٹ بھر ...بے سرو پا باتوں کا جواب دیا تھا۔ بیس منٹ بعد زمیلہ کو فون پکڑایا گیا۔ ماں کی آواز سنتے ہی

"کس جہنم میں مجھے پھینک دیا ہے امی۔"

"کیا ہوا ہے' کچھ بتاؤ نا۔" راحت بیگم کے گویا ہاتھ پیر پھول گئے۔

"حریم! حریم۔" انہوں نے ریسیور کان سے ہٹا کر حریم کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

"جی امی!" وہ برتن دھو رہی تھی۔ ٹونٹی کھلی چھوڑ کر بھاگی آئی۔

"زمیلہ رو رہی ہے۔ ذرا دیکھو تو' میرا دل گھبرائے جا رہا ہے۔ بلڈ پریشر چیک کرو۔" وہ ریسیور چھوڑے تخت پر ڈھے گئیں۔

حریم اس سچویشن کی عادی ہونے کے باوجود نئے سرے سے گھبرا گئی۔ پہلے امی کو پانی میں [illegible] کر پلائی اور پھر ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگایا' جو کب کا بند ہو چکا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد زمیلہ خود [illegible] تھی۔ دیور چھوڑ کر گیا تھا۔ امی نے اسے گلے لگا کر رونا شروع کر دیا۔

"امی بس بھی کریں نا۔"

زمیلہ نے تلملا کر کہا۔

"کبھی اگلے بندے کی بھی سن لیا کریں۔ اپنی مرضی کا نتیجہ اخذ کر کے فوراً ہاتھ پیر چھوڑ دیتی [illegible] ابھی آپ کی طبیعت خرابی کا بتا آئی ہوں۔ ورنہ اماں بی تو کبھی نہ آنے دیتیں۔"

"تم رو کیوں رہی تھیں؟" ان کی سوئی بس وہیں اٹک گئی۔ حالانکہ زمیلہ بہت ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔ لگ تو نہیں رہا تھا کہ خیر سے روتی رہی ہے۔

"وہ تو ان کو دکھانے کے لئے۔"

زمیلہ نے گویا اپنا ماتھا پیٹا۔ کچھ تو پہلے ہی زمیلہ گنوں سے مالا مال تھی اور کچھ بھرے پرے رہنے کے بعد ساری سیاست سیکھ گئی تھی۔ اب ماں کے کان میں گھس کر نہ جانے کون سی رپورٹ پیش [illegible] تھی۔ حریم نے کچن کی کھڑکی میں سے دیکھا اور بے اختیار جھلک دکھانے والی مسکراہٹ کو لبوں میں [illegible] کچن کی لائٹ آف کر کے باہر آ گئی۔

"آپ خیریت سے ہیں بھابی!"

اسے بھابی کی خیریت پوچھنے کا بھی خیال آ ہی گیا۔

"تمہارے سامنے ہوں۔" وہ خوشدلی سے بولی تھی۔ اگرچہ ان ماں بیٹی کو اپنے درمیان [illegible] وجود ہمیشہ کھٹکتا تھا' مگر زمیلہ کے چلے جانے کے بعد راحت بیگم کے مزاج میں بہت تبدیلی آ گئی تھی۔ حریم کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب رکھنا چاہتی تھیں۔ انہیں تنہائی سے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی۔

"کھانا لاؤں؟ یا چائے؟"

"نہ کھانا' نہ چائے...... میں حلق تک فل ہوں۔"

وہ بات بے بات کھلکھلا رہی تھی اور پھر نہ جانے کیوں ماں کو دور ہو کر پریشان کرنے کے [illegible] تھی' مگر اس وقت تو امی کا بلڈ پریشر بھی خود بخود نارمل ہو گیا تھا۔ نہ جانے کون سی خوش خبری [illegible] تک پہنچا دی تھی۔ وہ بڑی خوش دکھائی دے رہی تھیں اور یہ کہاں ممکن تھا کہ زمیلہ کی راز بھری باتیں [illegible]

[illegible] دیر تک ٹھہری رہیں۔ زمیلہ کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ حریم کو سب کچھ بتا کر ہی دم لیتی تھیں۔ [illegible] ہی کوشش ہوا کرتی تھی اور کم از کم اس گھر کی کوئی خبر حریم تک نہ پہنچ جائے۔ اس کی [illegible] بھی تھی کہ پہلے پہل انہیں زمیلہ کا ساتھ میسر تھا۔ اس کی شادی کے بعد وہ خود کو تنہا محسوس [illegible] اور پھر اس تنہائی کو انہوں نے سوچ سمجھ کر بہت خوش اسلوبی کے ساتھ حریم کے ذریعے بانٹ [illegible] نے گھاٹے کا سودا تو نہیں کیا تھا۔ اپنے دل کا بوجھ' کڑواہٹ سب حریم سے کہہ سن کر خود بہت [illegible] ہو جاتی تھیں۔

"ناہیر بھائی کب آئیں گے؟"

زمیلہ گھڑی کی طرف دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"ان کی آج کوئی میٹنگ ہے۔ دیر سے ہی گھر آئیں گے۔" حریم کچن سے فروٹ سے بھری ٹوکری [illegible] تھی۔ اب نفاست سے سیب کاٹ کر پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔

"موبی کی طبیعت کیسی ہے؟" یہ سوال ماں کی طرف دیکھ کر کیا جا رہا تھا۔ راحت بیگم نے ٹھنڈی آہ [illegible]

"ٹھیک ہے۔"

"تم اسے اک نظر دیکھ کر آؤ۔ بہت یاد کرتا ہے تمہیں اور فیفا کو۔" حریم نے پلیٹ راحت بیگم کے [illegible] زمیلہ سے کہا۔

"اس وقت تو وہ سو چکا ہوگا۔" زمیلہ نے کاہلی سے کہا۔

"دودھ پی کر سوتا ہے۔"

راحت بیگم نے سیب کی قاش اٹھاتے ہوئے جتلایا۔

"صبح دیکھ لوں گی۔"

[illegible] کی بیزاری عروج پر تھی۔

"کیوں......؟" حریم کے ساتھ ساتھ راحت بیگم کو بھی برا لگا۔ ویسے بھی وہ موبی کے معاملے میں [illegible]

"امی پلیز!" نہ جانے وہ ماں کو کیا سمجھانا چاہتی تھی یا بتانا چاہتی تھی۔ حریم کو محسوس ہوا تھا کہ زمیلہ اس [illegible] کے باعث کھل کر کچھ بھی کہنے سے گریزاں ہے۔

[illegible] گھر کی مشقت اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے بہت تھک چکی تھی۔ سو جلد ہی معذرت کر کے اٹھ [illegible] دودھ گرم کر کے اسے دینے کے بعد وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی' جب اس نے [illegible] آوازیں سنی۔

"اس کنڈیشن میں موبی سے دور رہنا ہی مناسب ہے' بچے پر اثر بھی تو پڑ سکتا ہے' عجیب سا وہم [illegible] دل میں۔ اسی لئے کم کم آتی ہوں۔"

[illegible] راحت بیگم کا پورا وجود گویا منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھیں کہ زمیلہ کو سسرال

والوں کی بے جا پابندیاں میکے آنے سے روکتی ہیں اس کا سفاکانہ قسم کا جواز سن کر وہ گویا پتھر کا بن گئی تھیں۔

''موبی کو چھوت کی بیماری نہیں...... جو تجھے اور تیرے بچے کو چمٹ جائے گی۔ جو اس گھر میں ہے۔ اسے کبھی کوئی وہم یا خوف نہیں ستایا۔ وہ بھی تو دوسرے جی سے ہے' تو نے میرا دل دکھایا ہے'' وہ صدمے کے زیر اثر کافی بلند آواز میں کہہ رہی تھیں۔ حریم کے بڑھتے قدم زنجیر پا ہو گئے۔

''موبی کو چھوت کی بیماری نہیں' مگر یہ بیماری موروثی تو ہو سکتی ہے۔'' زمیلہ اب روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''امی! دعا کیا کریں۔ اللہ ہمیں اس آزمائش سے بچائے۔ ہماری ہر نسل نے موبی جیسا برداشت کیا ہے۔ اب یہ غم ہم سے جھیلا نہ جائے گا۔ ہمیں اب کسی موبی کی ضرورت نہیں' کبھی نہیں'' ماں کی گود میں سر رکھے سسک سسک کر رو رہی تھی۔

............*

بعض فیصلے عمر بھر کا پچھتاوا بن جاتے ہیں، اور کہتے ہیں نا، گیا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔ بس ایسی ہی بے بسی اور پچھتاوے کا عفیفا کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

شادی سے پہلے امی کے مجبور کرنے پر اس نے جاب تو چھوڑ دی تھی۔ تاہم جاب چھوڑنے کے فوراً بعد اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے جلد بازی میں ایک غلط فیصلہ کر لیا ہے۔ اپنی صلاحیتوں اور ذہن کو زنگ آلود کرنا بھی کہاں کی عقل مندی تھی۔ مگر امی کی منطق اس معاملے میں نرالی تھی۔ حالانکہ وہ کون سا میکے سے سسرال تک کا سفر کر کے آئی تھی۔ یا پھر اسے سسرالیوں کی ناراضی کا خدشہ تھا۔ جاب کے معاملے میں سہیل نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ سو عفیفا کو گھر میں بے کار بیٹھنا سخت ناگوار گزر رہا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ نفیسہ بیگم اسے جاب کی اجازت دے دیں تا کہ وہ پھر سے جاب ڈھونڈنے کی مہم پر روانہ ہو۔

مگر بھلا ہو سہیل کی طرف ملنے والے پہلے ڈرافٹ کا۔ امی نے تو بانگ دہل کہہ دیا تھا۔

''اب اچھی بیویوں کی طرح آرام سے گھر بیٹھو۔ شوہر کے ذمہ نان نفقہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ تمہارے اخراجات کے لیے رقم بھیج رہا ہے تو پھر تمہیں نوکری کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ میرا گزارہ بآسانی پنشن سے ہو رہا ہے۔''

''مگر امی! میں فارغ نہیں رہ سکتی۔'' وہ ان دنوں بے حد بے زار ہو رہی تھی۔

''کچھ دنوں کی مہمان ہو، پھر خیر سے عمان چلی جاؤ گی۔ اپنے رنگ روپ کی فکر کرو، لڑکیوں کو تو ہزار بہانے آتے ہیں خود کو چمکانے کے۔ تم بھی ادھر پارلر والر چلی جایا کرو۔'' امی نے لگے ہاتھوں اسے نصیحت کرنا شروع کر دیا۔

''مجھ سے ان فضول جھنجھٹوں میں نہیں پڑا جاتا۔'' وہ کیاریوں کی گوڈی کرنے میں مصروف تھی۔ امی کے کئی مرتبہ منع کرنے کے باوجود وہ دلجمعی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔

''یہاں نئے پودے نہ لگاؤ گی؟''

''کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ سبزی کاٹتے ہوئے ناگواری سے بولیں۔

''امی جب میں جاؤں گی نا تو واپسی پر نئے گملے بھی لاؤں گی۔'' عفیفا خود کلامی سے انداز میں بولی۔

''کہاں جاؤ گی؟'' وہ بری طرح سے ٹھٹکیں۔

''ہر جگہ انٹرویو دینا ہے۔'' اس نے چہرے پر دنیا جہان کی مسکینیت طاری کر لی۔

"اب نوکری کا خیال دل سے نکال دو۔ دیکھو بیٹی! بلاضرورت دھکے کھانے کا کوئی فائدہ نہ... وہ نرمی سے سمجھانے لگیں۔ جانتی تھیں کہ عفیفا کو سمجھانا اور قائل کرنا مشکل کام ہے۔ ایک سے بڑھ... دلیل ڈھونڈ نکالتی تھی۔

"اپنی صلاحیت کو دیمک لگانے کی بھی کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے بھی تو جاب کرتی تھی نا۔ آپ نے... نہیں روکا" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ گئی۔

"پہلے کی بات اور تھی۔ اب تم شادی شدہ ہو۔ شوہر کی مرضی کے بغیر کوئی قدم بھی اٹھاؤ گی تو... ناگوار گزرے گا۔"

"تو یوں کہیں نا۔" عفیفا گویا سمجھ کر مسکرائی۔

"سہیل سے پوچھ لیتی ہوں۔ ویسے انہیں پہلے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔"

"سہیل کا تین دن سے فون بھی نہیں آیا۔" نفیسہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تم ہی رابطہ کر لیتیں۔"

"ابھی کرتی ہوں۔ ذرا ہاتھ منہ دھولوں۔" عفیفا کی بے تابی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ نفیسہ بیگم اسے دیکھ کر ہی رہ گئیں۔

تب ہی فون کی بیل گونج اٹھی تھی۔ وہ بمشکل اٹھ کر فون تک گئی تھیں۔ سہیل کا فون تھا۔ نفیسہ بیگم نہال ہو گئیں۔

"ماشاءاللہ ابھی تمہیں ہی یاد کر رہے تھے۔"

"اچھے لفظوں میں یا پھر......" سہیل بھی شاید اس وقت فارغ ہی تھا۔ ورنہ تو حال احوال پوچھ کر رکھ دیتا تھا۔ ویسے بھی اسے گئے ہوئے محض دو ماہ ہی تو ہوئے تھے اور اتنے مختصر عرصے میں ابھی تک اپنی ساس سے بات کرنے میں جھجک محسوس ہوتی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہم تمہارا ذکر کن الفاظ میں کر سکتے ہیں۔" وہ بڑی خوشدلی سے پوچھ رہی تھیں۔ پہلی مرتبہ وہ حال احوال سے آگے کی بات کر رہا تھا۔ انہیں سہیل کی باتوں میں چھپی اپنائیت اچھی لگی۔

"یقیناً آپ تو اچھے الفاظ میں ہی یاد کر رہی ہوں گی۔ تاہم عفیفا کو مجھ سے خاصے شکوے ہوں گے۔"

"ارے نہیں تو۔" نفیسہ بیگم نے فوراً وضاحت دینے والے انداز میں کہا۔ وہ اس کے شکوے کا مطلب سمجھ ہی نہیں پائی تھیں۔

"عفیفا کہاں ہے؟" سہیل پوچھ رہا تھا۔ اسی پل عفیفا بھی باہر آ گئی۔

"بھلے وقت میں سہیل کا فون آیا ہے۔ اب اس سے نوکری کی بات کرنے کی ضرورت نہیں..." ریسیور اسے تھما کر اشارے سے سمجھا رہی تھیں، عفیفا کو ہنسی آ گئی۔ نفیسہ بیگم کے چلے جانے کے بعد وہ سہیل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ یہ پہلی طویل کال تھی جس کا دورانیہ پندرہ منٹ پر مشتمل تھا۔ سہیل ا...

...کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ساتھ اس نے بتایا تھا کہ وہ تین چار ماہ تک اسے لینے کے لیے آئے گا... ...کے کاغذات بھی تیار ہو جائیں گے۔

...عفیفا نے لگے ہاتھوں اس سے جاب کی بات بھی کر لی تھی۔ سہیل نے کھلے دل کے ساتھ اسے ...کرنے کی اجازت دے دی۔

...نے سنا تو سر تھام لیا۔ انہیں شاید سہیل سے اتنی جلدی مان جانے کی توقع نہیں تھی۔

اگلے دن عفیفا نے سارے اخبار تقریباً چاٹ ڈالے تھے اور نفیسہ بیگم اسے اخبار میں سر گھسائے دیکھ کر ...بڑبڑاتی رہیں۔

"بازار...... اور کہاں جانا ہے۔ تمہیں کچھ چاہیے تو نہیں۔" وہ بٹوے میں پیسے چیک کر رہی تھیں۔ ...اخبار سمیٹ کر اٹھ گئی۔ ارادہ تھا کہ گیٹ بند کر کے کپڑے پریس کر لے گی۔ مگر بھلا اس منحوس لائٹ کا... موقع پر بے وفائی کر گئی۔

...ابھی لائٹ کو کوستے ہوئے اس نے سالن پکانے کا سوچا ہی تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ...ہوئے گیٹ تک پہنچی تھی اور بغیر پوچھے ہی گیٹ کا پٹ کھول دیا تھا۔ مگر سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر ...کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"نہ جانے کیسی کیسی بددعائیں دی تھیں آپ نے اسے۔ چار سال بھی نہ جی سکی۔" شاہ نواز نیچے ...جھکائے بیٹھا تھا۔ ثریا جہاں کٹہرے میں پشیمان پشیمان کھڑی تھیں۔ بیگ صاحب ہمیشہ کی طرح ...تماشائی تھے۔ وہ تو پہلے بھی کسی معاملے میں نہیں بولتے تھے۔ ہمیشہ بیگم اور شاہ نواز کے درمیان ...جھگڑوں میں بھی کبھی انہوں نے بولنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

بیگ صاحب کی شخصیت بھی عجیب تھی۔ پہلے ماں زندہ تھی تو ان ہی کے حکم کے مطابق معاملات ...ہوتے تھے۔ جیسی جلالی طبیعت خاتون اول ثریا جہاں نے پائی تھی، دوسری بیوی بھی گنوں کی خوب ...اور پھر جیسا بیر دونوں میں رہا۔ ایک دوسر کے بخیے ادھیڑنے میں ان دونوں کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مگر بھلا ہو شاہ کی ماں کا۔ ثریا جہاں سے مقابلے میں وہ ہار گئیں۔ ایسی نیند سوئیں کہ دوبارہ اٹھ ہی ...بیگ صاحب نے گویا سکھ کا سانس لیا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید اب گھر کا ماحول بہتر ہو جائے ...مگر یہ بھی ان کی بھول تھی۔

شاہ نواز نے اپنی ماں کے نہ ہونے کی ساری کمی پوری کر دی تھی۔ کچھ عرصہ تک تو ثریا جہاں اس پر ...مگر جیسے ہی شاہ نواز نے اڑان بھری پھر ثریا جہاں کے ہاتھ نہ آیا۔

...بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ شاہ نواز کو اپنے تلخ اور ظالمانہ رویے کی وجہ سے خود سے دور ...اور کبھی ایسا بھی وقت آ سکتا تھا جب انہیں شاہ نواز جیسے گھنے شجر کی چھاؤں اور سائے کی ...پڑ سکتی تھی۔

...بیگ صاحب کی بزدلی اور کمزوریوں نے ان کے گھر کا ماحول ہمیشہ تلخ ہی رکھا۔ وہ کبھی بھی متوازن ...رہے تھے۔ نہ ہی اپنی زندگی میں انہوں نے توازن قائم رکھا تھا۔

ثریا جہاں کی تمام تر زیادتیوں کو سمجھنے کے باوجود بھی انہوں نے کبھی بھی سمجھانے، بجھانے ... نہیں کی تھی۔

ایک مرد کی بزدلی کا شکار پورا گھرانہ ہوتا ہے۔ جو مرد انصاف اور توازن قائم رکھنے کی اہمیت ... سکتا۔ اس گھر میں ہمیشہ عورت برتری حاصل کر جاتی ہے۔ عورت کی جذباتیت کے پیش نظر بہت ... معاملات میں اسے اختیارات سے دور رکھا گیا ہے۔

مرد کو حاکم بنایا گیا ہے۔ گھر کی بنیاد میں اگر ایک اینٹ بھی کچی، ٹیڑھی یا کمزور لگادی جائے تو ... کے ڈھے جانے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے۔ مرد کی ذرا سی کمزوری اور فیصلہ نہ کر سکنے کی اہلیت کا نہ ہونا ... عمارت کو ڈھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بیگ صاحب محکوم قسم کے مردوں کے قبیلے میں سے تھے۔ شاہ نواز نے جس قسم کا ماحول اپنے ... دیکھا تھا' سو وہ اپنے باپ جیسے مردوں سے چڑنے لگا تھا۔ جو عورت کو اتنی چھوٹ دے دیتے ہیں ... آزادی دے دیتے ہیں۔ ہر بات میں عورت کے فیصلے کو اہمیت دیتے ہیں اور خود تمام عمر بے دام ... غلاموں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اور اسے بدمزاج، جھگڑالو اور غصیلی عورتوں سے بھی انتہا درجے کی نفرت ہو گئی تھی۔ شاید یہی ... کہ حریم ماہیر عالم سے پہلی ملاقات میں ہی وہ بے حد متاثر ہو گیا تھا۔ نرم مزاج، بے حد دھیما اور پر ... والی ٹھنڈے میٹھے جھرنے جیسی لڑکی۔ سنجیدگی، وقار اور دلکشی کا پیکر۔

"تمہاری بیوی مر چکی ہے۔" ثریا جہاں کو گویا قطعاً یقین نہ آیا۔

"جی ...... مر چکی ہے، آپ شکرانے پڑھیے۔"

شاہ نواز انہیں ہلکا سا پشیمان دیکھ کر چوٹ کرنے سے باز نہ آیا۔

"اگر کسی طور طریقے سے شادی کرتے تو مجھے اتنا دکھ بھی نہ ہوتا۔" وہ اپنی شرمندگی مٹانے کو ... تھیں۔ اپنی قسمیں اور عہد انہیں یاد آ رہے تھے۔ جو رباب کے اس گھر میں آنے کے حوالے سے ... کرتی رہی تھیں۔ خودکشی تک کی دھمکی بیگ صاحب کو دے رکھی تھی۔

"طور طریقے اور دستور کے مطابق ہی کی تھی۔" شاہ نواز نے چبا چبا کر کہا۔

"اور تمہاری بچی کہاں گئی ہے؟" کچھ بن نہ پڑا تو بات بدلنے کی غرض سے وہ منمنا کر بولیں۔

"بچی کی اطلاع آپ کو کس نے دی؟" شاہ نواز بری طرح سے ٹھٹکا۔

"تم نے خود فون کر کے بتایا تھا۔" ان کی یادداشت بھی غضب کی تھی۔

"اور آپ کے سینے پر انگارے لوٹ گئے۔ ایسی ایسی گالیوں سے نوازا بددعائیں دی تھیں ... جاری دوسرا سانس بھی نہ لے سکی۔" وہ بھرائی آواز میں جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا تھا۔

"بچی بھی مر گئی۔" ثریا جہاں کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ انہوں نے کچھ دیر کے لیے سوچا ... عورت اور اس کی بچی سے بھلا کدورت کیا رکھنی۔ دنیا دکھاوے کو سہی، وہ دل ہی دل میں ... ایصال ثواب کے لیے ایک محفل کے اہتمام کا سوچ رہی تھیں۔ اس سے دو فائدے نظر آ رہے تھے ...

... ہاتھ آ جاتا اور دوسرا لوگوں کی نظر میں وہ مزید نیک پروین بن جاتیں۔ جنہیں سوتیلے بیٹے ... حساس تھا۔ حالانکہ لوگ اندھے اور بہرے نہیں تھے۔ سب دیکھتے اور سنتے تھے۔

"تم نے بتایا بھی نہیں۔" ان کی آواز پہلے سے بھی دھیمی ہو چکی تھی۔

"بتا کر کیا کرتا۔ آپ نے کون سا ان کا آخری دیدار کرنا تھا۔" شاہ نواز نے رنجیدگی سے کہا۔

"تم نے ٹرانسفر کا بھی نہیں بتایا۔" وہ پھر سے لاجواب ہو چکی تھیں۔ اسی لیے بات بدل کر بولیں۔

"اتنے دن کہاں رہے؟"

"کسی فٹ پاتھ پر تو نہیں رہا۔" وہ چبا چبا کر بولا۔

"... آپ نے تو میرے گھر میں گھسنے پر بھی پابندی لگا رکھی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ گھر دادا ... زندگی میں ہی اپنے ہونے والے پوتے کے نام کر دیا تھا۔" شاہ نواز بھی جتلانے سے باز نہیں آتا ... جہاں نے زور سے پہلو بدلا۔ انہوں نے اپنے سسر کو بھی آج تک معاف نہیں کیا تھا۔ ان کی ... وہ ان کی سوکن کے بیٹے کے حوالے جو کر گئے تھے۔ اور یہ بات نہ جانے کب شاہ نواز کو پتا چل گئی ...

"تم تنہا ہی سارے دکھ جھیلتے رہے۔ اپنوں کو بتایا بھی نہیں۔" ثریا جہاں نے خوامخواہ لہجے میں رقت ...

"کون سے اپنے؟ آپ اور صرف آپ۔" وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

"کب آپ نے مجھے اپنا سمجھا ہے؟"

"تم بھی تو مجھے ماں کا درجہ آج تک نہیں دے سکے۔" وہ گیند اس کی طرف اچھال کر خود مطمئن ...

"عورت کے پاس ایک ہی تو فن ہے جب چاہتی ہے مظلوم بن جاتی ہے۔" شاہ نواز ان کی چالاکی ... کر رہ گیا۔

"ابھی تک میرے زخموں پر کھرنڈ نہیں آئے، اماں حضور۔" وہ بھی ماضی کو بھول نہیں سکتا تھا۔

"ارے، تم بھی تو ناک میں دم کیے رکھتے تھے۔ اتنے نقصان کرتے تھے کہ حد نہیں۔" وہ چمک کر گویا ...

"اوپر والا حصہ کب سے کرائے پر دے رکھا ہے؟" معاً اسے کچھ خیال آیا تو پوچھ بیٹھا۔

"تمہیں اعتراض ہے کیا؟" انہوں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔ آواز میں پستی نمایاں تھی۔

"..." اس نے ناک بھوں چڑھالی۔

"... مشورہ کیے بغیر آپ نے اوپر والا حصہ کرائے پر کیوں دیا ہے۔ جبکہ آپ جانتی بھی تھیں کہ ...

"... تمہارے ابو نے دیا ہے۔" وہ صاف اپنا دامن بچا گئی تھیں۔

"... صاحب تمہارے ابو کے بڑے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ ان کے بیٹے نے تمہارے ابو ...

سے بات کی تو انہوں نے اوپر والا حصہ کرائے پر دے دیا۔"

"آپ سے پوچھے بغیر۔" شاہ نواز کو قطعاً یقین نہ آیا۔

"نہیں، پوچھا تو تھا ہی...... راحت میری سہیلی تھی نا۔ بس اسی وجہ سے میں بھی مان گئی۔ تم سے رہتے تنگ آ چکی تھی۔ ان کے آ جانے سے میرا بھی دل لگا رہتا ہے۔ بڑی اچھی بہو ہے راحت کی۔ اوپر سے ہی کھانا آ جاتا ہے، مجھے تو بڑی سہولت ہو گئی ہے۔"

"پھر بھی آپ نے اپنی سہولت ہی دیکھی ہے۔ بڑی مطلبی ہیں آپ۔" وہ تھوڑی دیر کے لیے برخاست کر کے کچن میں گیا تھا۔ چائے بنانے کے ساتھ ساتھ وہ مذاکرات بھی کیے جا رہا تھا اور ثریا جہاں دل ہی دل میں تلملا رہی تھیں۔ ابھی انہوں نے اوپر بھی جانا تھا۔ حریم چائے بنا چکی تھی اور راحت بیگم یقیناً انتظار بھی کر رہی تھیں۔

"تم ذرا زبان سنبھال کر بات کرو۔" وہ اپنے لیے چائے لے کر آیا تھا صرف۔ ثریا جہاں کو اسی پر غصہ آ گیا۔

"سوتیلی جو ہوں۔ کیوں فکر کرے گا۔ پتا بھی ہے کہ چائے کا وقت ہو رہا ہے۔ مگر صرف اپنے لیے لایا ہے۔" وہ بیگ صاحب کو سنا رہی تھیں جو چپکے سے اٹھ کر باہر نکل رہے تھے۔

"میری زبان نہیں سنبھل سکتی، میم آپ کی زبان کے ڈیزائن جیسی ہے اس لیے۔" وہ بھی کہتا چوکتا تھا۔

"اب کب تک چھڑے رہنا ہے؟" انہوں نے تلملا کر موضوع بدلا۔

"جی، کیا مطلب؟" وہ سمجھ تو چکا ہی تھا، جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"شادی نہیں کرنی؟" شاہ نواز نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ابھی تک تو رباب کی لحد کی مٹی نہیں سوکھی۔"

"مٹی کا آغاز ہونے والا ہے۔ سوکھ جائے گی جلد ہی، تم ارادہ تو کرو۔" انہیں بھی بات گھمانے میں کمال حاصل تھا۔

"کیوں جناب! آپ کی بھانجی ابھی تک کنواری بیٹھی ہے۔" شاہ نواز کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"کیوں بھلا...... اسے کیا مجبوری تھی جو تمہارے پیچھے جوگ لے لیتی۔ اس کے تو نخرے ہیں۔" ثریا جہاں نے منہ کے زاویے بگاڑ کر وضاحت کی۔

"تو کیا، کوئی لڑکی نظر میں ہے۔"

"تم ہاں تو کرو، دس لڑکیوں کی لائن لگا دوں گی۔" ثریا جہاں نے نہال ہو کر کہا۔

"حریم جیسی لاؤں گی۔ جو میری بھی عزت قدر کرے، اچھا ہوا وہ پہاڑن مر کھپ گئی۔ میرا اور اس کا گزارا ہونا مشکل تھا۔ پشتو میں نہ جانے مجھے کون کون سی گالیوں سے نوازتی رہتی۔ فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔"

"تو آپ اسی وجہ سے رباب سے خار کھاتی۔"

"ہاں! ایک بات تو آج مجھے سچ سچ بتا دیں؟" وہ ان کے گھٹنے کے قریب کچھ دیر کے لیے بیٹھا۔

"کون سی بات؟"

"آپ کو مجھ سے محبت نہ سہی انسیت تو ہے نا؟" شاہ نواز نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"محبت کیوں نہیں...... بس سلیقہ نہیں آتا مجھے محبت جتانے کا۔ ساری زندگی محبت کا مفہوم سمجھتی رہی، پر سمجھ نہ آیا۔ سوت کے ہاں بیٹا ہوا تو بے انتہا جلن ہوئی۔ پر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں حسد کرتی۔ بس عورت کی فطرت ہی ایسی ہے۔ عمر بھر حسد، بغض اور نفرت کے بھانبھڑ میں جلتی رہی۔ پر میرا بھی قصور نہیں، تمہاری ماں بڑی اداکارہ تھی۔ گھنی بنی رہتی تھی۔ سارے گھر والوں کو اپنے ساتھ کیا ہوا تھا اور میں بد مزاج، غصے کی تیز، زبان کی کڑوی، سو سب دور رہی، نہ محبت ملی، نہ بانٹنی آئی۔"

"آپ کو مجھ سے محبت کب ہوئی؟" شاہ نواز کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں تھی۔ ایسے بے تکے سوال کرتا ثریا جہاں۔ جوتی اٹھا لیتی تھیں اور پھر اس کی خوب دھنائی ہوتی۔ مگر اب تو وہ جوتی اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ ان کے قد سے بھی اونچا تھا۔ اور وہ اس کے سامنے بونی دکھائی دیتی تھیں۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" انہیں حسب معمول غصہ آ گیا۔

"آپ اگر مجھ سے محبت کرتی ہیں تو مجھے معاف کر دیں نا۔" وہ ان کے گھٹنے تھامے التجا کر رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارتی چمک تھی۔ لبوں کو سختی سے ایک دوسرے سے بھینچ رکھا تھا۔ شاید اس لیے بھی کہ مسکراہٹ فوارہ نہ پھوٹ پڑے۔

"کیسی معافی؟" ثریا جہاں نے حیرانی سے ناک پر انگلی رکھی۔

"وہ...... دراصل اماں! میں نے آپ کو ستانے، جلانے اور کھپانے کی خاطر جھوٹ بولا تھا۔" وہ کان کھجاتا ان کے پاس سے اٹھ گیا۔

"کیسا جھوٹ؟" وہ اب بھی نہیں سمجھ سکیں۔

"اپنی پگلی! میری بیوی مری نہیں۔" اس نے سر جھکا کر کہہ دیا۔

"تو کیا زندہ ہے؟" ثریا جہاں کو دھچکا لگا۔

"کلموہی، ذلیل، پہاڑن، اس گھر میں آنے کے خواب دیکھ رہی ہوگی۔ ہرگز اسے اپنے گھر میں قدم نہیں رکھنے دوں گی۔ اگر تو اسے ادھر لایا تو میری لاش پر سے گزرنا ہوگا۔ فوراً اپنا بستر سمیٹو اور نکلو یہاں سے۔" بس وہ آگ بگولا ہو کر رہ گئی تھیں۔ فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کی محفل سجانا بھول گیا۔

"اماں! اتنا بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔ ساری انرجی ڈاؤن ہو جائے گی۔ ابھی آپ نے مزید بھی کچھ کہنا ہے، کچھ بعد کے لیے بچا رکھیے۔" وہ ہمدردی جتا کر بولا۔

"تم کس خوشی میں کیوں بکواس کر رہا ہے۔ ایک ہی دفعہ بتا کر میری جان نکال دے۔ دو گھڑی خوش بھی نہ رہنے دیا۔" ثریا جہاں بری طرح سے تپ رہی تھیں۔ ابھی شاہ نواز کی صورت پر پیار آ رہا تھا۔ مگر اس کی باتوں سے زہر سے بھی برا لگنے لگا۔ جی چاہ رہا تھا اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ ڈانٹ کھانے اور جوتے کھانے کی عمر سے بہت آگے جا چکا تھا۔ سو وہ دل ہی دل میں تلملاتی رہیں۔

"دراصل اماں! رباب زندہ بھی نہیں۔" وہ کان کھجانے لگا۔

"کیا مطلب؟ نہ وہ زندہ ہے، نہ مردہ ہے تو کیا بدروح بنی تمہارے اردگرد گھوم رہی ہے۔" انہوں نے دہل کر پوچھا۔

"نہیں اماں! دراصل میری شادی نہیں ہوئی بلکہ میں نے کسی سے شادی نہیں کی۔" اس نے کہہ ہی دیا۔

"کیا؟" کچھ پل تو ثریا جہاں نے سوچنے میں ضائع کیے۔ جب بات سمجھ میں آ گئی تو انہوں نے اٹھانے میں دیر نہیں کی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ شاہ نواز دو چھلانگوں میں ہی ان کی پہنچ سے دور ہو گیا۔

"جھوٹا کمینہ، اتنا خون جلایا ہے میرا۔ آخر کس ماں کی اولاد ہے۔ وہ جنم جلی خود تو چلی گئی اسے میرے سینے پر مونگ دلنے کے لیے چھوڑ گئی۔" وہ ہانپتے کانپتے صوفے پر ڈھے کر لمبے لمبے سانس لینے لگی تھیں۔

............*

"تم؟" عفیفا، ماہیر کو سامنے کھڑا دیکھ کر کچھ پل کے لیے تو بول ہی نہیں پائی تھی۔ بہت عرصے بعد وہ ان کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیوں؟ میں نہیں آ سکتا یہاں؟"

"آؤ......" وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

"پھوپھو کہاں ہیں؟" پورا لاؤنج بھاں بھاں کر رہا تھا۔ پھوپھو کی مخصوص رنگین پایوں والی چا بھی خالی تھی۔ انہوں نے لاؤنج میں تخت کے بجائے بڑے بڑے بھاری بھرکم پایوں والی سفید چارپائی بچھا رکھی تھی۔ جس کے اوپر گلابی پھولوں کی چادر بچھی تھی۔ آرام دہ تکیہ بھی موجود تھا۔ اکثر رات کو اسی چارپائی پر ہی سو جاتی تھیں۔

"امی بازار گئی ہیں؟"

"اور تم آج کل گھر میں کیوں؟" وہ صوفے پر بیٹھ رہا تھا۔ امی کے گھر میں نہ ہونے کے باوجود کا بیٹھنا عفیفا کو حیرانی میں مبتلا کر گیا تھا۔ کیونکہ آج سے پہلے وہ امی کی غیر موجودگی میں گھڑی بھر بھی نہیں رکا تھا۔

"جاب تو کب کی چھوڑ چکی ہوں۔" وہ کٹی ہوئی سبزی کی ٹوکری اٹھا کر کچن میں رکھ کر واپس ماہیر کو ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر چینل سرچنگ میں مصروف پایا۔ وہ موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ کافی جب ماہیر اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تو عفیفا کو بالآخر بولنا ہی پڑا۔

"یہ چینل تو تمہارے ٹی وی پر بھی آتے ہوں گے۔"

"شاید......" اس نے ٹی وی پر سے اپنی نظریں ہٹا لیں۔

"غم روزگار سے فرصت کہاں ملتی ہے جو کسی اور طرف دھیان دیا جائے۔"

"اب ایسے بھی مصروف نہیں ہو کہ گھڑی بھر کے لیے ادھر نہ آ سکو۔" ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ سے پھسل پڑا۔

یاد کرتی ہو، جو مقناطیس کی طرح دوڑا چلا آؤں۔" وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر دیکھنے لگا۔

"کرانے کا بھلا کیا فائدہ۔" اس نے شانے اچکا کر سامنے دیوار کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ کی طرف دیکھنا آسان کہاں تھا اور اس کی آنکھوں میں تو وہ آج تک دیکھ نہیں پاتی تھی۔

"بھی ٹھیک کہا؟" اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"کب تک جا رہی ہو سہیل کے پاس؟"

"ابھی کچھ پتا نہیں۔"

"کیوں؟ کیا ویزا نہیں لگا؟" ماہیر نے حیرانی سے پوچھا۔ کیونکہ امی نے اسے بتایا تھا کہ عفیفا کا ہے۔ وہ زمیلہ کی طرف سے پریشان تھیں اور بار بار ٹھنڈی آہیں بھر کر کہتیں۔ "اپنے اپنے نصیب ہے۔"

"سہیل ان دنوں دبئی میں ہیں۔ وہ آئیں گے تو ان ہی کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ انگلیاں چٹخاتے ولی۔

"کب تک آنے کا ارادہ ہے؟" ماہیر کی دلچسپی عفیفا کو حیران کر رہی تھی۔

"ابھی کنفرم نہیں۔" وہ اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگی تھی۔ پھر ایک دم رک کر بغیر پلٹے بولی۔

"چائے لاؤں یا اسکوائش؟"

"پہلے ٹینگ پلا دو، پھر کھانا کھاؤں گا۔ تب تک پھوپھو بھی آ جائیں گی۔"

"یا حیرت۔" عفیفا کو گویا اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ تب ہی تو دوبارہ پوچھنے لگی۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ میں پھوپھو سے مل کر جاؤں گا۔ تب تک لنچ ٹائم بھی ہو چکا ہوگا۔ کیا کھانا کھلانے کا تمہارا ارادہ نہیں؟"

"کیوں نہیں...... میں ابھی ٹینگ لاتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"عفیفا" ماہیر نے اسے لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے پکارا۔

"آ رہی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی جگ میں چینی مکس کر کے ٹینگ کا جار اٹھایا تھا۔ پھر آئس کیوبز جگ میں لنے کے بعد وہ ٹرے اٹھائے باہر آ گئی۔

"تم تو حریم سے بھی زیادہ پھرتیلی ہو۔" وہ جگ میں خوش نما سے پانی دیکھ کر بولا۔

"تمہیں آج پتا چلا ہے۔" عفیفا کا انداز سادہ ہی تھا۔ تاہم نہ جانے ماہیر کو کیوں طنزیہ لگا۔

اس سوال کا بھلا مقصد ہی کیا تھا۔ یوں ہی بے سبب، بے وجہ پوچھ لیا گیا۔

"تمہیں کیسی دکھائی دیتی ہوں؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ اس سادگی میں چھپے طنز کو صرف ماہیر

"بہتر طرح اچھی۔" اس نے خود ہی بات گھما دی تھی۔ یہ بھی عجیب سا وقت آ گیا تھا جب اسے بات کرنے کے لیے کسی موضوع کو ڈھونڈنے کا تردد کرنا پڑ رہا تھا۔ لفظ پکڑنے کی کوشش میں

بہت سوچنا پڑ رہا تھا۔ حالانکہ چند سال پہلے ایسا نہیں تھا۔

ان دونوں میں بلا کی ذہنی ہم آہنگی، بے تکلفی اور دوستی تھی۔ سارا بچپن اکٹھے گزرا تو... تھی۔ اپنے گھر میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ زمیلہ کے ساتھ کھیلنے کے بہانے آ جاتی تھی۔ اور پھر ماہیر کے کمرے میں دونوں گھسی رہتیں۔ زمیلہ جلد ہی بور ہو کر اٹھ جاتی تھی جبکہ عفیفا کو اسٹوریز پڑھنے کا چسکا تھا۔ ماہیر کے بیگ یا کسی نہ کسی دراز میں سے عفیفا کو اپنی مطلوبہ بک یا رسالہ مل ہی جاتا تو...

اس وقت وہ صرف سنڈریلا کی کہانیاں پڑھتی تھی۔ اسنو وائٹ کے دکھوں پر چپکے چپکے آنسو بہاتی... ماہیر اپنے دوستوں سے اسٹوریز بکس مانگ کر لاتا تھا۔ کیونکہ اسے عفیفا کے چسکے کے بارے میں علم تھا...

وقت کچھ اور آگے سرکا تو ماہیر کو کرکٹ کا جنون چڑھ گیا۔ وہ سامنے گراؤنڈ میں چلا جاتا۔ عفیفا... ہوئی تو اس نے بھی ماہیر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کرکٹ کھیلنے کا اعلان کر دیا۔

کئی سال تک سامنے گراؤنڈ کی گھاس روندنے کے بعد اہل محلہ کی یہ شوقین مزاج من چلے... ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ گے، کیونکہ سامنے ایک عظیم الشان بنگلہ تعمیر ہو گیا تھا۔ بچوں کی ترجیحات بدل گئی تھیں۔

کرکٹ کی شیدائی عفیفا کو بہت جلد پھوپھو نے گھریلو امور میں طاق کر دیا۔ چھوٹی عمر میں اس نے صرف اپنے کچن کو بلکہ راحت بیگم کے کچن کو بھی خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔

وہ دونوں ماں، بیٹی اتنی خوش خوراک نہیں تھیں۔ ایک وقت کا سالن کبھی کبھی دو، دو دن تک چل جاتا تھا۔ البتہ مامی کے کچن میں اس کا زیادہ وقت گزرتا۔

مامی کو دو وقت تازہ سالن کھانے کی عادت تھی۔ ساتھ میٹھا بھی لازمی ہوتا۔ لنچ میں اکثر چاول... ماہیر کو ان دنوں چائنیز کھانے کا شوق چڑھ گیا تھا۔ اور عفیفا پرانے رسائل، کوکنگ کی کتابوں اور ٹی وی پروگرام دیکھتی اور چن چن کر کتابوں میں سے بدیسی کھانوں کی ترکیبیں لکھتی اور وہ ناک بھوں چڑھا کر کھایا کرتا۔

”تمہیں اچھا پکانا نہیں آتا؟“ وہ جان بوجھ کر اسے چڑاتا۔

”یہ کھانے ہی بدمزا اور پھیکے، سیٹھے ہوتے ہیں۔“ عفیفا چڑتے ہوئے کہتی۔

سیکنڈری دور کا آغاز ہوا تو ماہیر نے اسکول بدل لیا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ عفیفا پیچھے رہتی۔ پہلے والا اسکول ساکھ کے لحاظ سے بہترین اسکول تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اسٹاف تھا۔ ماحول بھی بہترین... ماہیر اپنے ابو کے بے تحاشا سمجھانے بجھانے پر بھی نہیں مانا تھا۔ نہ جانے کب کیسے اسے احساس ہوا کہ اس کے ابو اس اسکول کے اخراجات پورے کرنے میں خود کو بھی تھکا ڈالتے ہیں۔ انتھک محنت کے باوجود انہیں کاروبار میں خسارے کا سامنا تھا اور وہ بن کہے اپنے گھریلو مسائل کو سمجھنے کے بعد ایک دوسرے اسکول میں چلا گیا۔

تب پہلی مرتبہ ماہیر نہ سہی البتہ عفیفا ضرور ٹھٹک گئی تھی اور اسے ٹھٹکنا اور چونکنا بھی چاہیے تھا۔ زوباریہ درانی بھی شہر کا مہنگا ترین اسکول چھوڑ کر ان کے اسکول میں آ گئی تھی۔ کیوں؟ کس لیے؟

عفیفا مختار کو زوباریہ درانی کے اس عمل میں پوشیدہ وجہ کی خبر ہو سکی تھی۔ اور زوباریہ درانی کے سابقہ اسکول چھوڑنے کا ٹھوس اور بہت ہی مضبوط جواز اسے مل ہی گیا تھا۔

”ارے، میرا ماہیر کیسے راستہ بھول آیا ہے۔“ خیالات کے دھارے میں بہتے ہوئے وہ دونوں ہی بھول بھلیوں میں گم تھے، تب ہی تو ان دونوں کو نفیسہ بیگم کے لاؤنج میں داخل ہونے کی خبر بھی نہیں ہوئی۔

”السلام علیکم پھوپھو۔“ وہ سنبھل کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔

”وعلیکم السلام، جیتے رہو، کب آئے ہو؟“ انہوں نے بڑے ہی والہانہ انداز میں ماہیر کے سر اور ... چوما۔

”ابھی کچھ دیر پہلے۔“

”عفیفا! تو نے کچھ کھلایا، پلایا ہے میرے بیٹے کو؟ سیدھے دفتر سے آ رہے ہو نا؟“ وہ تھیلے میز پر رکھ کر اپنی مخصوص چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بیک وقت دونوں کو مخاطب کر کے بولیں۔

”صرف ٹینگ پلایا ہے۔“ وہ عفیفا کی طرف شرارتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”پھوپھو! آپ کو نہیں لگتا یہ عفیفا شادی کے بعد کافی کٹ کھنی ہو گئی ہے۔ آنکھیں ہی گویا اس نے ماتھے پر رکھ لی ہیں، کب سے اسے بتا چکا ہوں کہ کھانا کھا کر جاؤں گا، مگر مجال ہے جو ذرا بھی اس نے میری بات پر توجہ دی ہو۔“

”شکایتی ٹٹو! میں امی کا انتظار کر رہی تھی۔“ وہ تھیلے اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

”یہ زیادہ بہتر تھا کہ تم دیواروں سے باتیں کرتے اور میں تمہارے لیے پرتکلف لنچ کا اہتمام کرتی۔“

”ماشاء اللہ سے بڑی کمپنی دی ہے مجھے۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”اور یہ پرتکلف لنچ تم رہنے ہی دو۔ مجھے چاول کی روٹی اور ٹماٹر کی چٹنی کھانا ہے۔ ساتھ اگر لسی ہو تو کیا ہی بات ہے۔“ دیسی قسم کا یہ لنچ کبھی اس کا فیورٹ ہوا کرتا تھا اور عفیفا نے بڑی حیرانی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”تو کیا آج بھی وہ میرے ہاتھ کی ٹماٹر کی چٹنی اور چاول کی روٹی کو یاد رکھے ہوئے ہے؟“

”اب کس مراقبے میں گم ہو گئی ہو عفیفا ڈیئر!“ اس کی ساری توجہ عفیفا کی طرف تھی۔ وہ گڑبڑا کر کچن کی طرف پلٹ گئی۔ چاول کا آٹا ٹین میں محفوظ رکھا تھا۔ امی اکثر صبح چاول کا پراٹھا کھاتی تھیں۔ اس لیے آٹا گوندھ کر رکھا تھا۔ پھر ٹماٹر نکال کر چھیلنے لگی۔ ایک چولہے پر پانی بوائل کرنے کے لیے رکھا تھا۔

”میٹھا بھی بنا لو۔“ امی اس سادہ مینو سے کچھ مطمئن نہیں تھیں۔

”میٹھا رہنے دیں پھوپھو! عفیفا ہاتھ لگائے تو ہر ڈش میں ویسے ہی شیرینی گھل جاتی ہے۔“ آج ماہیر کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ پھوپھو تو سن نہیں پائی تھیں۔ ماہیر نے جسے سنانا تھا اس نے سن لیا۔

”اچھا، پھر لسی میں میٹھا ڈال لو۔“ وہ عفیفا کو مسلسل ہدایات دے رہی تھیں۔

”چٹنی میں مرچ کم ڈالنا۔ ماہیر کو زیادہ مرچیں پسند نہیں۔“

”اچھا۔“ وہ سر ہلا کر چھلے ہوئے ٹماٹر ابلے پانی میں ڈال کر روٹی بنانے لگی۔ صرف ڈیڑھ گھنٹے میں

سادہ سا لنچ تیار تھا۔ ماہیر نے جس رغبت سے کھانا کھایا تھا' عفیفا کی گویا تمام تر محنت وصول ہوئی۔

"پھوپھو! یوں لگ رہا ہے، وقت دس سال پیچھے چلا گیا ہے۔" عفیفا نے ماہیر کو کہتے سنا۔ آخری گلاس پیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"چلتا ہوں پھوپھو! پھر چکر لگاؤں گا۔ ابھی آفس جانا ہے۔ بریک ٹائم تھا سوچا آپ سے مل لوں۔"

"شکریہ بیٹا! جاؤ اللہ کی امان میں دیا۔" نفیسہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ پھیر کر کہا تو اسے گیٹ تک چھوڑنے کے لیے باہر چلی گئی تھیں۔ واپس آئیں تو عفیفا کو گم سم سا کچن کا دروازہ تھامے ٹھٹک گئیں۔ وہ کسی پتھریلی مورتی کی طرح ساکت صامت کھڑی تھی اور اس کے چہرے پر گرد اور ہو... چادر تنی تھی۔

اتنی دبیز چادر تھی کہ عفیفا کے نقوش گویا چھپ کر رہ گئے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ میلوں کا سفر... کے کچھ دیر کے لیے سانس بحال کرنے کی غرض سے کھڑی ہے۔ کسی ایسے مسافر کی طرح جسے بیچ سفر... راستہ بھول گیا تھا۔ اور وہ چوراہے میں کھڑا اپنی منزل کی طرف جانے والے راستے کو کھوج رہا تھا... کے لہجے اور آواز میں سفر کی تھکن کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس کے لب کسی کتاب کے صفحات کی طرح ... رہے تھے اور لفظوں میں بلبل اور کوئل کی آواز جیسی لطافت تھی۔

یہ چاند اور یہ ابرِرواں گزرتا رہے
جمالِ شام تہ آسماں گزرتا رہے
بھرا رہے تیری خوشبو سے تیرا صحن چمن
بس ایک موسم عنبر فشاں گزرتا رہے
سماعتیں تیرے لہجے سے پھول چنتی رہیں
دلوں کے ساز پہ تو نغمہ خواں گزرتا رہے
خدا کرے تیری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
دیارِ وقت سے تو شادماں گزرتا رہے
میں خود کو دیکھ نہ پاؤں تو کچھ ملال نہیں
کہیں بھی ہو تو، ستارہ نشاں گزرتا رہے
مرا ستارہ کہیں ٹوٹ کر بکھر نہ جائے
فلک سے تیرا خط کہکشاں گزرتا رہے
میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس ایک سماں گزرتا رہے
میں تیرا ساتھ نہ دے پاؤں پھر بھی تیرا سفر
گلاب و خواب کے ہی درمیاں گزرتا رہے

............*

صبح صبح فون کال آگئی تھی۔ ان کے میکے سے فون آئے اور امی کا موڈ نہ بگڑے، یہ تو نہیں سکتا

"خیریت تو ہے، تم کس سوچ میں گم ہو گئیں؟" اس کا تجسس لہجے سے ہی ہویدا تھا۔ حریم دھیرے ... چلتے ہوئے ان کے قریب آگئی۔

"امی! کہتے ہیں نا، انسان کو حیلہ کرنا چاہیے۔ وسیلہ اللہ خود بناتا ہے۔ یہاں تو کسی نے حیلہ بھی نہیں ... آپ کے ذہن میں ایک بات آئی تھی تو آپ نے کہہ دی۔ مگر خالہ کو وہ بات اتنی بھا گئی کہ اب وہ ... بڑے بھائی کو انگوٹھی پہنانا چاہتی ہیں۔" وہ ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے چھلکی جانے والی خوشی کو سمیٹے ... رہی تھی۔

"ارے، یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے۔" راحت بیگم نے اس کی توقع کے مطابق خوشی کا بے ساختہ اظہار ...

"ابھی چلنا ہے، چھوٹی سی رسم کا ارادہ ہے۔ میں آپ کے اور موبی کے کپڑے نکال کر پریس کر دیتی ہوں۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ گئی۔

"موبی کے کپڑے؟" انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔

"موبی بھی جائے گا؟"

"گھر میں اکیلے کیسے رہے گا۔ ویسے بھی کہیں آتا جاتا تو ہے نہیں۔ اسی بہانے تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گی۔" وہ اپنا سوچا گیا پروگرام ان سے شیئر کر رہی تھی، مگر راحت بیگم نے سختی سے منع کر دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں، اس نے منگنی کے فنکشن میں جا کر کیا کرنا ہے۔"

"وہ گھر میں اکیلا کیسے رہے گا؟" حریم نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اکیلا کیوں۔ پیچھے ثریا ہے نا، خیال رکھے گی موبی کا۔"

"اس کی طبیعت خراب ہونے کا خدشہ ہے۔"

"امی! ... بہتر ہے۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ باہر نکلے گا تو اس کے مزاج پر اچھا اثر پڑے گا۔"

وہ موبی اور امی دونوں کے کپڑے الماری میں سے نکال لائی۔ اب استری اسٹینڈ کے پاس کھڑی ... کچھ سوچ کر اس نے فرش پر کھیس بچھا لیا تھا۔ آج اس کی کمر میں ہلکی ہلکی ٹیس سی اٹھ رہی تھی۔ جو ... صبح صبح فون کر کے سنائی تھی۔ اس خبر نے اس کے وجود میں گویا بجلی بھر دی تھی اور وہ ... خوشی کی سی خبر بھی تمام درد اور تکلیف بھلا دیتی ہے۔

"... نہیں مانے گا۔" ان کا انداز اب بھی کچھ سوچتا ہوا تھا۔

"... میں منا لوں گی۔" وہ ان کے تمام اعتراضات چٹکیوں میں اڑا رہی تھی۔

"... کہا ہے۔ یہ فن صرف بیویوں کو ہی آتا ہے۔" انہوں نے خواہ مخواہ ٹھنڈی آہ بھری۔

"... سا فن؟" حریم قطعاً نہیں سمجھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ جان بوجھ کر بات پلٹ گئیں۔

''تم رات تو نہیں رکو گی؟''

''نہیں......''

''چلو، اچھا ہے اب مجھ سے سویرے سویرے کچن میں نہیں کھڑا ہوا جاتا۔ ویسے بھی تمہاری عادت سی ہوگئی ہے۔ گھڑی بھر کے لیے اگر نظر سے اوجھل ہو جاؤ تو دل گھبرانے لگتا ہے۔'' انہیں کبھی بھی دل کی بات کہہ دینے میں دقت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی حریم حیرانی سے سوچتی تھی کہ وہ کیوں ایسی طرح یا دلیر نہیں۔ اسے کبھی بھی بحث ومباحثہ یا دلائل دینا نہیں آتے تھے۔ بہت بولنا اسے کبھی پسند نہیں رہا تھا۔ وہ جس قدر خاموش طبع تھی حانی اس سے بالکل برعکس بہت شوخ، چنچل اور بے تحاشا زندہ دل۔

''ماہیر کو فون تو کردو...... آج جلدی دفتر سے اٹھ آئے اور میرے بال تو دیکھو، رنگنے والے تو نہیں؟'' کہیں بھی جانے سے پہلے وہ خود پر خاصی توجہ دیتی تھیں۔ زمیلہ کے چلے جانے کے بعد راحت بیگم کے بال ڈائی کرنے کی ذمہ داری بھی حریم کے سر آگئی تھی اور وہ خوش اسلوبی سے ان کی خواہش کے مطابق ہر پندرہ دن بعد ان کے بال سرخ مہندی سے رنگ دیتی تھی۔

''ٹھیک ہیں۔ بال ڈائی کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ ان کے مشورے کے مطابق ماہیر کو فون کرنے کے لیے اٹھ گئی۔

''تمہارا میرے بغیر دل نہیں لگتا۔'' ماہیر نے کال ریسیو کرتے ہی پوچھا۔ کم وبیش کوئی ساتویں کال حریم نے ماہیر کو صبح سے لے کر اب تک کی تھی۔

''نہیں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر دبی آواز میں بولی۔

''گھر آجائیں۔''

''گھر بیٹھ گیا تو عاجز آجاؤ گی۔'' وہ اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''کیوں بھلا؟''

''بھئی جب کوئی کام نہیں ہوگا تو دن رات صرف رومانس بھگارا جائے گا۔ تم تنگ آجاؤ گی حریم۔'' ماہیر نے اسے دھمکایا۔

''آپ کی محبت سے کبھی تنگ نہیں آسکتی۔ بس ہم سے بھاگنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔'' اس نے بھی جوابا دھمکانا چاہا۔

''آپ سے بھاگ کر کہاں جاسکتے ہیں ہم بے چارے۔'' ماہیر نے خود پر مظلومیت طاری کرلی۔

''ہر جگہ تو تمہارا چہرہ نظر آتا ہے۔ کمپیوٹر اسکرین پر، فائلوں میں، باس کی سیکرٹری کے چہرے میں بھی جہاں جہاں نظر جاتی ہے بس تم ہی دکھائی دیتی ہو۔''

''زیادہ ڈائیلاگز جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔'' حریم ہنستے ہوئے مطلب کی بات پر آگئی۔

''آج ذرا جلدی گھر آجایئے گا۔''

''کیوں بھئی؟''

...... کی منگنی ہے۔''

''تو پھر میں سیدھا ادھر ہی چلا جاؤں گا۔ تم امی کے ساتھ آجانا۔'' ماہیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''...... موبی بھی ساتھ جائے گا۔'' اس نے لگے ہاتھوں موبی کا ذکر بھی چھیڑ لیا۔

''موبی کو رہنے دو، اس کا بھلا ادھر کیا کام ہے۔'' حریم کی توقع کے عین مطابق وہ فوراً انکار کرگیا۔

''موبی ضرور جائے گا۔ میں نے اس کے کپڑے پریس کردیئے ہیں۔'' پہلی مرتبہ حریم نے ماہیر سے ...... میں کوئی بات منوانی چاہی تھی۔

''میں منع کررہا ہوں نا۔ اسے ساتھ لے کر مت جانا۔'' ماہیر گویا جھنجلا سا گیا۔

''...... کوئی وجہ بتادیں؟'' حریم نے خفگی سے کہا۔ ماہیر کا نہ ماننا اسے غصہ دلا گیا۔

''اس کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ وہ محفل اور شور ہنگامے سے گھبراتا ہے۔'' ماہیر نے بھی کم وبیش ...... بیگم کی طرح کا جواز پیش کیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ کون سا بہت بڑا فنکشن ہے۔ صرف گھر کے افراد ہوں گے۔'' وہ بھی اس سے ...... کا عہد کر کے ہی بحث کررہی تھی۔

''حریم! تم بھی نا۔'' وہ سخت جھنجلایا۔

''...... سمجھتی کیوں نہیں ہو؟'' وہ بے بسی کے عالم میں لب بھینچ کر رہ گیا۔

''موبی میرے ساتھ جائے گا۔ ورنہ میرا بھی حانی کی خوشی میں شریک ہونا اتنا ضروری نہیں۔'' اس ...... دھمکی دینے والے انداز میں کہا تھا مگر ماہیر سچ مچ سنجیدہ ہوگیا۔

''...... تنی محبت کرتی ہو موبی سے۔ اپنی بہن کا فنکشن اس کی خاطر چھوڑ دو گی۔''

''...... تو اور کیا۔ میں ایسا کر بھی سکتی ہوں۔'' اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

''...... ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی، موبی کو دھیان سے لے کر جانا۔''

''...... تھینک یو، ویری مچ۔ آپ نے میری بات کا مان رکھ لیا ہے ماہیر۔'' وہ خوشی سے بے قابو لہجے میں ...... کے لب ولہجے سے ہی راحت بیگم سمجھ چکی تھیں کہ ماہیر مان گیا ہے۔ مگر وہ پھر بھی تذبذب کا شکار ......

...... تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ حانی لاج میں پہنچ چکی تھیں۔ زرجان نے ان کی سہولت کے لیے گاڑی بھجوا ......

...... گھر تو گویا رنگ وبو کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ پورا گھر برقی قمقموں سے سجا تھا۔ مہک اور محبت چھلکتے پھر ...... نے نیا کمور چکن کا کلف زدہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ سفید دوپٹہ اوڑھے پان سے رنگے ہونٹوں ...... ہوئے انہوں نے حریم کو اپنے ساتھ لپٹا کر بے ساختہ چوم لیا۔

''...... آگئی ہو بہت اچھا کیا۔''

''...... موبی بچہ بھی آیا ہے۔'' بابا سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ موبی کو دیکھ کر وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں

"حانی کہاں ہے؟" وہ راحت بیگم اور موبی کو سجے سجائے لاؤنج میں بیٹھا کر خود ا
مشترکہ روم میں آ گئی تھی مگر حانی کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا۔ سرخ خوبصورت جوڑے میں وہ کسی
گلاب کی طرح دہک رہی تھی۔

"ماشاء اللہ۔ تم تو پوری دولہن بن کر بیٹھی ہو۔"

"یہ ساری مہک اور خالہ کی کارستانی ہے۔" کپڑے سمیٹتی حانی روہانسی ہو کر بولی۔ لیکن
اسے چین کہاں تھا۔

"بہت اچھا کیا ہے خالہ نے تصویریں اور مووی بھی تو بنے گی۔" خالہ واش روم سے باہر نکل
تھیں۔

"محسن اور محبت مووی میکر کو بھی لے آئے ہیں۔" خالہ اب حریم کو بتا رہی تھیں۔

"اور یہ لائٹنگ کس نے کروائی ہے۔"

"زرجان بھیا نے۔" جواب حانی کی طرف سے آیا۔

"بابا نے منع نہیں کیا؟" حریم نے گویا لب بھینچ لیے۔

"کیا تھا مگر وہ نہیں مانے۔" حانی الماری میں کپڑے ٹھونس ٹھانس کر اٹھ گئی۔

محسن نے اسی پل کمرے میں جھانکا۔

"چشم بددور۔ لوگ تو آج پہچانے نہیں جا رہے۔" محسن کی زبان کسی بھی حال میں رک نہیں سکتی

"اب نظر مت لگا دینا۔" حانی نے گویا آنکھیں دکھا کر کہا۔

"نظر لگاؤں گا تو اتاروں گا بھی تو سہی۔" محسن کے چہرے پر لکھی تحریر اور آنکھوں سے پھوٹتی
دیکھ کر حریم نے دل ہی دل میں گویا نظر اتاری۔

"آج تو آپ بھی پہچانے...... نہیں جا رہے جناب۔"

"آپ کی نظر کرم ہے۔ ویسے میں نے بھی سوچا تھا، کون سا روز روز منگنی ہونا ہے سو تیاری
چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔" وہ کورنش بجا لایا۔

"پھر بھی کچھ خاص فرق نہیں نظر آ رہا۔" حانی اور محسن کو چونچیں لڑانے کی عادت تھی۔ مگر
رہنا بھی محال تھا ان سے۔ ان کی یہ دوستی اور بے تکلفی نہ جانے کب محبت میں بدل گئی تھی اور یہ
جانے کب سے چل رہا تھا اور یہ تو محبت نے عین موقع پر انٹری مار کے بھانڈا پھوڑا تھا۔ بقول
سلسلہ حریم کی شادی کے وقت کا شروع ہوا تھا۔ یعنی محسن، حانی کی محبت میں انہی دنوں میں مبتلا
اپنی نالائقی اور فی الحال بے روزگاری کے باعث ماں سے بات کرنے میں جھجکتا تھا اور جب
"بابے" کے پرپوزل کو حریم سے فون پر شیئر کر رہی تھیں تب سے ہی محسن نے عہد کر لیا تھا کہ
صورت پاس ہونے کے بعد کسی نوکری کی تلاش میں نکل پڑے گا۔ اور وہ ماں سے حانی کے
نامناسب پرپوزل پر کتنی دیر الجھتا بھی رہا تھا۔

"کیا کمی ہے حانی میں۔ اسے ایک حادثہ پیش آیا تھا اور حادثہ کسی کو بھی پیش آ سکتا ہے

کیا یہ زیادتی نہیں کہ ایک اسے ایسے آدمی کے ساتھ نتھی کر دیا جائے جس کا حانی کے ساتھ کوئی
...نہ بنتا۔

کوئی پرفیکٹ لڑکا حانی کے لیے ملنا مشکل ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو، مجھے اپنی بھانجی سے محبت نہیں۔"
...میں مبتلا تھیں۔ حریم سے انہوں نے بات تو کر لی تھی مگر اپنا دل بھی حانی جیسی کانچ سی گڑیا کے لیے
بے جوڑ آدمی سے رشتہ جوڑنے پر مان نہیں رہا تھا اور اب محسن نے بھی بے حد ناگواری کا اظہار کر دیا
...ان کا دل احسان حسن کے پرپوزل سے خود بخود کھٹا ہو گیا۔ مگر اس وقت ان کے ذہن میں محسن اور
...کے رشتے والی بات موجود نہیں تھی۔ اگر راحت بیگم ان کا دھیان اس طرف مبذول نہ کرواتیں تو انہیں
ایسا خیال ہرگز نہیں آنا تھا۔ وہ لوگوں کی باتوں سے ہمیشہ خوف زدہ رہی تھیں اور انہیں اب بھی یہی
لاحق تھا کہ ان کے خلوص اور محبت کو لوگ لالچ سے تعبیر نہ کر لیں کیونکہ اکثر لوگ حانی کو حصے میں ملنے
...اس وسیع و عریض کوٹھی کے لالچ میں آ جاتے تھے۔

"حریم کہاں گم ہو؟ ذرا زرجان کو فون تو کر دو۔" نہ جانے اسے کھڑے کھڑے سوچنے کی بیماری کب
لاحق ہو گئی تھی۔ شاید جب سے اس کی زندگی کی کچھ ڈوریں کسی اور کے ہاتھ میں چلی گئی تھیں۔ وہ چونک
خالہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ حانی اور مہک دونوں باہر نکل گئی تھیں۔ حانی کو میز پر برتن لگانے کی فکر تھی۔

"میں اور زرجان کو فون کروں۔ کبھی نہیں۔" اس نے خالہ کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔ کچھ دیر بعد
...حانی کو جو کچن میں برتنوں سے الجھ رہی تھی۔ نہ جانے کب مہک گھسیٹ گھسیٹ کر باہر لے آئی
...کی تقریب تھی۔ گھر کے افراد کے علاوہ چار پانچ مزید اور لوگ آئے تھے۔ کچھ دیر تک ماہیر بھی آ گیا۔

"زرجان کو فون کیا ہے کسی نے۔" بابا خالہ سے پوچھ رہے تھے۔ اور خالہ حریم کو دیکھ رہی تھیں۔ حریم
...نے نظر چرا لی۔

اسی پل زرجان کی کال آ گئی۔ اسے اچانک کسی میٹنگ میں جانا پڑ گیا تھا۔ اس نے بابا سے معذرت
...کی۔ بابا تو اس کی معذرت قبول کر چکے تھے تاہم حانی نے "دولہا" کی پروا کیے بغیر زرجان سے
...شروع کر دیا۔

نہ جانے کس طرح سے حانی کو زرجان نے مطمئن کر ہی لیا تھا۔ اور وہ نہ جانے کون سے
...لے کر ریسیور رکھ کر آئی تھی۔ بلکہ محسن اس کا ہاتھ پکڑ کر لایا تھا۔ اور وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے بہت
...رہے تھے۔

آج حانی بغیر اسٹک کے چل رہی تھی۔ ہمیشہ لوگوں کی موجودگی کے باعث حانی وہیل چیئر یا اسٹک کا
...اپنی چال کی لنگڑاہٹ چھپانے کے لیے۔ مگر آج خالہ اور محسن نے اس کی اسٹک کو اٹھا کر
...چھپا دیا تھا۔

"لوگوں کو فیس کرنا سیکھو حانی! زندگی سہاروں کے ساتھ نہیں گزرتی۔ جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو
...ضرورت ہے تمہیں۔" محسن نے حانی کے کان میں جھک کر اسے زندگی کا پہلا سبق پڑھایا تھا۔

"اور تم سب سے بہترین سہارا ہو۔ میں اب کسی مصنوعی سہارے کی طرف نہیں دیکھوں گی۔" حانی

گویا خود سے عہد کر رہی تھی۔

''یہ اسٹک حانی کو گہن لگا دے گی اور مجھے خود کو گہن کبھی نہیں لگانا۔''

مہکتی ہوئی گلابی شام میں حانی کو محسن کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی تھی۔ ان خوبصورت ساعتوں کیمرے کی آنکھ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔

بوا، خالہ اور بابا کے جگمگاتے چہروں میں ایک فرض کی ادائیگی کے بعد والا سکون اور سرخوشی بھی جھلک رہی تھی۔ بابا گویا بہت ہی پرسکون ہوئے تھے۔ ان کی دونوں بیٹیوں کو ''قدردان'' لوگوں کا ساتھ مل گیا تو ان کا دل رب رحیم کی بارگاہ میں گویا سربسجود تھا۔

راحت بیگم نے بھی اٹھ کر حانی کے سر پر پیار کیا تھا۔ اس کی مٹھی میں چند نوٹ بھی دبا دیے۔

ہنسی خوشی اور قہقہوں کے درمیان وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ محفل کے اختتام پر محسن نے بیت بازی کا شوشا چھوڑ دیا۔ پھر گیتوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ پوری محفل زعفران زار بنی ہوئی تھی۔ نہ جانے پھر بھی کیوں حریم کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی اور یہ چھٹی حس اسے خوامخواہ کے وہموں میں بھی مبتلا کر دیتی تھی۔ حریم سر جھٹک کر پھر سے محسن اور ماہیر کے درمیان ہونے والی بحث کو سننے لگی تھی، مگر اس کا دھیان ایک دفعہ پھر سے بٹ گیا۔ وہ دل میں چھپی پریشانی کو سب کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کے چکر میں اک چور نظر سے حاضرین محفل کو دیکھنے لگی۔

سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ خالہ، راحت بیگم اور بوا نہ جانے کون سے مسئلے سلجھانے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ مہک اور محبت مٹھائی کھانے میں جتے تھے۔ محسن، ماہیر اور حانی اس وقت شاید سیاست پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ لاؤنج کے ایک کونے میں گم صم، خاموش اور کھویا کھویا سا موبی کسی اور ہی جہان میں گویا سفر کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں گویا چیخ چیخ کر بتا رہی تھیں۔

''میں یہاں نہیں ہوں۔ میں کسی اور جہاں کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے مت پکارو، مجھے مت بلانا۔ مجھے اس سفر سے لطف اٹھا لینے دو۔''

حریم کی نظریں موبی کے چہرے پر گویا منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس کا شور کرتا، کچھ کہتا کچھ بولتا دل اک لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا تھا۔

''موبی!'' اس کے ہونٹ محض پھڑپھڑائے تھے اسی لیے موبی تک اس کی آواز پہنچ نہیں پائی تھی وہ سنتا ہی کیسے۔ اس کی سماعتیں تو کچھ اور سن رہی تھیں۔ دور بجتے گھنگرو، پیروں سے بندھے، چھن چھن کرتے۔ اور کسی مزار کا مجاور عالم مدہوشی میں دھمال ڈال رہا تھا۔ اور اس کے پیروں کے گھنگرو، گویا موبی کے دل سے ٹکراتے ہوئے شور کرتے بار بار اسے پکار رہے تھے۔

عجب قرینہ ہے لیکن یہ ایک قرینۂ عشق
کہ طے کیا سفر آسمان بہ زینۂ عشق

گھنگروؤں کی جھنکار میں شدت آتی جا رہی تھی۔ تبھی تو مزار کے مکین، سفید اور سرمئی کبوتر خوف زدہ ہو کر پھڑکنے لگے تھے۔

ہزار شکر کہ غرقابی سے رہا محفوظ
کنارے آن لگا آپ ہی سفینۂ عشق

وہ ہوا میں گویا گردش کر رہا تھا یا بادلوں کے نرم گولوں پر سوار تھا۔ اس کے باوجود اسے زمین پر گرنے کا خوف نہیں تھا۔ کوئی خوف اسے چھو بھی کیسے سکتا تھا۔ وہ ہر خوف سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ ''تصوف'' یا ''تصور'' کا کوئی رخ نہیں تھا۔ یہ عشق حاصل کی ایک نئی کتاب تھی جس کا ہر صفحہ اس سے مہک رہا تھا۔

یہ اور بات ہے کہ خود کو گنوا دیا میں نے
مگر یہ کم ہے کہ ہاتھ آ گیا خزینۂ عشق

حریم کی نظر نے اک اور منظر دیکھا۔ منیب عالم اب کھڑا ہو رہا تھا۔ اس کے پیر دھیرے دھیرے اٹھ رہے تھے۔ مگر اس کی چال میں غیر معمولی پن تھا کچھ ایسا ضرور تھا جو نظر کو بری طرح سے کھٹک رہا تھا۔ اس کا رقص کرنے کا انداز بھی بڑا عجیب تھا۔ حریم نے دیکھا، حاضرین محفل بھی گویا ٹھٹک کر موبی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اہل محفل میں کچھ لوگوں کی نظر میں حیرت اور بے یقینی صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

مری مثال سب اہل نظر کے سامنے ہے
کہ زخم زخم رہا ہے ازل سے سینۂ عشق
مگر یہ کم ہے کہ ہاتھ آ گیا خزینۂ عشق

اس کے لب، پیروں کے ساتھ ہی متحرک رہے تھے۔ اک وجد کے عالم میں وہ زمین پر پیر مار کر ناچ رہا تھا۔ اس کے بازو بھی مسلسل حرکت میں تھے۔ اس کے ناچنے کے انداز نے حریم کو گویا منجمد کر دیا تھا۔

نہ جانے کب کیسے ایک دم ہی منظر بدل گیا۔ ماہیر صوفے سے اٹھ کر موبی کے سر پر پہنچ گیا تھا پھر اس کا ہاتھ غصے میں بلند ہوا تھا اور پوری طاقت کے ساتھ موبی کے دہکتے گال پر جا پڑا۔ موبی اپنے ہی دھیان میں تھا اسی لیے گول گول گھومتے ہوئے وہ بہت دور فرش پر جا گرا۔ ماہیر نے یکے بعد دیگرے کئی اور تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے تھے۔ وہ تکلیف اور درد کی شدت سے بلبلایا نہیں تھا کیونکہ زمین پر گرتے ہی وہ گرد و پیش سے بیگانہ ہو گیا۔

''حریم! پانی لاؤ۔'' نہ جانے کس نے ساکت کھڑی حریم سے کہا تھا۔ وہ چونک کر گویا ہوش کی دنیا میں لوٹی۔

''جی اچھا!'' وہ تقریباً بھاگتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ خوف کے مارے اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ بس ایک ہی غم کھائے جا رہا تھا کہ امی اور ماہیر کے خدشات درست ثابت ہو گئے ہیں۔ وہ اسی لیے موبی کو ساتھ لانے سے منع کر رہے تھے کہ کسی بھی وقت موبی پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

اب اسے ماہیر اور راحت بیگم کی ناراضی کا سامنا کرنا تھا۔ اسی کی ضد کی وجہ سے تو موبی ادھر آیا تھا۔ نہ وہ موبی یہاں آتا اور نہ ہی بھری محفل میں تماشا بنتا۔

خوف کے مارے اس کے ہاتھ سے گلاس پھسل کر فرش پر جا گرا۔ اس نے دوبارہ اسٹینڈ سے گلاس اٹھایا تھا مگر دوسرا گلاس بھی اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

اب وہ تیسرا گلاس اٹھانے لگی تھی۔ جب افتاں وخیزاں سی خالہ کچن میں داخل ہوئیں ان کے پیچھے مہک بھی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ فرش پر بکھرے کانچ دیکھ کر حیرت زدہ سی رہ گئیں۔

"گلاس ٹوٹ گیا ہے۔" نہ جانے کن دقتوں سے اس کے منہ سے چند الفاظ پھسلے۔ بس دل و دماغ پر ماہیر اور راحت بیگم کی ناراضی کا خوف سوار تھا۔ خالہ نے مہک کو گلاس میں پانی ڈال کر دیا تھا۔ وہ باہر گئی تو خالہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے حریم۔"

"جی، ٹھیک ہوں خالہ۔" وہ مصنوعی بشاشت سے کہہ رہی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔" خالہ کی آواز سرگوشی نما تھی۔

"جی پوچھئے۔" حریم کی نظریں ابھی تک لاؤنج کے منظر کو دیکھ رہی تھیں۔

"کیا تم جانتی ہو؟" خالہ اس کے قریب آچکی تھیں۔ اور ان کی آواز اب بھی سرگوشی نما تھی۔

"کیا؟" حریم کو خالہ کے انداز سے سخت الجھن محسوس ہونے لگی۔

"یہی کہ تمہارا دیور تو ہیجڑا ہے۔" خالہ نے گویا اس کے سر پر بم بلاسٹ کر دیا تھا۔

"جی۔" حریم کو لمحہ بھر کے لیے سانس لینا بھول گیا۔ پردے کے پیچھے بنتے بگڑتے عکس اور ان کی ......حرکات سکنات گویا کسی فلم کی طرح سے چلنے لگیں۔

............*

مشرق کی طرف سے زرد آگ کا گولا طلوع ہوا تھا۔ اس چھوٹے سے گول تھال کے جھلک ... ہی اہل زمین...... گویا خود کو مٹی کے تندور میں مقید سمجھنے لگے تھے۔ ایک دم ہی موسم نے کروٹ بدل لی دن بے تحاشا تپنے لگے تھے اور راتیں ٹھنڈی اور خنکی میں بہتی تھیں۔ دن کے برعکس رات کو ابھی حبس اور ... محسوس نہیں ہوتی تھی۔ نیلا آکاش رات کو سیاہی میں بدل دیتا تو گویا آسمان سے شبنم اتر آتی ... بھیگی نرم نرم پگھلتی رات میں چاند اپنی چاندنی سے ہر شے کو منور کر دیتا تھا۔ بہتی چاندنی اپنے اندر ہر بھید چھپائے دور دور تک اپنی روشنی کو خوب لٹاتی تھی۔

اوائل گرمی کے دن تھے۔ رات بھر برسنے والی بارش نے فضا میں خنکی بھر دی تھی۔ مگر طلوع ... آفتاب نے پورے جلال کے ساتھ زمین کی طرف دیکھا تھا۔ صرف چند پل میں ہی بھیگی بھیگی زمین دھیرے دھیرے سورج کی مہربانی کے طفیل خشک ہوتی جا رہی تھی۔

گرمی کا زور ابھی کم تھا' مگر پنجاب کے کئی علاقے شدید گرمی کی لپیٹ میں آچکے تھے۔ منڈیروں ... لیٹی اور آنگن میں اتری دھوپ بہت دیر تک صحن میں منڈلاتی تھی۔

صبح صبح نغمے گاتے پرندے دن کا دوسرا پہر شروع ہونے سے پہلے ہی گھونسلوں میں ...

... وسعتوں میں رقص کرتی کونجیں اور درختوں کی شاخوں پر جھولتی رنگ برنگی چڑیاں بھی غائب ... شاید انہیں خبر ہو چکی تھی کہ بہار کے دن اب خواب ہوئے ہیں۔

... ننھی منی آنکھوں میں اگلے برس کی بہار کا انتظار کروٹیں بدل رہا تھا اور وہ کونپلوں کو نرماہٹ اور ... کی آس سمیٹے سر پھوا اڑے تپتی دوپہر میں اونگھتی رہتی تھیں۔

... شام کے طاقچے میں جلنے والا پہلا دیا تیز ہوا کی سفاکی کی نذر ہو کر بجھ گیا تھا۔ سو کالی رات کی ... ہونے کے لیے کسی اسم کی ضرورت تھی۔ مگر اس اسم کا سحر طاری کرنے والے ہر لفظ کو حریم ماہیر عالم بھول چکی تھی۔

سورج اور اس کی چھن چھن کر اندر گھسنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی کرنیں بالآخر پوری دیدہ دلیری ... میں گھس آئیں۔ حانی پردے سمیٹ رہی تھی۔ حریم نے آنکھوں پر بازو رکھ لیے۔

"اٹھ جاؤ نا حریم۔" حانی اب پائنتی پر بے ترتیب پڑی چادر کو تہہ کر رہی تھی۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" وہ کسلمندی سے پڑی رہی۔

"گیارہ بجنے والے ہیں۔" اب وہ چائے کی پیالیاں اٹھا رہی تھی۔

"ناشتا لاؤں؟" جانے سے پہلے اس نے رک کر حریم سے پوچھا۔

"دل نہیں چاہ رہا۔" اس کے پورے وجود پر کسلمندی طاری تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر اور سونا چاہتی تھی۔ ... نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بس وہ فی الحال کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اور باہر نکلنے کا مطلب ... سب کی سوال کرتی نظروں کا سامنا کرنا اور وہ خود میں کسی سے نظر ملانے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ باہر نکلتے ہی ہر نظر اس کا طواف کرنے لگے گی اور وہ ان گہری، کھوجتی ... آنکھوں سے بے حد خوفزدہ ہو رہی تھی۔ وہ تو ابھی تک خالہ کے ان الفاظ کو رات بھر سے سوچ ... کا انکار ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ ہر فرد اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگے گا۔

"اے حریم! تیرا دیور تو...... ایسی بھی کیا بے خبری۔"

"تم رات سے کیوں اس قدر خاموش ہو؟ اگر تم ماہیر بھائی کے ساتھ جانا چاہتی تھیں تو چلی جاتیں۔ ... اس لیے آنٹی راحت سے ادھر تمہارے رکنے کی اجازت لی تھی میرا خیال تھا کہ تم ادھر رہنا چاہتی ... تنک مزاج خاتون نے میرا مان رکھ لیا۔" حانی اپنی سادگی میں اس کے غم کو سمجھ نہیں ...

"تم نے کب امی سے میرے رکنے کے لیے بات کی تھی؟" حریم چونک سی گئی۔

"رات پہلے۔" حانی نے سوچتے ہوئے بتایا۔

"... نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور خاموشی کا مطلب ہاں ہی ہوتا ہے نا۔" وہ حریم کی الجھن کو ... رہی تھی۔

... اس وقت انہوں نے خاموشی کی آڑ میں انکار کر دیا تھا' کیونکہ وہ گھر میں ہی مجھ سے نہ رکنے کی ... پھر یوں اس طرح سے، بغیر مجھے ساتھ چلنے کا کہے، ماہیر اور امی کا چلے جانا مجھے سخت پریشانی

میں مبتلا کر رہا ہے حانی! اس کا مطلب ہے امی اور ماہیر مجھ سے ناراض ہیں۔"

"کیا مطلب؟" حانی قطعاً سمجھ نہیں سکی۔

"کیونکہ میں زبردستی موبی کو ساتھ لائی تھی' جبکہ امی اور ماہیر ہرگز مان نہیں رہے تھے [illegible] خدشہ لاحق تھا کہ موبی کی طبیعت بگڑ جائے گی اور پھر ہوا بھی ایسے ہی۔" وہ بے خیالی میں [illegible] گئی۔

"اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟" حانی نے رسان سے کہا۔ حیرت کی بات ہی تھی۔ حانی نے [illegible] مزید بات کرنے سے گریز کیا تھا۔

"حانی! جو کچھ رات کو خالہ نے محسوس کیا تھا موبی کے متعلق، کیا وہ سچ ہے؟" حالانکہ کوئی بات پردے کے پیچھے نہیں رہی تھی' پھر بھی حریم نے اک آس کے عالم میں پوچھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ یہ سچ رات کو ہی تم پر منکشف ہوا ہے۔" حانی کا انداز اب بھی لاپروا [illegible] یعنی اسے ہرگز بھی اس معاملے میں دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو شاید کرید کرید کر [illegible] کر کے ہی اٹھتا۔ مگر وہ اس کی بہن تھی۔ اس کی مزاج آشنا۔

"نہیں حانی! بہت دفعہ میں نے بھی موبی کی حرکات و سکنات پر غور کرنے کی کوشش کی ہے۔ [illegible] دفعہ مجھے لگتا تھا۔ موبی کا انداز نارمل نہیں ہے۔ اس کی چال، اس کی گفتگو سے کبھی بھی مجھے انداز [illegible] ہو سکا۔ ہاں کبھی کبھار وہ کچھ نہ کچھ غیر معمولی ری ایکٹ کر جاتا تھا۔ جو مجھے وہموں میں مبتلا کر دیتا۔ مگر میری سوچ اس حد کو کبھی بھی کراس نہیں کر سکی۔"

"جو کچھ رات کو ہوا تھا۔ کیا پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے؟" حانی نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں...... یہ دھمال قسم کا رقص اور یہ مخصوص ناچنے کا اسٹائل پہلی مرتبہ رات کو ہی دیکھا ہے۔"

"ڈیڑھ سال سے اس گھر میں رہ رہی ہو اور تمہیں قطعاً خبر نہیں ہو سکی۔" حانی نے لاپروائی سے [illegible]

"تو کیا تم جانتی ہو؟" حریم حیران ہی تو رہ گئی۔

"ہمارا اور عالم انکل کی فیملی کا برسوں سے ساتھ ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں گھروں کی [illegible] ایک دوسرے سے چھپی رہ سکے۔ مگر راحت آنٹی موبی کی پیدائش کے بعد بہت ریزرو ہو گئی تھیں۔ [illegible] آتی جاتی نہیں تھیں۔ انہوں نے گھر سے نکلنا لوگوں سے ملنا ترک کر دیا تھا۔ جس آزمائش کا [illegible] طرف سے نزول ہوا تھا' اس پر بھلا کیا شکوہ کرنا۔ مگر لوگوں کی زبانوں کی تلوار سے بچنے کے لیے [illegible] ہو کر رہ گئی تھیں اور انہوں نے موبی کو ساری دنیا سے چھپا رکھا تھا۔ آج بھی موبی کے بارے میں [illegible] لوگ جانتے ہیں کہ وہ کس صنف سے ہے۔" حانی جو کچھ بتا رہی تھی اگرچہ سو فیصد سچ تھا۔ مگر [illegible] بتایا کس نے تھا اور پھر سب جانتے ہوئے حانی نے اس سے کیوں چھپایا؟

"اور ان کم لوگوں میں کون کون شامل ہیں؟" حریم کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

"بابا، ماہیر بھائی کی پھوپھو یا پھر وہ ڈاکٹر جس نے راحت آنٹی کا کیس لیا تھا۔" حانی [illegible] سے سجے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اور تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟" ایک اور چبھتا ہوا سوال۔

"رات کو بوا بتا رہی تھیں۔ شاید وہ کبھی بھی نہ بتاتیں' مگر رات کو موبی کے انداز و اطوار سب راز افشا کر گئے۔ پھر خالہ کے مجبور کرنے پر بوا نے بتا دیا۔ ویسے بھی کسی مخنث کو اس کی چال سے پہچاننا مشکل نہیں ہوتا' مگر یہ راحت آنٹی کی محنت اور ان کی انتھک کوشش ہے تبھی تو موبی کی چال کو دیکھ کر انسان سوچ میں ضرور پڑ سکتا ہے مگر نتیجے پر پہنچنا آسان نہیں۔" حانی اب سہولت سے اٹھ رہی تھی۔ پھر کچھ پل کھڑے رہنے کے بعد بولی۔

"کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہوتا۔ کمی کہیں نہ کہیں بہرحال ضرور ہوتی ہے۔ کسی کے پاس صورت ہوتی ہے سیرت نہیں ہوتی۔ کسی کے پاس سیرت ہوتی ہے' مگر صورت نہیں ہوتی اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صورت سیرت دونوں سے محروم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی انسان ہر طرح سے مکمل ہو تو اس انسان کو رب رحیم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر کوئی ان ساری چیزوں میں سے ایک آدھ اعضا سے محروم ہو تو اسے بھی اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص دو صنفوں کے درمیان معلق ہو تو وہ صبر شکر اور شکوے کے درمیان گردش کرتا ہے۔ وہ اگر شکوہ کرتا ہے تو اسے کرنے دو، اس کا شکوہ کسی انسان سے نہیں اپنے رب سے ہوتا ہے اور یہ خالصتاً اس کا اور اس کے پیدا کرنے والے کا معاملہ ہے۔

کوئی انسان رب کی بنائی ہوئی چیز کی طرف انگلی اٹھا کر یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ اسے کیوں اور کس لیے بنایا گیا ہے؟ جو سرتابی اور سرکشی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسے شیطان کہتے ہیں منکر کہتے ہیں۔ اللہ نے اس دنیا میں کوئی چیز بے کار اور بے مقصد نہیں بنائی۔

میں صرف اتنا کہنا چاہوں گی حریم! تم ہمیشہ موبی کو ویسا ہی سمجھنا جس طرح سے تم کل رات سے پہلے سے سمجھتی رہی ہو۔ اسے خواجاؤں کی طرح کبھی ٹریٹ نہ کرنا۔ وہ بہت سے اپنے جیسے لوگوں سے مماثلت رکھنے کے باوجود ان جیسا نہیں ہے۔ وہ ان جیسا ہو بھی نہیں سکتا۔ وہ مختلف ہی نہیں منفرد بھی ہے۔ میرا [illegible] ہمدان کہتا ہے۔ منیب عالم کے سینے میں دھڑکنے والا دل اور اس کی زبان عشق کے پانی سے وضو کیے، اس [illegible] کا ورد کیا کرتے ہیں۔ جس تک پہنچنے سے پہلے عقل دنگ اور سوچ زنجیر پا ہو جاتی ہے۔

تم اس سے کبھی نفرت اور کراہیت محسوس نہ کرنا کہ دنیا میں کوئی انسان مکمل نہیں ہے۔ منیب عالم دنیا [illegible] نفرت جھیلنے یا دھتکارے جانے کے لیے نہیں' بلکہ کسی خاص مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ کبھی بے کار سے بے کار وجود بھی ہماری زندگی کی ناؤ بچانے میں خود کو لٹا دیتا ہے۔ بات تو صرف خلوص اور ایثار کی ہے۔ آج ایثار لٹاؤ گی۔ کل ایثار پاؤ گی۔ اس دنیا کا نظام اسی طرح سے چلتا ہے اب اٹھ کر باہر آجاؤ۔ [illegible] کہتی ہوں۔ خالہ کا بھی واپسی کا پروگرام بن رہا ہے اور تم مزید خود کو پریشان مت کرو۔ ماہیر بھائی [illegible] ناراض ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہ آئیں تو تم خود چلی جانا۔ رشتوں میں توازن ہونا چاہیے اتنا نہیں یہ [illegible] توڑ کر رکھ دیتی ہے کمبخت۔" حانی بولتے ہوئے باہر نکل گئی تھی جب کہ حریم کی آنکھیں [illegible] کھلی رہ گئیں۔

"یہ حانی کیا کچھ بول گئی ہے؟" اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیران تھی، سوچوں کے بھنور

میں ڈوب، ابھر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں موبی کے حوالے سے ایک گرہ خود بخود کھلتی چلی گئی
دیر بعد فریش ہو کر باہر چلی آئی۔ لاؤنج میں محفل گرم تھی۔ محسن نہ جانے کون سی فلم کے مکالمے بول
حانی لال ٹماٹر سی شکل بنائے ہنسی ضبط کیے بیٹھی تھی۔ محب اور مہک بھی خوب چہک رہے تھے۔
فاصلے پر خالہ اور بوا بھی نہ جانے کون سے گھمبیر مسئلے پر گفتگو کر رہی تھیں۔ حریم، حانی کے

"ناشتا لاؤں؟" حانی فوراً ہی اٹھنے لگی۔

"اجی، آپ کہاں بھاگی جا رہی ہیں خاتون! ذرا ہمارے دل کا حال تو سن لیجیے۔" محسن نے پھرتی کے ساتھ حانی کا ہاتھ پکڑ کر واپس صوفے پر بٹھایا تھا اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے بیٹھ گئی تو کر دیکھا گیا۔

"بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔" حانی نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کرنے کی کوشش کی۔

"ہم بکواس کریں گے مگر شاعر کی زبان میں پھر تو ناراضگی نہیں بنتی نا۔" محسن بھی کہاں کسی کو خاطر میں لاتا تھا۔ اب جو اس کی زبان شعر اگلنے لگی تھی پھر چلی تو رکی نہیں۔

وصل کو کیسے معتبر سمجھیں
ہجر کا خوف دل پر طاری ہے
آج تو دل کی بات کہنے دو
آج کی شام تو ہماری ہے

وہ لہک لہک کر گنگنا رہا تھا۔ مہک اور محب اس کا مسلسل ساتھ دے رہے تھے۔ حانی تو مہک کی غداری پر اسے گھور بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ مہک صاحبہ فوراً طعنہ دینے لگتیں کہ "بن گئی ہونا، دو گھڑی کی بھابی۔"

محسن کی شوخ نظریں حانی کے آر پار ہو رہی تھیں۔ حانی نے یہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا

"کہاں جا رہی ہو۔ ابھی محفل مشاعرہ اختتام پذیر نہیں ہوئی۔" محسن ایک ہی جست میں دروازے تک پہنچ چکا تھا اور اس کے ہونٹوں سے شگوفے پھوٹ رہے تھے۔

شکستہ تحریروں کے میرے خط تم جلا دینا
جو ہو سکے زندگی میری، مجھے تم بھلا دینا
تلخیاں پی پی کر زہر آلود نہ ہو جائیں کہیں
سکون دل کے خاطر میری جان حانی! ذرا سا
مسکرا دینا

"تم نے کب سے خط و کتاب شروع کر رکھی ہے؟" حریم نے مصنوعی خفگی سے محسن کو گھورا تو وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کان کھجانے لگا۔ مہک نے فوراً راز افشا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"خط حانی کو ملے نہیں تو وہ جلائے گی کیسے؟"

"یعنی اسے چھپے رستم نے خط لکھے ضرور ہیں۔" حریم نے معنی خیزی سے کہا۔

"مگر بے چارا پوسٹ نہیں کر سکا۔" محب نے تاسف کا اظہار کیا۔

"کیوں؟"

"آپ کے خوف سے آپی۔" مہک اس کے کان میں گھسی۔

"کیا مطلب؟" حریم سمجھ نہیں پائی تھی۔

"آپ کی بہن پر ڈورے ڈالنے کی کوشش میں مصروف تھا مگر ساتھ آپ سے جوتے کھانے کا خوف تھا جناب کو۔" محب نے وضاحت کی۔ شاعر صاحب منہ لٹکائے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ان دونوں کو کچا چبا کر دیکھنے کا شغل ترک کر دیا گیا تھا۔

"تم دونوں سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ میرے اعتبار، میرے خلوص کا بھرکس نکال دیا ہے ظالمو!" ن نے دہائی دی۔

"اس کی بکواس پر دھیان مت دیں حاضرین محفل! اسے تو بے تکی ہانکنے کی عادت ہے۔" حانی نے ک کر کہا۔

"میں تمہارے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" اب وہ حریم سے مخاطب تھی۔ حانی اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ ی۔ باقی سب تیاریوں میں لگ گئے۔

شام کو ان لوگوں نے واپس چلے جانا تھا۔ سو اسی لیے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مہک کپڑے استری رہی تھی۔ خالہ اور بوا ابھی تک نہ جانے کس بحث میں الجھی ہوئی تھیں۔ حریم کچھ سوچ کر ان کے پاس آئی۔ دونوں خواتین اسے دیکھ کر چپ سی ہو گئیں۔

"آج رک جائیں نا خالہ۔" حریم نے لاڈ سے خالہ کے کندھے پر بازو پھیلا لیا۔

"کبھی کبھار تو آتی ہیں آپ۔"

"اب تو وقتاً فوقتاً چکر لگاتی رہوں گی۔ تم بتاؤ، کیا رکو گی یا شام کو چلی جاؤ گی؟" خالہ نے اس کے نرم بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"ماہیر خیر سے شام کو آئے گا تو چلی جائے گی۔" بوا پودینے کی پتیاں نوچ رہی تھیں۔ شاید چٹنی بنانے کا ارادہ تھا۔

"میں تو کہتی ہوں۔ ادھر ہی رہ لے۔ وہاں تو آرام بھی نہیں کر سکتی۔" خالہ نے کچھ سوچتے ہوئے دبی سرگوشی میں کہا۔

"ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے۔ ماہیر کہاں مانے گا؟" بوا نے حریم کی مشکل آسان کر دی تھی۔

"ویسے بھی اس کی ساس یہاں نہیں آنے دے گی۔"

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟" خالہ نے حیرانی سے کہا۔

"آپ سمجھیں نا بوا! حریم کا ان دنوں ادھر رہنا نیک شگون نہیں خدانخواستہ بچے پر اثر نہ پڑ جائے۔" ان کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔

"کیسا اثر؟" حریم ٹھٹکی۔

"وہ موبی بھی تو ہے نا بس وہم سا ستا رہا تھا۔"

"موبی کو کوئی چھوت کی بیماری تو نہیں۔" حریم نے دبے لہجے میں کہا۔

"یہاں رہوں یا وہاں رہوں کیا فرق ہے۔"

"پر یہ موروثی تو ہو سکتی ہے۔" خالہ کا انداز پرسوچ تھا۔

"یہ بھی ضروری تو نہیں۔"

"اکثر کیسز میں ایسا ہو جاتا ہے حریم۔" خالہ کا انداز ناصحانہ تھا۔

"مجھے تو حیرت بھائی صاحب پر ہو رہی ہے بھلا کیا ضرورت تھی، جانتے بوجھتے ایسے خاندان [illegible] رشتہ جوڑنے کی۔"

"یہ تو سراسر خدائی امر ہے۔ موبی جیسے لوگوں اور ہر انسان کی تخلیق میں کسی کی ذاتی کوشش کا [illegible] دخل نہیں۔" حریم نے آہستگی سے کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا بیٹی! مگر آنکھوں دیکھی مکھی بھی کوئی نہیں نگلتا۔ لوگ رشتہ داری کرتے ہوئے ہر [illegible] پر غور کرتے ہیں' مگر ہمارے بھائی صاحب پر تو دوست کی محبت کا بھوت سوار تھا۔ تم میں بھلا کون سی [illegible] تھی؟" خالہ نے رسانیت سے وضاحت کی تھی۔

"اور کمی تو ماہیر میں بھی کوئی نہیں۔ اگر گھر کا ایک فرد کسی کمی کا شکار ہو۔ صحیح فطرت پر پیدا نہ ہو [illegible] کیا پورے گھرانے سے تعلق کو ختم کر لیا جاتا ہے۔ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں۔ بہت سے ایسے خاندان موجود ہیں۔ جو کسی نہ کسی شرمناک بیماری میں مبتلا فرد کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ کئی پیدائشی ایب نارمل ہوتے ہیں۔ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اعضاء سرے سے ہوتے نہیں۔ یہ معاشرہ کسی پاگل، مجنون، دیوانے، لولے لنگڑے کوڑھ زدہ مریض کو تو قبول کر لیتا ہے' مگر کسی خواجہ سرا کو قبول کیوں نہیں کرتا۔ جبکہ وہ [illegible] بہترین دماغ اور سوچ رکھنے والا انسان ہوتا ہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو انسانیت کے ناتے بھی ایسے [illegible] بہت زیادہ توجہ، محبت اور ہمدردی کے حق دار ہوتے ہیں۔" حریم نے بہت شائستگی کے ساتھ اپنا نقطہ [illegible] واضح کیا۔

"بیٹا! یہ کتابی باتیں ہیں۔ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں اس کے مروجہ قوانین سے بغاوت نہیں کر سکتے۔" بحث خود بخود کوئی اور رخ اختیار کر رہی تھی۔ بوا بھی خاموش تھیں۔ گویا وہ خالہ کی ہر بات [illegible] متفق خود کو ظاہر کر رہی تھیں۔ اسی پل خانی چائے کی ٹرے اٹھائے چلی آئی۔ موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔

"ماہیر کا کوئی فون آیا ہے؟" بوا پودینے کے پتوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں۔" حریم نے پژمردگی سے جواب دیا۔ دھیان ایک دفعہ پھر کسی اور سمت پرواز کر [illegible] سوچیں گویا پلٹا کھا کر رہ گئیں۔

"تم خود کر لیتیں۔" خالہ نے مشورہ دیا تھا۔

"ابھی کرتی ہوں۔" اس نے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ وہ خود [illegible] کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ اسے ابھی تک اس بات پر شدید غصے کے ساتھ افسوس بھی [illegible]

[illegible] کے لیے ایک دفعہ بھی نہیں کہا۔

[illegible] مر جانے کے لیے [illegible] "موبی کی طبیعت بگڑ گئی تھی تو اس میں بھلا حریم کا کیا قصور تھا؟ وہ ابھی تک سوچوں کے تانوں بانوں [illegible] الجھی بیٹھی تھی جب مہک نے اسے بتایا۔

"حریم آپی! آپ کی ساس کا فون ہے۔"

............*

[illegible] لیے طلوع ہوا تھا۔ رات کو اسے الارم لگانا یاد نہیں رہا۔ ویسے بھی الارم لگانے کی [illegible] ضرورت محسوس ہوتی تھی اور نہ ہی اب عادت رہی تھی۔ صبح آنکھ جب کھلی تو گھڑی ساڑھے آٹھ بجا [illegible] تھی۔ وہ بستر چھوڑ کر واش روم کی طرف بھاگا۔

بمشکل تیاری مکمل کر کے جب وہ کچن میں آیا تو چولہا ابھی تک ٹھنڈا پڑا تھا۔ راحت بیگم سو رہی تھیں۔ [illegible] کے کمرے پر آخری الوداعی نظر ڈالتا باہر نکل آیا۔

رات کو دیر سے سونے اور صبح لیٹ اٹھنے کی وجہ سے وہ آفس سے پہلے ہی لیٹ ہو چکا تھا۔ رات کو [illegible] کی طبیعت کے ساتھ راحت بیگم کی طبیعت بھی بگڑ گئی تھی۔ بلڈ پریشر خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا۔ [illegible] ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ شرمندگی اور خفت کے مارے سر نہیں اٹھ رہا تھا۔ موبی کے ساتھ ساتھ انہیں [illegible] بھی جی بھر کے تاؤ آیا۔ نہ وہ موبی کو ساتھ لے جانے پر انہیں مجبور کرتی نہ موبی اپنی اوقات دکھاتا اور [illegible] انہیں سب کی سوالیہ نظروں کا سامنا کرنا پڑتا۔

موبی کو جس حالت میں گھر واپس لایا گیا تھا۔ جس ذہنی اور جذباتی دباؤ کا شکار ماہیر اور راحت بیگم [illegible] اسے حریم شاید سمجھ نہیں سکتی تھی۔

ماہیر کے ایک دم سے امڈ آنے والے غصے کے پیش نظر راحت بیگم کو زمان و مکاں بھول گئے تھے۔ [illegible] پل بھر کے لیے اس خوف نے اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ ماہیر کہیں موبی کا گلا ہی نہ دبا دے۔ کچھ ایسی [illegible] کیفیت سے ماہیر گزر رہا تھا۔ شرمندگی اور اہانت کے باعث وہ دو گھڑی بھی سسرال میں ٹھہر نہیں پایا [illegible] گو اس نے محسوس کیا تھا کہ حریم اسے پکارتی ہوئی باہر تک آئی ہے' مگر پلٹنے کا فی الحال اس میں حوصلہ [illegible] تھا۔

راحت بیگم نے جو خفیف سا پردہ موبی اور حریم کے درمیان رکھا تھا' وہ اچانک ہی تیز ہوا کے زور سے [illegible] موبی کے بارے میں جن گنے چنے لوگوں کو علم تھا۔ ان میں جمال صاحب بھی شامل تھے۔ مگر [illegible] بیگم کو دل یقین تھا کہ حریم اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس کا لاعلم رہنا ہی ان کے خاندانی وقار [illegible] تھا۔ مگر اب یوں لگتا تھا کہ ساری دھجیاں بکھر سی گئی ہیں۔ ان کی ساری ریاضت بے کار چلی [illegible] لگتا تھا کہ کبھی بھی ان کا سر حریم کے سامنے اٹھ نہ پائے گا۔ عجیب شرمندگی اور خفت نے لپیٹ [illegible]

کچھ ایسی ہی کیفیات ماہیر پر بھی طاری تھیں۔ دل و دماغ میں ایک جنگ سی چھڑی تھی اور نہ جانے [illegible] وہ حریم سے سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔

ایسی ہی الجھی سوچوں کے ساتھ وہ اپنے آفس پہنچا تھا۔ ابھی اس نے اپنا موبائل اور گاڑی کی
ہی تھیں جب کمپیوٹر سیکشن کے باقر نے اس کے کیبن میں جھانکا۔

''خواجہ صاحب یاد فرما رہے ہیں۔''

''کیا پیشی بھگتنی ہوگی؟'' ماہیر نے ٹھنڈی آہ بھری۔ نظر سنہری ڈائل والی رسٹ واچ پر جا رکی۔ صرف بیس منٹ لیٹ تھا۔

''شاید ہاں، شاید نہیں۔'' باقر نے ہمیشہ کی طرح تجسس کری ایٹ کرنا چاہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ اپنی فائلیں ترتیب دے رہا تھا۔

''صرف بیس منٹ لیٹ ہوں اور آج یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے۔''

''ماہیر صاحب! ایک بات کہوں۔'' باقر موجود ہو اور خاموش رہ کر کوئی کام کرے، یہ کبھی ہو ہی نہ سکتا تھا۔

''کیا؟'' ماہیر نے بے دھیانی میں پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے، بس آپ یہاں چند دن کے مہمان ہیں۔'' باقر نے معنی خیزیت سے آنکھیں گھمانے کی کوشش کی تھی، ماہیر ایک دم چونک گیا۔

''کیا میرا ٹرمینیٹ لیٹر تیار ہو رہا ہے؟'' ماہیر کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں ابھر آئیں۔

''ایسا بھی ہوسکتا ہے۔''

''مگر کیوں؟'' اس کی آنکھوں میں سوال ابھر رہے تھے۔

''ظاہر ہے جب آپ کمپنی کی ڈیمانڈ یا مطالبہ وغیرہ نہیں پورا کریں گے۔ آفس کے رولز کو فالو نہیں کریں گے یا پھر آفس کی طرف سے ملنے والے کسی آرڈر کو نظر انداز کریں گے تو ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ آپ ٹرمینیٹ کر دیا جائے۔'' باقر نے پرسوچ انداز میں پہلی مرتبہ سنجیدگی سے کہا۔

''اور میں نے کون سے رولز فالو نہیں کیے؟'' ماہیر نے ناگواری چھپا کر پوچھا۔

''اب دیکھیے نا...... کمپنی کا فیصلہ تھا کہ آپ کو چائنا بھیجا جائے۔ سلیکشن بورڈ نے ضروری کارروائی کر لی تھی مگر آپ سفارش لے آئے۔ میں تو ابھی تک حیران ہوں کہ آپ نے ایسا گولڈن چانس مس کیا ہے۔ لوگ تو ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔'' باقر کو ابھی تک ماہیر کے اس فیصلے پر شدید قلق تھا۔

''ویسے کیا زرجان صاحب سے آپ کی کوئی رشتہ داری بنتی ہے۔'' باقر سچ مچ رپورٹر ہی نہیں بلکہ جاسوس بھی تھا۔

''تمہارا کام کب مکمل ہوگا۔'' ماہیر نے بے زاری ظاہر کرتے ہوئے موضوع ہی بدل دیا۔

''صرف دس منٹ اور لوں گا آپ کے۔'' باقر نے معنی خیزی سے مسکان اچھالی۔ پھر کمپیوٹر اسکرین پر نگاہیں جمائے بولا۔

''میں نے ایک اور بات بھی سنی ہے۔''

''کون سی بات؟'' ماہیر نے پھر اس لیکچر کو منہ لگا لیا۔ حالانکہ ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ باقر کی

نہیں دے گا۔ مگر وہ بھی ایک کائیاں آدمی تھا۔ بات سے بات ایسی نکالتا کہ سوال خود بخود اٹھنے لگتے۔

''آپ کے ٹرانسفر کی پلاننگ ہو رہی ہے۔''

''پھر سے ٹرانسفر......؟'' ماہیر اب کے سچ مچ فکر مند ہوگیا۔

''مجھے تو لگتا ہے آپ کے ستارے گردش میں ہیں۔'' باقر اپنے کاغذات سمیٹ رہا تھا۔ اس پل انٹر کام مخصوص بزر بجا۔ ماہیر انٹر کام کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''سر! آپ کو خواجہ صاحب بلا رہے ہیں۔'' مس نورین نے شائستگی سے کہا۔ مس نورین، ماہیر کی نہیں خواجہ صاحب کی پی اے بھی۔

ماہیر سر ہلا کر باہر نکل گیا تھا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی ایک گہری لکیر صاف دکھائی دے رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر خواجہ امجد نے اس کے ٹرانسفر کی بات کی تو اسے کون سے دلائل پیشگی دینے ہوں گے۔ بات تو طے تھی۔ اسے کم از کم ان حالات میں شہر چھوڑ کر جانا بہت مشکل ہی نہیں ناممکن بھی لگ رہا تھا۔ شہر چھوڑ دینا آسان تھا، مگر ملک اور شہر کو الوداع کہنا آسان نہیں تھا۔ اپنے گھر کے ماحول کے پیش نظر وہ کسی دوسرے شہر میں جانا افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم خواجہ کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

''تشریف رکھیے ماہیر صاحب۔'' خواجہ بولا۔

''اپنی جاب سے مطمئن ہیں؟'' خواجہ کی تمہید سے ہی ماہیر کو گفتگو کا اندازہ ہوگیا۔ تاہم کسی حتمی نتیجے پر ابھی پہنچ نہیں پا رہا تھا۔

''یس سر۔'' ماہیر نے اختصار سے کام لیا۔

''تو کیا خیال ہے۔ آپ کو کراچی برانچ میں ٹرانسفر نہ کر دیا جائے۔'' پیپر ویٹ گھماتے ہوئے خواجہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''سر! میری مرضی جان رہے ہیں یا بتا رہے ہیں۔'' وہ بھی ماہیر تھا۔ سوچ بچار کے بعد اس نے بھی پوچھ لیا۔

''دونوں ہی سمجھ لو۔'' اپنے بہت ہی ذہین اور ذمہ دار ورکر سے بات کرتے ہوئے خواجہ کا انداز بھی دوستانہ سا ہوگیا۔

''ویسے اپنے کیریئر میں بریک دینا، عقلمندی نہیں۔'' خواجہ کا اشارہ وہ اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا۔

''سر! کچھ مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کامیابی کی راہیں بلاک کر دیتی ہیں۔ اس وقت میری فیملی کو ... ہے، میں انہیں فی الحال تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔'' ماہیر نے رسان سے وجہ بتائی۔

''تو اپنی فیملی کو بھی ساتھ لے جائیں۔ آپ کو کمپنی کی طرف سے فرنشڈ فلیٹ ملے گا۔'' وہ ایک بہت سہولیات سے مزین آفر دے رہا تھا۔ مگر کیوں؟ کیا وجہ تھی؟ یہ مہربانی ماہیر عالم کے لیے کیوں؟ پہلے چائنا آفر اور اب کراچی میں ٹرانسفر۔

''آپ کی سیلری میں بھی اضافہ کر دیا جائے گا اور گاڑی کی سہولت بھی میسر ہوگی۔'' خواجہ اس کے

چہرے پر لکھی تحریر اور تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہا تھا' تاہم وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ... یہ تو اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا۔ ماہیر کے چہرے کی تاثرات بالکل سپاٹ تھے۔

''اگر میں اس آفر کے بجائے اسی جگہ اپنی خدمات سرانجام دوں تو پھر؟'' بہت دیر سوچ ... وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ایک بات واضح ہو رہی تھی کہ اس معاملے میں کوئی اور ہی راز پنہاں تھا ... رولز اچھی طرح سے جانتا تھا اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ کسی بھی ورکر کو کہیں بھی ٹرانسفر کرنا ہو تو ورکر ... جاننے کے بارے میں مالکان ہرگز بھی اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرتے اور پھر خواجہ امجد جیسے ... فائدے کے کسی سے کلام بھی نہیں کرتے۔ وہ بات کی تہہ میں اترنا چاہتا تھا' مگر فی الحال کچھ بھی ... نری حماقت تھی۔

''تو پھر آپ کو ٹرمینیٹ کر دیا جائے گا۔'' خواجہ نے دوٹوک انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''سر! باقر اس آفر کے لیے مناسب رہے گا۔ اس پر ایسی کوئی خاص ذمہ داریاں بھی نہیں ... بہت مجبور ہوں سر! یہاں دو ڈاکٹر ایسے ہیں جو میرے چھوٹے بھائی کا علاج کر رہے ہیں۔ مجھے ہر ہفتے چیک اپ کروانا ہوتا ہے۔ میری والدہ بھی ذہنی امراض کے ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ لے رہی ہیں۔''

''ماہیر صاحب! ایک بات تو بتایئے؟'' خواجہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''جی سر!'' ماہیر گویا خود بخود سمجھ رہا تھا کہ اس کے لیے کچھ بڑی مشکلات کا ایک پہاڑ کھڑا ہو ... اسے اس پہاڑ کو کیسے سر کرنا تھا۔ ابھی یہ سوچنا محال تھا۔

''محترمہ فلک ناز سے آپ کی کچھ عداوت چل رہی ہے؟'' خواجہ کا انداز معنی خیز قسم کا تھا۔

''محترمہ فلک ناز!'' ماہیر حیران سا رہ گیا۔ وہ تو اس نام کی کسی خاتون کو جانتا تک نہیں تھا۔

''اوکے ماہیر صاحب! آپ کے پاس ڈیڑھ ماہ تک کا وقت ہے۔ اچھی طرح سے سوچ لیجیے ... آفر برقرار ہے۔ آپ کا ساتھ بہت پرانا ہے ہماری کمپنی سے سو اسی حساب سے ہماری خواہش ... کے لیے کچھ بھی مشکلات کری ایٹ نہ ہوں۔ ہم آپ کو مزید اس برانچ سے منسلک نہیں رکھ سکتے ... ہماری مجبوری سمجھیے گا۔'' خواجہ نے دوٹوک بات کے اختتام پر ماہیر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا اشارہ ... باہر نکل آیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی ایک گہری لکیر تھی۔

''یہ فلک ناز کون ہے؟ میری دربدری سے بھلا اس عورت کو کیا فائدہ ہوگا؟ کون سی عداوت ... اس ساری گنجلک کہانی کا کوئی سرا فلک ناز سے جا ملتا ہے؟''

''ہم آپ کو مزید اس برانچ سے منسلک نہیں رکھ سکتے۔'' خواجہ کی آواز گویا اس کے دماغ ... برسا رہی تھی۔

''بھلا کیوں؟ کس لیے؟'' اس کا ذہن سوال اگل رہا تھا۔

''اس لیے کہ فلک ناز نہیں چاہتی؟'' جواب بھی کہیں آس پاس موجود تھا۔

''مگر خواجہ انڈسٹریز میں فلک ناز کا کیا عمل دخل۔'' دماغ نے ایک اور نقطہ اٹھایا۔

''لگتا ہے کہ خواجہ کے ساتھ کوئی بڑی ڈیل طے کی گئی ہے۔''

''کیسی ڈیل؟'' وہ چونکا۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔''

''مگر وقت بھلا بتائے گا کب؟ جب ہاتھ خالی ہوں گے۔'' ماہیر کو اچانک ہاتھ سے نکل جانے والی ... کا خیال آیا تھا' جس نے آڑے وقتوں میں کبھی اسے لحظہ بھر کے لیے بھی ڈگمگانے نہیں دیا۔ مگر اس ... جب خواجہ امجد کے بجائے خواجہ خالق اس کمپنی کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے اور وہ بہت ہی ذہین اور ... درد مند دل رکھنے والے انسان کے ساتھ ساتھ جوہر شناس بھی تھے اور ان کی نظر نے سیپ میں بند موتی کو ... ایسی نظر ہر کوئی نہیں رکھتا تھا۔ ہر کسی کے پاس پرکھنے والی آنکھ نہیں ہوتی۔ اس فن سے بھی کسی کسی ... نوازا جاتا ہے۔

خواجہ خالق کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے خواجہ امجد نے باپ کی سیٹ سنبھال لی تھی۔ مسلسل کئی سالوں سے وہ پرافٹ ایبل بزنس کر رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ اس کا ایماندار اور محنتی سٹاف بھی ... وہ ایک ذہین سرمایہ کار تھا تاہم اس کے پاس ''ہیرے'' کی پہچان کرنے والا کوئی آلہ نہیں تھا۔

تبھی تو وہ چند کروڑ کی خاطر ایک بہترین دماغ کا سودا کر رہا تھا۔ اس سوداگری میں وہ ایک بہترین سوچ رکھنے والے ایک بے تحاشا ذہین آدمی کو کھونے والا تھا۔

یہ تب کی بات ہے جب خواجہ انڈسٹریز کا نام ڈوب رہا تھا اور بزنس کی دنیا میں ایک اور درخشاں ستارہ ابھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور یہ بہت پرانی بات تو ہرگز نہیں تھی کون سا زمانے بیت گئے تھے۔

ماہیر عالم جس کمپنی میں انٹرویو دے کر آیا تھا۔ وہ کمپنی دیوالیہ ہونے کے قریب قریب تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ایک معمولی سا طالب علم تھا۔ جو باپ سے چوری چھپے نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا۔ تب اس کی نظر اخبار کے ایک اشتہار پر پڑی اور وہ دوسرے ہی روز خواجہ انڈسٹریز کے اونر کے سامنے جا بیٹھا۔

اس کا انٹرویو ہوا اور وہ سلیکٹ ہونے کی امید نہ رکھتے ہوئے بھی سلیکٹ ہو گیا۔ وہ آج بھی حیران ہو کر سوچتا تھا کہ اسے کس بنیاد پر منتخب کیا گیا ہے۔ البتہ جاب کے دوسرے روز ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ایک چیلنج دیا جانے والا ہے۔

خواجہ صاحب نے اسے بتایا تھا کہ ایک بہت بڑی، بہت ہی گرینڈ پارٹی میں اسے شرکت کرنا ہے۔ ... پارٹی میں ملک کے نامور سرمایہ دار آئیں گے۔ یہ پارٹی کاروبار کو وسعت دینے کی ایک کڑی ہوگی۔ ... جس کا سکہ چل گیا' وہ ہی کامیاب ہوگا۔

ماہیر کے ذمہ جو کام لگایا گیا تھا۔ وہ اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا۔ مگر وہ فکرمند اس لیے بھی تھا کہ بھلا ... دیوالیہ ہوتی کمپنی کے ساتھ کسی نئے ایگریمنٹ پر سائن کرے گا۔

اسے جس ابھرتے ستارے سے ملاقات کے متعلق بریفنگ دی گئی تھی۔ اس سے مل کر ماہیر حیران رہ ... کا ہم عمر نوجوان تھا۔ بے حد ذہین اور روشن آنکھوں والا۔ وہ بھی ماہیر کی طرح کتابوں کی دنیا کا ... بزنس کی کتاب پڑھتے پڑھتے عملی زندگی میں نہ جانے کیوں داخل ہو گیا تھا۔ یہ پہلی ملاقات تھی

اورے پیا

ماہیر عالم کی زرجان عباس سے اور یہ پہلی کامیابی تھی ماہیر عالم کی جو اسے زرجان عباس کے توسط سے ملی۔ زرجان عباس نے ایک دیوالیہ ہوتی کمپنی کے ساتھ ڈیل کرلی۔ سو خواجہ انڈسٹری کو ایک عالم میں سہارا مل گیا۔ اس کامیابی کا سہرا خواجہ خالق نے ماہیر عالم کے سر پر سجا دیا سو اس کمپنی نے خسارے کا کوئی سودا نہیں کیا تھا۔

ماہیر کے اس ایگری منٹ کے بعد زرجان سے کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ سننے میں آیا وہ اسٹڈیز کے لیے ابراڈ چلا گیا ہے۔

بہت سالوں بعد جب زرجان عباس کے نقوش تک ماہیر عالم کی یادداشت سے محو ہو چکے تھے۔ قطعاً بھول چکا تھا کہ وہ کسی زرجان عباس سے کبھی ملا بھی ہے۔ تب شاید دوسری مرتبہ ماہیر نے اسے شادی کے موقع پر دیکھا تھا۔ مگر وہ اسے قطعاً پہچان نہیں پایا۔

تب وہ حیران رہ گیا تھا کہ بھلا اس کا حریم جمال سے کیا تعلق ہے اور حریم کی چھوٹی بہن حانی کے کان میں گھسی بتا رہی تھی۔

"یہ میرے زرجان بھیا ہیں۔ ہمارے چچا جمشید عباس کے سب سے چھوٹے بیٹے۔ آپ جانتے ہیں ماہیر بھائی۔"

"ہاں......شاید۔" وہ ماہیر عالم کو کامیابی کے زینے کی طرف لے جانے والا راہنما تھا۔ اگرچہ ماہیر عالم اس کا چہرہ بھول سکتا تھا' مگر وہ احسان ہرگز نہیں جو زرجان عباس نے اس کی ذات پر کیا تھا۔

"تمہارے یہ زرجان بھیا بھلا کب دریافت ہوئے؟" ماہیر نے مذاقاً حانی کو چھیڑا۔ ظاہر ہے سالوں سے ان کا جمال انکل کے گھر آنا جانا تھا۔ اس سے پہلے ماہیر نے کبھی زرجان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

"جمشید چچا کی بیماری اور ڈیتھ کے دوران، زرجان بھیا نے خود ہم سے رابطہ کیا تھا۔" حانی نے مصنوعی خفگی سے بتایا۔

"اس سے پہلے زرجان بھیا کہاں تھے؟" ماہیر نے اسے پھر سے چھیڑا۔

"تب وہ پڑھنے کے لیے یورپ میں مقیم تھے۔ اور رہے جمشید چچا تو وہ اپنی بچپن کی منگ چھوڑ کے بعد باس کی بیٹی سے شادی کے جرم میں گھر بدر کر دیے گئے تھے۔ مگر سننے میں آیا تھا۔ ان کی وہاں بھی نبھ نہیں سکی۔" حانی نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اور اب ادھر کے چکر کیوں لگ رہے ہیں زرجان بھیا کے۔" ماہیر نے زرجان بھیا کو چڑ ہی بنا لیا۔

"ان کے تایا کا گھر ہے، جب مرضی آئیں۔ آپ کیوں جیلس ہو رہے ہیں۔" حانی نے چڑ کر کہا۔

"مجھے تو جیلسی فیل ہو رہی ہے کیونکہ حانی زرجان بھیا کا ورد جو کرتی رہتی ہے۔" ماہیر نے حیرت کے عالم میں وجہ بتائی۔

"آپ کے نام کا ورد بھی اسی طرح سے کرتی ہوں۔" حانی نے اپنے تئیں اس کی تسلی کی۔

"کیا محسن کو بھی کبھی یاد کیا ہے؟" ماہیر کی آنکھوں میں ڈھیروں شرارت بھر گئی۔

"محسن" حانی کا دل گویا دھک سے رہ گیا۔

"نہیں محسن کے بارے میں کیسے پتا چلا؟"

"حیران کیوں ہو رہی ہو حانی۔"

"محسن بیچ میں کہاں سے آ گیا ہے؟" حانی نے تپ کر پوچھا۔

"میں نہیں جانتی کسی بھی محسن کو۔"

"میں تو جانتا ہوں۔"

"مگر کیسے؟" حانی نے بے تابی سے پوچھتے ہوئے گویا خود ہی راز بھی اگل دیا۔

"آپ کو حریم نے بتایا ہوگا۔"

"وہ مجھے کیا بتائے گی۔ اسے تو اپنا بھی پتا نہیں ہوتا۔" ماہیر نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

"تو پھر آپ کو محسن کے بارے میں کیسے پتا چلا۔" حانی نے سرگوشی نما آواز میں پوچھا۔

"بھئی وہ ہماری حانی کو اتنی میٹھی نظروں سے دیکھتا ہے بھلا پتا کیسے نہیں چلے گا۔"

"ہائے ماہیر بھائی! کتنے چالاک ہیں آپ۔" حانی نے دہائی دی۔

"آپ اپنی شادی کی رسموں کو انجوائے کر رہے تھے یا پھر جاسوسی؟"

"دونوں کام کر رہا تھا۔ فارغ بیٹھ کر کرتا ہی کیا تھا۔"

"اچھا، اب حریم کو مت بتائیے گا۔" حانی نے فوراً عہد لینا چاہا۔

"بھلا کیا؟"

"یہ محسن کا بچہ آپ کی شادی میں مجھے گھورتا رہا ہے۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"محسن کے بچے نے حانی سے کوئی بات نہیں کی؟" ماہیر اس کے معصومانہ انداز سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"بھلا کر کے تو دیکھتا، جان نہ نکال لیتی۔ اب دیکھنے پر تو پابندی نہیں لگائی جا سکتی نا۔" حانی نے بے بسی سے بتایا۔

"سو تو ہے۔" ماہیر نے فوراً اتفاق کیا۔

"ویسے زرجان بھیا نے بھی یہ بات نوٹ کی ہے۔ بس ایک خبر نہیں ہوئی تو ہماری بہن کو۔" حانی نے ہنسی سے کہا۔ گیٹ پر کسی کی گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ حانی کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"بھلا کون سی بات؟" ماہیر نے جان بوجھ کر شرارتاً پوچھا۔

"جائیے اپنا راستہ ناپیے۔ سب جان کر بھی بھولے بنتے ہیں۔" وہ معصومیت سے بولتی ہوئی لنگڑاتے ہوئے چلی گئی اور ماہیر تاسف سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے حانی کی خوشی سے بھرپور آواز سنائی دی۔

"زرجان بھیا۔" وہ چلا رہی تھی۔

اورے پیا

"زرجان!" ماہیر عالم کی سوچوں کو بھی یکدم بریک لگ گئے۔ اسے محسوس ہورہا تھا کہ پریشانی کو کنارا مل گیا ہے۔ اپنے کیبن میں جاتے ہوئے وہ زرجان عباس سے ملاقات کا پ... دے رہا تھا۔

............*

"السلام وعلیکم امی!" نہ جانے کن وقتوں سے حریم نے فون اسٹینڈ تک کا سفر طے کیا... سے رات کا منظر پوری جزئیات کے ساتھ زندہ ہوگیا تھا۔ موبی کے تھرکتے قدم، لہراتے باز... رہا تھا گویا ذہن میں بھی موبی کے قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے گول گول گھوم رہی ہے۔

"حریم! کہاں ہو تم؟" آئی کیوں نہیں۔ دوسری طرف سے راحت بیگم کی بھرائی آواز سنائی... تھی۔

"جی امی! گھر میں ہی ہوں۔ آپ خیریت سے ہیں۔" حریم نے سنبھل کر پوچھا۔

"کب آؤ گی؟" ان کے لہجے سے بے تابی ہویدا تھی۔ آواز سے بھی محسوس ہورہا تھا گویا... رہی ہیں۔

"شام تک آجاؤں گی۔" حریم کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی روکھا سا ہوگیا۔

"ابھی آجاؤ۔" انہوں نے بچوں جیسے ضدی انداز میں کہا۔

"ابھی فی الحال نہیں آسکتی۔ شام تک خالہ بھی چلی جائیں گی۔ آپ سنائیں، موبی تو ٹھیک ہے؟" ... نے سرسری سا لہجہ بنا کر پوچھا۔

"اس کمبخت نے کہاں ٹھیک ہونا ہے۔" ان کا انداز جان چھڑوانے والا تھا۔ گویا وہ موبی کا... نہیں چھیڑنا چاہتی تھیں۔

"تم آتو جاؤ گی؟" ان کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔

"جی......"

"ضرور آجانا۔ ماہیر کے انتظار میں بیٹھی نہ رہنا۔ میرا دل بری طرح سے گھبراہٹ کا شکار ہے۔"

"میں ابھی کچھ دیر تک آجاتی ہوں۔ دوپہر کے لیے کھانے کا تردد نہ کیجیے گا۔ میں ساتھ لے... گی۔" حریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہہ دیا۔ راحت بیگم کا ابھی مزید گفتگو کرنے کا ارادہ تھا مگر شاید... چکا تھا اور انہیں آوازیں دے رہا تھا۔ سو فون رکھ کر وہ موبی کی پکار پر اٹھ گئی تھیں۔ حریم بھی فون ر... پلٹی ہی تھی جب لاؤنج سے آتی شور کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔

"کون آیا ہے؟" وہ ابھی اسی سوچ و بچار میں گم کھڑی تھی جب مہک نے کچن کی طرف جا... بتایا۔

"زرجان بھیا آئے ہیں۔"

"زرجان آیا ہے؟" حریم سن سی ہو کر رہ گئی۔ یوں لگتا تھا گویا جسم میں گردش کرتا لہو تھم... گیا ہے۔

"کیوں آیا ہے؟" وہ گویا خود سے سوال کررہی تھی۔

"کیا تم نہیں جانتیں؟" کسی نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"کیسی سنگدل ہو حریم!" کسی نے تاسف سے اس کے دل میں چٹکی بھری۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ خفگی جتانے لگی۔

"اب ایسی بھی لاپروانہ بنو۔ وہ یہاں تمہارے لیے تو آتا ہے۔"

"تو نہ آیا کرے۔" حریم نے رکھائی سے جواب دیا۔

"میں نے کون سا اس کے ساتھ پیمان باندھے ہیں۔ کیوں خود کو برباد کررہا ہے؟"

"تمہیں کس نے کہہ دیا ہے کہ وہ خود کو برباد کررہا ہے۔" بڑا تیکھا سا سوال ابھرا۔

"تو پھر اپنی نیا پار کیوں نہیں لگاتا۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"اسے انتظار ہے؟"

"کس کا۔" حریم کا دل گویا دھک سے رہ گیا۔

"اس لڑکی کا جو حریم دل میں اجالا بھر دے گی۔" بڑا مبہم سا جواب تھا۔

"زرجان عباس کے حریم دل (دل کی چار دیواری) میں اجالا کون بھرے گی؟"

"اسی کا تو انتظار ہے؟" پھر سے وہ ہی آواز سنائی دی۔

"اور وہ کون ہے۔" حریم نے چپکے سے پوچھ ہی لیا۔

"تمہیں اس سے کیا لینا دینا حریم!" یہ ناراض ناراض سی آواز اس کے دل سے ابھری تھی۔ وہ خود کو ...بتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے لگی تو حانی نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑی حالانکہ وہ اچھی بھلی کچن میں جا ...ئی تھی مگر اسے دیکھ کر رک گئی۔

"حریم......!"

"کیا ہے؟" وہ بغیر پلٹے بولی۔

"کہاں جارہی ہو؟" حانی نے آنکھیں میچ کر پوچھا یہ اس کا مخصوص اسٹائل تھا۔

"اپنے کمرے میں دیکھ تو رہی ہو۔" حریم نے بغیر برا مانے بتایا۔

"لاؤنج میں آجاؤ۔" حانی کے لہجے میں تحکم تھا۔

"کیوں؟" وہ جانتے بوجھتے انجان بنی۔

"دراصل زرجان بھیا آئے ہیں نا۔"

"تو میں کیا کروں؟" حریم کے لہجے میں ناگواری بھر آئی۔

"تمہارا پوچھ رہے ہیں۔" حانی نے ناراضی سے بتایا۔

"کیوں؟" حریم کے آگے بڑھتے قدم زنجیر پا ہوگئے۔

"ضرور کوئی کام ہوگا۔" حانی نے معنی خیزی سے کہا۔

"مجھ سے بھلا کیا کام ہوسکتا ہے؟" وہ پرسوچ انداز میں حانی کو دیکھنے لگی۔

"اب یہ تو مجھے نہیں پتا۔" حانی نے شانے اچکائے۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ حانی [illegible] رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں شرارت بھری تھی۔

"ویسے راحت آنٹی کیا کہہ رہی تھیں؟" معاً حانی کو خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"گھر آنے کا کہہ رہی تھیں۔ مگر اس وقت میں جاؤں بھلا کیسے۔" حریم نے بے زاری سے کہا۔

"زرجان بھیا ہیں نا...... میں ان سے کہتی ہوں جاتے ہوئے تمہیں ڈراپ کر جائیں گے۔" حانی نے چٹکی بجاتے ہوئے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔

"ویسے میں نے زرجان بھیا سے بہت لڑائی کی ہے۔" اب وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

"کیوں؟" حریم نے بے خیالی میں پوچھ لیا۔

"رات کو وہ آئے جو نہیں اس لیے۔"

"تو کیوں نہیں آیا؟" اس کا دھیان اب بھی کہیں اور تھا۔

"کسی نے بلایا جو نہیں۔" اک ٹھہری ہوئی سنجیدہ سی دھیمی آواز حریم کی پشت سے ابھری۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر نہ جانے کب چپکے سے آکھڑا ہوا۔

"بلایا تو تھا۔" حریم سنبھل کر بولی۔

"کیوں حانی؟" اب وہ حانی کی طرف متوجہ تھی۔

"آپ بہانے بازی سے کام نہ لیں۔ بابا نے فون تو کیا تھا اور جو رات کو میں نے اتنی لمبی بات [illegible] اور آپ جناب میٹنگ کے رونے رو رہے تھے۔" حانی بھی گویا ادھار کھائے بیٹھی تھی۔

"سوری گڑیا!" زرجان نے کان کھجاتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ یہ اس کی بہت ہی اچھی عادت تھی کہ وہ بلاوجہ بات کو طول نہیں دیتا تھا۔

"نیکسٹ ٹائم ایسا نہیں ہوگا۔"

"زرجان بھیا۔" حانی گویا چلا اٹھی۔

"میرا نیکسٹ ٹائم ایک اور منگنی ارینج کرنے کا ارادہ نہیں۔"

"پگلی! زرجان شادی کی بات کر رہے ہیں۔" حریم نے ہنس کر وضاحت کی۔ زرجان کے لبوں پر تائیدی سی مسکان پھیل گئی۔

"تب آپ نے ڈنڈی مارنے کی کوشش کی تو پھر دیکھیے گا۔" حانی کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔ محسن بھی نہ جانے کسی کونے سے برآمد ہوگیا۔

"محترمہ! یہ ڈنڈی کی وضاحت تو کر دیں۔"

"تم میرے منہ نہ ہی لگو تو بہتر ہے۔" حانی اسے دیکھتے...... ہی بری طرح سے چڑ گئی۔

"اتنے سنجیدہ موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ بیچ میں تم ٹپک پڑے۔"

"کیوں میں ایسی عالمانہ گفتگو سے فیض یاب نہیں ہوسکتا۔" محسن چڑنے والوں میں سے [illegible]

"تم میں عالمانہ گفتگو [illegible] ہی نہیں۔" حانی کی زبان بھی منہ کے اندر نہیں رک سکتی تھی۔

"کچھ شرم کرو تم دونوں۔" زرجان کی موجودگی میں ان دونوں کو چونچیں لڑاتے ہوئے دیکھ کر حریم [illegible] سے کہا۔

"میں تو شرم کر لیتا ہوں آپی! کچھ اسے بھی شرم وحیا کا سبق پڑھا دیجیے۔" محسن نے مچل کر منہ بنایا۔

"اس نے کیا شرم و حیا کا انسٹی ٹیوٹ کھول رکھا ہے۔" حانی کو بھی بغیر سوچے سمجھے بولنے کی بیماری [illegible] حریم گویا خفت زدہ سی رہ گئی۔

"حانی تم غالباً کچن میں جا رہی تھیں۔" وہ اسے موضوع سے ہٹانا چاہ رہی تھی۔

"جانا تو تھا مگر مہک نے چائے بنالی ہے۔" حانی کے پاس ہر جواز پہلے سے تیار شدہ مل سکتا تھا۔

"مہک کے ہاتھ سے بنی چائے کون پیے گا۔" محسن گویا صدمے کے زیر اثر ڈگمگا گیا۔

"کوؤں کے آنسوؤں سے مشابہ چائے بھلا پی بھی کون سکتا ہے۔"

"تم نہ پینا...... کس نے مجبور کیا ہے۔ ویسے ابھی زرجان بھیا کے آنے سے پہلے بھی تو تم دو کپ چڑھا چکے تھے۔" حانی نے جتا کر کہا۔

"اب مہمانوں کا تم کھایا پیا گنوگی۔" محسن کو صدمے کے مارے چکر سا آگیا۔

"ویسے زبان سے ہی کہہ دو کہ ہم لوگ اپنا راستہ ناپ لیں۔"

"میرے کہنے کی ضرورت کہاں بچی ہے۔ مہمانوں کو خود سے ہی شرم آگئی ہے۔ اب جتانے کا بھلا کیا [illegible]"

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" محسن نے تاسف کا برملا اظہار کیا۔

"زرجان بھائی! یہ سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتی ہے۔ ابھی کچھ کھلا پلا دے گی۔ دوسرے [illegible] شروع کر دے گی۔ آپ بھی ذرا خود پر آیت الکرسی پڑھ کر چائے کو ہاتھ لگائیے گا۔ محترمہ کی نظریں [illegible] خطرناک ہیں۔ کہیں پیٹ میں اینٹھن نہ ہو جائے۔"

"یہ چائے ہے۔ ماش کی دال نہیں۔" مہک کے ہاتھ سے ٹرے پکڑ کر حانی نے ناگواری سے کہا۔

"تمہاری نظر پتھر پھاڑ سکتی ہے۔ یہ تو پھر ہمارے نازک نازک سے معدے ہیں۔" وہ چائے کا کپ [illegible] نکلا۔ زرجان ان کی شرارت سے محظوظ ہوتا چائے کے سپ لے رہا تھا۔ اس کی نظریں اپنے [illegible] طرف جاتی حریم کی پشت پر تھیں۔

"حانی انہیں کہو، تیار ہو جائیں۔"

"کس کو؟" حانی کا دھیان ابھی تک محسن میں اٹکا تھا۔

"حریم سے کہو تیار [illegible] جائیں۔" زرجان نے وضاحت کی تھی۔ حریم کا نام لبوں سے ادا کیا ہوا تھا۔ [illegible] کیسا قابل احترام نام تھا یہ اس کی جھکی نظر اٹھ ہی نہیں پائی۔ حانی کا دل گویا

"بھیا! ایک بات کہوں؟" وہ زرجان کے پیچھے چلتی ہوئی سٹنگ روم میں آئی۔

"بولو۔" اس کی نظریں اب بھی اپنے چائے کے کپ پر مرکوز تھیں۔

"زرجان بھیا! آپ شادی کرلیں نا۔"

"اچھا۔" زرجان مسکرا دیا۔

"یہ خیال آپ کو کیسے آیا؟"

"آپ کو شادی کرلینی چاہیے۔ باتوں میں مجھے مت الجھائیں۔ حانی خلوص دل سے بولی۔

"کس سے کرلینی چاہیے۔" اس نے ایسے ہی بات بڑھانے کی غرض سے پوچھ لیا۔ حالانکہ دھیان کہیں اور تھا۔

"آپ ہامی تو بھریں۔ لڑکیوں کی لائن لگا دوں گی۔" حانی جوش سے بولی۔

"اچھا......" زرجان پھر سے مسکرا دیا۔

"کوئی اچھی سی ڈھونڈنا۔"

"حریم جیسی ہوگی......" حانی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ساتھ ہی اس نے زبان دانتوں تلے

"ایسی تو کوئی نہیں ہوگی۔" زرجان کے لبوں پر زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ سامنے سے آتی دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"بابا تو سو چکے ہیں۔ انہیں میرے جانے کے متعلق بتا دینا۔ حریم جوتے کے اسٹیپ بند کرنے کے لیے قدرے جھک گئی۔ تبھی خالہ اور بوا بھی آگئی تھیں۔ وہ سب حریم کو گیٹ تک چھوڑنے کے لیے آگئے۔"

محسن گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولے کھڑا تھا۔ حریم قدم گویا لڑکھڑا گئے۔ اس کے ہاتھ نے بک چھوا تھا۔

"زرجان بھائی آپ کے ڈرائیور نہیں ہیں محترمہ۔" محسن کی زبان کس قدر چکنی تھی۔ پھسلنے لگتی۔

"تشریف رکھیے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر فرنٹ سیٹ پر اسے دھکیلنے کے بعد چھوٹا سا سوٹ کیس لایا۔

"جائیے، آپ کو اللہ کی امان میں دیا۔ بس آپ کے نکلتے ہی ہم بھی رخت سفر باندھتے سب نے الوداعی نظروں سے لحہ بہ لحہ اوجھل ہوئی گاڑی کو دیکھا تھا۔ خالہ کی نظر میں ایک حسرت لی تھی۔ ان کی پرسوچ سی نظر بوا کے چہرے پر آٹکی۔

"بوا! یہ اپنا زرجان کس قدر سجیلا ہے۔ بالکل جمشید جیسا۔"

"ہاں۔" بوا بھی گویا کسی خوشنما منظر کے سحر میں تھیں۔

"ایک بات پوچھوں؟" بچوں کے منظر سے ہٹتے ہی انہوں نے رازداری سے بوا کی طرف ہوئے کہا۔

"پوچھو۔" بوا تخت پر ٹک گئیں۔ ساتھ ہاتھ بڑھا کر پاندان کو بھی کھسکا کر اپنے قریب کیا۔

"زرجان کیا حریم سے شادی کا خواہش مند تھا؟" ان کے لہجے میں واضح جھجک تھی۔

"ہوں۔" بوا نے ہنکارا بھرا۔

"تو پھر کیا؟ بھائی صاحب نہیں مانے؟ کیا اس لیے کہ وہ جمشید کی اولاد ہے۔ ایک نافرمان، باغی کی" ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ چبھ رہے تھے۔ بوا نے ایک طویل سانس خارج کیا۔ ان کے چہرے پر جھریوں کے جال میں بہت سی کہاوتیں سر پٹخ رہی تھیں۔

"بس یہی سمجھ لو نور ینہ۔" بوا گویا تھک سی گئیں۔

"زرجان میں اگرچہ کوئی کمی نہیں...... سب سے بڑھ کر اپنا خون۔ اپنے جگر کا ٹکڑا۔ مگر حریم بھی تو بچپن کی منگ تھی اور تم سے بہتر بھلا کون جانتا ہے کہ ہمارے ہاں بچپن کے رشتوں کی کیا اہمیت ہوتی

اور پھر حریم بھی تو ماہیر کی طرف ملتفت تھی۔ ظاہر ہے ایک نام جو ذہن اور دل پر اوائل عمری میں نقش تو بھلا کیسے اسے کھرچ ڈالتی۔ پھر یہ زرجان کیوں ایک لاحاصل سفر کا انتخاب کر بیٹھا ہے۔ وہ گویا خود کے سے انداز میں بول رہی تھیں۔

"جمشید کی بیوی کے نخرے کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ زرجان کے کہنے پر آ تو گئی تھی مگر پھر سیدھے منہ کسی بات نہ کی۔ جمال کو پہلے سے ہی غصہ بہت تھا۔ پھر بات حریم کی ہوئی تو اسے اور بھی غصہ آگیا۔ ظاہر حریم کا رشتہ تو طے تھا اور اس عورت کی عقل بھی تو دیکھو۔ رشتوں کی نزاکتوں کو سمجھے بغیر حریم پر اپنا حق جتانے لگی۔ ایسے تکبر سے بول رہی تھی۔ گویا بچی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ چلتا کردیں گے۔ کہنے لگی منگنی ہی تو ہوئی ہے کون سا نکاح کردیا ہے۔ اگر نکاح بھی ہوا ہوتا تو مسئلہ نہیں تھا۔ نکاح بھی تو توڑے جاسکتے ہیں۔ بس پھر میں نے اور جمال نے خوب کھری کھری سنا دیں۔ بھلا اس کی دولت سے ہمیں کیا لینا دینا۔ بس اسی دولت نے اکڑتی پھر رہی تھی۔ ورنہ جمشید کی تو جوتی کے برابر بھی نہیں تھی۔ نہ صورت نہ سیرت ہونہہ۔" بوا نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔

"اور اس قصے میں نقصان کس کا ہوا۔" خالہ کی آواز بھرائی سی تھی۔

"نقصان تو زرجان بچے کا ہوا۔ پر بیٹی! یہ تو نصیب کی بات ہے۔ تقدیر کے فیصلے ہیں۔ اللہ حریم کو ہر سے نوازے۔ ماہیر کسی سے کم تو نہیں ہے۔ اللہ آباد شاد رکھے دونوں کو۔"

"بات تو ساری دل کی خوشی اور رضا مندی کی ہوتی ہے۔ حریم کا دل تو ماہیر کی طرف مائل تھا۔ زرجان سے رشتے سے کون سی خوشی ملنی تھی۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"اسی لیے تو زرجان کی ماں کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔ اپنے بچوں کے دل کی خوشی بھی تو دیکھنا ہوتی ہے مزید بتایا۔

"زرجان کی ماں نے اس بات کو انا کا مسئلہ نہ بنایا؟" جتنا وہ جمشید کی بیوی کے متعلق جانتی تھیں انہوں نے دوسروں سے سن رکھا تھا اس لحاظ سے تو جمشید کی بیوی فلک ناز بہت ہی ضدی انا

پرست اور مغرور عورت تھی اور ایسے لوگ اپنی توہین کسی صورت بھی گوارا نہیں کرتے۔

"ہمارا اس سے پھر سامنا نہیں ہوا؟"

"اور اس نے کبھی زرجان کو ادھر آنے سے روکا نہیں۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے بوا کو دیکھا تھا۔

"روکتی تو ضرور ہوگی۔ مگر بچہ کون سا ماں کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے۔ ویسے ایک بات تو ہے" بوا نے اک نئے پان کی گلوری بنا کر منہ میں رکھی۔

"کیا؟" انہوں نے بیگ اٹھا کر باہر کی طرف نکلتے محب کو بے خیالی میں دیکھا۔ بچے جا رہے تھے۔ تین بجے تک انہوں نے بھی اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔ محسن شاید ٹیکسی لینے چلا گیا تھا۔

"فلک ناز اپنے بچوں کے معاملے میں بہت دیوانی ہے۔ اپنے جیسی عورتوں سے مختلف کرتی ہے بچوں سے ورنہ یہ امیر زادیاں کہاں بچوں کو دھیان سے پالتی ہیں۔ آیاؤں کے بچے رُلتے لور لور پھرتی ہیں۔"

"امی! ٹیکسی آ گئی ہے۔" اسی پل محسن کمرے میں داخل ہوا۔

"گھر کو ایک دم ہی خالی کرنے لگے ہو۔ آج کا دن رہ جاتی نورینہ۔" بوا کو پھر سے محسوس کرتے گھر کے سناٹوں کا خیال آیا تو کہہ اٹھیں۔

"پہلے حریم چلی گئی ہے۔ اب تم بھی بچوں کو لے کر جانے لگی ہو۔ گھر میں کیسی بے رونقی ہو گی۔"

"بوا! پیاری بوا! غم نہ کھائیں میں پھر اگلے مہینے آپ سے ملنے اور قدم بوسی کی غرض سے آؤں گا۔" محسن جذباتی سا ہو کر بوا سے لپٹ گیا۔ بوا گویا نہال ہو گئیں۔

نورینہ اٹھ کر بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد یہ قافلہ بھی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ حانی برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھی ڈوبتے سورج کی زردیوں میں نہ جانے کیا کھوج رہی تھی۔

"جاتے جاتے کس قدر اداس کر دیتے ہو۔" وہ گویا ڈوبتے سورج کی الوداعی کرنوں سے کہہ رہی تھی اور نہ جانے کیوں اس کی آنکھ سے ایک قطرہ پھسل کر نیچے گر پڑا۔ شاید ان مسافروں کے لیے جن کا مقام دل میں ہمیشہ کے لیے تھا مگر سفر نے ان کے قدموں میں گھنگھرو باندھ رکھے تھے اور انہوں نے اپنی منزل کی طرف جانا ہی تھا اور جانے والوں کو روکا تو نہیں جا سکتا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی منزل بلا رہی ہے۔ اب وہ اپنی پیاری بہن حریم کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کی زندگی نہ جانے کتنے دکھوں کی بھٹی میں تپنے کے بعد کندن بنی تھی۔

اور وہ زرجان عباس کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جس کی اداس آنکھوں میں حانی کا ہر تبسم مسکراہٹیں بھر دیتی۔

اور وہ منیب عالم کے بارے میں سوچ رہی تھی جسے اللہ نے ایک نامکمل وجود میں تخلیق کیا مگر وہ اپنی ذات میں کس قدر مکمل تھا۔ یہ بات کوئی جان ہی نہیں سکتا تھا۔

پھر ان کی سوچیں اسلام آباد کے ایک باسی کی سمت پرواز کرنے لگی تھیں جس نے ایک ادھوری عورت کو محبت بخش کر مکمل کر دیا تھا۔ تو پھر زندگی سے کوئی گلہ بنتا تھا؟ نہیں نا' اداس کرنوں کو سمیٹے سورج چھپنے کو آسمان کی وسعتوں میں کھو رہا تھا اور حانی جمال زیر لب بڑبڑا کر دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔

"اے عمر رواں! تجھ سے کوئی گلہ نہیں۔ کوئی گلہ نہیں۔"

............*

فضا نے خوشبو کے ہار پرو کر منہ بند کلیوں کی ننھی ننھی شاخوں کے گریبان میں سجا دیئے تھے۔ سنہری تتلیاں گلابی پھولوں کے عشق میں پاگل ہر کنج پر منڈلا رہی تھیں۔ کوئل چپکے سے کسی ڈال پر قدم جما کر دھیرے دھیرے نغمے گنگنانے لگی تھی۔ مگر آج اس کی سریلی آواز میں درد تھا۔ اس کی آنکھ رو رہی تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ کوئل آج سے پہلے اس قدر اداس نہیں ہوئی تھی۔ مگر آج اس کے اداس گیت نے گلستان کو زار زار رلایا تھا۔

آج پھر سے دو اجنبی ایک ساتھ بہت جلد اختتام پذیر ہونے والے سفر میں ایک دوسرے کے ہمراہ تھے۔ محض تھوڑی سی دیر کے لیے۔ محض گھڑی بھر کے لیے۔

اور دور بہت دور گلستان دل کی ایک شاخ پر جھولتی کوئل کے لبوں سے نوحہ پھوٹ رہا تھا۔

سنا ہے اس محبت میں
بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون
غموں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے چین کھو کر وہ
صبح و شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے
بہت بدنام ہوتا ہے
سنا ہے اس محبت میں
کہیں بھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو، وہ جیون بھر نہیں ہنستا
بہت انمول ہے وہ دل
اجڑ کے پھر نہیں بستا
سنا ہے اس محبت میں بہت نقصان ہوتا ہے

کوئل کی کوک نے اہل دل کی محفل میں آنسوؤں کی برسات اتار دی تھی۔ قطرہ قطرہ پگھلتا دل نفع ونقصان سے بے نیاز ہو رہا تھا۔ وہ شام کی چادر اوڑھے طلوع ہوتی شبنمی صبح کا منتظر تھا۔ ہاں، انتظار اس کے

نصیب میں لکھا جا چکا تھا۔ مگر اس انتظار نے اپنے رنگ بدل لیے تھے۔

بڑی عجیب سی محبت کی تھی زرجان عباس نے حریم جمال سے۔ اس نے کبھی اس کے ہم... لوٹ آنے کی دعا نہیں کی تھی۔ اس نے کبھی یہ خواہش نہیں کی تھی کہ وہ کسی بھی راستے سے ہو کر... تک چلی آئے۔ گاڑی کی پرسکون فضا میں ایک معنی خیز۔ خاموشی دو اجنبیوں سے ہم کلام تھی۔

"کب تک اجنبی راستوں پر سفر کرو گے زرجان۔"

"جب تک کوئی اس سفر میں ہمراہ نہ ہوا تب تک۔" زرجان نے زیرلب مسکرا کر خاموشی...

"او...... تو تمہیں انتظار ہے کسی کا؟" خاموشی شاید جل بھن گئی۔

"یہی سمجھ لو۔" جواب مبہم سا تھا۔

"تو پھر کون ہے وہ؟" خاموشی کو سخت بے چینی لاحق ہوئی۔

"تمہیں کیوں بتاؤں۔" وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ بڑی کھلی کھلی سی مسکان اس کے شنگرفی لبوں...

"او...... تو آج تمہارا مزاج بہت اچھا ہے زرجان۔" خاموشی گویا سب سمجھ گئی تھی۔

"میں جان گئی۔ آج تم میری طرف بھلا کیوں دیکھو گے۔ آج تمہارا پہلو آباد جو ہے۔" خاموشی... طنزیہ لہجہ اپنایا۔

"میرا پہلو تو ہمیشہ آباد ہی رہتا ہے۔" زرجان گویا آج خاموشی کو لاجواب کرنا چاہتا تھا۔

"تم بھی نا زرجان۔" خاموشی تنک اٹھی۔

"زرجان!" اس کے قریب سے بڑی رواں، گھنٹیاں بجاتی بے حد سریلی آواز ابھری تھی۔ ... نے گویا دانت کچکچائے تھے اور پاؤں پٹختی دور بہت دور نکل گئی تھی۔ زرجان اپنے ہی دھیان و گیان... ایک دم اس کا پیر بریک پر جا پڑا۔ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی تھی۔

"مجھ سے کچھ کہا ہے؟" زرجان کو گویا یقین نہیں آیا تھا۔ حریم جمال بھلا اسے مخاطب کر سکتی تھی... کے دل کی رفتار معمول سے ہٹ گئی تھی۔ ایک مرد ہو کر اس کی پیشانی پر دو تین شفاف پانی کے قطرے ابھر آئے۔ نہ جانے کیوں لمحہ بھر کے لیے زرجان عباس کو اپنی خوش بختی پر ناز سا ہوا۔ اس کے ... دل کے لیے حریم جمال کی اتنی سی توجہ بھی بھاری تھی۔

"وہ خانی کہہ رہی تھی کہ آپ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔" حریم نے نظر... دھیرے سے وضاحت کی۔

"باتیں تو بہت سی کرنی ہیں۔ آپ نے کبھی سننے کی کوشش نہیں کی۔" زرجان نے سنبھل کر... گاڑی اسٹارٹ کی۔

"وہ تمہاری باتیں کیوں سنے۔ وہ کوئی بددیانت ہے۔" خاموشی نے بہت دور سے ہی طنز... میں کہتے ہوئے ہانک لگائی۔

"اس کی دیانت اور وفا ہی تو پسند ہے۔" وہ زیرلب بڑبڑایا۔

"زرجان!" حریم نے بے چینی سے انگلیاں مروڑیں۔

"پلیز، ذرا گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دیں۔ مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے۔"

"آئی ایم سوری۔" زرجان نے خفیف سے انداز میں سر کو ذرا سی جنبش دی تھی پھر گاڑی کی اسپیڈ...

"...ہیر کو کمپنی چاہئے۔ بجوا رہی تھی۔ مگر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔" ایسے ہی بات بڑھانے کی غرض سے ... گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"جی......" حریم نے نچلے لب کا کونا دانتوں سے کچلتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ہماری پریشانی کو سمجھا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ ان حالات میں ماہیر گھر ... نہیں جا سکتے۔ ہمارے گھریلو مسائل ہی ایسے ہیں۔"

"آپ کو کبھی فنانشلی پرابلم ہو تو بلا جھجک مجھ سے کہیے گا۔ ویسے شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ مت کیا ... اور کزنز ہونے کے ناتے بھی آپ اپنی کوئی بھی پریشانی مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔ میرے دل میں آپ کے لیے بہت عزت بہت احترام ہے حریم۔" محبت کہنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ اس کے گھمبیر لہجے کی سچائی حریم تک پہنچ چکی تھی اور اس کا سر کچھ اور جھک گیا۔ پھر نہ جانے کتنا ہی وقت بیت گیا تھا جب ... جان کی آواز سنائی دی۔

"آپ کی منزل آگئی ہے حریم۔"

"جی......" حریم گویا نیند سے جاگی۔ زرجان گاڑی سے باہر نکل آیا تھا اور پھر دوسری طرف سے گھوم ... آتے ہوئے اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔

"آپ اندر چلیے زرجان! امی سے بھی مل لیجیے۔" حریم کو مروتاً کہنا پڑا۔

"پھر کبھی سہی۔ ابھی مجھے بھی کسی سے ملنا ہے۔" زرجان نے شائستگی سے انکار کر دیا تھا۔ اب وہ ... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔

"پوچھیں گی نہیں بھلا کس سے ملنا ہے؟"

"کس سے؟" حریم نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"ماہیر عالم سے، کچھ دیر پہلے ماہیر کا میسج ملا ہے کہ اسے مجھ سے کچھ کام ہے۔ بخدا حریم! آپ کا اور ... کوئی بھی کام میرے لیے بہت اہم ہوتا ہے اور اگر میرے ہی ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچے تو میرے لیے ... سے بڑی کوئی خوشی نہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ مگر اس وقت تک گیا نہیں جب تک حریم گیٹ ... نہیں چلی گئی۔ ابھی اس نے پہلے زینے پر قدم رکھا ہی تھا جب دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتا شاہنواز اس ... کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"جناب! آپ رات سے کہاں تھیں؟" بے تکلف تو وہ بلا کا تھا۔ خوش مزاجی کی بھی اسی پر انتہا ہو چکی ... اس کی بے تکلفی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ حریم کترا کر اس کے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی مگر ... تھا۔ پھیل کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ یوں کہ حریم محض دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"...نے رات کو اوپر ہی کھانا کھایا تھا۔ آپ نظر نہیں آئیں۔ خالہ جان کی طبیعت خراب تھی نا میں

اور ماہیر انہیں ہسپتال لے گئے تھے۔ بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ عجیب بہکی بہکی باتیں کرنے لگی تھیں کو بھی خاصا مس کر رہی تھیں لگتا ہے آپ ساس بہو کے روایتی تعلقات نہیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ساس ہے جو اپنی بہو کو اتنی محبت سے یاد فرماتی ہیں۔ آپ کی قسمت پر بے تحاشا رشک آیا تو مجھے صورت ہم سفر نازک مزاج گوری چٹی ساس اور ایک معصوم سا بھولا بھالا دیور۔ ایسی نے آج تک کسی کی نہیں دیکھیں۔" وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکا تھا۔

"آیئے میں آپ کو اوپر چھوڑ آتا ہوں۔" وہ اس کے کسی بھی جواب کا انتظار کیے بغیر بولتا ہوا گیا تھا۔

وہ اوپر آئی تو شاہنواز بیگ صوفے پر رکھے اور شاپر اٹھائے کچن کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ وہ جان چکا تھا کہ شاپر میں کھانے پینے کا سامان ہے۔ ویسے بھی اس کی سونگھنے کی حس خاصی تیز تھی۔ راحت بیگم تخت پر لیٹی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر بے تابی سے اٹھ بیٹھیں۔

"حریم! تم آ گئیں۔" انہیں گویا اسے سامنے دیکھ کر بھی یقین نہ آیا۔

"جی خالہ جان! حریم آ چکی ہے۔ آپ کے سامنے ہے۔ آپ خواب نہیں دیکھ رہیں۔" وہ بھی کچن سے برآمد ہوا۔

"ارے، آپ کیوں رو رہی ہیں۔" شاہنواز، خالہ جان کو حریم کا ہاتھ پکڑے دیکھ کر بری طرح چونکا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"تم تو چپ کرو۔" حریم خود بھی رو پڑی تھی۔ بن کہے ہی وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ آنسو راحت بیگم کی آنکھوں سے کیوں گر رہے ہیں۔ شاید بھرم ٹوٹ جانے کی وجہ سے یا اس راز سے پردہ اٹھ جانے کی وجہ سے جو کبھی بھی راز نہیں رہ سکتا تھا یا پھر حریم کی آنکھوں میں موبی کے لیے نفرت کی تحریر کے خوف سے۔

نہ جانے کیوں انہیں وہم سا ہو گیا تھا کہ اب حریم کبھی لوٹ کر نہیں آئے گی۔ کسی ایسے خاندان جس کی ہر نسل میں کوئی نہ کوئی موبی ضرور ہوتا ہے اور لوگ ایسے خاندان میں رشتہ کرنے سے گھبراتے اس کے باوجود بھی ماہیر عالم کے لیے رشتوں کی ایک لائن لگ گئی تھی۔ پھر بھی راحت بیگم کے دھڑکا سا لگا رہتا تھا کہ موبی پر کوئی بھی انگلی نہ اٹھالے۔

"میں کیسے چپ رہ سکتا ہوں۔ دو خواتین میرے سامنے آنسو بہا رہی ہیں۔" شاہنواز بڑھا۔

"خالہ جان! پلیز نہ روئیے، ورنہ میں بھی رو دوں گا۔" اس نے جس مسخرے انداز میں راحت بیگم روتے روتے ہنس پڑیں۔

"شاہو! تم بھی نا۔ یہاں بیٹھو۔" انہوں نے اپنے پاس شاہنواز کے لیے جگہ بنائی۔ حیران سی اٹھ گئی تھی۔

"کمال ہے، ایک ہی رات میں ایسی بے تکلفی۔" وہ جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا۔

"ان محترمہ کو حیرت کے سمندر میں سے نکالیے خالہ جان! انہیں بتائیں کہ ہمارا بچپن کا ساتھ ہے۔" پرانی سہیلیوں کی طرح ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے کہہ رہا تھا۔

"نہیں یہ بھی بتایئے کہ ماہیر اور میں ایک زمانے میں دوست ہوا کرتے تھے مگر میرے جھوٹ بولنے سے بے زار ہو کر ماہیر نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ کیونکہ میرے جتنے جھوٹ کبھی کوئی بول نہیں سکتا۔" اس نے شرارتی انداز میں بتایا۔ حریم اس کی بونگیاں سنے بغیر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ سر میں بھی درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ سو وہ چائے بنانے کے لیے کچن میں آئی۔ مگر کچن کو دیکھ کر اسے چکر آ گیا۔

وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں آ گیا۔ راحت بیگم شاید نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔

"تم سناؤ، نیچے امن وامان قائم ہے؟" حریم نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھیے۔" شاہنواز نے آہ بھری۔

"کیوں؟ ثریا خالہ نے گھر سے نکالنے کی دھمکی تو نہیں دی؟" حریم کی حیرت بجا تھی۔

"ارے نہیں۔" شاہنواز موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری بیوی کی ڈیتھ کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟" وہ جوش کھاتے پانی میں پتی ڈال کر فریج میں سے دودھ نکالنے لگی۔

"یہی کوئی بیس تیس سال۔" وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

"اللہ تمہارا گھر پھر سے آباد کر دے۔" حریم نے تہہ دل سے دعا مانگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کی جھلک چھلکنے لگی تھی۔ اس وقت اس کے اعصاب اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ دل بالکل بھی کسی کام کی طرف نہیں لگ رہا تھا۔ کچن کے پھیلاوے سے سخت الجھن بھی ہو رہی تھی۔

"ایک دفعہ تو بسا نہیں دوسری کی دعا دی جا رہی ہے۔" وہ معنی خیزی سے کہتا ہوا مہارت سے برتن دھونے لگا۔

"کیا ابراڈ میں ڈش واشنگ پر مامور تھے؟" حریم نے جان بوجھ کر شرارتاً پوچھا۔

"جناب! آپ کیا جانیں ہم کس حساس ادارے سے منسلک ہیں۔ بہرحال آپ جو بھی سمجھ لیں۔" وہ ذرا مبہم سا تھا۔

"کیا مطلب؟" حریم سمجھی نہیں۔

"اب آپ سے کیا چھپانا۔ خاکسار سفارت خانے سے منسلک رہا ہے۔ اب پاکستان میں پوسٹنگ ہوئی ہے۔" شاہنواز کے انکشاف نے حریم کو چونکا دیا۔

"مگر میں نے تو سنا ہے۔ تم سرحد یا بلوچستان کے کسی علاقے میں پوسٹڈ تھے اور رباب سے بھی وہیں ملاقات ہوئی تھی۔"

"آپ نے غلط سنا۔" اب وہ برتن اسٹینڈ پر ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

"بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ میں نے شوشا چھوڑا تھا۔ حالانکہ پچھلے دو تین سال سے
میں رہا ہی نہیں ہوں۔ بلوچستان یا سرحد سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"تو پھر وہ رباب والا قصہ۔"

"نرا جھوٹ تھا۔" اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"مگر تم نے جھوٹ بولا کیوں؟" حریم اب بھی حیران تھی بلکہ وہ اسے سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ مگر وہ
تھا وہ ایک دلچسپ شخصیت رکھنے والا انسان تھا۔

"اماں کو تپانے کے لیے۔" اب وہ اپنے ہاتھ شرٹ سے پونچھ رہا تھا۔ حریم کو بے تحاشا ہنسی آنے
لگی۔

"تم بھی شاہ نواز! کمال کے بندے ہو۔"

"کمال، جمال، دھمال...... سارا کچھ میں ہی تو ہوں۔ اب آپ آرام کیجیے میں چلتا ہوں۔
آؤں گا، جب ماہیر گھر آ گیا۔ کھانا نیچے بھجوا دیجیے گا۔ لگتا ہے آپ کے میکے والوں کے ہاتھ میں بڑا
ذائقہ ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ ویسے ایک محاورہ یاد آ رہا ہے۔ جاتے جاتے سنا ہی دیتا ہوں۔"
دروازے تک جا چکا تھا۔ پھر پلٹ کر واپس آ گیا۔ حریم جو ابھی تک سر جھٹکتے ہوئے ہنس رہی تھی۔
واپس آتا دیکھ کر اس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔ وہ بھی مزاجاً ماہیر جیسی تھی۔ بہت کم کسی سے بے تکلف ہوتی تھی۔
بہت کم کسی کے سامنے ہنستی تھی مگر شاہنواز میں کچھ تو خاص تھا۔ سب سے الگ وہ ایک ہمدرد، مخلص
دوستانہ مزاج رکھنے والا آدمی تھا اور اس کی کمپنی میں کوئی بندہ بور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"کون سا محاورہ۔" حریم نے ہنسی روک کر پوچھا۔

"وہ مرد ہی کیا جو کمائے نا...... اور وہ عورت ہی کیا جو پکائے نا...... یہ خالصتاً میرا ذاتی محاورہ ہے
ایک راز کی بات بتاؤں۔ میرے گھر کے دونوں افراد پر فٹ ہوتا ہے۔ یعنی بیگ صاحب والد محترم اور
جہاں والدہ محترمہ پر۔" وہ مسکراتا گنگناتا پلٹ گیا تھا اور حریم نے ہنستے ہوئے اپنا سر تھام لیا۔

"اے حریم! تمہیں کیا ہوا۔ اکیلے ہنسے جا رہی ہو۔" راحت بیگم نماز پڑھ کر واپس آئیں تو حریم کو
بیٹھے ہنستا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ ان کا ٹھٹکنا بھی بجا تھا۔ کہاں تو حریم کے لبوں پر مسکان کا شگوفہ بھی جمعے
جمعے پھوٹتا تھا اور اس وقت وہ بغیر وجہ کے ہنسے جا رہی تھی۔ حریم کی ہنسی کو انہیں دیکھ کر بریک لگ گئے۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" وہ گڑبڑا کر چائے کے کپ پر جھک گئی۔ مسکان خود بخود سمٹ کر رہ گئی تھی۔

"لو جی، میں نے یہ تو نہیں کہا۔ تم ہنسنا ہی چھوڑ دو۔ رج رج کے ہنسو، اس گھر میں تو ویسے ہی
پڑے ہوئے ہیں۔ تم تو ہر روز مسکرا دیا کرو۔ ہمارے دل کو بھی خوشی ہو۔" وہ زیرلب بڑبڑاتے ہوئے
مخصوص تخت پر بیٹھ گئیں۔ ان کا لہجہ گہرا طنزیہ کاٹ دار قسم کا تھا۔ حریم سن سی ہو کر رہ گئی۔

............*

پی سی کا طلسماتی ماحول اور بیک گراؤنڈ میں بجتے میوزک نے ایک طلسم سا طاری کر دیا تھا۔
مدھم مدھم روشنی میں کپلز کے لیے بڑا رومینٹک ماحول بنایا گیا تھا۔ کانچ کی دیواریں اور چکنا فرش

قدموں سے چل رہے تھے۔ گلاس ونڈوز کے پار بھی زندگی رواں دواں تھی۔
ماہیر نے تیسری مرتبہ رسٹ واچ پر چپکے سے نظر ڈالی۔ اسے گھر جانے کی جلدی تھی۔ بلکہ اسے حریم کو
منانے کی جلدی تھی۔ اسے یقین تھا کہ حریم اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ اسے اپنے رات کے رویے پر بھی
شرمندگی تھی۔ سو وہ گھر کی طرف دوڑ لگا دینا چاہتا تھا مگر مجبوری نے گویا قدم تھام رکھے تھے۔ اس نے زرجان
سے وقت لے رکھا تھا اور ابھی وہ زرجان کے انتظار میں بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے ہر صورت
زرجان سے صبح والے معاملے پر بات کرنا تھی۔

"سوری ماہیر! تمہیں بلا وجہ انتظار کرنا پڑا۔" وہ اپنے دھیان گم تھا' جب اسے زرجان کی فریش فریش
آواز سنائی دی۔ وہ اپنی گاڑی کی چابی اور موبائل گلاس ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ ماہیر سے پرجوش انداز میں مصافحہ
کرنے کے بعد وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔" ماہیر نے شائستگی کے ساتھ اس کی معذرت قبول کر لی۔

"ایکچوئلی! دوسرے روٹ سے آ رہا ہوں۔ اسی لیے کچھ لیٹ ہو گیا اور ٹریفک کا حال تو تم بھی روز ہی
دیکھتے ہو۔" زرجان کا انداز بہت دوستانہ تھا۔

"ویسے میں تایا جی کی طرف سے آ رہا ہوں۔"

"اچھا۔" ماہیر اب کے کچھ چونک گیا۔

"تمہیں تو پتا ہے۔ حانی بغیر چائے کے آنے نہیں دیتی۔ بس وہیں کچھ لیٹ ہو گیا تھا۔ واپسی پر حریم
کو بھی ڈراپ کرنا تھا۔" اب وہ ویٹر کو اشارے سے بلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"حریم گھر آ گئی ہے؟" ماہیر پھر سے چونکا۔

"ہاں حانی نے کہا تھا۔ حریم کو تمہارے گھر چھوڑ دوں۔" ویٹر قریب آیا تو زرجان اس کی طرف متوجہ
ہو گیا۔

"کیا خیال ہے کھانا منگوا لوں۔"

"نہیں، کھانا تو بالکل نہیں ویسے میں کافی پی چکا ہوں۔" ماہیر کو اب گھر بھاگنے کی بے چینی نے گھیر
لیا۔

"او کے بھوک تو مجھے بھی نہیں۔ ایک کپ چائے پی لیتے ہیں۔" زرجان نے تائیدی انداز میں سر ہلا
کر ویٹر کو آرڈر نوٹ کروا دیا۔

"اب بتاؤ۔" زرجان، ماہیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ماہیر نے مختصر الفاظ میں اپنا مسئلہ بمعہ گھریلو مسائل
کے گوش گزار کر دیا تھا۔ وہ اپنی پریشانیاں کبھی بھی کسی سے شیئر نہیں کرتا تھا مگر زرجان میں خلوص کی
جھلک اسے نظر آنے لگی تھی۔ اسی خلوص کے پیش نظر وہ اپنے مسائل کا حل اس سے چاہ رہا تھا۔

"توجہ کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟" زرجان بیچ پیچ الجھ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ کمپنی مجھے ٹرمینیٹ کر دے گی۔ اس سے پہلے میں استعفیٰ دے دوں؟ کیا یہ بہتر
ہے؟" وہ پرخلوص دوست سے مشورہ مانگ رہا تھا۔ زرجان کی پیشانی پر سلوٹ نمودار ہوئی۔

"کیا تم کراچی نہیں جاسکتے؟ پروموشن کے ساتھ ساتھ فیسلیٹیز بھی بے شمار ملیں گی۔" کیا لگا کر بولا۔

"نہیں...... کبھی نہیں۔" ماہیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"اوکے میں کچھ کرتا ہوں یو ڈونٹ وری۔" وہ اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

"اور آپ سنائیں کب ولیمہ کا فنکشن کر رہے ہیں۔" ماہیر ایک دم ہلکا پھلکا ہوگیا۔

"پہلے تو آپ جناب کو گولی مارو۔ مجھے یہ فارمل گفتگو ہضم نہیں ہوگی اور رہی بات ولیمہ کی تو کبھی اس کی باری بھی آ ہی جائے گی۔" زرجان دھیرے سے مسکرا دیا۔ گفتگو خود بخود بے تکلفی میں بدل گئی تھی۔

"یعنی شادی، ترجیحات میں سب سے آخری نمبر پر ہے۔" ویٹر چائے کے ساتھ اسنیکس بھی رکھ گیا تھا۔ ماہیر نے چائے کے سپ لیتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"بس یہی سمجھ لو۔" زرجان کا انداز مبہم سا تھا۔

"تمہیں یاد ہے زرجان! ہماری پہلی ملاقات۔" ماہیر نے ماضی کی کسی یاد کو لفظوں کا پیراہن پہنایا۔

"وہ ملاقات بھولنے والی بھی نہیں۔" زرجان کو بھی نہ جانے کیا کچھ یاد آ گیا۔

"تب سے خواجہ انڈسٹریز سے منسلک ہوں۔"

"مجھے پتا ہے۔ اسجد کی کمپنی کس کس ستون پر کھڑی ہے۔" زرجان کا لہجہ اسجد کے نام پر کھردرا ہوگیا۔

"میرے پاس اس کے علاوہ بھی آپشن موجود ہیں۔" ماہیر زرجان کو اس آپشن کی تفصیلات [بتا رہا] تھا۔

"ہوں...... ابھی مجھے اسجد کی نیت کو سمجھ لینے دو۔ پھر اس آپشن پر بھی غور کر لیں گے۔ اگر تم [فل] ٹائم جاب کرنا چاہتے ہو تو یہ بہترین آئیڈیا ہے۔ ویسے ایک آفر تو میں بھی تمہیں دیتا ہوں۔" زرجان اپنی آفر کے متعلق بتانے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ ماہیر اس کی کمپنی کو جوائن کر لے۔

"خواجہ اسجد ایک مطلب پرست آدمی ہے۔ بغیر کسی بڑے فائدے کے وہ کچھ بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ جس کی وجہ سے اسے نقصان اٹھانا پڑے۔ مگر میں حیران اس بات پر ہوں کہ بھلا میری ذات سے خواجہ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔" ماہیر کا انداز پرسوچ تھا۔

"اس گتھی کو سلجھانا ناگزیر ہوگیا ہے۔" زرجان نے چائے کا ایک اور کپ منگوالیا۔

"تم لو گے ماہیر۔"

"نہیں، میں چائے کا ایسا بھی شوقین نہیں ہوں۔" ماہیر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر زرجان کو [منع کیا] اور وہ اس کے منع کرنے کے باوجود آرڈر نوٹ کروا چکا تھا۔

"حریم اور حانی لیٹر کے حساب سے چائے پیتی ہیں۔" ماہیر نے چائے کے ایک اور کپ کو دیکھ کر کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ اگر تایا جی کے گھر ایک گھنٹے کے لیے جاؤں تو کم از کم چار دفعہ تو چائے

[...] بنانا پڑتا ہے۔" زرجان نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"یاد آیا۔ حانی کی انگیجمنٹ کے فنکشن میں تم نہیں آئے؟" ماہیر نے ایسے ہی بات بڑھانے کی غرض [سے پوچھا۔]

"کچھ پرسنل کام تھا، سو اس لیے۔" زرجان کے موبائل کی بیپ بج اٹھی تھی۔ وہ چند منٹ کے لیے [کال] پر مصروف ہوگیا۔

"ہنی! مسئلہ کیا ہے؟" زرجان کی آواز میں تفکر نمایاں تھا۔ دوسری طرف شاید کوئی رو رہا تھا۔

"میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔ آپ جانتے ہیں، میں مر جاؤں۔ تو پھر ایک ہی دفعہ مجھے زہر لا [دیں]۔" موبائل میں سے کسی کی چنگھاڑتی آواز سنائی دے دی تھی۔

"ہنی! کول ڈاؤن، میری گڑیا۔" زرجان نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس کی بات کاٹ دی گئی تھی۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ یہ کالے پانی کی سزا کب ختم ہوگی۔ ممی سے کہہ دیں مجھے ہر صورت پاکستان [بلا]نا ہے۔" وہ ضدی لہجے میں چلا رہی تھی۔

"اوکے، آئی ڈو سم تھنگ، یو ڈونٹ وری۔" زرجان کا انداز صاف تسلی دینے والا تھا۔

"آپ کچھ نہیں کر سکتے زرجان آپ میں سے کسی کو میرا خیال نہیں۔ مجھ سے محبت نہیں۔" وہ سخت مشتعل ہی نہیں متنفر بھی تھی۔

"ہنی! تم ریلیکس کرو...... پلیز! خود کو سنبھالو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔" زرجان نے بمشکل اسے سمجھا کر کال ڈسکنیکٹ کی تھی۔ اس کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرا رہے تھے۔

"کچھ مسئلہ ہے زرجان۔" ماہیر سامنے سے آتے ویٹر کو پے منٹ کی رقم دیتے ہوئے بولا۔ اگرچہ زرجان نے منع کرنا چاہا تھا مگر ماہیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

اب وہ دونوں ایک ساتھ انٹر ڈور سے باہر نکل رہے تھے۔ سیکنڈ فلور کی سیڑھیاں اترتی محترمہ فلک ناز کے قدم گویا زمین نے جکڑ لیے۔ وہ آج ایک فنکشن میں شرکت کی غرض سے آئی تھیں اور انہوں نے زرجان کو بھی اس فنکشن کے بارے میں بتایا تھا اور زرجان نے حسب معمول انکار کر دیا۔ مگر اس وقت زرجان کو کسی خوش پوش نوجوان کے ساتھ دیکھ کر وہ بری طرح سے ٹھٹک گئیں۔

"زرجان کے ساتھ کون ہے؟" ان کا ذہن تیزی سے سوچ و بچار کے عمل سے گزر رہا تھا۔ مگر [یاد]داشت کے کسی خانے میں یہ یونانی نقوش والا چہرہ نہیں تھا۔

"یہ نوجوان کون ہے؟ جسے میں نہیں جانتی۔" آپ وہ زرجان کے سرکل اور فرینڈز کی لسٹ کو کھنگال [رہی] تھیں۔ جواب اب بھی ندارد۔

"وضع قطع سے ویل مینرڈ لگتا ہے۔ زرجان کی چوائس ہمیشہ سے اعلیٰ رہی ہے۔" اب وہ آخری [...] پر کھڑی زرجان کے اعلیٰ معیار کو سراہ رہی تھیں۔ وہ ہر معاملے میں چوزی رہا تھا۔ چاہے وہ فیلڈ کا [...] دوستوں کا اور چاہے لائف پارٹنر کا۔ وہ اپنے معیار سے ایک انچ بھی نیچے نہیں آ سکتا تھا۔

بہرحال مجھے اس کے بارے میں معلومات تو لینا ہوں گی۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے آخری

اسٹیپ اتر گئی تھیں۔

............*

"حریم!" کسی نے بہت پیار سے اسے پکارا تھا۔ وہ اتنی گہری نیند میں تھی کہ اس کی پکار کو سنا ہی نہیں۔ ویسے بھی گیارہ بجے تک ماہیر کا انتظار کرنے کے بعد وہ اس حد تک تھک چکی تھی کہ انتظار کی سکت تک نہیں تھی۔ وہ ٹیبل پر کھانا لگائے خود جلے پیر کی بلی کی طرح لاؤنج میں چکر کاٹتے اور گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے شل ٹانگوں کے ساتھ تخت پر ڈھے گئی اور پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ نیند کا ایسا غلبہ تھا کہ اپنے گالوں اور شانے پر کسی کا لمس محسوس کرنے کے باوجود اس کے وجود میں ذرہ برابر جنبش نہیں ہوئی تھی۔ اسے نیند کی حالت میں یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کوئی اسے بہت دور سے پکار رہا ہے۔ یہ آواز کس کی تھی؟ یہ پہچاننا بہت مشکل امر لگ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے آتی اس آواز نے بالآخر اس کی گہری نیند میں پہلی دراڑ ڈال دی تھی۔ اس نے بمشکل بند پلکوں کو کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر نیند تھی کہ آ آ کر ٹوٹ کر آئی تھی۔ اس نے پھر سے کوشش کر کے آنکھ کو کھولنا چاہا۔ اب کے واضح طور پر اس نے محسوس کیا کہ کوئی وجود اس کے اوپر تھوڑا سا جھکا ہوا ہے اور اسے جگانے کی کوشش بھی کر رہا ہے۔ اس نے اپنی پلکوں پر کسی کی زندہ گرم سانسیں بھی محسوس کی تھیں تبھی تو جھٹ سے اس کی دونوں آنکھیں کھل گئیں۔

"ماہیر" اس کی گھٹی گھٹی چیخ حلق سے برآمد ہوئی۔

"آپ کب آئے ہیں؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے تم یہاں کیوں سو رہی ہو؟" ماہیر اس کے قریب ہی تخت پر بیٹھ گیا۔

"کیا ڈر گئی تھیں؟"

"آپ نے ڈرانے میں کوئی کسر چھوڑی ہے۔" وہ دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتے ہوئے سے بولی۔

"میں تو اتنے پیار سے جگا رہا تھا" ماہیر نے جھک کر جوتوں کے تسمے کھولے۔ جرابیں اتار کر ... پر پھینکیں۔ ٹائی کی ناٹ کھول کر اپنے گریبان سے کھینچ کر حریم کے گلے کے گرد لپیٹ دی۔

"میری تو جان نکال کر رکھ دی ہے۔ دل ابھی تک دھڑک رہا ہے۔" حریم نے بکھرے بال سمیٹ کر دائیں کندھے پر ڈال لیے۔

"دکھاؤ ذرا" وہ ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔

"کیا دکھاؤں۔" اس نے جمائی روک کر پانی سے بھری آنکھوں کو مسلا۔

"اپنے دل کو۔"

"وہ تو آپ کے پاس ہے۔" حریم برجستہ بولی۔

"تو پھر ڈرنا چھوڑ دو۔" وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سوئی سوئی آنکھیں ... گلابیاں لیے وہ سیدھا ماہیر کے دل میں اتر گئی۔ اس کا نازک سا ہاتھ ماہیر کے ہاتھ کے نیچے ... دائیں بائیں دیکھتے ہوئے دوپٹہ تلاش رہی تھی اور دوپٹہ پھیلاتے ہوئے اٹھ گئی۔ وہ اسے اٹھتا دیکھ ...

"آپ ذرا بتایئے مجھے۔ کہاں آوارہ گردی کر رہے تھے۔" حریم سیدھی کچن میں چلی آئی۔ ماہیر بھی پیچھے تھا۔

"کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"کیوں؟" حریم حیران ہوئی۔

"تم نے بھی نہیں کھایا" ماہیر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ایسی کوئی مجبوری بھی نہیں تھی کہ گیارہ بجے تک بھوکی رہتی۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"تو ٹھیک کیا ہے نا۔ تمہیں وقت پر خوراک لینی چاہیے۔ اب ایسا کرو میرے لیے ایک گلاس دودھ لے آؤ۔"

"وہ کھٹا کھٹ لاؤنج کی لائٹس آف کر رہا تھا۔"

"آج آفس کا کام پھر سے اٹھا لائے ہیں۔" وہ سالن فریج میں محفوظ کر رہی تھی۔ پھر دودھ کا جگ لے کر باہر نکل آئی۔

"میری مجال ہے۔ وہ فائلیں اٹھا کر گھر لے آؤں۔" ماہیر نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔ وہ آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ ماہیر نے کمرے کی لائٹ آن کی۔

"امی سو گئی ہیں؟" ماہیر نائٹ سوٹ اٹھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ موبی کا ذکر اس نے دانستہ نظر انداز کیا۔ وہ کپڑے چینج کر کے باہر آیا تو حریم نے خود ہی موبی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"موبی آپ کا پوچھ رہا تھا۔"

"اچھا......" ماہیر نے گریبان کے بٹن بند کرتے ہوئے نظر چرائی تھی۔ وہ دانستہ موبی کے موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید یہ ان کی زندگیوں کا سب سے کمزور ترین پہلو تھا۔

"میں آپ سے ناراض ہوں ماہیر۔" وہ اس کی دلی کیفیات سے پوری طرح آگاہ تھی اور وہ ماہیر کو شرمندہ کرنا یا اس کا سر جھکانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ موبی پر کسی بھی قسم کی چوٹ کر کے ماہیر کی دل آزاری کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بولا۔

"بھلا کیسے؟" حریم بری طرح سے حیران ہوئی۔

"ہم کسی اور موضوع پر بات نہیں کر سکتے۔" ماہیر کا لہجہ التجائیہ قسم کا تھا۔

"میں موبی کا ٹاپک ڈسکس نہیں کرنا چاہتا حریم! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہاری ناراضگی کا تعلق بھی اسی منظر سے جڑا ہے اور میں اس منظر کو اپنے ذہن کی سلیٹ سے کھرچ دینا چاہتا ہوں۔ میں کل رات تمہیں نظر انداز کر کے میں واپس چلا آیا تھا' مگر تم میری اس وقت کی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتیں میں کچھ دیر مزید وہاں رکتا تو میرے دماغ کی شریان پھٹ جاتی۔"

"میں سب سمجھتی ہوں ماہیر! مگر اس میں آپ کا یا ہم میں سے کسی بھی فرد کا بھلا کیا قصور ہے۔ یہ

خالصتاً اللہ کا معاملہ ہے اور ہم اس کے کسی بھی معاملے میں بولنے والے کون ہوتے ہیں۔ وہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اپنی مرضی کے مطابق جس فطرت پر بھی تخلیق کرے۔ چاہے کسی کو مرد چاہے عورت بنائے اور چاہے تو ان دونوں کے درمیان معلق کردے۔ یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ وہ اپنی وحدانیت کے جلوے ہر طریقے سے دکھاتا ہے۔ جہاں دنیا کا ہر علم اور میڈیکل سائنس بے بس ہو جاتی ہے وہاں سے اس کی کاریگری کا آغاز ہوتا ہے۔ انسان زمین کے اندر اتر گیا ہے۔ سمندروں تک رسائی کرلی ہے۔ چاند پر پہنچ گیا ہے۔ پہاڑوں کے سینے تک شق کردیے ہیں۔ دنیا نے ہر میدان میں اپنے ہر کمال کو آزما چکا ہے۔ حتیٰ کہ ماں کے پیٹ میں موجود اس راز تک کو پا چکا ہے جسے سات پردوں میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ مگر کوئی بھی شخص اس کی بنائی گئی کسی چیز یا تخلیق میں ذرہ بھر ردوبدل نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ کی بنائی کسی نعمت پر شرمندگی کیسی؟ آپ کو تو فخر ہونا چاہیے کہ آزمائش کے لیے اللہ نے آپ کا انتخاب کیا تھا۔ آپ کی ماں کا انتخاب کیا۔" وہ اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔ یوں کہ اس کا لفظ لفظ ماہیر کے دل میں اتر رہا تھا۔ اس کے جلتے بلتے دل پر گویا ٹھنڈی پھوار گرنے لگی۔

"مگر حریم اس دنیا کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔" ماہیر کے لہجے میں پہلے جیسی آزردگی نہیں تھی۔ میٹھے نرم اور رسیلے بول بھی کیسا اثر رکھتے تھے۔ ماہیر کے چہرے پر شگفتگی سی پھیل گئی۔

"دنیا کی پروا کریں گے تو پھر ہو چکا گزارا۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوئی۔

"دنیا کی نہیں مجھے تمہاری طرف سے کسی شدید ردعمل کی توقع تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید تم......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر حریم کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا یہ چہرہ آج بھی بہت معصوم اور سادہ تھا۔

"آپ نے میرے بارے میں ایسا سوچا بھی کیسے؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔" ماہیر نے اس کے دونوں کان پکڑ لیے۔

"کیا یاد کریں گے جائیں معاف کیا۔" وہ شان بے نیازی سے بولی۔

"جائیں کہاں آپ کو چھوڑ کر بھلا کہاں جا سکتا ہوں۔" ماہیر کی آنکھوں میں جذبوں کا خمار چھلکنے لگا۔

"تم نے پوچھا نہیں کل کی رات میری تمہارے بغیر کیسی گزری؟"

"ڈٹ کر سوئے ہوں گے۔" اس نے آنکھوں میں شرارت بھر کے کہا۔

"جناب رات بھر میں جاگتا رہا تھا۔ صبح کے وقت آنکھ لگی تھی اسی لیے دفتر سے بھی لیٹ ہو گیا۔" اس نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر کھینچ لیا۔

"اور پھر آپ بغیر ناشتے کے آفس سدھارے۔" حریم نے ایک سرور آمیز کیفیت کے زیر اثر آنکھیں موند لی تھیں۔ اک تحفظ کا گہرا احساس اس کے اردگرد پھیل گیا۔

"تمہیں کیسے خبر ہوئی۔" ماہیر چونکا۔

"آپ کے دل کی طرح معدے کا کنکشن بھی میرے معدے سے جڑا ہوا ہے۔" حریم نے شرارت

"یہ بات تو ماننے والی ہے۔" ماہیر اس کے چہرے پر جھک گیا۔

"یہ خیال ہے کچھ دیر سو نہ لیا جائے۔" وہ بھرپور شریر نظروں سے دیکھتا ہوا اسے چھیڑنے لگا۔

"نہ دور کیجیے مجھے نیند آرہی ہے۔" حریم نے چادر اٹھا کر اپنے اوپر تان لی۔

"اور مجھے بھی......" وہ اس کی چادر میں برابر کا حصہ دار بن کر اس کے ان میں گنگنایا تھا اور حریم کی ہنسی نے اردگرد کے ماحول کو بھی زعفران زار کردیا۔

............*

عمارت کا بیرونی حصہ جس قدر شاندار تھا اندرونی حصہ اس سے بھی زیادہ خوف صورت اور دیدہ زیب تھا۔ آج سے دو دن پہلے اس نے ایک معروف اخبار میں اشتہار پڑھا تھا۔ ایک بہت اچھی ساکھ والی کمپنی کی طرف سے ایڈ دیا گیا تھا۔ اگرچہ ایڈ تو پرسنل اسسٹنٹ کا دیا گیا تھا اور ڈیمانڈ بھی ایسی نہیں تھی جس کا شیڈول کچھ ٹف ہوتا اور کوالیفیکیشن کی جو ڈیمانڈ تھی اس پر بھی وہ پورا اترتی تھی۔ سو بے کار رہنے سے بہتر تھا وہ خود کو معروف رکھتی۔ کم از کم سہیل کے آنے تک تو وہ ان تکلیف دہ بے معنی سوچوں سے محفوظ رہ سکتی تھی۔ امی کے ساتھ طویل بحث ومباحثہ کے بعد اسے انٹرویو دینے کی اجازت ملی تھی۔ جس کے نتیجے میں آج وہ اس شاندار کمپنی کے ویٹنگ روم میں بیٹھی اپنی باری کا انتظار کررہی تھی۔

انٹرویو کا سلسلہ تو شروع ہو چکا تھا۔ مگر عفیفا کا نمبر ابھی تک دور تھا۔

جب تک اس کی باری آئی تھی۔ تب تک اس کے اپنے بھی بارہ بج چکے تھے۔ وہ تو اکتا کر اب واپس جانے والی تھی جب اس کے نام کو بھی پکارا گیا۔ ویسے بھی اس کی سی وی اندر بھجوائی جا چکی تھی۔ اب اسے ہر صورت انٹرویو دینا تھا۔

............*

انٹرویو کے آغاز کے ساتھ ہی پروفیشنل قسم کے تین چار سوال کئے گئے تھے۔ تینوں بزرگ حضرات خاصے تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ اس کی کوالی فیکیشن اخبار میں دیئے گئے اشتہار سے زیادہ تھی۔ سوال کرنے والوں نے خصوصی توجہ سے اسے نوازا۔

"محترمہ! آپ جا سکتی ہیں۔ پندرہ دن تک آپ کو حتمی جواب دیا جائے گا۔"

"تھینک یو سر۔" عفیفا نے رسمی انداز میں مسکرا کر کہا۔ انٹرویو سے پہلے والے انتظار نے اس کا برا حال پلپلا کر دیا تھا۔ چکر کھاتا دماغ اور نیند سے بند ہوتی آنکھیں لئے وہ اس وسیع و عریض عمارت سے باہر آ گئی۔ ٹیکسی کی تلاش میں مزید آدھا گھنٹہ برباد کرنے کے بعد جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو جی بری طرح سے متلا رہا تھا۔ بھوک کے مارے سکڑتی آنتوں میں شاید ہوا بھر گئی تھی۔ نفیسہ بیگم اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر خفا ہونے لگیں۔

"کیا ضرورت تھی سڑکوں پر مارا مارا پھرنے کی۔ یہاں بیٹھو، میں تمہارے لئے اسکواش لاتی ہوں۔" وہ ناراضگی سے بولتے ہوئے اسے چارپائی پر بٹھا کر خود کچن میں چلی گئیں۔

"امی! آپ نے انٹرویو کا تو پوچھا نہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دباتے ہوئے زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔

"بھاڑ میں جائے انٹرویو۔" وہ اسکواش کا جگ اٹھا کر باہر نکل آئیں۔

"اپنی رنگت دیکھو، کیسی زرد ہو رہی ہو۔ آج شام کو تمہیں ڈاکٹر عالیہ کے کلینک لے کر چلوں گی۔ مجھے معاملہ کچھ اور ہی دکھتا ہے۔" وہ گویا خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ عفیفا ان کی بات کا مفہوم بخوبی طرح سمجھ نہیں سکی۔

"میں نہیں جاتی کسی ڈاکٹر واکٹر کے پاس، ابھی سے دوائیوں کی اسمیل آنے لگی ہے۔" فیفا نے غٹاغٹ چڑھا کر اسکواش کے دو گلاس چڑھا لئے۔

"کھانا لگا دوں؟" امی پوچھ رہی تھیں۔

"زوروں کی بھوک لگی ہے۔ جلدی سے لے آیئے۔ آج تو معدہ بھی بددعائیں دے رہا ہوگا۔" مچل کر بولی۔

"پہلے ہاتھ منہ تو دھولو۔" انہوں نے کچن کی طرح جاتے ہوئے کہا۔

"ابھی بالکل بھی ہمت نہیں۔" وہ کسلمندی سے چارپائی پر لیٹ گئی۔

"خود کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے بیٹا! میں تو کہتی ہوں۔ گولی مارو نوکری کو۔" وہ تازہ چھلکے اتارنے لگیں۔ فیفا اٹھ کر ہاتھ منہ دھونے واش روم کی طرف چلی گئی۔ واپس آئی تو امی کھانا ٹرے میں لگائے اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔

"کل راحت بھابی کی طرف چلیں گے۔ بڑے دن ہو گئے ہیں۔ موبی سے ملنے کو دل مچل رہا ہے۔ جانے کیوں موبی کو دیکھ کر بھائی صاحب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ بھابی صاحب کی آنکھوں کا تارہ تھا جب۔ ایک پل کو بھی نظر سے اوجھل نہیں کرتے تھے۔"

"کبھی کبھی میں ایک بات سوچتی ہوں۔" وہ کھانا کھاتے ہوئے پرسوچ سے انداز میں بولی۔

"کون سی بات۔" نفیسہ بیگم ساتھ ساتھ سلاد کے لئے کھیرا بھی کاٹ رہی تھیں۔ عفیفا کو سلاد کے بغیر کھانا کھانے کی عادت نہیں تھی۔ وہ سبزی خور تھی۔ کچی، پکی ہر طرح کی سبزیاں شوق سے کھاتی تھی۔

"یہی کہ راحت مامی بہو کے معاملے میں خاصی خوش نصیب ہیں۔ اگر کوئی اور ہوتی تیز مزاج قسم کی مغرور سی لڑکی تو مامی اور موبی کے لئے مشکلات کا پہاڑ کھڑا ہو جانا تھا۔"

"تو اور کیا۔ موبی مسکین کو نہ جانے وہ برداشت کرتی یا پھر......" انہوں نے گہرا طویل سانس خارج کیا تھا۔

"اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں، اگر زوبی سے ماہیر کی شادی ہو جاتی تو نہ جانے موبی اور مامی کا کیا حشر ہوتا۔ کیسی جنونی سی وہ لڑکی تھی۔ ماہیر کو کہیں کا بھی نہ چھوڑتی۔ اپنے سوا اسے کچھ اور دکھتا ہی کہاں تھا۔ اپنی ذات کے گنبد میں قید، ماہیر عالم کے عشق میں گرفتار۔" فیفا ماضی کے کسی لمحے میں کھو گئی۔

"فیفا!" امی نے اسے ٹھوکا دے کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"جی امی!"

"زوبی کا کچھ پتا ہے۔" بڑے طویل عرصے بعد انہوں نے اس ذکر کو چھیڑا تھا۔ ایسا قصہ جو کسی پرانی کتاب کی طرح اوطاق میں رکھ دیا گیا تھا اور آج اس قصے پر پڑی گرد صاف کرنے کا نہ جانے انہیں کیسے خیال آ گیا۔ "مجھے کیا خبر...... اس کی شادی ہو چکی ہوگی۔ اب اتنے بے شمار سال بھی تو بیت چکے ہیں۔ یوں صدیوں کا سفر لگتا ہے گویا۔"

"صرف آٹھ نو سال پہلے کی تو بات ہے۔" امی کا حافظہ بھی بلا کا تیز تھا۔ ابھی تک زوبی کو ذہن میں نقش کیا ہوا تھا۔

"فرض کرو اگر کبھی اس لڑکی کا تم سے ٹاکرا ہو جائے تو پھر؟" امی نے نہ جانے کیوں اس لاحاصل سوال کو چھیڑ دیا۔

"تو کیا...... میں نظر چرا کر قریب سے گزر جاؤں گی۔" وہ لاپروائی سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی۔

"اور اگر اس نے ماہیر کا پوچھ لیا؟"

"ماہیر کا بھلا کیوں پوچھے گی۔ امی! آپ ان امیر زادیوں کی محبت کو ہرگز نہیں جانتیں۔ دودھ کے

ابال جیسی محبت ہوتی ہے ان کی۔ یا پھر پانی کے بلبلے جیسی۔" فیفا نے تنفر سے کہا۔

"ہوں۔" انہوں نے محض ہنکارا بھرا۔

"سہیل کا فون آیا تھا؟" معاً انہیں خیال آیا تو پوچھنے لگیں۔ ان کی تان بھی سہیل کے فون پر ہی آ کر ٹوٹ رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ کھانا کھا چکی تھی۔ مگر طبیعت سیر ہونے کے بجائے بھاری ہو گئی تھی۔ ایک دم دل پھر سے متلانے لگا۔

"تم کر لیتیں۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح ڈپٹ کر کہا۔

"موبائل تو پاس تھا نا۔"

"رات کو کروں گی بات۔" وہ بے زاری سے بولی۔ یوں لگ رہا تھا گویا کھایا پیا باہر آ جائے گا۔ یک دم ہی اسے حرارت بھی محسوس ہونے لگی۔

"یاد آیا زمیلہ کا ویزہ لگ گیا ہے۔" اچانک انہیں خیال آیا تو خوشی کے عالم میں بتانے لگیں۔

"واقعی۔" فیفا کو بھی فطری سی مسرت ہوئی۔

"بہت بے تاب ہو رہی تھی وہ نبیل کے پاس جانے کے لئے۔"

"ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہوتا۔ اچھا بھلا ویزہ لگ گیا تھا۔ بس ٹکٹ خریدنا تھا۔" امی کو ابھی تک اسی بات کا قلق تھا کہ وہ سہیل کے پاس جا نہیں سکی۔

"امی! میں نے کب جانے سے انکار کیا ہے۔ وہ تو سہیل نے خود ہی منع کر دیا تھا۔" وہ ٹھنک کر بولی تھی۔

"شاید ابھی تمہارے نصیب میں باہر کا سفر نہیں ہے۔" وہ برتن اٹھا کر کچن میں رکھ آئی تھیں۔ ابھی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"امی! فون سنیئے میں ذرا واش روم میں جا رہی ہوں۔" فیفا کو شدید قسم کی ابکائی آ گئی تھی۔ وہ فوراً واش روم کی طرف بھاگی۔

"دیکھا، میں نہ کہتی تھی معاملہ کچھ اور ہے۔" ایک سرخوشی کے عالم میں انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ ذہن تو دھیان ان کا فیفا میں ہی اٹکا تھا۔

"علامات تو یہی ہیں' تاہم تصدیق بھی ڈاکٹر سے کروا لینی چاہیے۔" وہ گویا خود سے بول رہی تھیں۔ اتفاق سے سہیل کا فون تھا۔ انہیں تو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔

"بڑے اچھے وقت اور نیک ساعت میں فون کیا ہے بیٹے۔" نفیسہ بیگم کے لبوں سے گویا پھول جھڑ رہے تھے۔

"میں سمجھا نہیں۔" سہیل واقعی ان کے لہجے میں چھپی بے تحاشا خوشی کی وجہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"خیر سے خوشخبری ہے۔" وہ اپنے تجربے کے پیش نظر خود سے اندازہ لگا چکی تھیں اور انہیں سو فیصد یقین تھا کہ معاملہ یہی ہے۔

"کیسی خوشخبری؟" سہیل پھر بھی سمجھ نہیں پایا۔ البتہ اس کا ماتھا ضرور ٹھنکا تھا۔

"فیفا کہاں ہے؟" اب وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"واش روم میں ہے۔ بے چاری نے سارا کھایا پیا الٹ دیا ہے۔ الٹیاں کر کر کے ادھ موئی ہو رہی ہے۔ خیر تم پریشان مت ہونا۔ شروع کے مہینوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ابھی اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔ کوئی طاقت کے ٹانک لکھ کر دے گی تو طبیعت دھیرے دھیرے سنبھلتی جائے گی۔" وہ اپنی ہی دھن میں اور انجان پن میں کیسے دھماکے کر رہی تھیں۔ اس بات کی انہیں خبر تک نہیں تھی۔ اگر جان جاتیں کہ ذرا دیر بعد حقیقت ان کے پیروں کے نیچے سے زمین سرک جائے گی تو وہ کچھ بھی بولنے سے پہلے سوچ تو

"میں اب بھی آپ کی بات سمجھ نہیں سکا۔" اس کے لہجے میں سناٹوں کی وحشت سرسرا رہی تھی۔ اپنے اندازوں کے برعکس وہ نا صرف سمجھ چکا تھا' بلکہ دو پل میں ہی اس نے انتہا پر پہنچ کر ایک فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا گویا اس کی ذات کے پرخچے اڑائے جا رہے ہیں۔ بہت دیر تو اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ صدمہ، دکھ تھا' بے یقینی تھی۔ اعتماد، اعتبار ٹوٹا تھا، کیا ہوا تھا؟ کچھ لمحے تو وہ ذلت، رسوائی اور اپنی توہین کے ایک کڑے امتحان سے گزرا تھا اور ٹیلی فون سے ہزاروں میل دور سے آتی آواز نے اس کے وجود کو ہلانے میں آخری ضرب کا کام کیا تھا۔

"تم باپ بننے والے ہو سہیل۔" نفیسہ بیگم نے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا۔ وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھیں۔

"میں باپ نہیں بننے والا۔ یوں کہیں آپ کی بیٹی ماں بننے والی ہے۔ مگر اس سے ایک دفعہ پوچھ لیجئے کہ یہ بچہ ہے کس کا؟" وہ کسی زخمی شیر کی طرح پھنکارا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا۔" نفیسہ بیگم کے وجود پر گویا لرزہ طاری ہو گیا۔ ان کے دماغ پر گویا ہتھوڑے کی ضرب لگائی گئی تھی۔ رگوں میں گردش کرتا خون جوش کھانے لگا تھا۔ فشار خون اس حد تک بلند ہو گیا تو انہیں محسوس ہو رہا تھا بس دو لمحوں میں ہی وہ زمین بوس ہو جائیں گی۔ مگر ریسیور پر ان کی گرفت ہلکی نہیں ہوئی تھی۔ ان کے حلق سے صدمے کی شدت سے پھٹی پھٹی آواز برآمد ہوئی۔

"تمہارے حواس تو قائم ہیں۔ کیسی گندی بات تم نے منہ سے نکالی ہے۔" نفیسہ بیگم کا جی بھی بری طرح سے متلایا۔

"میں نے صرف منہ سے گندی بات نکالی ہے۔ اپنی بیٹی سے پوچھو، جو نہ جانے کس کا گند اٹھائے پھر رہی ہے۔" غم و غصے کی شدت سے سہیل ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکا تھا۔ کسی بھی غیرت مند کے لئے اس کی منکوحہ کا حاملہ ہونا کسی غلیظ گالی سے کم نہیں ہوتا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو سہیل! میری بیٹی پر بہتان لگانے کی ضرورت نہیں۔" وہ گویا حلق کے بل چلائیں۔ ان جیسی نرم خو، حلیم مزاج، خاتون کا چلانا کسی تعجب سے کم نہیں تھا۔ تبھی تو فیفا ننگے پیر بھاگی

''نہ جانے کس کا فون ہے؟'' فیفا کا دل بری طرح سے کانپ رہا تھا۔

''آپ کی بیٹی اسی بہتان کے قابل ہے۔ ابھی فون پر بلاؤ اسے میں پوچھتا ہوں کہ میرے ... ذلیل اور گھٹیا عورت نے بد دیانتی کیوں کی۔ صرف چند ماہ انتظار کرنے کو کہا تھا۔ مگر یہ انتظار ... عورت سے برداشت نہیں ہوسکا۔ اچھا ہوا جو بات کھل گئی ہے۔ مجھے میرے رب نے محفوظ رکھ لیا ... کے گناہ کے بوجھ اٹھانے سے بچ گیا۔ اپنی بیٹی کو کہہ دیجئے گا۔ میری طرف سے وہ آزاد ہے۔ ... طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں...... میرا آپ کی بیٹی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ... پر عدت بھی واجب نہیں آپ کے بھولپن اور سادگی کی وجہ سے مزید وضاحت کر دوں۔ میرا آپ کی بیٹی ... کوئی ازدواجی تعلق نہیں رہا۔'' وہ گہرے کاٹ دار طنزیہ لہجے میں دھاڑ رہا تھا۔

''نہیں سہیل! ایسا لفظ منہ سے مت نکالو۔ میری بیٹی کو گالی مت دو۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ... دھوکا کھا گئی۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔'' وہ پچھاڑیں کھا کر زمین پر پورے قد سے ڈھے گئی تھیں۔ ریسیور ... ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ ان کے لبوں پر گویا ایک ہی التجا ٹھہر گئی تھی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں...... میری فیفا پاک ہے۔ ہر گناہ سے پاک ہے۔ ہر بہتان سے بری ہے۔''

''امی! ہوش میں آئیں۔ کیا ہوا ہے آپ کو اللہ کا واسطہ ہے خود کو سنبھالیں۔'' فیفا تڑپ کر آگے ... تھی۔ ماں کا سر اپنی گود میں رکھ کر ان کے بہتے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کرتی وہ خود بھی پھوٹ پھوٹ ... دی۔

''مجھے نہیں اب ہوش میں آنا۔ میں نے تجھے برباد کر دیا۔ میری بیٹی مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے ... سرزد ہو گیا بڑوں کا کہنا ہے بغیر تصدیق کے کوئی بھی بات منہ سے نہ نکالو۔ پہلے سوچو، غور کرو پھر منہ ... پر میں نے کیا غضب ڈھا دیا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹ رہی تھیں۔ ان کے حواس گم ہو ... تھے۔

''امی! کچھ بتایئے بھی تو۔ میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ آپ کیوں اس طرح سے روئے جا رہی ... فون کس کا تھا؟'' فیفا ان کے دونوں ہاتھ بمشکل اپنے ہاتھ میں دبائے سسک رہی تھی۔

''سہیل کا فون تھا۔ میں پگلی تیری بھاری طبیعت سے کچھ اور سمجھی منہ سے پھوٹ بھی دیا ... تیرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ بچہ اس کا نہیں، اس نے تجھے طلاق دے دی۔'' وہ اپنا سر ... رہی تھیں۔ پچھتاوا، صدمہ، دکھ، وہ بری طرح سے اعصابی دباؤ کا شکار ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی تھیں۔ ... کے کوڑوں نے انہیں ادھ موا کر دیا تھا۔ صدمے کی تلوار انہیں کاٹ رہی تھی۔ بیٹی کی بربادی کا ... رگوں میں زہر بن کر دوڑ رہا تھا۔ منہ سے نکلی بات اب واپس نہیں آسکتی تھی۔ سہیل کا اعتبار اب ... قائم نہیں ہوسکتا تھا۔

''کک...... کون سا بچہ؟'' عفیفا وحشت زدہ سی رہ گئی۔ دو پل میں سارا قصہ اس کے ... بھالے کی طرح جا کھبا۔ ماں کی سرخوشی کا راز اس پر کھل گیا تھا۔ اس راز نے جو قیامت برپا کی ... بکھری حالت۔ دیکھ کر سامنے آ گئی۔

''امی! ہائے امی، یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔'' اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے گویا ... دھڑکنوں کو ڈپٹ کر خاموش کروانا چاہ رہی تھی۔

''میں نے عظیم گناہ کمایا۔ بغیر تصدیق کے کفر بک دیا۔ تیرے پاکدامن کو داغ داغ کر دیا۔ مجھ ... پھانسی کی سزا سناؤ۔'' وہ اب بھی اپنا سر فرش پر پٹخ رہی تھیں۔ ان کی رک رک کر چلتی سانسوں کا شور ... رہا تھا۔ عفیفا اس صدمے کے اثر سے دو پل میں ہی باہر نکلی۔ ماں کی نازک حالت نے اسے گویا ... کر دیا تھا۔

''امی! خود کو سنبھالیں کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ بھاگ کر کچن میں سے پانی اٹھا ...

''مجھے پانی نہیں چاہئے۔ مجھے زہر چاہئے۔''

''امی! میری پیاری امی، ہوش کریں۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔ میں کہاں جاؤں گی۔'' فیفا ... پھوٹ کر رو دی۔

''میں خود کو معاف نہیں کر سکتی۔ کبھی نہیں۔'' ان کے ماتھے سے اور سر کے پچھلے حصے سے خون کا فوارہ ... پڑا۔

''میری ذرا سی نادانی نے تیرے ماتھے پر داغ سجا دیا۔'' ان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ ان کے ... کھو رہے تھے۔ ان کی دھڑکنیں بے حد معدوم ہو رہی تھیں۔

''امی! ہائے میری امی۔'' عفیفا کے پیروں تلے سے زمین دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ وہ ... اس کی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ٹیلی فون کی طرف لپکی۔

''کسے فون کروں؟'' اس کا ذہن گویا تھک کر صاف سلیٹ کی مانند ہو گیا۔

''فیفا! مجھے معاف۔'' شاید یہ آخری بات تھی جو نفیسہ بیگم کے منہ سے برآمد ہوئی۔ وہ مکمل طور پر ہوش ... سے بیگانہ ہو گئی تھیں۔ فیفا کے وجود میں گویا بجلی بھر گئی۔ اس نے کپکپاتی انگلیوں کے ساتھ ماہیر کا نمبر ... ملایا تھا اور کچھ ہی دیر بعد وہ لٹی پٹی سی ماں کو ہسپتال لے کر جا رہی تھی۔ ماہیر آدھے گھنٹے سے بھی پہلے آ ... تو فیفا کو اجڑی اجڑی حالت میں دیکھ کر اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ تاہم کسی انہونی ... ماہیر کو سخت بے چین کر چکا تھا۔

............*

''امی۔'' حریم کی چیخ نما آواز سن کر راحت بیگم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ ابھی دس منٹ ہوئے تھے انہیں ... نہ جانے کب اونگھ سی طاری ہو گئی تھی۔ حریم کی آواز انہیں بہت قریب سے سنائی دی تھی تو وہ ... بیٹھیں۔

''کیا ہوا ہے؟''

''نفیسہ پھپھو۔'' حریم کی بھرائی آواز نے ان کا دل مزید دہلا کر رکھ دیا۔

''کیا ہوا ہے؟'' ان کی نیند حریم کے چہرے کو دیکھ کر ہی بھاگ گئی۔

"نفیسہ پھپھو کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے ڈیتھ ہوگئی۔"

"ہائے کب؟" راحت بیگم نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ابھی چند روز پہلے تو بالکل صحت مند تھی۔" راحت بیگم کو گویا یقین نہ آیا۔ منہ سے یونہی بول برآمد ہوئی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" حریم آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" وہ چپل پہنتے ہوئے اٹھ گئیں۔

"ابھی ماہیر کا فون آیا ہے۔" حریم نے لب کچلتے ہوئے بتایا۔

"ہائے، یہ کوئی جانے کی عمر تھی۔" وہ چھکوں پھکوں رونے لگیں۔ حریم کی توقع کے برخلاف انہوں نے کافی صدمہ لیا تھا۔ نند سے لاکھ عداوت سہی' مگر ان کی وفات کی خبر نے ان کے دل کو دکھ کے احساس سے بھر دیا۔

"اکٹھے رہتے ہوئے زندگی بیت گئی تھی' مگر آج تک نفیسہ نے میرے ساتھ بدکلامی نہیں کی۔" نفیسہ پھپھو کی ان خوبیوں کو تو وہ ان کی زندگی میں بھی سراہتی تھیں۔

"امی! ایک اور افسوسناک خبر بھی ہے۔" حریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ان تکلیف دہ الفاظ کو منہ سے نکالے۔

"ہائے، اب اور کون سی "افسوسناک" خبر سنانی ہے۔" وہ ابھی تک زار زار رو رہی تھیں۔

"فیفا کو طلاق ہوگئی ہے۔" حریم نے لب کچلتے ہوئے بتا ہی دیا۔

"طلاق۔" راحت بیگم کا گویا لمحہ بھر کے لئے سانس رک گیا۔

"تو کیا طلاق کی خبر سن کر نفیسہ یہ صدمہ سہار نہیں سکی۔ ہائے، یہ کیا ظلم ہوگیا ہے۔ اس سہیل بدبخت نے کیوں طلاق دی؟ کچھ خبر ہے، تمہیں؟"

"امی! تفصیل کا کچھ پتا نہیں...... ماہیر نے کہا ہے، میں آپ کو لے کر پھپھو کے گھر آ جاؤں۔" حریم کچن کا سامان تیزی سے سمیٹ رہی تھیں۔ اس کے آنسو بھی مسلسل گر رہے تھے۔ نفیسہ پھپھو جیسی زندہ ہستی کے انتقال کا دکھ الگ تھا اور فیفا کے اجڑنے کی خبر نے الگ اسے بے حد رنجیدہ کر دیا تھا۔

"تم ہرگز نہیں جاؤ گی۔" روتے ہوئے انہیں خیال آیا تو فوراً بولیں۔

"مگر امی! ماہیر کہہ رہے ہیں۔ آپ اکیلی کیسے جائیں گی۔" حریم ان کے دو ٹوک واضح لہجے پر حیرانگی چھپا کر بولی۔

"ماہیر کو بھلا ان نزاکتوں کی کیا خبر۔ تم نے مرگ والے گھر میں بالکل نہیں جانا۔" ان کے لہجے میں واضح تنبیہ تھی۔

"میں ثریا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" وہ چادر اٹھا کر موبی کے متعلق بغیر ہدایات دیئے چلی گئیں۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" حریم کو امی کی یہ الگ سی منطق بالکل بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ افسوس تھا کہ وہ نفیسہ پھپھو کا آخری دیدار نہیں کر سکے گی۔ آج کا پورا دن اس سے کوئی کام نہیں ہوا۔

صدموں سے گھائل دل کا احساس اسے مارے ڈال رہا تھا۔ وہ پورا دن بولائی بولائی سی پھرتی رہی۔ نفیسہ پھپھو کی بعد نماز عشاء تدفین ہوگئی' مگر ابھی تک کسی کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ راحت بیگم نے تو فیفا کے پاس ہی رکنا تھا۔ البتہ ماہیر اور ثریا خالہ کی بھی ابھی واپسی نہیں ہوئی تھی۔

"پھپھو مر گئی ہیں بھابی۔" نہ جانے کب دبے قدموں سے چلتا ہوا موبی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ حریم تو خوفزدہ سی ہو کر اچھل پڑی۔

"موبی تم۔" اس نے دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ رکھ کے موبی کی طرف دیکھا۔ "ڈرا کر رکھ دیا ہے مجھے۔"

"ذرا ذرا سی باتوں پر ڈرا مت کرو بھابی۔" موبی اس کے برابر میں بیٹھ رہا تھا۔

"تم کھانا کھاؤ گے موبی!"

"بھوک نہیں۔" اس کی آنکھیں بے حد سرخ تھیں۔ یوں لگتا تھا گویا وہ کافی دیر روتا رہا ہے۔

"بھابی! تم روئی ہونا۔" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔ یوں کہ حریم تک اس کی آواز بمشکل پہنچی۔

"ہاں......" وہ اپنی نم آنکھوں کے بھیگے گوشے پونچھتے ہوئے بولی۔

"نفیسہ پھپھو مر گئیں اس لئے۔" وہ سامنے دیوار پر لگے گھڑیال کو دیکھ رہا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ بھاگتی دوڑتی ان سوئیوں کو رکنا نہیں آتا تھا۔ اگر گھڑیال کی یہ سوئیاں رک بھی جاتیں تب بھی دن، ہفتے اور مہینے اسی طرح سے گزرتے جاتے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں روکی جاسکتی تھیں مگر وقت کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ وقت کے اس قیدی کی خواہش تھی کہ آج کچھ گھنٹے تک وقت ایک جگہ ہی رک جائے۔ آگے نہ بڑھے۔ وہ حریم سے آج بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا اور اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کی باتوں میں کوئی بھی مخل نہ ہو۔

"ہاں۔" حریم کی آواز بھرا رہی تھی۔

"اور فیفا کو طلاق ہوگئی۔ اس لئے بھی روتی رہی ہو؟"

"ہوں۔" اسے پھر سے شدید قسم کا رونا آ گیا۔ اگر وہ گھٹ گھٹ کر رونے کے بجائے کھل کر رو لیتی تو شاید اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ اسے فیفا کے اجڑنے کا دکھ تھا۔ شادی کے بعد اتنی کم مدت میں طلاق، فیفا کی زندگی میں کیسے کیسے سوال چھوڑے گی۔ وہ کسی ایسے مسافر کی طرح تھی جس کی ناؤ بیچ سمندر میں ڈوب گئی تھی۔ شوریدہ لہریں جسے نگلنے کو بے تاب تھیں اور زندگی گویا ساحل پر کھڑی تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"زندگی میں طوفان آ جائے تو اسے روکنے کے لئے خود کو طوفان کے حوالے کرنا عقلمندی نہیں۔ طوفان کے تھمنے کا انتظار کرنا چاہئے۔" موبی کی فلسفیانہ روح دھیرے دھیرے بیدار ہو رہی تھی۔

"کیسا طوفان؟" حریم ٹھٹک کر رہ گئی۔

"کسی اور طوفان کی کسر رہ گئی ہے؟" اس کا لہجہ نہ جانے کیوں طنزیہ ہوگیا۔

''طوفان اور امتحان میں بال برابر فرق ہے۔'' موبی نے گویا اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔
''طوفان ایک ہی جھٹکے میں سب کچھ اڑا کر تہس نہس کر دیتے ہیں جبکہ امتحان قطرہ قطرہ وجود سے رس نچوڑ لیتا ہے۔''

''موبی! کوئی اور بات کرو نا۔'' حریم کم از کم رات کے اس پہر موبی کی کسی بھی ثقیل قسم کی گفتگو کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

''کوئی اور بات؟'' موبی کی آنکھ میں سوچ کی رانی اتر آئی۔ چہرہ پھر سے کسی بوڑھے کی شبیہ اختیار کر گیا تھا۔

''ایک شیشے کا شہر ہے بھابی۔'' موبی نے کہنا شروع کیا اور جب بھی وہ کچھ کہتا تھا، انہونا ہی کہتا۔

''موبی!'' حریم کے لب محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ وہ جان چکی تھی کہ موبی پھر سے کسی انہونی کا ذکر کرنے والا ہے۔ تبھی تو اس کا دل پوری رفتار سے دھڑکنے لگا۔

''کانچ کے شہر کی ایک داسی، تمہاری کٹیا کے دروازے پر دستک دے گی۔ سمجھو تو بھکارن کو کچھ دو گی خالی لوٹاؤ گی؟'' وہ سامنے والی دیوار پر نیلی آنکھیں جمائے کسی اور ہی جہان میں تھا۔

''سوالی یا بھکاری کو خالی تو نہیں لوٹایا جاتا۔'' حریم نے سانس روک کر جواب دیا تھا۔

''مگر میں پتا ہے کیا چاہتا ہوں؟'' اس نے بڑی بڑی لمبی آنکھوں کو بالکل سکیڑ لیا۔

''کیا......؟'' حریم کی آنکھوں میں سوال اتر آیا۔

''تم بھکارن کو واپس لوٹا دو۔ خالی ہاتھ، خالی کشکول۔'' اس کے لہجے میں سناٹا سا اتر آیا۔ حسب توفیق کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔

''تو پھر تم اسے کیا دو گی؟'' حریم نے دیکھا، موبی ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔

''جو سوالی مانگے گا۔ اگر میری پہنچ میں ہو سکا تو دوں گی۔'' حریم اس کی ابھی مسکراہٹ کو سمجھ نہ پائی۔

''فرض کرو بھابی! اگر سوالی تمہارا ''دل'' مانگ لے تو پھر۔'' مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

''دل۔'' حریم دھک سے رہ گئی۔

''سوالی تو سوال کرتا ہے۔ جو اس کی مرضی چاہے مانگ لے۔'' مسکراہٹ کا دائرہ اب سمٹ چکا تھا۔

''مگر بھکاری مجھ سے کیوں مانگے گا؟'' وہ الجھ کر بولی۔

''اس لئے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔'' موبی اب تھکے تھکے قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے قدموں میں ذرا بھر لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ اس کی چال میں کوئی غیر معمولی پن نہیں تھا۔ وہ چہرے، مہرے، چال، گفتار سے ہیجڑا تو نہیں دکھتا تھا' مگر نہ دکھنے سے کیا ہوتا ہے حقیقتیں بدل تو نہیں جاتیں اور جو موبی کا دکھ تھا وہ کوئی اور سمجھ نہیں سکتا تھا اور اسے نہ جانے کس کس کا دکھ تھا۔ شاید فیفا کا، حریم کا یا شاید کانچ کے شہر کی اسی داسی کا' شاید اپنے ادھورے پن کا۔

''اور میرے پاس کیا ہے؟'' حریم نے بہتی چاندنی میں اترے گہرے سکوت سے پوچھا۔
''میرے پاس کیا ہے؟'' وہ اپنے ارگرد نظر دوڑا رہی تھی۔ مگر اسے ایسا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا جس کا وہ دعویٰ کر سکتی۔

''ماہیر عالم ہے نا۔'' گہرے سکوت میں بہتی چاندنی نے تمسخر سے کہا تھا۔

''ماہیر عالم۔'' حریم کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ گویا زمین اس کے قدموں کے نیچے سے ڈھیرے ڈھیرے سرک رہی تھی۔ ملبے کے ایک ڈھیر کے نیچے وہ دب چکی تھی۔ اس کی سانسوں کا تسلسل اب ٹوٹنے کے قریب تھا۔ دھول اور مٹی اس کے حلق میں گھس چکی تھی۔

''ماہیر!'' اس کے لبوں سے دلدوز چیخ برآمد ہوئی۔ ایک دم لائٹ بھی چلی گئی تھی۔ ہر سو اندھیرا پھیل گیا۔ یوں کہ ہاتھ کو ہاتھ تک سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ حریم کے دل میں خوف کی ایک تیز لہر ابھر آئی۔ اچانک کسی نے حریم کے شانے پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا۔

''کک......کون ہو تم؟'' وہ بے اختیار چلانے لگی۔

............*

''یہ شیری کمبخت نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔'' آنسرنگ مشین کے ٹیپ شدہ جواب کو ایک ہزار مرتبہ سننے کے بعد ہی بری طرح سی اکتا چکی تھی۔ وہ بھناتے ہوئے کارڈلیس پھینک کر صوفے سے اٹھ کر گلاس ونڈو میں آ کھڑی ہوئی۔

کرسمس کی رونقیں عروج پر تھیں۔ نیچے زندگی گویا تھرک رہی تھی۔ نیم برہنہ عورتیں سنہری دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے لئے سامنے بنے پارک کی کارپٹڈ گھاس پر چت لیٹی تھیں۔ کچھ واک کے انداز میں بھاگ رہی تھیں۔ کچھ بوائے فرینڈز کے ساتھ مستیوں میں معروف تھیں۔

آج امریکہ میں عام تعطیل کا دن تھا۔ سو نوجوان، بوڑھے، بچے سب فرصت کو انجوائے کر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خوش باش سے ان چہروں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں تھکن سی اتر آئی۔

''بلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، بے مقصد۔'' وہ نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں اپنی زندگی کے اس مقصد کو تلاشنے لگی' جس کے حصول کی خاطر اسے اجنبیوں کے اس دیس میں بھیج دیا گیا تھا۔ علم سمیٹتے، ڈگریاں لیتے۔ ہر میدان میں اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑتے، خود کو ایک بہترین کاروباری شخصیت منوانے کراتے۔ وسیع و عریض حلقہ احباب رکھنے کے باوجود وہ کس قدر تنہا تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ اس نے کبھی اپنی تنہائی کا بٹوارہ نہیں کیا تھا۔ مگر نہ جانے کب، کس طرح کوئی چپکے سے اس کی تنہائی میں مخل ہو گیا تھا مگر یہ ''تنہائی'' تو کسی اور کی امانت تھی' جسے اس نے بچا بچا کر اور سنبھال سنبھال کر صرف اسی کی خاطر رکھا ہوا تھا۔

دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی صبح تھی۔ کہر میں لپٹی ہوئی۔ حالانکہ دور دور تک کہر کا نشان نہیں تھا۔ مگر نہ جانے کیوں اسے ہی کو ہر شے دھندلی دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ آج صبح سے ہی اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہو رہا تھا۔ وہ پوری رات روتی رہی تھی۔ وہ طلوع سحر تک روتی رہی تھی۔ کبھی کبھی

بلا وجہ ہی طبیعت رونے کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ہنی بغیر وجہ تو نہیں رو رہی تھی۔ جس کے ز...
نمکین موتی بے مول ہو رہے تھے اسے تو خبر تک نہیں تھی۔

وہ اسی سفید پتھریلے بنچ پر بیٹھی تھی۔ اردگرد سے بے نیاز، اپنے آپ میں مگن، خواب... آبلہ پائی کا سفر کرتی ہوئی۔ سوچوں کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی، کسی جزیرے کی تلاش میں بھٹکتی... خاک چھانتی دور بہت دور نکل گئی تھی۔ جب کوئی چپکے سے اس کے برابر بیٹھ گیا۔ عجیب بے تکلف... مقابل کی مرضی جانے بغیر صرف خود کو اجاگر کرنے اور زبردستی متعارف کروانے والا عجیب سا نوجوان... مقابل کی ناگواری، ناپسندیدگی، غصے کی قطعاً پروا نہیں تھی۔ جسے اداس اور خاموش لوگوں کی اداسی کے... جاننے کا بہت شوق تھا۔ بقول اس کے، اداس چہرے اسے بے تحاشا اٹریکٹ کرتے تھے۔ ... دل میں گویا کھب کر رہ جاتے۔ ہنی کو وہ بہت دلچسپ شخصیت رکھنے والا آدمی محسوس ہوا تھا۔ ... اس اجنبی کو اپنے حلقہ احباب میں شامل کر لیا۔

"اے غمگین لڑکی! کیوں اس برفیلی صبح کو غمناک کر رہی ہو؟" وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے بولا۔ اپنے قریب ایک مردانہ آواز سنتے ہی ہنی گویا ہوش کی دنیا میں لوٹی۔

"وائے آر یو سٹنگ ہیر؟" وہ اچھل کر قدرے دور ہٹتے ہوئے ناگواری سے بولی۔

"ہو آر یو؟" اس نے ماتھے کی چتون کو واضح کرتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ کا بندہ۔" اللہ کے اس بندے نے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ سجاتے ہوئے بتایا۔

"خاموش اور اداس لوگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ آپ کا چہرہ مجھے خاموشی اور اداسی کی تصویر... سو میں یہاں اس لئے بیٹھ گیا ہوں۔ آپ کو برا لگ رہا ہے تو میں اٹھ جاتا ہوں۔" حالانکہ اس کا ... آدھے گھنٹے تک بھی اٹھنے کا ارادہ نہیں تھا۔

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ غصے سے بھنائی۔

"گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔"

"کیوں جناب! یہ پارک بھی آپ کی ملکیت میں ہے۔" اس کی آنکھوں میں بلا کی شوخی تھی۔

"ویسے میں آپ کو روزانہ ہی اس جگہ بیٹھا دیکھ کر سوچا کرتا تھا۔"

"کیا......؟" اس نے بھنویں اچکا کر دیکھا۔

"یہی کہ ہو نہ ہو، اس لڑکی کی کوئی چیز ضرور کھو چکی ہے۔ جس کے سوگ میں یہ اداس بیٹھی... نظر آتی ہے۔" اس نے تو ہوا میں تیر چھوڑا تھا تاہم لگا ٹھیک نشانے پر تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے سچ مچ کچھ کھو دیا ہے۔ تبھی تو میرا دل خالی خالی سا ہے..." آنکھیں پھر سے نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"آپ کا دل خالی ہے؟" مقابل گویا اچھل پڑا۔

"پھر تو اس خالی مکان کو رینٹ پر لیا جا سکتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ ہنی ناراض ہونے کے بجائے ہنس پڑی۔

"ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

"نام تو میرا ذرا مشکل سا ہے۔ تبھی یہاں سب جاننے والے شیری کے نام سے پکارتے ہیں۔ تم بھی ...کہہ سکتی ہو۔" بڑی بے نیازی سے کہا گیا۔ ہنی کو پھر سے ہنسی آ گئی تھی۔

"میرا نام بھی ذرا مشکل سا ہے۔ مجھے بھی سب ہنی کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"ہنی؟ یعنی شہد...... واؤ، ایک زمانے میں مجھے شہد بہت پسند تھا۔ شہد کے بغیر میرا ناشتا نامکمل ہوتا ... مگر ہوا کیا؟ شہد مہنگا ہو گیا۔ بس میرے شہد کھانے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ خیر اب مجھے شہد کھانے کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ ہاتھ رگڑ رگڑ کر سردی کی شدت کو کم کرنا چاہ رہا تھا۔

"کیوں بھئی۔" ہنی گویا ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

"جناب! جب پوری کی پوری ہنی میرے سامنے ہے تو پھر مارکیٹ میں جا کر پیسے کیوں بھروں؟ یہ مجھے ابھی اسی وقت شہد ملا دودھ پلائے گی۔ ناشتا بھی کروا دے گی۔ پھر اپنی گاڑی میں مجھے میرے فلیٹ چھوڑ کر بھی آئے گی۔ بدلے میں مجھے کچھ زیادہ نہیں کرنا ہوگا۔ ایک تھینک فل سی مسکراہٹ گفٹ کروں ...دوبارہ ملنے کا وعدہ لوں گا۔ ٹیلی فون نمبر لوں گا اور اللہ حافظ کہہ کر اگلی ملاقات کا انتظار کروں گا اور مجھے ...ہے کہ یہ پیاری سی ہنی مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کروائے گی۔ تو کیا خیال ہے ڈیئر ہنی! تمہیں شیری کی ...قبول ہے؟" وہ نان سٹاپ شروع ہو چکا تھا۔ یوں کہ ہنی سے قہقہہ روکنا محال ہو گیا۔ اس کے حلقہ ...احباب میں پہلی مرتبہ ایسا شوخ اور زندہ دل آدمی شامل ہوا تھا اور ہنی نے اس کے ساتھ دوستی کا بندھن ...باندھنے میں لمحہ بھر بھی نہ سوچا اور فٹ سے بول دیا۔

"فرینڈ۔" وہ اپنا ہاتھ پھیلائے مسکرا دی۔

"آہو جی! فرینڈز، فرینڈز۔" شیری نے جواباً بڑی پرجوش سی مسکان اچھالی تھی۔ یہ ان کی دوستی کی ...ابتدا تھی۔ ان تین چار سالوں میں وہ ہنی کے ساتھ کسی...... پکی سہیلی جیسا دوستانہ بنا چکا تھا۔ ہنی جو آج تک ...کسی سے اپنے دل کے راز کہہ نہیں پائی تھی۔ فقط اس کے سامنے اپنے دل کے سارے درد کھولتی چلی گئی ...تھی۔

مگر نہ جانے پچھلے کئی روز سے شیری کا نمبر کیوں آف تھا۔ اس کا فلیٹ بھی لاکڈ تھا۔ ویسے بھی وہ ...کس رہائش گاہ میں رہتا تھا۔ اردگرد کے لوگ اس کے بارے میں اتنا جانتے نہیں تھے۔ اسی پل، اسی ...ہنی کے دل میں بھی چبھتا ہوا ایک سوال ابھرا تھا۔

"اور تم شیری کے بارے میں کتنا جانتی ہو؟"

"کچھ بھی تو نہیں۔" جواب اس کی توقع کے برعکس تھا۔ اسی لئے تو ہنی کا دل دھک سے رہ گیا۔

............*

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب زرجان کی آنکھ کھل گئی۔ دل میں عجیب سی بے کلی چٹکیاں بھر رہی ...نے اٹھ کر روم فریج میں سے کوک کا ٹن نکال کر پینا شروع کر دیا تھا۔ مگر دل کی بے چینی کو قرار نہیں

اچانک نیند ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ سونے کی کوشش کرنا بے کار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب دقتوں کے بعد بھی نیند نہیں آئے گی۔ سو وہ اٹھ کر واش روم میں چلا گیا...... منہ، ہاتھ دھونے کے بعد کچھ فریش ہو گئی تھی۔

واپس آ کر اس نے گلاس ونڈو سے بھاری پردے کھینچ دیئے تھے۔ لان میں مصنوعی روشنیوں سے ہر سو اجالا بکھرا ہوا تھا۔ گیٹ کیپر ڈیوٹی بدل رہے تھے۔

مما اپنے گھر میں رہتی تھیں۔ بہت کم زرجان ہاؤس میں ان کا چکر لگتا تھا۔ اگر موڈ ہوتا تو رک جاتیں۔ جیسا کہ آج اپنے موڈ کے تحت وہ رات ادھر ہی رک گئی تھیں۔ آج کھانا بھی اکٹھے کھایا تھا۔ مما، زرجان کا موڈ فریش دیکھ کر بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ آج ان دونوں نے بلا مبالغہ ہر موضوع پر گفتگو کی تھی۔ مما بھی آج شاید بہت فرصت میں تھیں۔ سو ان کے موڈ اور فرصت کو دیکھ کر زرجان نے ایک بالکل الگ سا قصہ چھیڑ دیا۔ حالانکہ گھر کا کوئی بھی فرد اس معاملے میں بولنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے دونوں بڑے بھائیوں کو سرے سے اس قصے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ تو بس زرجان تھا جو ایک کی فکر میں پریشان ہونے والا۔

"مما! آپ سے ایک بات کہنا تھی۔" بہت دیر سوچ و بچار کے بعد بالآخر اسے مناسب الفاظ مل گئے تھے۔ ویسے بھی وہ کافی دنوں سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے کسی ایسے ہی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے زرجان کو آج یہ موقع میسر آ گیا۔

"کہو، اس میں اتنا غور و فکر کرنے کی کیا بات ہے۔"

مما کا موڈ بے حد شگفتہ تھا۔ مگر یہ موضوع ایسا تھا کہ ان کی شگفتگی سمٹ سکتی تھی۔

"آپ نے ہنی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ قطعاً سمجھ نہیں پائیں۔

"آپ ہنی کو واپس کیوں نہیں بلوا لیتیں۔ اتنے سالوں سے وہ تنہا رہ رہی ہے۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟ جس مقصد یا شوق کی غرض سے آپ نے اسے امریکہ بھیجا تھا۔ وہ بھی پورا ہو چکا ہے۔ اس کی شادی کے لئے بھی مناسب ایج ہے۔ آپ اس بارے میں کیوں نہیں سوچتیں۔" زرجان نے بہت سنجیدگی کے انداز میں اپنے خیالات کا کھل کے اظہار کر دیا۔

"نہ جانے کیوں اس اسٹیج پر پیرنٹس بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں۔ پہلے ایسی باتوں پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ مگر اب بہت سی باتیں ذہنی کرب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ بچوں کی بے جا ضد کس کس مقام پر رسوا کرتی ہے۔ تم اپنی مثال ہی لے لو۔ کب مانی تم نے میری بات اس لڑکی کی خاطر جوگ لے لیا۔ میری ذرا پروا نہ کی۔ اب بھی سنبھل جاؤ تو میں پھر سے زندہ ہو جاؤں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے بچوں نے مجھے کس مقام پر ہرٹ کیا ہے۔ اپنے بھائیوں کو دیکھ لو، بیویوں کے قول کی پاسداری کا کیسا احساس کیا ہے۔ بستر سمیٹ کر پردیس آباد کر لئے۔ چلو، ایک لحاظ سے بہتر زندگی کے لئے انہوں نے کمانے کا سوچا ہے کیا۔ پھر تم اور ہنی ہو میرے جینے کی آس مگر تم دونوں ہی مجھے فقط ایک خوشی بھی نہیں دے سکتے۔" ان کی آواز ضبط کی کڑی منزل سے گزرتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

بھرانے لگی۔ تبھی تو وہ ضبط کی کڑی منزل سے گزرتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

"آپ ہنی کی شادی کر دیں اور ہنی کے بعد میں بھی شادی کر لوں گا اور شادی بھی آپ کی پسند سے ہوگی۔" جن فیصلے لمحہ بھر میں اپنے انجام تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ وقت اور ماحول کا اثر تھا یا ماں کے آنسوؤں نے ان کے دل کو پگھلا دیا تھا۔ جو بھی تھا، زرجان کے اس عہد نے محترمہ فلک ناز کے چہرے پر خوشی کے کئی رنگ بکھیر دیئے۔

"تم سچ کہہ رہے ہو زرجان۔" ان کی آواز خوشی کی زیادتی سے لرزنے لگی۔

"بالکل یہی سوچا ہے میری جان۔"

"مگر شرط صرف یہ ہے پہلے ہنی کی شادی ہو گی۔" اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" وہ نم آنکھوں کو نزاکت کے ساتھ ٹشو سے پونچھنے لگیں۔

"آپ ہنی کو شادی کے لئے رضا مند کریں۔"

"میرے خیال میں ہنی تقریباً رضا مند ہی ہے۔" مما کے انکشاف نے زرجان کو بری طرح سے چونکا دیا۔

"اچھا......" اس کی حیرانی کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔

"آپ کو کیسے خبر ہوئی؟"

"ہنی کی زندگی میں کوئی آ چکا ہے۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" وہ سچ مچ اس انکشاف پر بے حد خوش ہوا۔

"شیری نام ہے۔ بہت اچھے عہدے پر فائز ہے۔ پچھلے تین سال سے ہنی اسے جانتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ شیری بھی ہنی میں انٹرسٹڈ ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگرچہ شیری کا بیک گراؤنڈ کچھ خاص نہیں ہے۔ تاہم خود وہ مکمل طور پر اسٹیبلشڈ ہے۔ جتنا میں اسے جان پائی ہوں مجھے وہ ہر لحاظ سے اچھا لگا ہے۔" مما اور کسی کی تعریف کریں۔ بات تو حیران کن تھی یا تو وقت بدل چکا تھا یا پھر محترمہ فلک ناز کی سوچ میں تبدیلی آ گئی تھی۔ جو بھی تھا، زرجان کے لئے اپنی ماں کا اس لحاظ سے سوچنا بہت اچھا اور اچھوتا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی بھر گئی۔ کیا یہ کم تھا کہ انہوں نے انسانوں میں تفریق کرنا ترک کر دیا تھا۔

"کیا آپ شیری سے مل چکی ہیں؟"

"نہیں البتہ میں غائبانہ طور پر اسے اچھی طرح سے جانتی ہوں۔"

"تو پھر آپ ہنی سے اس ٹاپک پر کھل کے بات کر لیں۔" زرجان سمجھ چکا تھا کہ ان کے جاسوس ہر طرح کی معلومات بہم پہنچا دیتے تھے۔ ان کی واقعی ہی چار آنکھیں تھیں۔ دو ادھر تھیں اور دو ادھر۔

"تقریباً اب میرا ارادہ ہے کہ ہنی سے ملنے امریکہ چلی جاؤں۔" انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

"آپ ہنی کو پاکستان کیوں نہیں بلوا لیتیں۔ کچھ عرصہ اسے یہاں ہمارے ساتھ بھی رہنا چاہئے۔" زرجان پر سوچ تھا۔

"انشاء اللہ، صرف کچھ ماہ تک وہ ہمارے ساتھ ہو گی۔" وہ کچھ سوچ کر دھیرے سے مسکرا دیں۔
"میں اپنے بچوں کی خوشیوں کو کبھی ختم نہیں ہونے دوں گی۔" وہ گویا خود سے عہد باندھ رہی تھیں۔
"اور تم سناؤ، ان لوگوں سے روابط میں کوئی کمی نہیں آئی؟" معاً انہیں خیال آیا تو پوچھنے لگیں۔ لہجے میں ناگواریت نہیں تھی۔ زرجان کو پھر سے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔
"مما اور ان لوگوں کا ذکر اتنے نرم الفاظ میں کریں...... یا حیرت۔" وہ بے اختیار سوچے چلا گیا۔
"زرجان......؟" انہوں نے چٹکی بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
"جی مما۔" وہ سنبھل کر سیدھا ہوا۔
"کیا حال احوال ہے تمہارے تایا جان کا؟" ان کا لہجہ طنزیہ تو نہیں تھا مگر زرجان کو طنزیہ ہی لگا۔
"اب پہلے سے بہتر ہیں۔"
"تم ان کا چیک اپ وغیرہ کرواتے ہو۔" ایک اور سوال۔
"جی......" زرجان نے محض اثبات میں سر ہلایا۔
"تم کبھی کبھی ان کی طرف چکر لگا لیا کرو۔ اگر فنانشلی پرابلم ہو تو تم ان کا خیال رکھا کرو۔ اب ایک فرد کے گناہ کی سزا پورے خاندان کو دینا عقلمندی نہیں۔ بہرحال ان لوگوں کا اس قصے سے بھلا کیا تعلق تھا۔ میں بھی ناحق انہیں رگیدتی رہی تھی۔" دیر سے ہی سہی انہوں نے اپنی ایک اور غلطی کو تسلیم کر لیا۔
"جی مما۔" زرجان اب کے سچ مچ حیرت کا بت بن گیا۔
"یا اللہ! یہ بدلاؤ، یہ انقلاب کیسے آ گیا۔"
"اور وہ حریم، کس فیملی میں اس کی شادی ہوئی ہے؟"
ان کا لہجہ سرسری سا تھا۔ گویا وہ اس کے بھی مالی حالات کا اندازہ لگانا چاہتی تھیں۔
"اچھے لوگ ہیں...... وضع دار سے، بہرحال اس کا ہزبینڈ بہت نائس ہے۔" زرجان نے مختصر الفاظ میں بتا دیا۔
"اور وہ حانی، اس کا کیا بنا؟ ویسے لڑکیاں خوبصورت ہیں۔ اگر اس کے پیر میں نقص نہ ہوتا تو شاید میں...... خیر چھوڑو۔" وہ گویا کوئی بات کہنا چاہتی تھیں مگر پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئیں۔
"حانی کی انگیجمنٹ ہو چکی ہے۔" زرجان نے جتا کر کہا۔
"او...... یہ تو خوشی کی بات ہے۔" محترمہ فلک ناز اور حریم کی فیملی کے بارے میں گفتگو کریں۔ آج دن ہی انوکھا طلوع ہوا تھا شاید۔
"کس جگہ منگنی کی ہے؟"
"اسلام آباد میں...... اس کی خالہ کے گھر۔" زرجان اب حیرت کے جھٹکوں سے قدرے سنبھل چکا تھا۔ تاہم اس کی سنجیدگی ابھی تک برقرار تھی۔
"کون سی خالہ۔" فلک ناز چونک گئیں۔
"میرے خیال میں ان کی ایک ہی خالہ ہیں۔"

زرجان نے سوچتے ہوئے بتایا۔
"نام کیا ہے خالہ کا؟" مما کے لہجے میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔ زرجان بھی چونک گیا۔
"شاید نورینہ۔"
"ہوں......" وہ ہنکارا بھر کے لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گئیں۔
"جانتے ہو...... یہ نورینہ کون تھی؟"
"کون تھیں؟" زرجان کو بھلا نورینہ کے بارے میں جاننے کی کیا ضرورت تھی۔ تاہم مما کے لہجے کی سنجیدگی کی بو پا کر وہ سمجھ گیا تھا کہ کچھ تو غیر معمولی تھا ہی۔
"تمہارے پاپا کی سابقہ منگیتر۔" مما نے گویا انکشاف کیا۔
"اچھا......" زرجان قطعاً حیران نہیں ہوا۔
"مما! ایک بات تو بتائیے؟" کچھ سوچ کر وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔
"کیا؟" وہ ابھی تک ماضی کے کسی لمحے میں کھوئی ہوئی تھیں۔ چونک کر زرجان کی طرف دیکھنے لگیں۔
"آپ کی پاپا کے ساتھ شادی کیسے ہوئی؟ ایک مڈل کلاس فیملی کے کسی فرد سے نانا نے آپ کو کیسے بیاہ دیا؟"
بہت سالوں سے زرجان اس بارے میں جاننے کی خواہش رکھتا تھا۔ مگر مما ان لوگوں کے متعلق تو کیا پاپا کے بارے میں بھی کچھ بولنا پسند نہیں کرتی تھیں۔
"کیا ذکر چھیڑ دیا ہے۔ دل تو کیا میری تو سوچیں تک زخمی ہیں زرجان۔" محترمہ فلک ناز کے چہرے پر زردیاں سی کھنڈ گئیں۔ چہرے کے تاثرات بدل کر رہ گئے تھے۔
"سوری مما! میں نے آپ کا دل دکھا دیا۔" زرجان یک لخت شرمندگی کے عمیق گڑھے میں گر گیا۔ مما کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر وہ خود کو ملامت کرنے لگا۔
"نہیں بیٹا! دکھا ہوا دل مزید اور کیا دکھے گا۔" انہوں نے گہرا سانس خارج کر کے کہنا شروع کیا۔
"جس بوسیدہ کتاب کو ہمیشہ کے لئے بند کر کے دل کے سرد خانے میں رکھ دیا تھا۔ آج تمہارے لئے اس کا صفحہ کھول دیتی ہوں۔" وہ اپنے گلاسز اتار کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولیں۔ زرجان کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ آج اپنے دل کے سارے بوجھ اتار دینا چاہتی ہیں۔ وہ اپنے بچوں میں سے صرف زرجان سے اس حد تک اٹیچ تھیں کہ اپنے ماضی کے بارے میں بات کرتے ہوئے بہت ریلیکس فیل کر رہی تھیں۔
"میں ایسی برف کی عورت نہیں تھی۔ جذبات اور احساسات رکھنے والی عام سی لڑکی تھی۔ ایک عام سی صورت رکھنے والے عام سے باپ کی اکلوتی لاڈلی کم رو بیٹی۔ مجھے کبھی احساس تک نہیں ہوا تھا کہ میری شکل معمولی سی ہے۔ میرے خدوخال میں کوئی سحر انگیزی نہیں، احساس کمتری تو مجھے چھو کر نہیں گزرا تھا۔ تمہارے پاپا کی دولت کا تھا یا میری ذہانت کا، ذہانت کے معاملے میں خاندان بھر میں میری ٹکر کا کوئی

دوسرا نہیں تھا۔ اس لئے اپنے سرکل کے علاوہ میں کالج، یونیورسٹی اور پورے خاندان میں ہمیشہ سرفہرست رہی۔ ان چیزوں نے میرے دماغ میں غرور نام کا تھوڑا سا خناس بھر دیا تھا۔ میرے دوست بہت کم تھے جو تھے میری ذہانت سے خار کھاتے تھے۔

مجھے یاد ہے۔ جب میں بزنس ایڈمنسٹریشن کے حوالے سے اضافی ڈگریز لے کر فارن سے واپس آئی تو پاپا نے میرے اعزاز میں ایک گرینڈ فنکشن ارینج کیا تھا۔ اس پارٹی میں ملک کے نامور چیدہ چیدہ بزنس مین، صنعت کاروں، کے علاوہ پاپا نے اپنی کمپنی کے چند ایک ورکرز کو بھی بطور خاص انوائٹ کیا تھا۔ ان میں سے ایک تمہارے پپا جمشید بھی تھے۔

یہ تو مجھے بہت بعد میں پتا چلا تھا کہ پاپا نے جمشید کو میرے لئے پہلے سے ہی پسند کر رکھا تھا۔ پاپا شاید اس کی وجاہت سے متاثر ہو گئے تھے اور وہ ہماری دولت سے ایک معمولی سے گھر کا چند ہزار ماہوار لینے والا نوجوان جسے بہت کچھ پانے کے لئے ایک شارٹ کٹ درکار تھا اور یہ اس کی خوش بختی تھی کہ میری صورت میں اسے یہ شارٹ کٹ میسر آ گیا۔ بغیر کسی جدوجہد کے جب کوئی چیز خود بخود پکے ہوئے پھل کی طرح دسترس میں آ جائے تو اس کی قدر پھوٹی کوڑی کے برابر ہوتی ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ پاپا نے ایک غلط فیصلہ کیا تھا۔ میرے لئے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا گیا۔ جس کے نزدیک رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اگر وہ اپنے ماں باپ جیسے رشتوں کو چھوڑ سکتا تھا تو پھر اس کے لئے مجھے یا اپنی اولاد کو چھوڑنا کچھ مشکل تھا؟

تمہارے دادا نے جمشید کو نافرمانی کے جرم میں گھر سے بے دخل کر دیا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ جمشید عباس نے اپنی بچپن کی منگیتر کو ریجیکٹ کر دیا تھا جو کچھ اسے مجھ سے حاصل ہو سکتا تھا۔ وہ سب کچھ زرینہ اسے نہیں دے سکتی تھی اور جب اسے تین خوبصورت بیٹے اور وہ سب کچھ حاصل ہو گیا جو اسے چاہئے تھا جس کی چاہ میں وہ اپنے پچھلوں کو چھوڑ آیا تھا۔ جن سے تمام روابط اس نے خود ختم کر لئے تھے۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ میں نے بہت کوشش کی تھی۔ جمشید کے پیرنٹس سے اس کے تعلقات بحال کرنے کی۔ مگر وہ لوگ ہمارے ساتھ کسی بھی قسم کا رابطہ، تعلق استوار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

تمہارے دادا، دادی کی وفات کے بعد جمشید کو احساس ہوا کہ اس نے ایک لاحاصل خواہشات کا تعاقب کر کے بہت غلط کیا ہے۔ اپنے ساتھ بھی اور اپنے والدین کے ساتھ بھی۔ پچھلی غلطیوں کو سدھارنے کے چکر میں وہ نئے حساب کتاب کھولتا چلا گیا۔ جمشید کے رویے کے بدلاؤ نے ہر عورت کی طرح مجھے بھی متوحش کیا تھا۔ طرح طرح کے خدشات اور واہمے میرے دل میں پنپنے لگے تھے۔ مجھے خود سے یہ احساس ہونے لگا شاید میرے رویے میں شدت پسندی کے باعث جمشید مجھ سے دور ہو رہا ہے۔ ہاں، میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ میں بہت شدت پسند تھی۔ اپنے شوہر اور اولاد کی محبت میں عام عورتوں سے بھی دس گنا زیادہ محبت کرتی تھی۔ یہ میری شدت پسندی تھی کہ میں کسی بھی طور تم لوگوں کو پل بھر کے لئے نظروں سے اوجھل نہیں کرتی تھی۔ تب میں...... ایک گھریلو عورت کا روپ دھارے ایک آیا کی طرح تم لوگوں کے آگے پیچھے گھومتی رہتی تھی۔ اس کے باوجود اس ناشکرے انسان کو اپنی زندگی میں پیچھے رہ جانے والی اور کھو جانے والی چیزوں کی طلب اکساتی رہتی۔

گھر میں چخ چخ اور بدمزگی ایک روٹین کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم لوگوں کے معصوم ذہن کسی تباہی کو بہت جلد محسوس کرنے لگیں۔ میری حتی المقدور کوشش ہوتی تھی کہ جمشید اپنا غصہ صرف مجھ تک محدود رکھے۔ مجھے اپنا گھر بچائے رکھنا تھا۔ اس گھر کو بچانے کی خاطر میں نے ہر قسم کے پل صراط پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جمشید کے رویے میں تبدیلی کا آغاز تب ہوا، جب تمہارے دادا، دادی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے اور جمال بھائی کے گھر میں اس کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی۔ مجھے لگتا تھا تمہاری گھنی میسنی بے اولاد تائی کی چالوں میں جمشید الجھ کر گھر کا راستہ بھول گیا ہے۔ مگر یہ میری بھول تھی۔ اتنے سال ان لوگوں سے نفرت کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ جمشید جیسے ناشکرے کے مقدر میں ٹھوکریں لکھ دی گئی ہیں...... اسے کسی نے بھی راہ سے ہرگز نہیں بھٹکایا تھا' اسے بھٹکنا تھا۔ بھٹکنا اس کے نصیب میں تھا سو وہ اپنی راہیں خود کھوٹی کر گیا۔

ذلت اور رسوائی میرے مقدر میں بھی لکھی گئی تھی۔ بے مراد مجھے بھی رہنا تھا۔ سو جمشید جاتے جاتے مجھے اپنے نام کے مان سے بھی آزاد کر گیا۔ تم تینوں کو...... دھتکار گیا۔ کبھی نہ پلٹنے کے لئے چلا گیا۔ مڑ کر اس نے دیکھا بھی نہیں۔ بغیر جرم کے ایسی سزا سنا دی تھی مجھے جس کے زہر نے میری رگوں کو نیلا کر دیا۔

کچھ ایسی ہی نفرت مجھے جمشید اور اس سے تعلق رکھنے والے ہر رشتے سے ہو گئی تھی۔ پہلے کبھی کبھار میں جمال بھائی کے گھر چلی جاتی تھی۔ پھر مجھے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ تمہاری تائی میرے بچوں کو بڑی پیاسی نظروں سے دیکھتی ہے۔ وہ شاید ممتا کی ترسی ہوئی تھی۔ مگر مجھے اس کی نظروں سے وحشت ہونے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ میرے بچے بھی مجھ سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ تب حریم اور حانی ابھی پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ جمشید کے چلے جانے کے بعد میں نے اس باب کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا...... میں نہیں چاہتی تھی کہ تم لوگوں کو کبھی خبر ہو کہ اس دنیا میں تمہارا کوئی ددھیالی رشتہ دار بھی موجود ہے۔

جمشید نے بری صحبت میں خود کو تباہ کر لیا تھا۔ نہ جانے کس طوائف کے عشق میں اسے دیوانہ کر دیا۔ عمر بھر کی ساری پونجی نہ جانے کہاں کہاں لٹاتا رہا۔

جب دنیا سے خالی ہاتھ لوٹنے کا وقت آیا تو اسے اپنے جگر کے ان ٹکڑوں کا خیال آ گیا۔ جنہیں وہ بے رحم موجوں کے حوالے کر گیا تھا۔ آخری وقت میں اسے کاندھا دینے کے لئے جب کوئی اپنا نہ تھا تب زرجان عباس دل کو ہاتھوں میں لئے باپ کے در پر پہنچ گیا۔ اس کی سلگتی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے، اس کی پیاس بجھانے۔

کیا ایسے زرجان عباس جیسے بیٹوں کے حق دار ہو سکتے ہیں؟

مجھے تکلیف ہوتی تھی۔ جب تم جمشید سے ملنے جاتے تھے۔ پھر اس کی میت کو کاندھا دینے پہنچ گئے۔

یہ تو میرا فرض تھا مما! انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔ اگر میں نہ جاتا تو ساری زندگی کبھی خود کو معاف نہ کر پاتا۔ مما! انہیں کسی غلط صحبت نے تباہ نہیں کیا تھا۔ وہ دنیا کے جھمیلوں سے تنگ آ گئے تھے۔ شاید اپنے

والدین کو ناراض کرنے کے کرب نے انہیں کبھی خوش نہیں ہونے دیا۔ کبھی کبھی انسان خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ پپا اپنی پچھلی غلطیوں کی پشیمانی مٹانے کے چکر میں مزید غلطیاں کرتے رہے تھے۔ آخری عمر میں انہیں بہت سے پچھتاوے رلاتے تھے۔ اپنے منگیتر کے دل کو توڑ دینے کا پچھتاوا، والدین کا دل دکھانے اور نافرمانی کرنے کا پچھتاوا۔ آپ کو اور ہمیں چھوڑ دینے کا اذیت ناک پچھتاوا۔

مما! کیا وہ قابل معافی نہیں تھے۔ انسانیت کے ناتے ہی سہی۔" وہ ماں کے کرب کو بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتا تھا۔ محترمہ فلک ناز خاموش تھیں۔ ماضی سے حال تک کے سفر نے انہیں ... ڈالا تھا۔ وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے زرجان کو دیکھ رہی تھیں۔ اس نے ایک ایک نقش اپنے باپ کا چرایا تھا۔ ہاں، اس کا دل جمشید کے دل جیسا نہیں تھا۔ وہ اپنے باپ جیسا نافرمان اور باغی نہیں تھا۔ وہ کسی کا دل دکھانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا اور انہی خوبیوں نے زرجان عباس کو مکمل کر رکھا تھا۔

"شاید نہیں۔" وہ اپنے ہونٹوں کو اذیت سے کچل رہی تھیں۔

"کیوں نہیں؟" زرجان کی آنکھوں میں سوال ابھر آئے۔

"اگر دیکھا جائے تو ہم نے آپ نے، پاپا کے جانے کے بعد بھی ایک بہترین زندگی جی ہے مگر پپا نے زندگی کو نہیں، زندگی نے انہیں برتا ہے۔ افلاس، تنہائی، دکھ، کرب اور پچھتاووں کے سنگ۔"

"اس زندگی کا جمشید نے خود سے انتخاب کیا تھا۔ جو لوگ ہاتھ آئی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ انہیں ساری زندگی پچھتاووں کے سہارے ہی زندہ رہنا ہوتا ہے۔" وہ اپنی سرخ آنکھوں کو مسل رہی تھیں۔

"ہوں۔" زرجان نے ہنکارا سا بھرا۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ ہر آدمی جو کرتا ہے وہ بھگتتا بھی ہے۔ جو بوتے ہیں۔ بالآخر کاٹنا بھی تو وہ ہی ہوتا ہے۔ نفرت کی فصل اگا کر محبت کی خواہش اور طلب رکھنا عقلمندی تو نہیں۔

اک عمر گزار دینے کے بعد اپنی غلطیوں کا ادراک باقی ماندہ زندگی کے خاتمے میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ مگر پھر بھی اولاد ہونے کے ناتے اس نے اپنے باپ کے آخری وقت اور لمحوں میں اپنی قربت کا احساس بخش کر ٹوٹتی سانسوں کو جو سکون بخشا تھا۔ اس کا دل آج بھی مطمئن تھا۔ اس نے اپنا فرض نبھایا تھا۔ اگر وہ کچھ اور زندہ رہتے۔ تب بھی زرجان...... ویسی محبت اور تحفظ انہیں فراہم کرتا۔

وہ اپنے آپ کو بدقسمت ترین لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ جب والدین پاس تھے تو ان کی محبت کی قدر انہوں نے کبھی سمجھا نہیں۔ ہمیشہ نافرمانی اور بدکلامی سے والدین کا دل دکھاتے رہے۔ خدا انہیں پھر بھی نوازتا رہا۔ مگر شکر اور صبر کرنا انہوں نے سیکھا ہی کہاں تھا اور شاید ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ فلک ناز جیسی مغرور عورت کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے وہ خود بھی تنگ آ چکے تھے۔ شاید ان کا دل ماتم کرتا رہا۔ آسائشات سے اوب گیا تھا۔ ان کے اندر کا باضمیر انسان زندہ ہوگیا تھا جو بھی تھا۔ والدین کی ناراضگی نے کسی اور کے تو نہیں، ہاں زرجان کے دل میں ایک چبھن دیتا احساس ضرور چھوڑ دیا تھا۔ ایک مہربان اور سکون اس کے حصے میں نہیں آیا تھا۔ ہاں، وہ پرامید ضرور تھا۔ ایک بہت اچھا اور مخلص ساتھی

رکھنے کی امید تو بہر حال زندہ تھی۔

کبھی کبھی رات کے کسی پہر اگر آنکھ کھل جاتی تو دل انہونی سی خواہشوں پر اکسانے لگتا۔ ایک مخلص ہم سفر کی طلب بے دار ہو جاتی۔ جو بن کہے دل کے سارے درد جان لینے کے فن سے آشنا ہوتا۔ آنکھوں میں میٹھی نیند کو بھر دیتا۔ جو لبوں پر کوئی ایسا شگوفہ کھلا دیتا۔ جس کے بعد کوئی چاہت کو کمی نہ دکھتی۔

ایسا کوئی ہم سفر جو دل کے بے تحاشا قریب ہوتا اور ایسا بھلا کون ہے؟ زندگی تمناؤں سے خالی ہو تو پھر زندگی ایک زنجیر بن جاتی ہے۔ جس کا گھیرا گلے کے گرد دھیرے دھیرے تنگ ہوتا رہتا ہے، سانسیں گھٹن کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اور زرجان عباس زندگی کو تمناؤں سے خالی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ زندگی جو رب رحیم کی امانت تھی۔ وہ اس امانت کو بڑے سلیقے کے ساتھ برتنا چاہتا تھا اور یہ سلیقہ دان کرنے کا ہنر بھی کسی ایسے ہم سفر کے پاس ہو سکتا تو جو بغیر صلے کے چاہے جانے کا خود میں حوصلہ رکھتی۔

تو زرجان عباس کو کسی ایسے ہی ہم سفر کی تلاش تھی۔ کبھی وہ سوچا کرتا تھا کہ اس کی تلاش شاید حریم پر ختم ہو چکی ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا۔ رب کائنات کی اس وسیع کائنات کا دائرہ کہاں کہاں تک پھیلا ہے۔ اور اس کی ماں جو تجربوں کی بھٹی میں سلگ سلگ کر کندن بنی تھی۔ ان کا کہا کیسا سو فیصد سچ تھا۔

"زندگی حریم جمال پر ختم نہیں ہوتی۔"

بہت مشکل سے ہی سہی، بہت اذیت اور کرب سے گزرنے کے بعد ہی سہی، زرجان عباس نے تسلیم کر لیا تھا کہ زندگی کو ایک جگہ روک دینا، قانون فطرت کے خلاف ہے۔ وہ فطرت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خدا کے بنائے قوانین اور تقدیر جیسی اٹل حقیقت کے ساتھ ضد نہیں باندھ سکتا تھا۔ اس نے حریم کو کھو کر صبر کر لیا تھا اور اس نے اپنی ماں کے دل کو اپنی طرف سے رضامندی کا سندیسہ سنا کر اپنا فرض نبھا دیا تھا۔

اور کسی نے سچ ہی کہا ہے زندگی جہد مسلسل کا نام ہے۔ رک جائے تو جمود طاری کر دیتی ہے۔ بڑھتی رہے تو دراصل زندگی کہلاتی ہے۔

رات صبح نوخیز میں دھیرے دھیرے ادغام کر رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے سلائیڈ لاک کر کے بیڈ روم سے باہر آ گیا۔

ارادہ تو تھا کہ تھوڑی دیر لان میں ٹہلنے کے بعد نماز فجر پڑھنے کے لئے مسجد چلا جائے گا مگر مما کے کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر قدرے ٹھٹک گیا۔

مسجد جانے کا ارادہ بدل کر وہ کچھ سوچتا ہوا مما کے بیڈ روم کی طرف آ گیا۔ ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھنے کی خواہش رکھتا ہی تھا جب اندر سے آتی مما کی نم آواز نے اس کے قدموں کو ہی نہیں بڑھتے ہوئے زرجان عباس کو ساکت کر دیا۔

"میں صرف اتنا چاہتی ہوں...... ماہیر عالم کو اس ملک سے نہ سہی شہر سے بہت دور بھیج دیا جائے۔ اتنا

دور کہ اس کی خوشبو تک بھی یہ فضا محسوس نہ کر سکے۔ میں اپنی طرف سے کسی کو بھی ذرہ بھر تکلیف نہیں چاہتی۔ ماہیر کو تو بالکل بھی نہیں۔ میری اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی عداوت نہیں، بلکہ میں نے تو بہت پہلے شاید اسے دیکھا تھا۔ اس کی شکل تک بھول چکی ہے۔ وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ مجھے اس سے کوئی دینا نہیں......بس میں چاہتی ہوں، بغیر اسے کوئی تکلیف دیئے کسی اور شہر ٹرانسفر کر دو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔" مما کی آواز نہ جانے کیوں لرز رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے دوسری طرف سے آنے والی آواز سنتی رہی تھیں۔

"تو پھر یوں کرنا، اسے ٹرمینیٹ کر دینے کی دھمکی دینا۔ اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو ظاہر ہے یہ جاب اس کے ہاتھ سے جائے گی ہی۔ البتہ کسی اور کمپنی میں اس کی سی وی ہرگز بھی نہیں پہنچنی چاہئے۔ اسے ہر صورت یہ شہر چھوڑنا ہوگا۔ مجھے ایک طوفان کی آمد کی خبر ہو رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی یہ طوفان بہت سے گھروں کو تباہ کر دے۔" ان کا انداز خود کلامی سے مشابہ تھا۔

"کیسا طوفان؟" زرجان نے الجھ کر بند دروازے کی طرف دیکھا۔

"کیا مما نہیں جانتی ماہیر عالم کون ہے؟ اگر وہ نہیں جانتی تو پھر ماہیر کو کیوں شہر بدر کروانے کے پلان بنا رہی ہیں۔ کیا صرف اس لئے کہ حریم بھی ماہیر کے ساتھ یہ شہر چھوڑ دے! صرف اور صرف میری وجہ سے تاکہ میں حریم کی فیملی سے کوئی تعلق نہ رکھوں؟ حریم سے ملنا چاہے کسی بھی بہانے سے ہو، ختم ہو جائے۔ ایک طرف وہ حریم کی فیملی کو سپورٹ کرنے پر مجھے فورس کر رہی ہیں اور دوسری طرف ان کی سیٹلڈ لائف کو ڈسٹرب کرنے کی پلاننگ ہو رہی ہے۔ مما کے قول اور فعل میں یہ تضاد کیوں ہے؟ کیا یہ نہیں جانتی کہ میں اگر پریشان ہوگا تو حریم بھی از خود ڈسٹرب ہوگی اور حریم اگر ڈسٹرب ہو، اپ سیٹ ہو تو زرجان بھلا کیسے سیٹ رہ سکتا ہے۔" وہ ماں کی دوہری شخصیت کی گتھی میں اس حد تک الجھ گیا تھا کہ اسے لان میں جانا یاد نہ رہا۔

"آپ میری وجہ سے حریم اور ماہیر کو یہ شہر چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتیں مما! کبھی نہیں۔ میں نادانستہ حریم کی فیملی سے روابط نہیں رکھوں گا مگر میری یہ شرط ہے، ضد ہے یا جو بھی سمجھ لیں۔ ماہیر اور حریم گھر اور یہ شہر چھوڑ نہیں جائیں گے۔"

وہ گویا خود سے عہد کرتا ہوا پلٹ رہا تھا۔

............*

"پر میری بچی! ہوا کیا تھا۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔" راحت بیگم بھاری ہوتی آواز سے بمشکل بول رہی تھیں۔ پورا دن رونے دھونے میں گزر گیا تھا۔ حلق میں گویا کانٹے پھنس رہے تھے۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ تدفین کے بعد اہل محلہ کی خواتین اور مرد حضرات بھی دھیرے دھیرے چلے گئے تھے۔ اب خالی بھاں بھاں کرتے گھر میں راحت بیگم اور عفیفا کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ بیٹھک میں عفیفا کی ایک پھوپھو کے شوہر اور ان کے کوئی بھتیجے موجود تھے۔ ماہیر انہی کے پاس بیٹھا تھا۔

پورا گھر خالی ہو جانے کے بعد عجیب سا وحشت ناک سناٹا ہر سو پھیل گیا تھا۔ تدفین کے بعد کا مخصوص لرزا دینے والا سناٹا۔

نفیسہ کی ناگہانی موت نے جہاں راحت بیگم کو بے حد غمزدہ کر رکھا تھا۔ وہیں بے شمار سوال بھی اٹھ رہے تھے اور اب جبکہ پورا گھر مہمانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ تب راحت بیگم کو نفیسہ کے اچانک چلے جانے کا سبب پوچھنے کا خیال آیا۔ صدمے سے نڈھال، اجڑی اجڑی عفیفا کا سر راحت بیگم کی گود میں تھا۔ وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ عفیفا کے سوجے پپوٹوں والی بند آنکھوں میں دھیرے دھیرے سے جنبش ہوئی۔

"کیا ہوا تھا؟" عفیفا کو بہت زیادہ سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ جو ہوا تھا، زخم خوردہ دل پر تو اس کا لفظ لفظ نقش تھا۔ اس کی دکھتی آنکھوں سے ایک دفعہ پھر آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ عفیفا نے آنسوؤں کی یلغار میں درد سے ٹوٹتے وجود کا سارا دکھ کہہ سنایا۔ دل پر پڑے بوجھ کو سرکانا تو تھا ہی۔ ورنہ اسے تو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا اس کے وجود کو کوئی آرے کے ساتھ چیر رہا ہے اور اس گھائل شدہ دل میں بہت ڈھیرے نیزے اتارے جا رہے ہیں۔

"ارے، میں مر گئی، بندہ بشر غلط فہمی کا شکار تو ہو ہی جاتا ہے۔ اس بدبخت سہیل نے ذرا دیر کو سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بندہ وضاحت تو طلب کرتا ہے۔ غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے براہ راست بات کرنے کی بجائے پکڑ کر دو لفظوں میں معاملہ نبٹا دیا۔ اس بے چاری کو دل کا دورہ نہ پڑتا۔ دماغ کی شریان نہ پھٹتی تو کیا ہوتا۔ کوئی پوچھتا تو سہی سہیل سے بھلا ایسے ظلم ڈھا دیتے ہیں۔ اگر نفیسہ کو خوشخبری کا شک ہو گیا تھا تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اب اسے کیا خبر تھی کہ بیچ کا معاملہ کیا ہے۔ خود تو خالی نکاح پڑھوا کر اپنے نام سے وہ گردفعان ہوا تھا۔" راحت بیگم کا دل گویا دھک سے رہ گیا تھا۔ پھر جو بات سمجھ میں آئی تو ان کی محبت سے متعلقات کا گویا طوفان امڈ آیا۔

"تم مجھے ذرا کال ملا کر دو...... ابھی کرتی ہوں اس بے غیرت سے بات۔ ذرا حیا نہیں آئی۔ بہتان باندھ دیا ہے۔"

"مامی جب ایک دفعہ اعتبار اور اعتماد کا خون ہو جائے تو پھر رشتے میں ہمیشہ کے لئے ... ہے۔ میری کوئی وضاحت، سہیل کا دل کبھی بھی صاف نہیں کر سکتی۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ مرد کے دل میں بال برابر بھی بدگمانی یا شک پیدا ہو جائے پھر آسانی سے اس کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ مجھے لگتا ہے کہ اب سہیل کبھی بھی میری بات پر یقین نہیں کریں گے۔" وہ سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ راحت بیگم کا دل گویا مٹھی میں آ گیا۔

"حوصلہ کر، صبر سے کام لے، میری بچی! کیسا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے تیرے اعصاب پر۔" راحت بیگم ... رو دیں۔

"کہتے ہیں نا...... منہ سے نکلی بات اور کمان سے نکلا تیر کبھی واپس نہیں آ سکتا۔ نفیسہ بے چاری نے کب سوچا ہوگا۔ وقت کیسی الٹی چال چلنے لگے گا۔ اسے تو یہی دکھ قبر میں اتار گیا کہ بیٹی کو کیسے اپنے ہاتھ سے برباد کر ڈالا ہے مگر بیٹی! یہ سب تو نصیب میں لکھا تھا۔ بھلا کوئی ماں اپنی اولاد کا گھر برباد کر سکتی ہے۔"

"مامی میرا دل چاہتا ہے۔ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ وقت واپس پلٹ آئے۔ میری امی کی سانسیں بحال ہو جائیں۔ وہ پھر سے چلتی پھرتی نظر آئیں اور میں امی کو بتاؤں۔ چیخ چیخ کر بتاؤں کہ امی! آپ نے کوئی جرم نہیں کیا' کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ سب میرے نصیب کے کمال ہیں۔ میرے مقدر کی سیاہی ہے۔ میری پیشانی پر یہ داغ جگمگاتا تھا۔ میری بربادی اسی طریقے سے ظہور پذیر ہونا تھی اور سہیل کی اصلیت بھی اسی طریقے سے کھلنا تھی۔" وہ لحہ بھر سانس لینے کے لئے رکی۔

"جتنا میں سہیل کو جان پائی ہوں مامی! ان چند ایک ٹیلی فونک کالز میں جس قدر میں نے سہیل کو سمجھا ہے۔ مجھے اول روز سے ہی لگتا تھا کہ وہ کانوں کا کچا اور جلد باز قسم کا آدمی ہے۔ غیر مستقل مزاج۔ شادی کی رات اسے اپنے ادھورے کاغذات کے سلسلے میں ایمبیسی طلب کر لیا گیا تھا۔ اس سے اگلے روز وہ واپس عمان چلا گیا اور شادی کے لئے صرف دو دن پہلے پاکستان محض نکاح پڑھوانے آیا۔ میں تو پہلے ہی کچھ جلد بازی میں ہونے والی شادی کے بارے میں کھٹک رہی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میرے واہمے حقیقت کا روپ دھار لیں گے۔"

"بس بیٹی صبر کرو...... اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔" راحت بیگم نے ایک طویل گہری سانس کھینچی۔

"چائے لاؤں آپ کے لئے۔" فیفا انہیں کنپٹیاں دباتے دیکھ چکی تھی۔ اسی لئے اٹھتے ہوئے بولی۔

"اگر تکلیف نہ ہو تو۔ بنا ہی دو۔ پتی ذرا تیز ڈالنا۔ مانو سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"

"ٹیبلیٹ بھی لاتی ہوں...... آپ کچھ دیر آرام کریں۔"

"آرام کیسا، نفیسہ کا چہرہ نظر کے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں۔" وہ بھرائی آواز میں بولیں۔ عفیفا ... چھپاتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔ چائے بناتے ہوئے بھی اس کے آنسو مسلسل بہتے رہے۔ ...

... ی کو اپنا منتظر پایا۔

"بس چائے لوں گی۔ یہ گولی رہنے دو۔" انہوں نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"رمیلہ کا ویزہ لگ گیا ہے۔" محض عفیفا کا دھیان بٹانے کی غرض سے انہوں نے موضوع گفتگو بدل ...

"اچھا...... یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔" فیفا کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ چمکنے لگی۔

"بس، نبیل کے پاس جانے کی آج کل تیاری کر رہی ہے۔" وہ چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے ... خوشی بتانے لگیں۔ کچھ عرصہ تک اس کی ماں کو بھی اسے سہیل کے پاس بھجوانے کی بہت خواہش تھی۔ جب اس کا ویزہ لگا تو وہ کس قدر مسرور ہوتی رہی تھیں۔ اس کے نہ جانے کا سن کر ان کی خفگی بھرا رویہ پھر سے فیفا کی آنکھوں کو بھگونے لگا۔

"کیا اس کنڈیشن میں سفر کر لے گی؟" وہ اس کربناک سوچوں کو جھٹکتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"میں تو منع کر رہی تھی مگر وہ نہیں مان رہی۔ اب دیکھو نا، ایسے مواقع پھر بار بار نہیں ملتے۔ نہ ہی قسمت ہر دفعہ مہربان ہوتی ہے۔"

"ہوں۔" فیفا پرسوچ سے انداز میں سر ہلانے لگی۔ کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھیں۔ قسمت بار بار مہربان کہاں ہوتی تھی۔

"اس کے گھر اور سسرالی حالات کے بارے میں تو تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ پیس کر رکھ دیا ہے ان لوگوں نے میری معصوم بچی کو۔ بہتر ہے، شوہر کے پاس چلی جائے۔ سکھ کا سانس تو لے گی۔ یہاں تو پورے ٹبر کو نبٹاتے نبٹاتے آدھی ہو کر رہ گئی ہے۔" ہر ماں کی طرح بیٹی کے معاملے میں وہ بھی حد سے زیادہ جذباتی تھیں۔

"جی۔" فیفا نے محض اثبات میں سر ہلا کر ان کی تائید کی تھی۔ اسی پل ماہیر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ سفید شلوار قمیص میں، سرخ آنکھیں لئے وہ فیفا سے مخاطب ہوا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو تین کپ چائے بنا دو۔ مہمانوں کو طلب محسوس ہو رہی ہے۔"

"ابھی بناتی ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی......

"پہلے بتا دیتے تو ایک ساتھ ہی بنا لاتی۔ ابھی مجھے بھی بنا کر دی ہے۔" راحت بیگم فیفا کی تھکن زدہ آنکھوں کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

"تم رہنے دو۔ میں خود بنا لیتا ہوں۔" وہ نرمی سے کہتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔

"ماہیر کو چینی، پتی کہاں ملے گی۔ میں دیکھتی ہوں۔" فیفا بھی اٹھ کر اس کے پیچھے کچن میں چلی گئی ...

"تم کیوں آ گئی ہو؟ آرام کر لیتیں۔ چائے کا مسئلہ نہیں میں بنا لوں گا۔" وہ کیبنٹ کھول کھول کر دیکھ ...

... باہر نکلنے لگی تھی جب ماہیر نے اسے روک لیا۔

"ادھر بیٹھو، مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔"

"کیا سہیل والے مسئلے پر بات کرنی ہے؟" عفیفا رک گئی تھی مگر پلٹی نہیں۔

"ہاں......"

"پلیز ماہیر! میں اس موضوع پر بات نہیں کرسکتی۔" اس کے زخم پھر سے ادھڑنے لگے تھے۔ آنکھیں نمکین پانیوں سے لبالب بھر گئیں۔

"فیفا......!" ماہیر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہاں بیٹھو۔" وہ موڑھا پیر کی ٹھوکر سے نزدیک کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے سہیل کا نام پھر سے نہیں سننا۔ اس کی وجہ سے میری ماں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ میں اب بھی اس کا نام دوبارہ نہیں سننا چاہوں گی۔" وہ موڑھے پر بیٹھتے ہوئے بھرائی آواز میں کہنے لگی۔

"میں جانتا ہوں...... جو کچھ بھی آج سہ پہر ہوا تھا۔ کیا ایک دفعہ سہیل سے بات کرنا ضروری نہیں کم ازکم ہمارے ضمیر اور دل پر کوئی بوجھ تو نہیں رہے گا۔ پھوپھو کی سادگی نے جو قیامت برپا کی ہے۔ اس کی وضاحت بہت ضروری ہے فیفا!" ماہیر نے ہمیشہ والے نرم لہجے اور نرم آواز میں کہا تھا۔ بہت سالوں بعد فیفا کے لئے اس کی آنکھوں میں بے تحاشا نرمیاں اتر آئی تھیں۔

"ان وضاحتوں کا کوئی حاصل نہیں ہوگا ماہیر! الٹا وہ میرے وجود کے اور بھی پرخچے اڑائے گا۔ تم خود ایک مرد ہو۔ ہر ایک کی اپنی ایک فطرت ہوتی ہے۔ مجھے نہیں لگتا، سہیل کبھی مجھ پر دوبارہ سے اپنا اعتبار بحال کر پائے گا۔ میں اب بھی اس کی نظر میں نامعتبر ہوں اور ہمیشہ نامعتبر ہی رہوں گی۔" وہ اپنے نچلے لب کو بری طرح سے کچل رہی تھی۔ یہاں تک کہ سرخ رنگ کی بوندسی ٹپک پڑی۔

"پھر بھی میں ایک دفعہ سہیل سے بات ضرور کروں گا۔" وہ گویا خود سے مخاطب تھا۔ فیفا نے اُبل کر جوش کھاتے پانی میں پتی ڈالی۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" عفیفا کا لہجہ زہر زہر ہو رہا تھا۔ آنکھیں برس برس کر تھک چکنے کے باوجود پھر سے برسنے لگیں۔

"تم نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔" ماہیر کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"نہیں، امی نے بتایا تھا اور بڑے واضح الفاظ میں بتایا تھا۔" وہ آنکھوں کی نمی چھپانے کی غرض سے رخ موڑے کھڑے ہوگئی تھی۔ مگر بھرائی آواز اور لہجہ گویا سارا بھید کھول گیا۔

"تم نے خود تو نہیں سنا۔ پھوپھو شاید صدمے کے زیر اثر ایسا کچھ سوچ رہی ہوں گی تبھی بول گئی ہوں گی۔" ماہیر کا انداز پرسوچ تھا۔

"نہیں، سو فیصد ٹھیک سنا تھا امی نے اور یہ الفاظ سن کر ہی ان کے ہاتھ سے ریسیور گرا تھا۔"

"پھر بھی فیفا! اسے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے کے لئے وقت تو دینا چاہئے اور اس سارے معاملے کی وضاحت تو ناگزیر ہے۔ گھر بار بار نہیں بنتے اور جب ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر ہر کوئی نقب لگاتا ہے۔ میں...... زمیلہ کے لئے کبھی ایسا سوچ نہیں سکتا اور تم زمیلہ سے الگ نہیں ہو۔ تمہاری آبادی...

"تم شاد رہو، میری یہ دعا ہے۔" ماہیر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تھا۔ فیفا کے گویا سارے ٹانکے ادھڑ گئے۔ وہ ماہیر کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"ماہیر! اس نے مجھے گالی دی۔ مجھ پر گناہ کا الزام لگایا۔ میری ماں کی سادگی کو اس نے غلط رنگ دے کر مجھے میری ہی نظر میں دو کوڑی کا کر دیا۔ مجھے ذلتوں کے گڑھے میں پھینک دیا۔"

"خود کو سنبھالو فیفا! تمہیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ خود کو مضبوط کرو۔ وقت کبھی کبھی بہت کڑے امتحان لیتا ہے۔ بس ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ اس کے سر کو نرمی سے تھپکتا ہوا بہت مضبوط لہجے میں بولا تھا۔ فیفا کے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وقت کس کس آزمائش میں مبتلا کرے گا۔" وہ سنبھل کر آنسو پونچھتی ہوئی فریج میں سے دودھ نکالنے لگی۔

"یہ دنیا ہے فیفا! اور یہاں سب کچھ کبھی ناممکن نہیں ہوتا۔ اگر کچھ انہونا ہو جائے تب بھی حیران نہیں ہوتے۔ نہ جانے کیسے کیسے قصے اور داستانیں صفحہ قرطاس پر بکھری پڑی ہیں۔ جس کتاب کو بھی کھولو گی ایک نئی کہانی سامنے آئے گی۔ انوکھی، عجیب اور حیران کن۔ یہ دنیا عجیب و غریب قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ تم ابھی تک شاک کی کیفیت میں ہو۔ حیران ہو، گم ہو اور اسی سوچ و بچار میں ہو کہ گھڑی بھر کی دیر میں بھلا تمہارے ساتھ کیا ہو گیا ہے...... تو فیفا! اس تحیر کی کیفیت سے نکل آؤ۔ حقیقت کا سامنا کرو۔ اگرچہ تمہارے لئے بہت مشکل ہی نہیں، ممکن بھی ہے۔ مگر جب تک تم خود کو مضبوط نہیں کر پاؤ گی۔ ان بگڑے حالات کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوگا۔ مجھے ہمیشہ سے تم پر فخر رہا ہے۔ تمہارے اعصاب کی مضبوطی نے ہمیشہ مجھے متاثر کیا ہے۔ عورت کو اسی طرح سے سٹرونگ ہونا چاہئے۔ مجھے امید ہے، دکھ کے اس فیز سے نکلنے کے بعد تم اپنی زندگی کو نئے سرے سے سنوار لوگی۔ یاد رکھنا فیفا! زندگی کے بگاڑ کسی کو اٹریکٹ نہیں کرتے۔ لوگ ہمارے دکھوں پر ہمدردی نہیں جتا سکتے۔ ہنس ضرور سکتے ہیں۔ جو کچھ ہوا ہے۔ اگر ہماری مرضی کے مطابق نہ سنور سکا تو اسے تم نے خود پھر سے سنوارنا ہے۔ کوشش کرو گی تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہوگا۔ زندگی بعض لوگوں سے اپنے ہی انداز میں برتتی ہے۔ بس ہمت اور صبر کا ہتھیار پاس ہونا چاہئے۔"

"تم نے ٹھیک کہا ماہیر۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ اس کے لفظ ہمیشہ ہی فیفا کے لئے جادو اثر ثابت ہوتے تھے۔ کالج اور یونیورسٹی کا بیسٹ مقرر کا خطاب وہ اسی لئے تو حاصل کرتا تھا کہ اسے بولنے کا بہت اچھا بول کر مقابل کے دل میں اترنے کا فن آتا تھا۔

"گڈ گرل۔" ماہیر بھی اس کشیدہ فضا کے اثر کو زائل کرنے کی غرض سے مسکرا دیا۔

"مجھے سہیل کا فون نمبر چاہئے اور تم بھی ایک دفعہ ٹرائی کرنے کی کوشش کرنا۔"

"اوکے۔" فیفا شوکیس میں سے کپ نکال لائی۔

"تم گھر نہیں جاؤ گے۔ گیارہ بجنے والے ہیں۔ حریم بھی اکیلی ہوگی۔"

"بس، مہمانوں کو چائے دے لوں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ گیارہ نہیں ایک بجنے" وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"کل ختم کے بارے میں کیا سوچا ہے۔" فیفا کا دل حالیہ مسئلے کی طرف کیا آیا۔ آنکھیں بھر [...] برسنے لگیں۔

"یہ چائے پکڑا آؤں پھر بات کرتے ہیں۔" ماہیر اپنا کپ سلیب پر رکھ کر ٹرے اٹھائے [...] تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔ فیفا کچن سمیٹ رہی تھی۔ راحت بیگم لاؤنج میں [...] لیٹی اونگھنے لگی تھیں۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد ماہیر کے اعصاب بھی بری طرح سے تھک چکے تھے۔ اسے گھر جانے کی جلدی بھی تھی۔ نیند تو خیر کیا آنی تھی۔ بس حریم کی تنہائی کا خیال بری طرح سے ستا رہا تھا۔ اگرچہ موبی گھر میں ہی تھا' مگر اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر تھا۔

"تم نے کھانا کھایا ہے؟" ماہیر چائے کا کپ اٹھا کر موڑھے پر بیٹھ گیا۔

"ہوں۔" وہ محض اس خیال سے سر ہلانے لگی تھی کہ ماہیر کہیں اصرار کر کے کھانا نہ کھلانے [...] کرے۔ فیفا کو تو کھانے کے نام سے ہی ابکائی آنے لگی تھی۔ انہیں ابکائیوں نے آج اس کے سر سے [...] تک کھینچ لی تھی۔ وہ قسمت کی ستم ظریفی کا شکوہ بھلا کس سے کرتی۔

"رسم قل کے انتظام کے بارے میں پوچھ رہی تھی؟"

وہ اسے موضوع کی طرف لانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ کیونکہ ماہیر اسے تفصیل بتانے لگا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں علی الصبح آ جاؤں گا۔ اگر حریم کے اکیلے پن کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں نے آج ادھر ہی رک جانا تھا۔ خیر کل تو حریم بھی آئے گی۔"

ماہیر نے اسے تسلی دی تھی۔

"اور اب پلیز رونا مت یہ ٹھیک ہے کہ صبر کی تلقین کر دینا آسان ہوتا ہے۔ خود اگر اسی سچویشن سے [...] جائے تو پھر خبر ہوتی ہے۔ بہرحال کچھ دیر کے لئے یہ ضرور سوچنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی زندگی اور [...] کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور اس وقت مقرر کا ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی [...] ہیں نا، مصیبت، دراصل مصیبت جھیلنے والوں پر ہی آتی ہے اور صبر اس کی سب سے بڑی اور اعلیٰ [...] ہے۔ برداشت ایک بہترین ڈوز ہے۔ اللہ سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھو۔ شکوے سے دوری [...] کامیابی ہے۔"

"تم ہمیشہ اچھی باتیں کرتے ہو۔ دل میں اتر جاتی ہیں تمہاری باتیں یاد ہے تمہیں، زوباریہ [...] تھی کہ ماہیر بولے تو پرندے تک رک رک کر سننے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہیں۔" نہ جانے [...] نازک گھڑی میں زوباریہ کا ذکر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے پھسل گیا۔ فیفا لمحہ بھر کے لئے [...] بھی ساکت رہ گئی۔ ماہیر کی خفگی کے خیال نے اس کا سر جھکا دیا۔ دل ہی دل میں وہ خود کو ملامت [...] لگی۔

"زوباریہ کے فرمان اور ارشادات کے بھلا کیا کہنے تھے۔ ایسی ایسی مبالغہ آرائی کرتی تھی [...] تک کالے ہو جائیں۔ مگر اس کے قصوں میں کوئی کمی نہ آئے۔" ماہیر نے بغیر برا مانے اتنے [...] میں کہا تھا کہ فیفا کو سچ مچ جھٹکا لگا۔

"ماہیر اور زوباریہ کے بارے میں بات کرے، یا حیرت۔" اس کی حیرانی آنکھوں کی پتلیوں سے [...] رہی تھی۔

"تم نے ہمیشہ اس کی محبت کو ایک قصہ ہی تو سمجھا ہے تم ماہیر۔" گفتگو خود بخود ایک اور سمت کی طرف [...] گئی تھی۔ نہ فیفا کو اندازہ ہو سکا تھا اور نہ ہی ماہیر کو۔

"اسے محبت نہیں، جذباتیت کا نام دینا مناسب ہو گا۔ بھلا محبت کسی کے دل میں زبردستی گھسائی جا سکتی ہے۔" ماہیر نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے گویا زوباریہ کی بچکانہ سی محبت کے کسی پرانے، ماضی کا [...] کیا تھا۔

"اس کی محبت میں بہت شدت تھی ماہیر۔" فیفا نہ جانے کیوں ماضی کے اوراق کھول بیٹھی تھی۔ شاید [...] گفتگو کے لئے کسی موضوع کی ضرورت تھی۔ شاید وہ اپنا دھیان بٹانا چاہتی تھی۔ دل کو کاٹ دینے والی سوچوں سے بچنے کے لئے اس نے گویا زوباریہ کا سہارا لے لیا۔

"شدت پسندی اور انتہا پسندی ایک ہی زنجیر کا حصہ ہیں۔ ان میں محبت بھلا کہاں فٹ ہوتی ہے۔ محبت تو نام ہے، نرماہٹ کا، شگفتگی کا' دلوں کو نرمی بخشتی ہے، نفرت اکھاڑ پھینکتی ہے۔ مٹھاس بھرتی ہے۔ ایثار [...] دیتی ہے۔ ایثار لوٹاتی ہے۔ قربانی دیتی ہے۔ صبر سکھاتی ہے۔ کسی جنون کو، نوجوانی کی ضد کو بھلا محبت کا نام دینا کہاں کی سچائی ہے۔ یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ وہ کھل کر مسکرا دیا تھا اور یہ مسکراہٹ خاص فیفا کے لئے تھی۔ وہ چاہتا تھا۔ فیفا کا دھیان کچھ دیر کے لئے ہی سہی بٹ ضرور جائے۔

"ماہیر! تم نے کبھی اس کی محبت کو نہیں سمجھا۔ کبھی بھی نہیں۔ شاید اسے محبت کرنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ یا پھر سچائی تو یہ ہے کہ تقدیر نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔" وہ پہلے سے انداز میں بہت ہلکی آواز میں کہہ رہی تھی۔ یوں کہ ماہیر کی سماعتوں تک اس کی آواز پہنچ نہیں پائی۔

"ماہیر، ماہیر!" اس پل لاؤنج میں سے راحت بیگم کی آواز ابھری۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی تھیں۔ آنکھیں ملتے ہوئے انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھ کر ماہیر کو پکارا۔

"جی امی!" وہ چائے کا خالی کپ سنک میں رکھ کے باہر نکل آیا۔

"تم ابھی ادھر ہی ہو۔ گھر نہیں جانا کیا؟ وقت تو دیکھو حریم گھر میں اکیلی ہوگی۔" وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئیں۔ ماہیر بائیک کی چابی جیب میں سے نکال کر تھوڑی دیر کے لئے ان کے پاس رکا۔

"میں ابھی نکلنے لگا ہوں۔ آپ دروازے لاک کر کے سو جائیں۔ سویرے انشاء اللہ آ جاؤں گا اور فیفا [...] اب رونے مت دیجئے گا۔" وہ انہیں تاکید کرتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ فیفا اس کے پیچھے ہی گیٹ بند [...] کی غرض سے باہر چلی گئی تھی۔ راحت بیگم نے اک ٹھنڈی آہ بھر کے تکیے پر سر رکھا لیا۔ ان کی [...] نیند کی وجہ سے بند ہونے لگیں۔

............*

"حریم! گھبرائیے مت، میں ہوں شاہنواز۔" حریم کی مسلسل چیخوں نے شاہنواز کو بری طرح سے

”تم......“ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ ہر سو گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا تھا۔ سوائے سانسوں کے شور اور مہیب خاموشی کے کوئی اور احساس زندہ نہ تھا۔

”آپ ڈر گئیں کیا؟“ اب اندھیرے میں ایک اندازے سے چلتا ہوا بالکونی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی دور ہوتی آواز سے حریم اندازہ لگا رہی تھی۔ وہ یقیناً بالکونی میں رکھا ہوا جنریٹر آن کرنے گیا تھا۔ دو دن پہلے یو پی ایس کی بیٹری خراب ہو گئی تھی۔ ماہیر نئی بیٹری لانے کے بجائے جنریٹر اٹھا لایا تھا۔ حالانکہ اس کا شور بہت ناگوار گزرتا تھا۔ تھوڑی دیر میں پورا گھر روشن ہو گیا۔ حریم کی گویا جان میں جان آئی۔

”تم اس وقت اوپر کیوں آئے ہو؟“ وہ جو اطمینان سے تخت پر بیٹھ رہا تھا۔ حریم کی بات سن کر ناراضگی سے بولا۔

”جنریٹر آن کرنے۔ مجھے خبر تھی کہ ماہیر اور خالہ جان گھر میں نہیں ہیں۔ جنریٹر کی بیلٹ کھینچنا بہت مشقت طلب کام ہے۔ سو میں اسی لئے آیا ہوں۔“

”تو اب چلے جاؤ، بڑی مہربانی۔“ وہ تحمل سے بولی تھی۔ ویسے بھی ان چند دنوں میں شاہنواز کی شخصیت اور فطرت تقریباً مکمل کر سامنے آ چکی تھی۔ وہ بہت احساس کرنے اور خیال رکھنے والا بندہ تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ خدمت خلق کے لئے ہی دنیا میں آیا تھا۔ اہل محلہ سے لے کر گھر میں روزمرہ کے کام انجام دیتی ماسی تک اس کے گن گانے میں رطب اللسان تھے۔ محلے کا چوکیدار اور جمعدار تک شاہنواز کے اسیر ہو چکے تھے۔

حریم تو شاہنواز کی ان خوبیوں سے قطعاً ناواقف تھی اور جب سے اسے شاہنواز کی ان خوبیوں کا ادراک ہوا تھا۔ اس کے دل میں شاہنواز کی عزت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ویسے بھی وہ بہت ہمدرد انسان تو دوسروں کے بوجھ غیر محسوس طریقے سے ایسے بانٹ لیتا کہ اگلے بندے کو خبر بھی نہیں ہو پاتی۔ حریم کے کتنے ہی کام وہ بن کہے چپکے سے سرانجام دے دیتا تھا۔

وہ بہت جلد راحت بیگم کی پسندیدہ ہستیوں کی لسٹ میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ راحت بیگم کو واک کروانے باہر بھی لے جاتا تھا۔ اس دوران ثریا خالہ کو بھی آفر کرنا نہیں بھولتا تھا۔

راحت بیگم سچ ہی کہا کرتی تھیں کہ شاہنواز کے دم سے ہی رونق ہے۔ ورنہ تو یہاں الو ہی بولتے۔

”اور امی آپ نے سچ کہا۔“ حریم گویا کھل کر مسکرا دی تھی۔ پہلے اسے سوچوں میں گم اور اب مسکراتے دیکھ کر شاہنواز جی بھر کے حیران ہوا۔

”امی نے کیا سچ فرمایا ہے۔“ وہ بالکونی کی لائٹس اور غیر ضروری گلوب آف کر کے پھر سے تخت پر آ گیا تھا۔

”یہی کہ تم بہت اچھے ہو۔ تمہارے دم سے رونق ہے۔“ وہ تیز رفتاری سے چلتے ہوئے روشن لاؤنج کو دیکھ کر بولی۔ اگر شاہنواز نہ آتا تو سچ مچ حریم سے جنریٹر آن کرنا بہت مشکل امر تھا۔ وہ خوف کے عالم میں دبک کر بیٹھی ہوتی جو اگر شاہنواز نہ آتا۔

”یہ انکشاف کب ہوا؟“ وہ مصنوعی حیرانی سے پوچھنے لگا۔

”تم سچ مچ بہت اچھے ہو شاہنواز!“ حریم نے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

”اسی خوشی میں مجھے ایک کپ چائے پلا دیں۔“ یقیناً وہ دوبارہ اسی لئے بیٹھ گیا تھا کہ اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ حالانکہ بے وقت اس نے کبھی کسی کو زحمت نہیں دی تھی۔ مگر مغرب کے وقت وہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ سو چائے پی کر کئی گھنٹے سوتا رہا۔ اب بھی جسم بری طرح سے تھکن کا شکار تھا اور اس تھکن کو صرف چائے ہی کم کر سکتی تھی۔

”ابھی بنا دیتی ہوں۔“ وہ جو وقت بے وقت اس کے کئی طرح کے کام نبٹا دیتا تھا۔ حریم کو انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔ ویسے بھی اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ ماہیر کے گھر آنے تک تو اسے لازمی جاگنا ہی تھا۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ شاہنواز اس کے پیچھے کچن میں نہیں آیا تھا بلکہ اس نے دور سے ہی ہانک لگائی۔

”حریم! دو کپ چائے بنا دینا۔ ایک کپ ابھی پی لوں گا اور دوسرا بعد میں گرم کر کے پی لوں گا۔“

”بڑے سمجھدار آدمی ہو۔“ حریم کو اس کی عقلمندی پر ہنسی آ گئی۔

”شکریہ جناب! اس تعریف پر بھلا کیا کہوں۔“ وہ بھی عاجزی سے مسکرا دیا۔ یہ عاجزی اور انکساری اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ خلوص، احسان اور ہمدردی کے کئی رنگوں کے ملاپ سے اس کی شخصیت تشکیل پاتی تھی اور اس کا ہر رنگ بڑا گہرا اور اپنائیت سے لبریز تھا۔ وہ دوسروں کے درد کو، تکلیف کو بہت محسوس کر لیتا تھا اور پھر بساط بھر اس تکلیف کو کم کرنے کی بھی کوشش کرتا۔

”تمہارے ثریا خالہ کے ساتھ تعلقات بحال نہیں ہوئے؟“ وہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔ شاہنواز جانے لگا تھا مگر کچھ سوچ کر حریم نے اسے روک لیا۔

”ان کے ساتھ سفارتی تعلقات کبھی بھی بحال نہیں ہو سکتے۔“ کچھ سوچ کر وہ بھی بیٹھ گیا تھا۔ اس کے خیال میں تھا کہ حریم تنہائی اور اکیلے پن کی وجہ سے اسے روک رہی ہے۔

”تم نے کبھی کوشش کی؟“

”ایک ہزار ایک مرتبہ۔ مگر اماں کی بدگمانیاں کبھی دور نہیں ہو سکتیں۔“ اس کا اندازہ خاصا لاپرواہ قسم کا تھا۔

”ان بدگمانیوں کا آغاز کب ہوا؟“ حریم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ابو کی دوسری شادی کے فوراً بعد۔“ وہ کب سنجیدہ ہوتا تھا۔ اب بھی لاپروائی سے بولا۔

”مگر اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟“ حریم نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ شاہنواز پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

”آپ نہیں سمجھو گی حریم! یہ کہانی تو ازل سے چلتی آ رہی ہے۔ بھلا سوکن کی اولاد کو کون سینے سے لگاتا ہے۔ بہت کم لوگ وسیع ظرف رکھتے ہیں اور میری اماں کا ظرف تو آپ کے سامنے ہے۔“

”مگر میں تو انکل کی خاموشی پر بہت حیران ہوتی ہوں۔“

”ارے ابو۔“ شاہنواز بے اختیار ہنس دیا۔

"ابو تو نہ تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔"

"مگر کیوں؟ مرد کو اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے۔"

"چلیں، ہم اپنے بڑوں کی غلطیوں سے سبق سیکھ لیں گے۔ وہ کچھ نہیں کریں گے۔ جو پہلے ... چکا ہے۔" اس کا انداز بے حد ہلکا پھلکا تھا۔

"ماہیر ابھی تک نہیں آیا۔" شاہنواز کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"میں بھی فکر مند ہو رہی ہوں۔ بہت ڈر لگ رہا ہے۔" بالآخر اس نے اپنے خوف کو زبان دے دی تھی۔ مختلف باتوں میں الجھتے ہوئے بھی اس کا سارا دھیان ماہیر کی طرف تھا اور گھڑی کی سوئیاں بھی ... دل کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ ہر دھڑکن کے لب پر ماہیر کے بخیریت پہنچنے کی دعا تھی۔

"فکر کرنے کی کیا بات ہے۔ آپ نے فون کیا؟" وہ چائے کا کپ تخت پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ تو اسے خیال آیا کہ موبائل تو اس کی جیب میں ہے۔

"میں ابھی فون کرتا ہوں۔" وہ موبائل نکال کر ماہیر کا نمبر پریس کرنے لگا۔

"نمبر آف ہے حریم۔" اب وہ پریشان بیٹھی حریم سے مخاطب ہوا۔

"کیوں؟ خیر تو ہے نا۔" وہ حد درجہ متوحش ہوگئی۔

"ارے، گھبرایئے نہیں کیا پتا موبائل کی بیٹری ڈیڈ ہو۔" شاہنواز نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ وہ موبائل ہمیشہ چارج ہی رکھتے ہیں۔" حریم کا تفکر کے مارے برا حال تھا۔ بس رونے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"کیا پتا، معروفیت اور پریشانی میں اسے خیال نہ رہا ہو۔" وہ حتی المقدور کوشش کر رہا تھا کہ حریم کی پریشانی کم کر سکے۔

"اگر تم کہو تو میں پتا کرنے چلا جاتا ہوں۔ نفیسہ پھوپھو کے گھر کا ایڈریس بتا دیں۔"

"وہ ہمارے گھر کے برابر میں ہی رہتی ہیں۔" حریم نے لب کچلتے ہوئے بتایا۔

"او...... اچھا، میں نے سمجھا وہ بھی آپ کی طرح کہیں اور شفٹ نہ کر گئی ہوں۔ میں ابھی پتا کر کے آتا ہوں۔"

"نہیں، شاہنواز! اس کی ضرورت نہیں۔" رات کے اس پہر اپنے کسی کام سے شاہنواز کو باہر بھیجنا حریم کو قطعاً گوارا نہیں تھا۔ تبھی تو وہ سختی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا حرج ہے۔ میں ابھی آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔" شاہنواز کے اصرار بھی حریم کو قائل نہ کر سکا۔ وہ ہرگز بھی کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔

"نہیں، تم ایک دفعہ پھر ٹرائی کرو۔"

"موبائل آف ہے حریم۔" ہر دفعہ ٹیپ شدہ جواب موصول ہوتا رہا تھا اور اسی پل لائٹ ... تھی۔ شاہنواز اٹھ کر جنریٹر آف کرنے چلا گیا۔

ایک دم ہی شاہنواز کو گزرتے وقت کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ وہ سلیپر پیروں میں اڑس کے ... کپ اٹھا کر خود بھی اٹھ گیا۔

"دروازہ بند کر لیں حریم۔" جاتے جاتے اس نے تاکید بھی کی تھی۔ حریم نے سر ہلا کر پہلے کچن کی لائٹ آف کیا تھا۔ پھر لاؤنج کا دروازہ بند کرنے کے لئے آئی تو گیٹ پر ماہیر کی بائیک رکنے اور ہارن کی آواز سن کر اس نے سرخوشی کے عالم میں باہر جھانکا تھا۔ شاہنواز سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ بیل کی آواز سن کر فوراً گیٹ کھولنے چلا گیا۔

ماہیر نے بے حد حیرانی کے عالم میں بیرونی سیڑھیاں اترتے شاہنواز کو دیکھا تھا۔ حریم کا چہرہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ رسمی سے انداز میں شاہنواز کے سلام کا جواب دے کر بڑے نپے تلے قدم اٹھاتا اندر آیا تھا۔ جس کے چہرے پر ماہیر کو اچانک دیکھ کر خوشی چمک اٹھی تھی۔

"شاہنواز اوپر کیا کر رہا تھا؟" ماہیر کا لہجہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔ یوں کہ حریم بھی اس کے سرد انداز کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کا دل پہلو میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"تو کیا ماہیر مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" اس کے اردگرد خوفناک سوچیں پھن پھیلائے کھڑی تھیں۔

............*

زندگی کسی ایک فرد کے چلے جانے سے رک نہیں جاتی' چاہے وہ کتنی ہی عزیز ہستی کیوں نہ ہو۔ جن کے بغیر سانس لینا محال ہوتا ہے۔ اک اک لمحہ گزر نہیں پاتا۔ زندگی جن کے بغیر بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے جب وہ بچھڑ جاتے ہیں۔ دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ کبھی نہ لوٹنے کے لئے ایسے سفر کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ جب نہ رہیں تو پھر بھی اس بے رنگی زندگی کو آگے بڑھانے، رواں رکھنے کے لئے جینا تو پڑتا ہے۔ زندہ رہنا تو پڑتا ہے۔ جب تک سانسیں باقی ہوں۔ دھڑکنیں زندہ ہوں۔ رگوں میں دوڑتا خون رواں ہو۔ تب تک خود کو زندہ رہنے والوں میں شمار کرتے ہوئے خود کو زندگی کا احساس دلانا ایک مجبوری بن جاتی ہے۔ اہل زمین سے کٹ کر بھی تو نہیں رہا جا سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو وجود کھوکھلے اور دل دیمک زدہ ہو جاتے ہیں اور جسم کو خوراک کے ایندھن سے چلتا ہے اور اس ایندھن کی فراہمی کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا بے حد ضروری ہوتے ہیں۔ گھر بیٹھے من و سلویٰ تو اترنے سے رہا۔ پیٹ کے دوزخ کو بجھانے کیلئے، معاملات زندگی کو پہلے کی طرح رواں کرنے کے لئے، اس نے دھیرے دھیرے ہی سہی اپنی بکھری اور ریزہ ریزہ ہوتی ہمتوں کو جمع کر ہی لیا تھا۔ بالآخر اسے ایسا کرنا ہی تھا۔ وقت کی بے رحم کروٹ پر عفیفا نے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔ یہ دنیا ایسے ایسے حیران کن، تعجب انگیز واقعات کی بھرمار سے بھری پڑی تھی۔ یہاں کچھ بھی انوکھا یا انہونا نہیں ہوتا۔ ہر چیز کی انتہا تک بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

اگرچہ سہیل کے بے رحمانہ اور سفاکانہ قسم کے یک طرفہ فیصلے نے فیفا کی روح تک کو زخمی کر دیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں ایک آس سی دل کے اردگرد لپٹی کرلاتی رہتی تھی۔ شاید اسے یقین تھا کہ امی کو کچھ مغالطہ ہوا ہوگا۔ ماہیر کے احساس دلانے پر وہ پھر سے پرامید ہو چکی تھی۔ ماں کی ناگہانی موت کو تسلیم کر کے اس نے صبر اور شکر کا دامن پکڑ لیا تھا۔ اب صرف دل نادان خوش فہمیوں کے ... میں جھول رہا تھا۔

ہر عورت کی طرح اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کا گھر ٹوٹنے سے بچ جائے۔ وہ طلاق جیسے خوفناک داغ سے بھی خوفزدہ تھی اور یہ دھبہ ایسا بدنما تھا کہ دنیا کے کوئی بھی اسم اس داغ کو دھو نہیں سکتا تھا۔ عورت کو جو مقام اس معاشرے نے دے رکھا تھا۔ اس سے عفیفا مختار نابلد تو نہیں تھی۔

سہیل سے ابھی تک کوئی رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے متعلقہ نمبر سارے آف تھے۔ وہ ایک بڑی کمپنی میں بطور ڈیلر کام کرتا تھا۔ اس کی سیلری اور پوسٹ بھی اچھی تھی۔ اس حساب سے اسے آفس کی طرف سے فری رہائش بھی میسر تھی مگر عفیفا کو پریشانی نے اس لئے بھی گھیرے میں لے رکھا تھا کہ سہیل کا گھر کا نمبر بھی مسلسل آف جا رہا تھا۔

گزشتہ پوری رات وہ سہیل کے پرسنل نمبر پر ٹرائی کرتی رہی تھی اور صبح اٹھتے ہی نماز فجر کے بعد اس نے پہلا کام سہیل کے گھر میں موجود فون پر کال کرنے کا کیا تھا اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی یا بدقسمتی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ مگر آواز کسی اجنبی عورت کی تھی۔ فیفا کا دل بری طرح سے دھڑکنے لگا۔

"سہیل سے بات کروا دیں۔"

"کون سہیل؟" دوسری طرف سے حیران حیران آواز ابھری۔

"یہ فلیٹ سہیل کا نہیں؟" عفیفا نے خوفزدہ سے انداز میں پوچھا۔

"ہم کسی سہیل کو نہیں جانتے۔" رکھائی سے کہتے ہوئے وہ خاتون شاید فون رکھنے لگی تھی جب فیفا سرعت سے بول اٹھی۔

"آپ کون ہیں؟"

"اس گھر کے نئے مکین ہیں۔ شاید پہلے کوئی سہیل یہاں رہتا ہو گا۔ تاہم یہ فلیٹ اب ہمارا ہے۔"

فون کھٹاک کی آواز کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا۔ فیفا کے پیروں تلے سے گویا دھیرے دھیرے زمین سرکنے لگی۔

"سہیل کہاں چلے گئے ہیں؟ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جب دل کچھ سنبھل گیا تو اس نے سہیل کی کمپنی کے ہیڈ آفس فون کر کے سہیل کے متعلق معلومات لیں۔ انفارمیشن آفیسر نے ریکارڈ چیک کرتے ہوئے بتایا تھا کہ سہیل ڈیڑھ ماہ پہلے دبئی چلا گیا تھا۔ یہ جاب اس نے چھوڑ دی تھی۔ شاید اسی سلسلے میں وہ بہت مصروف بھی تھا۔ دبئی میں اس نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ عفیفا کو بھی اپنے پاس نہیں بلوا رہا تھا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ پوری طرح سے سیٹلڈ ہونے کے بعد وہ فیملی کو اپنے ساتھ رکھے گا۔ جو بھی تھا۔ سہیل کی خاموشی فیفا کے سارے خدشات کی تصدیق کر رہی تھی۔

یہ اسی دوپہر کی بات تھی۔ فیفا گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ عصر کے بعد وہ قریبی اکیڈمی میں جاب کے متعلق بات کرنے جائے گی۔ اکیڈمی کی پریذیڈنٹ امی کی جاننے والی تھیں سو فیفا کو یقین تھا کہ اسے جاب ضرور مل جائے گی۔

وہ صحن دھو رہی تھی جب فون کی بیل سنائی دینے لگی۔ وہ وائپر ہاتھ سے پھینک کر تقریباً بھاگتی ہوئی فون تک پہنچی تھی۔ دل تھا کہ مچل مچل کر پسلیاں توڑنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ اس نے

فون کے ساتھ ریسیور تھاما۔ اس کا خیال تھا کہ شاید سہیل کا فون ہو گر مگر کال تو کسی دفتری نمبر سے آ رہی تھی۔ جس کمپنی میں اس نے انٹرویو دیا تھا۔ وہاں سے اسے کال کی گئی تھی۔ فیفا تو اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر نہال ہو گئی تھی۔

اسے اگلے دن جوائن کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ سو اسی حساب سے وہ روز مرہ کے کام نمٹانے کے بعد نماز پڑھ کے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی تھی۔ امی کی روح کو تلاوت قرآن پاک کرنے کے بعد ایصال ثواب پہنچانا اس کے معمول میں شامل ہو گیا تھا۔

کچھ دن پہلے جب راحت بیگم واپس جانے لگیں تو انہوں نے فیفا کو ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ساتھ لے جانے کی مگر وہ اپنی ماں کے گھر کو لاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دوسرے اسے یہ بھی پتا تھا کہ ماموں لوگ خود کرائے کے مکان میں رہتے ہیں اور وہ پورشن بھی اتنا کھلا نہیں تھا۔ گنتی کے کمرے تھے۔ وہ اپنی وجہ سے کسی تکلیف میں مبتلا نہیں کر سکتی تھی۔ ماہیر کے کئی دفعہ سمجھانے پر بھی اس نے اپنے گھر میں رہنے کو فوقیت دی تھی۔

اگلی صبح وہ مقررہ وقت پر آفس پہنچ گئی تھی۔ اسے سیکرٹری کی جاب کے لئے اپائنٹ کیا گیا تھا۔ پہلے دن جو شیڈول اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ ہرگز بھی قابل اعتراض یا مشکل نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح سے کام کے حوالے سے بریفنگ دی گئی تھی سو وہ مطمئن ہو کر پوری دلجمعی کے ساتھ کام میں محو ہو چکی تھی۔ پہلے روز ہی اسے سٹاف سے متعارف بھی کروا دیا گیا تھا۔ ویسے بھی فیفا کی گھلنے ملنے والی نیچر نہیں تھی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔

جاب کے تیسرے روز وہ اپنے باس کے بارے میں جان پائی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ چہرہ دیکھا دیکھا لگ رہا تھا۔ بہرحال کام کے حوالے سے وہ مطمئن تھی سیلری بھی اطمینان بخش تھی۔

پرابلم تھی تو صرف یہ کہ اس کی ٹیبل زرجان صاحب کے کمرے کے ایک کونے میں رکھی گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا کیبن الگ کر دیا جائے۔ مگر فی الحال ایسی کوئی ڈیمانڈ کرنا حماقت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ویسے بھی زرجان آفس میں جتنی دیر موجود رہتا تھا اس کا دھیان صرف اور صرف اپنے کام کی طرف ہوتا تھا۔ اس کی نظروں نے کبھی بغاوت نہیں کی تھی۔ وہ اپنی نظر پر پورا کنٹرول رکھتا تھا۔ ویسے بھی دفتر کے لوگ زرجان کے گن گاتے تھے۔

فیفا سے زرجان کی بات صرف کام کے حوالے سے ہوتی تھی۔ پہلے روز بھی زرجان نے اسے کام کے حوالے سے کافی کچھ سمجھایا تھا۔ فیفا کو اس کا مہذب اور شائستہ انداز بہت بھایا تھا۔ وہ آفس کے ہر ورکر سے بڑے مہذب انداز میں گفتگو کرتا تھا۔

اس صبح زرجان معمول سے کچھ پہلے آ گیا تھا۔ فیفا دس منٹ بعد پہنچی تھی۔ دراصل فیفا کو زرجان سے پہلے آفس پہنچنا ہوتا تھا۔ وہ دن بھر کا شیڈول تیار کر کے زرجان کی ٹیبل پر رکھ دیتی تھی۔ یوں کہ زرجان سے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی مگر آج اس سے کچھ برعکس ہی ہوا۔ فیفا جب روم میں پہنچی تو زرجان پہلے سے ہی موجود تھا۔ اس کی نظریں اپنے لیپ ٹاپ پر تھیں۔ فیفا کے سلام کا جواب

بھی اس نے سر ہلا کر دیا۔

"آج آپ لیٹ ہو گئیں؟" وہ مصروف سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"نہیں سر! آج آپ جلدی پہنچے ہیں۔" فیفا نے کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا پرس اور ضروری چیزیں ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا......" وہ بغیر اختلاف کئے سر ہلانے لگا۔

"بہت اچھا مذاق ہے۔" فیفا نے دل ہی دل میں کہا۔ وہ جلدی جلدی کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگی تھی۔ اس کی نظریں کمپیوٹر سکرین پر تھیں۔

"سر! آج آپ کو خواجہ امجد کے ساتھ میٹنگ طے کرنا تھی۔"

"ہوں...... اس پروگرام کو کینسل کر دیں۔ آج ہمیں سائٹ پر جانا ہوگا۔ فیکٹری ایریا میں کچھ پرابلم کی اطلاعات مل رہی ہیں۔"

"سر! خواجہ امجد کی کالز بھی آ رہی تھی۔" فیفا نے سی ایل آئی چیک کی تو مسڈ کالز کی ایک لائن نظر آ رہی تھی۔

"خواجہ سے ملاقات بہت ضروری ہو گئی ہے۔" زرجان کی پیشانی پر تفکر نما سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد اسے سائٹ پر جانا تھا' مگر ہنی کی فون کال نے اسے پھر سے الجھا دیا۔

"زرجان! آپ کہاں ہیں؟ وہ بہت بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔

"خیریت ہنی! تم ٹھیک تو ہو۔" زرجان بے حد فکر مند ہو گیا تھا۔ ہنی کی آواز بھرا رہی تھی۔ یقیناً وہ بہت اپ سیٹ بھی تھی۔

"زرجان! میں بہت بیمار ہوں۔ بہت اکیلی ہوں۔ مجھے آپ سب کی ضرورت ہے زرجان! آپ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ میں سسک سسک کر مر جاؤں۔" وہ بری طرح سے سسک رہی تھی۔ زرجان بے حد بوکھلا گیا۔

"ہنی! پلیز، خود کو سنبھالو۔"

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"میں آفس میں ہوں۔" زرجان بہت دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔ اگر لہجے کو دھیما نہ کرتا تب بھی عفیفا تک اس کی آواز نہیں پہنچ پاتی۔ ویسے بھی اس کی توجہ کام کی طرف تھی۔ وہ اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہو کر کام کرتی تھی۔

"گھر کب جائیں گے۔"

"ابھی کچھ پتا نہیں۔"

"مما کہاں ہیں؟" ہنی بے صبرے پن سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ اپنے آفس میں ہیں۔ شاید ان کی آج میٹنگ بھی ہے۔ آج کل میں وہ تمہارے پاس آ نے والی ہیں۔" زرجان نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"کب آئیں گی!"

"عنقریب، تم فکر مت کرو۔" وہ اسے لفظوں سے بہلانا چاہتا تھا۔ مگر وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہنی بے حد بیمار لڑکی ہے۔ خود مختار ہے۔ اگر من مانی پر اتر آئی تو یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ خاموش تھی تو ماں کی وجہ سے۔ اپنی ماں کو دکھ دینے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مگر ممی تھیں کہ اس کے جذبات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی تھیں اور اسے ماں کی مصلحت آمیز خاموشی کی سمجھ بھی نہیں آ سکتی تھی۔ جو بھی ہو، وہ تنہا رہتے رہتے تنگ آ چکی تھی۔ اس بھاگتی دوڑتی زندگی اور کانچ کے اس اجنبی شہر سے اکتا چکی تھی۔ وہ واپسی کے راستوں پر پلٹنا تھا' مگر جس راہ پر اس کا قدم پڑتا تھا۔ وہ ہی اجنبی ہو جاتا۔ زندگی میں اس نے بہت کم لوگوں پر بھروسہ کیا تھا۔ بہت کم لوگوں سے دل کے راز شیئر کئے تھے۔ اپنی ماں کے علاوہ دوسرا زوار شیری تھا جو اسے امریکہ کی ایک برفیلی صبح اپنے برابر بیٹھا دکھائی دیا تھا اور وہ بغیر سوچے سمجھے اس پر اعتبار کرنے لگی تھی اور اب شیری کا منظر سے ایک دم غائب ہو جانا بھی اسی جیسی شدت پسند لڑکی کو بری طرح سے توڑ پھوڑ گیا تھا۔ وہ رشتوں کے معاملے میں بہت زیادہ شدت پسند تھی۔ مگر مسئلہ بھی یہ تھا کہ اسے بہت کم رشتے میسر آئے تھے اور جو پاس تھے، قریب تھے۔ ہمیشہ سے ہی برسوں کی دوری پر نظر آتے تھے۔ اتنے فاصلے درمیان میں موجود تھے کہ قربتوں کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔

اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ رشتوں کے معاملے میں وہ ہر درجہ مفلس تھی اور محبتوں کے معاملے میں تو بالکل ہی قلاش۔

"آپ کب تک مجھے جھوٹے بہلاوے دیتے رہیں گے زرجان۔" وہ غصے سے چلا اٹھی۔

"ممی سے کہہ دیں، کوئی ضرورت نہیں اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے میرے پاس آنے کی۔ میں بھی ان سے ملنے کے لئے ترس نہیں رہی ہوں۔"

"ہنی! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" زرجان نے اپنے ازلی نرم لہجے میں کہنا چاہا۔

"آپ کچھ نہیں جانتے زرجان! آپ کو کچھ خبر نہیں۔ جو زہر میری رگوں میں اتر چکا ہے نا۔ اس کی کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔" وہ ٹوٹ کر شاید بکھر رہی تھی۔ اور اسے سمیٹنے والا کوئی نہیں تھا اور جب ضبط کے ٹانکے ٹوٹ گئے تو ہنی نے خود ہی لائن ڈس کنیکٹ کر دی۔ زرجان نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا تھا۔ جو شگفتگی اور تازگی وہ صبح صبح محسوس کر رہا تھا۔ ایک دم ہی گویا اس کا اثر زائل ہو کر رہ گیا تھا۔ بے پناہ تھکن اس کے وجود میں اتر کر رہ گئی تھی۔ عفیفا نے بہت دفعہ نوٹ کیا تھا کہ زرجان کا اچانک موڈ بدل گیا ہے۔ آفس سے کچھ پہلے وہ فیکٹری ایریا سے مین آفس آ گئے تھے۔

"آپ کو ڈرائیور گھر چھوڑ دے گا۔" وہ ڈرائیور کو ضروری ہدایات دے کر خود لفٹ کے ذریعے تھرڈ فلور پر پہنچ گیا تھا۔ عفیفا سر ہلا کر نیچے آ گئی۔

ڈرائیور اسے گھر ڈراپ کر گیا تھا۔ گیٹ کے پاس کھڑے ہو کر اس نے چابی نکال کر لاک کھولا تھا کہ ہمسائے کا ایک بچہ بھاگتا ہوا فیفا کے قریب آیا۔ اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک لفافہ بھی تھا۔

"عفیفا باجی! یہ ڈاکیا دے کر گیا ہے۔" بچے نے لفافہ فیفا کے ہاتھ میں تھمایا اور خود یہ جا وہ جا۔

"کیا ہے؟" فیفا حیران نظروں سے لفافہ الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔ یوں ہی لاؤنج تک آتے آتے اس نے لفافہ چاک کر کے کھولا۔ تین چار کاغذات تہ شدہ برآمد ہوئے تھے۔ فیفا کی نظریں کاغذات پر منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے فولڈ شدہ پیپر پلٹ کر دیکھا۔ اس کے ذہن نے زور دار قسم کا چکر کھایا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا آسمان اور زمین برابر گھومتے جا رہے ہیں۔ اس کا دل بری طرح سے متلانے لگا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ بڑی دقتوں کے بعد اس کے کپکپاتے لب ہولے سے پھڑپھڑائے۔

"سہیل نے مجھے طلاق دے دی۔ ہائے، امی! آپ کی سادگی اور غلط فہمی نے میرے کردار کو داغدار کر دیا ہے۔ ہائے، میں مر کیوں نہیں گئی۔ یا اللہ! یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا؟" وہ تیورا کر زمین پر گرتی چلی گئی۔

............*

"آپ مجھ پہ شک کر رہے ہیں ماہیر۔" اس کا لہجہ برف کی طرح ٹھنڈا ٹھار ہو گیا۔ ماہیر جو اس کے برابر چلتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک دم ٹھٹک کر ناک کی سیدھ میں چلتی حریم کو دیکھنے لگا۔

"شک...... کیسا شک؟" ماہیر کا لہجہ سادہ سا تھا تاہم وہ اس کی بات کے مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا۔

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ شاہنواز کے حوالے سے۔" حریم کے وضاحتی انداز میں بھی کانچ چبھ رہے تھے۔ وہ چونک سا گیا۔ ٹائی کی طرف بڑھتے ہاتھ لمحہ بھر کے لئے رک گئے۔ وہ جو صوفے پر اطمینان سے بیٹھ رہا تھا۔ ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"شک اور تم پر؟" ماہیر کا ٹھٹکنا بھی فطری تھا۔

"شاہنواز جنریٹر آن کرنے کے لئے اوپر آیا تھا۔" وہ خشک سے لہجے میں وضاحت کر رہی تھی گو ماہیر نے کون سا کوئی بھی وضاحت اس سے طلب کی تھی۔ البتہ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ عام سے لہجے میں شاہنواز کے بارے میں کیا گیا سوال حریم کو جذباتی طور پر دھچکا پہنچا دے گا۔

"اسے خدمت خلق کا کریز ہے۔" ماہیر نے ہلکا سا مسکرا کر ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کیا۔ اب وہ جھک کر جوتوں کے لیسز کھول رہا تھا۔

"آپ کو برا لگا؟" حریم نہ جانے کن خدشات کو خود پر حاوی کر چکی تھی۔

"برا کیوں لگے گا۔ تم نے اچھا کیا، شاہنواز کو بلوا کر جنریٹر آن کروا لیا۔ بلیٹ خود سے کھینچنے کی غلطی مت کرنا۔" ماہیر کا انداز تنبیہی تھا۔

"میں نے شاہنواز کو نہیں بلوایا تھا۔" ماہیر کا نرم اور سادہ لہجہ اسے پھر سے پرسکون کر چکا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ وہ خود جنریٹر آن کرنے اوپر آیا ہو گا۔ وہ ایک ہمدرد دل رکھتا ہے۔" ماہیر تولیہ لے کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ فریش ہو کر واپس آیا تو حریم کو ابھی تک گم سم سا کھڑا دیکھ کر چونک کر بے پاؤں حریم کے قریب آیا تھا۔

"حریم! کیا سوچ رہی ہو؟"

"آپ خفا ہیں مجھ سے۔"

"خفا مگر کیوں؟" ماہیر نے اس کے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اسے اپنی طرف گھما

"میں تم سے خفا نہیں ہو سکتا اور شک کا تو سوال ہی نہیں۔"

"اچھا۔" وہ گویا پھول کی طرح ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"کھانا لاؤں؟"

"نہیں اور پوچھ پوچھ......" وہ کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ واپس آیا تو حریم پہلے ہی کمرے میں موجود تھی۔

"تم زرجان کے ساتھ آئی ہو؟" وہ صوفے پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جی، مگر آپ کو کس نے بتایا ہے؟" وہ جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈال رہی تھی۔ لمحہ بھر کو رک کر اس نے ماہیر کی طرف دیکھا تھا۔

"زرجان نے۔" وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"زرجان نے، مگر کیسے؟ کیا آپ کی زرجان سے ملاقات ہوئی ہے؟" حریم کی آنکھوں میں تحیر در

"ہوں۔" ماہیر نے محض سر ہلایا تھا۔

"وجہ پوچھ سکتی ہوں۔" اس کا انداز سرسری قسم کا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بھلا زرجان سے ماہیر کو کیا کام ہو سکتا ہے۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ زرجان بھی ماہیر سے ملاقات کا ذکر کر رہا تھا۔

"کچھ آفیشل پرابلم ہے۔ زرجان سے ڈسکشن کرنا تھی۔" ماہیر نے مختصر لفظوں میں وجہ بتا دی تھی اور وہ اس کے ٹرانسفر کے آرڈر سن کر بے حد پریشان ہو گئی۔ ایک طرف وہ ماہیر کی اس قدر زرجان سے بے تکلفی پر حیران تھی اور دوسری طرف حالیہ مسئلے نے اسے حد درجہ متوحش کر دیا تھا۔

"ماہیر! آپ اگر کراچی چلے گئے تو ہمارا کیا بنے گا۔ امی، منیب اور میں۔" وہ اچھی طرح سے جانتی تھی منیب اور امی کو سنبھالنا اس کے بس کا روگ نہیں۔

"اسی سلسلے میں تو زرجان سے بات کی ہے۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ تو کر لوں گا۔ بہرحال تم فکر مند نہ ہو۔ کم از کم اتنی جلدی تمہیں چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔" آخر میں اس کا انداز کافی شریر قسم کا ہو گیا۔

"اور میں آپ کو جانے بھی نہیں دوں گی۔" اس نے بڑی چاہ سے ماہیر کو میٹھی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"اللہ بھی کیسے کیسے دل موہ لینے والے چہرے بناتا ہے۔ جس بھی دل کی سلطنت پر چاہیں، عمر بھر راج کرتے رہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی۔

"اور لے کر جانے والے مجبور کرنے لگے یا پھر انہوں نے زبردستی کر لی تو پھر؟" ماہیر کی روشن آنکھوں میں شرارت بھر گئی۔

"لانے والے کون؟" حریم نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"وہ ہی جو سب کو لینے آجاتے ہیں۔" ماہیر ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

"ماہیر۔" وہ سمجھ کر گویا چلا اٹھی۔

"خبردار، جو آپ نے فضول بات کر کے مجھے دہلانے کی کوشش کی۔"

"جانا تو سبھی کو ہے میری جان۔" وہ ٹرے کھسکا کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

"جلد یا بدیر، سبھی کو رخت سفر باندھنا ہے۔" حریم کی لمبی چوٹی کے کچھ بال ماہیر کے ہاتھ لگ گئے تھے اور اس نے چوٹی کے آخر میں بالوں کو سمیٹنے کی غرض سے لگایا گیا بینڈ اتار کر صوفے کی طرف اچھال دیا تھا۔ اس کے ہاتھ اب چوٹی کے بل دھیرے دھیرے کھول رہے تھے۔

"مگر میں تو کراچی جانے کی بات کر رہی ہوں۔" وہ سخت ناراضی کے عالم میں گویا ہوئی۔

"اور میں دنیا سے جانے کی بات کر رہا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں ابھی تک شرارت کے دیے ٹمٹما رہے تھے۔ وہ حریم کو محض ستا رہا تھا۔ چھیڑ رہا تھا۔

"فار گاڈ سیک ماہیر۔" وہ دبی آواز میں چیخی۔

"اچھا...... ایک بات تو بتاؤ۔" ماہیر نے کچھ سوچ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا؟" وہ ٹرے میز کی طرف کھسکا کر سیدھی ہوگئی یوں کہ ماہیر کا چہرہ اب اس کی نظروں کے سامنے تھا۔

"فرض کرو...... اگر میں نہ رہا تو۔" وہ بہت تول تول کر بول رہا تھا۔

"ماہیر!" حریم کو لگا صرف چند پل کے لئے زمین اپنے مرکز سے ہٹ گئی ہے۔

"آج آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں کیا میری جان نکالیں گے۔" حریم کی آنکھوں کے فرش نمکین پانیوں سے گیلے ہوتے چلے گئے۔

"میں تمہارے بغیر، اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی ہمیشہ ادھورا رہوں گا حریم! مگر اس کے باوجود میں ہمیشہ قائم دائم رہنے والی اس سرسبز دنیا میں تمہارے ساتھ کا کبھی بھی خواہش مند نہیں رہوں گا۔ میں تمہیں کسی عہد میں ہرگز نہیں باندھنا چاہتا۔ میں نہ رہا تو تم میری محبت اور میرے نام سے آزاد ہو جاؤ گی۔ خود کو میرے نام سے باندھ کر مت رکھنا۔ میں ماہیر عالم صرف اور صرف تمہیں ہمیشہ کے لئے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" ماہیر کے گرم ہاتھ نے حریم کے سرد ہاتھ کو تھام کر نرمی سے دبایا تھا اور حریم گویا ایک دم مشتعل ہو کر رہ گئی۔

"آپ، ماہیر! آپ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں۔" وہ دھواں دھار رونے لگی تھی۔

"ارے یار! کیا ہوا۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" ماہیر کو سنجیدگی کا چولا اتارنا ہی پڑا تھا۔ اس کے آنسو ماہیر کو بوکھلائے دے رہے تھے۔

"حریم جان! بس کرو، پلیز یار! چپ ہو جاؤ نا۔" وہ اس کے آنسو پونچھتا ہوا بے حد متفکر بھی تھا۔ حریم کی ناراضگی کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔ دل تھا کہ ابھی تک قابو میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"جنت میں بھی دم چھلا بنی رہنا۔ ہائے ہماری قسمت، سوچا تھا یہاں نہ سہی، وہاں تو پسند کی حور

دیا جائے گا۔ اپنی مرضی سے کسی حور شمائل کا انتخاب کریں گے مگر واہ رے نصیب۔" ماہیر نے مصنوعی آہ بھری۔

"اتنی آہیں بھرنے کی ضرورت نہیں۔ جنت میں تو میں خود ہی آپ کو لفٹ نہیں کراؤں گی۔" حریم روتے روتے ہنس پڑی تھی۔ یوں لگ رہا تھا گویا سورج کے ساتھ ان کے سامنے بدلیوں نے چادر تان لی ہو۔

"تمہاری بے مروتی کا تو یہ دل ازل سے گواہ ہے۔" ماہیر نے پھر سے آہ بھری۔ حریم تو اس الزام پر تپ اٹھی۔ وہ مسکرایا اور پھر کچھ سوچ کر قدرے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ہمارا چنا منا کب تک آجائے گا؟"

"بس تھوڑا ہی وقت باقی ہے۔" حریم آن کی آن میں ڈھیروں لاج تلے دب گئی۔ ماہیر کی آنکھوں میں انتظار کے ستارے جھلملانے لگے تھیں۔ جھکی نظر اٹھنے کا جواز ڈھونڈ رہی تھی۔ اس پل ماہیر کی طرف دیکھنا دنیا کا سب سے مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔

"اپنے بچے کا چہرہ دیکھنا۔ اسے ہنستے مسکراتے دیکھنا۔ میری خواہش ہے کہ وہ ہر لحاظ سے صحت مند و پرفیکٹ ہو ہر قسم کی جسمانی کمی سے پاک ہو۔ وہ میری نسل کا امین ہوگا۔ ماہیر عالم کی نسل اس سے آگے بڑھے گی۔ میری دعا ہے، خدا ہمیں اولاد کے معاملے میں اس آزمائش سے بچائے جو میرے ماں باپ کی زندگیوں کو دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے۔ اب کبھی کوئی عیب اس خاندان میں نہ پیدا ہو۔" حریم نے نظر اٹھا کر کہیں دیکھا تھا نہ جانے کب ایک ننھا سا ستارہ ماہیر کی آنکھ کے کونے سے ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔

"اور پہلی بڑی خواہش کیا تھی؟" حریم اس کے لب و لہجے کی افسردگی محسوس کر کے ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"تمہیں پانے کی، تمہیں پالیا تو سیراب ہو گیا۔ اب یہ دل مزید تمناؤں سے خالی ہے۔ کسی اور کی طلب نہیں۔" سچائی نے اس کی آنکھوں اور چہرے کو تابناکی بخش دی تھی۔ دل تو اس کے اظہار پر اوس میں بھیگ رہا تھا۔

"اچھا آپ بھی ایک بات بتائیں؟" کچھ سوچ کر اس نے گفتگو کا رخ موڑا۔

"پوچھیں۔" وہ بھی گویا نیند کی دیوی کو بھگا کر بیٹھا تھا۔ بہت ہی فرصت کے عالم میں۔

"خدانا خواستہ میں آپ سے دور چلی جاؤں، اتنا دور کہ واپسی کے راستے کھوٹے ہو جائیں۔ کھو جائیں، گم ہو جائیں۔ مجھے آپ تک آنے میں پل صراط سے گزرنا پڑے۔ یا پھر وقت ہمارے درمیان دیوار بن جائے۔ زندگی کا سفر ہمیں تنہائیوں کے عذاب بخش دے۔ ایسا کچھ ہو جائے۔ جو دل کو درد کے سفر کا راہی بنا دے۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"تو پھر کیا، تمہاری فرقت کے عذاب میں جینا، تو کیا بھلا جینا؟ یا دل ہار دیں گے یا جان، تم سے دور زندگی سے دور چلے جانے کے برابر ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل کر رہ گئی۔

"یوں دہلنے سے کام نہیں چلے گا۔" ماہیر نے کسی خوف کے زیر اثر بیٹھی حریم کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

اسے پٹری سے اترتا دیکھ کر حریم نے موضوع گفتگو ہی بدل دیا۔

"زمیلہ کب تک جا رہی ہے؟"

"اس ہفتے کے آخر میں۔" ماہیر نے سرسری انداز میں بتایا تاہم حریم کو فطری سا دکھ ہوا۔

"اتنی قریب کی ڈیٹ ہے اور مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"امی نے تمہیں نہیں بتایا۔" ماہیر بھی چونک سا گیا۔

"نہیں" اس کا سر بے اختیار نفی میں ہل گیا۔

"شاید ان کے ذہن سے بات نکل گئی ہوگی۔" ماہیر کا انداز وضاحتی قسم کا تھا۔ ویسے بھی ماں اور بہن کی ہر بات کو چھپانے والی عادت اسے پسند نہیں تھی۔

"امی نے زمیلہ کے لئے کچھ شاپنگ کرنا ہے۔ اگر تمہیں بھی کچھ چاہیے تو منگوا لینا۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" حریم نے کروٹ بدل لی تھی۔ آن کی آن میں دل دکھ کے احساس تلے دب گیا تھا۔

"کیا ہوتا اگر امی مجھے بھی بتا دیتیں۔ میں بھی زمیلہ کے لئے کچھ خرید لیتی۔ نہ جانے کیوں امی اس قدر وہمی ہیں۔" اسے پورا یقین تھا کہ امی کی توہم پرستی والی عادت نے زمیلہ کو بھی وہی بنا دیا تھا۔ وہ بھی ہر بات چھپا چھپا کر رکھتی تھی۔ کوئی نظر نہ لگا دے۔ کوئی حسد نہ کرے۔

"حریم! کیا ہوا! کیا نیند آ رہی ہے؟" کچھ دیر بعد حریم نے اپنے شانوں پر ماہیر کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا تھا۔

"ہوں۔" حریم کی آواز بھرا رہی تھی مگر ضبط کا دامن اس نے بالکل نہیں چھوڑا تھا۔

"مگر مجھے تو نہیں آ رہی اور میں تمہیں بھی سونے نہیں دوں گا۔" ماہیر نے کہنی کے بل ذرا سا اونچا ہو کر حریم کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

"آپ نے صبح دفتر نہیں جانا؟" اس نے بمشکل لہجے کو بشاش ظاہر کیا۔

"بھاڑ میں گیا دفتر۔" اس نے زبردستی حریم کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ بھی تو نہیں۔"

"کیا چھپانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی ہو؟ کیا آنسو؟" وہ سیاہ کٹوروں میں موجود پانی دیکھ چکا تھا۔

"نہیں تو۔" حریم صاف مکر گئی۔

"ایک بات کہوں حریم۔" ماہیر کچھ پل سوچنے کے بعد سنجیدگی سے بولا۔

"تم امی اور زمیلہ کے رویوں پر مغموم مت ہوا کرو۔" حریم کی آزردگی کی وجہ وہ سمجھ چکا تھا۔

ں کی زیادتیوں کو جانتے بوجھتے، دیکھتے، سمجھتے بھی نظر انداز کر دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں میٹھی ٹ ہے اور شاید حریم اس وجہ کو ہرگز نہیں جانتی تھی جس نے راحت بیگم کے ذہن کو بری طرح سے ثر کر دیا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حریم بہت حساس ہے اور اس کی حساسیت اسے ذرا ذرا سی باتوں پر بھی تی ہے۔ تکلیف دیتی ہے اور اس کی یہ تکلیف وہ کم نہیں کر سکتا تھا۔ نہ تو امی اپنی گفتگو اور ذہن کو بدل نہیں۔ طنز کرنے اور غصہ دکھانے سے باز آ سکتی تھیں اور نہ ہی حریم کڑھنا چھوڑ سکتی تھی۔

مگر اس وقت نادانستہ حریم کے دل میں ایک پھانس سی جا چبھی تھی اور اس پھانس کی چبھن ماہیر کے کیسے پہنچتی۔ حریم بالکل خاموش تھی اور اس کی خاموشی ماہیر کے دل میں بے قراری بھر چکی تھی۔

نے نرمی سے حریم کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ ماہیر کو ایک دم جھٹکا سا لگا۔ اس کی انگلیوں کی پوروں کو نمی چھو لیا تھا۔ ماہیر نے اس کا چہرہ زبردستی اپنی طرف موڑا۔

"حریم! رو رہی ہو؟"

"نہیں تو۔" وہ فوراً آنکھیں پونچھتے بولی۔

"یار! امی کے رویوں کو دل پہ مت لیا کرو۔" ماہیر نے گویا التجا کی تھی۔

"کم از کم آپ تو بتا دیتے۔ مجھے امی اور زمیلہ سے شکوہ نہیں۔ آپ بھی غیر سمجھتے ہیں۔ کچھ بتانا گوارا نہیں کرتے۔" اس نے ناراضی سے جتایا۔

"بس، مجھے بھی خیال نہیں رہا۔" وہ کان کھجانے لگا تھا۔

"اچھا، سوری معاف کر دو نا۔"

"معافی نہیں مل سکتی۔"

"ہائے یہ غضب مت ڈھانا۔" ماہیر نے دہائی دی تھی۔

"مجھے تو تمہارے بغیر نیند نہیں آتی اور ناراضگی میں تم بستر الگ کر لیتی ہو۔" اس کی دہائیاں بھی اپنی جگہ درست تھیں۔ حریم کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

وہ حریم کو ایک دفعہ پھر باتوں میں مصروف کر چکا تھا۔ وہ حریم سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر کے لئے ہر طرح کی فکر اور پریشانی سے خود کو آزاد کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ ے دھیرے ایک شکنجہ اس کے گرد تنگ کیا جا رہا ہے اور وہ بری طرح سے اسے شکنجے میں پھنسنے والا ہے۔ یہ ایک الجھی گتھی تھی جسے وہ جتنا سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی قدر الجھتی جا رہی تھی اور محترمہ فلک ذات بھی اس کے لئے ایک معمہ تھی۔ اس کی یادداشت میں بھی اس نام کی کوئی خاتون موجود نہیں تھی۔

نے سوچا تھا کہ حریم سے اس بات کا ذکر کرے پھر خود ہی ارادہ بھی بدل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ حریم معمول فکریں پالنا شروع کر دے گی۔ حالانکہ حریم سے ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان بھی اس کا ذہن کی گفتگو کے درمیان الجھتا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی ناؤ کیسے کیسے خطرناک طوفان کی زد والی ہے۔

"کہاں کھو گئے؟" حریم نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے۔

"کہاں کھو سکتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں کے ان سمندروں کے علاوہ۔" وہ سنبھل کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ حریم کو خوامخواہ کھانسی آ گئی۔

"جناب بھی شاعرانہ گفتگو کا فن رکھتے ہیں۔"

"اور بھی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔ کبھی فرصت کے لمحے دان تو کر کے دیکھیں۔ حرید بھی بہت کچھ آشکار ہوگا۔" ماہیر اس کی پیشانی پر دھیرے دھیرے شہادت کی انگلی پھیر رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کسی کا نام لکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ حریم سے رہا نہ گیا تو پوچھنے لگی۔

"کیا لکھ رہے ہیں ماہیر۔"

"اپنا نام۔" ماہیر اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"وہ تو پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے۔" حریم شادمانی سے مسکرا دی۔

"کچھ اور لکھ رہے ہیں کیا؟"

"ہوں۔" اس نے محض ہنکارا بھرا۔ سوچ کی رانی اس کی گہری آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ اسی لئے انداز بھی کھویا کھویا سا تھا۔

"بھلا کیا؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"ماہی۔" ماہیر کے لبوں نے ہولے سے جنبش کی۔

"ماہی۔" وہ اور بھی حیران ہوئی تھی۔

"ماہی یعنی ماہیر عالم؟" اس نے کچھ چونک کر ماہیر کی طرف دیکھا تھا۔

"ماہی آپ کو بھلا کون کہتا تھا؟ کون اس نام سے مخاطب کرتا تھا؟ کون ماہی کے نام سے بلاتا تھا آپ کو؟"

"کوئی بھی تو نہیں۔" ماہیر ایک دم چونک گیا۔

"جھوٹ تو نہ بولیں۔" اس کے لہجے میں بلا کی چبھن در آئی۔

"میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔" ماہیر کے لب و لہجے میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ واضح محسوس ہو رہی تھی۔ تبھی تو حریم کچھ اور بھی ٹھٹک گئی۔ اس نے آنکھوں کو ہلکا سا میچ کر بغور ماہیر کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس اضطراب میں پوشیدہ ایک بند داستان کے نوحوں کی آواز شیشے کے ایک محل سے آ رہی تھی۔ کسی کی درد میں ڈوبی آواز اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ بہتا خون قطرہ قطرہ گر رہا تھا۔

"مگر آپ اس وقت جھوٹ بول رہے ہیں۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولی۔

"کیا مطلب؟" ماہیر کی آنکھوں میں ہلکی سی ناگواری در آئی۔

"آپ کس کے ماہی ہو۔" اب وہ زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ماہیر نے کچھ الجھ کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر دیر تلک دیکھتا رہا۔ شاید وہ حریم کے چہرے پر لکھی کوئی تحریر پڑھنا چاہتا تھا۔

"زوباریہ درانی کے نا۔" وہ پوچھ نہیں رہی تھی بلکہ بڑے واضح لفظوں میں بتا رہی تھی۔ جتا رہی تھی۔ وہ اسے حد درجہ الجھا بھی رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے۔ زوباریہ کون تھی؟" ماہیر نے بڑے ہی ٹھہرے رواں لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کے تجسس پوشیدہ نہیں تھا۔ مگر جو کچھ تھا، وہ اس قدر عام بھی نہیں تھا۔ بہت خاص تھا۔

"شاید ہاں، شاید نہیں۔" وہ دائیں بائیں سر ہلا رہی تھی۔

"کبھی کبھی لگتا ہے کہ میں ازل سے اسے جانتی ہوں اور کبھی یوں لگتا ہے کہ میں اسے سرے سے نہیں جانتی۔ بھلا زوباریہ درانی ہے کون؟" اس کا انداز بہت کھویا کھویا سا تھا۔ قدرے اجنبی اجنبی سا۔

"تمہیں نہیں پتا کیا؟" اس نے دیکھا تھا، ماہیر کے چہرے کے تاثرات کچھ پرسکون ہو رہے تھے۔

"زوباریہ درانی بھلا کون ہے؟" وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

"بھلا کون ہے؟ کون ہے؟" اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ بڑی واضح تھی۔ عیاں ہوتی، ظاہر ہوتی، کچھ کہتی، کچھ بولتی۔

"زوباریہ درانی کیا تھی؟ ایک آہن گر، مگر ماہیر عالم کو قید نہیں کر سکی۔ اسے قید کرنا اور جکڑنا نہیں آتا تھا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ جوان بخت یا اقبال مند نہیں تھی۔ مگر وہ تھی کیا؟ گرفتار محبت، گرفتار عشق یا گرفتار جنون۔" اس کی بولتی آنکھوں میں مچلتے سوالوں نے گھڑی بھر کے لئے ماہیر عالم کے دل کی دھڑکن کو بے ترتیب کر دیا تھا۔

"تم زوباریہ کو جانتی ہو؟" وہ سانس روکے پوچھ رہا تھا۔

............*

"خالہ جان! کہاں جا رہی ہیں۔" دھپ دھپ سیڑھیاں اترتے شاہنواز کی نظر ہانپتی کانپتی راحت بیگم کی طرف اٹھی تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ خالہ جان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ راحت بیگم کی آنکھیں شاہنواز کو دیکھ کر چمک اٹھی تھیں۔ آج ان کا ارادہ فیفا کی طرف جانے کا تھا۔ کافی دن ہو گئے تھے وہ فیفا کی خیریت معلوم کرنے نہیں جا سکی تھیں۔ ماہیر کے پاس وقت کی کمی تھی۔ دوسرے وہ رات کو بہت دیر سے گھر آتا تھا۔ وہ ماہیر سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کر سکی تھیں۔

کل شام سے ہی وہ ارادہ باندھ چکی تھیں کہ صبح ہوتے ہی فیفا کو اک نظر دیکھنے ضرور جائیں گی۔ ہفتے کے باقی ماندہ دن بہت مصروفیت کی نذر ہوتے تھے۔ زمیلہ کے باہر چلے جانے کے دن قریب تھے۔ نہ صرف وہ زمیلہ کے لئے خریداری کر رہی تھیں بلکہ ان کی خواہش تھی کہ زمیلہ کے جدہ جانے سے پہلے ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام بھی کریں گی۔ انہیں بیٹی کا مان بڑھانا آتا تھا۔ دوسرے وہ بھرے پرے گھرانے میں رہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زمیلہ کسی کے طنزیہ تحقیر کا نشانہ بنتی رہے۔ اور وہ لوگ خوامخواہ بعد ورگیدتے رہیں کہ جاتے سے ماں معمولی سی دعوت کا اہتمام بھی نہیں کر سکی۔ اس سلسلے میں وہ ماہیر سے پہلے ہی بات کر چکی تھیں اور ماہیر ماں کی خواہش پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے کافی رقم چپکے سے انہیں تھما چکا تھا۔ اضافی رقم سے وہ زمیلہ کے لئے اور نبیل کے علاوہ ان کے ہونے والے بچے کے لئے بھی بہت خرید چکی تھیں اور بہت کچھ خریدنا ابھی باقی تھا۔ ہمیشہ کی طرح یہ تمام تر خریداری چپکے چپکے کی گئی تھی۔ اپنی جان سہیلی ثریا جہاں کو بھی نہیں بتایا تھا چونکہ ثریا جہاں پیٹ کی خاصی ہلکی تھیں۔

اس وقت وہ سفید چکن کے شلوار قمیض میں بالکل تیار کھڑی تھیں۔ اور ان کی تیاری سے شاہنواز اندازہ لگا چکا تھا کہ یقیناً وہ کہیں جا رہی ہیں۔ اسی حساب سے اس نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور حسب معمول راحت بیگم نہال ہو کر رہ گئیں۔

"لبوں پر سچ مچ یہی دعا تھی کہ کاش شاہنواز گھر میں ہی ہو...... دیکھو، کیسی قبولیت کی گھڑی تھی۔ فرشتے کی طرح تم چھت سے اتر آئے۔" خوشی کے مارے ان کی سفید رنگت دہک اٹھی تھی۔ ایک تو رکشے میں دھکے کھانے اور پھٹ پھٹ کی ناپسندیدہ آواز کے علاوہ کرائے کی بھی بچت ہو گئی تھی۔ سو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔

"چھت پر کیا فرشتے رہتے ہیں خالہ جان!" بڑی معصومیت سے پوچھا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ جیبیں بھی ٹٹولی جا رہی تھیں۔ یقیناً بائیک کی چابی کی تلاش جاری تھی۔

"تو اور کیا، تمہارے جیسے فرشتے۔" وہ ایک دفعہ پھر سے نہال ہو گئیں۔

"نہ خالہ جان! مجھ مسکین کو انسان ہی رہنے دیں۔ مجھے فرشتوں سے خاصا ڈر لگتا ہے۔ خصوصاً اس فرشتے سے جو میری دلاری اماں کے پٹھے پر ہاتھ دھرے گا اور اماں جان ہمیشہ کے لئے اس خوبصورت پودوں اور درختوں والے گھر کو ویران کر جائیں گی اور ان کے چلے جانے کے بعد ہی یقیناً یہ سرسبز و شاداب اونچے درخت اور یہ پھول پودے بھی گویا سکھ کا سانس لیں گے۔ جنہیں اماں کے مبارک ہاتھوں نے آج تک کبھی پیار سے نہیں چھوا اور یہ چپس زدہ فرش جو سال کے بارہ مہینے گرد و غبار اور درختوں کے گلے سڑے پھل، چرمرے، بے جان، سوکھے پتوں سے اٹا رہتا ہے۔ جسے کبھی صاف کرنے کی توفیق نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ ماسی تک نے اسے دھونے کی اور رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس گھر کے در و دیوار تک خوشی کے مارے لرز لرز جائیں گے جب خیر سے اماں صاحبہ کا کوچ کا وقت آئے گا۔ تب ان جالوں سے اٹی چھتوں اور دیمک زدہ الماریوں کو کوئی ملال تو نہ ہوگا کہ ایک خاتون کی موجودگی کے باوجود دیمک انہیں بری طرح سے چاٹ رہا ہے۔" شاہنواز کی فراٹے بھرتی زبان کو ثریا جہاں کی گولی کی طرح لہراتی جوتی بھی روک نہیں پائی تھی۔

"میں نے کچھ غلط کہا ہے اماں جان۔" شاہنواز نے معصومیت کے گویا سارے ریکارڈ توڑ ڈالے۔

"ستیاناس، تیرا شاہ ہے۔" ثریا جہاں جلبلا کر رہ گئیں۔

"قبر سے اٹھا کر لے آؤ، رباب آرا کو گھر بھر کی صفائی ستھرائی کر جائے۔ کم بخت ذرہ بھر لحاظ نہیں کرتا اور زبان کے آگے تو گویا خندق ہے۔ چلنے پر آتی ہے تو رکتی نہیں۔"

"کیوں بہشتن کی روح کو تڑپاتی ہیں اماں! ایسا نہ ہو بے چاری رات کو آپ سے ملاقات کرنے آ جائیں۔" وہ بھی تو شاہنواز تھا کبھی وار خالی نہیں جانے دیتا تھا اور ویسے بھی اسے بائیک کی چابی نہیں مل رہی تھی۔ ساری جیبیں ٹٹول چکا تھا۔ دراز تک کھنگال لئے تھے۔ اب واشنگ مشین کے پاس کھڑا تھا اور میلی شرٹس کی پاکٹس ٹٹولی جا رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔" اماں حسب معمول دہل اٹھیں۔

"ذرا زبان سنبھال کر بات کیا کرو۔"

"اماں! زبان بھی کسی مست دوشیزہ کی طرح ہے۔ سنبھالے نہیں سنبھلتی۔" اس نے مشین کو ٹھڈا مارا تھا۔ اب وہ باورچی خانے کے دراز کھول کر دیکھ رہا تھا۔ مگر چابی نہ ہاں ہوتی تو ملتی۔ خیر سے ثریا جہاں کے گھٹنے کے نیچے دبی پڑی تھی اور وہ بھی اس کی جھنجھلاہٹ سے حظ اٹھا رہی تھیں۔ راحت بیگم بھی اسے تلاش و بسیار میں مگن دیکھ کر بیٹھ چکی تھیں۔

"اماں! آپ نے چابی تو نہیں دیکھی۔" ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے اماں کی طرف رجوع کیا۔

"مجھے کیا خبر، میرے ہاتھ میں پکڑا کر جاتے ہو۔" وہ بھی صاف مکر گئی تھیں۔

وہ چابی کی تلاش کا ارادہ ترک کر کے کچن میں گھسا جام شیریں بنانے لگا تھا۔

ادھر راحت بیگم بھی جلی بیٹھی تھیں۔ نظر گویا گھڑی کی سوئیوں میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ واپس آ کر انہوں نے زمیلہ کے سسرال کا چکر بھی لگانا تھا۔

وہ جگ اور گلاس اٹھائے کچن سے باہر آیا تھا۔ ایک گلاس بھر کے راحت بیگم کی خدمت میں پیش کیا تھا اور دوسرا ثریا جہاں کے۔

وہ پورا جگ خالی کر چکا تھا اور ایک دفعہ پھر اسکوٹر کی چابی تلاش کی جا رہی تھی۔

"شاہے پتر! تم تردد نہ کرو۔ میں رکشا کروا لیتی ہوں۔" گھڑی کی آگے بڑھتی سوئیوں کو دیکھتے ہوئے راحت بیگم نے تحمل سے کہا تھا۔ ادھر ثریا جہاں بھی بری طرح سے چونک گئیں۔

"تم کہیں جا رہی ہو؟"

"آپ کو نیا نکور چکن کا سوٹ پہننے کا مقصد دکھائی نہیں دے رہا۔ خالہ جان کہیں جانے کے لئے تیار بیٹھی ہیں اور مابدولت انہیں ساتھ لے جانے کی آفر کر چکنے کے بعد اب بائیک کی چابی کو رو رہے ہیں۔" شاہنواز کی بھناتی سی آواز سنائی دی تھی۔

"تو پہلے بتانا تھا نا کہ راحت کو کہیں لے کر جانا ہے۔" ثریا جہاں نے گویا دانت پیس لئے تھے۔

"بتانے سے بھلا کیا حاصل۔" شاہنواز نے ٹھنڈی آہ بھرلی۔

"آپ سے کسی نیکی کے کام کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"تمہاری نیکیوں کے تو گویا رجسٹر بھرے پڑے ہیں۔" وہ جل کر رہ گئیں۔

"نیکیوں کے یہ رجسٹر ایک دو آپ بھی مجھ سے ادھار لے لیجئے۔ شاید تب ہی آپ کا دل تھوڑا پسیج جائے اور بائیک کی چابی آپ مجھے دے دیں۔"

"میرے پاس کہاں سے آئی اس لڑکے کا دماغ دیکھو خوامخواہ الزام لگا رہا ہے۔" انہیں گویا تپ چڑھ گئی تھی۔

"تمہارے ابا سے شکایت لگاتی ہوں۔" ان کا انداز دھمکانے والا تھا۔

"ابا بے چارے اسی کام کے لئے تو رہ گئے ہیں۔ ویسے پیاری اماں! میرے بے مثل، لاثانی، منفرد آپ کے ابا کو ہماری جنگ میں شمولیت کی دعوت مت دیا کریں۔ وہ بے چارے تو نہ ایک میں ہیں

نہ گیارہ میں ہیں۔" اس نے گویا ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ سوکن کی اولاد بھی سوکن ہوتی ہے بلکہ سوکن سے بڑھ کے۔" انہوں نے فتویٰ دے دیا تھا۔ شاہنواز کو بے تحاشا ہنسی آ گئی۔

شاہنواز نے گویا خوب ہی لطف لیا۔ اگرچہ اسے احساس تھا کہ خالہ جان بار بار پہلو بدل رہی ہیں۔ گھڑی کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ اماں سے چابی کے بارے میں اگلوا کر ہی جانا چاہتا تھا۔ خالہ جان کو چھوڑ کر اس نے اپنے ایک دوست کی والدہ کی احوال پرسی کی غرض سے ہسپتال جانا تھا اور بڑی پرابلم یہ تھی کہ شاہنواز کو گدھے اور رکشے کی سواری ایک برابر لگتی تھی اور ان دونوں کی خدمات سے وہ بری طرح سے خار کھاتا تھا۔

تم تو ہو ہی ناشکرے۔ بے فیض، پالنے پوسنے کا اچھا صلہ دیتے ہو۔ چار لوگوں کے درمیان بے عزت کر کے رکھ دیتے ہو۔" انہوں نے خوامخواہ کی رقت خود پہ طاری کر لی۔

"تم نے کبھی ڈھنگ کی بات کی ہے۔ میرے ساتھ فساد ڈال کے بیٹھ جایا کرو۔ آج تک یہ نہیں ہو سکا۔ کوئی ڈھنگ کی لڑکی ڈھونڈ کر شادی کر لیتے۔ مجھے بھی کچھ سکھ کی سانسیں میسر آتیں۔"

"اپنی پسند سے شادی کر لیتا اور آپ مجھے اور میری بیوی کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک آتیں۔ اتنا ناسمجھ تو نہ سمجھیں مجھے۔" شاہنواز رباب والے جھوٹے قصے کا حوالہ دے رہا تھا۔ انہوں نے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

"ڈھنگ کی لڑکی سے شادی کر کے دکھاؤ تو مانوں۔ جو گھڑ ہو، سلیقہ مند ہو، گھر سجانا، بنانا اور سنوارنا جانتی ہو۔ گھر کی آرائش و زیبائش کرنے والی ہو، دانش مند ہو، دانا ہو، فہم رکھتی ہو، خاندان برادری ہو جس کی کسی چمارن کو پکڑ لے آؤ گے تو اس کا تو میں حشر نشر کر دوں گی۔" انہوں نے اپنے نیک ارادوں سے اسے اچھی طرح سے آگاہ کر دیا تھا۔ کب سے خاموش تماشائی بنی راحت بیگم کو بھی بالآخر بولنا پڑا۔

"تم بھی تو کوشش کرو۔ خیر سے شاہ کی شادی کی عمر ہے۔ میرے ماہیر سے صرف تین دن ہی تو بڑا ہے۔"

"تو اور کیا۔" شاہنواز بھلا کیوں خاموش رہتا۔

"ویسے خالہ جان! اماں کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میرے لئے لڑکی تلاشنے کا۔"

"اماں کی تو جان بخشو۔" ان کا پارہ پھر سے چڑھ گیا۔

"ہماری پسند کی لڑکی تمہیں کہاں بھا سکتی ہے۔" ان کا لہجہ حسرت زدہ سا ہو گیا تھا۔

"غم نہ کھائیں اماں! بہو تو آپ کی چن کر لاؤں گا بالکل سورج کی طرح ہو گی۔" شاہنواز کو تو سیدھا ہانکنے کی عادت تھی۔ اب وہ بڑے لاڈ سے اماں کے گرد بازو حمائل کر کے بیٹھ گیا تھا۔

"لوگ چاند جیسی لڑکی ڈھونڈتے ہیں اور ہمارے لڑکے کی مت ماری گئی ہے۔ آگ اگلنے والی اٹھا کر گھر لے آئے گا تا کہ جس کے بھی منہ لگے اسے جلا کر راکھ ہی کر دے۔ بھئی مجھے ایسی ہی بہو چاہئے۔" انہوں نے تنک کر کہا ساتھ راحت بیگم سے پوچھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"جانا تو فیفا کی خیریت پوچھنے تھا۔ مگر نہ جانے کس منحوس گھڑی، میں کرایہ بچانے کے لالچ میں ادھر آ گئی۔" وہ جل کر بولی تھیں۔

"دیکھا اماں! ناراض کر دیا ہے نا، خالہ جان کو۔" شاہنواز بھی روٹھ گیا۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"میں نے بھلا کیا کیا ہے؟" وہ حیران ہی تو رہ گئیں۔

"آپ نے کچھ نہیں کیا۔ سارا قصور آپ کے اس گھٹنے کا ہے۔ جس کے نیچے سکوٹر کی چابی دبی ہے۔"

"ہیں..... کہاں؟" وہ اچھل کر پیچھے ہٹی تھیں۔ اس قدر اچانک کہ چابی شاہنواز کی نظروں کے سامنے آ گئی تھی اور اس نے بہت پھرتی کے ساتھ چابی اٹھا لی۔

"بہت سنبھال کر رکھی تھی اماں آپ نے۔ تھینک یو ویری مچ...... یو آر گریٹ ماں! آئی لو یو سو مچ۔"

وہ ان کے ماتھے کو چومتا لمحے کے ہزارویں حصے میں باہر کی طرف لپکا تھا جہاں راحت بیگم رکشے والے سے حساب کتاب میں الجھ رہی تھیں۔

"خالہ جان! آ جایئے۔" وہ سیاہ گلاسز لگائے مسکرا رہا تھا۔

"توبہ، یہ ثریا تو مقابلہ لگا کے بیٹھ جاتی ہے۔" راحت بیگم خوب جل رہی تھیں۔ شاہنواز ہنوز مسکراتا رہا۔ پورے سفر میں راحت بیگم جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کی منزل بھی آ گئی۔

"آپ کا کافی وقت ضائع ہوا ہے۔ اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔"

"ارے، نہیں تو۔" وہ خوامخواہ شرمندہ ہو گئیں۔ شاہنواز نے بائیک سے اتر کر ڈور بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک حسینہ روئی روئی آنکھیں لئے نمودار ہوئی تھی۔ ماتھے پر سلوٹیں لائے خشک ہونٹوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا چیخ کر بولی تھی۔

"قبرستان کے مردوں کو جگانا تھا؟" اس کا اشارہ ڈور بیل کی طرف تھا۔ شاہنواز نے کچھ پشیمان ہو کر ہاتھ فوراً ہٹا لیا۔

"اگر میرے بیل بجانے اور شور کرنے پر ہمارے پیارے اٹھ سکتے تو اس سے بڑی بھلا کیا خوش نصیبی تھی۔ بہرحال نفیسہ خالہ کی وفات کا بہت دکھ ہوا ہے۔ افسوس تو بہت چھوٹا لفظ ہے مگر پھر بھی اس کے بغیر پرسہ مکمل نہیں ہوتا۔ چلتا ہوں، خالہ جان کو چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔" وہ گیٹ کے سامنے سے ہٹ گیا تھا تا کہ راحت بیگم کو فیفا دیکھ سکتی۔ ادھر فیفا اتنے دن بعد کسی اپنے کی صورت دیکھ کر گویا صبر اور ضبط کی تمام تر زنجیریں چھوڑ بیٹھی تھی۔ مامی کے سینے سے لگی، دھاڑیں مار مار روتی فیفا ایک دم ہی ان کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

"ہائے اللہ۔" وہ ہوش و حواس سے بے گانہ فیفا کو دیکھ کر گھبرا اٹھیں۔ ادھر شاہنواز پھر سے بائیک سے پلٹ آیا تھا۔ راحت بیگم کی چیخ نما آواز بھی وہ سن چکا تھا اور فیفا کو بھی راحت بیگم کے بازوؤں میں

جھولتے اس نے دیکھ لیا تھا۔

"خالہ جان! کیا ہوا؟" وہ تیزی سے ان کے قریب چلا آیا۔

"فیفا بے ہوش ہو گئی ہے۔" ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ شاہنواز نے آگے بڑھ کر احتیاط سے فیفا کو سہارا دیا تھا اور پھر اسی احتیاط سے اٹھا کر اندر لے آیا۔

"خالہ جان! آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔" اس نے حسب معمول بری طرح سے حواس باختہ راحت بیگم کو تسلی دی تھی اور پھر تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ حالانکہ اس کے قدموں کے نیچے بہت سے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مسلے جا رہے تھے تاہم اس کے پاس وقت نہیں تھا کہ وہ جا بجا بکھرے ان کاغذ کے ٹکڑوں پر کچھ غور کر لیتا' جبکہ راحت بیگم فیفا کے منہ پر پانی چھڑکتے ہوئے بھی حیرانی سے پورے لاؤنج میں بکھرے ان ننھے ننھے کاغذ کے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھیں۔ اسی پل پڑوس سے ایک عورت اور بچہ آ گیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ لاؤنج کی ابتر حالت اور جا بجا بکھرے کاغذات کو دیکھ کر اپنا تجسس چھپا نہیں پائی تھیں۔

"ارے، آپ کو نہیں پتا۔" پڑوس سے آئی عورت نے تحیر کے مارے ناک پر انگلی رکھ کر کہا۔ راحت بیگم کا بے اختیار سر نفی میں ہلتا چلا گیا۔

"بہن جی! عفیفا کو اس کے شوہر نے طلاق نامہ بھجوا دیا ہے۔ ہائے، ہائے چند دنوں کی بیاہی کے ماتھے پر داغ سج گیا۔" وہ سہیل کو کوسے جا رہی تھی۔ جبکہ راحت بیگم تو ٹھنڈی ٹھار ہو کر رہ گئی تھیں اور لاؤنج کے دروازے میں کھڑا شاہنواز بھی حق دق بکھری بکھری سی اس ہوش سے بے گانہ لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا۔ جس کی مانگ کے سارے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئے تھے اور اس کے سیاہ بالوں والے سر پر ذلتوں کی دھول اڑنے والی تھی۔ ادھر پڑوسن کہے جا رہی تھی۔

"سنا ہے۔ اس کے شوہر نے بدکرداری کے الزام میں عفیفا کو طلاق دی ہے۔ تبھی تو ماں بھی صدمے سے مر گئی۔" ایک تیز آندھی کے بگولوں میں ذلتوں کی گرد اڑ رہی تھی۔ اڑتی جا رہی تھی اور اس کی چبھن نے کئی آنکھوں کو زخم زخم کر دیا تھا۔

............*

"سہیل سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ اتنا کان کا کچا مرد۔" راحت بیگم سہیل کو غائبانہ کوس چکنے کے بعد اب ٹھنڈی ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ شاہنواز ڈاکٹر کو اس کے کلینک تک چھوڑنے کے لئے گیا تھا۔ فیفا کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی اور وہ خود پر ٹوٹنے والی قیامت کا سارا متن من وعن سنا کر گویا تھک کر بیٹھ گئی تھی۔ آنکھیں بھی آنسو بہا بہا کر خشک ہو چکی تھیں۔

"میں اب تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گی۔ سامان سمیٹو اور میرے ساتھ چلو۔" وہ گویا فیصلہ کر چکی تھیں۔ عفیفا نے کچھ چونک کر راحت بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ ایک دم بے حد مضطرب ہو گئی تھی۔

"مگر مامی! میں کیسے جا سکتی ہوں۔ گھر کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ میرا وہاں رہنا بس ہی

مناسب نہیں۔"

"کیوں مناسب نہیں۔" وہ خفگی سے سر جھٹک کر رہ گئیں۔

"گھر لاک کرو۔ ضروری سامان بیگ میں بھرو اور اٹھو، میں تمہیں لئے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

وہ گویا ارادہ کر چکی تھیں۔ ویسے بھی وہ تو پہلے ہی فیفا کے تنہا اتنے بڑے گھر میں رہنے کے حق میں نہیں تھیں۔ مگر انہیں فیفا کے اصرار اور ضد کی وجہ سے ماننا ہی پڑا تھا۔ تاہم اب وہ بالکل بھی اسے اس گھر اور محلہ میں نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں۔

"اٹھو بھی چلو...... رات گہری ہو رہی ہے۔ شاہنواز کو بھی دیر ہو جائے گی۔" ان کے اصرار بلکہ ضدی انداز پر بالآخر عفیفا کو اٹھنا ہی پڑا۔ جلدی جلدی ضرورت کی چیزیں اکٹھے کرتے کرتے ڈیڑھ دو گھنٹے گزر گئے تھے اور ساتھ ساتھ راحت بیگم کی فکر بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ابھی تک شاہنواز نہیں آیا۔" انہوں نے کوئی دسویں دفعہ یہی بات دوہرائی تھی۔ بھلا عفیفا اس بات کا کیا جواب دیتی۔ بس اثبات میں سر ہلا کر سامان سمیٹتی رہی۔

"ذرا فون تو کرو نہ جانے کہاں رہ گیا ہے۔" وہ بے حد فکر مند بھی تھیں۔

"نمبر بتائیں۔" وہ خاموشی سے موبائل اٹھا لائی۔

"نمبر تو مجھے یاد نہیں۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں عفیفا کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ اسی اثنا میں شاہنواز بولتا ہوا چلا آیا۔

"خالہ جان! آج کی پوری رات کیا تیمارداری ہی کرنا ہے۔ واپس جانے کا کیا ارادہ نہیں ہے؟"

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ خود نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔ ہم تو کب سے انتظار میں بیٹھے ہیں۔" وہ شاہنواز کو دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

"کیسا ذمہ دار بچہ ہے۔ لینے بھی آ گیا۔" انہوں نے دل سے سوچا۔

"ہیں...... بھلا کون چور؟" شاہنواز چونکا۔

"آپ نے مجھے چور کہا۔ ہائے، خالہ جان! آپ سے تو یہ امید نہیں تھی۔ آپ نے تو مجھے چور بنا دیا۔ ہائے، جن پر تکیہ تھا، وہ ہی پتے ہوا دینے لگے۔"

"توبہ ہے شاہنواز۔" راحت بیگم بے اختیار ہنس پڑیں۔

"میں نے تو محاورہ بولا ہے۔"

"او، سمجھ گیا۔ پہلے وضاحت کر دیتیں۔ میرا ڈیڑھ پاؤ خون تو نہ جلتا۔" شاہنواز نے گویا ٹھنڈی سانس بھری۔

"ان کے لئے چائے لاؤں۔" وہ اجازت طلب نظروں سے راحت بیگم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اب گھر آئے مہمان کو بغیر چائے پانی کے بھیجنا بداخلاقی کے زمرے میں آتا تھا۔ مہمان بھی ایسا جو کہ ڈاکٹر کی فیس اور دوائیاں وغیرہ بھی اپنے پاس سے لایا تھا۔

"ارے لے آئیے۔ نیکی کرنے سے پہلے پوچھتے نہیں۔ ویسے میں چائے پیتا تو نہیں آپ اگر اصرار

کرتی ہیں تو پی لوں گا۔" اس سفید جھوٹ پر راحت بیگم ہکا بکا رہ گئیں۔ شاہنواز تو لیٹر کے حساب سے چائے پیتا تھا۔ ہر آدھے گھنٹے بعد اسے چائے کی طلب ستانے لگتی تھی۔

"تم نے چائے پینا چھوڑ دی ہے بیٹا۔" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھیں۔

"بس خالہ جان! کوشش کر رہا ہوں۔ پہلے آدھے گھنٹے بعد پی لیا کرتا تھا۔ اب اتنا لیس منٹ بعد ہی ہوں۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ ڈیڑھ کپ چائے پیوں، پورے دو کپ نہ ہی پیوں مگر پھر رہا نہیں جاتا۔" اس کا لہجہ راحت بیگم سے بھی زیادہ سادگی لئے ہوئے تھے اور فیفا کو اس بلا کی سادگی پر بے اختیار ہنسی آ گئی تھی۔ چائے کے اس نشئی کے لئے وہ فل سائز مگ بھر کے لائی تھی جسے پکڑتے ہوئے شاہنواز کی آنکھوں سے تشکر چھلک پڑا۔

"آپ تو اپنی مزاج آشنا لگتی ہیں۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھے سر کو تھوڑا خم دے کر بولا۔

"کہاں رہ گئے تھے تم؟ میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔" راحت بیگم نے چائے کی چسکی بھرتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے دوست کے گھر چلا گیا تھا۔ میں نے سوچا، آپ کھل کر عفیفا سے دکھ سکھ کر لیں۔ میرے سامنے تو یہ جھجک کا شکار رہیں گی۔" وہ بڑے سلیقے کے ساتھ گفتگو کو کسی بھی طرف موڑ سکتا تھا۔

"ویسے میری بات کا غصہ مت کیجئے گا۔ یہ بات میں پورے خلوص کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ کسی بھی غم کو خود پر اس حد تک طاری نہیں کرتے کہ زندگی بوجھ ہی لگنے لگے۔"

"کوئی کیا جانے۔ کیسے کیسے گھاؤ لگے ہیں بچی کے ناتواں دل پہ۔" راحت بیگم آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"وقت کی تیز آندھی کیا کچھ اڑا کر لے گئی۔"

"کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا نہ آندھیاں نہ طوفان بس کنڈیشنز (حالات) کو بدلنے کا حوصلہ خود میں ہونا چاہئے۔ بیسٹ ٹروتھ یہ ہے کہ زندگی نہ تو کسی کے مر جانے سے ختم ہوتی ہے نہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے سے۔ آپ کی اپنی ذات خاص ہے۔ کسی اور کے لئے نہ سہی خود آپ کے لئے اور اس زندگی کو رب تعالیٰ کی امانت کہا جاتا ہے اور اس کی حفاظت آپ کی اولین ترجیح ہونی چاہئے۔ جو آپ کی ذات کو ان کلین کر گیا۔ جس نے آپ کو ڈی گریڈ کیا۔ اس کے دیئے گئے زخم کو یاد رکھنا درحقیقت آپ کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ آپ کو ایک دفعہ پھر سے انرجیٹک ہونا پڑے گا۔ عام طور پر ایسے حالات کا شکار خواتین خود کو سائیکی کیس بنا لیتی ہیں۔ یہ آپ کی اپنے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی ہے۔ جس سوسائٹی کا ہم لوگ حصہ ہیں۔ جس معاشرے میں ہم لوگ سانس لے رہے ہیں۔ وہاں ایک عورت کی ڈائیورس کے بعد رونما ہونے والے واقعات اور ڈائیورس کے ریزنز پر جی بھر کے کرس کیا جاتا ہے۔ خود کو ایک دفعہ پھر سے ہرے بھرے ماحول میں فیل کیجئے۔ یوں سمجھے کہ آپ کے ساتھ کچھ بھی انہونا یا غیر معمولی نہیں ہوا۔ آپ ایک دفعہ پھر سے خود کو تازہ سمجھیں گی۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ یقین کیجئے کہ میں خود بھی کبھی کبھار اصلی اور حقیقی دنیا سے تھوڑی دیر کے لئے دور چلا جاتا ہوں اور یہ چیز میرے اندر موجود جذبے کو وارم کرتی ہے۔ گرما دیتی ہے۔ موجودہ تلخ ترین وقت کو اپنے ہاتھ سے بدلا جا سکتا ہے۔ بہرحال آپ بہت اچھی چائے بناتی ہیں۔

پھر ایسی ہی مہربانی فرما کر اپنے نامہ اعمال میں ایک اور نیکی کا اضافہ کر لیجئے گا۔

اب چونکہ آپ ہمارے گھر کے اوپر والے حصے کا فرد بننے جا رہی ہیں۔ تو کچھ پیشگی باتیں بھی ذہن نشین کر لیجئے گا۔ ایک بات تو یہ ہے کہ پلیز آنسوؤں کی سوغات کو ادھر مت لے کر جائیے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس گھر میں آپ کا واسطہ پڑے گا ایک بہت ہی جھگڑالو قسم کی خاتون سے تاہم آپ خوف سے نیلی پیلی مت ہوئیے گا۔ ان خاتون کے تمام تر ڈفرنسز اور ڈسپوٹس میری ذات کے ساتھ کنیکٹڈ ہیں۔ آپ کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

مجھے آپ بہن سا پیار اور مخلص ہمدرد پائیں گی اور میں مخصوص اوقات کے علاوہ بھی سوشل ورک کے لئے تیار رہتا ہوں۔ آپ جب چاہیں میری خدمات حاصل کر سکتی ہیں۔ بس میری کچھ شرائط ہیں۔ جن پر آپ کو ضرور غور کرنا پڑے گا۔ ایک تو بڑی پرابلم یہ ہے کہ مجھے روتے بسورتے چہرے قطعاً نہیں بھاتے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں زبردستی کا مہمان بھی بن جاتا ہوں۔ سو اوپر والے حصے کے مکین تو مجھے برداشت کر ہی لیتے ہیں۔ میں بہت کم بولتا ہوں یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ اپنے جیسے ہی کم بولنے والے لوگ مجھے پسند ہیں۔ اب میرا خیال ہے کہ ایک اور کپ چائے کا تو مجھے مل نہیں سکتا، سو اب چلنے کی تیاری کریں۔ میں ٹیکسی لے آتا ہوں۔"

شاہنواز کی نان سٹاپ چلتی زبان لمحہ بھر کو رکی تھی۔ اور یہ دونوں خواتین بھی گویا نیند سے ایک دم جاگ گئیں۔ عجیب سا ایک طلسم طاری ہو گیا تھا۔ ایسے نرم الفاظ اور ٹھہری ٹھہری سی...... گفتگو، جس میں اپنائیت کا ایک زندہ احساس سانس لے رہا تھا۔ عفیفا گویا ابھی تک اس کی گفتگو کے زیر اثر تھی۔ بہت بولنا، اور بے تحاشا بولنا تو سبھی کو آتا ہے۔ دل موہ لینے کا فن اور درد کو بانٹ لینے کا سلیقہ کسی کسی کے پاس ہوتا ہے۔ اگرچہ شاہنواز عفیفا کے لئے کوئی ایسا اجنبی بھی نہیں تھا مگر سالوں بعد کی اس پہلی ملاقات نے فیفا کو بہت کچھ یاد دلا دیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ شاہنواز بے حد بدل گیا ہے۔ شاید یہ وقت ہی انسان کی شخصیت کے بدلاؤ میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہی بات عفیفا نے راحت بیگم سے کہہ بھی دی تھی۔

"مامی جی! شاہنواز تو بہت بدل گیا ہے۔" وہ سچ مچ حیران تھی۔ وہ پہلے والا جھوٹا سا شاہنواز تو ہرگز نہیں تھا جسے بات بہ بات جھوٹ بولنے پر ماہیر اسے بیٹ کے ساتھ مارتا تھا۔

"یہ بھی آپ نے خوب کہی، عفیفا مختار صاحبہ!" وہ اٹھتے اٹھتے پھر سے بیٹھ گیا تھا۔ اگرچہ فیفا کی آواز دھیمی تھی تاہم شاہنواز کی قوت سماعت بھی بلا کی تیز تھی۔ وہ تو ہلتے پتے کی آواز بھی سن لیتا تھا۔

"لوگ تو مجھ جیسے سچے انسان کو ابھی تک بلا کا جھوٹا کہتے ہیں۔" اس کا اشارہ ماہیر کی طرف تھا کیونکہ وہ اب بھی اسے شاہنواز کے بجائے جھوٹے شاہے کے نام سے مخاطب کرتا تھا۔

"اب بیٹا! یہ کوے کی طرح کا سفید جھوٹ تو نہ بولو۔" راحت بیگم بھی جتائے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔ بیچارے نے خوامخواہ پہلو بدل لیا تھا۔ عفیفا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"مسکراتی رہا کریں خاتون! بھلا نہ مسکرانے پر کیا کنجوسی کا ایوارڈ لینا۔" وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کر باہر نکلا تو عفیفا، راحت بیگم کی طرف اس کے نکلتے ہی متوجہ ہو گئی تھی۔

"مامی جی! شاہنواز کیا واپس آ گیا ہے؟"

"تو اور کیا...... اس کا اپنا گھر ہے۔" وہ اس کے سوال کا متن سمجھے بغیر اثبات میں سر ہلانے لگی تھیں۔

"ثریا خالہ نے اسے گھر میں کیسے گھسنے دیا تھا؟" فیفا حیران تھی کیونکہ شاہنواز کے رباب سے شادی والے کارنامے سے وہ بھی اچھی طرح سے آگاہ تھی۔

"بچہ صاحب اختیار ہے۔ ثریا بھلا اسے کیسے روک سکتی تھی۔" وہ عفیفا کا لایا گیا بیگ اس کی کتابوں اور ضروری رسائل سے بھر رہی تھیں۔ فیفا لاؤنج کی چیزیں ٹھکانے لگا رہی تھی۔ تاہم اس کا سارا دھیان راحت بیگم کی طرف تھا۔

"اور شاہنواز کی بیوی، بچی وغیرہ...... وہ کہاں ہیں؟" بالکل آخر جھجکتے ہوئے اس نے پوچھ ہی لیا۔

"کاہے کی بیوی اور کہاں کی بچی۔" انہوں نے کتابیں ٹھونس ٹھانس کر زپ کو ایک جھٹکے کے ساتھ بند کر کے ہاتھ جھاڑے۔

"کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔" فیفا الجھی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بھئی شاہنواز نے جھوٹ بولا تھا۔ محض ثریا کو تپانے کے لئے نہ کوئی رباب ہے اور نہ ہی رباب کا کوئی وجود ہے۔" انہوں نے خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سارا قصہ عفیفا کے گوش گزار کیا تھا اور ساتھ ساتھ وہ فیفا کا دھیان بٹ جانے پر شکر بھی ادا کر رہی تھیں۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ شاہنواز بدل گیا ہے۔ جھوٹ بولنا چھوڑ چکا ہے مگر۔"

"دیکھیے جی! میں جھوٹ ہرگز نہیں بولتا۔ اس معاملے میں مجھے بدنام ہرگز نہ کیا جائے۔" وہ لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ پھر اس نے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈال لئے۔

"جھوٹ تو بولتے ہیں میرے دشمن جن کا ازل سے میرے ساتھ بیر ہے۔ سکوٹر کی چابی گملے کے نیچے چھپا کر صاف مکر جاتے ہیں۔" اس کا اشارہ ثریا خالہ کی طرف تھا۔ عفیفا نے غور کیا تو اسے اندازہ ہوا تھا۔ شاہنواز نے سیل کان سے لگا رکھا تھا۔ اور وہ ان سے بات کرنے کے ساتھ ساتھ فون پر بھی مصروف تھا۔

"بس ابھی آ رہا ہوں۔ کیوں پریشان ہونے کی ایکٹنگ کر رہی ہیں۔ کہیں والد بزرگوار آپ کے پاس تو نہیں بیٹھے ہوئے۔" یقیناً دوسری طرف ثریا جہاں تھیں۔ تبھی تو شاہنواز کے لبوں سے مسکراہٹ ہٹ نہیں رہی تھی۔ نہ جانے دوسری طرف مزید کیا ارشاد کیا گیا تھا۔ شاہنواز نے مسکراتے ہوئے آف کا بٹن دبا دیا۔

"آئیے خواتین! ٹیکسی آپ کی منتظر ہے۔"

"مامی جی! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ ایک دم ہی مضطرب سی ہو گئی تھی۔ شاہنواز بھی چونک گیا۔

فیفا کی نظریں کالے اور نیلے رنگ کے بیگز پر تھیں اس کا دل ایک دم ہی مٹھی میں آ گیا۔

"بولو نا...... چپ کیوں ہو گئیں۔"

"مامی جی! اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں صبح سویرے آ جاؤں گی۔ بس ایک رات کی بات ہے۔ شاید...

...ذہنی طور پر تیار کر لوں گی۔" اس کا لہجہ التجائیہ قسم کا تھا۔ آنکھوں کی نمی اور آواز کا بوجھل پن شاہنواز کو محسوس ہوا تھا۔ راحت بیگم کچھ کہنا چاہتی ہی تھیں جب شاہنواز ایک دم بول پڑا۔

"خالہ جان کو کیوں برا لگے گا۔ ایک رات کی تو بات ہے۔ ہم آپ کا سامان لے چلتے ہیں اور صبح سویرے میں آپ کو لینے کے لئے آ جاؤں گا۔ کل تک کے لئے اللہ حافظ، چلئے خالہ جان۔" وہ بیگز اٹھا کے باہر نکل گیا تھا۔ اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش کہاں رہی تھی۔ سو راحت بیگم عفیفا کو پیار کرنے کے بعد دروازہ بند کرنے کی تاکید کر کے چلی گئی تھیں اور ادھر گویا فیفا کے ضبط کی تمام تر طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی اور پھر روتی ہی چلی گئی۔

کوچ کا وقت قریب تھا اور مسافر کو بالآخر سفر کے لئے نکلنا ہی تھا۔ اس گھر کے مانوس در و دیوار سے جڑی اچھی اور بری یادیں سمیٹے وہ بیتے کل کو یاد کر رہی تھی۔ اس کی سوچیں آج کی شام کے اردگرد بھی گھوم رہی تھیں اور شاہنواز کی کئی باتوں نے اس کے دل میں اچھا مقام بنا لیا تھا۔ اس نے سچ ہی کہا تھا۔ کھیل تماشے بھی اس زندگی میں کچھ بھی انہونا یا غیر معمولی نہیں ہوتا۔ ہاں ہمارے دکھ اور غم کی نوعیت ضرور مختلف ہوتی ہے اور زندگی کی یہ لمبی، طویل دوڑ کبھی سورج کی تپش لے آتی ہے۔ کبھی غموں کی بارش بن کر برسنے لگتی اور کبھی خوشی کا ساون بن جاتی ہے۔ ہر اندھیرے میں کہیں نہ کہیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی جگنو چمکتا ہے۔ ہر رات کے بعد ایک سویر بھی منتظر ہوتی ہے تو پھر کیوں نہ وقت کو صبر سکون اور برداشت کے ساتھ برتا جائے۔

مختصر سے لمحے وقت کا ایک طویل ترین دور تشکیل دیتے ہیں۔ چاہے یہ دور غم کی المناک کہانی سے عبارت ہو یا خوشیوں کا پیامبر بنتا رہے۔ وقت کی ہر چال اور کروٹ تجربات کا ایک نیا باب اک نیا سبق ازبر کھولتی ہے بلکہ بغیر کسی چاہ اور خوشی کے اس چال کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے۔ رحم اور تحمل سے بڑی کوئی مٹھاس نہیں۔ جو رحم کرنا جانتا ہے۔ وہ فضیلت کا درجہ خود بخود پا لیتا ہے۔ نرمی اور ملائمت کے اعمال مردہ دلوں کو "سانس" بخشتے ہیں محبت کے مختصر جملے کسی کا گلستان دل آباد کر دیتے ہیں۔ در اصل دل کی بنجر اراضی پر ایسا بیج خود بخود جم جاتا ہے جس کے ہر دانے سے ایک پودا نکلتا ہے اور ہر ایک پودا اور اس کی ہر شاخ ہریالی بن کر آنکھوں کو بھلی لگتی ہے۔ سوکھی دھرتی جیسے دل پر محبت کی شبنم کا ایک قطرہ بھی موسلادھار بارش سے کم نہیں ہوتا۔

تو کیا اسے شبنم کے ایک قطرے کا انتظار تھا؟ یا پھر محبت کی صرف ایک بوند کا؟ دل میں ڈوبتی ابھرتی ہر شبیہ و بختی سے دور بہت دور بھٹکتی وہ سخت اذیت کا شکار تھی۔ بہت عرصہ ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا زمانے بیت گئے ہیں۔ صدیاں نکل گئی ہیں۔ بہت پہلے وہ شخص جب کسی اور کا ہو گیا تھا تب عفیفا مختار نے اسے اپنے دل سے بلکہ سوچ اور ذہن کے ہر کونے سے نکال دیا تھا۔

اس نے دل میں سمو چکی اس محبت کو رات کی ایک رانی کے سپرد کر دیا تھا۔ رات کو محبت کی طرح مہک دیتی یہ پھلواری صبح کو یوں ہر شے سے بے نیاز اور بیگانہ ہو جاتی تھی۔ اپنی خوشبو تک کو خود میں چھپا کر سو جاتی تھی مگر رات کے کئی پہر اس خوشبو کے ہر آنسو، ہر دکھ، ہر غم کے گواہ تھے۔ اس محبت کی خوشبو ہوائیں جولانی دور دور تک خوشبو کی صورت میں بکھر بکھر جاتی تھی اور شاید یہ خوشبو کئی لوگوں کو چونکا کر بھی

رکھ دیتی تھی۔ ہاں اگر کوئی بے خبر تھا۔ انجان تھا لاپروا تھا تو وہ صرف اور صرف ماہیر عالم تھا۔ جو کبھی
نصیب کیا بنا تھا۔ عفیفا مختار نے اسے دل سے، نظر سے، یاد سے، حتیٰ کہ سوچ تک سے نکال دیا تھا۔
سوچنا بھی وفا کی نہ جانے کون سی کڑی تھی۔ مگر شرط وفا کے ایک ایک حرف پر وہ ایمان رکھتی تھی۔
بغیر اس کی مرضی سے چاہنا بھی وفا کے اصولوں کے خلاف تھا اور عفیفا مختار تھی
شادمانی اور بلا کا سرور بھی اہل وفا کو خود کو قربان کر کے ہی نصیب ہوتا تھا اور اس نے روشن،
تاباں، درخشاں سی اس محبت کو دل کے نہاں خانوں سے بھی چپکے سے نکال دیا تھا کہ محبت کسی کے دل کو
زبردستی اپنے بس میں کر لینے کا نام نہیں تھی۔

محبت تو چراغ کی ایک بتی کی طرح تھی جس سے ذرا سا شعلہ نظر ملاتا تو کئی اور چراغ بھی جل اٹھتے
تھے۔ محبت فیض، فائدے اور نفع و نقصان کے حساب کتاب میں الجھ کر خود کو بے مول نہیں کرتی تھی۔ محبت
کامیابی، کامرانی، خوش نصیبی، خوش قسمتی میں ہمیشہ معجزوں کی دعا کے لئے ایک سجدے میں عمر بتا دیتی تھی۔

ہر محبت کی کہانی کا انجام سرخ روشنائی سے نہ جانے کیوں لکھا جاتا ہے۔ ہجر اور جدائی کے اختتامی
الفاظ پوری زندگی کا سفر ایک لمحے میں کیسے بڑھاپے کی آخری سرحد پر لے جاتے ہیں۔ جدائی کا غم اور ہجر کا
ایک پل جوانی کا سارا رس نچوڑ لیتا ہے اور پھر بھی نادان دل محبت کرنے سے نہ چوکتا ہے نہ باز آتا ہے۔ نہ
جانے پھر بھی کیوں لوگ محبت کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ محبت کی روگی آنکھ، عیش و نشاط، عشرت، آرام، راحت
و سکون سے خالی ہو جاتی ہے۔ نیند نے کبھی تھکی تھکی آنکھوں میں آسودگی نہیں بھری تھی اور وقت کبھی دل جتی
پر مہربان نہیں ہوتا تھا۔ ہجر کا صحرا ابر رحمت کی بوند بوند کو ترستا تھا مگر کاسہ دل ہمیشہ محب و محبوب کے درمیان
جیتی بازی کو بھی چپکے سے ہار جاتا تھا کہ محبت کسی کے دل پر زبردستی کا تسلط جما لینے کا بھی تو نام نہیں۔

جنون سفر کو محبت جیسے...... نرم، مٹھاس بھرے شیریں جذبے کا نام دینا دراصل محبت کے ساتھ ظلم عظیم
ہے۔ محبت اور جنون دو الگ داستانوں کے عنوان ہیں۔ محبت جو بقا کی جنگ میں عشق مجاز سے عشق حقیقی
سے ملا دیتی ہے۔ جو محبت کی معراج کو سمجھ گیا سو وہ کامیابی و کامرانی کی منزلوں کی قدم بوسی کر آیا اور جس
نے جنون کی سرحد پر سجدہ کیا۔ جنون کی دہلیز کو چوم لیا۔ سو وہ ہاتھ آئی نعمتوں کو بھی گنواتا رہا۔

اور عفیفا مختار اس لحاظ سے خود کو خوش قسمت سمجھتی تھی کہ اس نے بہتی چاندنی جیسی دل میں چھپی
خاموش محبت کو جنون نہیں بننے دیا تھا۔

''بھلا محبت کو جنون کا روپ کس نے دیا تھا؟ کون محبت اور عشق کی سرحدوں کو کراس کیے جنون کی راہ
کی مسافر بنی تھی؟ کس نے دل کی سرزمین کو عرب کے تپتے صحراؤں کی ریت سے لبالب بھر لیا تھا؟ وہ بھلا
کون تھی؟ کہاں تھی؟ کس نگر، کس جہاں میں تھی؟ کس بر اعظم کو آباد کیے ہوئے تھی؟ رات کی رانی کی
دلفریب خوشبو چپکے سے دریچے میں اتر آئی تھی۔

اور بڑی سوز بھری آواز میں سوال کر رہی تھی۔ پوچھ رہی تھی۔

''کچی کلیوں سے مہک رکھنے والی کاسئہ دل کو ہاتھ میں پکڑے تنہا، اداس کھڑی وہ لڑکی بھلا کون تھی
کہاں تھی؟ محبت اور وقت نے جسے اسی موڑ پر منجمد کر دیا تھا جہاں سے سفر لا حاصل کی ابتدا ہوئی تھی۔

کہاں تھی جس کے دل پر ماہیر عالم کے نام کی مہر لگی ہوتی تھی۔ وہ بھلا کون تھی۔'' رات کی رانی
کی دہلیز پر سر پٹخ کر رو رہی تھی۔

''وہ بھلا کون تھی؟'' عفیفا مختار کے خاموش لبوں سے نوحہ برآمد ہوا تھا۔

''زوباریہ درانی اور بھلا کون۔'' رات کی رانی کے لہجے میں سناٹوں کا بڑا گہرا شور تھا۔ عفیفا مختار گویا
سر سے لے کر پیروں تک پتھر ہو گئی تھی۔

............*

"میں آپ کو لینے کے لئے آیا ہوں۔" وہ اپنے وعدے کے عین مطابق صبح صبح … پر آ گیا
عفیفا کے پاس نہ تو اب کوئی بہانہ تھا اور نہ ہی کوئی جائے فرار۔

سو وہ خاموشی کے ساتھ بغیر بحث و تکرار میں پڑے بیگ ہاؤس میں چلی آئی تھی اور شاہنواز نے جانے کتنی ہی مرتبہ اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ راحت بیگم کے اصرار پر اسے لینے کے لئے آیا تھا۔ خاموشی سے اس کی تمام تر گفتگو سنتی رہتی تھی۔ سفر کے دوران بھی اس کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔

گھر میں داخل ہونے کے پہلے مرحلے میں ہی عفیفا گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔ سامنے ثریا خالہ بڑے خطرناک تیور لئے کھڑی تھی اور عفیفا پورے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ خالہ ثریا اپنی عادت کے عین مطابق اس کی شکل بھول چکی تھیں۔ حالانکہ کئی مرتبہ نفیسہ بیگم کی وفات کے بعد بھی وہ عفیفا کے گھر میں آتی رہی تھیں۔ مگر اس وقت ان کے تیور خاصے خطرناک تھے وہ دہائیاں دیتی سخت مشتعل ہو رہی تھیں۔

"اب کس کو اٹھا کر گھر لے آئے ہو، میری جان کے عذاب۔" عفیفا کو دیکھ کر تو وہ غش کھانے کو بے قرار ہو رہی تھیں۔ شاہنواز گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے ہی اندر آیا تھا۔ ادھر ثریا جہاں لال، ہری ہو رہی تھیں۔ پہلے رباب کا ہوا سر پر سوار رہتا تھا اور اب یہ نہ جانے کون سی مجسم بلا آن موجود ہوئی تھی۔ وہ غش نہ کھاتیں تو اور کیا کرتیں۔

"یہ کس کو ساتھ لائے ہو؟ کون ہے یہ بے شرم عورت؟ کیسے دیدہ دلیری سے میرے گھر میں گھس آئی ہے۔" وہ تو گویا رو دینے کو تھیں۔ شاہنواز کی دھمکیاں اس وقت حقیقت کا روپ دھارے سامنے تھیں۔ روزانہ ہی تو انہیں جلاتا تھا کہ کسی دن ہاتھ سے پکڑ کر کسی کو ساتھ لے آؤں گا۔ بس آپ دیکھتی رہ جائیں گی۔ وہ سچ مچ دیکھتی ہی رہ گئی تھیں۔ جب تیزی سے بیرونی سیڑھیاں اترتی حریم اندر داخل ہوئی تھی۔ ادھر عفیفا کی بھی گویا جان میں جان آئی تھی اور شاہنواز ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔

"خالہ جی! یہ عفیفا ہے۔ نفیسہ پھوپھو کی بیٹی۔" حریم کے تعارفی جملے نے ثریا جہاں کو شرمندگی کے مارے پانی پانی کر دیا۔ وہ جو ہتھیاروں سے لیس مقابلے کے لئے کھڑی ہو رہی تھیں پانی کے … طرح تخت پر بیٹھتی چلی گئیں اور پھر اپنے شرمندگی مٹانے کی غرض سے کچھ سوچ کر اٹھی تھیں۔ … ہاتھ پھیر کر نرمی سے بولیں۔

"معذرت چاہتی ہوں بیٹی! بس پہچان نہیں پائی۔ حالانکہ پہلے بھی دیکھ رکھا ہے تمہیں۔ … ناہنجار بیٹا کوئی سیدھی بات نہیں بتاتا۔ ادھر آؤ، یہاں بیٹھو میرے پاس۔" وہ خلوص دل سے …

… پاس بٹھا رہی تھیں۔ حریم بھی عفیفا سے ملنے کے بعد بیٹھ گئی تھی۔ تبھی ثریا جہاں شکوہ کناں انداز میں بولیں۔

"چلو، اسی بہانے حریم بھی نیچے آ گئی ہے۔ کبھی نہیں اس نے نیچے کا چکر لگایا۔ سارا دن تنہا خود سے باتیں کرتی رہتی ہوں یا ان دیواروں سے۔ کبھی زیادہ دل گھبراتا ہے تو اوپر چلی جاتی ہوں۔"

"میں تو کہتی ہوں خالہ جان! اب آپ بھی بہو لے ہی آیئے گھر میں کچھ رونق تو ہو جائے گی۔" حریم نے بھی مخلصانہ مشورہ پیش کیا تھا۔ شاہنواز کو کچن میں کھڑے کھڑے کھانسی آ گئی۔

"خالہ جان کو اپنی راجدھانی کی تقسیم کہاں گوارا ہے خاتون! بہو کے نام پر تو انہیں تاپ چڑھ جاتا ہے۔"

"اور سن لو۔" ثریا جہاں کو عفیفا کے سامنے یہ کڑوا سچ خاصا کھلا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے تاپ چڑھ جانے کی۔ تم ایک چھوڑ دس لے آؤ۔ رہی بات راج دھانی کی تو یہ کون سا محل سرا ہے۔ اوپر والا حصہ تو کب کا ماہیر خرید چکا۔ نیچے والا پورشن اور یہ درختوں سے بھرا جنگل جیسا صحن ہے جتنی مرضی لیتے آؤ اور سب کو کسی نہ کسی درخت کے تنے سے باندھتے جانا۔" انہوں نے گویا کان پر سے مکھی اڑائی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے غلط فہمی میں عفیفا کو دیکھ کر وہ آگ بگولا ہو رہی تھیں اور اب وہ خیر سے صاف مکر چکی تھیں۔ ادھر حریم کچھ چونک سی گئی تھی۔

"ماہیر کیا اوپر والا پورشن خرید چکے ہیں۔ اگر ایسی کچھ بات تھی بھی تو انہوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ صرف حیران ہی نہیں بلکہ خوش بھی ہو رہی تھی۔ بھلا اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے گھر میں سے نکل کر اپنے ہی گھر کی چھت تلے رہائش پذیر تھے۔ منوں بوجھ تھا جو دھیرے دھیرے اس کے کندھے سے خود بخود سرک گیا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ لمحوں میں ہلکی پھلکی سی ہو گئی۔

"اماں حضور! وہ میری بیویاں ہوں گی۔ باڑے کی بھیڑ بکریاں نہیں کہ انہیں درختوں کے تنوں سے باندھتا پھروں گا۔" شاہنواز بلینڈر کا جگ اٹھائے باہر آ گیا تھا۔ ہاتھ میں دو تین گلاس بھی پکڑ رکھے تھے۔

"کم از کم ٹرے میں رکھ کر ہی لے آتے۔" وہ ٹوکے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔

"آپ آم کا شیک پئیں...... ایٹی کیٹس کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت نہیں۔" دو گلاس لبالب بھر کے فرداً فرداً حریم اور عفیفا کو دینے کے بعد ثریا جہاں کو پکڑانے کے بعد بولا۔

اب اس کا سارا دھیان عفیفا کی طرف تھا۔ جو گلاس پر نظر جمائے بالکل خاموش اور ساکت بیٹھی تھی۔

"عفیفا کو اوائل عمر ہی میں خاموشی کا سانپ تو نہیں سونگھ گیا۔ ارے میں تو اس طرح خاموش اگر بیٹھ جاؤں تو میرے جبڑے ہی دکھتے رہ جائیں۔"

"تجھے تو مسخریاں ہی سوجھتی ہیں۔ تم کیا جانو کہ بچی بے چاری پر کیسے کیسے پہاڑ ٹوٹے ہیں۔" ثریا جہاں کا لہجہ خوب رقت زدہ ہو گیا تھا۔

"تو بچی نے خود پر کیونکہ پہاڑ ٹوٹنے دیئے ہیں۔ اللہ نے عقل اور فہم سے اسی لئے نوازا ہے تا کہ بندہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔ پہاڑوں سے اندھا دھند سر ٹکرانے کے بعد خود ہی پاش پاش ہونا تھا نا۔" وہ بہت

سادہ سے انداز میں بہت گہری بات کر رہا تھا۔

"میرے بھائی! تقدیر اور نصیب کا لکھا کوئی نہ بدل سکتا ہے نہ مٹانے کی قدرت رکھ سکتا ہے۔" حریم نے ٹھنڈی سانس بھر کے گلاس خالی کر دیا تھا۔ اب وہ اٹھنا چاہتی تھی۔ کچن میں کافی پھیلاوا بکھرا تھا۔ آج فیفا کے لئے اس نے لنچ میں خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ سو اسی سلسلے میں تیاریاں کر رہی تھی۔

"اس دیسی انگریز کو بھلا کیا بتاتی ہو۔" انہوں نے تاسف کا برملا اظہار کیا تھا۔ ادھر دیسی انگریز اس طرز تخاطب پر اچھل ہی پڑا۔ فیفا کی وجہ سے جو شائستگی کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ وہ چولا بھی اتار پھینکا تھا۔

"اماں جان! نہ تو میں دیسی ہوں نا میں ولایتی ہوں۔ آپ دو خوبصورت خواتین کے سامنے مجھے ڈی گریڈ کرنے کی کوشش مت کریں۔ ورنہ آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ ادھار رکھنے کا میں کبھی بھی قائل نہیں رہا ہوں۔"

"مہمان بچی کو پہلے روز ہی اپنی اصلیت دکھا دو۔" انہوں نے اسے شرم دلانے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ مہمان بچی اپنے دودھ کے دانت گرنے کے وقت سے مجھے جانتی ہے۔ میری اصلیت کچھ ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ کیوں عفیفا! ذرا اماں کو بتاؤ نا۔" شاہنواز نے براہ راست کب سے سر جھکائے بیٹھی عفیفا کو مخاطب کیا تھا۔ مقصد صرف اسے اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ فیفا ابھی تک اپنی گزشتہ زندگی کے بوجھ تلے دبی اس وقت بھی یہاں موجود نہیں تھی۔

"مجھ سے کچھ کہا ہے شاہنواز۔" وہ ایک دم گڑبڑا کر شاہنواز کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور پھر اپنی بے اختیاری پر خود ہی شرمندہ بھی ہو گئی۔

"کہنا تو آپ سے بہت کچھ ہے مگر کیا کروں...... خوفزدہ ہوں، ڈرا ہوا ہوں، کہہ نہیں پاتا۔ یاد ہے تمہیں کہ ایک دفعہ کچھ کہنے کی کوشش کی تھی میں نے اور تم نے جا کر ماہیر سے شکایت لگا دی اور اس خبیث اعظم نے مار مار کر میرا ابھر کس نکال دیا تھا۔ بس اس دن سے لڑکیوں کو میں نے کچھ خاص کہنا چھوڑ دیا ہے۔"

وہ بھی تو شاہنواز تھا بغیر جھجکے ہر بات منہ پر دے مارنے والا اور نہ جانے ماضی کے کون سے قصے پھر سے اس نے گرد جھاڑی تھی۔ تاہم فیفا بے چاری تو شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ ثریا جہاں اور حریم کی موجودگی نے اسے بے تحاشا شرمندہ کر دیا تھا۔

"تم آج بھی کمینے، منہ پھٹ اور جھوٹے ہو شاہنواز۔" وہ گویا دانت پیس کر رہ گئی۔

"فیفا کو یاد ہو نہ ہو مگر مجھے اور بیگ صاحب کو اچھی طرح سے تمہارا کارنامہ یاد ہے۔ تمہاری اس کارگزاری کی بدولت ہم لوگ اپنی کالونی والا مکان چھوڑ کر ادھر کوٹھی خرید کر شفٹ ہوئے تھے۔" ثریا جہاں کو بھی اسے تپانے کا موقع مل گیا۔

حریم مسکراتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔ فیفا بھی اس کی پیروی میں اٹھ گئی حالانکہ ثریا جہاں ابھی مزید نشست چاہتی تھیں۔ تاہم عفیفا کا یہاں مستقل قیام کا سوچ کر مطمئن ہو گئیں۔

اور یہ محض بیس، اکیس دن بعد کا واقعہ تھا۔ اس رات موبی پر پھر سے دورے کی کیفیت طاری ہوئی تھی، مگر مسئلہ صرف یہ تھا کہ امی اور فیفا دونوں سو چکی تھیں۔ ماہیر بھی آفس ورک مکمل کرنے کے بعد سو

بس حریم نہ جانے کیوں عجیب سی بے کلی کے باعث سو نہیں پا رہی تھی۔ بیڈ روم میں گھٹن کے باعث وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی۔ جب تھوڑی دیر بعد عجیب سے غرغراہٹ کی آواز نے حریم کو چونکا دیا۔ یہ آواز موبی کے کمرے سے آ رہی تھی۔ حریم تقریباً دوڑتے ہوئے کمرے میں آئی تھی۔ موبی بیڈ پر چت لیٹا، آنکھیں بند کئے عجیب سی سرگوشیاں کر رہا تھا تاہم اس کے سینے اور حلق سے غرغراہٹ کا شور ابھر رہا تھا۔

"موبی!" حریم کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔ مگر موبی اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ مگر وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس کی نظریں تو نہ جانے کون کون سا منظر دیکھ رہی تھیں۔

"بھابی۔" موبی نے بغیر اس کی طرف دیکھے گویا سرگوشی کی تھی۔ شاید وہ اس کے قدموں کی بے آواز چاپ سے اندازہ لگا چکا تھا کہ حریم ہی آئی ہے، مگر یہ حریم کی بھول تھی۔ وہ اس کے قدموں کی چاپ سے اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ وہ تو دل کی بند کھڑکی کو کھولے سارے دھندلے منظر دیکھ رہا تھا۔ دیکھے جا رہا تھا۔

"آ گئی ہو بھابی! میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔" آواز پہلے سے کچھ بلند تھی۔ حریم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"میرا انتظار، مگر کیوں؟" حریم اندر کے خوف کو چھپاتے ہوئے بولی۔

"آپ کو کچھ بتانا ہے نا۔ کیا سنو گی میری بات؟" وہ اب بھی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس نے ایک دفعہ بھی پلکوں کو جنبش نہیں دی تھی۔

"ہاں، ضرور سنوں گی۔ مگر یہ بتاؤ، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ دھک دھک دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے کپکپاتی آواز میں بول رہی تھی۔ پہلے تو ایک دفعہ دل میں خیال آیا تھا کہ موبی کو بھاڑ میں جھونک کر خود اپنے کمرے میں بند ہو جائے مگر پھر نہ جانے کون سی طاقت نے اسے روک لیا تھا۔ حریم خود کو بے بس سمجھنے لگی تھی اور پھر خود بخود پائنتی کی طرف بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"میری طبیعت کو کچھ بھی نہیں ہوا میں بالکل ٹھیک ہوں بھابی! مجھے بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ میرے دل میں، میرے اردگرد، آس پاس جو رہتا ہے۔ وہ مجھے کچھ بھی ہونے نہیں دیتا۔ میں نے اس سے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبت کی ہے۔ بھلا وہ مجھے کسی تکلیف میں مبتلا کر سکتا ہے۔"

"تمہارے اردگرد کون رہتا ہے؟" حریم کی سانسیں گویا لمحہ بھر کے لئے تھم سی گئیں۔

"مجھے اس وقت یہاں نہیں بیٹھنا چاہئے تھا۔" وہ خوفزدہ سی سوچتی چلی گئی۔

"میرے اردگرد جو رہتا ہے۔ میں اس سے عشق کی حد تک محبت کرتا ہوں اور وہ مجھے وصال یار کے جام بھر بھر کے پلاتا ہے۔" نیلی آنکھوں کے گوشے پانی سے بھیگ رہے تھے۔ بھیگتے جا رہے تھے۔ مگر مجال ہے جو آنکھوں کی حفاظت پر مامور پلکوں نے ایک دفعہ بھی رخسار کو چومنے کی کوشش کی ہو۔ وہ یک ٹک کسی اور ہی دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"زمین و آسمان میں محبت سے پیار و الفت کے شادیانے بجتے ہیں۔ بلند بختی اور جوان بختی کے نقیب ہم ہیں۔ ہم قدم ہیں کون کہتا ہے، مجھے ادھورے جسم کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔ مجھے میرے

بنانے والے نے بہت پیار سے بنایا ہے اور میں کیوں نہ اس کا شکر گزار بندہ بنا رہوں۔" اس کے لہجے کا سوز اور گمبھیرتا آج سے پہلے حریم کی ساعتوں نے ہرگز نہیں سنی تھی۔

"اللہ کریم کے تمام ملک ہیں۔ تمام شہر ہیں۔ تمام بستیاں اور علاقے ہیں جو اس کی کریم ذات نے کرہ ارض پر بسائے ہیں اور ان میں بسنے والوں میں کہیں نہ کہیں میرے جیسے لوگ بھی موجود ہیں اور ان کی گھنگھرو سے بندھی زندگی میری آنکھ کی پتلی کے بالکل سامنے ہے اور میں اپنے رحیم رب کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایک گندی زندگی اور نیچ مقام سے نہیں نوازا۔ میں لوگوں کی گھڑی بھر مسرت اور خوشی کا سبب نہیں بنا۔ میرے قدموں نے رقص وسرود کی محفلوں میں تھرک کر خود کو دو کوڑی کا نہیں کیا۔ ہاں، وصال یار کے دیدار کی امید مجھے حال سے بے حال ضرور کر دیتی ہے۔ میں اپنے آپ میں نہیں رہتا۔ میں کچھ ساعتوں کے لئے ایک اور جہاں کے سفر پر نکل جاتا ہوں۔ پھر میرے قدموں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ میں ماضی، حال اور مستقبل سے بے نیاز ہو جاتا ہوں۔ میری روح میرا جسم اور میری ہر سانس اس کے نام کا ورد کرتی ہے۔ رب رحیم نے مجھے عزم راسخ سے نوازا ہے، میرے حوصلے اور ہمت کبھی ٹوٹی نہیں۔ مجھے ایک اور زندگی اگر عطا کر دی جائے۔ مجھے اختیار بھی دیا جائے تو میں خواجہ سرا ہی بننا چاہوں گا۔ میں اگر عام انسان ہوتا۔ پرفیکٹ ہوتا، ہر لحاظ سے مکمل ہوتا تو شاید قرب عشق کو اتنی گہرائی سے محسوس نہ کر پاتا۔ یا پھر میرا دل عشق یار سے اس قدر بھرا بھرا بھی نہ ہوتا۔" حریم نے دیکھا تھا۔ شفاف موتیوں جیسے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

"تم نے بھی کبھی کسی سے محبت کی ہے منیب۔" حریم کی آواز بھی سرگوشی نما تھی۔

"محبت" منیب شاید مسکرایا تھا۔

"میں محبت کی آخری سرحد پر کھڑا ہوں بھابی! ابھی تو منزل عشق کی شروعات ہے۔ اس سفر کا اپنا ہی ایک لطف ہے۔ اک انوکھی سی لذت اور سرور ہے اس زندگی سے اچھی کوئی زندگی نہیں۔ جو میں باطن کی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔"

"تم نے کس سے محبت کی ہے منیب! کون ہے، جو تمہارے آس پاس رہتا ہے؟" حریم کا دل گویا معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔

"وہ جو جہانوں کا رب ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سب مخلوقات کی جان ہے اور میرے دل نے اس کی محبت کی لذت کو محسوس کیا ہے۔ میں نے کسی سے سنا تھا یا شاید کہیں پڑھا تھا یا پھر کسی نے عالم خواب میں مجھ سے کہا تھا کہ "مصائب اور وسوسے اے میرے دل! ہر طرح سے تجھ پر حملہ آور ہوں گے اور تیرا رب تجھے محفوظ رکھتا ہے۔ تیری کفایت کرتا ہے۔ تو دنیاوی زندگی کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب سے شکوہ مت کرنا۔" سو میں نے شکوؤں کے دفتر پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیئے ہیں۔" حریم نے دیکھا تھا۔ منیب کی متوازن سانس اب پھولنا شروع ہو چکی تھی۔ یقیناً دھیان وگیان کے بعد اس پر وجد کی کیفیت طاری تھی۔ وہ عربی زبان میں کچھ شعر پڑھ رہا تھا حریم نے یہ شعر پہلے بھی کہیں پڑھ رکھے تھے یا پھر سن رکھے تھے۔ ان کا ترجمہ نرم دل والوں کو خون کے آنسو رلا دیتا تھا۔ موبی کی زبان اب لکنت زدہ ہو رہی تھی تاہم

آواز میں اب بھی بلا کا سوز تھا۔

"اے میرے دل! اللہ تعالیٰ نے تجھے رنج وغم، دکھ اور ہر طرح کے مصائب سے جس کا تو شکار رہا ہے۔ ہر طرح کی اس اذیت سے جس میں تو مبتلا رہا ہے۔ اپاہج اور نامکمل اس زندگی سے جسے تو بوجھ سمجھتا رہا ہے۔ اے میرے دل! اللہ تعالیٰ نے تیری کفایت کی۔ تجھے اندھیاری رات میں تجھے روشن راہوں کا مسافر بنایا ہے۔ اے میرے دل! تو شاد ہو جا، بھلا اب تجھے کس چیز کی تمنا رہی ہے۔ تو غم کے آنسو نہ رو، تکلیف پر صبر کر۔ تجھے وحشتوں سے نکالنے والی ذات پاک موجود ہے۔ جس نے تیری روح کو بھی پاک صاف کر دیا اور اے میرے دل! تجھے ہر طرح کے وسوسے سے آزاد کر دیا ہے۔ اے میرے دل! تو شام کا ستارہ ہے یا صبح پرنور کا سب سے روشن تارا۔ جو آسمان کے ستاروں کی طرح جگمگاہٹ اور روشنی رکھتا ہے اور جس کی تابناکی سے آسمان کے حسن میں اور بھی نکھار آ جاتا ہے۔" موبی اب خاموشی کی طرف گامزن ہو رہا تھا۔ مگر حریم کے لبوں پر مچلتے سوال اس کی خاموشی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

"موبی! میرے دو تین سوالوں کے جواب دو گے؟"

"ہاں، بولو نا۔" کھلی آنکھوں میں کوئی بھی ایسا تاثر تو ہرگز نہیں تھا۔ جسے پڑھنے کے بعد حریم تھوڑا سا بھی مطمئن ہو جاتی۔

"علم الیقین بھلا کیا ہوتا ہے؟" وہ بہت سادہ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ محض اس لئے کہ دنیاوی اور باقاعدہ طور پر دینی تعلیم سے موبی ہمیشہ نابلد رہا تھا۔ اس نے برائے نام علم حاصل کر رکھا تھا۔ اس کے پاس کوئی ایک بھی ڈگری نہیں تھی۔ حریم بس اس کے جواب سے، اس کی موجودہ علمی کیفیت کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ موبی کے شعور اور لاشعور میں علم کے معاملے میں کتنا فرق اور فاصلہ ہے۔

"علم الیقین، یعنی یقین کا علم؟" موبی نے بغیر رکے کہنا شروع کیا تھا۔

"میں نہ کوئی مفتی ہوں نہ عالم ہوں نہ فاضل ہوں۔ نہ ہی مذہبی اسکالر ہوں۔ منیب عالم تو بہت حقیر سا ایک آدمی ہے۔ بلکہ آدمی کے مقام سے بھی بہت نیچے تاہم علم الیقین کا علم تو ضرور رکھتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو غور وفکر، سوچ وبچار اور دلیل سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے عین الیقین، یہ وہ یقین ہے جو بذریعہ کشف، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہوتا ہے۔ عطاء کیا جاتا ہے اس کے علاوہ ایک حق الیقین ہوتا ہے۔ یہ وہ یقین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حقیقی حاصل ہو جائے۔ اور انسان اپنے وجود سے بے خبر ہو جائے، دراصل یہی مقام وصل ہے۔ جس کی مجھے امید ہے۔ جو کبھی مجھے بھی ضرور حاصل ہوگا مگر اس کے لئے طویل ریاضت کا سفر درکار ہے۔"

"ان گھڑیوں میں تم نے اور کیا دیکھا تھا؟" حریم گویا لمحہ بھر میں بالکل بے خوف ہو گئی تھی۔

"میں نے بھلا کیا دیکھا؟" موبی کا انداز پرسوچ تھا۔

"میں نے دیکھا ہے۔ روپ اور دھوپ کو اور جو دھوپ ہے وہ روپ کو چاٹ جاتی ہے۔" موبی کی آواز اب ڈوبتی جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا گویا بہت دور سے سنائی دے رہی ہے۔

"کانچ کے شہر کی داسی زنجیریں توڑ رہی ہے۔ قسمیں توڑ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک طوفان

کی لہریں ہیں۔ اس طوفان کا اگر ایک بھی بگولا اٹھ گیا تو ہر شے تہس نہس ہو جائے گی۔ دعا کرو، یہ آندھی کے تیز جھکڑ کسی اور سمت نکل جائیں۔ تمہارا دل اور تمہارا گھر محفوظ رہے۔ دعا کرنا بھابی! محبت میں اگر کوئی کسی کے ہار جائے تو اسے صبر آ جائے اور جسے صبر نہیں آتا۔ وہ جبر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ پتھر ہو جاتا ہے اور پتھر کسی کے درد کو محسوس نہیں کر سکتا۔ اس پتھر کی ضرب، جس، جس دل پر پڑے گی، وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ پاش پاش ہو جائے گا۔ بعض لوگ محبت میں فنا ہو کر موم کی طرح نرم ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو محبت میں فنا ہو کر فولاد بن جاتے ہیں اور پھر دوسروں کی خوشی اور شادمانی کبھی قائم دائم نہیں رہنے دیتے۔ بس فنا کر دیتے ہیں۔" موبی کی آنکھیں اب خشک ہو رہی تھیں۔ یوں نظر آ رہا تھا گویا اک بنجر زمین ہے۔ جس پر ہریالی کا دور دور تک نام ونشان نہیں ہے۔

"موبی! چپ کیوں ہو گئے ہو؟ بولو نا۔" حریم کے پورے وجود میں بے چینیاں سی اتر آئی تھیں۔ دل کی حالت عجیب تر تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جو کچھ موبی کی آنکھ دیکھ رہی تھی۔ وہ سب کچھ اس کے ساتھ برتنے والا تھا۔ برتا جا رہا تھا۔

"رنگین ملبوسات، پائل اور جھانجھریں ایک دفعہ پھر میرا دم گھونٹنے کے لئے میرے قریب قریب ہیں۔ بہت قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔" اب موبی پر ہمیشہ والی غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ اب وہ گہری، پرسکون نیند سونا چاہتا تھا اور جب اس نے پلکیں اچھی طرح سے موند لی تھیں۔ نیند اس پر مکمل طور پر حاوی ہو چکی تھی تب حریم سنبھل کر اس کے قریب سے اٹھ گئی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے موبی کے معصوم، بے حد پرسکون چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ عجیب سی روشنی نے اس کے چہرے کے گرد ہالہ سا بنا رکھا تھا۔ ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور اٹھی ہوئی ستواں ناک کے قریب ننھا سا تل گویا مسکرا رہا تھا۔ لہریے دار بال پیشانی سے چپک گئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ ایک قیامت کی منزل سے گزرا تھا۔

اس کا پورا وجود پسینہ پسینہ تھا۔ سفید رنگ کی شرٹ پسینے سے یوں تر تھی گویا بالٹی میں بھگو کر اس نے پہن رکھی تھی۔

یوں ہی حریم نے طائرانہ سی نظر سے کمرے کو دیکھا تھا۔ موبی کا مخصوص جائے نماز ایک کونے میں ہمیشہ کی طرح بچھا ہوا تھا۔ تسبیح بھی رکھی تھی۔ نہ جانے وہ نماز کب پڑھتا تھا۔ حریم نے تو آج تک اسے کبھی بھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ ایسا ہی ایک جائے نماز پرانے گھر میں ایک کونے میں بچھا ہوا نظر آتا تھا۔ حریم نے پہلے بھی موبی کے کمرے میں بچھے اس جائے نماز کو دیکھ کر کوئی سوال نہیں کیا تھا اور اب بھی اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد اس نے راحت بیگم کے کہنے پر جائے نماز موبی کے کمرے میں بچھا دیا تھا۔ ایک بوتل میں آب زم زم بھی رکھا ہوا نظر آتا تھا مگر اس بوتل کا پانی بھی جوں کا توں تھا۔ موبی کا کمپیوٹر، کتابیں اور رسائل وغیرہ بھی رکھے ہوئے تھے۔

اس کمرے میں ایسا کچھ بھی تو نہیں تھا جو موبی کو صوفی یا ولی ظاہر کرتا۔ مگر کچھ تو تھا اس میں جو سب سے انوکھا اور الگ تھا۔ غیر معمولی اور عجیب تر تھا۔ کچھ پوشیدہ تھا کچھ ظاہر ہو رہا تھا۔ کچھ ایسے بھید بھی ہوتے

ہیں جن پر سے کبھی پردہ نہیں اٹھایا جاتا وہ راز ہمیشہ راز ہی رہتے ہیں۔ مگر حریم ان پانچ چیزوں میں بری طرح سے الجھ رہی تھی۔ وہ پانچ چیزیں اس کے اردگرد بکھری نہیں تھیں۔ وہ پانچ چیزیں اس کی نگاہ کے سامنے بھی نہیں تھیں۔ ان پانچ چیزوں کے پانچ سوال اس کے دل میں ابھر رہے تھے اور ان کے جواب دینے والا حریم کے دل کو مطمئن کرنے والا گہری پرسکون نیند سو رہا تھا۔ وہ منیب عالم سے وصل اور زہد کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے تکبر اور رضا کے بارے میں سوال کرنا چاہتی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ بقا اور فنا میں بھلا کیا فرق ہے؟ اور حریم، ماہیر عالم اس سے آخری سوال یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کانچ کے اس شہر کی "بیدی" بھلا کون ہے؟ کیا زوباریہ درانی؟

............*

عفیفا کی آمد کے ساتھ ہی حریم کے گھریلو کاموں کا بوجھ خودبخود تقسیم ہوتا چلا گیا تھا۔ وہ بھی حریم کی طرح علی الصبح اٹھنے کی عادی تھی۔ معمول کی عبادت کے بعد دونوں ہی مل جل کر جھٹ پٹ ناشتہ بنا لیتی تھیں۔ اسی طرح فیفا آفس جانے سے پہلے غیر محسوس طریقے سے صفائی ستھرائی میں بھی حریم کا ہاتھ بٹاتی چلی جاتی تھی۔ اکثر تو وہ صبح کے وقت ہی دوپہر کے سالن کی ابتدائی تیاری بھی کر دیتی تھی۔

چھٹی والے روز اگر فیفا مشین لگا لیتی تو پھر حریم کو گھر بھر کے کپڑے استری کرنے میں کافی آسانی ہو جاتی تھی۔ سب سے خوش آئند بات یہ تھی کہ عفیفا کی آمد کے ساتھ ہی راحت بیگم کا مزاج بے حد شگفتہ ہو گیا تھا۔ بات بے بات جلنا، کلسنا اور طنز و طعنے سے کافی پرہیز کر رہی تھیں۔ ان دنوں میں تو وہ اچھی خاصی حریم پر بھی مہربان ہو رہی تھیں۔ اس کا ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خیال رکھنے لگی تھیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ زمیلہ اپنے شوہر کے پاس بخیر وخوبی پہنچ چکی تھی اور جانے سے پہلے وہ حریم سے اپنے گزشتہ تلخ و ترش رویے کی معذرت بھی کرتی رہی تھی اور حریم نے اسے کھلے دل کے ساتھ معاف بھی کر دیا تھا کہ وہ دل میں کینہ رکھنے کی عادی بھی نہیں تھی۔

ویسے بھی حریم، راحت بیگم اور زمیلہ کے مزاج کو اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی۔ وہ دل کی صاف اور زبان کی ذرا تلخ صرف اس لئے تھیں کہ حالات نے انہیں تلخیوں کی سوغات دی تھی۔ والد کی وفات، موبی کی طرف سے ہر وقت کی کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت اور پھر راحت بیگم کی بیماری نے زمیلہ کو بھی ذہنی طور پر نیم پسماندہ کر دیا تھا۔

یکایک ہی حریم کو محسوس ہونے لگا تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے دل و دماغ پر چھایا غبار اور گھٹن چھٹنے لگی ہے۔ اب زندگی میں آسانیوں کی شروعات ہو گئی تھی اور اس کا سہرا کبھی تو عفیفا کے سر چلا جاتا اور کبھی آنے والے مولود کو بلند بخت سمجھا جاتا۔

ماہیر کو جو ٹرمینیشن لیٹر پکڑایا جا رہا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں غائب ہو چکا تھا اور اس کے بدلے میں جو نیا ایگریمنٹ منظور ہوا تھا اور ماہیر کی ذہانت، کوشش اور محنت کے بل بوتے پر، اس نئے ایگریمنٹ کی منظوری سے بے تحاشا خوشی کی بدولت ماہیر کی پرموشن ہو گئی تھی اور نا صرف پرموشن کی گئی تھی بلکہ اس کے ٹرانسفر آرڈر کینسل ہو چکے تھے۔ کمپنی نے اسے گاڑی کی سہولت کے ساتھ بہت ہینڈسم بونس بھی دیا تھا۔ سو اس خوشی

کو ماہیر نے بہت اچھی طرح سیلبریٹ کیا تھا۔ پی سی میں کینڈل لائٹ ڈنر حریم کے حصے میں آیا تھا۔ شادی کے بعد پہلی مرتبہ ماہیر کے ساتھ اس نے ہوٹلنگ کی تھی اور اس کے بعد ماہیر نے اسے بے حد شاپنگ کروائی۔ بہترین، نئے نکور، انتہائی نفیس ملبوسات لے کر دیئے تھے۔ ایک نفیس سا گولڈ کا بریسلیٹ اس کی کلائی میں سج گیا تھا۔ ماہیر بھی گویا اپنے دل کی ساری خوشی کو کھول کھول کر حریم پر لٹائے جا رہا تھا۔

آفس کی طرف سے اسے دس دن کے لئے دبئی جانا تھا اور اس دفعہ بھی وہ زبردستی حریم کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہ بے تحاشا خوفزدہ تھی اور ہوائی سفر سے تو اور بھی خوفزدہ ہو رہی تھی مگر ماہیر نے اس کی ایک نہیں سنی تھی اور کمال کی بات یہ تھی کہ راحت بیگم نے بھی حریم کو جانے سے نہیں روکا تھا۔ بلکہ انہوں نے اسے دعاؤں کے سائے تلے رخصت کیا تھا۔

جب وہ اپنی زندگی کے یادگار، بہترین دن دبئی میں گزار کر واپس آئی تو راحت بیگم نے اس کی بخیریت واپسی کی خوشی میں نظر اتاری تھی۔ صدقہ دیا تھا اور میٹھی چیز پکا کر نیاز بانٹی تھی۔ حریم کو ابھی تک گویا یقین نہیں آیا تھا کہ وقت سچ مچ اس پر مہربان ہو چکا ہے۔

ماہیر نے پہلی فرصت میں اوپر والے پورشن کی تعمیر تزئین شروع کروا دی تھی۔ کچن، باتھ سفید ٹائلوں سے جگمگا اٹھے تھے۔ خصوصاً کچن تو بالکل جدید طرز کا بنوایا تھا۔ حتیٰ کہ سارا فرنیچر بھی بدلوا دیا تھا۔ بیڈ روم سارے کارپٹڈ تھے۔ دو نئے اے سی بھی لگوائے تھے۔ حریم نے شاہنواز سے گملے بھی منگوا لئے تھے۔ بالکونی نما صحن کی ریلنگ تک نئی لگوائی تھی۔

گھر کی صفائی ستھرائی اب اور بھی آسان ہو چکی تھی۔ مشکلات کے ایک دور کا اختتام ہو چکا تھا۔ گھر کی تزئین و آرائش کے بعد روٹین لائف پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ مگر اس روٹین میں اب کوئی افراتفری نہیں تھی۔ کوئی مشکل نہیں تھی۔ تھکن تو گویا چھو کر بھی نہیں گزرتی تھی۔

اتوار کے روز عفیفا کو بھی چونکہ چھٹی ہوتی تھی اور ماہیر بھی گھر میں ہوتا تھا۔ سو لاؤنج میں خاصی چہل پہل رہتی۔ اکثر شاہنواز بھی اوپر آ دھمکتا۔

اس دن بھی وہ اور فیفا لنچ کی تیاری کر رہی تھیں شاہنواز اور ماہیر لاؤنج میں شطرنج کی بساط بچھائے بیٹھے تھے۔ راحت بیگم نیچے ثریا خالہ کے پاس گئی تھی۔ موبی ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے میں بند تھا۔

"فیفا! تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟" کٹے ہوئے کریلوں پر نمک چھڑکتے ہوئے حریم نے پوچھا وہ دونوں اس وقت کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

"کیا سوچنا ہے بھلا۔" فیفا چکن فرائی کرنے کے لئے تیل کڑاہی میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"زندگی بھر کیا ایک ناقابل بھروسہ آدمی کی خاطر جوگ لوگی۔ تمہیں تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ سہیل جیسے کانوں کے کچے مرد کی اصلیت پہلے ہی کھل گئی ہے۔" حریم کا انداز ناصحانہ تھا۔

"میں تو منتظر ہوں کہ وقت بھلا کیا کیا دکھاتا ہے۔" فیفا نے گہرا طویل سانس کھینچ کر کہا۔

"وقت کی فطرت ہے کروٹیں بدلنے کی۔ کبھی دکھ کی تو کبھی سکھ کی ...... ٹھہرا ہوا پانی بھی بدبودار ہو جاتا ہے فیفا! زندگی کو بدبو کا جوہڑ بننے سے بچانے کی خاطر کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔" حریم ساتھ ساتھ

کریلوں کے لئے مسالا بھی تیار کر رہی تھی۔ آج لنچ پر بھی خصوصی اہتمام کرنا تھا۔ اکثر چھٹی والے روز وہ ماہیر کی پسند کا مینیو ترتیب دیتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بہت سادہ خوراک کا شوقین ہے۔

"دیکھتے ہیں کہ بھلا کون زندگی کے اک نئے موڑ پر ٹکراتا ہے۔" فیفا کا لہجہ ہلکا پھلکا سا تھا۔ آنکھوں میں ہلکی سی شرارت کا تاثر تھا۔ "ٹکرانے والے تو کب کے راستے میں کھڑے ہیں۔ آپ ہیں کہ برابر سے بجلیوں کی طرح نکل جاتی ہیں۔" شاہنواز نہ جانے کب کچن کے چوکھٹے میں آ کھڑا ہوا۔

"تم میرے منہ نہ ہی لگا کرو۔" فیفا سر سے لے کر پیر تک سلگ اٹھی۔ وہ شاہنواز کے اوپر نیچے کے پھیروں سے پہلے ہی عاجز رہتی تھی۔

"چپکے چپکے کسی کی گفتگو کو سننا بڑی غیر اخلاقی حرکت ہے۔"

"جناب! میں کن سوئیاں لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ آپ خوامخواہ غلط فہمی کا شکار مت ہوں۔ میں تو پانی لینے کے لئے آیا تھا۔ آپ کا رقت انگیز لہجہ سن کر رہا نہیں گیا۔ سو ٹکرانے کی آفر کر دی ہے۔" شاہنواز شرارت بھری مسکان سجا کر بولا۔

"مجھے لگتا ہے۔ تمہیں اپنی بے عزتی اور وہ ماریکسر بھول چکی ہے۔ کہو تو دوبارہ یاد کروا دوں۔" فیفا سلگ کر بولی۔ جواباً شاہنواز نے بھی گویا خوب ہی لطف لیا تھا۔ پہلے پہلے فیفا کم ہی شاہنواز کی باتوں پر ردعمل دکھاتی تھی۔ مگر وہ بھی تو شاہنواز تھا۔ اس حد تک زچ کر دیتا تھا کہ مقابل خود بخود بھنا کر بولنا شروع کر دیتا اور وہ اپنی بے تکلفانہ عادت کے باعث خود بخود مقابل کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا مگر یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔ عفیفا سے نا صرف بچپن کی جان پہچان تھی بلکہ ایک زمانے میں شاہنواز فیفا کا پڑوسی بھی رہ چکا تھا۔ تاہم اس وقت بھی فیفا اس بلائے جان شاہنواز سے عاجز ہی رہتی تھی۔

"یاددہانی کی ضرورت تو نہیں تھی۔ پھر بھی آپ کا بہت بہت شکریہ۔" وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر ماہیر کی پکار سن کر باہر نکل گیا تھا۔

"یہ شاہنواز بھی نہ جانے کیا چیز ہے۔" حریم کو ہنسی آ گئی۔

"اس کی باتوں میں مت آنا حریم! یہ آدمی بلا کا جھوٹا ہے۔" فیفا ابھی تک بھنا رہی تھی۔

"اور اس کی بے شرمی دیکھو۔ کیسے ڈھٹائی کے ساتھ تین وقت کا کھانا کھا کر جاتا ہے۔"

"وہ کہاں آتا ہے بے چارا۔ ماہیر خود ہی بلا لاتے ہیں۔" حریم فوراً اس کی فیور میں بولی۔

"بے چارا نہیں، یہ تو پورا کمینہ ہے۔ بچپن سے اسے دوسروں کے گھروں میں روٹیاں کھانے کی عادت ہے۔" فیفا جل بھن کر رہ گئی۔

"اور تمہیں روٹیاں گننے کی عادت ہے۔" شاہنواز بھی چپ نہیں رہ سکتا تھا۔

"تم پھر بوتل رکھنے کے بہانے آئے ہو۔" فیفا تلملائی۔

"آپ کیوں خوش فہمیوں کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہیں محترمہ! میں تو بغیر کسی بہانے کے بھی کچن کے پھیرے اکثر لگاتا رہتا ہوں۔" وہ مزے سے بولا۔

"وہ تو مجھے پتا ہی ہے۔ کچن میں تمہارا بس چلے تو بستر ہی لگا کر سو جاؤ۔" فیفا چکن کی طرف متوجہ تھی

اورحریم کریلوں کی طرف اور شاہنواز کا سارا دھیان ان دونوں کی طرف تھا۔ کیونکہ اتفاقاً چکن کریلے بھی اس کی پسندیدہ ڈشز میں شمار ہوتے تھے۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، شاہنواز کو اتنا بھی پیٹو مت سمجھو۔" ماہیر بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

"مجھے لگتا ہے آپ کا آج گرمی کھانے کا ارادہ ہے۔" حریم مسکراتے ہوئے ٹونٹی کھول کر برتن دھونے لگی۔

"میں تو شاہنواز کو لینے آیا ہوں۔" ماہیر نے شاہنواز کے کندھے پر دھپ لگا کر کہا۔

"اور شاہنواز اکیس توپوں کی سلامی کے بغیر نہیں جائے گا۔" شاہنواز بھی مسکان لبوں میں دبا کر چہکا۔

"مت اتاولے ہو میری جان! ہر طرح کی سلامی تمہیں دیں گے۔ بس کچھ اور صبر کرلو۔"

"اور کتنا صبر کروں؟ اب نہیں ہوتا مجھ سے صبر عظیم۔ میں نے شادی کا لڈو کھا کر پچھتانا ہے۔" شاہنواز بچوں کی طرح مچلا۔

"تو تم پچھتانے والا لڈو لازمی کھانا چاہتے ہو۔" حریم کو ہنسی آگئی۔

"میرا خیال ہے کہ اس لڈو کے علاوہ کوئی اور لڈو نہیں ملتا۔" شاہنواز کا انداز پرسوچ تھا۔

"آپ کا خیال سو فیصد درست ہے۔" ماہیر خوبانیوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

شاہنواز بھی سوچتا ہوا باہر کی طرف لپکا۔ عفیفا نے گویا سکھ کا سانس لیا تھا۔ تبھی زمیلہ کی کال آگئی حریم فون اٹھا کر نیچے چلی گئی تھی کہ زمیلہ نے راحت بیگم سے بات کرنا تھی۔ جب واپس آئی تو فیفا کریلوں کو مسالے میں بھوننے کے بعد دم دے رہی تھی۔

ایسے ہی باتوں باتوں میں زمیلہ کا ذکر چھڑ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں ہمیشہ ہی حریم کو محسوس ہوتا تھا کہ زمیلہ اور فیفا کے درمیان اجنبیت کی دیوار سی موجود ہے۔ یہ اجنبیت نو سال پہلے ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی تھی۔ اس کی وجہ شاید زوباریہ درانی ہی تھی۔ اور آج پھر بغیر کسی خواہش کے زوباریہ کا قصہ بھی خود بخود چھڑ گیا۔

"فیفا! تمہاری کبھی زوباریہ سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی؟" حریم نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا۔ فیفا ایک دم ٹھٹک سی گئی تھی

"نہیں۔" اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔

"اور زوباریہ نے بھی تم سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں۔" وہ ہنوز نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"اور ماہیر سے بھی کبھی اس نے رابطہ نہیں کیا؟ مقام حیرت، کیا تم سمجھتی ہو کہ زوباریہ کی محبت دودھ کے ابال جیسی تھی۔" حریم تو ایسے ہی بات برائے بات کر رہی تھی۔ اس گفتگو کا کچھ خاص مقصد بھی نہیں تھا مگر بعض دفعہ بہت عام سی بات بھی بری طرح سے ٹھٹکا دیتی ہیں۔

"نہیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"تو پھر کیا؟" حریم نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ فیفا کے چہرے پر آن کی آن میں سنجیدگی چھا چکی تھی۔ گہری، خاموش اور بھید بھری سنجیدگی۔

"زوباریہ کی محبت کو ناپنے والا میرے پاس کوئی پیمانہ نہیں۔ اس نے محبت نہیں، شاید عشق کیا تھا۔" فیفا کے خاموش لب لمحہ بھر کے لئے پھڑپھڑائے تھے۔

"تمہارا اس سے کیا مراد؟ کیا یہ عشق، محبت ماضی کا حصہ بن چکے ہیں؟" نہ جانے کیوں حریم اپنے وسوسوں کے شکار دل کو تسلی و دلاسے کا سہارا دینا چاہتی تھی۔

"شاید ہاں۔" فیفا کا لہجہ اب بھی مبہم سا تھا۔

"کیا تمہاری کبھی ماہیر کے ساتھ اس موضوع پر بات ہوئی ہے۔"

"نہیں۔"

"تم نے کبھی زوباریہ کے بارے میں ماہیر سے پوچھا ہے؟" فیفا سر جھکائے میز کی سطح کھرچتے ہوئے بولی۔

"کبھی نہیں۔"

"تمہیں خبر ہے کہ زوباریہ اب کہاں ہے؟" فیفا کے لہجے میں عجیب سا سناٹا تھا۔ حریم کا پھر سے نفی میں سر ہلتا چلا گیا۔

"نہیں۔ ہوں......" فیفا نے محض ہنکارا بھرا تھا تاہم حریم کچھ اور بھی الجھ گئی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ زوباریہ کہاں ہے؟"

"میں جانتی ہوں۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد فیفا نے دھیمی آواز میں کہہ دیا تھا۔

"تو پھر تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔"

"بس ایسے ہی۔" فیفا کا لہجہ دھیما سا تھا۔ کافی بھرا بھرا سا بھی۔

"کیا اس لئے نہیں بتایا کہ میں ماہیر سے یا پھر زمیلہ سے اس بات کا ذکر نہ کر دوں؟" حریم بھی دبی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ اس لئے بھی کہ لاؤنج میں موجود ماہیر اور شاہنواز تک ان کی آواز نہ پہنچ جائے۔

"ایسی بات نہیں۔" فیفا نے لب کچلتے ہوئے کہا تھا۔

"ماہیر اور زمیلہ بھی جانتے ہیں۔"

"کیا جانتے ہیں؟" حریم بے چین سی ہوگئی۔

"زوباریہ کے بارے میں۔"

"تو پھر مجھے بھی بتا دو۔ کیا اس کی شادی ہو چکی ہے حریم نے پہلے جیسی بے قراری سے پوچھا تھا۔

"زوباریہ نے شادی نہیں کی۔"

"کیا ابھی تک نہیں کی؟ نو، دس سال ہو چکے ہیں آج کے دور میں کوئی پاگل ہی جوگ لیتا ہے" حریم نے ... سے لہجے میں کہا تھا۔ نہ جانے کیوں فیفا پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

"زوباریہ درانی کسی پاگل سے کم نہیں تھی۔ ذرا اپنے دل سے پوچھنا، ماہیر عالم کے لئے جوگی بن سکتا

ہے نا۔" وہ فیفا کی بات کے جواب میں کچھ پل کے لئے خاموش رہ گئی تھی۔

"میری خواہش ہے کہ میں زوباریہ کو دیکھوں، اس سے ملوں اور اسے سمجھاؤں کہ وہ ایک لاحاصل سفر کا انتخاب کیوں کر چکی ہے۔" حالانکہ زوباریہ سے ملنے کا اسے کوئی شوق نہیں تھا۔ وہ تو بس ایسے ہی۔

"تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔" فیفا کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے تھے۔

"کیا زوباریہ ملنا نہیں چاہے گی؟"

"زوباریہ تم سے مل ہی نہیں سکتی۔" فیفا دوپٹے کے کونے سے آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔

"مگر کیوں؟"

"اس لئے کہ زوباریہ درانی مر چکی ہے۔" فیفا نے ایسا لرزا دینے والا انکشاف کیا تھا کہ حریم حق دق ہی تو رہ گئی تھی۔ کئی لمحے تو اس سے بولا ہی نہیں گیا تھا۔ وہ بس پتھر بنی عفیفا کو دیکھے جا رہی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو عفیفا! اسے ابھی تک گویا یقین نہیں آیا تھا۔

"ہوں ......سو فیصد سچ ہے۔" فیفا اب قدرے سنبھل گئی تھی۔ اسی لئے سلاد کے لئے کھیرے اٹھا کر کاٹنے لگی تاہم حریم سے تو اپنے پیروں پر کھڑے رہنا دشوار تھا۔ تبھی تو وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

"اور یہ کب کی بات ہے؟"

"نو سال ہو چکے ہیں۔" فیفا کا سر جھکا ہوا تھا۔ حریم اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"وہ طبعی موت سے مری یا پھر حادثاتی؟"

"اس نے تیسری مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی شاید...... مگر اس دفعہ کسی کی دعا اور دوا اسے واپس نہیں لا سکتی تھی۔" وہ کھیرا کاٹ چکی تو پھر ٹماٹر اور پیاز کے لچھے بنانے لگی۔ شاید وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی اور وہ اپنی اس کوشش میں کتنا کامیاب تھی۔ وہ تو اس کے چہرے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا۔

"جب وہ مر گئی تو تم لوگوں کو کس نے اطلاع دی؟" نہ جانے کیوں حریم وکیلوں کی طرح جرح کرنے لگی تھی۔

"کیا تم نے زوباریہ کا آخری دیدار کیا تھا؟"

"نہیں۔" فیفا نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"مگر کیوں؟"

"اسے دفن کرنے کے بعد اطلاع دی گئی تھی' بلکہ میں نے خود ہی اس کے گھر فون کیا تھا اور مجھے پتہ چلا کہ زوباریہ کو مرے ہوئے آج پانچواں دن ہے۔" فیفا نے اک طویل گہرا سانس خارج کیا۔

"اور ماہیر کا بھلا کیا ردعمل تھا؟" حریم نے کچھ چبھتے لہجے میں پوچھا۔

"ماہیر نے کہا، جو فصل بوئی جاتی ہے بالآخر کٹائی بھی اسی کی ہوتی ہے۔ زوباریہ اپنا کیا بھگت رہی ہے۔ جس قبر میں اسے اتارا گیا ہے۔ دراصل وہ قبر خود ہی زوباریہ نے اپنے لئے کھدوائی تھی۔"

"تم ماہیر کے اس رویئے کو بھلا کیا کہتی ہو؟" حریم کی نگاہوں میں بے چینیوں کے عذاب اتر آئے تھے۔ آنکھوں میں الگ سے ریت چبھ رہی تھی۔

"حق بجانب۔" فیفا نے دو لفظوں میں بات سمیٹی۔

"کیا وضاحت کرو گی۔" حریم کا لہجہ بلا کا ملتجیانہ تھا۔

"زوباریہ نے خود اپنے ساتھ ظلم کیا تھا۔ اسے کسی نے مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ محبت میں پاگل ہو رہی تھی۔ جبکہ دوسری طرف ماہیر کے محسوسات اس کے لئے قطعاً مختلف تھے۔ وہ اسے اچھے کلاس فیلوز اور دوستوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔ زوباریہ نے جو کچھ بھی کیا تھا۔ یہ خالص اس کا اپنا بھگتان تھا۔ ماہیر کے دل کے ساتھ ساتھ ضمیر بھی مطمئن ہے، صاف ہے۔ وہ ایک جنونی کی جنون خیزی کو محبت تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کے نزدیک محبت ایک الگ سا سبجیکٹ تھا۔ جسے سمجھنا کسی پاگل کے بس کا روگ نہیں تھا۔ ماہیر کے نزدیک محبت کی کیمسٹری الگ ہی تھی۔ وہ مجھے اکثر کہتا تھا کہ محبت تو یہ ہے اگر حریم مجھے کہے کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے اور میں ماہیر عالم اس کے راستے سے ہٹ جاؤں تو میں اللہ کی قسم، حریم کے دل کی خوشی کی خاطر اپنے دل کی خوشی کو قربان کر سکتا تھا۔

محبت قربان نہیں ہوتی بلکہ قربانی مانگتی ہے۔ ایثار چاہتی ہے۔ کسی کو دل میں بسانے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نا صرف متکبر ہو جاؤ بلکہ اپنے سے وابستہ رشتوں کو بھی ذلیل کرنا شروع کر دو۔ انہیں مر جانے کی دھمکی سے رات دن خوفزدہ کرنا محبت کی کون سی قسم ہے اپنے پیاروں کو ستانا، محض کسی اجنبی کی خاطر، اس حصول کی خاطر، میرے نزدیک یہ محبت نہیں۔ سراسر خود غرضی ہے۔" فیفا کے وضاحتی بیان نے حریم کو اندر تک ٹھنڈا ٹھار کر دیا تھا۔ نہ جانے کیوں اس پل حریم کو ماہیر عالم پر گویا ٹوٹ ٹوٹ کے پیار آیا۔

"زوباریہ کی موت کے ساتھ اس کی جنونی محبت کی یہ داستان بھی خود بخود بند ہو گئی تھی۔" فیفا نے گویا ٹھنڈی آہ بھری۔ اسی پل فون کی گھنٹی نے حریم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ فیفا اپنا کام ختم کر کے کچن سے باہر نکل گئی تھی۔ حریم نے سیل آن کر کے کان سے لگایا تھا۔ سکرین پر وہ حانی کا نمبر تو دیکھ ہی چکی تھی۔ حانی نے چھوٹتے...... ہی ہمیشہ کی طرح شکوہ کیا۔

"کبھی ایک فون کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ نہ جانے کس دنیا میں رہتی ہو تم۔"

"تو تم ہی کبھی یاد کر لیا کرو۔" حریم نے ہنس کر اس کا شکوہ سنا۔

"میں ہی تو کرتی ہوں۔ تم نے کب ایک کال کرنا بھی گوارا کیا ہے۔ کبھی بوا اور بابا کا حال ہی پوچھ لیا کرو۔" حانی سخت خفا ہو رہی تھی۔

"اچھا، بتاؤ نا۔ بابا کی طبیعت کیسی ہے؟ اور بوا کے موڈ کی بھی سناؤ۔" حریم نے پیار سے اسے پچکارا۔

"رہنے دو بی بی! تمہیں ہمارے حال سے کیا لینا دینا۔" وہ تاسف سے بول رہی تھی۔

"دل تو نہیں کرتا، تمہیں فون کرنے کو مگر......"

"تو پھر کیوں کرتی ہو۔" حریم نے ہنسی ضبط کر کے پوچھا۔

"زرجان بھیا کہتے ہیں۔ حریم کا حال احوال پوچھ لیا کرو۔" حانی بے نیازی سے بولی تھی' جبکہ حریم

"زرجان آتا جاتا ہے کیا؟"

"تو اور کیا...... وہ تمہاری طرح بے وفا تھوڑی ہیں۔" حانی لاڈ بھرے لہجے میں بولی۔

"اچھا جی! میں بے وفا ہی سہی۔ یہ بتاؤ، بابا چیک اپ تو کرواتے ہیں نا۔" اس کی آواز میں فکر مندی تھی۔

"ہاں، زرجان بھیا باقاعدہ ڈاکٹر سے چیک اپ کرواتے ہیں۔"

"ایک بات کہوں حانی! برا تو نہیں مانو گی؟" حریم نے کچھ سوچ کر دھیمی آواز میں کہا۔

"برا ماننے والی بات ہوئی تو ضرور ناراض ہو جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں نہیں کہتی۔" حریم نے بھی جتا کر کہا تھا۔ وہ حانی کی متجسس طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ جب تک اس سے اگلوا نہ لیتی اس نے چین نہیں لینا تھا۔

"بولو نا...... بتا بھی چکو۔" وہ بے صبرے پن سے بولی۔

"حانی! پلیز غصہ مت کرنا۔" حریم نے ملتجیانہ کہا تھا۔

"بات تو بتاؤ۔" حانی اور بے چین ہوئی۔

"زرجان سے کہنا ہمارے گھر مت آیا کرے۔" بالآخر اس نے سوچ سوچ کر کہہ ہی دیا۔ حانی بھی کچھ پل کے لئے چپ سی ہو گئی۔ پھر جب بولی تو اس کا لہجہ خاصا کٹیلا تھا۔

"ہائے داوے، زرجان بھیا تمہارے گھر میں تو نہیں آتے اور جس گھر میں وہ آتے ہیں۔ وہ گھر ان کے تایا کا ہے۔ آپ روکنے والی کون ہوتی ہیں۔"

"تم غصہ کر گئی ہو نا۔" حریم کو تاسف نے گھیر لیا۔

"غصہ کیا نہیں پیا ہے میں نے۔ اگر تم میرے سامنے اس وقت موجود ہوتیں تو میں نے تمہارا سر پھاڑ دینا تھا۔" حانی کے ارادے خاصے خطرناک تھے۔

"اوف، کتنی ظالم ہو چکی ہو تم حانی۔" حریم نے مصنوعی جھرجھری لی۔

"ویسے اسلام آباد والوں کی کوئی خیر خبر ہی سنا دو۔" اب وہ حانی کو چھیڑ رہی تھی۔

"محسن کا بچہ پاس ہو گیا ہے اور اب خیر سے جاب کی تلاش جاری ہے۔" فی الفور حانی کا موڈ بھی بدل گیا تھا۔

"پاس کیسے ہو گیا! لگتا ہے، اس دفعہ...... نقل وقل تو ضرور کی ہو گی اس نے۔" حریم نے مسکراتے ہوئے حانی کو مزید چھیڑا۔

"جی نہیں۔" حریم کی توقع کے عین مطابق وہ سرعت سے نفی میں بولی۔

"اس دفعہ محسن نے خوب محنت کی تھی۔"

"ظاہر ہے، منگنی کی خوشی کیا کم تھی۔ خوشی کے مارے ہی وہ پاس ہو گیا۔"

"یہی سمجھ لو۔" حانی جان گئی تھی کہ حریم محض اسے چڑا رہی ہے سو وہ چڑنے کے بجائے الٹا [illegible] لگی۔

"خالہ کب تک چکر لگائیں گی؟" اب وہ ذرا سنجیدگی کا دامن تھامنے لگی تھی۔

"یہ تو پتا نہیں۔"

"اور محسن نہیں آئے گا؟" حریم کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"کہہ رہا تھا کہ جاب کی مٹھائی لے کر ہی آؤں گا۔"

"چلو، اللہ بہتر کرے گا۔ اس کی جاب لگنے کے فوراً بعد شادیانے بج اٹھیں گے۔" حریم کی آنکھیں تصور سے ہی جگمگانے لگی تھیں۔ حانی کی خوشی میں ہی ان کی خوشیاں پوشیدہ تھیں۔ اس کے لب اور دل ہمہ وقت حانی کے لئے دعا گو رہتے تھے۔ یہ اس کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ حانی بہت چاہنے والی خالہ کے گھر جا بسی تھی۔ حانی سے اس کی محبت بھی بہت عجیب تھی۔ کبھی ایک دوسرے کے علاوہ انہیں تیسرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ حانی کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بعد وہ اسے اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔ اور کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کہ اگر حانی کے لئے اسے جان بھی دینا پڑے تو وہ دے سکتی ہے۔ بہن، بھائیوں کے بیچ محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں خود بخود اترتی ہے اور یہ خون کے رشتے ہوتے ہیں جو دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے رکھتے ہیں۔ اگر کبھی یہی رشتے قربانی مانگیں تو دل تک اپنے پیاروں پر قربان ہونے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔

یہ محبتوں کے مان ہی تو ہیں جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے لئے خود سولی پر چڑھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ دل کا رشتہ ہی تو ہے کہ بہنیں خون بہا میں خود کو پیش کر کے اپنے بھائیوں کے سر کی بلا کو اپنے سر لے لیتی ہیں۔ یہ خون کا ناتا ہی تو ہے جو رشتوں کو تسبیح کے موتیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے ہوئے ہے۔ محبتوں کے یہ سلسلے ازل سے لے کر ابد تک قائم دائم رہیں گے۔ چاہے یہ محبت بیٹی کی اپنے باپ اور بھائی سے ہو، شوہر یا اولاد سے ہو۔ تا قیامت "محبت" کسی بھی رشتے کی صورت میں قربان ہوتی رہے گی۔ قربانی چاہتی بھی رہے گی۔ بس رگوں میں دوڑنے والے لہو کی گرمی اور حدت کا قائم رہنا شرط ہے۔

............*

نائن اسٹار میں آج شاید کوئی میوزک کنسرٹ تھا۔ منچلوں کی ٹولیاں بیسمنٹ کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔ چہکتے، ہنستے مسکراتے چہرے۔ خوشبوئیں لٹاتی عورتیں، اور نثار ہوتی نظروں سے دیکھتے مرد حضرات۔

ماہیر نے اگرچہ ایک الگ تھلگ سی ٹیبل کا انتخاب کیا تھا۔ تاہم انٹرنس ڈور سے بہت آگے تک ہونے والی چہل پہل ان کی نظروں کے بالکل سامنے تھی۔

"بھلا ان لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد بھی ہے۔" ماہیر متاسف سا چھ، سات لڑکیوں کے ایک گروپ کو دیکھ رہا تھا۔ جو ان کے قریب سے ہی گزر کر بیسمنٹ کی طرف جا رہی تھیں۔

"کیوں مقصد نہیں۔" حریم نے فوراً بات اچک لی۔

"آپ جیسے کئی مرد حضرات آنکھوں کو تراوٹ بخش رہے ہیں۔ اس سے بڑا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" ان آنکھوں میں شرارت بھری تھی۔ آج ماہیر ذرا جلدی آفس سے لوٹ آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اس نے

زبردستی باہر ڈنر کا پروگرام بنالیا تھا۔ حالانکہ حریم کو ہوٹلنگ کچھ اتنی پسند بھی نہیں تھی اور کچھ اسے راحت بیگم کی ناراضگی کا بھی خدشہ لاحق تھا۔ مگر کمال مہربانی سے جب انہوں نے انہیں باہر جانے کی اجازت دے دی تو حریم کو ایک دم ہی بے تحاشا خوشی کے احساس نے چھولیا۔ بہت مشکل سے ہی سہی۔ اس کی جگہ راحت بیگم کے دل کے کسی کونے میں بن ہی چکی تھی۔ اب یا تو زمیلہ کے دور چلے جانے کا کمال تھا یا پھر گھر میں پہلے سے بھی زیادہ خوشحالی کی آمد نے ان کا مزاج بدل کر رکھ دیا تھا۔ جو بھی تھا، حریم نے امی میں بہت سی تبدیلیاں نوٹ کی تھیں۔

شادی کے اوائل دنوں سے جو سرد مہری وہ فیفا اور ماہیر کے درمیان دیکھتی رہی تھی اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں تھا۔

"تم کہاں کھوگئی ہو؟ ویٹر کھانا سرو کر چکا ہے میڈم۔" ماہیر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے۔ حریم کچھ شرمندہ سی ہو کر سنبھل گئی۔

"تم ان ماڈلز سے زیادہ خوبصورت ہو۔ خوامخواہ انہیں اس قدر حسرت سے نہ دیکھو۔" ماہیر ایک لمبی بانس کی طرح دار لڑکی کو دیکھتے ہوئے بولا تھا جو حریم کی نظر کے حصار میں تھی۔

"میں اس کی لمبائی دیکھ رہی ہوں۔" حریم کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"کمال ہے۔ دوسروں کی لمبائی چوڑائی ناپتی رہو اور میں جو ایک نظر الفت کا منتظر ہوں۔ میری طرف کسی کا دھیان ہی نہیں۔" ماہیر بسور کر بولا۔

"دن رات آپ کے درشن ہی تو ہوتے ہیں۔ نظر بھرتی کہاں ہے۔" اس کی آنکھوں میں گرم گرم سی شرارت تھی۔

"میرے دل خوش فہم کو اتنا بھی خوش نہ کرو۔ اللہ کی قسم! ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔" ماہیر نے گویا دہائی دی۔

"آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں ماہیر۔" وہ کوک کے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہی تھی۔ فرائی فش جوں کی توں اس کی پلیٹ میں رکھی تھی۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کون سا کوندا لپکا تھا۔

"محبت۔" ماہیر کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

"بھلا لفظوں میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ چلو، کبھی آزما کر دیکھ لینا۔"

"کیسے آزماؤں گی؟" وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم سچ مچ میری محبت کو آزمانا چاہتی ہو؟" وہ کھانا چھوڑ کر حریم سے پوچھ رہا تھا۔ سنجیدگی اس کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ حریم مذاق کر رہی ہے۔

"ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حالانکہ حریم کی ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔ مگر کبھی کبھی بغیر خواہش کے بھی لبوں سے بہت کچھ نکل جاتا ہے۔ انسان جانتا تک نہیں اور اس کے کہے گئے ادا کیے گئے لفظ پکڑ میں آجاتے ہیں۔

"اگر میں کہوں...... ماہیر عالم میری محبت کی خاطر مجھے چھوڑ دے تو کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے"

حریم کے لبوں سے بے ساختہ پھسل گیا تھا اور پھر وہ خود بھی حیران ہو رہی تھی کہ اس نے بھلا کیا بول دیا ہے۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" ماہیر نے ناراضگی سے سر کو جھٹکا۔

"بتائیے نا۔" اس کا اصرار خود اس کی اپنی سمجھ سے بھی بالاتر تھا۔

"میں تمہاری خاطر، تمہیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ تم کہو گی تو یہ خطہ چھوڑ دوں گا۔ برِاعظم چھوڑ دوں گا حتیٰ کہ یہ دنیا تک چھوڑ دوں گا مگر حریم جمال کو چھوڑنا میری زندگی کا خاتمہ ہے۔ اگرچہ کوئی کسی سے بچھڑ کر مر نہیں جاتا۔ مرتا تو انسان اس وقت ہے جب اس کا دنیا میں دانا، پانی ختم ہو جاتا ہے۔ موت کسی کے جدا ہونے سے نہیں آتی بلکہ زندگی کے دن ختم ہو جانے کی وجہ سے مرنا پڑتا ہے۔ جدائی میں انسان کا دل مرتا ہے۔ روح نہیں مرتی۔" وہ پھر سے کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ حریم بھی فرائی فش کو ٹونگنے لگی۔

"جب دل مرجائے تو محبت بھی تو مرجاتی ہے۔" حریم سوچے جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد ماہیر نے ونیلا آئس کریم منگوائی تھی جبکہ اسے یہ فلیور ہرگز پسند نہیں تھا۔ وہ فروٹ آئس کریم شوق سے کھاتی تھی۔ مگر ماہیر کی پسند کو ناپسند کرنا دراصل حریم کو کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔

"شاپنگ کروگی؟" وہ بل پے کر چکنے کے بعد پارکنگ کی طرف آرہے تھے۔ فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے ماہیر نے بڑی فیاضی کے ساتھ پوچھا تھا۔ حریم نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا دیا۔

"یار! حانی کے لئے ہی کچھ خرید لو۔" ماہیر کے اصرار پر وہ ایک شاپنگ مال میں داخل ہو گئے تھے۔ شاپنگ کرتے کرتے اسے ایک سوٹ اور بیگ پسند آہی گیا اور اس نے حانی کے لئے مزید چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی خرید لی تھیں۔ پھر اس نے فیفا اور راحت بیگم کے لئے بھی ایک ایک سوٹ خرید لیا۔ موبی کے لئے چاکلیٹ کا پیک خرید کر جوں ہی وہ دونوں باہر نکلنے لگے تھے۔ حریم سامنے سے آتی ایک بے حد گریس فل عورت کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ نفیس سی ساڑھی میں ملبوس محترمہ فلک ناز بے نیازی سے ان کے قریب سے گزرتی چلی گئی تھیں۔ ماہیر اسے رکتے دیکھ کر خود بھی رک گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ وہ اس کا ہاتھ پکڑے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" حریم ابھی تک محترمہ فلک ناز کی پشت کو دیکھے جا رہی تھی۔

"یہ عورت کون ہے؟ کیا تم جانتی ہو اسے۔" ماہیر کچھ سوچتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ اس عورت کو ماضی میں کہیں دیکھا تھا اس نے۔

"نہیں تو۔" حریم نے گہرا طویل سانس کھینچا۔ اسے کیا ضرورت تھی بھلا ختم ہو چکی رشتہ داری کو کوئی ... کی۔

"آپ کیا جانتے ہیں انہیں؟"

"کاروباری شخصیت ہیں شاید۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔" اب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

"یہ خاتون ہماری چاچی کے منصب پر فائز رہ چکی ہیں۔ زرجان کی والدہ ہیں۔"

"زرجان کی والدہ۔" ماہیر ایک دم الجھ کر رہ گیا۔

"ان کا نام کیا ہے؟"

"فلک ناز۔"

"مگر اس شکل کی خاتون کا نام فلک ناز تو نہیں تھا۔ ان کا نام تو کچھ اور تھا۔ شاید میری نظر کا دھوکا ہو۔ بات بھی تو خاصی پرانی ہے اور میرا کون سا ان کے ساتھ کوئی دوستانہ تھا کہ مجھے ان کی شکل یاد رہتی۔ بس ایسے ہی فلک ناز صاحبہ کو دیکھ کر ایک خیال سا گزرا تھا۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولتا ہوا نارمل اسپیڈ سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"کیسا خیال؟" حریم الجھ کر بولی۔

"کچھ نہیں۔" وہ ٹال گیا تھا۔ اس وقت تو بات دب کر رہ گئی تھی۔ حریم نے بھی زیادہ کریدا نہیں۔ ویسے بھی اس کی زیادہ کریدنے والی عادت نہیں تھی۔

اگلے کچھ دن پھر سے مصروفیت کے نذر ہو گئے۔ جمعہ کے روز ماہیر نے اپنی شادی کی سالگرہ کو خاصا دھوم دھام سے منایا تھا۔ اس دفعہ بھی راحت بیگم خرچہ ہوتا دیکھ کر بھی نہیں بولی تھیں۔ حتیٰ کہ نیلم کا سیٹ جو ماہیر نے سب کے سامنے حریم کو پہنایا تھا۔ اسے دیکھ کر بھی وہ خوش ہی ہوتی رہی تھیں۔ یہ مقام حیرت ہی تھا۔ حالانکہ حریم سیٹ کو دیکھ کر کافی دیر ناراض ہوتی رہی۔

"کیا ضرورت تھی۔ اس فضول خرچی کی۔"

"مجھے روکا مت کرو۔ میں تمہاری ساری خواہشات پوری کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے مشکل وقت میں میرا بہت ساتھ دیا ہے حریم! اور میں تمہاری ہر خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہوں اور یہ میرے دل کی سب سے بڑی خوشی ہے۔" وہ اس کے ہاتھ چوم کر بول رہا تھا۔

"مگر ماہیر!" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ماہیر نے اسے ٹوک دیا۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔ کچھ مت کہو حریم! ابھی مجھے اپنے دل کی خوشی پوری کر لینے دو۔" وہ اس کی روشن پیشانی چوم رہا تھا۔ اس کا دل ماہیر کی اس بے لوث شدید محبت پر بے اختیار رو پڑا۔

............*

یہ ایک شام کی بات تھی جب موبی چپکے سے اس کے کمرے میں چلا آیا۔ آج سے پہلے وہ اس کے کمرے میں کبھی نہیں آیا تھا۔

"آؤ موبی۔" وہ لیٹی ہوئی تھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ موبی دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا تھا۔

"ایک بات تو بتاؤ موبی!" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولی تھی۔

"کون سی بات؟"

"کیا تم زوباریہ کو جانتے ہو؟" حریم نے موبی کو چونکا دیا تھا۔

"کون زوباریہ؟"

"وہ ہی جو زملیہ کی دوست تھی۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر پوچھ رہی تھی۔

"زملیہ کی دوست تو نہیں تھی۔" موبی نے دھیرے دھیرے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر کون تھی؟" حریم کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"بس تھی ایک پجارن۔" موبی نے گویا سر جھٹکا۔

"پجارن۔" اس کے لب بے آواز پھڑپھڑائے۔

"پجارن تھی وہ۔ پاگل تھی میں تو اسے پاگل ہی کہوں گا۔ انسان بھی تو مٹی کا ایک پتلا ہے۔ ایک بت طرح ہے۔ بھلا پتھروں اور پتلوں کی پوجا صاحب علم اور عقل رکھنے والا کر سکتا ہے؟ میرے نزدیک وہ بھی جو عشق مجازی سے حقیقت کے راستوں کی طرف جاتے ہوئے بھٹک کر ایک اور راہ کا انتخاب کر بیٹھی تھی۔" موبی کی آواز پھر سے ستر سالہ بوڑھے کی طرح ہو گئی تھی۔ لرزیدہ اور پھٹی پھٹی آواز۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کوئی رعشہ زدہ بوڑھا بول رہا ہے۔

"اور وہ راہ کون سی تھی؟" حریم کی آواز پر بھی لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ موبی کی یہ عجیب سی کیفیت ہمیشہ کوئی انوکھا سا انکشاف کر دیتی تھی۔

"جنون کی راہ...... جو عقل وشعور اور فہم تک چھین لیتی ہے۔" موبی کی آنکھیں سکڑ رہی تھیں۔

"اور اس جنون کی راہ نے زوباریہ درانی کو قبر میں اتار دیا۔" حریم نے سرگوشی نما آواز میں کہا۔

"کون سی قبر؟" موبی پھر سے آنکھیں کھول رہا تھا۔ چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"وہ ہی جس میں مردوں کو دفناتے ہیں۔" حریم اب کے کچھ اور بھی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"آپ نے زوباریہ کی قبر دیکھی ہے؟" یوں لگ رہا تھا گویا سامنے بیٹھا یہ بیس، اکیس صدیاں جینے والا بوڑھا دھیرے سے مسکرایا ہو۔

"نہیں۔" حریم نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر اس کی قبر کس نے دیکھی ہے؟" بوڑھے کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چپک کر رہ گئی تھی۔

"عفیفا نے اور شاید ماہیر نے بھی۔" وہ اپنے دھک دھک کرتے دل کو ڈپٹ رہی تھی۔ مگر یہ دل تھا کہ خوف کی وجہ سے کپکپائے جا رہا تھا۔

"اور وہ قبر کسی بھی وجود سے خالی ہے۔" بوڑھے نے شاید قہقہہ لگانا چاہا تھا مگر اس کوشش میں اس کے آنسو نکل پڑے تھے اور وہ روتا روتا ہی سو گیا تھا۔ نیند اس حالت میں اس پر بہت جلدی حاوی ہو جاتی تھی۔

"کیا مطلب؟" حریم پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر پوچھ نہیں پائی تھی۔ اسی پل فیفا نے کمرے میں پہلا قدم رکھا تھا۔ وہ بے ساختہ ہی فیفا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

............*

عفیفا کو اپنے گھر سے کچھ سامان لے کر آنا تھا۔ سو وہ آفس سے واپسی پر ادھر آ گئی تھی۔ گھر کی چابیاں اس کے پاس ہی ہوتی تھیں۔ ابھی اس نے مکان کو کرائے پر دینے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

ویسے بھی کرائے دار کہاں گھر کی حفاظت کرتے تھے۔

وہ گیٹ کھول کر اندر آ گئی تھی۔ پورے گھر میں گندگی کے ڈھیر لگے تھے۔ ویسے بھی یہ آندھی وطوفان کا موسم تھا۔ عفیفا نے پتوں کے ڈھیر دیکھ کر سب سے پہلے صفائی کرنے کی ٹھان لی۔ پائپ لگا کر اس نے لاؤنج، کچن، برآمدہ اور صحن تک دھو دیا تھا۔ پھر وائپر لگانے کے بعد اس نے ڈسٹنگ والا کپڑا اٹھا کر کھڑکیاں دروازے اور فرنیچر تک صاف کیا۔ باتھ روم رگڑ رگڑ کر دھوئے تھے۔ اس کام سے فراغت کے بعد وہ اسٹور روم میں گھس کر اپنا ضروری سامان نکال کر بیگ میں رکھ رہی تھی۔ الماری میں کچھ پیسے اور زیور بھی موجود تھا۔ جو وہ اپنی کم عقلی کی بنا پر ادھر ہی چھوڑ گئی تھی۔

ابھی وہ سٹور روم میں ہی تھی جب پپو آ گیا۔ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔

"باجی! اپنے گھر واپس آ گئی ہو کیا؟"

"ہاں۔" بچے کا دل توڑنا اسے مناسب نہیں لگا۔

"اب اسی گھر میں رہو گی۔"

"نہیں۔" یہ سوال خاصا مشکل تھا۔ تاہم جھوٹ بولنا بھی اسے مناسب نہیں لگا تھا۔

"کیوں نہیں واپس آ جاؤ نا۔ اب تو میں کسی اور کے گھر سے سالن بھی لینے نہیں جاتا۔" پپو نے بسور کر کہا تھا۔ فیفا کو ہنسی آ گئی۔ وہ دوسرا شاہنواز تھا۔ اپنے گھر کا سالن اسے پسند نہیں آتا تھا سو اکثر ہی پپو پلیٹ اٹھائے ان کے گھر آ جاتا۔

"میں واپس نہیں آ سکتی۔ بھلا اکیلی کیسے رہوں گی۔ ڈر لگے گا مجھے۔" فیفا نے اس کے گال تھپتھپا کر کہا۔

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" پپو نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کے پاس سو جایا کروں؟"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" فیفا نے نفی میں سر ہلایا۔

"مگر کیوں؟" پپو بسورا۔

"پھر تمہاری امی اکیلی کیسے رہیں گی۔ انہیں ڈر لگے گا۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔ میرا بھائی بھی ڈرتا رہے گا۔" وہ بڑے پن سے بولا۔

"اچھا، آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاؤں۔ امی نے پوچھا۔ چائے یا پھر شربت۔" پپو کو یقیناً آداب ہمسائیگی ادا کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا۔ فیفا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اپنی امی کو شکریہ کہہ دینا۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں۔ پھر آؤں گی تو تمہاری امی سے بھی ملوں گی۔" وہ اسٹور روم کو تالا لگا رہی تھی۔ پپو کو شاید کھیلنے کے لئے جانا تھا۔ سو وہ سر ہلا کر بھاگ گیا۔ فیفا ابھی لاؤنج میں ہی کھڑی تھی۔ جب گیٹ پر لمبی سی چمکیلی گاڑی آ رکی برآمدے میں کچھ متحیر سی کھڑی شخصیت کو دیکھ کر عفیفا مختار کو زمان و مکان بھول گے تھے۔

"تم" فیفا کے لبوں سے چیخ نما آواز برآمد ہوئی ہاں...... وہ مسکرا دی تھی۔ بہت ہی دلکشی سے

ساتھ۔ "اس میں اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو۔ میں ملک سے گئی تھی، مگر دنیا سے تو نہیں مگر اس میں تمہارا ابھی بھلا کیا قصور ہے۔ تم لوگوں کو جو بتایا گیا۔ وہ ہی تم لوگوں نے ٹھیک سمجھا اور میری غائبانہ فاتحہ پڑھ کر پرسکون ہو گئے۔ چلو، خس کم اور جہاں پاک۔ یہ تو تمہارے تصور میں بھی نہیں ہوگا کہ میں زندہ ہوں اور سانس بھی لیتی ہوں مگر ان سانسوں کے بوجھ کو سنبھالنا بڑا مشکل تھا۔

میں نے دس سال انتظار کیا ہے۔ طویل ترین، تھکا دینے والا انتظار...... اور میں آج تمہارے سامنے ہوں۔ تمہاری کہی گئی باتوں کو جھٹلانے کے لئے۔ تم نے کہا تھا نا اور چار سال گزرنے کی دیر ہے۔ یہ محبت کا جنون جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا اور تم نے کہا تھا بھول جاؤ گی زوبی! کہ تم نے کبھی کسی سے محبت بھی کی تھی۔ مگر میں تمہیں آج بتانا چاہتی ہوں کہ اوائل عمری میں لگا دل کو محبت کا پہلا روگ رب کی قسم تمام عمر نہیں بھولتا۔ میرا کردار ان دس سالوں میں بے داغ رہا ہے۔ میری زندگی میں کوئی اجنبی میرے دل کے مقام تک نہیں پہنچا۔ اللہ کی قسم! میرے دل کے ایوانوں میں ایک دفعہ جھانک کر دیکھ لو۔ تمہارے ماموں زاد کا عشق آج بھی اول روز کی طرح موجود ہے اور اس عشق کی گرمی نے دس سال تک مجھے ایک سرور بخش انتظار میں باندھے رکھا تھا۔" فیفا پتھر کا گویا بت بنی کھڑی تھی اور اس کی نظریں زوباریہ کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتے آنسوؤں پر گویا جم کر رہ گئیں۔

"برابر والے گھر میں کون رہ رہا ہے۔ ماہیر کہاں چلا گیا؟ مجھے بتا دو فیفا میرا دل پہلے ہی اندیشوں کا مارا ہوا ہے۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بہت طویل سفر تھا...... کاش کبھی کوئی اس پل صراط سے نہ گزرے۔ مجھے میری ماں نے ایک قسم اور وعدے میں باندھ کر رکھا تھا۔ مگر جب آنکھیں جدائی کا عذاب سہتے سہتے تھک گئی تھیں۔ صبر کا جام میرے ہاتھ سے گر پڑا تو میں نے الٹے قدموں دوڑ لگا دی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ ان دس سالوں میں ماہیر کتنا کھلش ہوا ہے۔ وہ کس منصب پر ہے؟ وہ کیا کرتا ہے! اس نے معاشرے میں اپنا کیسا مقام بنایا ہے؟ میں کچھ بھی تو نہیں جانتی۔ بس میرے دل کو اتنی خبر ہے کہ اگر ماہیر عالم گدا گر بھی ہوا تو میں اس کے ساتھ مل کر کشکول پکڑ لوں گی۔ میری محبت کی انتہا بس یہیں تک ہے۔ اللہ کا واسطہ دیتی ہوں۔ مجھے انتظار کا کوئی اور کرب مت بتانا جس کے ورد میں میری سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے۔" فیفا نے ایک اور قیامت منظر دیکھا تھا۔ زوباریہ اب اس کے قدموں میں بیٹھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے پیروں پر رکھ دیئے۔

"مجھے بتاؤ، میرا ماہیر کہاں ہے؟" وہ سسکتی جا رہی تھی۔

"جان کر کیا کرو گی زوباریہ!" فیفا نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"ماہیر عالم کب تمہارا ہوا تھا؟ وہ تو اول روز سے ہی کسی اور کا اسیر ہے۔ کیوں خود کو برباد کر رہی ہو۔"

"کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کے دل میں کسی اور کی محبت ہے۔ میرے لئے ماہیر عالم کا حصول ہی کافی

ہے۔" اس کے آنسوؤں نے فیفا کے پیر بھگو دیئے تھے۔ فیفا گویا کانپ کر جھکی تھی۔

"زوباریہ! تم بھی نا۔" فیفا کو لگ رہا تھا کہ آج بھی وہ اکیس سالہ زوباریہ کو دیکھ رہی ہے۔ اس کے سامنے پونی ٹیل جھلاتی اکیس سالہ زوباریہ ہی کھڑی تھی۔ جذباتی، جنونی، دیوانی، پگلی۔

"میں پاگل ہوں مگر اسے پاگل نہیں کر سکی۔" اس کے چہرے پر افسردگی کی گرد چھائی ہوئی تھی۔

"بتاؤ نا، ماہیر یہ گھر چھوڑ گیا ہے؟ اب وہ کہاں ہے؟ یقیناً تم جانتی ہوگی۔" بے قراری اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ فیفا کا دل گویا مٹھی میں آ گیا۔

"مم، مجھے خبر نہیں۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"یوں جھوٹ تو نہ بولو، مانا کہ ہمارے درمیان دوستی کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ مانا کہ میری خود غرضی مجھے تمہارے جیسی اچھی دوست سے بہت دور لے گئی تھی۔ مگر جھوٹ تو تم نے تب بھی کبھی نہیں بولا تھا۔" زوباریہ پیاسی نظروں سے برابر والے گھر کو دیکھ رہی تھی۔ ان نگاہوں کی سرخیوں نے عفیفا کو اک نامعلوم سے خوف میں مبتلا کر دیا۔

"زوباریہ! تم کیوں ان اونچے نیچے راستوں پر پلٹ آئی ہو؟"

"اس لئے کہ ان راستوں کی گرد آج بھی میری آنکھوں میں اڑ رہی ہے۔ مجھے انہی راہوں پر پلٹنا تھا کہ میرا دل انہی گلیوں اور کوچوں کے درمیان بھٹک رہا ہے۔" وہ گویا بیچ بیچ تھک کر ٹوٹ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا اس کے سامنے مٹے مٹے حروف والی ایک کتاب کھلی ہے۔ جس کے ہر صفحے پر آنسوؤں کے نشان تازہ ہیں۔ شاید اس لئے کہ یہ آنسو خون کے آنسو تھے۔ اور ان آنسوؤں کے نشان کبھی مٹ نہیں سکتے تھے۔

"زوبی! اپنے اس نادان دل کو سمجھا لو۔ طلب عشق کی اس آگ کو بجھا ڈالو۔ یہ کام ذرا سا مشکل ہے۔ رائی کے دانہ کے برابر مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ تمہارا دل ایک لاحاصل طلب میں فنا ہو رہا ہے۔ جھلس رہا ہے۔ اس بے کار شوق تمنا کی زنجیروں سے خود کو آزاد کیوں نہیں کر لیتیں۔ ماہیر عالم نہ کل تمہارا کبھی تھا نہ آج تمہارا ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ تم صبر کر لو اس چیز پر جو ازل سے اللہ نے تمہارا مقدر میں لکھ دی ہے۔ خواہ وہ نفع ہے یا ضرر، آرام ہے یا سختی، آسانی ہے یا تنگی، محبت کا حصول ہے یا کاسہ دل کو ہمیشہ خالی رہنا ہے۔ اس معاملے میں صبر کر لو، دیکھو، صبر سے بڑی کوئی دوا نہیں۔" فیفا گویا تڑپ کر اس کی خالی خالی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔ جن میں آج بھی نو سال پہلے والا جوش اور طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"نہیں فیفا! صبر دوا نہیں، زہر کا پیالہ ہے۔ نو سال سے ہر روز آنکھیں بند کر کے پیتی رہی ہوں۔ مگر اس زہر نے میرے دل میں لگی آگ کو ٹھنڈا تو نہیں کیا۔ بلکہ روز روز بھڑکایا ہے۔ ہر روز یہ آگ اپنا ایک نیا رنگ بدل لیتی تھی۔ میں کیا کروں، میرے اردگرد آ گیا اور دھوئیں کی لپیٹیں اٹھ رہی ہیں اور یہ آگ دیدار کے بعد ہی ٹھنڈی ہوگی۔ مجھے بتا دو، ماہیر عالم کہاں ہے؟ تم نہیں بتاؤ گی۔ تب بھی میرا یہ دل مجھے ان راہوں کی طرف لے جائے گا جہاں پر ماہیر کے قدموں کے نشان ابھی باقی ہیں۔ میں اس کی خوشبو سے اسے ڈھونڈ لوں گی۔ تم نہ بتاؤ گی تو بھلا کیا فرق پڑے گا۔" وہ دھیمے سے انداز میں مسکرائی تھی۔ تاہم اس کی آنکھیں اب بھی رو رہی تھیں۔

"تم نہ بتاؤ گی تو بھلا کیا فرق پڑے گا۔ میرے وجود کا روم روم ایک دعا کا ورد کر رہا ہے۔ کیا میں اللہ کی اس قدر ناپسندیدہ ہوں کہ وہ میری ایک دعا کو قبولیت کا شرف نہیں بخش سکتا۔ اس کے باوجود کہ میں نے نو سال ایک سجدے کے عالم میں سر جھکائے گزار دیئے ہیں۔ کیا میں پوری کائنات میں سب سے زیادہ اس کی ناپسندیدہ ہستی ہوں جو وہ میری ہر دعا اور ہر عبادت کو ٹھکرا رہا ہے۔" زوباریہ سانس روکے، نظر آسمان پر جمائے سسک رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی زمین پر رکھے تھے اور وہ فیفا کے اٹھانے کے باوجود بھی نہیں اٹھنا چاہ رہی تھی۔

"اللہ اپنے کسی بھی بندے سے نفرت نہیں کرتا۔ وہ تو ہر ایک کو نوازتا ہے، وہ بھی جو اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور وہ بھی جو سرے سے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ پگلی! تمہاری دعا ٹھکرائی نہیں گئی بلکہ وہ رحمان رب تمہیں وہ ہی چیز عطا کرنا چاہتا ہے جو تمہارے لئے بہتر ہے بہترین ہے۔ اس کے ہر کام میں بہتری اور مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ماہیر عالم کا نہ ملنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا تو پھر تم اپنے اس نادان دل کو سمجھا کیوں نہیں لیتیں۔" فیفا نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھام لیا تھا۔ عام سے نقوش سے سجا یہ چہرہ اتنا ساحر تو نہیں تھا کہ ماہیر عالم گھڑی بھر کے لئے بھی ٹھہر جاتا۔ ہاں اس عام سے چہرے والی زوباریہ کا دل نہ جانے کس چیز سے بنایا گیا تھا۔ مگر اس دل میں کبھی ماہیر عالم نے جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر ایک دفعہ بھی وہ زوباریہ کے دل میں جھانک لیتا، اس دل میں چھپی محبت کو چھو لیتا تو ماہیر عالم شاید پتھر ہی ہو جاتا اور حریم جمال کی طرف جانے والے اس کے سارے راستے کھوٹے ہو جاتے۔

"وہ لمحہ بھر کے لئے اس موڑ پر رکتا تو سہی، اللہ کی قسم! میرے عشق کی آگ اور اس کی تپش ماہیر عالم کے دل تک نہ پہنچتی تو زوباریہ درانی ایک دفعہ پھر سے موت کو گلے لگا لیتی یا ہمیشہ کے لئے خود کو دریاؤں کے حوالے کر دیتی۔" کیسا یقین بول رہا تھا اس کے لہجے میں اور وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ اگر ماہیر عالم اس کے عشق کی گرمی کو محسوس کر لیتا تو کسی اور طرف اس کے قدم اٹھ ہی نہیں سکتے تھے۔

"ماہیر کہاں ہے فیفا؟" وہ ایک دفعہ پھر برابر والے مکان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جسے اب کوئی اور مکین آباد کر چکے تھے۔

"وہ یہ گھر چھوڑ چکا ہے۔" فیفا کی آواز دکھ کے احساس سے بوجھل ہو گئی تھی۔

"اس نے یہ گھر چھوڑ دیا مگر کیوں؟" وہ بے قراری تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

"شاید اس لئے کہ زمیلہ کو کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔ یا شاید اس لئے کہ مامی کو خوف لاحق تھا۔ زرق برق کپڑے والے ایک دفعہ پھر سے گھر کی چوکھٹ کو پکڑ کر موبی کو لینے کا مطالبہ نہ کر دیں۔ یا شاید اس لئے کہ ماہیر عالم نہیں چاہتا تھا کہ کوئی زوباریہ درانی ایک دفعہ پھر سے اس کے دل کا در کھٹکھٹانے پہنچ جائے۔" فیفا کی آواز میں خزاؤں کی خشکی بھر گئی۔

"اور شاید اس خوف سے بھی کہ میری متواتر دستک کے جواب میں ماہیر کو کواڑ کھولنے ہی نہ پڑ جائیں۔" زوباریہ روئی روئی آنکھوں سے مسکرا دی۔

"اس کے دل کے کواڑ کبھی نہیں کھل پائیں گے زوباریہ! کیوں خود کو تھکا رہی ہو۔ تم تو محلوں کی شہزادی ہو۔ کس غم کو سینے سے لگا بیٹھی ہو جھلی۔" فیفا اس کی قیامت آنکھوں میں دیکھ کر کانپ گئی۔

"اسے ایک نہ ایک دن تمام دریچے کھولنے ہوں گے اور تم دیکھ لینا ایسا ہو کر رہے گا۔ ماہیر عالم میری محبت کی شال کو اوڑھ لے گا اور زندگی درانی ہاؤس میں گویا کھل کر سانس لے گی۔"

"زوبی! مت دیکھو ایسے خواب، جن کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ کوئی تعبیر۔" فیفا گویا لرز لرز گئی۔

"اس دفعہ یہ خواب، حقیقت کا رروپ دھار لیں گے۔ تم دیکھ لینا، ماہیر کو میرا بننا ہی ہوگا اور اس کی خاطر مجھے کئی محاذوں پر لڑنا پڑا تو میں دل اور جان کی بازی لگاؤں گی۔ یا تو یہ دل ہار جائے گا یا جان ہار دوں گی۔ اس دفعہ میں نامراد نہیں رہوں گی۔ یہ میرا خود سے نہیں اپنے دل سے وعدہ ہے۔" اس کے لہجے میں آن کی آن میں چٹانوں کی سی سختی در آئی۔

"زوبی! تجھے اللہ کا واسطہ دیتی ہوں۔ واپس لوٹ جاؤ میری جان! یہ دیس یہ نگری تمہارے جیسے لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ مت اپنے آبگینے جیسے دل کو مٹی میں رولو۔" فیفا نے لب کچلتے ہوئے گویا التجا کی۔

"میں نے اپنا دل عالم سرخوشی میں ماہیر کے قدموں تلے رول دیا ہے اور مجھے ذرہ بھر افسوس بھی نہیں۔" وہ گویا کسی اور ہی جہان میں گم تھی۔

"میرے عشق کا بھار اگر تیرے دل پر پڑے فیفا! تو یقین جانو، تمہارا دل اس بوجھ تلے دب کر چلا جائے۔ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔ اگر میں اپنی محبت کا راز تمہاری آنکھوں میں بھر دوں تو تمہاری آنکھیں اس راز کو برداشت نہ کر پائیں، ان کے سوتے سوکھ کر اس حد تک خشک ہو جائیں کہ آنکھوں کو دیکھ کر بنجر زمین کا گمان ہونے لگے۔ میں اپنے عشق سے لبالب بھرا جام تمہارے سامنے رکھ دوں تو تیری عمر بھر کی پیاس ختم ہو جائے۔ اگر میں اس عشق کا بھید کسی رواں چشمے میں ڈال دوں تو رب کی قسم، وہ پانی آگ بن کر بھڑک اٹھے۔ پھر بھی تم کہتی ہو کہ میں اسے بھول جاؤں۔ تو میں اسے بھولنے کے لئے بھی تیار ہوں۔ مگر میرا اللہ اس دل سے ماہیر عالم کے عشق کی گرمی کو کیوں نہیں نکالتا۔ میں تو چاہتی ہوں کہ میرا دل سرد خانہ بن جائے۔ مر جائے، ختم ہو جائے مگر مجھے یوں رسوا تو نہ کرے۔" وہ ایک دفعہ پھر سے بے آواز رونے لگی تھی۔

"ماہیر کہاں ہے فیفا۔ تجھے بتانا ہی ہوگا۔" وہ فقیروں کی طرح التجا کر رہی تھی۔

"ماہیر کی شادی ہو چکی ہے زوباریہ!" بالآخر عفیفا کو بتانا ہی پڑا اور زوباریہ اس طرح سے ساکت ہو گئی تھی گویا اس کے جسم میں جان تک باقی نہیں تھی اور اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا گویا کسی کپڑے کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر بے دردی سے پھاڑا جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کی شفاف سطح ایسے ہی کپڑے کی طرح پھٹ گئی تھی۔

"ماہیر کی شادی ہو گئی۔" زوباریہ کے لبوں کی جنبش نے فیفا کو کپکپا کر رکھ دیا۔

"ماہیر نے شادی کر لی۔ اس لئے کہ وہ مجھے مردہ تصور کر چکا تھا۔ میری ماں نے مجھ پر فاتحہ خوانی کروا دی تھی۔ ماہیر نے شادی اس لئے کر لی تھی کہ وہ مجھے مرا ہوا سمجھ چکا تھا۔ بتاؤ نا فیفا! اسی لئے ماہیر نے شادی کی ہے نا۔" وہ ایک دفعہ پھر ہاتھ باندھے التجا کر رہی تھی، پوچھ رہی تھی۔ اپنے جلتے بلتے دل پر تسلی کے

پھاہے رکھنا چاہتی تھی۔ فیفا ایک شدید مشکل کا شکار ہو گئی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ زوبی کو کون سا جھوٹ بول کر دلاسا دے۔

"ہاں، شاید۔" اس کا انداز مبہم سا تھا۔ وہ اسے بتا نہیں سکی تھی کہ ماہیر کو تمہاری زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تمہارے مر جانے کی خبر سن کر بھی کسی چیز نے اسے چونکایا نہیں تھا۔

"تو پھر مجھے اسے بدعہد نہیں کہنا چاہئے۔ ماہیر کا اس میں بھلا کیا قصور، شادی تو اسے کرنا ہی تھی۔ اسے کیا خبر کہ میں زندہ ہوں۔ میری ماں نے مجھے صرف اسی لئے مار دیا تھا کہ ماہیر خود کو آزاد سمجھے اور وہ کسی اور سے شادی کر لے۔ تاکہ میں جب واپس آؤں تو مایوس ہو جاؤں۔ مگر میری ماں نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ میں ماہیر عالم کے لئے دریاؤں کے رخ موڑ سکتی ہوں۔" وہ ایک دم ہی گویا بپھر گئی تھی۔

"میری ماں نہ جانے کس بھول میں ہے۔ اپنے تئیں انہوں نے بہت اچھی چال چلی ہے۔ مجھے بھجوا دیا۔ لوگوں کی نظروں میں مجھے مار بھی دیا تاکہ ماہیر کسی اور کو زندگی کا ساتھی بنا لے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتیں کہ میں آج تک خود کو ماہیر کا پابند سمجھتی ہوں یہ دیکھو ماہیر کے نام کی انگوٹھی، جو میری ماں نے مجھے اس تیسری انگلی میں پہنائی تھی۔ آج بھی اسی تیسری انگلی میں موجود ہے۔ نو سال ہو گئے ہیں۔ صبح و شام اس انگوٹھی کو دیکھ دیکھ کر خواب بنتے ہوئے۔ کیسے نوچ کھسوٹ کر ان خوابوں کو تہس نہس کر دوں؟" اس نے ایک دم دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ زمین پر اپنی پیشانی پٹخ رہی تھی۔ یہاں تک کہ خون کی بوندیں اس کے ماتھے سے ابل ابل کر نکلنے لگیں۔

"ممی! آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اس کا ماتھا فرش کی پتھریلی سطح سے بری طرح ٹکرائے جا رہا تھا۔ سرخ سرخ صحت مند خون کے دھبے دھبے جا بجا فرش پر چمکنے لگے تھے۔ فیفا کے وجود میں گویا بجلی بھر گئی۔

"زوبی! پاگل ہو گئی ہو؟ کیا کر رہی ہو؟ اٹھو یہاں سے۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہتی تھی۔

"ہاتھ نہ لگانا مجھے...... جل کر خاک ہو جاؤں گی فیفا! بھانبھڑ اٹھ رہے ہیں میرے وجود میں۔ میں عورت نہیں کوئلوں کی بھٹی ہوں۔ بہت آگ بھری ہے مجھ میں، نہ جانے کون کون اس آگ کی لپیٹ میں آئے گا؟ نجانے کون کون راکھ کا ڈھیر بنے گا؟ اگر زوباریہ درانی ننگے سر اور ننگے پاؤں دھوپ میں جلی ہے تو ماہیر عالم کی محبت کا روپ کسی اور کو بھی بخشنے نہیں دوں گی۔ جواں بختی کا تاج اگر زوباریہ درانی نہیں پہن سکی تو پھر کوئی اور بھی ماہیر عالم کی محبت کے تاج کا حق دار نہیں ہو پائے گا۔ اس کا ماتھا بری طرح سے زخمی ہو گیا تھا۔ فیفا بوکھلا کر اپنا دوپٹہ اس کی پیشانی پر رکھنے لگی تھی۔ تاکہ بھل بھل نکلتے خون کو دوپٹے میں جذب کر سکے مگر زوباریہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"نہیں فیفا! مت چھونا مجھے، کہیں میرے نصیب کی گرمی تجھے جھلسا کر نہ رکھ دے۔" پیشانی سے بہتا خون ایک لکیر کی صورت میں اس کے گالوں پر بہنے لگا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون نکل رہا ہے۔

"اگر زوباریہ درانی بامراد نہ ہوئی تو کسی اور کو بھی مراد پانے نہیں دوں گی۔ یہ جنگ اب ماہیر کے

حصول تک محدود نہیں رہی۔ یہ جنگ میری ماں کے اور میرے درمیان ہے۔ مجھے دنیا کی نظروں سے مار کر انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ ماہیر کو مجھ سے دور کر کے انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ بہت اچھا ڈرامہ ڈائریکٹ کیا ہے محترمہ تابندہ فلک ناز نے۔ اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہونا باقی ہے۔ دیکھو، کس کس کی آنکھ خواب دیکھتی ہے اور کس کس کی آنکھ عذاب دیکھتی ہے۔ میرے حصے کے عذاب اب کسی اور کی جھولی میں پڑنے والے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں ایک بپھر جانے والا طوفان دکھائی دے رہا تھا۔ یوں کہ عفیفا کی روح تک جھنجھنا اٹھی تھی۔ ادھر زوباریہ خون آلود فرش پر ننگے پیر کو رگڑنے کے بعد ناک کی سیدھ میں پلٹ رہی تھی۔

اس کے پیروں کی جوتیاں اسی جگہ پڑی تھیں جہاں خون کے دھبے اب جمنے کے قریب قریب تھے۔ فیفا کی نظر اس کے خون آلود پنجوں کے نشان دیکھ رہی تھی اور اس کا دل دور بہت دور کسی کنویں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ کسی کھائی میں گر رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ ماہیر اور حریم کو اس بپھرے طوفان کی زد میں آنے سے بچا لے مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ طوفانوں کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا اور طوفان جب بھی آتے ہیں۔ تباہی بربادی کے سندیسے لے کر ہی آتے ہیں۔ وہ پورب کی طرف سے امڈ آنے والے اس جاہ و جلال لئے امڈنے والے طوفان کو دیکھ کر خدا کے حضور ہاتھ پھیلائے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ بعض گھڑیاں قبولیت کے درجات سے بہت دور ہوتی ہیں۔

............*

"ماں ہو کر آپ نے مجھے ناگن کی طرح ڈسا ہے ممی آپ میری ماں نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ آپ تو کسی کی بھی ماں نہیں ہو سکتیں۔ نہ میری نہ زرجان کی۔" محترمہ تابندہ ناز اس وقت اپنے سٹڈی روم میں موجود تھیں۔ وہ بڑی اہم فائل کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ آج ان کا قیام درانی ہاؤس میں تھا۔ جب ایک دم ہی ملازمہ پھولی سانسوں سمیت سٹی روم کا دروازہ دھاڑ سے کھولے اندر داخل ہوئی تھی۔ ابھی وہ ملازمہ کو اس بدتہذیبی پر ٹوکنا چاہتی تھیں جب ملازمہ نے سانس روکے گویا ان کی سماعتوں پر دھماکہ کیا۔

"بیگم صاحبہ! ہنی بی بی واپس آ گئی ہیں۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔ ہنی کس طرح واپس آ سکتی ہے۔ مجھے بتائے بغیر، میری اجازت کے بغیر۔" وہ بے ربط سا بولتی بدحواسی سے کھڑی ہوئی تھیں یوں کہ ان کے نازک...... گلاسز، فائل اور قیمتی، نفیس سا قلم زمین بوس ہو گیا تھا۔

"ہنی آ چکی ہے ممی۔" وہ بڑے نپے تلے قدم اٹھاتی روم میں داخل ہوئی۔

"اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہیں۔ قبر سے مردے اٹھ کر واپس نہیں آتے اس لئے۔ ویسے بات تو حیرانی کی ہے میں عالم بالا سے بھلا واپس کیسے آ گئی ہوں۔ اس گھر کے نوکر بھی حیران نہ ہوں، خوفزدہ نہ ہوں مجھے دیکھ کر۔ آج سے پہلے انہوں نے بھی کبھی نہیں سنا ہوگا کہ دوسری دنیا سے بھی کوئی لوٹ کر آ سکتا ہے۔" اس کے لبوں سے سانپ کے مشابہ پھنکار برآمد ہو رہی تھی۔

"ممی! اپنے گھر کے نوکروں کو بتائیں نا کہ یہ دنیا بڑی عجیب شے ہے۔ یہاں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ یہاں پر کسی کو بھی دھوکا دینا بہت آسان ہے۔ اسی لئے تو کبھی کبھی اولاد، والدین کو دھوکا دیتی ہے،

...باپ اپنے بچوں کو بھی فریب دے لیتے ہیں۔ یہاں کچھ بھی انہونا نہیں ہوتا۔ ہر چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔" اس کے لبوں سے گویا تیزاب جیسے الفاظ نکل رہے تھے۔ تبھی تو محترمہ تابندہ فلک ناز گم سم ہو کر رہ گئی تھیں۔ زوباریہ کی واپسی ان کے لئے کسی شاک سے کم نہیں تھی۔ ان کا ذہن ہر قسم کے سگنل پکڑنے سے ...ہو رہا تھا۔ ابھی تک ان کے فہم میں یہ بات نہیں سما رہی تھی کہ زوباریہ بغیر اطلاع دیئے واپس بھی آ سکتی ہے۔

"بہت اچھا ڈرامہ تحریر کیا تھا آپ نے ممی! میں آپ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے آئی ہوں۔ ...کہانی کو آپ نے لکھا، ترتیب دیا اور پھر اسکرپٹ کچھ لوگوں کے ہاتھ میں تھما دیئے۔" وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی تھی۔ یوں کہ اس کی سلگتی سانسوں کی تپش ان کے چہرے کو جھلسائے دے رہی تھی۔ مگر ان کے لب یوں ایک دوسرے میں پیوست تھے گویا آج کے بعد کبھی کھلیں گے ہی نہیں۔

"میری ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ ماہیر کے گھر چلی گئیں۔ پھر آپ نے ایک بے نام سی انگوٹھی میری انگلی میں پہنا کر مجھے ماہیر عالم کے ساتھ باندھ دیا اور میں احمق اسی خوشی میں دیوانی ہو کر آپ کے ترتیب دیئے گئے ڈرامے کا ایک حصہ بنتی چلی گئی۔ میں آپ کے اصل مقصد کو سمجھ ہی نہیں پائی۔ آپ کا مقصد صرف مجھے ایک انگوٹھی تھما کر محض بہلانے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مجھے منظر سے ہٹا کر آپ نے اپنی اکلوتی بیٹی کو مردہ مشہور کر دیا۔ مگر میں اکلوتی کہاں ہوں۔ آپ کے تو پہلے سے تین بیٹے موجود تھے۔ ایک زوباریہ کے نہ ہونے سے بھلا کیا فرق پڑتا تھا۔ آپ کی خواہش تو پوری ہو گئی تھی۔ مجھ سے وابستہ ان دو لوگوں نے مجھے مردہ سمجھ کر شکرانے ادا کیے ہوں گے۔ آپ تو صرف ماہیر تک میری موت کی خبر پہنچانا چاہتی تھیں سو آپ کا یہ مقصد بھی کامیاب رہا۔

اور ادھر آپ آج تک مجھے جھوٹے دلاسے دیتی رہی ہیں۔ آپ کہتی تھیں نا کہ تقریباً روزانہ آپ کی ماہیر سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ بہت محنت کر رہا ہے۔ اسے اپنے گھر والوں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہونا ہے۔ ابھی کل رات کو آپ مجھے بتا رہی تھیں کہ آپ ماہیر سے ملاقات کر کے آ رہی ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ آپ تو زوباریہ کے ماہیر کی شکل تک بھول چکی ہے۔

اس کے نقوش تک آپ کو یاد نہیں آج اگر وہ آپ کے سامنے آ جائے تو آپ اسے ہرگز بھی پہچان نہیں پائیں گی۔ بھلا کیڑے مکوڑے جیسے حقیر لوگ آپ کے حافظے میں کس طرح سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ تو آج مجھے اتنا بتا دیں کہ کیوں آپ نے میرے ساتھ جھوٹ کی اتنی داستانیں نتھی کر دی تھیں۔ آپ کے جھوٹ کا پول کھل گیا ہے ممی! نو سال مجھے انتظار کی سولی پر لٹکانے کا بہت بہت شکریہ۔ نو سال تک ...دیا آپ نے میرے ہاتھ میں تھمائے رکھا۔ نو سال تک میرا دل خوش فہمیوں کے ہنڈولے میں ...نو سال تک میں اسی خوش گمانی میں گم رہی کہ ماہیر عالم میرے لئے اپنے گھر والوں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہونے کی تگ و دو کر رہا ہے۔ میں اس کے نام کا ورد کر رہی ہوں اور وہ میرا پابند ہے۔ وہ ...نہیں دیکھ پائے گا۔ اس لئے کہ وہ بدعہد نہیں ہے۔ قول نبھانے والا ہے۔ وہ اس نام نہاد منگنی کو قبول کر چکا ہے۔ مگر میں جانتی تک نہیں تھی کہ میری ساری خوش فہمیاں میرے منہ پر آن پڑیں

گی۔‘‘ اس کی آنکھیں اب آنسوؤں سے خالی تھیں۔ ایک قطرہ بھی نمی کا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

’’میں صرف اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ ماہیر چاہے گھر کو بسائے یا دل کو، وہ کل بھی میرا تھا۔ وہ آج بھی میرا ہے اور میں اسے کسی اور کا ہونے نہیں دوں گی۔ ایک دفعہ آپ کی سازش نے اسے مجھ سے چھین لیا تو اور دوسری مرتبہ وقت نے۔ اب کے جو بھی میرے راستے کی دیوار بنا سب بھسم ہوتا جائے گا۔ آپ سے صرف اتنی گزارش ہے، براہِ مہربانی میرے معاملات پر نظر رکھنے کی ضرورت نہیں، کل سے میں آفس جوائن کرلوں گی۔ اپنے بزنس کی دیکھ بھال میں خود کروں گی۔ بہت عرصہ آپ نے حکومت کی ہے۔ اب کسی اور کو بھی سلطنت کی سمجھ بوجھ میں حصہ لینے دیں۔‘‘ وہ زہر خند لہجے میں بولتی بہت اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔ محترمہ تابندہ فلک ناز کا دل گویا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ وہ آگے بڑھ کر زبردستی اسے خود میں بھینچ چکی تھیں۔

’’میری جان! میری زوبی، میری بنی! میں نے جو کچھ بھی کیا، تیری بھلائی کے لئے کیا ہے تجھے کسی بھی آزمائش سے بچانے کے لئے کیا۔ میری جان! مجھے غلط مت سمجھو۔ میرا یقین کرو۔ مجھ سے بدگمان مت ہو۔ مجھے جو مناسب لگا میں نے وہ ہی کیا۔ اگر تجھے مارنے کا ڈرامہ نہ رچاتی تو شاید ماہیر کے گھر والے آج تک تجھے اس کے ساتھ منسوب سمجھتے۔ مگر میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ جب میں نے ماہیر کے نام کی انگوٹھی اس کی ماں کے ہاتھ سے اتار کر تجھے پہنائی تھی تب میں نے ماہیر کے سٹیٹس تک سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ اس کی غربت کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ میں جمشید کی کہانی دوہرانا نہیں چاہتی تھی۔ میں کسی غریب شہزادے کے حسن سے متاثر ہوکر اپنے باپ کی طرح تیری زندگی کو جہنم نہیں بنانا چاہتی تھی مگر تیری محبت نے...... مجبور کر دیا تھا۔ میں دل سے یہ رشتہ قائم کرکے آئی تھی مگر پھر کیا ہوا؟ نو سال پرانی بات ہے مگر میرا حافظہ اب اتنا بھی کمزور نہیں ہوا کہ کچھ باتیں بھی یاد نہ رکھ سکوں۔

تمہاری بات سچ ہے کہ میں نے ماہیر کو صرف ایک دفعہ دیکھا تھا۔ پھر اس کے بارے میں معلومات بھی اکٹھی کی تھیں۔ مگر مجھے واقعی اس کی شکل بھول گئی ہے۔ بس ایک چیز میری یادداشت سے کبھی بھی نکل نہیں سکی۔ کاش میں یہ بات بھی بھلا دیتی مگر ایسا نہیں ہوسکا۔‘‘ وہ اس کی زخم زخم پیشانی کو بوسے دیتی بول رہی تھیں اور زوباریہ ابھی تک پتھر کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے سانس تک روک رکھا تھا۔

’’پتا ہے کیا ہوا؟‘‘ ان کی آنکھوں میں سرخیاں گہری ہونے لگیں۔

’’ایک روز بلا ارادہ ہی میں ماہیر کے گھر چلی گئی۔ نہ جانے کیوں؟ کس لئے؟ کیا وجہ تھی۔ بس میرے دل میں ایک بات سمائی تھی اور میں نے گاڑی کا رخ ان چھوٹی چھوٹی گلیوں کی طرف موڑ لیا۔ مجھے دیکھ کر ماہیر کی ماں پہلے کی طرح تپ اٹھی تھی اور وہ میرا لایا ہوا سامان اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی۔ وہ مجھے برا بھلا کہہ رہی تھی اور میں بھی کمال ضبط کے ساتھ سنے جارہی تھی۔ جب وہ گالیاں دے دے کر ہانپنے لگی تو میری نظر نے ایک اور منظر دیکھا۔ کیا قیامت کا منظر تھا زوبی! عجیب سے احساس نے میرے دل میں اسی وقت چٹکیاں بھرنا شروع کر دی تھیں۔ وہ نوعمر بچہ، ماہیر کا چھوٹا بھائی تھا اور جانتی ہو، وہ کون تھا؟ ایک ٹیڑھا، ترچھے قدموں والا بے ڈھنگی چال والا۔ میرا دل نہ جانے کیوں بری طرح سے اوب گیا۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا۔ مجھے تمہارے لئے ایسے خاندان کا انتخاب نہیں کرنا تھا جس کی ہر نسل میں ایک ایسا بچہ مزید

ہوتا تھا۔ مجھے اس بچے سے نہ چاہتے ہوئے بھی کراہیت آنے لگی اور میں نے نام نہاد منگنی کو ختم کرنے کے لئے تمہاری موت کا شوشا چھوڑ دیا۔ میرا خیال تھا کہ ماہیر کی ماں محض دکھاوے کا غصہ دکھاتی ہے۔ درپردہ وہ راتوں رات امیر ہونے کے لئے بے قرار ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔

میری جان! میں نے صرف تمہاری بھلائی کے لئے ایسا قدم اٹھایا تھا۔ ورنہ تمہاری خوشی تو مجھے اپنی زندگی سے بھی عزیز ہے۔ میرا خیال تھا کہ گزرتے وقت کے ساتھ تم ضرور سنبھل جاؤ گی۔ جب تمہاری شادی ہوا پنی جذباتیت پر افسوس ہوگا۔ مجھے خبر نہیں تھی بیٹا! تم اور زرجان دو مختلف مردوں کی اولاد ہونے کے باوجود ایک سا دل اور ایک سے جذبات رکھتے ہو۔

میں ایک بدقسمت ماں ہوں جس کی اولاد نے عین شباب کے عالم میں اپنے شیشے جیسے دل کو نہ جانے کون کون سے روگ لگا رکھے ہیں۔ تم دونوں کی خوشی مجھے جس قدر عزیز ہے اسی قدر یہ خوشی لاحاصل نظر آتی ہے۔‘‘ وہ تھک کر گویا خاموش ہوگئی تھیں۔ مگر زوباریہ کے ساکت وجود میں جنبش نہیں ہوئی۔

’’ہنی! تمہارے ماتھے پر یہ زخم کیسے آئے؟ اب وہ بے قراری سے اس کی خون آلود پیشانی کو چھو رہی تھیں۔

’’ماتھے کا زخم اتنا گہرا نہیں ممی! اس زخم کی فکر مت کریں۔ بس ایک مرتبہ میرے زخم خوردہ دل کو دیکھ لیجئے گا۔ یہ کسی اور کی محبت خود میں سمونے کے قابل نہیں ہے۔ یہ ہر وقت پھوڑے کی طرح دکھتا ہے۔ اس جلتے بلتے دل کو قرار نہیں آتا۔ میرے دل کے زخموں پر مرہم رکھ دیجئے ممی! یا پھر کوئی ایسی دعا کریں کہ یا میں ماہیر کی محبت میں فنا ہو جاؤں یا پھر ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاؤں۔‘‘ وہ ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہی تھی۔ کبھی رونے لگتی اور کبھی ہنسنے لگتی۔ کبھی ایک دم بپھر جاتی تھی۔ وہ اس وقت متضاد کیفیات کا شکار ہو رہی تھی۔ تاہم عفیفا کے گھر سے واپسی کے دوران وہ اپنا تمام تر لائحہ عمل تیار کرچکی تھی۔ سو اب وہ نماز پڑھنے کے لئے وضو کر رہی تھی۔ وہ کچھ دیر سکون حاصل کرنا چاہتی تھی۔

تبھی تو اس نے جائے نماز پر بیٹھنے کے بعد پہلا سجدہ ادا کیا اور دل ہی دل میں ملن کی دعا بھی کی تھی۔ لگن سچی تھی، عشق خالص تھا، محبت باقی تھی۔ دعا میں رقت تھی۔ لبوں پر فریاد تھی۔ آنکھ میں آنسو تھے۔ دل سجدہ ریز تھا۔ رب رحیم کی عدالت میں سربسجود تھا۔ ہمیشہ کی طرح ہاتھ خالی تھے۔ جھولی خالی تھی۔ کشکول خالی تھا اور اوپر جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کا خالق...... ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ جو رگ و جان سے قریب تر ہے۔ کیسے نہ پکار کو سنتا کہ اس کا بندہ بھٹک بھٹک کر پھر سے اس کی طرف تو آتا تھا۔ ہر دفعہ خالی ہاتھ لوٹایا جاتا تو پھر وہ جاتا کہاں؟ اور کبھی کبھی وہ اپنے بندوں کو نواز کر بھی آزماتا ہے۔

اور جب اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو خوشی رنگ ماضی کی ایک جھلک نے اسے اپنی طرف بلا لیا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے فرش پر لیٹے لیٹے ہی آنکھیں موند لی تھیں۔ ذہن دور بہت دور سوچ کی انگلی تھام کر لڑکپن کو کھینچ لے آیا تھا۔ جب زوباریہ درانی نے محبت کے میٹھے میٹھے درد کو پہلی مرتبہ محسوس کیا۔

جب محبت نے اس کے دل پر پہلی پہلی واردات کی تھی اور وہ تتلیوں اور جگنوؤں کے دیس میں چپکے سے نکل آئی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب بنفشی دریچے میں کھڑا، مندی مندی آنکھیں کھولتا بند کرتا وہ نوعمر لڑکا سپاٹ سڑک پر جھانک رہا تھا۔ اس کی نیند سے بھری آنکھوں میں کسی کا انتظار چبھن دے رہا تھا۔ اس کی نوکیلی اوپر کو اٹھی ہوئی خوبصورت پلکوں سے سجی آنکھوں میں ہلکا ہلکا غصہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس غصے کی جھلک نے اس کی مغرور ناک کو کچھ اور بھی مغرور بنا دیا اور خوابناک آنکھوں کی سرخیاں کچھ اور بڑھ گئی تھیں۔ سورج کی گرم شعاعیں عین اس کے رخساروں پر سایہ فگن تھیں۔ تبھی تو اس کے سرخ و سفید گال دھوپ کی کٹیلی تپش سے دہک رہے تھے۔

یہ دو منزلہ مکان تھا۔ جس کی نچلی منزل کے سامنے بنی راہداری پر بھی چھت موجود تھی۔ راہداری کے آخری سرے پر موجود بڑا سا پھاٹک بند تھا۔

اوپری منزل کے واحد برساتی نما کمرے کا بنفشی دریچہ کھلا ہوا تھا اور وہ چہرہ بے زاری کی انتہا پر تھا۔ تھوڑی دیر بعد کالونی کی سڑک کے آخری سرے پر ایک لمبی سی چمکتی گاڑی آ رہی تھی۔ بیک ڈور خود بخود کھل گیا تھا۔ وہ پونی ٹیل جھلاتی گاڑی میں سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کا ڈرائیور ڈگی میں سے درمیانے سائز کی سپورٹس سائیکل نکال رہا تھا۔

وہ لڑکی اب سائیکلنگ کرتی ہوئی اسی بنفشی دریچے والے مکان کے قریب آ رہی تھی۔ یہ کالونی بسم اللہ چوک کے نام سے مشہور تھی۔ بنفشی دریچے والے مکان کے اور برابر والے گھر کے علاوہ اس پوری کالونی میں مکانوں میں جدت دکھائی دیتی تھی۔ کچھ گھروں میں تعمیراتی کام ابھی جاری تھا۔

چونکہ سہ پہر کا وقت تھا سو کالونی کی سڑکیں ابھی تک سنسان تھیں۔ وہ سائیکلنگ کرتی بنفشی دریچے کے عین سامنے آ رکی۔

"ماہی! ماہی، کہاں ہو؟ سامنے آؤ نا۔" وہ پنجوں پر وزن ڈالے اچک اچک کر دریچے میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ماہی کیا سو گئے ہو؟ بہت دھوپ ہے یار! سامنے آؤ نا۔" وہ مسلسل آوازیں دے رہی تھی۔ سورج گویا اس کے سر پر کھڑا تھا۔ شدید تپش گویا اس کے وجود میں گھس گئی تھی۔

"ماہی! کیا ٹیوشن پڑھنے نہیں جانا؟ آج چھٹی مارو گے کیا؟" جواب اب بھی ندارد تھا۔ کچھ سوچ کر وہ قدرے جھک کر زمین سے ایک پتھر اٹھا کر نشانہ باندھنے لگی تھی جب دریچے میں ایک دفعہ پھر بے زار بے زار چہرہ سج گیا۔

"کہاں تھے تم؟" وہ تنک کر پوچھ رہی تھی۔ پتھر ابھی تک اس کے بائیں ہاتھ میں تھا۔

"کب سے دھوپ میں کھڑی ہوں۔ پیاس کے مارے میرا حلق خشک ہو گیا ہے۔ واٹ یو ڈوئنگ؟"

"میں تربوز کھا رہا ہوں۔ کھاؤ گی؟" اسے دھوپ میں کھڑا دیکھ کر گویا بے زار بے زار اس لڑکے کے سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔ وہ بھی تو کب سے انتظار میں کھڑا تھا۔ سو اب حساب برابر ہو چکا تھا۔

"تم خود ہی فضول چیزیں کھاؤ۔ مجھے کوئی شوق نہیں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"میں تو کھا رہا ہوں، تم نہ کھاؤ۔" ماہیر اسے سرخ سرخ تربوز کے پیس دکھا دکھا کر کھا رہا تھا۔

"یہ اچھی حرکتیں نہ کرو اور فٹافٹ نیچے آؤ۔ میں دھوپ میں فرائی ہو جاؤں گی۔"

"میں تمہیں فون پر بتا چکا ہوں کہ مجھے آج ٹیوشن کے لئے نہیں جانا۔ تم کیوں آئی ہو؟ جب کہ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا۔" وہ تربوز کا آخری پیس اس کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ پیس ڈائریکٹ اس کی ناک پر لگا تھا۔ زوباریہ غصے سے بھنا اٹھی۔

"نان سینس۔" وہ اپنی ننھی سی ناک ہتھیلی کی پشت سے رگڑ رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتی فوراً کتابیں لے کر نیچے آ جاؤ۔"

"آج میں چھٹی پر ہوں سو تم اور فیفا دونوں چلی جاؤ۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"میں تمہیں لئے بغیر نہیں جاؤں گی۔" زوباریہ ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔ دھوپ کی تمازت سے پسینہ اس کے بالوں کی جڑوں میں سے بھی پھوٹ پڑا تھا۔

"مگر میں آج نہیں جا سکتا۔" ماہیر جھنجلا گیا۔

"وجہ۔" اسے اور بھی غصہ آ گیا۔

"آج میں نے جمال انکل کی طرف جانا ہے۔" بالآخر ماہیر کو بتانا ہی پڑا۔ بچپن سے زوباریہ جمال انکل کا نام سن رہی تھی مگر آج تک اس نام سے مانوس نہیں ہوئی تھی۔ جب بھی اسے جمال انکل کے گھر جانا ہوتا زوباریہ کو بے پناہ غصہ آ جاتا۔

"روز روز کسی کے گھر جانا اچھا نہیں ہوتا۔" وہ غصہ چھپانے کی کوشش میں ہلکان ہو گئی تھی۔ ایک تو اسے غصہ بھی بہت آتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب ماہیر کو کسی رشتے دار کے گھر جانا ہوتا۔

"کبھی تمہارے انکل بیمار ہو جاتے ہیں کبھی تمہاری پھوپھو بیمار ہو جاتی ہے۔ ان کی خبر گیری کے لئے ذرا بھاگ نکلتے ہو۔ جب کہ تمہاری میری پروا ہی نہیں۔" جب سے دھڑکنوں نے انداز بدلے تھے تب سے زوبی کو ماہیر کی بٹتی توجہ سے لاتعداد شکوے شکایات ہونے لگی تھیں۔

"تم بھی بیمار ہو کر دیکھ لو۔ تمہاری احوال پرسی کرنے بھی دوڑا دوڑا جاؤں گا۔"

"اچھا، نیچے تو آؤ نا۔" سخت کٹیلی دھوپ سے بے نیاز وہ ماہیر سے کچھ اور ساعتیں مانگ رہی تھی۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ وہ روزانہ ہی ڈرائیور کے ساتھ بسم اللہ چوک آ جاتی تھی اور پھر فیفا اور ماہیر کے ساتھ ہی اکیڈمی جاتی تھی۔ مگر ان دنوں اس کا مزاج نہ جانے کیوں چڑچڑا ہو رہا تھا اور نہ جانے کیوں فیفا ماہیر کی بے تکلفی بھی اسے سخت کھٹکنے لگی تھی۔

"ماہی! نیچے آ جاؤ نا۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔ زوبی کے علاوہ کسی اور کی بھلا کیا مجال تھی کہ ماہیر کے نام کو بگاڑ دیتا۔ بس زوبی نے ہی اس کے نام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

"کیا چھلانگ لگا دوں؟" وہ اس سے مشورہ مانگ رہا تھا۔

"ارے، نہیں تمہیں چوٹ لگے گی ماہی! اوپر سے کودنا مت۔" زوبی گھبرا کر بول اٹھی۔

"تو پھر کیا کروں؟" اس کا انداز پرسوچ تھا۔

"تمہیں اور فیفا کو اکیڈمی بھی تو چھوڑ کر آنا ہے۔"

"میں تو اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔ اپنی فیفا کی فکر کرو۔ تمہاری پھوپھو اسے اکیلا نہیں جانے دیں گی۔" زوبی نے منہ بنا کر کہا۔ اسی پل فیفا بھی کتابیں سینے سے لگائے برابر والے گھر سے نکل آئی۔

"تم آ گئی ہو زوبی۔"

"نہیں، راستے میں ہوں۔" زوبی نے تلملا کر جواب دیا۔ وہ سائیکل کے ہینڈل سے لٹکا اپنا کتابوں والا بیگ چیک کرنے لگی۔

"فیفا! کیا تم زوبی کے ساتھ اکیڈمی چلی جاؤ گی یا میں پیچھے آؤں؟" ماہیر فکر مندی سے پوچھ رہا تھا اور اس کی یہ فکر مندی زوبی کو قطعاً نہیں بھا رہی تھی۔

"فیفا کڈنیپ نہ ہو جائے، بہتر ہے تم ہی اسے اکیڈمی چھوڑ آؤ۔"

"تم اپنے ڈرائیور کو روک لیتیں۔ ہم دونوں اس کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔" فیفا اس کا طنز سمجھے بغیر سادگی سے بولی تھی۔

"ڈرائیور کی ایسی کی تیسی۔ میں خود پیچھے آ رہا ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ سچ مچ پیچھے آ چکا تھا۔ زوبی اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"کیا جمال انکل کی عیادت کے لئے نہیں جاؤ گے۔" وہ اسے مسلسل چھیڑ رہی تھی۔

"جاؤں گا ضرور جاؤں گا جمال انکل میرے ابو کے سب سے بہترین دوست ہیں۔ مجھے ان سے ملنا ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔" وہ بتا زوبی کو رہا تھا اور دیکھ فیفا کی طرف رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور فیفا اس شرارت کا مفہوم اچھی طرح سے سمجھتی تھی۔

"جمال انکل سے ملنا اچھا لگتا ہے یا پھر حریم جمال کو چپکے چپکے دیکھنا۔" فیفا کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی۔ ماہیر اور زوبی کے درمیان ریس لگ چکی تھی اور ماہیر اس سے بہت آگے نکل گیا تھا۔ جبکہ زوبی مسلسل چیخ رہی تھی۔

"ماہی جیت گیا اور میں ہار گئی۔"

............*

نیا نیا کالج جانا شروع کیا تھا۔ سو فیفا اور ماہیر دونوں خوب سج سنور کر کالج جاتے تھے اور زوباریہ تو تھی ہی بلا کی نفاست پسند...... اب تو اس کی ڈریسنگ پہلے سے بھی زیادہ کمال کی ہو گئی تھی۔ ان دنوں اسے اپنی صحت اور اسکن کی بھی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اور وہ اپنا بھرپور خیال رکھنے لگی تھی۔ چکنائی سے اور مسالوں سے خاصا پرہیز کیا جا رہا تھا۔ فیفا اور ماہیر دونوں ہی اسے چڑاتے تھے۔

"جم جوائن کر لو...... بھلا سو سے نہ کھانے سے تم دبلی ہو گی؟"

"میں موٹی کہاں ہوں؟" وہ صاف مکر جاتی۔

"موٹی تو تمہاری بہن ہے زمیلہ۔"

"زمیلہ موٹی کہاں ہے؟" فیفا کو برا لگتا۔

"ذرا صحت مند تو ہے۔"

"تو میں کیا عابدہ پروین ہوں۔" زوبی کو غصہ آ جاتا۔ ویسے بھی غصہ تو اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ماہیر موسمی بخار کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ بخار تو معمولی تھا تاہم بداحتیاطی کی وجہ سے معیاری بخاری کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ چھوٹی عمر میں ذمہ داریوں کے ادراک نے اسے خاصا حساس بنا دیا تھا۔ کالج، اکیڈمی اور جاب نے ماہیر کو چکرا کر رکھ دیا تھا اوپر سے لو کے اثر نے بھی اپنا کام کر دکھایا۔ اس کی طبیعت کی خرابی نے جہاں فیفا کو بے چین کیا تھا وہیں زوباریہ کو گویا زمان و مکان بھول گئے تھے۔ دو دن تو وہ صبر سے کالج آ رہی تھی۔ اکیڈمی سے ان دنوں چھٹیاں لے رکھی تھیں۔ تیسرے دن بھی جب ماہیر اور فیفا کالج نہیں آئے تو سخت پریشان ہو گئی اور اسی پریشانی کے عالم میں وہ فیفا کے گھر چلی آئی۔ ماہیر کے گھر اس کا آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ فیفا کے گھر بے تکلفی سے آ جاتی تھی۔ پچھلے دو دن سے وہ عجیب سا خواب دیکھ رہی تھی اور اس کے خواب بہت کم عمری سے ہی ماہیر کے ارد گرد گھومنے لگے تھے۔ فیفا کے بتانے پر کہ ماہیر ڈاکٹر سرور کے کلینک میں ایڈمٹ ہے اور اسے شدید بخار ہے۔ زوباریہ، ماہیر کی تکلیف کا سنتے ہی الٹے قدموں واپس بھاگی تھی۔ اس کا رخ سرور کلینک کی طرف تھا اور وہ فیفا کے آوازیں دینے پر بھی نہیں رکی تھی۔

پرائیویٹ روم میں اس وقت ماہیر اکیلا ہی تھا۔ وہ آنکھوں سے ہی بہت بیمار دکھائی دے رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی گویا بشاش سا ہو گیا۔

"دشمنوں کو آ گئی ہے ہماری یاد۔"

"دشمن کسے کہا ہے۔" زوبی اس کے ہاتھ پر لگی ڈرپ کو دیکھ کر ایک دم رو پڑی۔

"تم اتنے بیمار ہو ماہی! تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"اب کس کے بتانے پہ آئی ہو؟" وہ خوشدلی سے بولا۔

"اپنے دل کے بتانے پر۔" زوبی اس کے بیمار بیمار چہرے کو دیکھتے ہوئے لب کچلنے لگی۔

"تمہارا دل بڑی انفارمیشن رکھتا ہے۔" ماہیر گویا اس کے دل کی "کوئیک سروس" سے خوب متاثر ہوا تھا۔

"صرف تمہارے بارے میں پل پل کی خبر رکھتا ہے۔" سچائی اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"یہ اعزاز میرے ہی حصے میں کیوں؟" ماہیر اپنا بخار و خار سب بھول چکا تھا۔ اس کے دوستوں کی تعداد بہت مختصر تھی۔ سکول و کالج میں زوباریہ کا ساتھ تھا۔ فیفا سے دوستی تھی جبکہ کالونی فیلو صرف ایک ہی تھا شاہنواز مگر شاہنواز کی بہت ساری فضول عادتوں کی وجہ سے ماہیر اس سے خار کھاتا تھا۔ ایک تو شاہنواز کو بات بے بات جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ جس کی وجہ سے ماہیر اب اسے کم ہی منہ لگاتا تھا۔

"اس لئے کہ تم دل کے آس پاس رہتے ہو۔ اور رگ و جاں کے بہت پاس۔" زوبی کی آنکھیں لحظہ بھر کے لئے گلاب رتوں کے گلابی پن سے بوجھل ہوئی تھیں۔ یہ وہ ہی گھڑی تھی جب ماہیر پہلی مرتبہ ٹھٹک گیا مگر اپنے وہم کو وہ مزید کئی سال تک جھٹلاتا رہا۔ اگر اسے زوبی کے بہت آگے چلے جانے کی خبر ہو جاتی تو شاید راہیں اسی وقت ہی جدا کر لیتا۔

"یہ بھی اعزاز صرف میرے لئے ہے؟" وہ اسی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" وہ بغیر جھجکے اثبات میں سر ہلانے لگی۔ ویسے بھی وہ بلا کی بولڈ تھی۔ دل میں بات رکھ ہی نہیں سکتی تھی۔

"تم بیمار تھے ماہی! اور میرا دل بری طرح سے بے چین ہو رہا تھا۔ جب بھی میرا دل بے چین ہوتا ہے تم کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہو۔" وہ بھی بہت سادگی سے اپنے دل کے نہاں خانوں میں پنپتے جذبوں کو عیاں کر رہی تھی۔

"یہ تو تمہارا خلوص ہے زوبی۔" ماہیر اس کے خلوص سے سچ مچ متاثر ہوا تھا اور پھر جتنے دن وہ ہسپتال میں رہا۔ زوبی کے پیروں میں گویا پہیے لگ گئے تھے۔ دنیا کا ہر کام بھلائے وہ باقاعدگی سے ہسپتال کے چکر لگاتی تھی۔ آج کل اسے جم، کلب سب بھول چکا تھا۔

اور جب صحت یابی کے بعد وہ پہلی مرتبہ دوبارہ کالج آیا تو زوبی نے چپکے سے مٹھی بھر روپے خیرات کر دیئے۔ وہ اپنی ماں کو اس طرح کا عمل کرتے باقاعدگی سے دیکھتی رہی تھی۔ بارہا محترمہ فلک ناز اس کا اور زرجان کا صدقہ دیتی اور نظر اتارتی تھیں۔ وہ بھی اپر کلاس کی بظاہر بہت لبرل ماں تھیں مگر اندر سے بالکل ایک عام عورت کی طرح تھیں۔ وہم اور توہمات پالنے والی۔

"خلوص نہیں محبت۔" زوبی بھی اس نئے انکشاف کو ابھی سمجھ نہیں پائی تھی حالانکہ یہ جذبہ تو ماہیر کے لئے ازل سے اس کے اندر کہیں موجود تھا اور دھیرے دھیرے وقت کے ساتھ ساتھ نا صرف زوبی بلکہ اردگرد کے لوگوں پر بھی منکشف ہو رہا تھا۔

"محبت۔" ماہیر کچھ حیران ہوا۔

"کیا یہ محبت صرف میرے لئے ہے یا پھر فیفا بھی اس میں شریک ہے۔" اس کا انداز اب بھی ہلکا پھلکا سا تھا۔

"صرف تمہارے لئے۔"

"کیا میں شکریہ بولوں؟" ماہیر نے الجھ کر پوچھا۔

"بھلا کس بات پہ۔" زوبی حیران ہوئی۔

"تمہاری اس محبت پر۔"

"میری محبت تمہارے تھینکس کی محتاج نہیں اور محبت میں تھینکس نہیں بولتے۔ اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو شکریہ ادا نہ کرو۔ محبت کے بدلے میں محبت کر لو۔" اُس نے بڑی گہری، سمندروں کی گہرائی جیسی بات کی تھی۔

"اچھا، یہ محبت ہوتی کیا ہے؟" دوائیوں کے ذائقے اور نرسوں کی شکلیں دیکھ دیکھ کر وہ سخت اکتا چکا تھا ایک نئے ٹاپک پر بات کرنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ورنہ یہاں تو جو بھی آتا بس بخار کی نوعیت پر لیکچر ہی دیتا تھا۔

"کیا تم جانتے؟"

"نہیں تو۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی؟" وہ اس عمر میں محبت کی باتیں کر رہی تھی جب تتلیوں کے رنگ چرانے کے لئے لڑکیاں پاگل ہوتی تھیں۔

"کیوں نہیں ...... مجھے اپنے ابو اور امی سے بہت محبت ہے۔ زمیلہ اور موبی سے بہت پیار ہے۔ تم اور فیفا بھی بہت عزیز ہو۔"

"میں اس محبت کی بات نہیں کر رہی۔" زوبی نے قل قل ہنسنا شروع کر دیا۔

"تو پھر؟" وہ قطعاً نہیں سمجھا۔

"وہ جو مجنوں کو لیلیٰ سے ہوئی تھی۔ جو سوہنی کو مہینوال سے ہوئی تھی جو ہیر کو رانجھا سے ہوئی تھی اور جو زوباریہ کو ماہیر عالم سے ہوئی ہے۔" وہ ایک خواب کی کیفیت میں زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

"بھلا کب ہوئی؟" ماہیر کی آنکھوں میں حیرانی در حیرانی تھی۔

"شاید عالم بالا میں۔ جب روحوں کا ایک دوسرے سے ملاپ ہوا تھا۔ شاید تب سے ہی میری روح کو تمہاری روح سے محبت ہو گئی تھی۔"

"یہ کیسی افسانوی سی بات ہے؟" ماہیر اور بھی حیران ہوا۔

"افسانوی نہیں، رومانوی۔"

"یہ کس چکر میں پڑ رہی ہو......" ماہیر نے سر جھٹکا۔

"ابھی تم اپنی سٹڈیز کی طرف دھیان دو۔"

"سٹڈیز کے لئے میں تم سے زیادہ سیریس ہوں۔"

"اوکے، اب تم جاؤ۔" اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔ "شام گہری ہو رہی ہے۔"

"تو مجھے شام سے کیا لینا دینا۔"

"دن ڈھلے گھر سے باہر نہیں رہتے۔" ماہیر کا انداز ناصحانہ تھا۔

"کیوں؟" وہ تنک کر بولی۔

"مسافر راہ بھول جاتے ہیں۔"

"اور میں تو چاہتی ہوں کہ مسافر سچ مچ راہ بھول جائے۔" اس کی آنکھوں میں ستارے تھے۔

"بھلا کیوں؟؟" وہ چونکا۔

"اس لئے کہ بھولے بھٹکے مسافر کو زوبی کے دل کے راستے پر چلنا آسان ہوگا۔" وہ محبت کا چراغاں آنکھوں میں سجائے منتظر سی کھڑی تھی اور نجانے کیوں ماہیر عالم نے نگاہ چرا لی۔ اسے نگاہ چرانا ہی تھی۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کی منزل نہیں تھی اور جو اس کی منزل تھی وہ سامنے نہیں کھڑی تھی۔ اسی شہر میں اس کا گھر تھا اور ماہیر عالم ٹھہرا بھی اسی موڑ پر تھا جہاں سے حریم کی محبت کی شروعات ہوتی تھی۔

............*

ان دنوں زوبی کو کچھ اور سوجھتا ہی نہیں تھا۔ بسم اللہ چوک کی ان سڑکوں پر دھوپ بہت شدت سے

اترتی تھی اور وہ گھنٹوں بنفشی دریچے کے سامنے کھڑی رہتی۔ ماہیر کبھی تو سو رہا ہوتا تھا اور کبھی کسی کام میں مصروف ہوتا۔ جب اسے خیال آتا کہ زوبی نیچے کھڑی اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ تب وہ دریچے کے دونوں پٹ کھول کر نیچے جھانکتا۔

"کیوں دھوپ میں کھڑی رہتی ہو؟ ڈرائیور کے ساتھ ہی چلی جایا کرو۔ میں فیفا کو لے کر آتو جاتا ہوں۔"

"مجھے اس جگہ کھڑے ہو کر تمہارا انتظار کرنا اچھا لگتا ہے۔" زوبی کی ہر منطق ہی نرالی تھی۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" وہ ہاتھوں کا چھجہ بنا کر ماتھے پر رکھ لیتا۔

"سورج دیکھو، سوا نیزے پر ہے۔ ہاتھ بڑھاؤں اور اسے چھولوں۔ لو لگ جائے گی زوباریہ۔"

"تو لگ جائے۔" اس کی بے نیازیاں عروج پر ہوتیں۔

"میں تو عمر بھر اسی جگہ کھڑی تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔"

"سبحان اللہ۔" اس کا انداز بھرپور طنزیہ ہوتا۔

"آج کل کون سی رومانوی کتاب زیر مطالعہ ہے۔"

"تمہیں حفظ کرلوں...... میرے لئے یہی بہت ہے۔" اس کا انداز شاہانہ ہوتا۔

"اچھا، تو کرلیا حفظ۔" اس کا انداز ہنوز طنزیہ ہوتا۔

"ابھی تو ابتدا ہے۔ انتہا دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"حیران کیوں؟" وہ چونکتا۔

"وہ آگ کا تھال دیکھ رہے ہو۔" زوبی یوں ہی پنجوں کے بل کھڑے کھڑے گھوم کر آگ اگلتے سورج کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتی۔

"ہاں...... تمہارے سر پر کھڑا ہے۔" وہ کھڑکی کی اوٹ میں دھوپ سے بچنے کے لئے کھڑا تھا۔

"نہیں، میری ہتھیلی پر رکھا ہے۔"

"بہت فلسفہ بگھارتی ہو، یا اندر آ جاؤ یا چلی جاؤ۔"

"میں اندر نہیں آ سکتی۔" اس کی آنکھوں میں سوچ کی رانی اتر آتی۔

"کیوں؟"

"تم دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔" اس کا انداز اب بھی کھویا کھویا تھا۔

"کھول تو رہا ہوں۔" وہ نیچے اترنے کے لئے مڑنے لگتا۔

"آں ہاں۔" زوبی ہاتھ کے اشارے سے روکنے لگتی۔

"کیوں؟" وہ رک جاتا۔

"میں اس دروازے کی بات نہیں کر رہی۔" وہ جوتے کی نوک سے گیٹ کو ضرب لگاتی۔

"تو پھر۔" ماہیر سوالیہ نظروں سے دیکھتا۔

"اپنے بائیں پہلو کی طرف دیکھو۔ زوبی کو اس گھر میں اپنی جگہ بنانی ہے۔" اس کے لہجے میں جنوں

بیبا ضدی پن تھا۔

"بھاڑ میں جائے زوبی۔" ماہیر کو غصے آ جاتا تھا، دریچے کے دونوں پٹ غصے سے بند ہو جاتے۔

"غصہ تو نہ کرو۔" زوبی پکار اٹھتی۔

"ماہی! واپس آؤ نا...... پلیز، آ جاؤ نا۔" وہ نیچے دہائیاں دیتی رہتی۔ کبھی کبھی راحت بیگم غصے سے بل کھاتی گیٹ پر آ جاتی تھیں اور زوبی سائیکل کو یوں بھگاتی کہ راحت بیگم سنسان سڑک کو دیکھتی رہ جاتیں۔

ماہیر باہر نکل رہا تھا جب پیچھے سے امی نے آواز لگائی۔

"اللہ کے حوالے، دھیان سے جانا۔ کالی بلی راستہ نہ کاٹ لے۔ نہ جانے اس سرپھری لڑکی کو دھوپ میں کھڑے ہو کر پسینہ پسینہ ہونے میں کیا مزا آتا ہے۔ رنگت اور بھی جھلس گئی ہے اس پاگل امیرزادی کی بھلا کوئی یوں احمقوں کی طرح گیٹ کے باہر گھنٹوں کھڑا ہوتا ہے۔" راحت بیگم کو کسی بھی دور میں زوباریہ پسند نہیں رہی تھی۔ ایک تو معمولی سے نین نقش اور اوپر سے ان کے بیٹے کے ساتھ دوستی۔ اپنے گورے چٹے بلا کے خوبرو بیٹے کے ساتھ زوباریہ کا کھڑا ہونا بھی انہیں گوارا نہیں تھا مگر ماہیر اور فیفا اس لڑکی کا ساتھ چھوڑتے ہی نہیں تھے۔ وہ تو زوباریہ کو چاند کا گرہن کہتی تھیں۔ ان کی ہر بات ماننے والا ماہیر اس امیرزادی سے دوستی کو ختم ہی تو نہیں کرتا تھا اور جب انہوں نے ماہیر کو اس معاملے میں کچھ کہنا، سننا چھوڑ دیا تو ماہیر نے خودبخود زوبی کے ساتھ تمام تر تعلق توڑ لئے۔

ہوا کچھ یوں۔

وہ بھی گرما کے ہی دن تھے۔ سورج ہمیشہ کی طرح انگارے برسا رہا تھا۔ دھوپ میں ہمیشہ کی طرح تپش تھی۔ سڑکیں آج بھی سنسان تھیں۔ کالونی کی زیادہ تر کوٹھیاں آباد ہو چکی تھیں۔ وقت پانچ، چھ سال مزید آگے سرک گیا تھا۔ وقت کے آگے بڑھنے کے ساتھ عمر رواں کے کچھ سال بھی آگے کی طرف کھسک گئے تھے۔ لڑکپن نے کب کا الوداع کہہ دیا تھا۔ سو ترجیحات بھی بدل رہی تھیں۔ بدل چکی تھیں۔ بنفشی دریچے کے سامنے اب کوئی سائیکل لے کر کٹیلی، تیز دھوپ میں کھڑا نہیں ہوتا تھا۔

چند ماہ پہلے فیفا، ماہیر اور زوباریہ یونیورسٹی جیسی عظیم درسگاہ کو الوداع کہہ چکے تھے۔ فیفا نے دو چوٹیاں کرنا چھوڑ دی تھیں اور زوبی کی پونی ٹیل بل کھاتی چوٹی میں بدل چکی تھی۔

"ماہیر ایک کمپنی میں بہت اچھی جاب سے منسلک ہو گیا تھا۔ اس کی مصروفیت کا دائرہ وسیع سے وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ فیفا بھی جاب کی تلاش میں تھی۔ زندگی اور نہ ہی کبھی گھڑی کی سوئیاں رکی تھیں۔ ہاں، زندگی زوباریہ درانی کے اردگرد کہیں ٹھہر گئی تھی۔ رک گئی تھی۔ وہ جہاں سے چلی تھی آج بھی وہیں تھی۔ اسی جگہ پر، اسی موڑ پر شاید اس لئے بھی کہ اس نے آگے بڑھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اس نے اس جہاں میں ماہیر عالم جیسا دل ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی اور اس کے چہرے جیسا کوئی چہرہ زوباریہ کی آنکھ کو جچا ہی نہیں تھا۔ ان آنکھوں کے طلسم نے آج تک زوباریہ کو جکڑ رکھا تھا۔ نہ جانے ان آنکھوں میں کون سا جادو تھا۔ یا پھر ماہیر عالم خود ہی کوئی ساحر تھا۔ جس کے سحر نے زوباریہ کے اردگرد حصار باندھ رکھا تھا۔

وہ اب بھی ماہیر سے ملنے کے لئے آتی تھی۔ مگر فیفا کے علاوہ اس نے زمیلہ سے تعلق بنا لیا تھا۔ فیفا

سے تو اب اس کا برائے نام تعلق رہ چکا تھا۔ شاید اس کے کھلم کھلا اظہار محبت نے فیفا کو اس سے متنفر کر دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب یونیورسٹی میں ان کا آخری سال تھا۔ وہ لائبریری سے اٹھ کر گروپ کی شکل میں گراؤنڈ کی گھاس پر بیٹھے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اس کی دو کلاس فیلوز تھیں جو اسی کی طرح اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھیں۔ نوشی اور دوحہ کا شمار ان کی فیملی فرینڈز میں سے ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ رمضان اور منیر تھے۔ فیفا اور ماہیر بھی موجود تھے۔ وہ سب کسی نہ کسی مصروفیت میں الجھے تھے۔ دوحہ اپنے ساتھ لایا ہوا ایک میگ دیکھ رہی تھی۔ جو اس کے ہاتھ سے منیر نے جھپٹ لیا تھا۔ نوشی جو رمضان کے ہاتھ کی لکیروں میں اس کی قسمت کا حال جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوحہ کے ہاتھ پھیلانے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ فیفا اور ماہیر نہ جانے کس موضوع پر گفتگو میں مصروف تھے۔ جبکہ زوباریہ یک ٹک ماہیر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہ اس کی نظروں کی تپش ہی تھی جو ماہیر اور فیفا دونوں کچھ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ادھر دوحہ نے اپنا شور مچا رکھا تھا۔

"مجھے میرا رائٹ مین کب ملے گا؟" دوحہ بے صبرے پن سے چیخ رہی تھی۔

"کم از کم ہاتھ کی لکیروں میں یہ نہیں لکھا۔ کب؟ کیوں اور کیسے ملے گا۔" نوشی نے آنکھیں دکھائیں۔

"تو پھر کیا لکھا ہے؟" وہ بھنا اٹھی۔

"تمہارے ہاتھ کی لکیریں ہی ٹیڑھی میڑھی ہیں۔"

"دفع ہو جاؤ۔" دوحہ کو غصہ آ گیا۔

"مجھے بھی تمہارا ہاتھ دیکھنے کا کوئی شوق نہیں۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے۔

"زوبی کا ہاتھ دیکھ لو۔" منیر نے خاموش بیٹھی زوبی کو متوجہ کیا۔

"ہاں، زوبی! ذرا ادھر لاؤ، اپنا ہاتھ۔" نوشی ایک دفعہ پھر سے پرجوش ہو گئی تھی۔

"میرا ہاتھ دیکھ کر کیا کرو گی؟" زوبی نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہارا رائٹ مین تلاش کرے گی۔" دوحہ کھلکھلائی۔

"میرا رائٹ مین ہاتھ کی لکیروں میں نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا ہی جو ماہیر اور فیفا دونوں چونک گئے تھے۔

"تو پھر کہاں ہے؟" وہ سب بیک زبان چلائے۔

"میری نظر کے سامنے۔" اس کی آنکھوں نے ماہیر کے رنگ بدلتے چہرے کو مسکرا کر دیکھا تھا۔ ماہیر تو کیا فیفا تک ٹھٹک گئی اور باقی سب کو بھی گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

"کون ہے وہ؟" رمضان سمجھ کر بھی انجان بنا۔

"وہ ہی جسے اللہ نے اتارا ہی زمین پر میرے لئے ہے۔" نہ جانے کیوں اس کے لہجے میں تکبر جھلکنے لگا تھا۔ فیفا کے دل کی دھڑکنیں گویا تھم تھم گئی تھیں اور ماہیر عالم کا فشار خون ایک دم بلند ہونے لگا۔

"اور وہ بانصیب آدمی بھلائی کون ہے؟" منیر نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"جس کی روشن پیشانی کو دیکھ کر میری محبت نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ جس سے میری روح اوپر آسمانوں سے عشق کرنے لگی تھی۔ یہ وہ محبت ہے جو اللہ نے میرے دل میں خاص الخاص ماہیر عالم کے لئے رکھی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے ہماری جنون خیزی کے قصے گلی گلی، بازار بازار مشہور ہوں گے۔" وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں تو بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر آج پہلی مرتبہ یوں اس نے خود کو اور ماہیر کو سب کی نظروں میں نمایاں کر دیا تھا اور ماہیر تو ان سب کے معنی خیز نظروں سے نہ صرف شرمندہ ہوا بلکہ غصے کے مارے اس کا فشار خون بلند ہوتا چلا گیا۔ نہ جانے کیسے اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور زوباریہ کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔

"مت تشہیر کرو بے حیائی کی اس داستان کی' تمہیں تو عزت خریدو گی تب بھی مل جائے گی۔ ہیروں اور جواہرات کے بدلے کہیں سے بھی خرید لو گی تاہم میں تو اتنا قلاش ہوں اس عزت کو کسی دکان سے خرید نہیں پاؤں گا۔ دو چار ماہ رہ گئے ہیں۔ عزت کے ساتھ اس سفر کو اختتام پذیر ہونے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ دوبارہ کبھی زندگی میں ہماری ملاقات ہو تو مجھے تمہیں دیکھ کر شرمندگی ہو اور تم اپنے ماضی پر شرمسار نظر آؤ۔"

اس کے لبوں سے سلگتے لفظوں کا ایک طوفان برآمد ہوا تھا۔ پھر وہ وہاں رکا نہیں بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا۔ فیفا بھی ایک تنفری نظر اس کی طرف اچھال کر ماہیر کے پیچھے چلی گئی جبکہ زوباریہ بجائے غصہ کرنے کے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور اس کے اردگرد ایک ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا اور وہ سب کو خوشی خوشی بتا رہی تھی۔ اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ وہ اس اظہار محبت پر بہت مسرور تھی۔

"میں اور ماہیر بچپن کے دوست ہیں۔ سولہ سال کی رفاقت میں پہلا تحفہ، پہلا انعام مجھے اس تھپڑ کی صورت میں ملا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اس تحفے کو بہت دل کے ساتھ خوشی خوشی قبول کرتی ہوں۔" ادھر دوحہ اور نوشی اس کے پاگل پن پر حیران ہو رہی تھیں۔ حیران تو اس ہجوم کا ایک ایک فرد بھی تھا جو زوباریہ درانی کے عشق کی داستان کو اب نوٹس بورڈ پر جگمگاتا دیکھ رہے تھے۔

کوریڈور میں، گیلری میں، لائبریری میں حتیٰ کہ کلاس روم کی دیواروں پر بڑے بڑے...... حروف میں لکھا جا رہا تھا۔

"ماہی! آئی لو یو...... یہ زندگی ختم ہو جائے گی مگر زوباریہ درانی! کی یہ محبت کبھی ختم نہیں ہو گی۔ وجود کو موت آئے گی، جسم مردہ ہو گا، روح ساتھ چھوڑ دے گی مگر یہ محبت بے جان دل سے بھی کبھی ختم نہ ہو جائے گی۔ یہ کون سے عشق کی چاٹ مجھے لگائی ہے؟ یہ کون سا دریا ہے جو مجھے عبور کرنا ہے؟ یہ کون سی منزل ہے جہاں میرے قدم ٹھہر گئے ہیں؟ کوئی آ کے مجھے بتلائے کہ عشق کا کوئی وجود بھی ہوتا ہے؟" اور یہ سچ ہی تھا کہ صدیوں تک محبت کے اس قصے پر گرد نہیں پڑ سکتی تھی اور سب سے بڑا سچ یہ تھا کہ دیواروں پر لکھے یہ کارڈ انتظامیہ تک بھی پہنچ گئے تھے۔ پرنسپل نے زوباریہ کا فیملی بیک گراؤنڈ جاننے کے باوجود اسے کریکٹر سرٹیفکیٹ دینے کی دھمکی صرف اسے سنبھل جانے کے لئے دی تھی۔ وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھکنے لگے تھے۔ وہ اسے بتا رہے تھے کہ اس کا کیریئر داؤ پر لگ جائے گا۔ وہ تباہ ہو جائے گی۔ انہوں نے نرمی سے سختی سے ہر طرح سے اسے سمجھایا تھا اور یہ گنجائش بھی صرف زوباریہ کے لئے تھی۔

"محبت کرنا گناہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو مجھے سزا دے دیں۔" پرنسپل اس کے باپ کا دوست نہ ہوتا تو زوباریہ یوں بے خوف ہوکر ان کے سامنے تن کر کھڑی نہ ہوتی۔

"مجھے مجبور مت کرو کہ میڈم کو تمہاری حرکتوں کے بارے میں بتانا پڑے۔ اس دفعہ وہ غصے سے چلا اٹھے۔

"آپ میڈم کو فون کر کے یونیورسٹی میں بلوالیں۔" وہ لہو رنگ آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور انہوں نے سچ مچ محترمہ فلک ناز کو بلوالیا تھا اور وہ صاف لفظوں میں بتا رہے تھے کہ زوبی کو سنبھلنے کیلئے وہ صرف ایک موقع دیں گے۔ محترمہ فلک ناز ابھی پرنسپل کے آفس میں بیٹھی تھیں۔ جب کسی نے بدحواسی کے عالم میں اطلاع دی۔

"زوباریہ درانی نے اپنے دونوں ہاتھوں کی وینز کاٹ لی ہیں۔" یہ اس کی خودکشی کی پہلی کوشش تھی جو ماہیر عالم کے کھاتے میں لکھ دی گئی۔

اس تماشے کے بعد ماہیر صرف ایک مرتبہ فائنل ایگزامز کے لئے یونیورسٹی آیا تھا اور اس کے بعد اس نے مڑ کر دیکھا نہیں تھا۔ وہ ان راہوں سے اپنے اور زوباریہ کے قدموں کے نشان مٹا دینا چاہتا تھا جن راستوں سے ماضی میں وہ اس کے ہمراہ چلتا رہا تھا۔ مگر بسم اللہ چوک میں اترنے والی سہ پہریں پونی ٹیل جھلاتی اس پاگل پاگل لڑکی کی محبت اور اس کے جنون کی آج بھی گواہ تھیں۔

وہ آج بھی آگ اگلتی سڑکوں کو روندنے کے لئے آ جاتی تھی۔ وہ آج بھی بنفشی دریچے کو گھڑی بھر کے لئے ضرور دیکھا کرتی تھی۔ مگر اب اس دریچے میں سے کوئی چہرہ نہیں جھانکتا تھا۔ وہاں اب کبھی کبھار زمیلہ کھڑی نظر آتی تھی اور زوباریہ نے زمیلہ کو ماہیر تک پہنچنے کے لئے سیڑھی بنا لیا تھا۔ اب وہ گیٹ کے باہر کھڑے رہنے کے بجائے بلا جھجک گھر کے اندر بھی چلی آتی تھی اور زمیلہ اسے دیکھ کر گویا کھل اٹھی۔

زوباریہ سے دوستی کے دوران زمیلہ کی بہت سے خواہشات بات کہے پوری ہو جاتی تھیں۔ جبکہ راحت بیگم کو یہ دوستانہ خاصا کھٹکتا تھا۔

زوباریہ اکثر اس اکیڈمی میں بھی پہنچ جاتی تھی جہاں ماہیر کچھ عرصے کے لئے پڑھاتا بھی رہا تھا اور ماہیر کو لگتا تھا یا تو زوباریہ پاگل ہو جائے گی یا پھر اسے پاگل ضرور کر دے گی۔

وہ جوں ہی کلاس اٹینڈ کر کے باہر نکلتا تھا۔ زوباریہ کے قدم اس کے ہمراہ چلنے لگتے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان بات چیت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ وہ گھر میں بھی آتی تو ماہیر یا تو گھر سے باہر نکل جاتا تھا یا پھر کمرے میں بند ہو جاتا۔ مگر وہ بھی تو ڈھیٹوں کی ملکہ تھی۔ مجال ہے جو اس کی بے اعتنائی یا بے رخی سے ذرہ بھر دل برداشتہ ہو جاتی۔

"تمہارا دل تو آزاد ہے، میری محبت سے بری ہے، بے قید ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ میرے دل کو زیبائش ہی تمہارے نام سے ملتی ہے۔" یہ جانتے ہوئے بھی کہ ماہیر اس کی کسی بات کو سرے سے سن ہی نہیں رہا پھر بھی نہ جانے کس آس پر راز دل منکشف کرتی رہتی تھی۔

"کبھی گھٹا، ابر باراں، بارش بن کر برسونا۔" خواہش، التجا بنی لبوں سے پھوٹ رہی تھی۔

"تمہاری محبت، میرے دل میں ہیمشگی، دائی اور ابدی نیند کی اوڑھنی میں لپٹی ہے اور میرا دل اسی احساس کی وجہ سے تر و تازہ، شاداب اور سرسبز رہتا ہے۔"

"کبھی میرا دل جلتا ہوا دیا بن جاتا ہے اور کبھی روشن چراغ۔ دونوں صورتوں میں رات دن جلنا میرا نصیب ہے۔ کوئی ایسا اسم ہی پھونک دو جوان دھڑکنوں کو ہی قرار آ جائے۔ یا پھر دل کے آبلوں پر ٹھنڈی ٹھار پھوار ہی برس جائے۔" سنہری کرنیں اس کے اردگرد بکھر جاتیں۔

"محبت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ سر جھکا دیا ہے، محبت کو عبادت کی طرح سمجھا اور عشق کی نماز کے لئے رکعت باندھ لی۔" اس کی آنکھ میں سجے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگتے۔

"تمہاری محبت کی تسبیح میرے ہاتھ میں ہے اور میں پھولوں کی ایک چادر کے اوپر سے گزر رہی ہوں۔ اس بات سے بے خبر کہ یہ پھولوں کی ایک چادر نہیں انگاروں سے سجا فرش تھا۔" اس کی آواز میں عرب کے صحراؤں جیسی خشکی بھر جاتی۔ ماہیر اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے کیبن کی طرف بڑھ جاتا تھا۔ اور یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کے پیچھے نہ آتی۔ ماہیر اس کے ڈھیٹ پن سے تنگ آ جاتا تھا۔ اس کے ضبط کا پیمانہ گویا چھلک پڑتا۔

"زوبی! تم اچھا نہیں کر رہیں۔"

"کیا اچھا نہیں کر رہی۔" وہ گویا سرشار ہو گئی تھی کہ ماہیر کچھ بولا تو ہے۔

"یہ سب تمہیں زیب نہیں دیتا۔" وہ جھنجھلاتا۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں...... میں بہت مشکل دور سے گزر رہا ہوں۔ یہ سب میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ بہت ذمہ داریاں ہیں مجھ پر، تم کیوں آسانیاں چھوڑ کر مشکلات کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔"

"میں تمہاری سب ذمہ داریاں بانٹ لوں گی۔ تم حیران رہ جاؤ گے اور تمہارے سب کام ایک فون کال کے محتاج ہوں گے صرف۔ میں تمہاری ہمراہی چاہتی ہوں ماہیر! میں تم سے محبت کرتی ہوں، اور یہ میرے اختیار میں نہیں۔" وہ گویا پھر سے رو دینے کو تھی۔

"اور تمہارے ساتھ چلنا میرے بھی اختیار میں نہیں۔ مجھے ایک بات تو آج سمجھ میں آ ہی گئی ہے کہ کیوں ہمارے مذہب میں مرد اور عورت کی دوستی کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس لئے کہ نفس اور شیطان ہمیشہ ہمراہ ہوتے ہیں۔ کبھی بھی بھٹکا سکتے ہیں۔ گمراہ کر سکتے ہیں۔ مگر میں گمراہ نہیں ہونا چاہتا۔ بہتر یہی ہے اپنے راستے الگ کر لو۔ میرا اور تمہارا ایک ساتھ چلنا کبھی ممکن نہیں۔ وہ دو ٹوک زہر خند لہجے میں کہتا رہا۔

"کیوں ممکن نہیں۔" وہ سسک اٹھی۔

"ہم شادی کریں گے۔ آج سے تین سال پہلے اگر تم مان جاتے تو اس وقت تم لگژری لائف گزار رہے ہوتے۔ ہم امریکہ چلے جاتے۔ تمہارا فیوچر برائٹ ہوتا۔"

"میری لائف اب بھی بہت لگژری ہے۔ بات ساری دل کے اطمینان کی ہوتی ہے۔ میرا دل مطمئن ہے اور میں مانگے تانگے کی آسائشات کے حصول پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تم میرے مزاج کو اچھی طرح سے سمجھتی ہو۔" وہ سلگ کر بولا۔

"مزاج کو سمجھتی ہوں، تبھی تو ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنا بنانا چاہتی ہوں۔ خود کو بانصیب سمجھا کرو ماہیر! محبت تمہارے قدموں میں بیٹھی خود کو بے مول کرتی ہے۔" آنسو اس کے گال بھگونے لگتے تھے۔

"مت مجھے گناہگار کیا کرو...... میں ایک عام سا انسان ہوں۔ مجھے بہت عام ہی رہنے دو، اتنا خاص مت بناؤ اور خود کو اتنا ارزاں بھی نہ کرو۔ پلٹ جاؤ...... کہ تمہاری دنیا میں، تمہارے لئے بہت کچھ ہے اور میری دنیا میں حریم جمال کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔" وہ لب بھینچے سوچ کی گہرائی میں اتر رہا تھا۔

"زوبی! کیوں چل پڑی ہو ان راستوں پر، جس کی منزل کوئی نہیں۔ کوئی ایک وعدہ کوئی ایک قسم ہی یاد دلا دو مجھے۔ میں نے تو انجانے میں تمہیں جھوٹی آس دلانے کی کوشش نہیں کی۔"

"کاش تم ایسا کر لیتے کہ میں تمہیں اسی ایک قسم اور ایک وعدہ کے بدلے میں جیت لیتی۔ تم قسم اور عہد کو نباہنے والے ہو۔"

"خوف آتا ہے مجھے تمہاری ان باتوں سے، ڈر لگتا ہے کہ کبھی تمہاری یہ باتیں میرے لئے بددعا نہ بن جائیں۔ تمہارے آنسو میرے لئے سمندر نہ ہو جائیں۔ طوفانی لہریں مجھے تباہ نہ کر دیں۔ یوں نہ کرو زوبی! اپنے دل کے گنبد کو اپنے ہاتھ سے مت توڑو۔ تمہارے دل کا منبر بہت بلند ہے زوبی! میں بہت معمولی انسان ہوں۔ اس منبر تک پہنچنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ مجھے میری ہی نظر سے مت گراؤ۔ میں عمر بھر نگاہ اٹھا نہیں پاؤں گا۔ مجھے اس کسک کے ہمراہ عمر بھر زندہ رہنا پڑے گا کہ میری وجہ سے کوئی دل بے آباد رہا۔ میری مجبوریوں کو سمجھو، میرا بھی اپنے دل پر کوئی اختیار نہیں۔"

"تو اپنے دل کے سارے اختیارات میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں تم سے بدلے میں محبت نہیں مانگوں گی۔ بس مجھے عزت دینا اور اپنے ساتھ کا مان بخش دو۔ میں عمر بھر تم سے شکوہ نہیں کروں گی۔ کچھ اور نہیں چاہوں گی۔ یہ میرا وعدہ رہا تم سے۔" وہ روشن قندیلیں سجائے کھڑی تھی۔

"ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ ہرگز بھی نہیں۔" ماہیر نے لمحہ بھر میں ساری قندیلوں کو ایک پھونک سے بجھا دیا تھا۔ یوں کہ زوباریہ درانی کی پوری ذات اندھیروں میں ڈوب گئی تھی۔

............*

زوباریہ درانی کون تھی! محترمہ تابندہ فلک ناز کے دوسرے شوہر...... سے اکلوتی اولاد...... اس اکلوتا پن نے زوباریہ کو کس قدر تنہا کر دیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ فلک ناز نے اپنی اولاد کو بے تحاشا محبت سے نوازا تھا۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ زوباریہ کے پاپا کی ناگہانی موت کے سبب وہ بزنس کے جھمیلوں میں بھی الجھ کر رہ گئی تھی۔ انہیں اپنے باپ کے کاروبار کی طرف بھی دھیان دینا ہوتا تھا۔

وہ تین سال کی تھی جب درانی صاحب کی ڈیتھ ہو گئی۔ ممی اپنے پہلے بچوں، کاروبار اور دو گھروں میں گویا گھن چکر بن گئیں۔ ان کی توجہ کیا تقسیم ہوئی تھی زوباریہ کی ذات بھی کئی حصوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔ اس کی سوچ اور مزاج بھی تبدیلیاں آنا شروع ہو گئیں۔ نوکروں کے ہجوم کے درمیان بھی وہ اکیلی تھی اور اسی تنہائی نے بہت کم عمری میں اسے حساس بنا دیا تھا۔ وہ بیک وقت بہت نرم خو بھی تھی۔ ہمدرد بھی تھی۔ احساس و خیال رکھنے کے طریقوں سے بھی آگاہ تھی اور دوسرے ہی پل وہ ایک جھگڑالو، غصیلی، مغرور اور بک چڑھی

ہرزادی کی تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی تھی۔

اس کی شخصیت کے یہ دو رخ اس کی عمر کے ساتھ ساتھ پروان چڑھ رہے تھے۔ وہ توجہ کے جن ادوار سے گزر رہی تھی۔ یہ اکیلا پن اس کے لئے بہت خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔

اس کی یہ تنہائیاں نئے سکول میں ایڈمیشن کے ساتھ ہی خود بخود ختم ہو گئیں۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی مگر خوبصورتی بہت چھوٹی عمر میں اس کے ننھے سے ذہن میں سما گئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ جب کلاس ٹیچر اسے ایک کالی بھدی لڑکی اور موٹے بدصورت لڑکے کے درمیان میں رکھی چیئر پر بٹھانا چاہ رہی تھیں تو زوبی گویا بدک کر دور ہٹ گئی۔

"بے بی! کہاں بیٹھنا چاہو گی؟" زوبی کو پسند ناپسند کا اختیار دے دیا گیا تھا۔ سو وہ پورے کلاس روم کو طائرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں......" اس نے پہلی رو کے آخر میں بیٹھے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ایک گوری چٹی لڑکی بھی بیٹھی تھی۔

"او کے۔" ٹیچر نے فوراً اس گوری چٹی لڑکی کو کرسی سے اٹھا دیا۔

"عفیفا! آپ یہاں آ جاؤ۔" ٹیچر نے ماہیر کے ساتھ ہی عفیفا کو بھی جگہ بنا دی تھی' یوں زوباریہ نے اس سکول میں دوستی کی ابتدا ماہیر عالم سے کی تھی اور پھر عفیفا بھی اس کے دوستوں میں شامل ہو گئی۔ ان دونوں کے علاوہ یونیورسٹی تک اور اس کے بعد بھی زوباریہ نے آج تک کوئی دوست نہیں بنایا تھا۔ دوستوں کا خانہ ماہیر اور فیفا کے تعلق توڑ دینے کے بعد خالی رہا تھا۔ ہاں، امریکہ میں وقتی طور پر وہ شیری کے خلوص سے کچھ متاثر ضرور ہوئی تھی۔ مگر وہ بھی بلا کا فراڈیا نکلا۔ بغیر بتائے نہ جانے کہاں بھاگ گیا تھا۔

زوباریہ کو آج بھی وہ دن یاد تھا جب ممی نے ماہیر کے نام کی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنائی تھی۔

"زوبی! یہ انگوٹھی تمہارے دل کی تسلی کے لئے ہے۔ اب تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کون سا وعدہ......؟" زوبی تو گویا ہفت اقلیم کی دولت پر کر اپنی سدھ بدھ بھول رہی تھی۔ بار بار اس پرانے ڈیزائن کی انگوٹھی کو دیکھتی، آنکھوں سے لگا کر چومتی۔

"تمہیں امریکہ جانا ہوگا۔ ہائیر سٹڈیز کے لئے۔" وہ بہت تول تول کر بول رہی تھیں۔

"مجھے منظور ہے۔ مگر کیا ماہیر میرے ساتھ نہیں جا سکتا؟" وہ خوش رنگ خوابوں کے جزیرے میں رقص کر رہی تھی۔ اس کے پیروں میں گویا گھنگرو بندھ گئے تھے۔

"نہیں۔" ان کی آواز برف کی طرح سرد تھی۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔" وہ اس خوشی کی بدولت کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس ...تھا کہ خوشی کے مارے دیوانہ ہو رہا تھا۔

"ماہیر کو دس سال کا وقت درکار ہے اور کم از کم اتنا ہی عرصہ تمہیں بھی فل سٹیبلش ہونے اور بزنس کے اسرار سمجھنے میں لگ جائے گا۔ وطن واپسی پر تم دونوں کی دھوم دھام سے شادی کروں گی۔ بس، شرط ...اتنی ہے کہ پیچھے رہ جانے والوں سے تم رابطہ نہیں رکھو گی۔"

"جی ممی۔" یہ کچھ مشکل ضرور تھا' مگر ناممکن نہیں۔ اسے ماننا تو ہر صورت میں تھا۔ کیونکہ اس کے دل کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو رہی تھی۔

"میں ماہیر سے ہمیشہ رابطے میں رہوں گی' مگر اس کے سامنے کبھی نہیں آؤں گی۔ وہ اپنی ترقی کی راہ میں کسی سیڑھی کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ ہمیں اس کے جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔" وہ لفظوں کی کہانیاں بن رہی تھیں۔ زوباریہ کی تیسری مرتبہ خودکشی کی کوشش نے ان کے سارے بل نکال دیئے تھے اور وہ دل پر پتھر رکھ کر ماہیر عالم کے گھر گئی تھیں۔ ان کا دل تو پہلے بھی اس رشتے کے حق میں نہیں تھا' مگر زوباریہ کے چلے جانے کے بعد ان پر موبی کے بارے میں انکشاف کیا ہوا وہ اس نام نہاد تعلق کو خود ہی ختم بھی کر آئیں اور پھر انہوں نے لفظوں کی ایک اور کہانی بنی تھی۔ نہ جانے کیوں ان کے لاشعور میں یہ وہم زندہ تھا کہ کبھی نہ کبھی زوباریہ سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ کسی نہ کسی موڑ پر ضرور سامنے آ جائیں گے اور اس کے لئے بہتر یہی تھا کہ زوباریہ کو ان لوگوں کے لئے مار دیا جاتا۔ سو انہوں نے سچ مچ زوباریہ کو مار دیا تھا اور زوباریہ واقعی مر بھی گئی تھی۔

جس محبت کی گرمی نے اسے اللہ سے اور بھی نزدیک کر دیا تھا۔ جس عشق کے حصول نے اسے نماز کی طرف متوجہ کیا تھا۔ جن دعاؤں کے یقین نے پردیس میں اس کی تنہائیوں کو بانٹا تھا اور جس محبت کی طلب نے اسے کبھی تھکایا تک نہیں تھا۔ آج وہ محبت اس کے لئے پرائی اور اجنبی تھی۔

"ماہیر عالم نے شادی کر لی۔ یعنی وہ کسی اور کا ہو گیا۔" یہ سوچ ہی اسے زہر زہر کر رہی تھی۔ وہ بھیگی آنکھوں کو پونچھ کر اٹھی۔ بہت عقیدت کے ساتھ جائے نماز کو لپیٹا تھا، وہ ماضی سے پیچھا چھڑا کر حال کی طرف لوٹی تھی اور اب اسے ماضی میں زندہ نہیں رہنا تھا۔ اب اسے اپنے حال کو سنوارنا تھا اور اس نو سال کے طویل ترین انتظار کو، کرب اور اذیت کو کسی اور کی آنکھ میں بھر کے خود کو شاد کرنا تھا۔ وہ اپنے زخم زخم دل کے ساتھ مزید ظلم نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے ماہیر عالم کو حاصل کرنا تھا۔ اور اس جنگ کو بھلا کیسے جیتنا تھا؟ یہ بات تو وہ بہت پہلے نیفا سے ملاقات کے بعد ہی سوچ بھی چکی تھی۔ اب تو صرف عمل باقی تھا۔

............*

"صاحب! میڈم فلک ناز آپ سے ملنے کے لئے آئی ہیں۔" ملازمہ نے مؤدب لہجے میں اسے مطلع کیا۔

"میڈم میرے گھر میں آئی ہیں۔" خواجہ اسجد تو حیران ہی رہ گیا تھا۔ آج سے پہلے ان کی جب بھی ملاقات ہوئی تھی۔ کسی نہ کسی ہوٹل میں یا پارٹی میں ہی ہوئی تھی۔ میڈم کا اس کے گھر آنا، اسے کافی الجھا گیا تھا۔ جب وہ انہی سوچوں میں گم ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میڈم کو کچھ متوحش سا اپنا منتظر پا کر حیران ہی رہ گیا۔ انہوں نے باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے صاف اور سیدھی بات کی۔

"میں نے تم سے ایک کام کہا تھا۔" ان کی آواز میں بات کے رد کئے جانے کی وجہ سے کافی تلخی تھی۔

"مجھے یاد ہے مگر......" وہ کچھ تذبذب کا شکار تھا۔

"اگر مگر کیا؟" ان کی آنکھوں سے غصہ چھلکنے لگا۔

"زرجان کی ماہیر سے خاصی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ مجھے زرجان نے منع کر دیا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں اپنی ڈیل بھی واپس لیتی ہوں۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

"میڈم، آپ تو خفا ہی ہو گئیں۔ مجھے کچھ سوچنے کے لئے وقت دیں۔" اسجد گھبرا اٹھا۔ میڈم کی خفگی کا تصور کرنا ہی نقصان سے خالی نہیں تھا۔

"میں تمہیں دو منٹ سوچنے کے لئے دیتی ہوں۔" وہ گویا بہت جلدی میں تھیں۔

"میڈم پلیز!" اسجد جھنجلا گیا۔

"میڈم! آپ تو جانتی ہیں۔ کسی ایک بھی ورکر کو ادھر ادھر کرنا باقاعدہ حکمت عملی کے تحت ہوتا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے ہاں یا ناں میں جواب دو۔"

وہ ایک دم کھڑی ہو گئیں۔

"آپ پلیز بیٹھیے تو سہی۔" گھر آئی لکشمی کو لوٹانا کہاں کی عقلمندی تھی۔ اسجد کا لہجہ یکسر بدل گیا۔

"میرے پاس وقت بہت کم ہے۔" ان کی نظریں اپنی کلائی پر بجی گھڑی پر تھیں۔

"او کے میڈم! آپ جو چاہیں گی وہی ہو گا۔" اس نے فوراً ہتھیار پھینک دیئے۔

"ہوں۔" انہوں نے گویا ہنکارا بھر کے کچھ دیر کے لئے سوچا۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟ وہ پوچھ رہا تھا۔

"ماہیر کو ٹرمنیٹ کر دو۔"

"اس کے علاوہ کچھ۔" خواجہ نے موبائل ہاتھ میں لے کر ایک میسج لکھ کر فوراً سینڈ کر دیا۔

"ماہیر نے کمپنی سے کچھ لون وغیرہ لیا تھا؟"

"جی۔"

"اس کا فوری مطالبہ کر دو۔" وہ تول تول کر بول رہی تھیں۔

"اور کچھ؟" خواجہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"ماہیر پر تین کروڑ کی رقم غبن کرنے کا مقدمہ درج کروا دو۔" وہ آخری بات کہہ کر رکی نہیں تھیں۔ جاتے جاتے مزید انہوں نے کہا۔

"ماہیر کو ہر صورت جیل بھجوا دو۔ اس کا ہر صورت منظر سے ہٹنا ضروری ہے۔"

"او کے میڈم!" خواجہ نے گہرا طویل سانس کھینچ کر اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ماہیر کے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پھر بھی۔

............*

یہ وقت کی نہ جانے کیسی گردش تھی کہ اس کی لپیٹ میں اس کا پورا گھر آ چکا تھا۔ بابا کیا ہاتھ سے گئے کمپنی سے فوری لون کا مطالبہ آ گیا۔ ابھی وہ لون ادا کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی پوری ہستی گویا ہل کر رہ گئی۔

آج صبح سے دل نہ جانے کیوں بے حد بے چین تھا۔ اس بے چینی کی ساری وجہ اپنے وارنٹ گرفتاری دیکھ کر ہی وہ سمجھ چکا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا یہ کیسی آزمائش ہے؟ یہ کیسا امتحان ہے؟ اسے بس اتنی خبر تھی کہ اس کے اردگرد ایک پھندا بہت دھیرے دھیرے تنگ کیا جا رہا ہے۔ نہ جانے اس میں خالق کی کیا بہتری تھی۔ حریم تو دروازے پر پولیس دیکھ کر ہی ٹھنڈی برف ہو گئی تھی۔ راحت بیگم کی تو خوف سے گھگی بندھ گئی۔

''یہ سب کیا ہے ماہیر!'' جانے سے پہلے وہ اس سے ملنے آیا تھا۔ وہ اسے گھر کے کچھ معاملات کے بارے میں سمجھا رہا تھا۔

''کچھ بھی نہیں ہے۔ بس آزمائش ہے اور آزمائش اللہ کے پسندیدہ بندوں پر ہی اترتی ہے۔ بس میری جان! تم گھبرانا مت۔ ثابت قدم رہنا اور شاہنواز کو فون کر کے وکیل کے بارے میں بات کر لینا۔ سچ اور جھوٹ کو تو عدالت ہی سامنے لائے گی۔ میرا دل اور ضمیر مطمئن ہے۔'' وہ سچ مچ بہت مضبوط تھا۔ قطعاً گھبرا نہیں رہا تھا۔

''یہ کس نے کیا ہے ماہیر؟ آپ جائیں گے تو ہمارا کیا ہوگا؟ میں کیسے سب کو سنبھال پاؤں گی۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میرے ارادوں کو تمہارے آنسو توڑ دیں گے حریم! مجھے کمزور نہ کرو۔'' وہ اس کے آنسو انگلیوں کی پوروں سے چن رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر وہ آخری مرتبہ حریم کو چھوڑ رہا ہے۔

''اور مجھے آپ کی جدائی توڑ کر رکھ دے گی۔'' وہ سسک رہی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ماہیر جانتا تھا۔ یہ تسلیاں جھوٹی ہیں۔ جس بھی شخص نے اس کے اردگرد جال پھیلایا تھا۔ وہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ باہر نہیں آنے دے گی۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔'' حریم کی چھٹی حس اسے خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔

''آپ نے آفس سے لون کیوں لیا؟ اگر اس گھر پر آپ خرچہ نہ کرتے تب بھی تو ہم سہولت سے رہ رہے تھے نا۔''

''تقدیر میں لکھے دکھ تدبیر نہیں مٹا سکتی! یہ عارضی جدائی ہے تم کچھ حوصلہ پکڑو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اسے بہت سے دلاسے دے کر گیا تھا۔ مگر کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوا۔ بلکہ سب کچھ تہس نہس ہو رہا تھا۔ ہوتا جا رہا تھا۔

ماہیر کے چلے جانے کے آٹھ دن بعد حانی کے اغوا نے ان سب کو تھرا کر رکھ دیا تھا۔ دن دہاڑے نہ جانے کون لوگ تھے جو حانی کو گھر سے اٹھا کر لے گئے تھے۔

حریم تو ماہیر کی جدائی سے ادھ موئی ہو رہی تھی اوپر سے حانی کے اغوا نے اس کی رہی سہی ہمت کو بھی نچوڑ لیا تھا۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا تھا؟ جو یہ سب کر وا رہا تھا؟ بہت سے سوالیہ نشان تھے۔

موبی کو ان دنوں شدید دورے پڑنے لگے تھے۔ وہ سارا سارا دن عالم بے ہوشی میں رہتا تھا۔ راحت بیگم شدید بیمار ہو گئی تھیں۔ ان کا بی پی بہت زیادہ پرہیز کے باوجود بھی شوٹ کر جاتا تھا۔ ان دنوں وہ بہت پرہیز کر رہی تھیں۔ ان سے کچھ بھی کھایا پیا نہیں جاتا تھا۔ وہ سارا سارا دن ماہیر کو یاد کر کے روتی رہتیں۔ زمیلہ کے ٹیلی فون بھی انہیں خوش نہیں کرتے تھے۔

گھر کے اخراجات اور موبی کی دوائیوں کا خرچہ فیفا کی تنخواہ سے پورا ہوتا تھا اور وہ شاہنواز کے ساتھ مل کے ماہیر کی ضمانت کے لئے بھاگ دوڑ بھی کر رہی تھی۔

یہ بہت تھکا دینے والے دن تھے۔ یہ غم سے بوجھل دن تھے۔ حانی کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ اسلام آباد سے خالہ اور محسن بھی آ چکے تھے اور محسن ہر طرح کی کوششیں کر کے تھک چکا تھا اور محسن کو مایوس دیکھ کر اس کے بیمار بابا دل ہار گئے تھے۔ بابا کی بیماری نے حریم کو صدمات سہارنے کے قابل ہرگز نہیں چھوڑا تھا۔ جب ایک عجیب واقعہ ہو گیا۔ یہ عجیب تھا، ہولناک تھا۔ المناک تھا۔ بھلا یہ کیا تھا؟ صبح صبح اسے ایک رجسٹری وصول ہوئی تھی۔

یہ نہ جانے رجسٹری بھیجی کس نے تھی؟ کس کی تحریر تھی یہ، مٹی مٹی...... آنسوؤں سے نم۔ جس کے لفظ لفظ سے گویا لہو ٹپک رہا تھا۔

حریم نے تحریر کو پڑھا، ایک دفعہ، دو دفعہ پھر کئی دفعہ...... اسے لگا، یہ دل جو اس کے سینے میں دھڑک رہا ہے۔ کسی بھی لمحے پھٹ جائے گا۔ کسی بھی لمحے اس کے جسم اور روح کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ وہ مری نہ وہ زندہ رہی...... زندگی اور موت کے ملاپ نے حریم جمال کو یکدم مار دیا تھا۔ وہ تحریر تھی یا پھر کوئی ظالم ناگ، جس نے حریم جمال کو اس طرح سے ڈس لیا تھا کہ وہ زندہ رہتے ہوئے بھی زندہ نہیں تھی۔

حانی کی واپسی حریم کی زندگی سے مشروط تھی؟ آخر یہ سب کیا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟ آخر بے قصور ہوتے ہوئے بھی وقت ان پر کیوں قیامت بن کر ٹوٹ پڑا تھا؟ وہ تحریر بھلا کیا تھی۔ وہ چند لفظ بھلا حریم کے لئے کیسی اہمیت رکھتے تھے؟ وہ اس کے دل کی موت تھے اور اس کے دل کی موت واقع ہو چکی تھی۔ وہ تحریر اس نے پھاڑ دی تھی۔ اس تحریر کے ثبوت کو اس نے مٹانا ہی تھا۔ اسے اس طرح کہا گیا تھا۔ بعض لفظ آپ کے جسم کے سارے رس کو نچوڑ لیتے ہیں۔ یہ لفظ بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

"پیاری حریم! سلام خودغرضی، بڑا غرض سے لپٹا سلام ہے۔ قبول کرنا چاہو تب بھی ٹھیک نہ کرنا چاہو تب بھی ٹھیک ہے۔

بات زیادہ طویل نہیں کروں گی۔ مختصر یہ ہے، تمہاری چھوٹی بہن میرے گھر میں پچھلے پندرہ دن سے بالکل محفوظ ہے۔ تم سے صرف اتنا کہنا تھا۔ بہت خاموشی کے ساتھ، بہت صبر اور حوصلے کے ساتھ ماہیر کی زندگی سے نکل جاؤ میری جان! نہیں جانتیں، میں ایک زخمی سی عورت ہوں۔ میرے وجود اور دل میں اتنے زخم ہیں کہ تم ہاتھ سے چھونا چاہو گی تو تمہارا ہاتھ بھی زخم زخم ہو جائے گا۔ تم جاؤ، کہیں بہت دور، جہاں ماہیر کی تم پر نظر نہ پڑے۔

حانی واپس آ جائے گی۔ بہت عزت آبرو کے ساتھ۔ مال و جواہرات کے ساتھ۔ شرط بس اتنی سی ہے، تم ماہیر کی زندگی سے نکل جاؤ۔ ہمیشہ کے لئے۔ ورنہ تمہاری حانی کی بدنامی کے چرچے زبان زدعام ہوں گے۔"

والسلام

زوباریہ درانی

یہ اسی شام کی بات ہے جب حریم نے ایک معمولی سے کلینک میں ماہیر کے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ اس اتنی بڑی خوشی نے بھی ان سب کے مردہ دلوں میں جوت نہیں جگائی تھی۔

حریم اس معصوم فرشتے کو دیکھ کر بھی خاموش تھی۔

راحت بیگم اپنے صحت مند پوتے کا دیدار کر کے بھی رنجیدہ تھیں۔ خوشی اور ہنسی گویا ہمیشہ کے لئے روٹھ گئی تھی۔ ادھر حریم پر ہمہ وقت وحشت سوار رہتی تھی۔ سوچوں نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ شاہنواز کا سارا رسوخ بھی ماہیر کی ضمانت نہیں کروا سکا۔ حانی واپس نہیں آئی تھی اور زندگی گویا ایک بدبودار جوہڑ میں ٹھہر گئی تھی۔

............*

دروازہ بہت آہستگی سے کھلا تھا اور پھر بند بھی ہو گیا۔ حانی کا چڑیا جتنا دل خوف کے مارے دھک دھک کر رہا تھا۔ ابھی تک کسی نے بھی اس کے ساتھ کوئی بھی نازیبا حرکت نہیں کی تھی۔ اسے بہت آرام اور سکون مہیا کیا جا رہا تھا۔ تینوں وقت ہی پرتکلف کھانا ٹرالی میں سج کر آتا تھا۔ بیڈ روم فل فرنشڈ تھا۔ اے سی اور روم فریج بھی موجود تھا۔ کمرے میں سہولت کی ہر چیز موجود تھی، مگر پھر بھی حانی سارا سارا دن اپنی بہن اور بابا کو یاد کر کے تڑپتی رہتی۔

اسے جس کے کہنے پر اغوا کیا گیا تھا۔ وہ عورت ابھی سامنے نہیں آئی تھی۔ تاہم اتنا تو وہ جانتی تھی کہ وہ کوئی عورت ہی تھی۔

آج اٹھارہواں دن تھا اور آج کی سہ پہر کچھ انوکھا ہونے والا تھا۔ کیا یہ تو حانی کو بھی خبر نہیں تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز نے حانی کو چونکا دیا تھا۔ کوئی تھا جو دبیز کارپٹ پر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ حانی نے چادر کو مزید منہ کے اوپر کھسکا لیا۔ وہ اس وقت لیٹی ہوئی تھی۔ بہت آہستگی کے ساتھ کسی نے اس کے پیروں پر سے چادر اتار دی۔ حانی کا دل خوف کے عالم میں پھڑ پھڑانے لگا۔ مگر اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس سے مارے خوف کے اٹھا ہی نہیں گیا۔

"حانی!" کسی نے بہت نرمی سے پکارا۔ یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ روئی روئی سی آواز، آنسوؤں سے بوجھل آواز، اس عورت کے آنسو حانی کے پیروں پر گر رہے تھے۔ حانی کا دل دھک سے رہ گیا۔

"میری گڑیا! میں تم سے معافی مانگتی ہوں اس تکلیف پر جو تمہیں میری طرف سے پہنچی۔" وہ ابھی تک رو رہی تھی۔

"مگر کیا کروں میں مجبور ہوں۔ میری مجبوری کو کوئی نہیں سمجھتا۔" اس کی سسکیاں حانی کو اور بھی حیران کر رہی تھیں۔

"میں سونے کے پنجرے میں قید ایک بھکارن ہوں۔ میرے ہاتھ میں پکڑا کشکول خالی ہے۔ مجھے تم سے صرف اتنا کہنا ہے۔ مجھ بھکارن کی جھولی بھر دو۔" اب وہ دھواں دھار رو رہی تھی۔

"م...... میں بھلا کیا کر سکتی ہوں۔"

"کچھ زیادہ نہیں صرف ایک فون کال کرنا ہے۔" وہ اسی طرح سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشتوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ وہ پہلی نظر میں اسے پاگل لگی تھی۔ دیوانی، پاگل اور خبطی......

"کیسا فون؟" حانی کپکپانے لگی۔ اسے اس بکھری بکھری عورت سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اسی پل ایک اور عورت آ گئی۔

"بس اتنا حریم سے کہنا ہے کہ یہاں تمہیں بہت تکلیف ہے۔ تمہیں رات دن تشدد سہنا پڑ رہا ہے اور تمہاری عزت بھی محفوظ نہیں اور بہت جلد تمہاری بدنامی کے چرچے ہونے والے ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سی ڈیز پر تمہاری قابل اعتراض تصویریں اور پوری فلم چلوا دیں گے۔ تمہیں کسی عرب کے تاجر کے ہاتھ فروخت کرنے کی بھی ڈیل طے ہو چکی ہے۔ اپنی بہن سے کہہ دو، تمہاری عزت اور زندگی اب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہیں واپس جانا ہے تو جو میں کہہ رہی ہوں۔ وہ خاموشی سے کرتی جاؤ۔" اس ملازمہ ٹائپ عورت نے بڑے دبنگ لہجے میں کہا۔ اب وہ موبائل اس کے ہاتھ میں تھما رہی تھی۔ سامنے ایک پرچہ لکھا ہوا تھا اور حانی روتے ہوئے وہی الفاظ دوہرا رہی تھی۔

"آپ حریم سے کیا چاہتی ہیں؟" وہ زوباریہ سے سہمے سہمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ حالانکہ زوباریہ بہت حلیم تھی۔ بڑے نرم لہجے میں بات کرتی تھی۔

"میں اس سے جو چاہتی ہوں۔ وہ سب سمجھ گئی ہو گی۔ بس کچھ دیر اور انتظار کر لو، اسیری کے دن بس تھوڑے ہیں۔" وہ حانی کے سر پر بوسہ دے کر چلی گئی۔

اور حانی واپس آنے کے دن تک بھی حیران اور ششدر تھی۔ وہ اس بے حد سادہ نظر آنے والی عورت کو سمجھ نہیں پائی تھی۔

ادھر حریم گویا ننگے پیر انگاروں پر چل رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک پل صراط تھا اور اس پل صراط کو

بھلا وہ کیسے پار کرتی۔

ماہیر سے ناتا توڑنا بھلا آسان کہاں تھا۔ حانی کی واپسی کو حریم کی زندگی سے مشروط کر دیا گیا تھا اور اس نے زندگی سے ناتا توڑ دینے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ ماہیر سے جدائی زندگی سے جدائی کی طرح تھی مگر اسے یہ دریا عبور کرنا ہی تھا۔

حانی جمال کے لئے، عزت کی بقا کے لئے اور خود اپنے لئے وہ کیا کرتی، حانی سے محبت، ماہیر کی محبت پر غالب آ گئی تھی۔ اس محبت میں دل ٹوٹا تھا۔ زندگی اندھیروں کے سپرد ہونا تھی۔ مگر حانی کی محبت میں نسلوں کی عزت اور بقا پوشیدہ تھی۔ محبت پر عزت فوقیت لے گئی تھی۔ ماہیر کی محبت کا پلڑا ہلکا ہو گیا تھا۔ عزت محبت پر حاوی ہو گئی تھی۔ ماہیر سے اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا اور وہ خبر ہر ایک پر گویا بجلی بن کر گری تھی۔ راحت بیگم کے حواس معطل ہو رہے تھے اور وہ شاہنواز کو بلا کر لے آئی تھیں۔ حریم تیار ہو رہی تھی۔

آج اس نے ماہیر سے آخری ملاقات کے لئے جیل جانا تھا۔ فیصلے کی جس گھڑی سے وہ خوفزدہ تھی۔ آج وہ تلوار کی مانند اس کے سر پر ننگی تھی۔ بالآخر حریم جمال نے زہر سے بھرے جام کو لبوں سے لگا ہی لیا تھا۔

شاہنواز اس کے ساتھ جانے والا تھا مگر حریم کی بات سن کر وہ چکرا کر رہ گیا۔

"حریم! تم پاگل ہو گئی ہو؟"

"ہاں پاگل ہو گئی ہوں۔ غم کی بہت بھاری رات گزری ہے مجھ پر۔ میرے حواس چھن چکے ہیں۔ نہ جانے میں زندہ کیسے ہوں؟ مجھے تو مر جانا چاہئے۔" وہ ننھے اذان کو راحت بیگم کے حوالے کر کے شاہنواز کے ساتھ باہر آ گئی تھی۔

"حریم! تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"پلیز شاہنواز! مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ میں کوئی جواب دینے کے قابل نہیں ہوں۔" جیل کے بڑے سے پھاٹک کے سامنے گاڑی رک گئی تھی۔ وہ لب بھینچے حریم کو دیکھے جا رہا تھا۔

............*

"تم!" ماہیر کی آنکھوں میں ستارے سج گئے تھے۔

"حریم! تم ٹھیک ہو نا۔ اذان کیسا ہے؟ کیسی شکل ہے اس کی؟ تم اذان کو بھی لے آتیں۔ میں اسے دیکھ لیتا۔ نہ جانے کب تک میرے کیس کا فیصلہ ہو گا۔ چلو، اللہ بہتر کرے گا۔"

"اذان ٹھیک ہے اور اس کی شکل میری جیسی ہے۔" حریم کے لہجے میں نہ چاہنے کے باوجود بھی آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔

"پھر تو خوبصورت ہو گا۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔ حریم نظر جھکائے کھڑی تھی۔ وہ لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی اور لفظ تھے کہ اس کی پکڑ میں نہیں آ رہے تھے۔

"حریم! کچھ بولو نا، چپ چپ کیوں ہو؟ میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔" بے قراری اس کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔

"کیا بولوں؟ کیا بولنے کے لئے کچھ رہ گیا ہے؟" وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"حانی کا کچھ پتا چلا؟" وہ جانتا تھا اپنے باپ کی بیماری اور حانی کے غائب ہونے کے غم نے اسے گھائل کر رکھا ہے۔

"عنقریب پتا چل جائے گا۔" اس کا انداز مبہم سے تھا۔

"تم موبی اور امی کا خیال رکھتی ہو؟" وہ بڑے یقین سے پوچھ رہا تھا۔

"موبی اور امی میری ذمہ داری نہیں۔" حریم تلخی سے گویا ہوئی تھی۔ یوں کہ جیل کی جالیوں پر رکھے ماہیر کے ہاتھ لحظہ بھر کو کپکپائے۔

"امی سے جھگڑا ہو گیا ہے؟ پلیز حریم! میری خاطر درگزر کر دیا کرو۔" وہ گویا التجا کر رہا تھا۔

"میں ہی کیوں درگزر کروں؟" حریم جواباً چیخ اٹھی۔ ماہیر پھر سے کچھ چونک گیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ حریم اجنبیوں کی طرح بات کیوں کر رہی ہے۔

"میں آپ کی مخبوط الحواس ماں اور پاگل بھائی کی خدمتیں کر کر کے عاجز آ چکی ہوں۔ اب مزید قربانی میرے بس میں نہیں۔ خود کو تو قربان کر چکی ہوں اور کیا کروں آپ کے بھائی اور ماں کے لئے۔" وہ پھر سے بھینچی آواز میں چلائی۔

"حریم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" وہ وحشت زدہ سا اسے دیکھتا رہا۔

"پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے۔" حریم دھاڑی۔

"میرا اور تمہارا ساتھ یہیں تک تھا ماہیر عالم! مجھے آزاد کر دو ان جھنجھٹوں سے۔ تنگ آ گئی ہوں میں تمہارے گھر میں کیڑے مکوڑوں جیسی زندگی جیتے ہوئے۔ بہت برداشت کیا ہے میں نے تمہاری ماں کی تلخیوں کو، تمہارے ادھورے بھائی کو، بہت ذلت سہی ہے۔ بہت دکھ جھیلے ہیں۔ اب اور نہیں مجھ سے اور کچھ سہنے کی طاقت نہیں۔"

"تم، واقعی پاگل ہو گئی ہو۔ حریم! جانتی ہو۔ تم کیسے کیسے لفظ بول رہی ہو۔" صدمے کی شدت نے ماہیر کے حواس سلب کر دیئے تھے۔

"میں ہوش و حواس میں ہوں۔ مجھے طلاق چاہئے۔" وہ پھر سے دھاڑی۔

"میں تم جیسے خود غرض اور بے ایمان آدمی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ نہ جانے کب سے حرام کما کر کھلا رہے ہو مجھے۔ نہ جانے کس کس کا حق چھینتے ہو۔ کس کس کا رزق چھینتے ہو۔ کس کس کی بددعا سمیٹ رکھی ہے تم نے۔ مجھے تمہاری بددعاؤں میں حصہ دار نہیں بننا۔"

"طلاق۔" ماہیر کو لگا تھا۔ جیل کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے۔

"تمہیں طلاق چاہئے؟"

"ہاں۔" وہ بے خوف تھی۔

"حریم! میں کسی کے قتل کے مقدمے میں اندر نہیں ہوں۔ معمولی سا غبن کا جھوٹا کیس ہے۔ یوں آنکھیں تو نہ بدلو، چند ماہ اور صبر کر لو۔ میں تم سے......"

"مجھے اور کہانیاں مت سناؤ ماہیر عالم! میں کسی جھوٹے بہلاوے میں نہیں آنا چاہتی۔ میرا وکیل

کاغذات لے کر آئے گا۔ دستخط کر دینا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی۔

"کیا اس انتہائی فیصلے کی وجہ بتا سکتی ہو؟" ماہیر کے لہجے میں بھی زخمی شیر کی پھنکار تھی۔ وہ اس شاک کی کیفیت سے گویا نکل آیا تھا۔

"اتنی وجوہات کیا کم ہیں۔ جو کچھ اور جاننا چاہتے ہو؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"کیا کوئی اور جزیرہ نظر آ گیا ہے؟ ماہیر کا لہجہ بھی زہر خند ہو گیا۔ تنہائی، ناکامی اور بدلتے حالات کی کروٹ نے بہت سی کڑواہٹ ماہیر کے اندر بھی بھر دی تھی اب جو حریم نے نظر بدلی تو وہ گویا ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" آج وہ خود کو ماہیر کی نظر سے گرا لینے کا عہد کر کے ہی تو آئی تھی۔

"صرف چند دنوں میں کون کون سے خواب دیکھ چکی ہو حریم! سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا کہ خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔" اس کے لہجے میں استہزا ابھر گیا تھا۔

"خواب دکھانے والا، پہلے حقیقت کو سامنے لایا ہے۔ حریم دوسری مرتبہ دھوکا کھانے سے رہی۔" حریم کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور لفظ گویا پتھر برسا رہے تھے۔

"چلو جی، تم خوش تو ہم خوش۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"نہ جانے کیوں دل کو یقین نہیں آتا کہ یہ الفاظ تمہارے ہیں۔ یوں لگتا ہے کسی نے کنپٹی پر پستول رکھا ہے اور تم سکرپٹ ہاتھ میں پکڑے بول رہی ہو۔"

"میری خوشی سے بھلا آپ کو کیا لینا دینا ماہیر صاحب!" وہ آنکھ میں اتری نمی بڑی مہارت سے چھپا گئی تھی۔

"زندگی بعض لوگوں کو بار بار آزماتی ہے۔ ہم بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہیں۔ ہمارا دل بھی زخمی اور روح بھی۔

یہ فیصلہ تمہارا اپنا ہے حریم! پھر کیوں اتنی تھکی تھکی شکست خوردہ لگ رہی ہو؟"

"اس لئے کہ شکست میرے نصیب میں لکھی گئی ہے۔ ہم نے تو ہارنا ہی تھا۔ ہار کر جیتیں یا جیت کر ہاریں۔" وہ لب کچل رہی تھی۔ اپنے لہجے کا درد چھپا رہی تھی۔

"تم میرے باہر آنے تک کا انتظار نہیں کر سکتیں؟" وہ بڑی امید سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" حریم کے لہجے میں پتھروں جیسے سختی تھی۔

"ہم نے بہت اچھا سفر طے کیا ہے ماہیر! میں چاہتی ہوں کہ ہم اچھے طریقے سے ایک دوسرے کو الوداع کہہ دیں۔ آپ کو اپنے بچے کی قسم! مجھے آزاد کر دیں ورنہ میں خود کو ختم کر لوں گی۔"

"سفر کہاں طے کیا ہے؟ دو اڑھائی سال کی رفاقت کو سفر کہہ رہی ہو۔" ماہیر کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"تو آج تم مجھے وداع کرنے آئی ہو؟ نہ جانے کیوں دل کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ حالانکہ تمہارا خط میرے پاس ہے۔ پھر بھی ایک آس تھی۔"

"یہ وقت وقت کی بات ہے ماہیر! اور یہ جو وقت ہے نا، کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا۔ آج مجھ پر مہربان اور کل کسی اور پر...... کچھ لوگ اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے کے لئے اترتے ہیں۔ کچھ لوگ محبتیں بانٹنے کے لئے تخلیق کئے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں' جو دلوں کو اجاڑنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے اپنے دل ویران کھنڈر کی طرح سے ہوتے ہیں اور وہ کسی کا دل آباد نہیں دیکھ سکتے۔" وہ آنکھ سارے آنسو دل میں اتار گئی تھی۔ اسے ایسا ہی کرنا تھا۔ اس کی ذرہ بھر کمزوری پر سارے راز منکشف کر سکتی تھی۔

"حریم! کیا تم سمجھتی ہو کہ میں نے کمپنی کا پیسہ کھایا ہے؟ کیا تم مجھے بے ایمان اور جھوٹا سمجھتی ہو؟"

"نہیں۔" حریم کا دل کرلایا تھا' مگر لبوں سے کچھ اور برآمد ہوا۔

"ہاں۔"

"میں تمہیں یقین کیسے دلاؤں؟ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ ایک یہ تمہارا دل ہی تو تھا۔ جو مجھ پر سچائی کی گواہی دے سکتا تھا۔ آج اس دل نے بھی دھوکا دے دیا۔ سچ ہی کسی نے کہا ہے۔ برے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔" ماہیر نے گویا ضبط کی انتہا کر دی تھی۔

"جاؤ حریم! تمہیں میں نے آزاد کیا۔ اپنے دل سے نکال دیا۔ جاؤ حریم! میری محبت سے تم آزاد ہو اور میں نے تمہیں اپنے نکاح سے بھی نکال دیا۔ تم مجھ پر حرام ہوئیں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں...... آج کے بعد دعا کرنا، میرا اور تمہارا سامنا کبھی نہ ہو اور ہاں، ایک بند لفافہ شاہنواز تمہیں دے گا۔ اسے کھول کر دیکھنا تم نے یقین کر لیا ہے نا کہ میں خائن ہوں، فراڈ کیا ہے میں نے کسی کا حق چھینا ہے۔ مگر میں نے اس بند لفافے میں موجود ایک ایک ثبوت کو دیکھ کر بھی یقین نہیں کیا۔ میرا دل کہتا ہے، حریم پاک ہے۔ وہ میرے پاس خالص دل لے کر آئی تھی۔ ان چھوئی سوچ لے کر آئی تھی۔ مجھے اس بند لفافے میں موجود کسی ایک بھی ثبوت کا یقین نہیں آیا نہ کبھی آ سکتا ہے اور ہاں، ایک اور بات میرا بیٹا تمہاری گود میں ہے۔ دل چاہے تو اسے میری ماں کے حوالے کر جانا۔ اگر ساتھ لے کر جانا چاہو تو تمہاری مرضی میں عدالت میں اقبال جرم کرنے والا ہوں۔ مجھے اب تمام عمر جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنا ہے۔ جس کی خاطر مجھے لوٹ آنے کی جلدی تھی۔ جب وہ نہیں تو پھر زندگی میں کچھ بھی نہیں...... میں جانتا ہوں، خود کو بھی بیچ بھی دوں تو تین کروڑ کی رقم میں ادا نہیں کر سکتا۔ میرا کوئی اثاثہ نہیں' جسے بیچ دوں۔

ایک معمولی سی چھت ہے جو میری ماں اور بھائی کے سروں کو چھپانے کا واحد آسرا ہے۔ میں اس گھر کو کسی بھی قیمت بیچ نہیں سکتا۔ میں اپنی ماں کو بے گھر نہیں کر سکتا۔ جاؤ حریم! چلی جاؤ کبھی لوٹ کر نہ آنا۔ میں نے اپنے دل کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر لئے ہیں۔ تم ایک جھوٹے، بے ایمان اور دھوکے باز آدمی کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔ نہ رہو، میں تمہیں اپنے نام کے ساتھ قید بھی رکھنا نہیں چاہتا۔ میں نے تمہیں کوئی خوشی کوئی سکھ بھی تو نہیں دیا۔ جب میں نے تمہیں دیا ہی کچھ نہیں تو پھر لینے کی توقع کیوں کروں؟

میں کیوں اس حبس زدہ دنوں کا انتظار تمہارے حوالے کر دوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ زندگی نے اب میری قسمت سے سارے سکھ چھین لئے ہیں۔ میں ایک تلخ ترین زندگی تمہارے حوالے کر کے خود یہاں

آ گیا ہوں۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر تھا کہ تم ان حالات میں رہتیں یا نہیں۔ تم نے جو فیصلہ کیا، میں نے اسے مان لیا، اب میں دل کی کہانیاں تمہیں کیوں سناؤں۔ جب رشتہ نہیں رہا۔ تعلق نہیں رہا حتیٰ کہ محبت بھی نہیں رہی تو میں اپنے غم تمہارے ساتھ کیوں شیئر کروں۔" وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا پلٹ گیا۔ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح جو پوری پونجی لوٹا کر بالکل قلاش ہو کر اپنے گھر کو لوٹتا ہے...... کیا آج ماہیر عالم سے بڑھ کر کوئی مفلس تھا؟

حریم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماہیر کو پلٹتے دیکھا۔ اس کا دل قلابازیاں کھاتا ہوا گویا ماہیر کے ہر قدم سے لپٹ لپٹ جا رہا تھا۔ اس کی چشم نم نے اس منظر کو دیکھا اور دل داغ داغ ہو گیا۔ عزت پر محبت قربان ہو گئی تھی اور محبت کے تو مقدر میں قربانی دینا لکھا ہے اور جو محبت قربانی اور ایثار کے جذبے سے نابلد ہوتی ہے۔ دراصل وہ محبت نہیں، وہ جنون کی ایک قسم ہے۔ بے راہ روی ہے اور اس نے فتح حاصل تو کی تھی۔ وہ ناکام کہاں ہوئی تھی۔ اس نے ایک نسل کو' ایک خاندان کو بچا لیا تھا۔ اس نے اپنی معصوم حانی کو بچا لیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی بوڑھی آنکھ میں اترے خوف کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اس نے ان کی برسوں کی ریاضت کو مٹی میں رلنے سے بچا لیا تھا۔

اس نے محسن کی محبت کو روگ لگنے سے بچا لیا تھا اور اس نے زوباریہ درانی کے دل کا اپنا دل ہار کر بچا لیا تھا۔ کیا حریم جمال قابل نفرت تھی؟

کیا وہ ماہیر کے دل سے اتر جانے کے قابل تھی؟ پھر بھی ماہیر نے اسے اپنے شہر دل سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ حریم جمال نے اسے قسم دی تھی اور وہ قسم کو نباہنے والوں میں سے تھا۔ حریم جمال ایک خوش نصیب عورت تھی یا بدنصیب؟ وہ بے وفا تھی یا باوفا؟ اس نے دل کو بچایا تھا یا لہو کے تعلق کو؟ یہ تو وقت نے ثابت کر دیا تھا کہ عورت چاہے تو نسلوں کو بچا سکتی ہے اور چاہے تو تباہی کے دہانے پر لے جا سکتی ہے۔

اس کا دل اپنے پیا کے قدموں تلے بچھ بچھ جا رہا تھا اور لب دعاؤں کا حصار باندھ رہے تھے۔

اورے پیا، ہائے اورے پیا
رونے لگا کیوں دل پگلا رے
آیا کہاں سے، درد کا طوفان ہائے
آنسو بھی تو آئے نہیں، یادیں کہیں جائیں نہیں
ہنسی بھی تو آئے نہیں، درد دور جائے نہیں
جانے کیوں، پھر بھی یہ...... دل رو دیا رے
اورے پیا ہائے! مورے پیا ہائے!
لاگے کہیں نہیں، مورا جیا رے
یہ عشق کیا ہے، کیسا نشہ ہے
یہ اک طوفان ہے، پاگل ہوا ہے
مجھ کو لے جا رے، لوٹ کے نہ آ رے

میں عاشق تیرا رے، تو پیا میرا رے
یہ ہجر تیرا ہائے، مجھے مل گیا ہائے
اورے پیا! ہائے، اورے پیا!

............*

وہ اک قیامت کا سفر کر کے گھر لوٹی تھی۔ اس کے اندر بھانبڑ جل رہے تھے۔ اس کے پیروں تلے انگارے بچھے تھے اور وہ ایک جنون خیز کی جنونی محبت کو سکون دے کر آ رہی تھی۔ وہ اس کے قول کے مطابق ماہیر عالم کی زندگی سے نکل گئی تھی۔

زوباریہ درانی کا جنون جیت گیا تھا۔ حریم جمال کی محبت ہار گئی تھی۔ اس کے کانوں میں آج بھی اس فون کال میں سے حانی کی سسکیاں سنائی دیتی تھیں اور پھر حانی کے درد میں ڈوبے الفاظ۔

"حریم! یہ نہ جانے کون پاگل عورت ہے۔ تم اس کی باتوں میں مت آنا۔ یہ پاگل ہے حریم، کبھی میرے قدموں میں گرتی ہے۔ کبھی مجھ سے معافیاں مانگتی ہے۔ رات رات بھر جائے نماز پر کھڑی روتی ہے۔ نہ جانے یہ کون ہے حریم! اس کا ماہیر بھائی سے نہ جانے کون سا تعلق ہے؟ تم میری خاطر کوئی بھی انتہائی فیصلہ نہ کرنا۔ میرا کیا ہے۔ میں نہ بھی رہی تو بھلا کسی کو کیا فرق پڑے گا۔ تم اذان کو جیتے جی یتیم مت کرنا حریم! اس پاگل کی باتوں میں مت آنا۔" حانی بری طرح سے رو رہی تھی۔ یقیناً وہ گھر والوں سے چوری چھپے اسے فون کر رہی تھی' مگر اس کا فون ٹیپ کیا جا رہا تھا۔ پھر کسی نے بڑی نرمی کے ساتھ حانی کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ لیا۔ حریم کا رواں رواں سماعت بن گیا تھا۔ وہ بے حد خوفزدہ ہو رہی تھی کہ اب حانی پر تشدد کیا جائے گا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ ریسیور میں سے ایک ٹھہری، رواں اور بے حد نرم آواز سنائی دی۔

"میں زوباریہ ہوں حریم!" آواز بھی تو کسی ساحرہ کی لگ رہی تھی۔ عجیب کھویا کھویا سا لہجہ تھا۔ نہ جانے وہ دیکھنے میں کیسی تھی۔

"جتنی اس بچی حانی کی عمر ہے نا...... اتنے سال میں نے تمہارے ماہیر سے محبت کی ہے۔ اتنے سال میں نے اس کا انتظار کیا ہے۔ اتنے سال آبلہ پائی کا سفر کرتی رہی ہوں۔ اتنے سال ننگے پاؤں چلی ہوں۔ جب منزل قریب آئی تو پتا چلا کہ یہ راستہ کسی اور کا تھا۔ جس پر میں نے طویل ترین سفر کیا۔ اس تھکے ہارے مسافر کی بھلا کیا حالت ہوتی ہے؟ یا تو وہ کندھے جھکا کر بے دم ہو جاتا ہے یا پھر میری طرح بپھر جاتا ہے۔ میں بپھرے ہوئے طوفان کی طرح ہوں حریم! اگر ماہیر کی زندگی سے تم دور نہ ہوئیں۔ اگر ماہیر مجھے نہ ملا تو تمہارے اذان کو سچ مچ یتیم ہونا پڑے گا۔ اگر وہ میرا نہیں ہو سکا تو تمہارا بھی نہیں رہ پائے گا۔ میں اسے تم سے متنفر کر دوں گی۔ وہ تم پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ وہ تمہیں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ اگر میں اس مقصد میں بھی کامیاب نہ ہو سکی تو پھر ماہیر کو اپنے ہاتھ سے زہر پلا دوں گی اور اس کا بچایا ہوا زہر خود پی لوں گی اور تم نہیں جانتیں حریم! میں ایسا کر سکتی ہوں۔ میں ایسا کر دوں گی۔ میں ماہیر کو زہر پلا دوں گی اور خود بھی زہر سے بھرا جام پی لوں گی۔ پھر تم ہم دونوں کے مرقد پر آنا...... اور مجھے ماہیر کے برابر میں دفنا دینا۔ یہ عشق کی آگ شاید مرنے کے بعد ٹھنڈی ہو جائے۔" زوباریہ کی نرم بے حد نرم آواز میں درد کا جو

طوفان تھا۔ حریم گویا سمجھ کر تھرتھرا گئی۔

"یہ کسی محبت ہے زوباریہ! یہ تو محبت نہیں، اسے محبت کا نام مت دو۔ بھلا محبت پالنے کا نام تو نہیں۔ کسی کے حصول کو محبت نہیں کہتے۔ محبت وجود خاکی کو کھو کر دراصل تخلیق ہوتی ہے۔ اس کے بعد ایک اور سفر شروع ہوتا ہے۔ یہ سفر سچا، خالص اور کھرا ہے بس اس راہ کی تلاش بہت مشکل ہے۔"

"مجھے محبت کے فلسفے مت سمجھاؤ حریم! مجھے خوشی کا سندیسہ سنا دو۔ یا میرے ساتھ ایک ڈیل طے کر لو۔" آواز پر گویا عجیب سی خماری طاری ہوگئی تھی۔

"کیسی ڈیل؟" حریم پھر سے کپکپا کر رہ گئی۔

"یا تو ماہیر کو میرے ساتھ شیئر کر لو۔ میں اس کی دوسری بیوی بن جاؤں گی۔" اس نے حریم کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔

"مجھے ماہیر کا بٹوارا منظور نہیں۔" وہ دھاڑ کر بولی۔

"تو پھر پورے کا پورا ماہیر مجھے دے دو۔" زوباریہ کا لہجہ اور بھی نرم ہوگیا۔ مٹھاس گویا اس کے لفظوں سے ٹپک رہی تھی۔

"ایسا بھی ممکن نہیں۔ تم واقعی پاگل ہو۔" حریم حلق کے بل چلا اٹھی۔

"اچھا، تو حانی کو پھر بھول جانا...... ہمیشہ کے لئے اور ماہیر کو صرف یاد کرتی رہنا۔ جس طرح میں نے حانی کو اغوا کر لیا ہے اسی طرح ماہیر تک پہنچنا میرے لئے مشکل نہیں۔" وہ شاید دھیمے سے ہنسی تھی۔ بہت خوبصورت گھنٹیاں بجاتی ہنسی کی آواز تھی۔

"ماہیر میرا نہ ہوسکا تو اسے تمہارا بھی نہیں رہنے دوں گی۔ تمہیں انڈر ورلڈ کے لوگوں کے حوالے کر دوں گی۔ دونوں بہنیں گوشت خور سرمایہ داروں اور سمگلروں کے دل خوش کرتی رہنا۔ بس آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس، جلدی فیصلہ کر لو۔" فون کھٹاک سے بند ہوگیا تھا۔ اس فون کال نے اس کے جسم کا سارا خون گویا چوس لیا تھا۔ وہ ماہیر کے پاس جانے کے لئے تیار ہوگئی تھی۔ اسے آخری دفعہ دیکھنا بھی تو تھا اور جب وہ گھر واپس آئی تو اس کا پہلا سامنا راحت بیگم سے ہوا۔ وہ بے قراری سے اس کی طرف آئی تھیں۔

"ماہیر کب تک آجائے گا حریم بیٹی! میرا بچہ کب تک واپس آئے گا۔" ممتا کی ماری اس عورت کی آنکھوں میں سوال تھے۔

"طلاق کا پروانہ لے کر آرہی ہوں۔ تمہاری دولت مند ہونے والی بہو بہت جلد ماہیر کو جیل سے چھڑوا لائے گی۔" وہ زہر خند ہو کر چلا اٹھی تھی۔ راحت بیگم تو اس کے لہجے کو سن کر گویا کانپ کر رہ گئیں۔

"حریم! میری بچی کیا ہوا؟ ماہیر سے لڑائی ہوگئی ہے میری بیٹی! وہ بے قصور ہے۔ اسے عدالت بھی بری کر دے گی۔" وہ حریم کے اندر لگی آگ سے ناواقف تھیں۔ وہ اس کے غصے کو تحمل سے برداشت کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ حالات نے اس کے اندر غصہ بھر دیا ہے۔

"میں جانتی ہوں، وہ بے قصور ہے، بے گناہ ہے۔" اس کا دل کرلایا۔

"تجھے کیا ہوا ہے؟ حریم! بتا دے میرا دل پھٹ جائے گا۔" وہ ایک دفعہ پھر اس کی دلی کیفیات سے

انجان بے صبری سے بولیں۔

"میرے دل کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ میرے منہ نہ لگو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔" وہ ایک دم چلانے لگی۔ راحت بیگم گھبرا اٹھیں۔

"مجھے مت چھونا...... میرے اندر آگ لگی ہے۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ مجھے تنہائی بخش دو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کے ہونٹوں میں کپکپاہٹ تھی۔ اس کے وجود میں تھرتھراہٹ تھی۔ اس کا پورا جسم زلزلے کی زد میں تھا۔

"تجھے ہوا کیا ہے؟ مجھے بتاؤ میری بیٹی۔" وہ ہاتھ جوڑے منتیں کر رہی تھیں۔ وقت بھی بڑے بڑے لوگوں کے سارے بل نکال دیتا ہے۔ وقت سے بڑا بھلا کوئی استاد ہے؟

"تمہارے بیٹے سے طلاق لے کر آرہی ہوں۔ چلاؤں نہ تو کیا جشن مناؤں؟" وہ غصے، دکھ اور کرب کی انتہا پر پہنچی ادب و احترام کا دامن بھی چھوڑ بیٹھی تھی۔ "طلاق۔" راحت بیگم کی آنکھیں گویا پھٹ پڑیں۔

"تجھے ماہیر نے طلاق دے دی؟" ان کے دل پر گویا یکے بعد دیگرے گھونسے پڑے۔

"طلاق دی نہیں میں نے خود لی ہے۔" وہ بھل بھل گرتے آنسوؤں کو بے دردی سے پونچھتی سامان سمیٹ رہی تھی۔

"تم نے طلاق لے لی؟ کیوں؟" راحت بیگم نے اس سے بھی بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"اس لئے کہ وہ اوباش امیرزادی، ماہیر کے عشق میں پاگل تھی۔ اسے ماہیر چاہئے تھا۔ اگر میں طلاق نہ لیتی تو اس عورت نے ماہیر کو مار دینا تھا۔ حانی کو انڈر ورلڈ کے "کتوں" کے ہاتھ بیچ دینا تھا۔ اذان کو یتیم کر دینا تھا۔ اگر میں ماہیر کو نہ چھوڑتی تو اس نے یہ پورا خاندان تباہ کر دینا تھا۔ اب تو صرف حریم کا دل اور گھر اجڑا ہے۔ آپ کا ماہیر تو سلامت رہے گا نا۔ آپ کی نظر کے سامنے رہے گا۔ میں نے اپنے باپ کی عزت کو داغدار ہونے سے بچا لیا۔ میں نے ماہیر کو رات جیسی قبر میں اترنے سے بچا لیا۔" وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی اور راحت بیگم بھی اس کے ساتھ باآواز بلند رو رہی تھیں۔

"وہ قبر سے نکل کر کیسے زندہ ہوگئی؟ وہ تو مر چکی تھی؟"

"وہ زندہ تھی۔ اس کی ماں نے آپ سب کے لئے اسے مار دیا تھا۔ وہ امریکہ میں مقیم تھی۔" نہ جانے کب شاہنواز چپکے سے اندر آگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی لفافہ تھا۔ جو وہ حریم کو تھما رہا تھا۔

"تم کیسے جانتے ہو اسے؟" راحت بیگم نے پھٹی پھٹی آواز میں پوچھا۔

"میں اسے کافی عرصے سے جانتا ہوں، مگر مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ وہ ماہیر عالم کے پیچھے مر مٹنے والی زوباریہ ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے پہلے خبر ہوتی تو میں اس کے حلق پر چھری پھیر دیتا اور خود کو قانون کے حوالے کر دیتا۔" شاہنواز نپے تلے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا تھا۔

"بہت جلد بازی سے کام لیا ہے تم نے حریم! اتنی جلدی طلاق کا فیصلہ بھی کر لیا۔ تم مجھے تو بتاتیں، پھر دیکھتیں کہ تمہارا یہ بھائی کیسے اپنی جان کی بازی لگا دیتا۔ مگر تمہیں اجڑنے تو نہ دیتا۔ تمہارے آنکھ میں کبھی

آنسو نہ آنے دیتا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے نم آواز میں کہہ رہا تھا۔

"اس بند لفافے میں جو کچھ موجود ہے۔ کوئی بھی غیرت مند شوہر اس ثبوت کو دیکھ کر بندوق اٹھا سکتا تھا۔ مگر ماہیر نے ایسا نہیں کیا۔ تم پر صبح سحر کی سپیدی جیسا یقین تھا پھر تمہارا یقین کیوں ہلکا ہو گیا۔"

"مجھے پچھتاوؤں کی راہ مت دکھاؤ شاہنواز! میں نے خود کو قربان کر دیا ہے اب میں ہرگز بھی پچھتانا نہیں چاہتی۔" وہ آنسو پونچھتی سامان اٹھا کر باہر آ گئی تھی جب موبی نے اس کا رستہ روک لیا۔ آج وہ پھر سے خواجاؤں والے اسٹائل میں کھڑا تھا۔ نیلی آنکھوں میں کربناک کہانی زندہ تھی اور اس کربناک کہانی کا انجام موبی دیکھ رہا تھا۔

"کانچ کے شہر کی وہ عورت جیت گئی بھابی! اور تم نے خود کو ہار دیا۔" وہ مخصوص انداز میں پیر زمین پر مار رہا تھا۔

"جنون جیت کر پھر بھی ہار جاتا ہے اور محبت ہار کر بھی جیت جاتی ہے۔" اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے وا ہو رہے تھے۔ وہ پھر سے ایک خواب کے سفر میں تھا۔ اس پل حریم کو نہ جانے کیا ہوا تھا۔ وہ گویا موبی پر جھپٹ پڑی...... وہ اسے مکوں کے ساتھ گھونسوں کے ساتھ مار رہی تھی۔ پیٹ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے پیر کی جوتی اتار لی تھی۔ اب وہ جوتے کے ساتھ اسے پیٹ رہی تھی۔ اس کے جوتے کی ضربیں موبی کے سر پر لگ رہی تھیں۔

"اپنا سارا دکھ، سارا کرب نکال دو بھابی! اسی گھر میں اپنے غم کی اس کہانی کو چھوڑ جاؤ بھابی! اللہ نے چاہا تو خوشی تمہارے دل کو ضرور چھو لے گی۔" جب حریم تھک ہار کر موبی کو چھوڑ بیٹھی تو وہ ہنوز پہلے والے لب و لہجے میں دھیرے دھیرے بولا۔ حریم اس کی طرف متوجہ کہاں تھیں۔ اب وہ لفافہ چاک کر رہی تھی۔ لفافے میں تصویروں کا ایک ڈھیر تھا۔ یہ ساری تصویریں حریم کی شادی کی تھیں۔ مگر یہ تصویریں بھلا زوباریہ کے پاس کیسے پہنچی تھیں۔ اس کے علاوہ بے شمار کارڈز تھے۔ خطوط تھے آٹھ دس ڈائریاں تھیں۔

"یہ سب کیا تھا؟" حریم کو بس لمحہ بھر لگا تھا بات کی گہرائی میں اترنے میں۔ ہر ڈائری کے پہلے صفحے پر زرجان عباس لکھا تھا اور آگے نہ جانے محبت کی کون سی قسم کی داستان رقم تھی۔

نہ جانے یہ محبت کیا تھی؟ اور یہ محبت کس کس انداز میں دلوں میں اترتی تھی؟"

اور نہ جانے اس کی کتنی قسمیں تھیں؟ نہ جانے اس کے کتنے ہی روپ تھے؟ اس کی کتنی شکلیں تھیں اور ہر شکل میں محبت کون سا چہرہ لے کر جلوہ گر ہوتی تھی۔

کبھی میٹھا میٹھا درد جگا دیتی تھی۔ کبھی سراپا سلگا کر رکھ دیتی تھی۔ کبھی ایثار اور قربانی کے سبق سکھاتی تھی۔ کبھی جنون کا راستہ دکھلاتی تھی۔

یہ محبت زرجان عباس نے کی تھی' نہ جانے کب سے، کتنے سالوں سے، کتنی صدیوں سے اور اس محبت کی خوشبو تک کو اس نے چھپا کر رکھا تھا اور آج کسی نے اس کے راز سے پردہ اٹھا دیا؟ بھلا زوباریہ درانی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟

حریم گویا تھک ہار کر بکھر گئی۔ ٹوٹ گئی تھی اور موبی پھر سے وجد کے عالم میں تھا۔ وہ اپنے دھیان

گیان میں تھا۔

"اس کا کشکول پھر بھی خالی رہے گا بھابی! شیشے کا وہ شہر سنسان ہی رہے گا۔ کسی بچے کی قلقاری کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ کبھی بھی نہیں۔" وہ ہنسا تھا یا رویا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی اور وہ رکی بھی نہیں تھی۔

"تمہاری نحوست نے مجھے برباد کر دیا۔ کاش موبی! تم نہ ہوتے، تمہاری پچھلے اور اگلے وقتوں کی باتوں نے مجھے ہمیشہ ایک خوف میں مبتلا رکھا تھا اور آج اس خوف نے مجھے چاٹ لیا۔" وہ ننھے اذان کو سینے میں سموئے خالی ہاتھ جا رہی تھی۔ سارا سامان وہیں پڑا رہ گیا تھا اور موبی کے لفظ اس کا پیچھا کر رہے تھے۔

"تیری آبادی کے لئے میرا دل دعا کرتا رہے گا ہمیشہ بھابی! اللہ تجھے شاد رکھے۔ یہ موبی کی دعا ہے۔ ہم نے تجھے کچھ بھی نہیں دیا' نہ محبت نہ عزت۔ مگر تم نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے۔ تم نے میرے ماہیر بھائی کو ایک طوفان کی زد میں آنے سے بچا لیا ہے۔ تم نے اس گھر کو سچ مچ بچا لیا۔ اللہ! تجھے آباد رکھے...... یہ موبی کی دعا ہے۔ خاص الخاص تیرے لئے، شیشے کے شہر کی اس عورت کا کشکول خالی رہے گا۔ خالی کر دینے والے ہمیشہ خالی رہتے ہیں۔" موبی اب بلند آواز میں رو رہا تھا۔

............*

اداسی کے افق پر جب تمہاری یاد کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر ہجر کا رکھا ہوا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سربسر تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

آبلہ پائی کا سفر اور اس کا انتخاب راستوں کو ہمیشہ گم کر دیتا ہے اور وہ گم راستوں کی مسافر ہی تو تھی اور اس کی رہنمائی کرنے کے لئے آج بھی اک ننھا سا تارہ جگمگا اٹھتا تھا۔ مگر اس کی بے نیازی اس ننھے سے تارے کو مایوس کر دیتی تھی۔

حانی لاج کا لان اب بھی سرسبز تھا۔ بوا آج بھی لان میں بیٹھ کر دھوپ سینکتی تھیں۔ بابا اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے اب حانی کا انتظار کرتے تھے۔ وہ اسلام آباد میں محسن کے ہمراہ رہتی تھی۔ ایک پیاری سی بچی نے ان کی جنت کو مکمل کر دیا تھا۔

اذان اب سکول جانے لگا تھا۔ سہ پہر کے وقت وہ لان میں فٹبال کھیلتا تھا اور حریم اسے کھیلتا دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی نظر اتارتی تھی۔

آج بھی سیاہ گیٹ کے اس پار لمبی سی گاڑی کے ٹائر چرچراتے تھے۔ سیاہ پینٹ، سیاہ شرٹ میں ملبوس گھنے ریشمی بالوں والے سر پر گلاسز لگائے، دھیمے نپے تلے، پروقار قدموں سے چلتا ہوا وہ ناک کی سیدھ میں اندر چلا جاتا تھا اور کبھی کبھار حریم کو لان میں بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک کر رک جاتا۔

ہمیشہ کی طرح ٹھاٹ باٹ، شان وشوکت، آن بان لئے وہ اس کے مقابل کھڑا ہو جاتا۔ نظر چرا کے، سر جھکائے کچھ سوچتا ہوا خاموش، اداس باحیثیت، بااختیار ہر طرح کے جاہ وجلال کے باوجود عجیب سی لاتعلقی، بے نیازی اس کی شخصیت میں سے جھلکتی تھی۔ گویا اس دھن دولت سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس عزت، مرتبے، روپے پیسے نے اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ اپنی ذات میں گم اصول پسند، باانصاف، شفیق، حلیم، مہربان، رحم دل، صابر اور قانع تھا۔ وہ زرجان عباس تھا۔ محترمہ تابندہ فلک ناز کا پہلے شوہر سے تیسرا بیٹا۔

وہ آج بھی انہیں گلیوں اور انہی راستوں پر چل رہا تھا۔ بغیر کسی صلے اور انعام کے۔ آج بھی بولتی خاموشی ان دونوں کے درمیان محو کلام ہوتی تھی۔ وہ آج بھی اظہار محبت سے جھجکتا تھا۔ وہ آج بھی اپنی محبت دل کے نہاں خانوں میں چھپائے ہوئے تھا اور حریم جمال آج بھی اس کی محبت سے بے نیاز تھی۔ سورج کے گھر طواف کرتی، چکر کھاتی بولتی خاموشی نے اس منظر کو دیکھا تھا اور بل کھاتی وہ ڈوبتے سورج کی کرنوں سے پیچھا چھڑاتی ان دونوں کے درمیان آ موجود ہوتی۔

"پھر آ گئے ہو زرجان۔"

"میں بھلا گیا ہی کب تھا۔ ازل سے یہیں ہوں، ابد تک یہیں رہوں گا۔ مجھے آخر جانا کہاں ہے؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں نا...... غم کیوں کھاتے ہو۔" خاموشی اپنی ذات کا مان بخش رہی تھی۔

"ہونہہ، تمہارے ساتھ سے کوئی خوش ہو پاتا ہے۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" خاموشی اداس ہو گئی۔

"کون سا اسم پھونکوں، جو تمہارا دل خوش ہو جائے؟"

"وہ اسم تمہارے پاس نہیں۔"

"تو پھر کس کے پاس ہے؟" وہ جانتے بوجھتے سوال کر رہی تھی۔

"جس کے پاس ہے۔ وہ انجان بنی رہتی ہے۔"

"اور وہ کون ہے؟" خاموشی کو عجیب سا حسد محسوس ہوا۔

"حریم......"

"ہاں۔"

"تم بھی نا زرجان!" خاموشی نے اپنا ماتھا پیٹا تھا اور پھر سست قدموں سے بھاگ گئی۔ کسی کے ننھے قدموں کی چاپ نے زرجان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

"زرجان انکل۔" وہ اس کی گود میں سوار ہو گیا۔

"کب آئے آپ۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" زرجان نے اس کی روشن پیشانی کو چوما اور ایک بڑا سا شاپر چپکے سے اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ اب حانی کی جگہ اذان نے لے لی تھی۔ وہ حانی کی طرح اکثر فرمائشیں کرتا تھا اور اس کی فرمائش پوری کرنا زرجان کو پسند تھا۔

"زرجان بیٹا آئے ہیں۔" بوا ایک دم کھل اٹھیں۔

"کیسے ہو بیٹا! اب ذرا جلدی جلدی چکر لگایا کرو، مانو حانی کے جانے کے بعد تو یہاں الو بولنے لگے ہیں۔"

"ٹھیک ہوں بوا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"ٹھیک ہیں تبھی تو آپ کے سامنے ہیں۔ بیمار ہوتے تو میری طرح بیڈ پر لیٹے ہوتے۔" اذان کہاں چپ رہ سکتا تھا۔ پورا حانی کا جانشین تھا۔

"اذان! چلو اندر...... پھر سے فلو ہو جائے گا۔" حریم اسے بازو سے پکڑ کر اٹھا رہی تھی۔

"بوا! اسے لے جائیں اور میز پر سیرپ رکھا ہے۔ دوا بھی دے دیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔" وہ اپنے آگے بھاگتے اذان کے پیچھے چلی گئیں۔

"کیسی ہیں حریم!" بوا اور اذان کے چلے جانے کے بعد خاموشی کا مختصر وقفہ آ گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح زرجان نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ گھاس کو جوتی کی نوک سے کھرچ رہی تھی۔

"جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"بہتر ہے۔" نہ جانے کیوں حریم کو لگتا تھا کہ اس کے پاس لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔

"آپ سے کچھ کہنا تھا؟" بہت سوچنے کے بعد زرجان کو مناسب الفاظ مل ہی گئے تھے۔ حریم بغیر چونکے سر ہلانے لگی۔

"کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"مما یہاں آنا چاہتی ہیں۔" زرجان نے بہت سوچنے کے بعد بالآخر کہہ ہی دیا۔

"کیوں؟" حریم پوچھنا چاہتی تھی' مگر پوچھ نہیں پائی۔ زرجان کو ایمرجنسی کال نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا سو وہ معذرت کرتا ہوا بابا سے بغیر ملے ہی چلا گیا تھا' جبکہ حریم کو سوچوں کے بھنور میں الجھا گیا۔

"محترمہ فلک ناز اور یہاں آئیں۔" اس کی سوچیں نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہی تھیں۔ شاید اپنی بیٹی کے حوالے سے کوئی معذرت' کوئی شرمندگی سے ترتیب دیا لفظوں کا نامہ لے آئیں۔ وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اس کی سوچیں چار سال پہلے کے مناظر کو کھوج رہی تھیں۔ آج پھر سے دل میں میٹھا میٹھا درد انگڑائیاں لے کر جاگ اٹھا تھا۔ آج پھر جدائیوں کی کربناک سہ پہر خون کے آنسو رلا گئی تھی۔ آج پھر ماہیر سے آخری ملاقات یاد آ گئی تھی۔

ماہیر شاید اسے کبھی بھی طلاق نہ دیتا' مگر اس خط نے ماہیر کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس خط کا لفظ لفظ آج بھی حریم کے دل پر لکھا ہوا تھا اور اسے لکھتے ہوئے حریم خون کے آنسو رو رہی تھی۔ جب ماہیر نے اسے پڑھا تھا تو نہ جانے اس کے دل پر کون سی قیامت اتری ہوگی۔ وہ آج بھی اس تحریر کے لفظ کو نہیں بھول پائی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا۔ شروعات کیسے کروں۔ سلام، دعا کا وہ بے نام سا تعلق تو اسی صبح ختم ہوگیا تھا جب آپ کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگی تھی۔ کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے جو میں نے آپ کے ساتھ دن، ہفتے مہینے اور سال گزارے ہیں۔ سب رائیگاں چلے گئے۔ وقت نہ جانے کس موڑ پر لے آیا ہے۔

مجھے لگتا ہے۔ اب ہم مزید ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ میں اس چھوٹے سے قید خانے میں آپ کی خبطی ماں اور پاگل بھائی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ چھوٹی چھوٹی خواہشات کے حصول کے لئے میں ترس ترس کر زندگی نہیں گزار سکتی۔

آپ تو شاید سالوں جیل خانے سے نہ نکل سکتے اور میں آپ کے گھر والوں کے پیٹ کو بھرنے کے لئے مشقت کی چکی بھی نہیں پیس سکتی۔ میں امی اور موبی کو لے کر ہسپتالوں کے چکر بھی نہیں لگا سکتی۔ جو تکلیف دہ عذاب ناک زندگی مجھے بخش کر آپ جیل میں چلے گئے ہیں۔ مجھے یہ گھٹن زدہ زندگی نہیں چاہئے۔

میں بہت لمبی بحث میں نہیں پڑوں گی۔ صرف اتنی التجا ہے کہ مجھے آزاد کر دیں۔ آج سہ پہر کو میں آپ سے ملاقات کے لئے آؤں گی۔ میری یہ گزارش ہے کہ مجھ سے سوال مت کیجئے گا۔ میں آپ کے کسی سوال کا ٹھوس جواب نہیں دے پاؤں گی۔ مجھے صرف آپ کے نام سے آزادی چاہئے۔ میں آپ کے ساتھ سفر کی ابتدا میں ہی تھک گئی ہوں اور جب زندگی میں تھکن اتر آئے تو اس تھکن زدہ زندگی سے بھی چھٹکارا پا لینا چاہئے۔ ایک آپشن تو یہ ہے کہ آپ بہت خاموشی کے ساتھ بغیر کسی جرح اور تکرار کے مجھے فارغ کر دیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو مجبوراً میں آپ کے نام ایک اور کیس عدالت میں دائر کروا دوں گی۔ یہ کیس بے جا تشدد اور جبر کا ہوگا۔

دوسرا کیس خلع کا ہوگا اور تیسرا کیس مجھ پر قاتلانہ حملے کا ہوگا۔ آپ شاید بھول چکے ہیں۔ یاد کیجئے، پیر ولی شاہ کے دربار کو۔ جب میں پھسل کے باعث کھائی میں جا گری تھی۔ اس حادثے کو قاتلانہ حملے کا روپ دینا بہت آسان ہے اور میں ایسا کر بھی لوں گی۔ آپ تمام عمر پیشیاں بھگتتے رہیے گا اور آخری بات یہ ہے کہ اگر میرا بیٹا اذان بھی موتی کا دوسرا روپ ہوتا تو میں اسے بھی آپ کی دہلیز پر چھوڑ جاتی۔ میرا باپ دوست کی محبت میں اندھا ہوگیا تھا۔ بھلا کوئی ایسے خاندان میں رشتہ جوڑتا ہے؟ میں اس نحوست زدہ، کریہہ ماحول کا مزید حصہ نہیں بن سکتی۔

وہ لڑکا جو کبھی سترہ سالہ بچہ بن جاتا ہے اور کبھی ستر سال کا بوڑھا۔ اسے میں کبھی سمجھ نہیں پائی۔ مگر اس کے قصوں اور کہانیوں کی نحوست نے میرے دل کی ہر خوشی کو چاٹ لیا ہے۔ مجھے اس کے ہر روپ سے نفرت ہے۔ مجھے اس کے وجود سے نفرت ہے۔ مجھے آپ کے گھر کے ان دو افراد سے نفرت ہے جنہوں نے میری زندگی کو جہنم بنائے رکھا۔ میں آپ کی ماں اور بھائی کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتی۔ کبھی نہیں، ہرگز نہیں مجھے

طلاق چاہئے۔ امید ہے میرے دل کی خوشی کا خیال ضرور رکھیں گے۔" خط اختتام پذیر ہوگیا تھا۔ اسے ماہیر نے پرزے پرزے بھی کر دیا۔ اس خط کے اختتامی الفاظ تک وہ روتا بھی رہا تھا اور پھر اس نے حریم کی خوشی کا احترام بھی کیا تھا۔ اس نے حریم کو اپنے نام کی اس گھٹن اور حبس سے آزاد کر دیا تھا۔ مگر آج تک اس کا دل حریم کے اس فیصلے کی تلاش اور کھوج میں تھا۔ جو وجہ حریم نے اسے بتائی تھی۔ اس کا ذہن اس وجہ کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ وہ تسلیم کر ہی نہیں سکتا تھا یہاں تک کہ حریم چلی بھی گئی اور جیل خانے کی دیواریں اس پر مہربان ہوتی چلی گئیں۔

حریم کے چلے جانے کے بعد وقت کیسے اس پر مہربان ہوتا چلا گیا تھا؟ یہ معمہ آج بھی حل نہیں ہو پایا تھا۔ گرہیں آج بھی ایک گانٹھ کی شکل میں تھیں ان الجھی گرہوں کو سلجھانا آج بھی مشکل تھا۔ کیونکہ ان ریشم کے لچھوں کو گرہیں لگانے والی نے آج تک کوئی بھی سرا ماہیر کے ہاتھ میں نہیں تھمایا تھا۔ چار سال پہلے ہوا کچھ یوں۔

..........*

پورا ایک سال گزر گیا تھا۔ جیل اس کے لئے ایک قبر کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اس جیل میں بھی نہ کوئی روزن تھا نہ کوئی دریچہ، ہاں شاہنواز کبھی کبھار ملاقات کے لئے آتا تھا۔ ایک وہ ہی تو تھا جو ابھی تک قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔ حالانکہ اب تو اپنی ذات کا سایہ بھی ساتھ چھوڑ گیا تھا۔

وہ بھی ایک زرد سی دوپہر تھی۔ اتنی ہی خاموش اور اداس...... گویا وہ دوپہر پت جھڑ کے موسم کا دوسرا روپ تھی۔

شاہنواز نے ایک اور قیامت کی خبر اس کی سماعتوں میں اتار دی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ موبی دورے کی حالت میں گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ کہاں؟ یہ آج تک خبر نہیں ہو پائی تھی۔ اس کی خبطی ماں موبی کی جدائی میں کچھ اور خبطی ہو گئی تھی۔

ماہیر جو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہتا تھا۔ نہ جانے کب، کیسے امید کا دامن بھی چھوڑ بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ وقت اس پر کبھی ہن کی طرح مہربان ہو کر نہیں برسے گا۔

وہ زرد دوپہر، گلابی شام میں بدل رہی تھی جب اسے اطلاع ملی۔

"تمہاری ملاقات آئی ہے۔"

"بھلا کون ہو سکتا ہے؟" وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے، شاہنواز تو ملاقات کر چکا تھا اور اس کے علاوہ بھلا کس نے یہاں آنا تھا۔

یہ ملاقات اسپیشل تھی۔ اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈپٹی آف جیل کے ساتھ جو شخصیت اندر داخل ہوئی۔ ماہیر اسے دیکھ کر حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

"تم......" اس پر گویا حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"ہاں میں۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"تم تو مجھ پر فاتحہ پڑھ چکے تھے نا، اور دیکھو میں عالم بالا سے بھی تمہارے لئے لوٹ آئی ہوں۔"

"تم یہاں کیسے آئیں؟ تم تو مر چکی تھیں نا۔" اسے اپنی بصارت پر گویا یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بہت لمبی داستان ہے ماہیر! فرصت کے لمحوں میں سناؤں گی۔ تم بتاؤ، یہ جگہ تمہارے رہنے کی تو نہیں تھی۔ یہاں کیسے پہنچ گئے؟" دیدار یار اور قربت کے نشے نے عجیب سا سرور بھر دیا تھا اس کی نظر میں؛ پورے نو سال بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ جس کے ہجر نے اسے سرتاپا رات بنا دیا تھا۔ یہ رات اب سحر کی طرف گامزن تھی۔

"یہ بھی بہت لمبی داستان ہے۔" ماہیر نے طویل سرد اور تھکن زدہ سانس کو خارج کیا۔ زوبی کے اصرار پر وہ مختصر لفظوں میں ساری کتھا سناتا چلا گیا۔

"یہ وکالت نامہ ہے۔ سائن کر دو۔" وہ بغیر مزید جرح یا سوال کئے اپنے پرس سے وکالت نامہ نکالنے لگی۔

"کوئی فائدہ نہیں...... چار مرتبہ میری ضمانت کی درخواست مسترد ہو چکی ہے۔" اس نے وکالت نامے کو بے زاری سے دیکھا۔

"اب نہیں ہو گی۔" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ظاہر ہے۔ سفارش جو تگڑی ہے۔ مگر یاد رہے خاتون! جس کمپنی کی طرف سے مجھ پر کیس ہے۔ وہ بھی کچھ کم نہیں۔" وہ پھیکے سے لہجے میں بولا۔

"ہم پہاڑوں سے بھی ٹکرانے کا حوصلہ رکھتے ہیں ماہیر! بس جذبہ خالص ہونا چاہئے۔" وہ نفیس سا قلم اس کے ہاتھ میں تھما کر بولی۔

"اب میں دوسری ملاقات تم سے تب ہی کروں گی جب تم جیل سے باہر ہو گے۔" وہ مسکراتی ہوئی اٹھنے لگی۔

"زوبی! ایک منٹ رکو۔" وہ خود بھی کھڑا ہو گیا۔ زوبی نا صرف رک گئی تھی بلکہ پلٹ بھی آئی۔

"تم نے شادی کر لی؟" نہ جانے کیسے یہ سوال اس کے لبوں سے پھسل پڑا۔

"شادی......" زوبی کی آنکھ گویا رو دی۔

"شادی تو بہت دور کی بات ہے ماہیر! میں تو آج بھی اسی موڑ پر تمہارے انتظار میں دل بچھائے کھڑی ہوں۔ بس ایک تمہیں ہی میں نظر نہیں آتی۔ باقی تو سارا عالم میرے عشق کی گرمی کا گواہ ہے۔ میں تو تمہارے لوٹ آنے کی منتظر ہوں۔ نہ جانے کب پلٹو گے میری طرف، شاید اس وقت جب میں سچ مچ ایک مٹی کی ڈھیری تلے دب جاؤں گی۔"

"زوبی!" ماہیر گویا تھرا اٹھا۔

"تم آج بھی......"

"ہاں، میں آج بھی تمہارے عشق میں پاگل ہوں۔ میں آج بھی خالی کشکول لئے کھڑی ہوں۔ میرا دل آج بھی خالی ہے۔ تم نے آج تک اس دل میں محبت کا کوئی دیا جو نہیں جلایا۔

یہ جو میرے سینے میں پھڑ پھڑاتا دل ہے نا۔ MT-MERAPI کے آتش فشاں پہاڑ کی طرح ہے اور اسی پہاڑ کی طرح کئی مرتبہ لاوا اگل چکا ہے۔ آخری مرتبہ پچھلے سال کی ایک زرد سہ پہر کو یہ لاوا اگلا گیا تھا اور اس کے بعد یہ دل پرسکون ہو گیا ہے۔ اب اس دل میں کوئی آتش فشاں نہیں پھٹے گا کیونکہ میرا یقین تمہیں میرے قریب لے آئے گا۔ تم میرے ہو کر رہو گے اور میں اپنے دل سے، ضد، غصہ، جنون، جذبات، حسد، نفرت ایک ایک شے کو اکھاڑ کر صحرائے عرب اور صحرائے کالا ہاری کے حوالے کر دوں گی۔ جتنا ان سب جذبات نے مل کر مجھے جلایا ہے اب ہمیشہ کے لئے ان کو بھی جلنا ہی پڑے گا۔" وہ نم نظروں

سے مسکرائی۔

"تم آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔" نہ جانے کیوں ماہیر کچھ جھجک سا گیا تھا۔

"واشنگٹن کی ان سڑکوں سے پوچھ لینا۔ ہائٹی کے اس چرچ میں موجود اس بوڑھے سے پوچھ لینا۔ مونیکا سیلر زندہ ہوتی تو اس سے پوچھ لیتے۔ شاہنواز سے پوچھ لیتے اگر پوچھنا چاہتے ہو تو میری ماں فلک ناز سے پوچھ لیتے جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے، نو سال قید تنہائی کو میرا نصیب بنائے رکھا۔" وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اس کے آنسو گالوں پر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

"محترمہ فلک ناز تمہاری ماں ہیں؟ تو کیا انہوں نے مجھے جیل بھجوایا ہے۔ میں ایک سازش کا شکار ہوا ہوں؟"

ماہیر گویا چکرا کر رہ گیا۔

"ہاں، میری ماں نے تمہارے خلاف جھوٹا مقدمہ بنوایا ہے۔ تاکہ تمہیں میری نظروں سے اوجھل کر دیں۔ میں تم تک نہ پہنچ پاؤں۔ مگر دیکھو، میرے اللہ نے مجھے تم تک پہنچا دیا۔ میری ساری عبادتیں اور ریاضتیں منظور کر لی گئیں۔" اب وہ مسکرا رہی تھی۔ مگر آنسو تھے کہ ایک تواتر کے ساتھ بہے جا رہے تھے۔

"مجھ میں ایسا کیا...... خاص ہے جو زوباریہ درانی کے قافلے راہ بھول بھول کر ادھر نکل آتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں۔ پلٹ آتے ہیں؟" ماہیر گویا ایک سحر کے زیر اثر تھا۔ اس ساحرہ کا سحر پورے نو سال بعد ماہیر عالم پر صرف ایک گھڑی میں طاری ہو گیا تھا۔ اس ساحرہ نے اپنے ساحر پر کوئی ایسا اسم پھونک ہی دیا تھا۔

"میرے دل کے کارواں اسی لئے تو پلٹ کر تمہاری طرف آتے ہیں کہ تم ہی میری منزل ہو۔" اس کی آنکھوں میں چمکتے ستاروں نے ماہیر کی آنکھوں میں روشنی سی بھر دی تھی۔

جیل کے تالے ماہیر عالم کے لئے کھول دیئے گئے تھے اور صحرا صحرا وقت ابر باراں کی طرح اس پر مہربان ہوتا چلا گیا تھا۔

زوباریہ کے ساتھ نے اسے پارس کر دیا تھا۔ جس مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا گویا سونا ہی سونا اگلنے لگتی۔ زندگی میں دوبارہ اس نے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ زینہ بہ زینہ کامیابی کی سیڑھی کے بلند ترین مقام تک پہنچ گیا تھا۔ زوباریہ کی دو فیکٹریاں اب چھ فیکٹریوں میں بدل گئی تھیں۔ ان کا بزنس اب کئی ممالک میں پھیل چکا تھا۔

مگر ماہیر عالم صرف پیسہ بنانے کی مشین نہیں تھا۔ وہ زندگی کے ہر پل سے خوشی اور مسرت کشید رہا تھا۔ وہ رب رحیم کا شکر گزار تھا۔ جس نے اسے خواجہ اسجد کی طرف سے دی گئی آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور اسی آزمائش کی بدولت اس پر حریم کی "اوقات" اور "اصلیت" کھل گئی تھی۔

اسے زندگی سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ ایک بے تحاشا اطاعت گزار، وفادار اور محبت کرنے والی بیوی کی موجودگی میں وہ اس عمر رواں سے بھلا اور کیا چاہتا۔

اس کی زندگی میں کوئی کمی نہیں تھی اور زوباریہ کسی کمی کو اس کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتی تھی۔ وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ زوباریہ کی محبت میں شدت اور بڑھ رہی تھی۔ یہ محبت کبھی کم ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ چاہے ماہیر اسے محبت دیتا یا نہ دیتا۔ لیکن اب تو وہ اس کی محبوب ترین بیوی تھی۔ وہ اس کی سوسائٹی کے مردوں کی طرح رات رات بھر باہر رہنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ وہ جواء باز نہیں تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ وہ دھوکے اور فریب سے نفرت کرتا تھا۔ وہ صوم وصلوۃ کا پابند تھا۔ نمازی اور پرہیز گار تھا۔ با کردار تھا۔ باوفا تھا۔ اگر وہ اس سے کبھی محبت نہ بھی کرتا۔ اس کی محبت کے بدلے میں محبت نہ بھی دیتا تو کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اتنی اعلیٰ خوبیوں کے صدقے میں ماہیر عالم کی بے اعتنائی کو سہہ سکتی تھی۔ مگر وہ عہد کا پاسدار بھی تو تھا۔ عہد کا نباہنے والا بھی تو تھا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر وہ زوباریہ کی ذمہ داری اپنے سر لے رہا تھا۔ اس نے پورے دل کے ساتھ اس عہد کو نباہنے کا خود سے وعدہ کیا تھا۔

اور یہ زوباریہ درانی کی خوش قسمتی تھی کہ ماہیر عالم اسے مل گیا تھا۔ حالانکہ ماں کی ناگہانی موت اور بھائی کی گمشدگی نے بہت عرصہ تک اسے ایک غم کے فیز میں رکھا تھا۔ زوباریہ کی کوششوں اور بھرپور توجہ کی بدولت ہی تو وہ اس غم کی کیفیت سے نکل پایا تھا۔

ہر سکھ اور ہر خوشی کی موجودگی کے باوجود کچھ تو ایسا تھا۔ جو دل میں نہ جانے کون سا احساس بن کر ہولے ہولے چٹکیاں بھرتا رہتا تھا۔ وہ اس احساس کو سمجھ نہیں پاتی تھی۔

دو سال مزید گزرے تو اسے اس احساس کی چبھن کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی اور جب اسے اس کمی کا ادراک ہو گیا تو اس نے مزید دیر نہیں کی۔

بہت سے ٹیسٹ، بہت سے علاج اور ہر طرح کی دوائیوں کے استعمال کے باوجود نتیجہ صفر تھا۔ کوئی بھی ڈاکٹر اس کے اندر کسی بھی بیماری کو تشخیص نہیں کر پایا تھا۔ اسے کسی بھی علاج کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ہر لحاظ سے فٹ تھی۔ تندرست تھی اس کے باوجود وہ اس خوشی سے بھلا محروم کیوں تھی؟ کوئی ایسا در نہیں تھا۔ جس پر زوباریہ کے ہاتھ کی دستک نہیں پڑی تھی۔ قابل سے قابل ترین ڈاکٹرز کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

"اللہ کی طرف سے دیر ہے۔ آپ کو کسی بھی علاج کی ضرورت نہیں۔"

آج پھر وہ ایک ماہر ترین عمر رسیدہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی بھی کسی ڈاکٹر سے رجوع نہیں کرے گی' مگر اس کی ممتا کی طلب نہ جانے کہاں کہاں بھٹکائے جا رہی تھی اور اس کے لب پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس کا دل کرلا رہا تھا۔

............*

ان دو سالوں میں وہ عورت نہ جانے کتنی مرتبہ آئی تھی۔ وہ سوالی بن کر آتی تھی اور اسے دینے کے لئے حریم کے پاس ایک لفظ اقرار کا نہیں تھا۔

آج پھر وہ سر شام ہی آ گئی تھی۔ نہ پہلے جیسا غرور تھا اس میں نہ وہ ٹھاٹ باٹ پر اکڑ اور تکبر، نہ دھن دولت پر مان۔ اب تو وہ ایک عام سی ممتا کی ماری عورت نظر آتی تھی۔ جس کے ہاتھ میں کاسہ تھا اور وہ مٹھی بھر خوشیوں کی طلبگار تھی۔ بھلا وہ عورت تھی کون؟

محترمہ تابندہ فلک ناز، کبھی ایک زمانے میں اس کی چاچی کے منصب پر فائز رہی تھیں۔ حریم کو کچھ

عرصہ پہلے پتہ نہیں تھا کہ وہ زرجان کے علاوہ زوباریہ درانی کی بھی ماں ہیں۔

پہلے پہلے وہ یہی سمجھتی تھی کہ اپنی بیٹی کی طرف سے کوئی وضاحت نامہ لے کر آتی ہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ تو زرجان عباس کے لئے سوالی بن کر آتی تھیں۔ جو آج بھی ایک خاموشی کے ہمراہ تنہا سفر کر رہا تھا اور وہ جان گئی تھیں کہ ان کے بیٹے کے حصے کی خوشیاں حریم جمال کے نام سے ہی وابستہ ہیں اور وہ اس کاسے میں اپنے بیٹے کا دل لئے بیٹھی تھیں۔

آج بھی ان کی آنکھیں نم تھیں۔ آج بھی ان کے ہونٹوں پر درخواست تھی۔ آج بھی وہ اس کی ایک ہاں کی منتظر تھیں۔

ارغوانی شام کا آنچل تھامے وہ عورت کبھی غرور و تکبر کا پیکر تھی۔ آج عمر رواں نے گویا اس کے غرور کے اونچے بت کو چکنا چور کر دیا تھا۔ اسی گھر میں وہ حریم جمال کو رد کر کے، ٹھکرا کر گئی تھیں۔ آج پھر اسی گھر کے آنگن میں سوالی بن کر کھڑی تھیں۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے حریم۔" وہ اسے سر جھکائے منظر سے ہٹتا دیکھ کر ملتجی لہجے میں بولیں۔

"جی، فرمایئے۔" وہ رک گئی تھی مگر پلٹی نہیں۔

"حریم! مجھے اور اذیت مت دو۔ میری ممتا پر ترس کھاؤ۔ تم بھی ایک بچے کی ماں ہو۔ ممتا کی تڑپ کو سمجھتی ہو۔" فلک ناز کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے۔

"میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں۔ ذرا تحمل سے میری بات سننا۔" انہوں نے کہنا شروع کیا تھا۔

"نہ جانے کب، کیسے، کس طرح سے زوباریہ کا یہ پاگل پن شروع ہوا تھا۔ پہلے پہلے میں جھٹلاتی رہی۔ مگر اس کی خودکشی کی دو تین مرتبہ کوشش نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر میں نے کچھ غور و فکر کیا اور زوبی کو بہلانے کے لئے اس کی ماہیر سے منگنی کر دی۔ اپنے تئیں میں نے بڑی اچھی سکیم سوچی تھی۔ زوبی امریکہ چلی جاتی۔ ماہیر کی شادی ہو جاتی۔ تب تک بیچ میں کئی سال آ جاتے۔ زوبی بھی گزرتے وقت میں سنبھل جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ میری کم عقلی، بے وقوفی اور زیادہ ہوشیاری نے زوبی کے ذہن کو، اس کی سوچ تک کو باؤنڈ کر دیا۔ وہ ماہیر کا خود کو پابند سمجھنے لگی۔ اس کی سوچوں، خیالوں اور خوابوں میں ماہیر کا تصور اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔ نو سال وہ خود کو ماہیر سے وابستہ سمجھتی رہی اور میری تمام تر پلاننگ اس وقت دھری رہ گئی جب زوباریہ اچانک واپس آ گئی۔

میں مانتی ہوں وہ غلط تھی۔ میں مانتی ہوں، اس نے جو کچھ کیا غلط کیا اور صرف اسی انتہا سے بچانے کی خاطر میں نے ماہیر کو جیل بھجوا دیا تھا۔ مگر میری پلاننگ یہاں بھی ناکام ہو گئی۔ میں چاہتی تھی کہ ماہیر کہیں دور بہت دور چلا جائے۔ جہاں زوبی کی پہنچ اور سوچ تک رسائی حاصل نہ کرے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ نہ جانے اس کے جذبے خالص تھے یا تمہارے نصیب کے دکھ بھاری تھے۔ مگر جو بھی ہوا، بہت برا ہوا۔ میرے تینوں بچوں میں سے ایک زرجان ہی تو تھا جو زوبی کو بہت محبت اور بھائیوں جیسا مان بخشتا تھا مگر اب وہ بھی زوبی کو دیکھنا تو دور اس کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا۔

میں تم سے زوبی کے کئے گئے گناہ کی معافی مانگنے نہیں آئی۔ وہ اس کا اپنا بھگتان ہے۔ یہ اس کے

ہاتھ کی کمائی ہے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کی سزا کو کسی نہ کسی شکل میں اس نے ضرور ہی بھگتنا ہے۔ چاہے یہ سزا اولاد کی طرف سے آ جائے، مال کی طرف سے یا جان کی طرف سے۔ بس نادان انسان نہ سمجھتا ہے نہ سنبھلتا ہے۔

میں تمہارے پاس زرجان کی خوشیوں کی سوداگری کرنے آئی ہوں۔ تم زوبی کے گناہ کی سزا مجھے دے لو، مگر زرجان کو یوں رد نہ کرو نہ ٹھکراؤ، وہ بے قصور ہے۔ پھر بھی خالی ہے اور جس نے قصور کیا ہے۔ دل کو ڈھایا ہے۔ دل کا گنبد توڑا ہے وہ سب کچھ پا کر بھی خالی ہے۔ وہ جو تقدیر لکھنے پر قادر ہے۔ وہ ہر تدبیر کو پھیر سکتا ہے الٹ سکتا ہے۔

کبھی جان، مال، زر اور زمین میں الجھا کر سزا مقدر کی دیتا ہے۔ کبھی اولاد کے معاملے میں آزماتا ہے۔ کبھی عطا کر دیتا ہے اور کبھی بے اولاد رکھتا ہے۔ کسی نہ کسی صورت میں سزا ضرور موجود ہوتی ہے۔ بس ایک نکتے کو سمجھنے کی دیر ہوتی ہے اور جزا اور سزا کا معاملہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ تم سوچ لو بیٹا! جتنا چاہے سوچ لو۔ زندگی کی طویل شاہراہ ہے۔ بہت طویل سفر ہے بیٹا! بغیر ہم سفر کے اتنا طویل سفر طے نہیں کیا جا سکتا۔ جمشید سے محبت کے باوجود، جب اس نے مجھے طلاق دے دی تو میں نے زندگی کو اس کے نام پر ختم نہیں کیا تھا۔ زندگی نہ رکتی ہے نہ ٹھہرتی ہے۔ ہاں، ہم اپنی سوچوں کو ایک جگہ ٹھہرا لیتے ہیں۔ ہم محبت کو صرف ایک نام تک محدود کر لیتے ہیں۔ دراصل یہی ہمارا ایب نارمل پن ہے۔ زندگی کو نارمل انداز میں جینا سیکھو بیٹا! محبت میں سمندروں جیسی وسعت ہے۔ یہ ایک نام پر ختم نہیں ہو سکتی ...... تم زرجان کو سوچو، بہت سوچو ہر پہلو کو نظر میں رکھو، ہر زاویے پر غور کرو، میرا بیٹا ایسا نہیں کہ حریم جمال کے دل پر رائی برابر بھی جگہ نہ بنا سکے۔"

وہ رکی نہیں تھیں۔ چلی گئی تھیں ایک دفعہ پھر سے آنے کے لئے وہ روز آتی تھیں۔ روز جاتی تھیں۔ اسی امید پر کہ کبھی نہ کبھی پتھر میں سوراخ ہو رہی جائے گا۔

اور ایسا ہو بھی گیا تھا۔ جب بابا، بوا اور حانی زرجان عباس کے حمایتی بن کر اس کے گرد دائرہ تنگ کرنے لگے تھے۔ تب حریم جمال کو خاموشی کا دامن پکڑنا ہی پڑا تھا۔

"حریم! اتنی پتھر نہ بنو، تمہیں ترس بھی نہیں آتا۔ بس کر دو یار! چھوڑ دو اس تنہائی کا دامن، بھول جاؤ، ماضی کے زرد زمانوں کو۔ گلابی صبحوں کو خوش آمدید کہو۔ یہی زندگی ہے۔ یہ کارواں اور قافلہ کہیں رکتا نہیں اور جہاں رک جاتا ہے۔ وہیں زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے۔" وہ خاموش تھی۔ اس خاموشی کے اقرار نے اس سے وابستہ رشتوں کو دائمی خوشی سے ہمکنار کر دیا تھا اور یہ خوشی کا سندیسہ زرجان تک بھی پہنچ گیا تھا۔ تبھی تو وہ تمام ضروری کام بھاڑ میں جھونک کر چلا آیا۔ آج نہ سر جھکا تھا اور نہ ہی نظر پر کوئی پہرہ تھا۔ آج وہ حریم جمال کو دیکھنے کا پورا اختیار رکھتا تھا۔

"مجھے یقین کیوں نہیں آتا کہ میں اتنا بانصیب ہو سکتا ہوں۔" وہ اس کی اولین محبت تھی۔ وہ اس کے دل کی پہلی خوشی تھی۔ وہ اس کے مقدر میں نہیں لکھی تھی۔ تب بھی وہ خوش تھا۔ شاکر تھا۔ اب اسے زرجان عباس کا مقدر بنا دیا گیا تھا۔ وہ تب بھی خوش تھا، بے انتہا خوش تھا۔ اگر اس خوشی کو سمندروں میں ڈال دیا جاتا تو وہ جوش کے عالم میں طوفان لے آتے۔

"اور مجھے بھی یقین نہیں آتا کہ میں بھنور میں پھنس گئی تھی۔ ساحل تک کیسے پہنچی ہوں۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔ ابھی دل سے مسکرانا بہت مشکل تھا مگر امید تو باقی تھی۔

"حریم! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" جوش، خوشی اور جذبات کی گرمی نے اس کی گوری رنگت دہکا دی تھی۔

"کچھ مت کہو زرجان! میں سب جانتی ہوں۔ وہ سب کچھ جو تمہارے دل میں ہے۔ جو تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو۔ وہ سب میں جانتی ہوں۔" اس کی نظروں کے سامنے وہ ڈائریاں، خطوط اور بے شمار کارڈز گھوم گئے تھے۔ جو نہ جانے کب سے لکھے گئے تھے اور جنہیں دینے کا زرجان میں حوصلہ نہیں تھا۔ نہ جانے کیسے زوباریہ کے ہاتھ لگے تھے۔ اور اس نے ماہیر کے نام ارسال کر دیئے۔ ماہیر کو پانے کے لئے وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔ اور اس نے وہ سب کچھ کر بھی لیا تھا۔

"تم اس محبت کو نہیں جان سکتیں حریم! جو میرا دل تمہارے لئے محسوس کرتا ہے۔" وہ پھر سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر حریم نے نرمی سے اسے ٹوک دیا۔

"پوری زندگی پڑی ہے۔ جو دل چاہے کہتے رہنا۔ میں کبھی روکوں گی نہیں۔ آج میری کچھ بات سن لو زرجان۔" اس نے گویا درخواست کی تھی۔

"بولو، میں تمہاری ہر بات سنوں گا۔ پلیز! اذان کے بارے میں کچھ ہدایت مت کرنا۔ وہ میرے لئے اللہ کی طرف سے دیا گیا تحفہ ہے۔ اسی کے بہانے تو میں اس گھر میں اور تم تک آنے میں کامیاب ہوا ہوں۔" زرجان کی آنکھیں ہیروں کی کوٹ سے گویا بھر گئیں۔

"زرجان! میں ایک ادھوری عورت ہوں۔" حریم نے کہنا شروع کیا تھا۔

"ادھورا پن بھی اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہ جو میرا دل ہے اس کا ایک کونا سیاہ ہو چکا ہے۔ یہ سیاہی غم اور دکھ کی اس شام میں میرے دل میں اتری تھی جب ماہیر کا نام میرے نام سے جدا ہو گیا تھا۔

یہ میری محبت کی انتہا تھی جو جدائی کا طوق میں نے اپنے گلے میں لٹکا لیا ہے۔ یہ میری محبت کا ایثار تھا جو میں خود کو قربان کر کے شاد ہوں۔ آج میں مانتی ہوں کہ تمہاری محبت ہر کھوٹ سے پاک تھی۔ میری محبت ہر ملاوٹ سے بھی پاک تھی۔ محبت وہ ہی ہوتی ہے جو غرض کے بغیر ہو۔ ایک جنون کو سر پر سوار کر کے کسی کے دل اور گھر کو اجاڑنا محبت نہیں ہوتی۔

میرا دل اجڑ چکا ہے زرجان! اس میں نہ تازگی ہے نہ شادابی ہے نہ سبزہ ہے نہ ہریالی ہے۔ اس اجڑے دل میں کچھ بھی نہیں اور آج میں تم سے رب رحیم کو گواہ بنا کر کہتی ہوں۔ اس کھنڈر دل کو تمہاری خاطر ضرور آباد کروں گی۔ ہاں، اس کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ مجھے کچھ ساعتیں عطا کر دینا۔ مجھے کچھ گھڑیاں دان کر دینا۔ میں اپنے دل کی زمین کو نئے سرے سے آباد کروں گی۔ اک نئی محبت کی فصل اگاؤں گی۔ میں پھر سے محبت کرنے کا سلیقہ سیکھوں گی۔ جہاں تک اذان کا سوال ہے تو اس کے بارے میں بھی میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ میں کیوں تمہیں کسی آزمائش میں ڈالوں۔ میں اذان کو ماہیر کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"حریم! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم اذان کے بغیر کیسے رہوگی۔" وہ بری طرح سے بے چین ہو گیا۔

"دنیا کی بھیڑ میں بہت سے اپنے، بہت ہی پیارے کھو جاتے ہیں۔ ان کے بغیر بھی تو رہ لیا جاتا ہے۔ اذان تو پھر اپنے باپ کے پاس رہے گا۔ میرے دل کے اطمینان کے لئے کافی ہے۔ ویسے بھی اب وہ باپ کی کمی کو محسوس کرتا ہے۔"

"مگر حریم!" وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا جب حریم نے پھر سے اسے ٹوک دیا۔

"مجھ سے ایک وعدہ کرو زرجان۔"

"کیسا وعدہ؟" اس کا رواں رواں سماعت بن گیا۔

"ہم یہ شہر، یہ ملک یہ براعظم تک چھوڑ دیں گے۔ مجھے اب یہاں نہیں رہنا۔ یادوں کے یہ کارواں کبھی نہ کبھی زخموں سے کھرنڈ اتار دیا کریں گے اور میں ان زہریلی یادوں سے بھی چھٹکارا چاہتی ہوں۔ کیا تم میری بات مانو گے؟" وہ بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" زرجان بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔

"میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔ تم جو کہو گی تم جو چاہو گی۔ میں تمہیں کبھی مجبور نہیں کروں گا کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ ہاں، مجھے کبھی بھی خود سے محبت کیے جانے سے مت روکنا۔ ہم ایک دوسری دنیا میں اپنا گھر آباد کریں گے اور میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے دل کی زمین پر اپنی محبت کا بیج بوؤں گا اور میں اس کے لئے طویل ترین انتظار بھی کر سکتا ہوں۔" وہ روشن قندیلیں جلائے کھڑا تھا۔ حریم ان قندیلوں کو کیسے پھونک مار کر بجھا دیتی۔

کمرے میں موجود حبس اور گھٹن کا اثر خود بخود زائل ہو گیا...... بولتی خاموشی جو عرصہ دراز سے زرجان کے ہمراہ تھی کچھ خفگی اور ناراضگی لئے دور بہت دور چلی گئی تھی۔ کبھی نہ آنے کے لئے کبھی نہ پلٹنے کے لئے گلابی صبحیں، ارغوانی شامیں حریم جمال کی منتظر تھیں۔ سو وہ ناشکری کیوں بنتی۔ وہ تنہائیوں کو اپنا مقدر سمجھ کر ایک ایب نارمل زندگی کیوں جیتی۔

اس نے ستاروں کی بارات کو اپنے آنگن میں اور اپنے دل میں اترتے دیکھا تھا۔ سو آگے بڑھ کر اس نے دل کے بند کواڑ کھول دیئے۔

............*

زمیلہ بہت عرصے بعد پاکستان لوٹی تھی۔ زندگی کے جھمیلوں اور گھریلو مشکلات اور مجبوریوں نے ماں کے آخری دیدار سے بھی محروم کر دیا تھا اسے، شاید ہر بیٹی، بیوی اور ماں بن کر اس کی طرح مجبور ہو جاتی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ پاکستان میں اس کا منتظر کوئی نہ ہوگا۔ ماں تھی جو اس کے ملنے کی آس لئے چل بسی تھی۔ ایک بھائی تھا جو نہ جانے کہاں کھو گیا۔ جس کی واپسی کے انتظار میں ماں کی آنکھیں تھک گئی تھیں۔ اب تو صرف میکے کے نام پر ماہیر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اب تو وہ ہی اس کا سب کچھ تھا۔

ایئرپورٹ پر ڈرائیور اسے لینے کے لئے آیا تھا۔ یہ ڈرائیور ماہیر بھائی نے بھجوایا تھا۔ وہ حیران در

حیران تھی۔

ایئر پورٹ سے لے کر اس شاندار محل میں آنے تک وہ حیران تھی۔ بچے بھی اس کے ہمراہ تھے اور ماموں کی عالیشان رہائش گاہ کو حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اسے ایک شاندار ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ نہ جانے کیوں اس گھر کی ایک ایک قیمتی چیز کو دیکھ کر اسے اپنا آبائی مکان یاد آ رہا تھا۔ وہ گلیاں، وہی چوبارہ، وہ دن، وہ شامیں، وہ راتیں، نہ جانے کیوں اسے وہم سا محسوس ہوا یوں لگ رہا تھا، ابھی بہت ہی نفیس سے سوٹ میں ملبوس وہ چینی کی گڑیا کہیں سے نکل کر اس کے سامنے آ جائے گی۔ جس کی آنکھوں میں سادگی اپنا تمام تر حسن سمیٹے کسی معصوم نومولود کی طرح سوئی رہتی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یوں لگ رہا تھا ابھی حریم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بول اٹھے گی۔

"زمیلہ تم آ گئیں۔"

بھلا وہم بھی حقیقت بن سکتے ہیں؟ ایک بے نام سی اداسی نے زمیلہ کے دل میں پنجے گاڑ لئے تھے۔

کچھ دیر بعد ماہیر آ گیا...... زمیلہ کو لگا، وہ بھائی کے سینے سے لگی تو آنسو بن کر بہہ جائے گی۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ ماہیر کے سینے کی خوشبو اسے اپنا باپ یاد دلا گئی تھی اور جو آنسو حریم کی بربادی کے غم میں سمیٹ رکھے تھے وہ ایک طوفانی بارش کی طرح سے برسنے لگے۔

"بس کرو گڑیا۔" وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

"بھائی! میرے پیچھے کیا کچھ ہو گیا۔ امی چلی گئیں، موبی کھو گیا۔ میرا بھائی، میرا شہزادہ...... نہ جانے وہ کہاں ہو گا؟" بہت عرصے کا لاوا تھا جو پھٹ پڑا اور وہ آنسوؤں کے طوفان میں بہنے لگی۔

"میں نے بہت کوشش کی تھی۔ بہت تلاش کیا ہے اسے۔ مگر نہ جانے موبی کو کون سی مٹی نگل گئی۔" وہ دھیرے دھیرے اس کے سر کو تھپک رہا تھا۔ جب زمیلہ کا دل کچھ سنبھل گیا تو وہ تھک کر بیٹھ گئی۔

"بھائی! آخر کیا ہو گیا تھا جو آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔" وہ کس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

ماہیر سمجھ گیا تھا۔ تبھی تو اس کی آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

"اس قصے کو مت چھیڑو زمیلہ! کوئی اور بات کرو۔"

"اور زوباریہ بھابی کہاں ہیں؟" زمیلہ کے دل میں نہ جانے کیوں کانٹا سا چبھ گیا۔

"اسے تمہارے آنے کی خبر نہیں تھی۔ کچھ دیر پہلے گھر سے نکلی ہے۔ ابھی آتی ہی ہو گی۔ تمہاری اور زوباریہ کی بہت اچھی دوستی بھی تو رہ چکی ہے۔" وہ کچھ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔ شاید اس اداس ماحول کی سوگواری وہ بھی محسوس کر چکا تھا۔

"اور بچے۔" اس کی آنکھ میں ابھی تک آنسو جمع تھے۔ جمع ہو رہے تھے۔ آج تو یہ آنسو رکنے کا نام بھی نہیں لے رہے تھے۔

"نہیں ہیں۔" اس نے بے حد لاپروائی سے کہا۔ گویا بچے ہوں یا نہ ہوں۔ اسے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔

"اذان کہاں ہے؟" زمیلہ کی آنکھ پھر سے رو دی۔

"اپنی ماں کے پاس ہے۔" یہ دو لفظ نہ جانے کیسے اس کے منہ سے ادا ہوئے تھے۔

"آپ نے کبھی اذان سے ملنے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں" وہ رکھائی سے بولا۔ تبھی ملازمہ لدی پھندی ٹرالی گھسیٹ لائی تھی۔ یہ مرتبہ، یہ حیثیت یہ شان و شوکت سب زوباریہ کے توسط سے ہی تو ملا تھا۔

"تو کیا بھائی نے ان آسائشات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا؟"

"بچے کیوں نہیں ہیں؟" اس کا دل رنگ رنگ کے لوازمات کو دیکھ کر اوب گیا۔

"اللہ کی مرضی۔" وہ زمیلہ کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ بچوں کو مختلف چیزیں کھلا رہا تھا۔

"بہت پیارے بچے ہیں تمہارے۔" وہ تینوں کو فرداً فرداً چوم رہا تھا۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے کھلا رہا تھا۔

"کیا یہ بچوں کی کمی محسوس نہیں کرتے۔" زمیلہ محض سوچ کر رہ گئی۔

"عفیفا کے ہاں بیٹی ہوئی ہے۔" وہ اسے مطلع کر رہی تھی۔ ماہیر دھیمے سے مسکرا دیا۔

"جانتا ہوں...... رات کو شاہنواز کی کال آئی تھی۔" آج سے ڈیڑھ سال پہلے ماہیر نے شاہنواز کے مجبور کرنے پر عفیفا سے اس کی مرضی جاننے کے بعد سادگی کے ساتھ نکاح کر کے رخصت بھی کر دیا تھا۔ اب وہ دونوں جدہ میں مقیم تھے۔ جانے سے پہلے شاہنواز اور زوباریہ کی اچھی خاصی تکرار ہو گئی تھی۔ ماضی میں وہ ایک دوسرے کے اچھے دوست رہ چکے تھے مگر نہ جانے کون سی بات تھی جو شاہنواز نکاح کے بعد بھی بگڑا بگڑا رہا۔ زوباریہ سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا۔ اپنی شادی کے فنکشن میں ہی زوباریہ سے لڑ پڑا اور پھر اسی غصے میں اس نے ماہیر کی طرف سے دی گئی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔

جانے سے پہلے وہ دونوں ماہیر سے ملنے کے لئے آئے تھے۔ وہ دونوں ہی بے تحاشا خوش تھے اور دونوں ہی زوباریہ کو دیکھ کر پھر سے اکھڑے اکھڑے گئے۔ بہر حال وہ دونوں ایک خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔

"اور کیا کچھ جانتے ہیں آپ؟" زمیلہ کے لبوں پر تلخ ترین تبسم امڈ آیا۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" وہ اس کے بگڑے بگڑے تیور دیکھ کر چونک گیا۔

"حریم کو آپ نے طلاق کیوں دی؟" زمیلہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"وہ خود مجھ سے طلاق چاہتی تھی۔ اس نے خود مجھے طلاق کے لئے مجبور کیا تھا۔ وہ مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہی تھی۔ اسے یہ خوف تھا کہ اس کے ہاں کوئی موبی جیسا ایب نارمل بچہ نہ پیدا ہو جائے۔" ماہیر کی آنکھیں گویا لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

"اس نے آپ سے طلاق کا مطالبہ کیا اور آپ نے اسے طلاق دے دی؟ کوئی وجہ نہیں پوچھی۔" اس کے سوال اتنے خطرناک نہیں تھے، جس قدر اس کا لہجہ خطرناک تھا۔

"وہ میرے ساتھ مزید چلنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی اور میں نے اس کی خوشی سے بڑھ کر پہلے بھی کچھ نہیں چاہا تھا۔" ماہیر کا لہجہ بھی تلخ ترین ہو گیا۔

"اس کی خوشی تو آپ تھے۔ پھر اس نے آپ کو کیسے چھوڑ دیا۔" زمیلہ سلگ کر بولی۔

"ہونہہ خوشی۔" وہ استہزائیہ مسکرایا۔

"کیا آپ نے کبھی نہیں سوچا کہ حریم بھابی کو کوئی آپ سے طلاق لینے پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔" زمیلہ کے لفظوں میں بلا کی چبھن تھی۔

"کیا مطلب؟" اب کے سچ مچ وہ چونک گیا تھا۔

"بھائی! پتا ہے کیا ہوا؟" زمیلہ کا دل کرلا اٹھا تھا۔

"مجھے شاہنواز بھائی نے نہیں بتایا۔ وہ تو اس بات کو تمام عمر اپنے سینے میں چھپائے رکھتے کہ حریم بھابی نے قسم دے رکھی تھی انہیں کہ کسی کو اس راز کا پتا نہیں چلنا چاہئے۔ مگر میرے بے تحاشا مجبور کرنے پر فیفا نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ وہ سب کچھ جو حریم کی بربادی کا سبب بنا۔ اس نے آپ کو اور حانی کو بچانے کے لئے اپنے دل کو اور محبت کو قربان کر دیا تھا۔ پتا ہے کیا ہوا؟ یہ سب کس نے کیا؟" زمیلہ نے آنسوؤں کے سمندر میں ڈوبتے ابھرتے ایک ایک زہر میں نہایا لفظ ماہیر کے گوش گزار کر دیا۔ ماہیر کے چہرے کا ہر رنگ بدل رہا تھا۔ کبھی سیاہ ہو جاتا، کبھی سفید پڑ جاتا۔ کبھی زرد ہو جاتا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو زمیلہ!" ماہیر کے لبوں سے اک نوحہ برآمد ہوا۔

"یہ سچ ہے بھائی! یہی تو سچ ہے۔ جو کچھ حریم بھابی نے اس خط میں لکھا تھا۔ وہ سب جھوٹ تھا۔ سچ تو یہی ہے، زوباریہ کے عشق کی بھڑکتی آگ نے حریم بھابی کو سرتاپا جلا کر راکھ کر دیا تھا۔" زمیلہ خاموش ہو گئی تھی۔ ماہیر بھی خاموش تھا اور ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر کھڑی زوباریہ کے دل کی دھڑکنیں تک خاموش تھیں۔ بس سانسوں کا شور سنائی دے رہا تھا اور دور بہت دور رونے کی آوازیں۔ کوئی بین کر رہا تھا، کوئی رو رہا تھا، کوئی چیخ رہا تھا اور کوئی ماتم کر رہا تھا۔ ان سب میں بس وہ ہی لوگ خاموش تھے۔ جو اپنے غم پر صبر کئے، لب سئے بیٹھے تھے۔ دراصل یہی لوگ تو کامیاب تھے۔ دکھوں پر صبر کرتے تھے۔

خوشیوں پر شکر کرتے اور ناکام کون تھا؟ نصیب کے لکھے پر رونے والا اور دوسروں کے گھر کے چراغ چھین کر اپنے آنگن کے اندھیروں کو روشن کرنے والا مسجد جیسے دل کو ڈھا دینے والا اور کسی کے تازہ تازہ لہو سے اپنی محبت کی کہانی لکھنے والا۔

............*

اب جو دیکھیں تو کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی
یہ شب و روز مہ و سال کا پر پیچ سفر
قدرے آسان بھی ہو سکتا تھا
ہم ذرا دھیان سے چلتے تو وہ گھر
جس کے در و بام پہ ویرانی ہے
جس کے ہر طاق میں رکھی ہوئی حیرانی ہے
جس کی ہر صبح میں شاموں کی پریشانی ہے
اس میں ہم چین سے آباد بھی ہو سکتے تھے

اب جو دیکھیں تو بہت صاف نظر آتے ہیں
سارے منظر بھی، پس منظر بھی
لیکن اس دیر خیالی کا صلہ کیا ہوگا
یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں مری جان انہیں
دیکھتے، سوچتے رہنے سے بھلا کیا ہوگا
وہ جو ہونا تھا ہوا، ہو بھی چکا
لائنیں کٹتی رہیں لفظ بدلنے کے سبب
کوئی تحریر مسلسل نہیں ہونے پائی
حاصل عمر...... یہی چند ادھورے خاکے
کوئی تصویر مکمل نہیں ہونے پائی

شام غریباں کبھی کسی کے دل پر نہ اترے۔ کوئی منزل پر پہنچ کر بھٹک نہ جائے۔ راستے کبھی اجنبی نہ ہوں اور قافلے منزل کی راہ کبھی نہ بھولیں، خدا کرے کسی کے دل پر قیامت کی رات نہ اترے۔ مگر یہ رات ماہیر عالم کے نصیب میں لکھی تھی، بھلا کیسے نہ دل پر اترتی کہ نصیب کا لکھا کوئی بدل نہیں سکتا۔

اب جو دیکھیں تو بہت صاف نظر آتے ہیں سارے منظر بھی، پس منظر بھی۔

وہ نماز پڑھ کر آ رہا تھا۔ وہ اپنے دل کی ساری کثافت، ساری غلاظت، سارا کرب، سارے آنسو رب کے سامنے بہا کر آ رہا تھا۔ وہ جسے کھو چکا تھا، اس کا سوگ منا کر آ رہا تھا اور جس نے اسے آگ کے دریا عبور کر کے پایا تھا اس کا سامنا کرنے کے لئے حوصلے جمع کر کے آ رہا تھا۔

زمیلہ اپنے سسرالی گھر جا چکی تھی۔ گھر میں بچوں سے جو رونق محسوس ہو رہی تھی اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ زوباریہ اس وقت اسٹڈی روم میں ہو گی۔ یہ اس کی عبادت کا مخصوص وقت تھا۔ وہ نوافل ادا کرتی تھی۔ تلاوت کرتی تھی اور نہ جانے کون کون سے وظائف کرتی تھی۔

پورے ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ ماہیر اس کے چہرے کی طرف دیکھ نہیں پایا۔ اس کا سر بے حد جھکا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ زوباریہ بے آواز رو رہی ہے۔ اس کے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے اور پھر ایک دم اس نے بولنا شروع کر دیا۔

"انگلیوں پر گنو، ہماری شادی کو کتنے سال ہو گئے ہیں اور آج تک کوئی رات ایسی نہیں گزری جب میں نے شکرانے کے نوافل ادا نہیں کئے۔ تمہیں پانا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ اگر تم مجھے نہ ملتے تو میں نے تمہیں بھی مار دینا تھا اور خود کو بھی۔ میری محبت کا اندازہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں روگی ہو جاؤں گی۔ میں بھکارن ہو جاؤں گی یا پھر پاگل ہو جاؤں گی۔ میں نے تمہیں حاصل کرنے کے لئے وہ سب کچھ کیا ہے۔ جو میرے دل کو ٹھیک لگا۔ ایسی آگ بھڑکا دی تھی تمہارے عشق نے میرے دل میں کہ جو جو مجھے چھوتا رہا، بس بھسم ہو کر رہ گیا۔ جس جس پر میں نے نگاہ کی راکھ کا ڈھیر بنتا گیا۔ اگر میں سمجھنا چاہتی تو مونیکا جیسی عورت کی زندگی سے بہت کچھ سمجھ لیتی پر مجھے سمجھ میں ہی تو نہیں آتا

تھا۔ میں مانتی ہوں، میں مجرم ہوں، میں گناہ گار ہوں...... اور میں سزا کی طلبگار بھی ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ ماہیر بہت دیر تک خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ اک طویل اور گہری چپ کے بعد وہ ٹھہرے ہوئے رواں لہجے میں دھیرے دھیرے بولنے لگا۔

"میں کون ہوتا ہوں...... جزا اور سزا کا اختیار رکھنے والا۔ میں تو ایک حقیر سا آدمی ہوں۔ تم نے مجھے نہ جانے کیوں دیوتا بنا دیا تھا۔ میں معمولی سی سوچ اور معمولی سا ذہن رکھنے والا ماہیر عالم کسی کو بھلا کیا سزا دوں گا۔ میں خوش قسمت ہوں کہ دو عورتوں نے مجھے چاہا۔ میں بدقسمت ہوں کہ میں تم دونوں کو خوش نہیں رکھ پایا۔ ایک وہ جو میرا ماضی تھی۔ ایک تم ہو جو میرے سامنے کھڑی ہو۔ اپنے منہ سے اقرار جرم کر رہی ہو۔ مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں تم پر خنجر چلا دوں مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔

اللہ نے اس حقیر آدمی کے دل کو بلا کا نرم بنایا ہے۔ مجھے درگزر اور معاف کر دینے کی تعلیم دی گئی ہے اور میں تمہیں معاف بھی کر سکتا ہوں' مگر تم کیا کرو گی زوباریہ! حریم تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔" وہ گویا تھک سا گیا تھا۔ ٹوٹ سا گیا تھا، بکھر سا گیا تھا۔

"میں ایک بہت بڑی قیامت سے گزرا ہوں۔ تمہیں کیسے بتاؤں زوباریہ! میرا دل درد کا ایک سمندر بن گیا ہے اور یہ درد کا سمندر ہمیشہ میرے دل کی دیواروں کے ساتھ ٹکراتا رہے گا۔ میں تمہارے بارے میں بھلا کیا فیصلہ کروں تم نے مجھے کسی فیصلے کے اختیار کے قابل نہیں چھوڑا۔

بس اتنا کہوں گا کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ مخلص رہوں گا۔ میں تمہارا وفادار رہوں گا۔ تم کبھی بھی میرے رویے میں بدلاؤ نہیں پاؤ گی۔ میں تم سے ہمیشہ محبت بھی کروں گا اور تمہاری عزت بھی۔ پر یہ جو میٹھا میٹھا سا درد میرے دل میں کنڈلی مارے بیٹھ گیا ہے۔ یہ کیسے نکل پائے گا زوباریہ! بھلا یہ کیسے میرے دل کو درد کے اس احساس سے آزاد کر پائے گا؟" وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گیا۔ زوباریہ کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔ اگر ذرا سا سر اٹھا کر دیکھ لیتی تو دنگ رہ جاتی ماہیر کا پورا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا' مگر اس کے لہجے میں ذرہ بھر لڑکھڑاہٹ نہیں تھی اور وہ دھیرے دھیرے پھر سے کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے ہمیشہ محبت کروں گا۔" اس کی آنکھ کے ساتھ دل بھی رو دیا تھا اور اس دل کے آنسو تو ہمیشہ گرتے ہی رہنے تھے۔ کوئی دیکھتا یا نہ دیکھتا۔

............*

اور یل موتیوں کی لڑیوں نے افق کو سجاوٹ بخش رکھی تھی۔ افق کو کہکشاؤں سے ایواز بخش رکھا تھا۔ اس کی ساری آراستگی و پیراستگی' چمک' ضوفشانی' تابنا کی سنہرے ستاروں کی ودیعت کردہ تھی۔ اوج پہ سنہری مالاؤں کی راجدھانی تھی۔ بدریہ کے آس پاس سونے چاندی کے سکے جھلملا رہے تھے۔ یہ عیاں کرتی' ظاہر ہوتی' کچھ کہتی' کچھ بولتی گھونگٹ کے آر پار' آس پاس' بہت پاس جگنوؤں کی طرح چمکتی تاروں کی طرح جھلملاتی کچھ خوش' کچھ الگ' کچھ منفردسی' تلخش کی مانند خوشبو اس کے دل کے بغیا میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔

کسی نے سچ کہا تھا' محبت بریار (زرخیز) ہوتی ہے۔ دل کی مٹی پر بوند بوند بھی گرے تو شگاف ڈال

جاتی ہے۔ کبھی براہین یعنی دلائل بن کر تن جاتی ہے۔ کبھی پرکھتی ہے' کبھی کھوجتی ہے۔ کبھی بہیہ تو کبھی بہتی' کبھی بیریل تو کبھی بیلا۔ محبت کو جو بھی نام دو رہتی تو محبت ہے۔ ازل سے لے کر ابد تک۔

محبت کا جھمکا اس کے ماتھے پہ آ سجا تھا۔ پھر وہ کیوں نہ پھولوں کی قطار پر چلتی' راستے روشنی بنے' راہی بنے پڑواں دے رہے تھے' صدا انگار رہے تھے۔ محبت کی حرارت نے اس کے دل کو موم بتی کی طرح پگھلا دیا تھا۔ محبت تاسیس کی طرح اس کے دل پر نئی شاخیں پھیلا رہی تھی۔ سبز پتے اگا رہی تھی۔ کونپلیں کھلا رہی تھی۔

محبت کے تاجور جادوگر نے اپنی پاک محبت کا جادوئی علم' طلسم اس کے وجود پر اور قلب کے قرب و جوار پر پھونک دیا تھا۔ وہ اس جھکی جالی دار پلکوں اور کالی آنکھوں کے ساحر کی ساحری کے اثر میں آ گئی تھی۔ وہ تیر بردار تھا یا تیر انداز' جس کی محبت کا سہام اس کے دل میں' دل کی گداز یت میں اتر گیا تھا۔ کبھی نہ نکلنے کے لئے' کبھی نہ چھوڑنے کیلئے۔

شب افروز کے جگنو اس کی آنکھوں میں اتر آئے تھے اور رات میں پڑنے والی نمی کی شفافیت' پاکیزہ اور صاف و شفاف اوس کے قطرے اس کی پیشانی پر اتر آئے تھے۔ شام کے سارے راگ' سارے سُر' ساری دھنیں' سریلی گھنٹیوں کی مانند رات' دن گونجتی تھیں۔ سفید پھولوں کے باغات' شمائم' مہک' نکہت و خوشبوئیں بکھیر رہے تھے۔ کلیوں کے گالوں پر حیرانی اتر آئی تھی۔ جیسے پہاڑی لالہ پر برسوں بعد بارش برسے' جیسے صدیوں سے ترسے صحرا پر کوئی جوگی' کوئی بھولا بھٹکا مسافر نکل آئے۔

جیسے شفان' جیسے حیران بارش کے ساتھ چلنے والی ٹھنڈی ہوائیں رک رک کر پوچھنے لگیں' جیسے آسمان کے چہرے پر شفق کے رنگ اتر آئیں' جیسے کلس کے سنہرے تھال میں سفید اولے گرنے لگیں۔

وہ شاہی' وہ سلطانی' شامچہ اٹھائے اس کے پاس آیا تھا۔ حریم جمال کو لگا شہنا کے سر لے پر کوئی مدھر دھن یا راگ بکھر گیا ہو۔ شمع سحر کے گالوں پر حرارت اتر آئی تھی۔ جیسے کسی خشک' بنجر اور پتھریلے پہاڑ کے پیٹ سے بے شمار صحفہ پھوٹ پڑیں' چھوٹے چھوٹے بے حساب ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے۔

وہ محبت کی صداقت کا پیالہ تھام کر اس کے قریب آیا تھا۔ حریم جمال کو لگا وہ سورج جیسی آن و بان والے زرجان عباس کے عشق کی گرماہٹ سے پگھل جائے گی۔

اس نے اپنا ہاتھ حریم کے کندھے پر رکھا تو کسی جادوئی قوت کے زیر اثر اس کی گردن میں خم آ گیا۔ کھڑکی کے پار اب بھی روشنی میں نہائی رات جگمگا رہی تھی' مگر جو روشنی زرجان عباس کی آنکھوں میں تھی۔ اس چمک کا نہ کوئی حساب تھا' نہ شمار تھا۔ پھر اس کی سماعتوں میں کسی کی آواز اور لہجے کا امرت رس ٹپکانے لگا تھا۔ حریم کے دل کی ہر دھڑکن میں بے ترتیبی اتر آئی۔

"آج میرے دل سے منور' روشن' چمکدار' تاباں و درخشاں کسی کا گھر نہیں' کسی کا دل نہیں۔ کیا میرے دل کے گھر میں اتر کر اس کی تابنا کیاں اور ضوفشانیاں نہیں دیکھو گی؟" اس کے ہونٹوں پر بکھرے نغمے نے حریم کے لبوں پر مسکان کی کلیاں بکھیر دی تھیں۔

"پچھلے کئی سال سے یہی ایک کام تو کر رہی ہوں۔" اس نے پذیرائی کا امرت واپس لوٹایا تو زرجان کی آنکھوں میں ستاروں کی کوٹ بھر گئی۔

"میں محبت کی جائے نماز پر سجدہ شکر بجا لایا ہوں۔ میرے رب سے بڑھ کر کوئی رحمان نہیں' جس نے مجھے نارسائیوں کے زہر سے بچا لیا۔ جس نے مجھے تنہائیوں کے اندھیروں سے ضلمر کے حوض میں لا کھڑا کیا۔ اگرچہ میرے دل میں ضرمہ (آگ' آتش) نہیں بھڑکی تھی۔ میں نے اپنی محبت کو زوباریہ کے عشق کی طرح آتش نہیں بننے دیا۔ میری محبت نے کسی کے دل پر ضیب (تلوار کی دھار) نہیں چلائی۔ شاید اسی لئے ظہارہ ظل (بادلوں کے سائے) ہمیشہ مجھے ڈھانپے رہے۔ مجھے گرم دوپہروں کا حصہ دار نہیں بننا پڑا۔ مجھے حسد اور نفرت نے دیوانہ نہیں بنایا۔ میں تمہاری محبت کا شکر گزار ہوں حریم! جس نے کبھی مجھے کسی بھی چوراہے پر بھٹکنے نہیں دیا۔ نہ ماہیر سے حسد میرے دل کے قریب سے گزرا' نہ زوباریہ جیسے خود غرض عشق نے مجھے تمہاری نگاہ میں شرمندہ کیا۔ تو پھر میں کیوں نہ سجدہ شکر بجا لاؤں۔ میں نے تمہیں پا کر زمانہ پا لیا ہے۔ کیا مجھ سے بڑھ کر کوئی بلند بخت ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی محبت کا شہد اس کی ساعتوں میں اتار رہا تھا۔ اس کے لہجے کی روانی' اس کے لفظوں کی نرماہٹ' اس کے جذبوں کی گرماہٹ نے ہمیشہ کی طرح حریم کو اپنی قید میں جکڑ لیا تھا۔ گرفتار کر لیا تھا۔

"میں جیتی ہوئی تھی' مگر زوباریہ کی جیت نے مجھے ہرا ڈالا اور میں پہاڑ کی چوٹی سے' آسمان کے کنارے سے بلندیوں اور اونچائیوں سے گرتے گرتے بھی جیت گئی۔" حریم کی آنکھوں میں گئے دنوں کا ملال نہیں تھا۔ شکستگی نہیں تھی۔ محبت کے سپہ سالار نے اس ہاری ہوئی عورت کو پھر سے فتح یاب کیا تھا۔ بامراد کیا تھا۔ زمانے کی نظر میں معتبر کیا تھا۔ پھر وہ کیوں نہ اس محبت کے سلطان کے پیچھے صف باندھ کر کھڑی ہوتی۔ اس کے کندھے پر ٹھہرا ہاتھ حریم کے پہلو میں ٹھہر گیا تھا۔ اس نے پیچھے سے حریم کے گرد ایک نرم سا حصار کھینچا تھا۔ زرجان کی ٹھوڑی اس کے نرم' ریشمی' ملائم بالوں کو چھو رہی تھی۔ وہ ایک سرشار کر دینے والی کیفیت کے زیر اثر تھا اور حریم ایک مطمئن' پرسکون اور مسرور کر دینے والے لمحے کی زد میں تھی۔ گزرے دنوں کے ملال خواب و خیال ہو گئے تھے یا اس کے دل کی آخری تہہ میں کھودی ہوئی لحد میں اتر گئے تھے۔ اس لحد میں کبھی کبھی وہ آنسوؤں کی نمی کا چھڑکاؤ ضرور کرتی تھی۔ اس لحد کی آغوش میں چھپائی ماہیر عالم کی محبت پر کبھی کبھی ایک آنسو سے بھرا دیا ضرور جلاتی تھی اور اسے زرجان عباس کی محبت کے ظرف اور وسعت کی بدولت کبھی کبھار' سالوں بعد دل میں کھودی لحد پر چند قطرے پانی کے گرانے کی بھرپور اجازت تھی۔ اگرچہ یہ کیفیت لمحاتی ہوتی تھی' کبھی اذان کی آواز اسے کھینچ لیتی' کبھی نور کی چہکار اسے متوجہ کر لیتی اور کبھی اذان اور نور سے مشترکہ محبت اور پیار کرنے والا زرجان اسے اپنی محبت کی سیرابی اور گہرائی کے الجبرے جیسے پیچیدہ سوال سمجھانے لگتا۔

"جو سکون چھینتے ہیں وہ صدا بے سکون رہتے ہیں اور جو دل نوچتے ہیں ان کے دل کبھی آباد نہیں ہوتے۔ ماہیر کو پا کر بھی وہ خالی ہے۔ ویران ہے' وہ کبھی آباد نہیں ہوگی۔ مطمئن نہیں ہوگی' سرشار نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ ماہیر عالم نے تمہارے بعد محبت کے نئے ابواب کھولنے اور لکھنے چھوڑ دیئے ہیں۔ اس نے حریم جمال سے محبت اور جدائی کے بعد اس قلم کو توڑ دیا ہے جس سے اس نے کبھی محبت کا نام اپنے دل پر لکھا تھا۔ اس نے اس صحیفے کو پھاڑ دیا ہے جس پر کسی اور محبت' کسی نئی محبت کے قرینے اور لفظ لکھے تھے اور زوباریہ

درانی اس ٹوٹے قلم اور ریزہ ریزہ صحیفے کے ٹکڑے تھامے آج بھی حیران پریشان ہے۔" زرجان کے خاموش لب بے آواز ہی ہلے تھے۔ وہ حریم کو کسی نارسائی کے درد یا بیتے لمحے کی یاد میں تڑپانا نہیں چاہتا تھا' مگر وہ گزری باتوں اور بیتے سالوں کی یادوں کو تازہ کرنے سے منع بھی نہیں کرتا تھا۔ یہ زرجان عباس کی محبت اور ظرف کی وسعت کا کھلا ثبوت تھا۔

"جب چاند کے سائے دھرتی پر پڑنے لگیں تو سمجھ لینا شام نے رات کا پردہ تان لیا اور رات جب دھرتی پہ اترے تو آسمان پر سنہری دیے جھلملانے لگتے ہیں۔ میں ان روشن دیوں کو بتانا چاہتا ہوں تم اتنے روشن نہیں ہو۔ اس غرور کے سحر سے نکل آؤ۔ میری حریم تم سے زیادہ روشن ہے۔" اس نے حریم کے گرد حصار محبت کے گھیرے کو ذرا اور سمیٹا تو حریم گویا اس بیتے سالوں کی یاد میں اداس شام کی سیاہی جیسے لمحے کی زد سے فوراً نکل آئی تھی۔

"میں اس لطیف احساس میں گم ابھی تک حیران ہوتی ہوں کہ فصاحت و بلاغت میں آپ نے بھی ماسٹرز کر رکھا ہے؟ کیا حانی لاج میں آنے والا بھی زرجان عباس ہے؟" وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"جب وہ ہستی جسے آپ نے طلب کیا ہو' جسے اللہ سے ایک خاص تحفہ سمجھ کر مانگا ہو۔ اس کی موجودگی نہ صرف شاعر بلکہ محرر یا مصور بھی بنا سکتی ہے۔" زرجان نے حریم کی روشن پیشانی پر مہر محبت ثبت کی تو گل لالہ کی ساری گلابیت اس کے گالوں پر بکھر گئی۔ اس نے کسمسا کر حصار توڑنا چاہا تو ہمیشہ کی طرح ناکامی ہوئی۔ اس کے چہرے پر تفخر بھری جھنجلاہٹ ابھر آئی تھی۔

"اگر مزاج نازک پہ گراں نہ گزرے تو میں بچوں کو اک نظر دیکھ آؤں۔" اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کر زرجان کی طرف دیکھنا چاہا تو اس کے چہرے اور ناک سے اس کے گال ٹکرا گئے۔ زرجان نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے پھر سے اپنی محبت کی قید میں گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے گرد حصار محبت کو ذرا اور تنگ کیا۔

"آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بچوں کے پاس آل ریڈی مما موجود ہیں۔ سو یہاں سے بچنے کے بہانے مت ڈھونڈیئے۔"

زرجان نے اس کی ننھی سی ناک کھینچی تو وہ حیاء سے قندھاری انار کا روپ دھار گئی۔ زرجان نے اس حسین منظر کو نظر میں سمویا اور بولا۔

"اس خدمت گزار کو کبھی خدمت کا موقع بھی دے دیا کریں جناب!" اب وہ مسلسل اسے چھیڑ رہا تھا۔ تنگ کر رہا تھا اور وہ سرخ چہرہ لئے مسلسل ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو کیا آج بھوکا رہیں گے؟ میں کچن میں جاؤں گی تو کچھ بناؤں گی نا۔" وہ بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"میرا کیا ہے' میں تو گھاس پھوس اور درختوں کے پتے بھی کھا لوں گا۔ میرے لئے تردد مت کرو بس اتنی سی گزارش ہے جان زرجان! نگاہوں کے سامنے رہا کرو' نظر سے اوجھل مت ہوا کرو۔" زرجان کی

جذبوں سے دہکتی نظروں نے حریم کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح گھبراہٹ میں مچل کر حصار توڑنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"بہت ڈائیلاگز آتے ہیں آپ کو۔ بالی ووڈ والے اب آپ کو کاسٹ کر لیں تو پانچوں انگلیاں گھی میں ہو جائیں گی ان کی۔"

"تمہاری ان آنکھوں کی عفافیت اور شفافیت کی قسم! میں پوری فلم کو ایک سین میں کری ایٹ کر سکتا ہوں۔ بس تم سامنے رہو۔" شرط وفا بس اتنی ہے۔" زرجان نے اس کی سیاہ رات جیسی بل کھاتی چوٹی کے بل دھیرے دھیرے کھول دیئے تھے۔ بالوں کی ریشمی آبشار نے اس کی پوری پشت کو ڈھانپ لیا تھا۔

"آپ کی نظر کے سامنے تو ہوں۔" اس نے پلکوں کی چلمن دھیرے دھیرے سے اٹھائی۔ وہ اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرنے کے لئے اتنے پاس موجود تھا کہ اس کے سانسوں کی خوشبو حریم کے گال سے ٹکرا رہی تھی۔ زرجان نے اس کے چہرے پر لٹکتے بال دھیرے سے پیچھے کئے۔

"مگر اس وقت اجازت چاہتی ہوں۔" اس نے مسکراہٹ دبا کر گویا التجا کی۔

"اگر آپ اس خادم کے بچوں کی خدمت کے لئے جانا چاہتی ہیں تو دل پر پوری چٹان رکھ کر اجازت دے دیتا ہوں۔"

زرجان نے مصنوعی افسردگی خود پر طاری کیے کہا تھا۔ حریم ذرا سا مسکرائی اور پھر آہستگی سے بولی۔

"کیا سچ مچ اجازت ہے؟"

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے گال پر مہر محبت ثبت کرتے ہوئے جواب دیا۔ حریم اس کے بازوؤں کی زنجیر سے باہر نکلتے ہوئے ذرا پلٹی۔

"میں ذرا بچوں کو اور مما کو دیکھ کر آتی ہوں۔" اس نے گالوں کی سرخی کو کم کرنے کے لئے ہتھیلیوں سے رخسار ذرا رگڑے تو سرخی کچھ اور واضح ہو گئی تھی۔ وہ نادانستگی میں بار بار یہی عمل دوہرا رہی تھی۔

"مما! بڑی ڈیسنٹ اور ایجوکیٹڈ ساس ہیں یار! وہ تمہارے گالوں کی گلابیوں پر کوئی سوال نہیں اٹھائیں گی۔ شاید اس لئے کہ وہ سٹار پلس کی ساسوں جیسی نہیں۔ انہیں پتا ہے' تم میرے پاس سے ہو کر آئی ہو۔ اس لئے گلابوں سے دھلی ہوئی لگ رہی ہو۔" زرجان کی شرارتی آواز اس کے تعاقب میں دور تک پیچھا کرتی گئی تھی۔ حریم ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی' جبکہ زرجان وہیں کھڑکی میں حریم کی جگہ کھڑا ہو کر ستاروں سے سجے آسمان کو دیکھنے لگا تھا۔ تبھی نجانے کہاں سے بہت عرصے بعد بولتی خاموشی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے..... تم کہاں سے آ گئیں۔" زرجان کی آنکھوں میں جھلملاتے ستاروں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"میں تمہیں مبارک دینے آئی تھی۔ بڑی مبارک گھڑی تمہارے نصیب میں ٹھہری ہے۔ تمہیں وصل کی شب نصیب ہو گی۔ تم بامراد ہو گے۔" خاموشی کے لہجے میں حسد نہیں تھا' کھنک تھی' خوشی تھی' سرشاری تھی۔

"بہت خوش ہو نا زرجان۔" خاموشی پوچھ رہی تھی' کچھ کہہ رہی تھی' کچھ بول رہی تھی۔

"ہاں' بہت خوش ہوں' بہت مطمئن ہوں' بہت سرشار ہوں۔" زرجان کے انگ انگ سے مسرتیں پھوٹ رہی تھیں۔

"میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش اور آباد رہو۔" خاموشی کے لبوں پر دعا اتر آئی تھی۔ کھنک اتر آئی تھی۔

"مجھے حریم جمال نہیں' مجھے پورا زمانہ مل گیا ہے۔ میں کیوں نہ خوش اور سرشار نظر آؤں۔" زرجان کے لب ہی نہیں' پورے چہرے کا ایک ایک نقش مسکرا رہا تھا۔

"ہاں' تم نے ٹھیک کہا۔" خاموشی گویا فوراً متفق ہو گئی۔ وہ اس سے اختلاف کرنے آئی بھی نہیں تھی۔

"میں تم سے ایک سوال پوچھ لوں زرجان!؟"

"ہاں تم کب سے اجازت لینے لگی۔" زرجان گویا مسکرا دیا۔

"میں شاید دوبارہ کبھی نہ تمہاری خوشیوں میں مخل ہونے آتی' مگر اس سوال کی بے چینی مجھے دوبارہ کھینچ لائی ہے۔" خاموشی گویا اپنے آنے کی وجہ بتا رہی تھی۔

"کہو نا' چپ کیوں ہو۔" زرجان کو بے چینی ہوئی۔ اسے باہر جانے کی جلدی تھی۔ وہ اس وقت کو بچوں کے لئے مخصوص رکھتا تھا۔ بچوں کے ساتھ گزارتا تھا۔ اس کے پیارے بچے اذان اور نور' جن کی محبت اسے اپنا کل سرمایہ محسوس ہوتی تھی۔

"اس کھونے اور پھر پا لینے کے عمل میں تم نے کس چیز کو پرکھا' سمجھا' جانا.....؟" خاموشی کا سوال بہت عجیب تھا' مگر زرجان کا جواب بڑا مختصر' مدلل' ٹھوس اور مضبوط تھا۔

"میں نے اپنی محبوب چیز کو کھو دیا تو اس پر صبر کر لیا' محبت کی' مگر اسے رسوا نہیں کیا۔ سو اللہ نے مجھے اس محبت سے نوازا تو اس پر شکر کر لیا۔ آؤ میں تمہیں "صبر" اور "شکر" کے مفہوم سمجھاتا ہوں۔ میں تمہیں "ایثار" اور "قربانی" کے ابواب پڑھاتا ہوں۔ اگر ایثار دیکھنا ہے تو حریم کا دیکھ لو' اگر حسد دیکھنا ہے تو زوباریہ کا دیکھ لو' اگر صبر دیکھنا ہے تو ماہیر کا دیکھ لو' جس نے محبت کو اپنے ہاتھوں سے کھو کر پھر صبر کیا۔ اگر پچھتاوا دیکھنا ہے تو زوباریہ کا دیکھ لو' جو آج بھی سب کچھ پانے کے باوجود ادھوری ہے۔ اگر غرور ٹوٹا ہوا دیکھنا ہے تو محترمہ تابندہ فلک ناز کا دیکھ لو۔ کل جس کی چوکھٹ پر اسے دھتکار آئی تھی آج اسی عورت کے قصیدے پڑھتی ہیں اور اگر محبت دیکھنی ہے تو زرجان عباس کو دیکھ لو۔" وہ خاموش ہوا۔ تو گویا سحر زدہ سی خاموشی بھی ششدر رہ گئی۔

"زرجان! تم جیسا تو کوئی نہیں۔" خاموشی جو زرجان عباس پر رشک کر رہی تھی۔ کچھ گھوم رہی تھی' کچھ جھوم رہی تھی' ایکدم ننھے بچوں کی چہکاروں پر مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔ اسے اب زرجان عباس کے دریچے میں کبھی نہیں آنا تھا۔ اسے اپنے سوالوں کے جواب مل گئے تھے اور وہ کبھی نہ آنے کے لئے پلٹ گئی تھی۔ زرجان عباس کا کمرہ ننھے بچوں کی قلقاریوں اور چہکاروں سے جھوم اٹھا تھا۔ وہ دو گلاب جیسے کھلے کھلے بچے اس کی گود میں سوار تھے اور خوب چہک رہے تھے۔

"زرجان!" بچوں کی ماں کی نرم سی آواز اس کے قریب ابھری۔

"جی زرجان کی جان!" وہ بچوں سمیت اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ننھی پلٹون کو لے کر باہر آ جائیے۔ مما کھانے کی میز پر سراپا انتظار بیٹھی ہیں۔" حریم اس طرز تخاطب پر مصنوعی غصے سے دیکھتے ہوئے پلٹ گئی تھی جبکہ زرجان بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا۔

"بھاگو بچو! ورنہ آپ کی مما لیٹ ہونے کے جرم میں ڈائننگ ٹیبل کے قریب بھی نہیں آنے دیں گی۔" زرجان کی کھلکھلاتی آواز حریم کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ اک پر کیف سرور بخش احساس سے مغلوب مسکرا دی تھی۔ سبز پتوں کی پازیب کہیں دور بج رہی تھی۔ پائیزہ تابش (خزاں کے گرم موسم) بہت دور چلے گئے تھے۔ پیپے کے پھولوں کی گلابی پتیوں کے ایک ایک رخسار پر حریم جمال کے "پیا" کی گنگناہٹ گونج رہی تھی۔

"میں نے تمہیں پایا تو زمانہ پایا...... میری محبت کی ثباتی کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔"

............*

کھڑکی کے پاس کا منظر بھیگا بھیگا تھا۔ درخت، پتے، پھول گویا ہر شے آنسو بہا رہی تھی۔ آسمان پر ایک بھی بدلی موجود نہیں تھی۔ یہ اس کی آنکھ کے آنسو تھے جو ہر منظر نم دکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی دل کی ہر خوشی بجھے ہوئے چراغ کی مانند لگتی ہے اور کبھی کبھی سب کچھ پا کر بھی ادھورا پن مقدر بن جاتا ہے۔ وہ چند سال پہلے کے کچھ منظر بھیگے وقت سے چرا کر یاد کرنا چاہتی تھی اور یہ یاد ہمیشہ آنسوؤں کی سوغات اٹھا لاتی تھی۔

صرف چند سال پہلے کی تو بات ہے۔ وہ خود کو ہر تھکن، دکھ اور غم سے آزاد محسوس کر رہی تھی۔ حانی کو بھیج دیا گیا تھا۔ حریم اس کی خواہش کے مطابق ماہیر کی زندگی سے دور چلی گئی تھی اور ماہیر اس تنہائی، اکیلے پن اور شکستگی کی بدولت زوباریہ کے خود بخود قریب آتا چلا گیا۔ حریم کی خود غرضی سے متنفر تو وہ ہو ہی چکا تھا اور مزید متنفر تو وہ وقتاً فوقتاً کرتی ہی رہتی تھی۔

پھر ایک دن کیا ہوا۔ وہ دن ماہیر کی رہائی کا دن تھا اس دن زوباریہ بہت معروف تھی۔ وہ گھر کی آرائش و زیبائش کروا رہی تھی۔ وہ ماہیر کے واپس آنے کی خوشی میں ایک جشن کا اہتمام کرنا چاہتی تھی۔ پھر بھلا کیا ہوا؟

وہ اس دن آفس میں موجود تھی۔ وسیع و عریض گلاس ٹیبل بے شمار آفیشل چیزوں سے بھری پڑی تھی۔ ترتیب سے رکھے ہوئے ٹیلی فون سیٹ، فائلیں، کمپیوٹر وہ لیپ ٹاپ پر بہت ضروری فائل دیکھنے میں منہمک تھی۔ جب سیکرٹری نے انٹرکام پر اطلاع دی۔

"میم! کوئی شاہنواز صاحب آئے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بھیج دو۔" اس نے معروف سے انداز میں جواب دیا۔ وہ کام کی طرف متوجہ تھی جب دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ زوباریہ نے سرسری سے انداز میں سر اٹھایا تھا مگر ایک دم ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"شیری! تم۔" اس کے سامنے شاہنواز بیگ کھڑا تھا۔ اکھڑے اکھڑے تیور لئے۔ کافی عرصہ بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ بغیر بتائے جو وہ غائب ہوا تھا تو پھر آج ہی سامنے آیا۔ زوباریہ کو فطری سی خوشی محسوس ہوئی۔

"تم کب آئے؟ وہ بھی بغیر بتائے، چلے آئے۔ کم از کم بتا تو دیتے۔ میں نے کافی تمہارا انتظار کیا تھا۔" وہ خوش دلی سے بولی۔

"بیٹھو نا۔"

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا۔" شاہنواز کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"تو پھر؟" زوبی الجھی۔

"تم سے کچھ پوچھنا ہے۔" وہ ترش انداز میں بولا۔

"تو پوچھو۔" وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"حریم اور ماہیر کے ساتھ تم نے اچھا نہیں کیا۔ برا کیا ہے تم نے زوباریہ! بہت برا۔" شاہنواز کا لہجہ بہت کھردرا اور نفرت لئے ہوئے تھا۔

"کسی کا دل اور گھر اجاڑ کر تم خود کو آباد نہیں کر پاؤ گی...... مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں سمجھ نہیں پایا تھا۔ تم تو نفیس سی خوشنما پٹاری کے اندر چھپی ہوئی ناگن تھیں۔"

"اسٹاپ اٹ شاہنواز۔" زوباریہ نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

"میں نہیں جانتی کہ تمہارا حریم سے کیا تعلق ہے۔ بہرحال میں نے جو کیا، ٹھیک کیا۔ اس پر مجھے قطعاً پچھتاوا نہیں۔"

"تم نے اپنے لئے ظلم اور آگ خرید لی ہے زوباریہ! تم نے کسی کی بے بسی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ تم نے ایک شاطرانہ چال چلی ہے۔ مگر دیکھ لینا، تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گی۔" شاہنواز کا چہرہ غصے کی زیادتی کے باعث تمتما اٹھا۔

"میں کامیاب ہو چکی ہوں۔" زوباریہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں اور ماہیر عنقریب شادی کر رہے ہیں اور تمہاری حریم، جس کا نہ جانے تم سے کیا تعلق ہے۔ نہ جانے کس ہمدردی میں تم یہاں چلے آئے ہو۔ بہرحال تمہاری حریم سے زرجان عباس شادی کر رہا ہے۔ میری ماں اور زرجان دونوں مجھ سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اگر تم بھی برا بھلا کہنا چاہتے ہو تو شوق سے کہہ لو۔ میں زرجان اور ممی کا برا رویہ برداشت کر سکتی ہوں تو پھر جو بھی کہنا چاہتا ہے۔ شوق سے کہے۔"

"حریم میری بہن ہے اور بہنوں کے اجڑنے کا بہت دکھ ہوتا ہے زوباریہ! تمہاری جیتی بازی مات کر سکتا ہوں اللہ کی قسم! اگر مجھے حریم قسم دے کر نہ روکتی تو میں تمہارا سارا کچا چٹھا ماہیر پر کھول دیتا۔" وہ زہر خند ہو رہا تھا۔

"جو کرنا ہے کر لو۔" وہ گویا ہر شے سے بے نیاز ہو چکی تھی اور شاہنواز گویا زہر کے گھونٹ بھر کو لوٹا تھا اور پھر اسی شام جب وہ خوشیوں کے دیئے جلا رہی تھی تب عفیفا مختار چلی آئی۔

"کوئی نصیحت کرنے آئی ہو تو بے کار میں وقت ضائع کرنا ہے۔" زوباریہ سر جھٹک کر بولی۔

"تم خون آشام بلا ہو زوباریہ! اور بلاؤں پر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بلائیں اگر کسی کی

زندگی پر نظر کر لیں تو تباہی لے آتی ہیں۔" وہ نفرت سے پور پور جل رہی تھی۔ زوباریہ سے اس انتہائی قدم کی امید رکھنے کے باوجود اس کا دل ابھی تک حقیقت سے انکاری تھا جو کچھ ہو چکا تھا۔ فیفا کو اب بھی خواب جیسا لگتا تھا۔

"تم میری دوست بن کر آئی ہو یا حریم کی ہمدرد؟" زوباریہ نے کٹیلے لہجے میں پوچھا۔ پہلے شاہنواز اور اب عفیفا کی آنکھوں میں اپنے لئے تنفر دیکھ کر اس کا دل پھیکا پڑ رہا تھا۔

"دوستی کا رشتہ تو تب ہی ختم ہو گیا تھا۔ جب تم میری اور ماہیر کی دوستی کو شک کی نظر سے دیکھنے لگی تھیں۔" فیفا نے تاسف بھرے انداز میں کہا۔

"اور یہ میری ماہیر سے محبت کی انتہا تھی۔ میں کسی کا نام اس کے نام کے ساتھ جڑا نہیں دیکھ سکتی۔" وہ گویا اپنی بے بسی سے خود بھی لاچار نظر آ رہی تھی۔

"کسی کے دل کے ساتھ نہیں کھیلتے جذبات کے ساتھ نہیں کھیلتے، زندگی کے ساتھ نہیں کھیلتے۔ اس کھیل کھیل کے چکر میں خود کا کھیل مت بنا لینا۔" فیفا کے لہجے کا روکھا پن اسے بے چین کر گیا تھا۔

"تم سب مجھے غلط سمجھتے ہو؟"

"تم نے جو کیا، غلط کیا؟"

"مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہ ہی کیا۔" وہ ابھی تک خود کو درست سمجھ رہی تھی اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

"تمہیں یہ غلطی بہت دفعہ رلائے گی۔ بہت دفعہ۔" اس کا تاسف کسی طور کم نہیں ہو سکتا تھا۔

"تم مجھے بد دعا دے رہی ہو۔" زوبی کا لہجہ بلا کا روکھا تھا۔

"جس جس کا دل دکھا ہے یا دکھایا گیا ہے۔ وہ تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتا۔" فیفا کو اداسی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور وہ دکھے دل سے پلٹی تھی۔ زوباریہ کے روکنے کے باوجود وہ وہاں رک نہیں پائی تھی۔ اس میں وہاں رکنے کا حوصلہ نہیں تھا اور وہ حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ نہ جانے کیسے، کس طرح لوگ کسی کے دل کی قبر پر اپنے سپنوں کا تاج محل سجا لیتے ہیں۔ کیا ان کے دل سچ مچ احساس سے عاری ہوتے ہیں؟ یا پھر خوف خدا سے دور؟ یا پھر کسی کی بد دعا کی دہشت سے انجان ہوتے ہیں؟

............*

اپنے ماضی کے تصور سے ہراساں ہوں میں
اپنے گزرے ہوئے ایام سے نفرت ہے مجھے
اپنی بے کار تمناؤں پہ شرمندہ ہوں
اپنی بے سود امیدوں پہ ندامت ہے مجھے
میرے ماضی کو اندھیرے میں دبا رہنے دو
میرا ماضی میری ذلت کے سوا کچھ بھی نہیں
میری امیدوں کا حاصل، میری کاوش کا صلہ

ایک بے نام اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں
کتنی بے کار امیدوں کا سہارا لے کر
میں نے ایوان سجائے تھے کسی کی خاطر
کتنی بے ربط تمناؤں کے مبہم خاکے
اپنے خوابوں میں بسائے تھے کسی کی خاطر

اب ایک اور تمنا تھی۔ ایک اور حسرت تھی، ایک اور خواہش تھی۔ جو رات دن سلگائے رکھتی تھی۔ تڑپائے رکھتی تھی اور جس کا حصول نہ جانے کہاں کہاں اسے بھٹکا رہا تھا۔

آج پھر وہ ولی شاہ کے دربار پر حاضری دینے کے لئے آئی تھی۔ وہ ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے بری طرح سے رو رہی تھی اور اس کے کرب اور درد نے کئی آنکھوں کو اشکبار کر دیا تھا۔

"تجھے کیا چاہئے بیٹی۔" ایک نرم دل عورت اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس عورت سے اس کی گریہ زاری دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"محبوب یا محبت؟" وہ عورت سوال کر رہی تھی۔

"نہیں یہ دونوں چیزیں مجھے میسر ہیں۔" زوباریہ نے بلند آواز میں روتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دفعہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"تو پھر؟" اس عورت کی آنکھوں میں سوال تھا۔

"شوہر محبت نہیں کرتا؟ توجہ نہیں دیتا؟"

"میرا شوہر مجھ پر جان چھڑکتا ہے۔ میری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا تفاخر بھر گیا۔

"کیا بچہ نہیں ہے؟" وہ گویا بات کی تہ میں اتر گئی۔

"ہاں۔"

"علاج کروایا؟"

"ہاں۔"

"دعا کے لئے آئی ہو۔" وہ عورت سوچنے لگی۔

"ہاں۔"

"تو پھر یوں کرو۔ اس مزار کے پچھواڑے میں چلی جاؤ۔ ایک سائیں جھونپڑی میں رہتا ہے۔ اس کی دعا میں بڑی تاثیر ہے۔ آج تک کوئی نامراد نہیں لوٹا۔ رات سے سائیں بیمار ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں، اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ کیا پتا، جاتے جاتے تجھے دعا دے جائے۔" اس عورت کے لفظوں نے گویا اس کے اندر بجلی بھر دی تھی۔ وہ تڑپ کر اٹھی تھی اور پھر ننگے پاؤں مزار کے پچھواڑے کی طرف بھاگنے لگی۔

یہ ایک معمولی سی جھونپڑی تھی۔ ایک بستر تھا، بلا کا صاف ستھرا اور اس بستر پر ایک نحیف سا وجود

آنکھیں کھولے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے پاس تین چار مرد حضرات بیٹھے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر باہر نکل گئے۔

زوباریہ کچھ ٹھٹک گئی...... اس کے خیال میں کوئی عمر رسیدہ بوڑھا سا آدمی سائیں کے روپ میں تھا۔ مگر وہ تو کوئی نوجوان تھا۔ اگر صحت مند ہوتا تو خوبروئی میں اس کا کوئی ثانی نہ ہوتا۔ گہرے سمندروں جیسی نیلی آنکھیں۔ بلا کے حسین نین نقش۔

"سائیں جی! کچھ مانگنے کے لئے آئی ہوں۔" زوباریہ نے وقت ضائع کئے بغیر بہت درد بھرے لہجے میں کہا۔ سائیں اس کی طرف پھر بھی متوجہ نہ ہوا۔

"سائیں جی! بہت دکھیاری ہوں۔ بہت تنہا ہوں، بے مراد ہوں۔ جھولی بھر دو نا۔" وہ سسکنے لگی۔

"سب کچھ پاس ہے۔ پھر بھی ادھوری ہوں۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"کانچ کے شہر کی اے عورت! بہت دیر کر دی تم نے۔" سائیں کی آواز میں عجیب سا جلال بھر گیا۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟ میرے پاس تمہارے لئے کچھ بھی نہیں۔"

"کیوں کچھ نہیں؟ سارے جہاں کے لئے دعا کرتے ہو؟ میرے لئے بھی دعا کرونا۔ رب سوہنا میری جھولی کو بھر دے۔ میرے آنگن میں بھی پھول ہی پھول کھل اٹھیں۔" وہ تڑپ کر بول اٹھی۔

"میرے پاس تمہارے لئے دعا بھی نہیں۔ لوٹ جاؤ، پلٹ جاؤ...... جو کچھ تم نے چھین لیا ہے، جو کچھ تمہیں مل چکا ہے۔ اس پر صبر کرو۔ شکر کرو۔" آواز پر غنودگی بھی طاری ہونے لگی تھی۔

"آپ کو کیسے خبر ہوئی۔ میں نے کچھ چھین کے حاصل کیا ہے؟" اب کے وہ کچھ حیران رہ گئی۔

"تم زوباریہ ہونا، ماہیر عالم کی بیوی۔" سائیں کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔

"ہاں۔" اس نے بے ساختہ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تم نے کسی کا دل خالی کیا تھا نا؟" سائیں کی آواز کسی بوڑھے کی آواز سے مشابہ ہو گئی تھی۔

"ہاں کیا تھا۔ اپنے دل کی مراد پانے کے لئے۔" زوباریہ کی آواز بہت پست تھی۔

"خالی کر دینے والے ہمیشہ خالی رہتے ہیں۔" بخار کی شدت نے سائیں کے پورے وجود پر بے ہوشی طاری کر دی تھی۔

"بی بی! سائیں کی صحت ٹھیک نہیں۔ آپ پھر کبھی دعا کے لئے آنا۔" دربار کا مجاور بہت ادب سے کہہ رہا تھا۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔

شاید اس کے نصیب میں خالی رہنا ہی لکھ دیا گیا تھا۔ تبھی تو جب حریم نے اذان کو ہمیشہ کے لئے ان کے حوالے کر دیا تو ماہیر دوبارہ جا کر اذان کو زرجان کے گھر چھوڑ آیا۔ زوباریہ کے رونے، چلانے کے باوجود اس کے گڑگڑانے کے باوجود ماہیر کی نا، ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ وہ تو اذان کو ایئرپورٹ تک چھوڑنے کے لئے بھی نہیں گیا تھا۔

"یہ میری سزا ہے کہ تمام عمر میں اذان کو یاد کروں اور کبھی اس سے نہ ملوں...... مجھے اپنی یہ سزا قبول ہے۔" حالانکہ یہ سزا تو زوباریہ کے لئے تھی۔ وہ تو خود بخود اس سزا میں حصہ دار بن گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اذان کی صورت میں ہی سہی، زوباریہ کی ممتا کو قرار آ جائے۔ وہ ماہیر عالم کی اولاد سے اپنا دل بہلانے کو تیار

تھی۔ مگر ماہیر کو یہ ہرگز بھی گوارا نہیں تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ قرار چھین لینے والی کچھ تو "بے قراری" کے درد، کرب، اور اذیت سے آشنا ہو اور زوباریہ تھی کہ آج بھی در در بھٹک رہی تھی۔ کبھی مزاروں پر، کبھی درباروں پر، کبھی مسجدوں میں ایک دفعہ پھر وہ ولی شاہ کے مزار پر جا رہی تھی۔ اسے سائیں سے ملنا تھا اور اسے یقین تھا گویا کہ سائیں کی دعا سے اس کی بے چین، پیاسی ممتا ضرور سیراب ہو جائے گی۔

مزار کے پچھواڑے بنی جھگی آج خالی تھی۔ زوباریہ کا دل گویا دھک سے رہ گیا۔

"سائیں جی کہاں ہیں؟" وہ مزار کے مجاور سے پوچھ رہی تھی۔ جو اپنے دھیان میں مگن صحن میں جھاڑو لگا رہے تھے۔

"وہ تو جی اللہ کو پیارے ہو گئے۔" مجاور نے افسردگی سے بتایا۔

"کک...... کب؟" زوباریہ رو دینے کو تھی۔

"آج دسواں دن ہے۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔

سائیں چلا گیا' یہ دنیا اس کے مطلب کی تھی بھی نہیں۔ یہ دنیا دھوکا اور فریب ہے۔"

"سائیں کو کیا ہوا تھا؟"

زوباریہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کچھ بھی تو نہیں، رب رحیم سے عشق کی لو لگا رکھی تھی۔ بس اس پاک ذات نے اپنے پیارے کو اپنے پاس بلا لیا۔" زوباریہ نے دیکھا۔ مجاور کی آنکھیں نم تھیں۔

"وہ اس فریبی دنیا سے تنگ تھا۔ وہ سچے راستے کا متلاشی تھا۔ سو وہ سب کچھ پا گیا۔"

"وہ سائیں بھلا کون تھا؟" اس کی آنکھوں میں سوال اتر آیا۔

"متواضع اور منکسر المزاج تھا۔ حق گو تھا۔ حق پرست تھا۔ طمع اور حرص سے خالی تھا۔ نیکی کا مبلغ تھا۔ رحمدل تھا۔ شب بے دار تھا۔ غریب تھا۔ رفیق تھا جو بھی تھا اللہ کے بہت قریب تھا۔" مجاور کام چھوڑ کر سائیں کی یاد میں آنسو بہانے لگا۔

"نہیں، وہ ایک نوعمر نوجوان تھا۔ وہ کون سے شہر سے آیا تھا؟ وہ کس خاندان سے تھا؟" زوباریہ کو ایک وہم نے سرتا پا کپکپا کر رکھ دیا۔ سائیں کی باتوں سے اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کی باتیں آج بھی زوباریہ کے ذہن میں محفوظ تھیں۔

"وہ ایک ہیجڑا تھا۔ منیب عالم اس کا نام تھا۔ بہت ہی اچھے گھرانے کا لڑکا تھا۔ اس کی وضع قطع، چال گفتار سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کا تعلق کس صنف سے ہے۔ بس اللہ نے اسے منتخب کر لیا تھا۔ چن لیا تھا، وہ شب بے داروں میں سے تھا۔ جو رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتے ہیں۔" مجاور دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ زوباریہ نے تھکی تھکی نظر سے مزار کے احاطے کو دیکھا اور چل دی۔

"مجھے ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ منیب عالم! تمہارے پاس میرے لئے دعا کیوں نہیں تھی۔"

اسے خالی ہاتھ...... لوٹنا تھا' کیونکہ ماہیر عالم اور منیب عالم نہیں چاہتے تھے کہ وہ بامراد ہو۔ اس کے دل کو قرار

آ جائے۔ اسے قرار آنا بھی نہیں چاہئے تھا۔ منیب عالم نے سچ کہا تھا۔ جو خالی کر دیتے ہیں۔ وہ خود بھی عمر بھر خالی رہتے ہیں۔ وہ زمین پر بہت نرمی سے قدم رکھ رہی تھی مگر پھر بھی...... آبلے تھے کہ زمین کی سختی کو برداشت نہ کرتے ہوئے پھوٹ رہے تھے اور لہو تھا کہ فرش پر نشان چھوڑے جا رہا تھا۔

"میرا دل محبت کے احساس سے لبالب بھرا ہوا ہے۔ ہجر کے عذاب مجھ سے دور ہو گئے۔ محبت نے میرے دل کے جام کو بے تحاشا بھر دیا۔ کیا عجیب بات ہے کہ زوباریہ درانی کا دل محبت سے بھرا ہوا ہے اور اس کی گود خالی ہے۔" وہ شاید دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ عجیب، اداسی میں لپٹی مسکان تھی، جس نے گلابی شام کو بھی اداس کر دیا تھا مگر پھر بھی...... دل تو خالی نہیں تھا۔ آنکھ تو خالی نہیں تھی۔ دل تو زندہ تھا، امید تو باقی تھی اور طاق پر رکھے دیے ابھی تک روشن تھے اور انہوں نے عمر بھر روشن ہی رہنا تھا اور ان دیوں کی جلن اور تپش نے ہمیشہ اسے دھیمے دھیمے سلگاتے رہنا تھا اور وہ عمر رواں کے ہر موڑ پر رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر پوچھ رہی تھی۔

"بھلا اس جنون، ضد، حسد، نفرت اور عشق کی انتہا نے مجھے کیا دیا؟"

"خالی پن۔" مزار کی اداس فضا نے ترحم سے اسے دیکھا تھا اور وہ دل میں کسک لئے پلٹ رہی تھی۔

عین عشق دیاں راہواں اوکھیاں سن
تو سوکھیاں جان کے ٹر پئی سی
عین عشق دا زہر، زہریلا سی
تو امرت سمجھ کے پی گئی سی

سبک خرامی سے چلتی ہوا بھی گویا افسردگی کا نغمہ پڑھ رہی تھی۔

(تمت بالخیر)